دار العلوم

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند

[illegible]

اورعام رقوم میں جو بینک میں جمع ہیں، ان میں جو رقوم زکوۃ و صدقہ فطر وغیرہ واجب التصدق نہ ہوں، اور صدقات واجبہ کے علاوہ عطیات و چندہ و صدقات نافلہ کی ہوں، ان رقوم کو جب دینے والوں نے مطلقاً کارِ نیک اور کارِ خیر کے لئے دیا ہو کسی خاص مد اور مصرف کی تعیین نہ کی ہو تو سوال ۳ کے مطابق مسجد، مدرسہ، اسکول، مولانا کا مکان، ہال سب کی تعمیر کر سکتے ہیں اور ان سب کی تمام ضروریات پر خرچ کر سکتے ہیں، بلکہ ہر نیک کام کر سکتے ہیں جیسے مسافر خانہ، ہسپتال بنانا جس میں غریبوں کو مفت دوا دی جائے، یا مثلاً کسی صنعت و حرفت کا اسکول کھول دیا جائے جس میں غریب بچوں کو مفت تعلیم دی جائے، صنعت و حرفت سکھلائی جائے، ہونہار و محنتی و پڑھنے کا صحیح جذبہ رکھنے والے بچوں کو دینی و دنیوی اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف دئے جائیں، مسلمانوں کی اقتصادیات میں ترقی کے لئے حدودِ شرع میں رہ کر راہیں نکالی جائیں، ان صدقات نافلہ کی رقوم سے آپس کے صلاح و مشورہ کے ساتھ اسٹاک مارکیٹ وغیرہ تجارتی حصے بھی خریدے جا سکتے ہیں اور اس کے منافع سے یہ سب مذکورہ بالا کام بھی کئے جا سکتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

البتہ اگر کسی دینے والے نے کسی رقم میں کسی خاص مصرف میں خرچ کرنے کی تخصیص تعیین کر دی ہو تو اس رقم کو اسی متعین مصرف کے علاوہ بغیر ان کی اجازت و مرضی کے دوسرے کسی مصرف میں خرچ نہ کرنا چاہئے، اور جو رقم بینک میں جمع شدہ رقم پر سود کے نام سے بینک سے ملے اس کو بینک میں ہرگز نہ چھوڑنا چاہئے بلکہ وہاں سے نکال کر مسلم غرباء و مساکین کو زکوۃ کی رقم کی طرح دے دینا چاہئے اس سود میں ملے ہوئے پیسہ کو ان تمام لوگوں کو تصدق کر سکتے ہیں جن کا ذکر زکوۃ کی رقم کے خرچ کرنے کے سلسلہ میں

باقی ص ۲۳ پر دیکھئے

تنقید و تبصرہ

برتھ کنٹرول کا شرعی حکم

از مولوی قاری محمد عبداللہ صاحب، استاذ قرأۃ دارالعلوم دیوبند

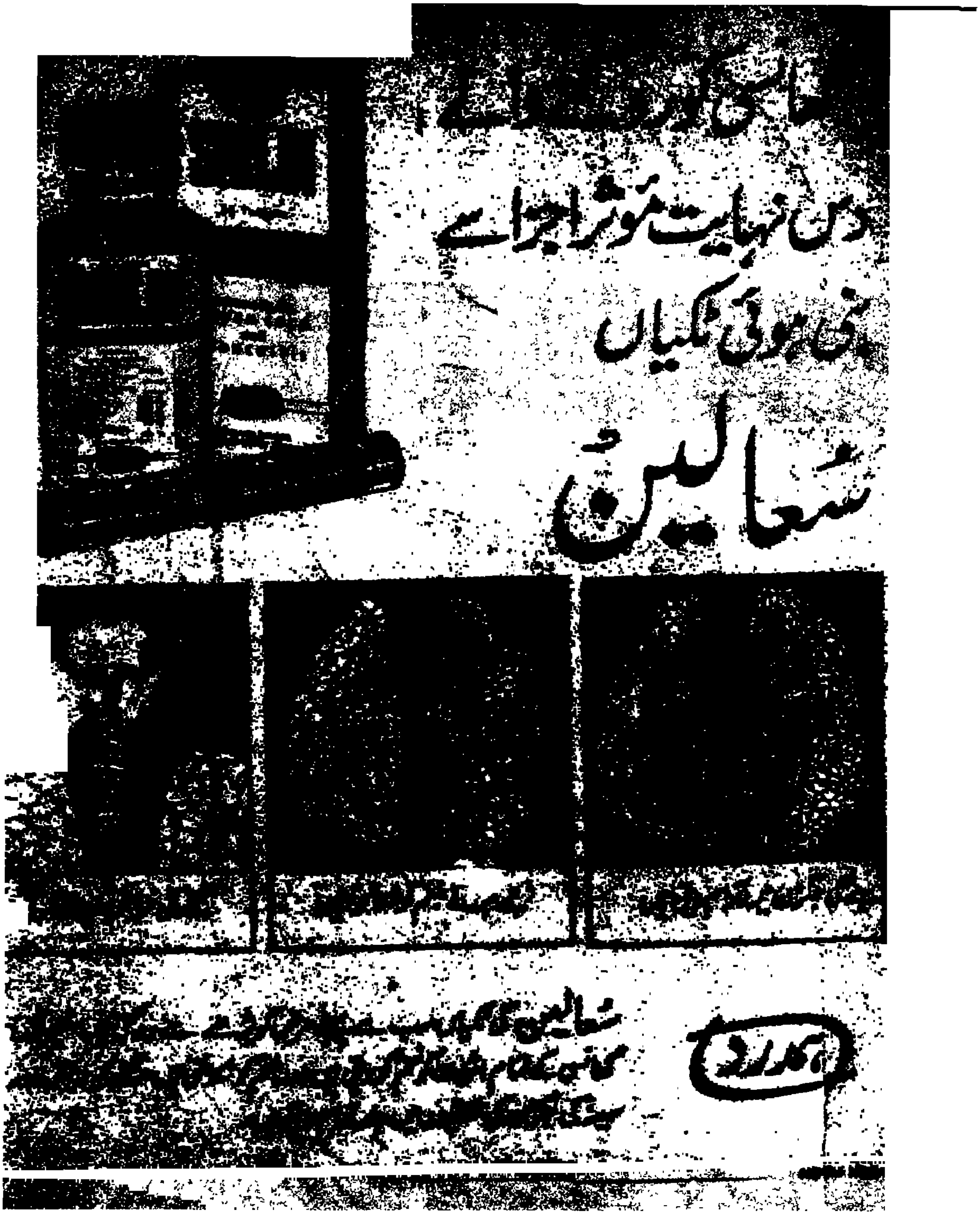
کتابت و طباعت: صاف

قیمت: ستر پیسے

ملنے کا پتہ: دارالکتب۔ دیوبند۔ یوپی

ضبط تولید ہمارے اس وقت کا ایک اہم ترین چیلنج ہے۔ قدیم زمانہ میں بھی یہ مسئلہ خاص اذہان کا موضوع فکر و بحث تھا۔ اور عجیب بات ہے کہ اس وقت اس غلط رجحان کے جو محرکات تھے کم و بیش وہی محرکات آج بھی ہیں۔ اسلام میں تو اس کے لئے کوئی گنجائش ہے نہیں، البتہ عام دنیا کے لئے بھی یہ مفید نہیں رہا۔ بلکہ اس کی شدید ترین مضرت یہ سامنے آئی کہ ضبط تولید کے تقریباً ننانوے فیصدی علاج و معالجے اور اشیاء ناجائز استقرار حمل کو روکنے کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ گویا کہ استقرار حمل کا بڑا اندیشہ جو زنا کو روکنے کا موجب بنتا تھا اس خطرہ سے بے حیائی کی راہ صاف کر دی گئی۔

رسالہ اپنے نام کے اعتبار سے کافی و شافی ہے البتہ یہ بھی دکھانے کی ضرورت ہے کہ ضبط ولادت سے کائنات کو کیا نقصان پہونچا یا پہونچنے کے امکانات ہیں۔ اس طرح موضوع کی افادیت عام بھی ہوگی، اور صرف مسلمانوں کو راہ نمائی کے علاوہ، راہنمائی کا دائرہ پوری انسانیت میں وسیع تر ہوگا



دس نہایت مؤثر اجزاء سے
بنی ہوئی ٹکیاں
شعالین
ہمدرد

nCHIDIPIR

Telephone 323715 / 322027

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

۴۵ ـــ | دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی اور اصلاحی | شمارہ - ۱

3 35 15

ماہنامہ دارالعلوم

اپریل سنہ ۱۹۷۳ء

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ
قیصر

نگران اعلیٰ
مولانا قاری
طیب صاحب
مدظلہٗ

...ہر انگریزی مہینے
کی
...تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع وناشر
...محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
...ین پریس دہلی

مقام اشاعت
...العلوم دیوبند

فہرست مضامین

) یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپکا چندہ ختم ہو گیا ہے، ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر کو بھیجدیں۔ وی، پی کا انتظار نہ کریں اسلئے کہ وی پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے ـــــــ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مولانا عبدالستار صاحب۔ مقام کوٹ علی والہ۔ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان) روانہ کریں۔ کوپن پر یہ نہیں لکھیں کہ یہ دارالعلوم کا چندہ ہے، ڈاکخانہ کی رسید اپنے نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر رسالہ دارالعلوم کو روانہ کریں۔ واضح ہو کہ اب رسالہ دارالعلوم کی کوئی رقم دفتر بینات کو نہ بھیجی جائے (ناظم رسالہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

اسلام دنیا سے فتنہ و شر کو مٹانے اور انسانیت کو زندہ کرنے آیا تھا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا اور بکھرے ہوئے انسانوں کو متحد کرنا اس کا خصوصی مشن ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی بنیاد توحید پر رکھی گئی، اور اس کی تمام چیزوں میں وحدت و یکتائی کو اہمیت دی گئی، چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے یہ فریضہ خوش اسلوبی سے انجام دیا، اور اس کی ہی برکت سے دنیا تاریکی سے نکل کر روشنی میں قدم رکھا، انسانوں کا کھویا ہوا وقار عود کر آیا، اور اسکی مٹی ہوئی عظمت واپس آئی، اخلاق رذیلہ اور عقائد فاسدہ ختم کم ہوئے اور مکارم و محاسن اخلاق اور صحیح عقائد کی اشاعت ہوئی۔

مگر بیسویں صدی کے ابتداء میں مختلف ازموں کا نام لے کر یورپ نے اسلام پر دفعتاً حملہ کر دیا، اور مذہب بیزاری کا طوفان لا کھڑا کیا، تاکہ جس کے نام سے انسانوں کی اصلاح ہو رہی تھی وہی معطل اور جاں بلب ہو جائے، اور پھر آسانی سے انسانوں کو گمراہ کیا جا سکے، یورپ نے اسلام کی طاقت کو توڑنے اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے "وطن" کا بت ایجاد کیا، اور اسے اپنے پروپیگنڈے کی قوت سے توانائی بخشی، بیسویں صدی کا مسلمان اس چکر میں آگیا، چنانچہ اس نئے بت کی پرستش میں مذہب کی گرفت غیر شعوری طور پر کمزور ہوتی چلی گئی، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ پر زوال آیا اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنے لگا، اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کا سارا جاہ و جلال اور اسکی عظمت و شوکت خاک میں مل گئی۔

درمیان میں کچھ مصلحین کی جدوجہد سے مسلمانوں میں پھر زندگی آئی تھی، وہ تلافی مافات کی جدوجہد میں منہمک ہو چکے تھے کہ قومیت اور وطنیت کی جنگ کو پھر ہوا دی گئی اور قبیلہ و خاندان کے نام پر انہیں باہم ٹکرا دیا گیا، صوبائی تعصب ابھر آیا، مذہب سے دوری بڑھنے لگی اور قومیت اور صوبہ کے نام پر جنگ شروع ہو گئی، کسی نے اپنے کو ابنائے فراعنہ کہا اور اس پر فخر کیا، کسی نے عربی قومیت کو آواز دی، کسی نے بنگلہ اور پختون کے نام پر جنگ شروع کر دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی اخوت، دینی غیرت اور ملی حمیت کا جذبہ مضمحل ہو گیا، اور ایک مسلمان ملک نے دوسرے مسلمان ملک کے خلاف، اور ایک خطے نے دوسرے خطے کے خلاف سازش کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی، اور بڑی آسانی سے یہ دوسروں کے آلۂ کار بن گئے۔

اسکی کھلی مثال ابھی حال میں الاہرام مصر کے ایڈیٹر حسنین ہیکل کا بیان اور عراقی سفارت خانہ پاکستان میں اسلحہ کے وہ انبار ہیں جو ابھی وہاں برآمد ہوئے ہیں، لوگ اس بیان اور انتشار راز پر ششدر اور حیران رہ گئے، حسن اتفاق یہ ہے کہ دونوں ملک مسلمانی حکومت کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں، اس نسبت کو دیکھئے اور انکی ذہنیت کو دیکھئے، ہے کوئی نسبت کام کو نام سے؟ عام مسلمانوں کا ان دونوں واقعات سے سر نیچا ہو گیا، اور دانشمندوں نے قہقہہ لگایا،

پھر بنگلہ دیش اور پاکستان میں اندرون ملک جو انتشار ہے وہ بھی کچھ کم عبرتناک اور حیرت انگیز نہیں، آپس میں دست و گریباں ہیں، ایک پارٹی کے آدمی دوسری پارٹی کے کارکنوں کو قتل کر رہے ہیں، اور ایک دوسرے کے خلاف کیچڑ اچھالتے ہیں، اختلاف اپنے دائرے میں نہیں ہے، نہ بنگلہ دیش میں اتحاد و اتفاق ہے نہ پاکستان میں، ہر لیڈر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرے ملک کا آلۂ کار بنا ہوا ہے

ان لیڈروں کے کام بھی اور انداز بیان بھی ایسے ہیں کہ بجائے خود لوگوں کو شبہ کا موقع ملتا ہے مگر خود نہیں قطعاً اسکا احساس نہیں انکے مسلمانی نام سے اسلام کی بدنامی ہوتی ہے مگر انہیں اسکا بھی خیال نہیں، ان دونوں میں غلط یا صحیح ایک اپنے کو فاتح سمجھتا ہے اور دوسرا شکست خوردہ، مگر ان دونوں میں سے کسی ملک میں اعمال و اخلاق کی بلندی نظر نہیں آتی اور دونوں جگہ پارٹی اور قبیلہ کے نام پر خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ کاش ان مسلم ممالک میں خواہ وہ مصر ہو یا عراق، بنگلہ دیش ہو یا پاکستان، دینی غیرت و حمیت ہوتی، اسلامی اخوت و محبت ہوتی، کتاب و سنت پر عمل ہوتا، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ پر انکی نظر رہتی، یہ ممالک سوچتے کہ انکی پست اخلاقی سے اسلام پر دھبہ آتا ہے، عام مسلمانوں کی رسوائی ہوتی ہے، اور اسی کے ساتھ خود انکی ہوا خیزی بھی،

ایک دور اندیش جب ان حالات کا جائزہ لیتا ہے تو وہ پہروں خون کے آنسو روتا ہے دن کا چین اور رات کی نیند اس پر حرام ہو جاتی ہے جو ملت کبھی روئے زمین پر معزز و محترم تھی آج ذلیل و خوار ہے، جسکے نام کے سکّے چلتے تھے آج اس سے نفرت کی جاتی ہے۔

کیا دن ہیں کہ سب سے زیادہ فتنہ و شر اس مذہب کے ماننے والوں میں پھوٹ پڑا ہے جو مذہب دنیا سے فتنہ و شر کو مٹانے آیا تھا سب سے زیادہ اختلاف وہاں رونما ہے جہاں اختلاف کی سرے سے گنجائش نہیں تھی، اسلام وطن پرستی، قبیلہ و خاندان کے نام پر جنگ و جدال کو مٹانے کے لئے آیا تھا، اور اس نے اس بت کو بڑی حد تک پاش پاش کر ڈالا تھا، مگر یورپ کی برکت سے اسکی پرستش پھر شروع ہو چکی ہے اور عام مسلمان اسمیں بلا قصد و ارادہ مبتلا ہوتے جارہے ہیں۔ لیکن دنیا یاد رکھے کہ اس سے صرف اسلام کے ماننے والوں پر ہی زوال نہیں آئیگا بلکہ پوری دنیا زوال پذیر ہوگی کوئی ملک اور کوئی خطہ اس سے نہ بچ سکیگا، دیر سویر یہ ساری چیزیں ہر ملک کے سامنے آکر رہیں گی۔

حیرت پر حیرت ہے کہ خود ہمارا ملک ہندوستان بھی متاثر ہو رہا ہے۔ اور زبان اور خطہ کے نام پر صوبوں کی نئی تقسیم کے مطالبات شروع ہو چکے ہیں، صرف ایک صوبہ آندھرا کی تقسیم کے نام پر ملک کا اتنا عظیم نقصان ہوا ہے کہ اسکی تفصیل سنکر ایک دور اندیش حیرت زدہ رہ جاتا ہے، آندھرا اور تلنگانہ دونوں کی تقسیم کے خواہشمند ایسے متحد ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، اسمبلی اور اسی طرح پارلیمنٹ کے ممبران ذی وقار تک اس تحریک میں شریک ہی نہیں رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، ادھر اڑیسہ میں اڑیہ اور بنگلہ کی کشمکش چل رہی ہے۔ اڑیہ بنگالی کے قتل کے در پے ہیں اور بنگالی اڑیہ کے، دونوں حکومتیں کنٹرول کی برابر سعی کر رہی ہیں۔ مگر عوام کا برا حال ہے، اس نام پر مسلسل ہنگامے ہو رہے ہیں، اور اخبارات میں خبریں شائع ہو رہی ہیں،

پھر یوپی، بہار اور دوسرے صوبوں کی تقسیم کا مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا ہے، یہ سب دراصل اسی وطن پرستی کی نئی نئی شکلیں ہیں جسے یورپ نے ہوا دی تھی اور جس نام پر ترکی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تھے، اور جسکے نتیجہ میں عرب میں چند چند لاکھوں کی آبادی پر مشتمل مستقل نئے نئے ملک بنے ہوئے ہیں اور حکمراں حکمرانی کر رہے ہیں، اور پھر بھی آپس میں متحد و یکسو نہیں۔

کون دور اندیش انکار کر سکتا ہے کہ صوبوں کی تقسیم کی جو رو ہمارے یہاں چل پڑی ہے اسکا نتیجہ بھی یہی نہیں ہوگا جو عرب ممالک کا ہوا، ابھی صوبائی تقسیم پر زور دیا جارہا ہے، پھر شاید ضلع ضلع الگ ہوگا، اور انسان انہی خرافات میں اپنی ساری توانائی برباد کر ڈالیگا، انسانی اخوت ختم ہو جائیگی، اور انسانیت کا نام و نشان مٹ جائیگا، اگر کہا جائے کہ یہ بھی مذہب سے دوری ہی کا نتیجہ ہے تو شاید اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہ ہو، وطن کی کوئی حد بندی نہیں ہوتی، ہمارا مشاہدہ ہے کہ جونہی ایک صوبہ دو صوبوں میں منقسم ہو جاتا ہے اور اس کے دو نام ہو جاتے ہیں یا ایک ضلع بٹکر دو ضلع بنجاتا ہے اس کے دو نام ہو جاتے ہیں چند برسوں میں پرانی حد بندی ذہنوں سے ختم ہو جاتی ہے اور نئی حد بندی کا ملاحظہ، اور اسطرح رواج کو تعصب پیدا ہو جاتا ہے، اپنے نامی خطہ سے انس اور دوسرے سے اسکے مقابلہ میں ذہن میں بُعد جم جاتا ہے

خود دیکھئے اسلام جب آیا تھا تو دنیا کا کیا حال تھا، قبیلہ قبیلہ کا بٹ الگ تھا، انسان قبیلوں اور خاندانوں کے نام پر منقسم تھا اور باہم جنگ وجدال میں بُری طرح مبتلا، اسلام نے آکر دنیا کو بتایا کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو، اور تم سارے کے سارے ایک ہی جڑ کی مختلف شاخیں، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، سارے انسان بھائی بھائی ہیں، اسکا منشا اس کے سوا کیا تھا کہ انسانوں کے ذہنوں میں جو تفریق قبیلوں اور خطوں کے نام پر راسخ ہو چکی ہے وہ نکل جائے اور وہ تعصب نسلی کی زنجیروں کو توڑ ڈالیں تاکہ دنیا میں انسانیت برگ وبار لائے اور ٹوٹے ہوئے دل مل جائیں اور باہم امن وسلامتی کی زندگی گذاریں۔

مسلمان خواہ کہیں کا بھی باشندہ ہو اسکا فرض ہے کہ اسلام کی ان تعلیمات پر پہلے خود عمل پیرا ہو، پھر پوری دنیا کو اسطرف متوجہ کرے اور انہیں فتنہ وفساد سے نکالے، لیکن اگر خود مسلمان لیڈر، مسلمان حکمراں، اور مسلمان دینی پیشوا تعصب، تنگ نظری، اور وطن پرستی کے بت کو نہیں توڑتا تو دنیا کی اصلاح کا فریضہ اس سے کیونکر انجام پائیگا۔

بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمیں سارے انسانوں سے ہمدردی ہے، تمام ممالک سے دلچسپی ہے، ہم سب کے ہی خواہ ہیں، سبھی کو خوشحال اور راحت وسکون میں دیکھنا چاہتے ہیں، ہم نسل ونسب، جغرافیائی حد بندی، رنگ وروپ اور ذات پات کے قائل نہیں، ہمارے یہاں نہ برہمن وغیرہ کی کوئی تفریق جائز ہے، نہ سرمایہ دار اور مزدور کا امتیاز، ہمارا اعتقادیہ ہے کہ ہم پر مسلمانوں کا بھی حق ہے، ہندؤں کا بھی، عیسائی اور یہودیوں کا بھی حق ہے اور دیگر مذاہب والوں کا بھی اور حتی الوسع ہم ان سارے حقوق کے ادا کرنے کی سعی بھی کرتے ہیں اور الحمدللہ ہم اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں۔

مگر جو بڑی مجبوری ہمارے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ لوگ آسانی سے ہماری باتیں نہیں سنتے، ہماری باتوں پر توجہ نہیں دیتے، یورپ کا جادو ایسا چل پڑا ہے کہ سارے اس سے مدہوش ہیں، تباہی وبربادی ہو رہی ہے، مگر آنکھیں نہیں کھلتیں، دنیا کو یقین کرنا چاہیئے کہ کمیونزم اسکا علاج نہیں، سوشلزم سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا اور نہ نیشنلزم سے ہی اسکو سکون حاصل ہو سکتا ہے، یہ ساری چیزیں تباہی کی طرف لیجانے والی ہیں، اگر راحت قلبی اور سکون دل کی تلاش ہے تو پھر مذہب کیطرف پلٹنا ہوگا اور دیر سویر مذہب سے بغلگیر ہونا پڑیگا۔

ہمیں خوب معلوم ہے روس میں کیا ہو رہا ہے، ہم جس ملک میں بستے ہیں اسکی بھی کوئی چیز ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں، دنیا کے دوسرے ممالک کے حالات بھی اب ڈھکے چھپے نہیں رہے آج پوری دنیا میں انسانوں کی تباہی وبربادی کے مسئلے ہی زیر غور ہیں گو عنوان بدلا ہوا ہے، سارے نئے واسلحے اور آلات حرب ایجاد ہو رہے ہیں جن سے انسانی آبادی جلد سے جلد اور کم سے کم وقت میں ملکوں میں برباد کیجا سکے ابھی ویتنام کی جنگ کے اعداد وشمار شائع ہوئے ہیں اس سے اندازہ لگائیے کہ کیا اس سے انسانیت کی کوئی خدمت انجام پائی ہے یا دنیا کو اس سے امن وامان کے قیام میں مدد ملی ہے، یا اس سے عام انسانوں کو کوئی فائدہ پہونچا ہے،

سارے ممالک اس فکر میں ہیں کہ ان کے پاس جنگی سامان اور اس کے کارخانے زیادہ سے زیادہ ہوں فوج کی تعداد اپنی وسعت بھر ہر آن فراہم رہے، ہر چیز کی کوئی قیمت ہے مگر انسانی جان کیڑے مکوڑے سے زیادہ ارزاں سوچیئے! اس ذہن کے ساتھ کیا کوئی ملک انسان کی خدمت انجام دے سکتا ہے، اور اس کی راحت کے سامان کی جدوجہد میں مشغول ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں!

اگر صحیح زندگی کی خواہش ہے تو دیر سویر دنیا کو اپنا موجودہ نظریہ بدلنا ہوگا۔ اور اس نظریہ حیات کو اپنانا ہوگا جسکی رب العزت نے تعلیم دی ہے

("ظفیر صدیقی")

کیا اسلام اور مسلمان ختم ہو رہے ہیں — ؟

از ——— مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء دہلی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

بعد حمد وصلوٰۃ ———

یہ پروپیگنڈہ اسلام کے مخالفین کی طرف سے برابر کیا جاتا رہا ہے کہ اسلام اور مسلمان ختم ہو رہے ہیں۔ جب دنیا کے کسی کونہ میں کسی مسلم حلقہ پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس پروپیگنڈہ کو ایک تنگ نظر طبقہ کی جانب سے اور زیادہ اچھالا جاتا ہے کہ بس اسلام اور مسلمانوں کا وقت آگیا اور اب وہ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی نئی پود میں احساس کمتری پیدا کرنے کے لئے اس طرح کی بے بنیاد باتیں پھیلائی جاتی ہیں۔ لیکن دنیا اس حقیقت کو سمجھ لے کہ جب تک آسمان زمین قائم ہیں اس وقت تک نہ اسلام ختم ہو سکتا ہے اور نہ مسلمان مٹائے جا سکتے ہیں۔

اسلام نام ہے خدا پرستی اور انسان دوستی کے اعلیٰ اصولوں کا، جو انسانی فطرت کے اندر موجود ہیں۔

(۱) خدا کی وحدانیت (۲) آخرت کا یقین (۳) رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتقاد اور اقرار (۴) انسانی عظمت ومساوات پر عمل۔

یہ اصول اٹل ہیں۔ آج سے چودہ سو برس پہلے جس طرح یہ اصول ایک زندہ حقیقت کی طرح پہلے اسی طرح آج بھی یہ اصول زندہ ہیں اور اپنی صداقت کا ہر قوم اور ہر ملک سے اقرار کرا رہے ہیں۔

غور کرو! کیا خدا کی توحید نے دنیا کے کسی کونہ میں مخلوق پرستی سے شکست کھائی۔ ؟ — کیا آخرت اور دوسری زندگی کے اچھے برے بدلے کا تصور مادہ پرستی کے مقابلہ میں ہار گیا۔ ؟ — کیا رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کسی طبقہ میں مغلوب ہو گیا۔ ؟ — کیا مساوات انسانی کے اصول نے چھوت چھات کے نظریہ سے شکست کھائی۔ ؟ کوئی اسلام کا نام لے یا نہ لے، ان اسلامی اصولوں کی سچائی کو تسلیم کر رہا ہے، اور جوں جوں سائنس کا علم آگے بڑھ رہا ہے انسان اسلام کے ان اٹل اصولوں کی سچائی کو مانتا چلا جا رہا ہے۔

سیاسی تعصب کی وجہ سے اسلام کا نام زبان پر نہیں آرہا۔ لیکن یہ نئی دنیا شرک ومخلوق پرستی سے بے زار ہوتی جا رہی ہے۔ مقامی پیشواؤں اور اگلے پیغمبروں کی صف میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بلند ہوتا جا رہا ہے۔ یہ نئی دنیا تسلیم کر رہی ہے کہ اگلے پیغمبروں کی رہنمائی اس دور میں ناکافی ہے۔ اس دور کے لئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ

علیہ وسلم کی رہنمائی کے سوا کوئی چارہ نہیں، آج کی دنیا مادہ پرستی کی بے لگام اور غیر ذمہ دارانہ زندگی کے نتائج، آوارگی اور اخلاقی تباہی سے تنگ آکر ذمہ داری اور اخلاقی جوابدہی کی زندگی کے راستہ پر آنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پا رہی ہے۔ پھر آج کی دنیا نے اسلام کے سماجی اور معاشرتی اصول مساوات کو کھلے بندوں زندگی کا دستور بنانا شروع کر دیا ہے۔ معاشی انصاف اور جمہوریت کو بھی یہ نئی دنیا تسلیم کر چکی ہے۔ اور دنیا کی بڑی بڑی قومیں اسلام کے ان تین اجتماعی اصولوں معاشی برابری، معاشی انصاف اور سیاسی جمہوریت کی بنیادوں پر اپنے اجتماعی نظاموں کو قائم کر کے اس کے شاندار نتائج، خوش حالی، ترقی اور اتحاد سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی ہیں۔

پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ اسلام ختم ہو رہا ہے۔؟ یہ کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے سامنے سر تسلیم خم کیا جا رہا ہے۔ البتہ سیاسی تعصب کی وجہ سے اسلام کا نام نہیں لیا جا رہا ہے لیکن حقیقت تو حقیقت ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔

مسلمانوں کی عملی کمزوری!

مسلمانوں نے اگر داڑھی اور پردہ کی پابندی کم کر دی بعض مسلمان حلقے اگر آپس میں لڑ پڑتے ہیں، کہیں کہیں اگر مسلمان قومیں دشمنوں سے فوجی شکست کھا جاتی ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مسلمان ختم ہو رہے ہیں یا اسلام ختم ہو رہا ہے؟ اقبال مرحوم نے انہی حالات میں کہا تھا ؎

تو نہ مٹ جائے گا اسلام کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے

مادہ پرستی کے اس خوفناک دور نے دوسری قوموں کو مذہب سے بالکل بے تعلق کر دیا ہے۔ عیسائی قوموں نے انجیل کی ضرورت سے انکار کر دیا ہے۔ اور خود عیسائی علماء میں ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک فرضی شخصیت کہہ رہے ہیں۔ ہندوستان کو مادہ پرستی نے اس قدر مرعوب کر دیا ہے کہ اس کے چوٹی کے رہنما ملک کو لادینیت کی آغوش میں دے دینا چاہتے ہیں۔

یہ تمام باتیں مادہ پرستی سے شکست کھا جانے کی وجہ سے ہیں۔ لیکن کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ یہ مادہ پرستی کا سیلاب اگر کسی قوم کو مجموعی طور پر بہا لے جانے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے تو وہ مسلم قوم ہے۔

یہ "سب کچھ یہی دنیا ہے" کا تصور بڑی بڑی قوموں کو تنکے کی طرح بہا کر لے گیا۔ مگر مسلمان قوم (عرب ہو یا ایران افغانستان ہو یا بلوچستان، ہندوستان ہو یا پاکستان) کا ایک طبقہ بعض جزوی اعمال سے ضرور بے تعلق ہو گیا مگر اسلام جن اعلیٰ اصولوں اور اعلیٰ اخلاق و اعمال کا نام ہے مسلمان مجموعی طور پر ان پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ اور یہ اسلام کی لازوال عظمت کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے۔؟

صرف ایک ہندوستان کی مثال لیجئے ـــــ سرسید مرحوم ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم مصلح بن کر نمودار ہوئے اور ہندوستانی مسلمانوں نے ان کی عظمت کو تسلیم کیا۔ مگر جب سرسیدؒ نے مذہب کے بارے میں غلط خیالات پیش کئے تو پوری مسلم قوم نے ان خیالات کو مسترد کر دیا۔ خود ان کے ساتھ کام کرنے والوں نے ان کے غلط مذہبی خیالات کی پر زور مخالفت کی۔

کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی صداقت کا کھلا نشان ہے کہ "میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی"

مذہبی اختلافات!

مسلمانوں میں مذہبی خیالات کا اختلاف ضرور موجود ہے۔ مگر وہ اختلاف شیعہ سنی اختلاف ہو، یا دیوبندی بریلوی

اختلاف ہو یا کوئی دوسرا اختلاف ہو۔ یہ بنیادی اختلاف نہیں صرف تشریحات کا اختلاف ہے۔ بعض اوقات مفاد پرست لوگ ان اختلافی مسائل پر مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیتے ہیں لیکن ایک عظیم قوم میں اس طرح کے جھگڑے ہونے کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔

قادیانی فتنہ!

انگریزی ڈپلومیسی کے سہارے قادیانی فتنہ اٹھا اور اس نے پوری ملت اسلامیہ کو ہلا دیا۔ لیکن جونہی انگریز کا اقتدار ختم ہوا یہ فتنہ بھی اسی کے ساتھ بے جان ہو گیا۔ اور انگریزی حکومت دولت اور عہدوں کے بھرپور لالچ کے باوجود اس فتنہ میں عام مسلمانوں کو مبتلا نہ کرسکی

مسلمانوں کا سیاسی اقتدار!

اب مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر غور کرو۔ کہا جاتا ہے کہ چودہویں صدی ہجری مسلمانوں کے زوال کی صدی ہے یہ خیال قطعی طور پر بے ہودہ ہے۔ البتہ تیرہویں صدی میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر ضرور زوال آیا،

انگریزوں نے خلافت عثمانیہ کو ختم کرکے مسلمانوں کے سیاسی مرکز کو ختم کر دیا اور مسلم حکومت مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی اور ان مسلم حکومتوں پر الگ الگ انگریز، فرانس اور روس نے اپنا اثر قائم کر لیا۔ لیکن فوراً ہی مسلمانوں کو ہوش آیا اور جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہٗ اور امیر شکیب ارسلان مصری، امیر عبدالقادر جزائری، محمد ابن ادریس سنوسی طرابلسی، مفتی امین الحسینی فلسطینی، محمد ابن عبدالوہاب نجدی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی جیسے قائدین مختلف مسلم ملکوں میں کھڑے ہو گئے اور انھوں نے آزادی کا صور پھونک کر اغیار کی سازشوں سے مسلم قوم کو ہوشیار کر دیا۔ اور ملت اسلامیہ کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا دیا۔ اور وہ فرنگی راج جس نے پہلے ہندوستان کے مسلم اقتدار کو ختم کیا تھا اور پھر اس کے بعد خلافت عثمانیہ کو بے جان کرکے تمام مشرق کو اپنا غلام بنا لیا تھا اس کی عظمت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

ہندوستان سونے کی چڑیا تھی، جس پر فرنگیوں نے قبضہ کیا اور پھر یہیں سے بیٹھ کر تمام عرب و ایشیا پر اپنا سکہ جمایا، جب ہندو اور مسلمانوں کی مشترک کوشش سے ہندوستان آزاد ہو گیا تو پھر ایک ایک کرکے تمام مسلم طاقتیں آزاد ہوتی چلی گئیں۔

پھر کتنی عجیب بات ہے کہ اس دور کو مسلمانوں کے زوال کا دور کہا جا رہا ہے، اور اس صدی کو منحوس قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی وہ چودہویں صدی ہے جس کے وسط میں یعنی آج سے پچھلے ۲۵، ۳۰ سال کے اندر اندر ان مسلم قوموں نے آزادی حاصل کرنی شروع کی، مصر و سوڈان انگریزوں کے اثر سے آزاد ہوئے، انڈونیشیا، ہالینڈ کی غلامی سے نکلا، ایران، روس اور برطانیہ کے اثر سے آزاد ہوا، ترک جو یورپ کا مرد بیمار کہلاتا تھا وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوا، افریقہ کا مسلم ملک ٹیونس فرانس کی غلامی سے نکلا، شام برطانیہ اور فرانس کی فوجوں کو اپنی سرزمین سے نکالنے میں کامیاب ہوا، عراق نے بھی اپنے حدود سے فرنگی فوج کو باہر نکال دیا، افریقہ کا بڑا مسلم ملک لیبیا اٹلی کی غلامی سے آزاد ہوا، مراکش نے فرانس سے چھٹکارا پایا۔ الجزائر نے بھی فرانس سے نجات حاصل کی۔

خلیج فارس کی عرب ریاستوں بحرین، مسقط، عمان اور ابوظہبی کو انگریزی فوجوں نے خالی کیا، سعودی عرب اور کویت جیسی نادار عرب ریاستیں تیل کی دولت سے مالا مال ہوئیں۔

پاکستان اور بنگلہ دیش

پاکستان دنیا کا عظیم مسلم ملک ہے۔ جو ہندوستان

آزادی کے نتیجہ میں ایک مسلم خطہ کے طور پر نمودار ہوا ہے۔ اس نئے مسلم ملک نے ناگفتہ بہ حالات میں اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک سبق آموز باب تاریخ کے حوالہ کر دیا۔

البتہ، اگر پاکستان اب تک موجودہ جمہوری دور کے تقاضوں سے آنکھیں نہ بند کئے رہتا، اور اپنے عزیز پڑوسی اور بھائی ہندوستان کے ساتھ برادرانہ اسپرٹ کے ساتھ رہنے کا راستہ اپناتا تو یقیناً آج اس کے دو ٹکڑے نہ ہوتے، لیکن اب بھی امید رکھنی چاہیئے کہ بنگلہ دیش، پاکستان اور ہندوستان پچھلی تلخیوں کو بھول جائیں گے اور ہندوستان جیسے بڑے ملک کے تعاون اور رفاقت سے اپنے عوام کو خوش حال اور پُر امن زندگی کی برکتوں سے ہم کنار ہونے کا موقع دیں گے، اور بنگلہ دیش، پاکستان الگ الگ رہ کر بھی دو بھائیوں کی طرح پُر امن زندگی گذاریں گے

غیر مسلم ملکوں کے مسلمان!

یہ دنیا کے مسلم ملکوں کی امید افزا صورت حال ہے اب رہے وہ غیر مسلم ملک جن میں مسلمان آباد ہیں ـــ تو ایسے غیر مسلم ملک یورپ اور ایشیا میں ۸۹، کے قریب ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اور یوں دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں، جو مسلمانوں کے وجود سے خالی ہو۔ یہاں تک کہ جس اسپین سے مسلمانوں کو نکالا گیا تھا اسکی سرزمین پر اب بھی ہزاروں مسلمان شاد و آباد ہیں۔

تین غیر مسلم ملک!

ان غیر مسلم ملکوں میں تین ملک ایسے ہیں جہاں مسلمان بڑی بھاری تعداد میں رہتے ہیں اور ان مسلمانوں کی عظیم تاریخ ان ملکوں سے وابستہ ہے۔ ان میں سب سے بڑا ملک ہمارا ہندوستان ہے۔ ہندوستان پر مسلمانوں کی مختلف قوموں نے شخصی حکومت کے دور میں آٹھ نو سو برس عمل داری کی۔

اور اب اس جمہوری دور میں ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان باوجود وقتی مشکلات کے دوسرے بہادران وطن کے ساتھ جمہوری نظام زندگی میں عزت و خوشحالی کی جدوجہد میں مشغول ہیں۔

دوسرا غیر مسلم ملک روس ہے جس میں بسنے والے پانچ کروڑ مسلمان اپنی اپنی علاقائی جمہوریتوں ازبکستان، تاجکستان ترکمانستان، آذربائیجان وغیرہ میں مادی خوشحالی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ اور ان خوددار اور بہادر مسلم نوجوانوں پر اشتراکی دہریت کا جو وقتی دباؤ تھا وہ کم سے کم ہوتا چلا جا رہا ہے اور امید رکھنی چاہیئے کہ مسلم دنیا کی نشاۃ ثانیہ اور نئی زندگی کا عالمی اثر ازبک اور تاجک نوجوانوں کے سینے میں دبی ہوئی ایمان کی چنگاری کو بہت جلد روشن کر دیگا۔

تیسرا غیر مسلم ملک چین ہے

جس میں پانچ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ جن میں ازبک، تاجک، تاتار اور قازق جیسے بہادر قبائل شامل ہیں۔ اور ان میں ہوئی قبیلہ سب سے بڑا مسلم قبیلہ ہے۔

چین کے یہ مسلمان جمہوریہ چین کے دوسرے باشندوں کے ساتھ مادی ترقی کر رہے ہیں اور امید رکھنی چاہیئے کہ کمیونزم کی دہریت کا دباؤ ان مسلمانوں کے اوپر سے بھی بہت جلد دور ہو جائے گا۔

اور چین کے مسلمان بھی اپنے عظیم ملک کی تعمیر و ترقی میں چینی عوام کے دوش بدوش نمایاں حصہ لیتے رہیں گے۔ پھر یہ بھی دیکھیئے کہ غیر مسلم ملکوں میں وہ مغربی ملک جو اسلام کے قدیم حریف تھے، ان کی طرف سے اسلامی ثقافت و علوم کے مرکز قائم کر کے ان کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے اور آج امریکہ، فرانس، اور برطانیہ میں بڑی آزادی کے ساتھ اسلامی دعوت کا کام جاری ہے۔

اسلام اور اتحاد!

آج کل اسلام کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ بھی پھیلائی جاتی ہے کہ اسلام صرف چالیس سال تک مسلمانوں کے اندر اتحاد قائم رکھ سکا اس کے بعد ناکام ہوگیا، یہ بات نام نہاد ترقی پسند لوگ مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ مولانا آزاد نے اپنی معرکتہ الآراکتاب "خلافت اسلامیہ" میں اس بحث میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس الزام کا خود کافی جواب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر بددلی پیدا کرنے کے لئے یہ تاریخی اور علمی مغالطہ پھیلایا جاتا ہے۔ اور سنجیدگی سے یہ نہیں سوچا جاتا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے چالیس سال تک یعنی خلافت راشدہ تک عرب اور عجم کے لاکھوں مسلمانوں میں سیاسی، سماجی، مذہبی اور جذباتی اتحاد کی جو مثال قائم کی اس کا نمونہ انسانی تاریخ کے اندر ملنا مشکل ہے، عربوں کا آپسی اختلاف مشہور تھا۔ پھر عرب اور ایران اور روم کے باہمی جھگڑے کسقدر شدید تھے۔ ان تمام سیاسی اور مذہبی اختلافات کو ختم کر کے اسلام نے مسلمانوں کو کس انداز سے متحد کیا۔؟ وہ اسلام اور ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا بے مثال کارنامہ ہے۔

چالیس سال کے بعد یہ اتحاد کمزور پڑا اور عربوں کا پرانا قبائلی تعصب جاگ اٹھا، اسی طرح عربوں اور نو مسلم ایرانیوں اور نو مسلم عیسائیوں اور یہودیوں کی پرانی چپقلش زندہ ہوگئی جس نے عالم اسلام میں ہنگامے کھڑے کر دئے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے اندر سیاسی اتحاد قائم رہا اور خلافت اسلامیہ تمام عالم اسلام پر کنٹرول کرتی رہی عالم اسلام کا یہ سیاسی اتحاد دس بیس برس نہیں، بلکہ گیارہ سو برس تک قائم رہا۔

آج کل کے بے دین سیاسی نظام قوموں کے اندر جو سیاسی نظام قائم رکھنے میں اور وہ بھی ہندوستان [illegible] [illegible]، اسلام نے جس طرح کا [illegible] قائم رکھا اس قسم کا مکمل اتحاد و سیاسی نظام ایک دن کے لئے بھی کسی جگہ قائم نہیں کر سکتے۔ اور جس قسم کا سیاسی اتحاد آج کل چل رہا ہے وہ اتحاد – بلکہ اس سے بھی زیادہ مضبوط اور ہمہ گیر اتحاد اسلام نے مسلمانوں میں گیارہ سو سال تک قائم رکھا ہے۔

پھر یہ کتنی بڑی بے انصافی ہے کہ اگر دنیا کے کسی گوشہ میں مسلمان لڑتے ہیں تو اس کا الزام اسلام پر عائد کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی جگہ یہ بے دین نظام کے ماننے والے ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں اور فوجی طاقت کے بل پر کمزوروں کو آزادی کے نام پر غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو اس خون ریزی اور بربادی کا الزام بے دین سیاست پر عائد نہیں کیا جاتا۔

مسلمان ایک بین الاقوامی ملت ہے جس میں سیکڑوں قومیں، سیکڑوں نسلیں، مختلف زبانوں، مختلف تہذیبوں کے ساتھ شامل ہیں اور یہ ملت دنیا کے کونہ کونہ میں آباد ہے اس ملت کے سیاسی اتحاد کو یورپ نے ختم کیا۔ اور اب یہ ملت بڑی طاقتوں کی رکاوٹوں اور سازشوں کے باوجود اپنے اختلافات کو کم سے کم کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ ملت اسلامیہ میں بڑی طاقتوں نے قومیت اور رنگ و نسل کے نام پر جو زہر پھیلایا۔ اور مسلمانوں کی ایک سیاسی طاقت کو مختلف ملکوں میں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی جو ناپاک کوشش کی، اس کے اثرات کو زائل کرنا کوئی آسان کام نہیں، اسے دور کرنے کے لئے ایک طرف مسلمان قوموں کو اپنے اندر ایثار پیدا کرنا ہوگا اور دوسری طرف اغیار کی سازشوں پر نظر رکھنی ہوگی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ملت اسلامیہ اس کی ضرورت سے غافل نہیں۔

ہندوستانی مسلمان!

تاریخ اسلام کا ہر [illegible] ہندوستانی مسلمانوں کی [illegible]

استقامت اور دینی حمیت اور غیرت پر فخر کر لیں۔ کہ ہندوستان کے بڑے سے بڑے خونی ہنگامے نے ان کے قدموں کو اسلام کے مراطِ مستقیم سے نہیں ہٹایا۔ حالانکہ دشمنانِ ملت یہ سمجھتے تھے کہ ملک کا ہر بڑا ہنگامہ ہر دفعہ دو چار ہزار مسلمانوں کو خوف زدہ کر کے اسلام سے دور کر دے گا۔ اور یا مسلمان ملک سے نکل جائیں گے یا خدانخواستہ مرتد ہو جائیں گے لیکن خدا کا شکر ہے کہ دشمنوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور اس کے لئے ہم مسلمان اپنے خدا کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کے شریف النفس اور انصاف پسند غیر مسلم بھائیوں کے تعاون کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

البتہ ہم ہندوستانی مسلمانوں کو کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہوئے بغیر اپنی گرتی ہوئی حالت کا جائزہ لینا ہوگا اور پھر اپنی حالت کو سنبھالنے کی بھر پور کوشش کرنی ہوگی۔

ہندوستانی مسلمانوں میں سب سے زیادہ اہم سوال شمالی ہند کے مسلمانوں کا ہے۔ کیونکہ یہ علاقہ مسلم تہذیب و تعلیم کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے اس علاقہ میں ہندو مسلم ٹکراؤ میں شدت کا پیدا ہونا ایک لازمی بات تھی۔ اس علاقہ کے مسلمانوں میں بھی ذہنی سختی تھی اور ہندو بھی سختی کا شکار تھے۔ فرقہ پرستوں نے اس سختی سے فائدہ اٹھایا اور بات بات پر فساد کا ہنگامہ برپا کر دیا۔

ان فسادات کا لازمی اثر مسلمانوں کی اقتصادی حالت پر پڑا۔ اور ذہنی طور پر بھی ان فسادات نے مسلمانوں کو احساسِ کمتری میں گرفتار کیا، احساسِ کمتری اور اقتصادی بدحالی نے مل کر شمالی ہند کے مسلمانوں کو تعلیمی، مذہبی اور معاشرتی گراوٹ کی طرف دھکیل دیا۔

اس کے مقابلہ میں جنوبی اور مغربی ہند (بنگلور و بمبئی) کے مسلمانوں کی حالت بہت بہتر نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس علاقہ میں زبان و تہذیب کے مسئلہ نے اقلیت اور اکثریت کے درمیان کسی قسم کا تصادم و ٹکراؤ پیدا نہیں کیا۔ اور اسی سبب سے وہ علاقہ فسادات کی شدت سے بچا رہا۔

ان علاقوں میں مسلمانوں کی تعلیمی، مذہبی اور معاشرتی حالت اچھی ہے، محمود و فرائش کی تباہ کن رسمیں بھی ان مسلمانوں کے یہاں کم ہیں۔ سماجی خدمت کے کاموں میں عام طور پر مسلمان برادرانِ وطن کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہے۔ لیکن بمبئی کے مسلمانوں میں سماجی خدمت کا جذبہ موجود ہے۔

سیاسی اعتبار سے بھی جنوبی ہند کے مسلمان باشعور معلوم ہوتے ہیں وہ صرف ایک سیاسی پارٹی کے تحت منظم ہیں۔ اور یہاں سیاسی طور پر جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے اور یہ نتیجہ ہے مذہب کے نام پر سیاسی کھیل کھیلنے کا اور سیاسی پارٹیاں اور سیاسی لیڈروں کے اشاروں پر ناچنے کا۔

ہندوستانی مسلمانوں کی چوتھائی صدی کی زندگی کا یہ جائزہ پریشان کن ضرور ہے مگر مایوس کن نہیں ہے۔ لیکن ہمیں ان سیاست باز سیاسی اور مذہبی لیڈروں کی کاروباری سیاست سے علیحدہ ہو کر سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کرنا ہوگا۔ کہ ہماری موجودہ پستی کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ہمارے ہاتھ میں سیاسی طاقت نہیں ہے بلکہ اس کا اصلی اور بنیادی سبب یہ ہے کہ مذہب، تہذیب، علم و تعلیم اور معیشت و معاشرت میں ہم پر پسماندگی اور گراوٹ کا سایہ پڑنا شروع ہو گیا ہے۔ جس سے ہمیں بچنا ضروری ہے۔

یاد رکھیئے کہ ہم کوئی سیاسی جماعت بنا کر اپنی منزل پر نہیں پہونچ سکتے۔ اور نہ منھ زور اور چرب زبان سیاسی لیڈر اور مذہبی جذبات کو بھڑکانے والے علماء ہماری نیا کو پار لگا سکتے ہیں۔ ہمارے لئے آبرو کے ساتھ ترقی کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مسلمان اپنی پوری توجہ، پوری طاقت اور پورا زور اس بات پر لگا دیں کہ ہمارے لڑکے اور لڑکیاں دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کریں۔ ہمارے اندر مذہبی اعمال کا شوق پیدا ہو، ہماری معاشرت تباہ کن رسموں سے پاک ہو، ہم میں سے

(باقی صـ ۱۲ پر دیکھئے)

اسلام کا قانونِ جنگ

قسط (۱)

از مولانا ابوالکلام آزاد

"حرب" اور "اسلام" میں کسی قسم کا اتحاد و ائتلاف نہیں ترکیب ہجائی کے لحاظ سے ان دونوں لفظوں میں ایک حرف کا بھی اشتراک نہیں پایا جاتا۔ مفہوم لغوی میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہے۔ سب کے لغوی معنیٰ سے ایک ایک بچہ واقف ہے۔ لیکن اگر کوئی بدقسمت انسان ایسا ہے جس کو اس کی تحقیق کی ضرورت ہے تو قاموس اور لسان العرب کی ورق گردانی کی جگہ اس کو دنیا کی بربادیوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے جس کا ایک ایک صفحہ اس لفظ کی حیرت انگیز تفسیر کرتا ہے اگر اس کو اس سے بھی تسکین نہ ہو تو یورپ کا میدان کارزار ایک مبسوط لغت کی طرح دنیا کے سامنے کھلا ہوا ہے خون کی دھاریں اس کی ایک ایک سطر کو نمایاں کر رہی ہیں ان سطروں میں اس لفظ کی سرخی آسانی کے ساتھ نظر آ جا سکتی ہے لیکن ایسی حالت میں جب کہ ارضِ الٰہی کا امن سمندر کی خونیں لہروں میں ڈوب گیا ہے، صلح و آشتی کی دیوی نے خون کی چادر میں اپنا منہ چھپا لیا ہے، اور اطمینان و سکون کو خونخوار توپوں کا دھواں اُڑا چکا ہے، لفظ اسلام کی تحقیق مشکل اور از بس مشکل ہے۔ ایسی حالت میں دنیا کو کیونکر یقین دلایا جا سکتا ہے کہ اس لفظ کا مادہ سِلْم ہے؛ اس کے معنیٰ صلح کے ہیں اور صلح کا آخری نتیجہ اطاعت و فرماں برداری ہے۔

لیکن بایں ہمہ تنائی و تباین، بایں ہمہ تضاد و تقابل بایں ہمہ تخالف و تناقض اب تک یورپ ان دونوں لفظوں کو مرادف سمجھ رہا ہے۔ ایک یوروپین کے سامنے جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو جنگ کا ایک وسیع سلسلہ اس کے پیش نظر آ جاتا ہے۔ وحشت، خونریزی، غارتگری، اور بدامنی کا ایک خونیں منظر اس کی نگاہ کے سامنے پھر جاتا ہے۔ وہ اس کو دیکھتا ہے تو اس کا وحشت زدہ نگاہ خون کی دھاروں سے پل جاتا ہے۔ اس کے سامنے بے پردہ اور برہنہ لڑکیوں کی قطاریں کھڑی ہو جاتی ہیں اس کے سامنے گنجینہ و دفائن کا ایک ڈھیر لگ جاتا ہے جن کو ہر مجاہد کا دامنِ حرص و آز سمیٹ لیتا ہے۔

یورپ کی قدیم و جدید تاریخ سے اگرچہ اس کا معاندانہ جواب نہایت آسانی کے ساتھ دیا جا سکتا ہے۔ یورپ کے جنونِ مذہبی کی یادگار صلیبی جنگ کی تاریخ کا ہر صفحہ خون کی ایک چادر ہے جس نے ایک مدت تک دنیا کے امن و آشتی کو اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یورپ کا موجودہ میدانِ کارزار ایک عرصۂ رستخیز ہے جس کی توپوں کے دہانہ سے یہ زہرہ انگیز صدائیں بلند ہو رہی ہیں

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ لوگو! اپنے خدا سے ڈرو کہ

إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ
شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا
أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ
حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ
سُكَارَى وَمَا هُم بِسُكَارَى
وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ

موعود کا بھونچال ایک بڑی مصیبت
ہے اس دن ہر دودھ پلانے والی
عورت اپنے شیرخوار بچے کو بھلا دے گی
اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط
ہو جائے گا اور تم لوگوں کو دیکھو گے
کہ متوالے اور بدحواس ہیں حالانکہ وہ
متوالے نہیں ہیں لیکن خدا کا عذاب
بڑا سخت ہے جس نے انہیں
بدحواس کر دیا ہے۔

لیکن اس سوال کے تحقیقی جواب کے لئے ہم کو سب سے پہلے عرب کی قدیم تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جہاں سے اسلام کا ظہور ہوا تھا جس میں اسلام نے نشو ونما پائی تھی اور جس میں بزعم یورپ اسلام نے خون کا طوفان برپا کیا۔!

جنگ اور قرآن

قرآن حکیم نے عقائد، اعمال، اخلاق اور تہذیب و تمدن کے مطابق جو اصلاحیں کیں وہ صرف ان کی سطح باطنی تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے خط و خال ان چیزوں کی سطح ظاہری تک بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ الفاظ و اصطلاح اگرچہ کوئی حقیقی چیز نہیں بلکہ معانی کا غلاف ہیں جو ان کے اوپر چڑھا دیا گیا ہے لیکن چونکہ اسلام کی اصلاحیں مغز و پوست دونوں کو شامل ہیں اس لئے اس نے تمام چیزوں کے ساتھ عربی لٹریچر اور عربی زبان کی بھی اصلاح کی ہے۔

زبان در حقیقت ہماری کیفیاتِ نفسانیہ کی سفیر ہے جو نہایت دیانتداری کے ساتھ ہمارے دل کا پیغام دنیا کو پہنچا دیتی ہے اسی بنا پر وہ تمام تر ہمارے خیالات، ہمارے عقائد اور ہمارے اخلاق و عادات کی تابع ہے۔ وحشت کے زمانے میں چونکہ انسان کے خیالات نہایت پست و ذلیل ہوتے ہیں اس لئے الفاظ و عبارات پر بھی ان کا اثر پڑتا ہے۔ کمینہ قوموں میں سینکڑوں ایسے الفاظ اسی پست اخلاق کی بنا پر رائج ہو جاتے ہیں جن کو ایک متمدن انسان سن بھی نہیں سکتا۔ پس عرب کی وحشت اور بدویت نے اس قسم کے جو الفاظ پیدا کر دیئے تھے اس کو وہ اعلیٰ درجہ کا تمدن نہیں گوارا کر سکتا تھا جس کو قرآن مجید پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے ان تمام الفاظ کی اصلاح کی اور بدل دیا۔

اس لحاظ سے جنگ کے متعلق عرب کا لٹریچر اسلام کی اصلاح کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ عرب میں جنگ کے لئے سینکڑوں الفاظ سینکڑوں محاورے، سینکڑوں ترکیبیں اور سینکڑوں استعارے پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن وہ سب کے سب ایک وحشیانہ جنگ کے لئے موزوں تھے۔ ایک متمدن قوم، ایک ترقی یافتہ نظام، ایک صلح پسند مذہب، ایک پیام رسانِ امن جماعت ان الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

جہاد

اس لئے حقیقت جنگ کے انقلاب کے ساتھ اسلام نے ان تمام الفاظ و محاورات کو بھی یک لخت متروک کر دیا۔ اور غزوات اسلامیہ کے لئے صرف ایک سادہ لفظ جہاد استعمال کیا جس سے

(بقیہ صفحہ ۱۰) کیا اسلام اور مسلمان ختم ہو رہے ہیں؟

ہر شخص محنت اور مزدوری، تجارت اور صنعت پر پوری پوری توجہ دے اور ہمارا کاریگر، ہمارا صنعتکار اور ہمارا سرمایہ دار نفع اندوزی اور ذاتی تعیش سے بلند ہو کر اجتماعی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھے، ہمارے عوام ہمارے ہم وطن (ہندو، سکھ پڑوسیوں) کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھیں اور ہم سب ایک دوسرے کے جذبات کا پاس رکھیں تاکہ فساد برپا کرنے والی طاقتوں کو فساد برپا کرنے کا موقع نہ ملے۔

رب (جنگ) کی طرح نہ تو غیظ و غضب کے جذبات ظاہر ہوتے ہیں، نہ لوٹ مار، سلب و نہب اور وحشت کی بو آتی تھی۔ بلکہ وہ صرف ایک ایسی انتہائی کوشش پر دلالت کرتا ہے جو کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے کی جا سکتی ہے ـــــ خواہ یہ کوشش بذریعہ قویٰ ہو، خواہ بذریعہ زبان، خواہ افعال جوارح یا بواسطہ قبضۂ شمشیر۔

قرآن مجید نے جنگ کے ہر موقع پر جہاد کا لفظ استعمال کیا ہے اور قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا اطلاق جنگ و خونریزی پر نہیں بلکہ عموماً اس کے ذریعے سے عام ایثار، ضبط، خاموشی، تزکیۂ نفس اور اخلاق کا اظہار کیا گیا ہے۔

لکن الرسول والذین	لیکن رسول اور وہ لوگ جو
آمنوا معہ جاھدوا	رسول کے ساتھ ایمان لائے،
باموالھم وانفسھم و	یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے اپنی
اولٰئک لھم الخیرات	جان و مال دونوں سے جہاد
واولٰئک ھم المفلحون	کیا۔ تمام بھلائیاں صرف انہی
والذین جاھدوا	کے لئے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔
فینا لنھدینھم سبلنا	اور جن لوگوں نے ہمارے لئے
وان اللہ مع المحسنین۔	جہاد کیا یعنی ریاضت و سعی کی ہم
	ہم ان کو ہدایت پانے کا راستے
	بتائیں گے۔

اور خدا صرف ارباب احسان کے ساتھ ہے ایک جگہ فرماتا ہے

ثم ان ربک للذین ھاجروا	ان لوگوں کے لئے جنہوں نے
من بعد ما فتنوا ثم	سخت آزمائش کے بعد ہجرت
جاھدوا وصبروا، ان	کی پھر جہاد اور صبر کیا اللہ کا
ربک من بعدھا لغفور	فضل تیار ہے۔ خدا ایسی
رحیم۔ وتواصوا بالحق	صداقتوں کے بعد بڑا معاف
وتواصوا بالصبر	کرنے والا اور رحم کرنے والا
	ہے۔ وہ مسلمان کامیاب ہیں
	جنہوں نے حق اور صبر کی وصیت کی

قتالِ اسلامی اور لوٹ مار کا فرق

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد اسلامی کی حقیقت صرف صبر و استقلال اور ضبط و ایثار سے قائم ہوتی ہے مالِ غنیمت اور (اظہار غیظ و غضب وغیرہ نہ تو اس کی حقیقت میں داخل ہیں اور نہ اس کا خاصۂ لازمی ہیں۔ وہ محض بالکل عارضی چیزیں ہیں۔ جہاد کا اصلی مقصد ان سے بہت اعلیٰ و اشرف ہے یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں طلب مال غنیمت پر عتاب الٰہی نازل ہوا تھا۔

فلما کان بدر وقعوا	جب واقعہ بدر پیش آیا تو صحابہ
فی الغنائم قبل ان تحل	مال غنیمت کے جمع کرنے میں
لھم فانزل اللہ۔	مصروف ہو گئے حالانکہ اس
لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ	وقت تک حلال نہیں ہوا تھا
لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ	اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥	کہ "اگر خدا کی مشیت نے اس کا
(ترمذی کتاب التفسیر)	فیصلہ کر دیا ہوتا تو جو مال تم نے
	بطور غنیمت کے اکٹھا کیا اس پر
	بہت بڑا عذاب نازل ہوتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سب سے پہلے اور دوسرے معرکۂ جہاد میں غنیمت (لوٹ مار) حرام تھی حالانکہ اگر جہاد کا مقصد لوٹ مار ہوتا تو قریش کا کاروانِ تجارت اسلام کے اس مقصود کو اچھی طرح بھر سکتا تھا۔

ایفائے عہد!

غدر و بے وفائی جنگ کا خاصۂ لازمی تھا اور بے گناہ عورتوں بچوں، قاصدوں اور نوکروں کے قتل میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاتی بلکہ سب کے سب تہ تیغ ہو جاتے ہیں، دشمنوں کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا ہے، دشمنوں کے ناک کان کاٹ کر بطور ہار کے پہنے جاتے ہیں، دشمنوں کو باندھ کر قتل

کیا جاتا ہے۔ کھانے پینے کے لئے راستہ میں لوگوں کو لوٹ لینا معمولات ہے۔ لیکن اسلام نے جنگ کی اس حقیقت کو بدل کر رفتہ رفتہ ان تمام وحشیانہ افعال کو مٹا دیا

لکل غادر لواء یوم القیٰمة یعرف به یقال هذه غدرة فلان (مسلم) — قیامت میں ہر بد عہد کے لئے ایک جھنڈا کھڑا کیا جائیگا جس کے ذریعہ سے وہ پہچانا جائیگا اور کہا جائیگا کہ یہ فلاں کی عہد شکنی کا جھنڈا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

ان امرأة وجدت فی بعض مغازی رسول الله صلی الله علیه وسلم مقتولة فانکر رسول الله قتل النساء والصبیان (مسلم) — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت دیکھی اس پر آپ نے بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا۔

مسیلمۂ کذاب کا قاصد جب اس کا خط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا۔

لو ان الرسل لا یُقتل لضربت اعناقکما (ابوداؤد) — اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔

ابوداؤد میں ایک اور تصریح ہے۔

لا تقتلن امرأة ولا عسیفاً — عورتیں اور نوکر قتل نہ کئے جائیں

آگ میں جلانے سے قطعاً روک دیا گیا

لا ینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار (ابوداؤد) — آگ کا عذاب صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔

اللہ اکبر! چھٹی صدی عیسوی کے صحرانشین عربوں کا یہ اخلاق اور لوسع پروری تھی جس کی مثالیں آج بلیم کے متمدن میدانوں میں بھی نہیں مل سکتیں، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ لوٹ مار اور غارتگری مال و متاع سے خاص طور پر مسلمانوں کو روک دیا گیا۔

قال ان النهبة لیست باحل من المیتة — آپ نے فرمایا کہ لوٹ مار کا مال بالکل ایسا ہی ہے جیسے مردار لاش وہ مردار سے زیادہ حلال نہیں، (ابوداؤد) ....

دو لفظ۔ قتال اور حرب

جنگ کے یہی وحشیانہ افعال تھے جن پر حرب کا مفہوم لغوی مشتمل تھا۔ اور اہل عرب نے عملی طور پر حرب کا یہی نمونہ قائم کیا تھا جیسا کہ دنیا کی اور تمام قوموں نے کیا۔ لیکن اسلام نے جنگ کے ان تمام آثار مظالم کو مٹا کر ایک نیا سنجیدہ نظام قائم کیا اس بنا پر لغت و حقیقت کسی حیثیت سے بھی "جہاد اسلامی" پر حرب کا اطلاق نہیں ہو سکتا پس یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاد پر ایک جگہ بھی حرب و جنگ کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا البتہ جہاد کی ایک خاص صورت کی تعبیر لفظ قتال سے کی گئی ہے جو ظاہری مفہوم کے لحاظ سے کوتاہ بینوں کے نزدیک تو نہایت خطرناک لفظ ہو سکتا ہے لیکن درحقیقت جہاد اور قتال میں ایک طرح کے عموم و خصوص کا فرق ہے قرآن میں کہا گیا ہے:۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ — مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

فَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ — اور کفار کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے تم کو نکال دیا ہو وہاں سے تم بھی انہیں نکالو۔

لیکن دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "مشاکلۃ اللفظ باللفظ" ہے جو کلام میں زور پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

اسی طریقہ پر قرآن کی مذکورہ بالا آیات میں "قتال" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے، ورنہ اس کی حقیقت سیئہ مقصود نہیں ہے جس طرح عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی ہے برائی کا بدلہ برائی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں قتال سے بھی دنیا کا عام قتال مراد نہیں ہے۔

فان قتلوکم فاقتلوهم — اگر وہ تم سے مقاتلہ کریں تو تم بھی ان سے مقاتلہ کرو۔

اور اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے تب بھی یہ خود کفار کی شاۃ

اعمال کا نتیجہ ہیں۔ جہاد کا اصل مقصد نہیں ہے چنانچہ دوسری آیت میں اس کی تشریح کردی گئی ہے

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین

جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اسی کے مثل زیادتی کر سکتے ہو لیکن اس سے زیادہ تجاوز کرنے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

چھ آیتیں

لیکن تمام قرآن مجید میں جہاد پر حرب (جنگ) کا اطلاق کہیں بھی نہیں کیا گیا ہے صرف چھ جگہ حرب کا لفظ آیا ہے حالانکہ تمام قرآن کریم جہاد کی ترغیب و تحریص سے بھرا ہوا ہے۔ وہ چھ آیتیں یہ ہیں۔

(۱) وَالذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المومنین وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل

جن لوگوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے ان میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اور اس شخص کی گھات لگانے کیلئے جس نے خدا اور اس کے رسول سے پہلے لڑائی کی ہے نیز اپنے کفر کے اظہار کے لیے ایک مسجد بنائی ہے۔

(۲) انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الاخرۃ عذاب عظیم۔

جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں انکی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کردیئے جائیں یا انکے ایک ایک ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا جلاوطن کردیئے جائیں۔ دنیا میں بھی ان کے لیے یہ ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کیلئے بڑا عذاب ہونے والا ہے۔

(۳) یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ

مسلمانو خدا سے ڈرو اور جو تم سود کا تمہارا لوگوں پر باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو یقین کرو کہ خدا اور اس کے رسول کا تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے۔

(۴) وَالقینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ کلما اوقدوا ناراً للحرب اطفاھا اللہ ویسعون فی الارض فساداً واللہ لا یحب المفسدین۔

ہم نے یہود و نصاریٰ میں قیامت تک کیلئے باہم دشمنی ڈالدی ہے جب وہ آتش جنگ بھڑکاتے ہیں خدا اسکو بجھا دیتا ہے مگر وہ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں اور خدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا

(۵) الذین عاھدت منہم ثم ینقضون عہدہم فی کل مرۃ وھم لا یتقون فاما تثقفنہم فی الحرب فشرد بہم من خلفہم لعلہم یذکرون۔

وہ لوگ جن سے تم نے عہد کیا وہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور خدا سے بالکل نہیں ڈرتے سو اگر تم انکو جنگ میں پاؤ تو چاہیئے کہ ان پر دباؤ ڈالو تاکہ جو لوگ انکے پیچھے ہیں انکو بھی بھاگنا پڑے

(۶) فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا

جب تمہارا اور کفار کا جنگ میں مقابلہ ہو تو ان کی گردن اڑادو یہاں تک کہ جب خونریزی ہوجائے تو ان کو غلام بنا لو اسکے بعد یا تو احساناً انکو چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کردو یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہوجائے

اب غور کیجیے کہ پہلی آیت میں الحرب کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کو قتال اسلامی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک عرب تھا ابو عامر راہب، جس کی ریاست مذہبی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صدمہ پہنچا تھا اس نے

اپنے عزم جہاد کو قائم رکھنے کے لئے متعدد لڑائیاں کی تھیں چنانچہ آیت میں "من قبل" کا لفظ خود اس پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جب قبیلۂ ہوازن نے شکست کھائی تو وہ شام کی طرف بھاگ نکلا اور وہاں سے منافقین کو پیغام دیا کہ تم آلات جنگ فراہم کرو اور ایک مسجد بناؤ۔ میں قیصر کے پاس جاکر فوج گراں لے کر آتا ہوں اور محمد کو مدینہ سے نکال دیتا ہوں"

ظاہر ہے کہ اس جنگ کا مقصد محض بغض وانتقام خدع وفریب، ظلم وعدوان اور طلب ریاست تھا جس پر جنگ کی حقیقت لغویہ بالکل منطبق ہو سکتی ہے اسلئے یہاں قرآنجید نے اس لفظ کو صحیح مفہوم لغوی کے مطابق استعمال کیا ہے نہ کہ جہاد کے لئے۔

دوسری آیت قاتلینِ نوعِ انسانی "مفسدین فی الارض" غارت گرانِ امن واخلاق، اور رہزنوں اور ڈاکوؤں کے متعلق ہے۔ اور لوٹ مار حرب کے مفہوم میں داخل ہے اسلئے یہ آیت پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے جہاد سے اسکو ذرا بھی مس نہیں ہے۔

تیسری آیت میں بیشبہ خدا نے اپنے اور اپنے رسول کی طرف حرب کا انتساب کیا ہے لیکن جہاد یہاں بھی مراد نہیں ہے۔ سودخواری درحقیقت ایک رہزنی ہے اور ہر سودخوار ایک ڈاکو ہے جو بندگانِ خدا کے مال کو بلامعاوضہ لوٹ لیتا ہے اسلئے خدا نے فرمایا:۔

"جسطرح تم غریبوں کا مال لوٹ رہے ہو ہم بھی اسی طرح تمہارا مال لوٹ کر ان کو واپس دلادینگے" ـــــ یہی حرب کے معنی ہیں۔

چوتھی آیت کسی تاویل کی محتاج نہیں۔ یہ آیت یہود ونصاریٰ کے متعلق ہے انھوں نے باہم جو لڑائیاں قائم کی تھیں ان کا سبب صرف بغض وانتقام اور شر وفساد تھا جس پر لغوی حیثیت سے حرب کا لفظ دلالت کرتا ہے۔

پانچویں آیت قبیلۂ بنو قریظہ کے متعلق ہے جس نے اسلام کے ساتھ متعدد بار معاہدہ کر کے عہد شکنی کی تھی۔ اور تمام قبائل عرب کو آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ پر آمادہ کر لیا تھا۔ آیت میں حرب سے وہی حرب مراد ہے جو بنی قریظہ کی عداوت ودشمنی کا نتیجہ تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس قبیلہ والوں نے جو لڑائیاں قائم کرائی تھیں ان کا سبب صرف بغض وفساد تھا۔ اسلئے یہاں بھی حرب سے جہاد اسلامی مراد نہیں ہو سکتا ہے بلکہ حرب کی اصل حقیقت خبیثہ مراد ہے۔

چھٹی آیت میں بیشبہ بظاہر "جہاد اسلامی" پر حرب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ لیکن تشریح وتوضیح کے بعد معلوم ہوگا کہ یہی آیت جہاد اسلامی کا مقصد وحید ہے اور جہاد کی حقیقت مقدسہ اسی لفظ میں مضمر ہے۔ چنانچہ اس کی تشریح آگے آتی ہے۔

جنگ میں صلح

اسلام نے "امن وسلام" کا جو دور جدید قائم کر دیا تھا دنیا کی سبعیت اور بہیمیت نے اگرچہ اس کو "جنگ وخونریزی" سے بدل دیا ہے لیکن بایں ہمہ کبھی کبھی سیاسی مصالح سے اس فراموش شدہ حقیقت کا نام زبانوں پر آہی جاتا ہے اور اس بھولے ہوئے خواب کی یاد تازہ کر لی جاتی ہے۔

چنانچہ آج کل جنگ وصلح کی اس آمیزش نے دنیا کے لئے یہ نہایت دلچسپ سوال پیدا کر دیا ہے کہ "کیا جنگ کا خاتمہ ہو سکتا ہے؟ کیا جنگ کی تپش میں تپتے ہوئے چہروں پر پھر دائمی صلح کا ظل الغمام اپنا سایہ ڈال سکتا ہے؟

یورپ کے بڑے بڑے ارباب سیاست اور اہل حل وعقد نے اس سوال کا جواب مختلف طریقوں سے دیا ہے لیکن ایک صلح پسند شخص کے لئے ان میں ایک جواب بھی تسکین بخش نہیں۔

امریکہ کا سابق پریذیڈنٹ منرو یا ویلسن کہتا ہے۔

"ہاں دنیا کو صلح و آشتی کے وسائل فراہم کرنے کی کوشش [illegible]نی چاہیئے۔ لیکن ہر صلح بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتی، دنیا میں [illegible]ہت سے ظالم ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کا سینہ جنگ فتح کا [illegible]یک ہولناک میدان ہے لیکن وہ اس میدان کو صلح کا خوشنما سبزہ زار کہتے ہیں۔

بہت سے لوگ بزدلی، ضعف عزیمت اور مکر و فریب [illegible]بھی صلح کے پردے میں چھپا رہے ہیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس صلح سے الگ رکھیں جس کی ترکیب ظلم اور بزدلی سے ہوتی ہے، تاہم ظالمانہ لڑائیاں اور [illegible]لمانہ صلحیں کم ہیں لیکن دونوں کی دونوں قابل نفرت ہیں"

سر گلبرٹ پارکر نہایت دلیری سے اپنا یہ خیال ظاہر [illegible]رتے ہیں "میں صلح کی خوشنما امید دل سے اپنا دل بہلا [illegible]ہیں سکتا واقعات ہم کو ایک عظیم الشان جنگ کی [illegible]ملی دے رہے ہیں جب تک وحشت موجود ہے، جب تک [illegible]ہ مکمل طور پر تہذیب یافتہ قومیں زمین پر آباد ہیں اتفاق اتحاد ناممکن ہے ہم کو خدا پر بھروسہ کر کے اپنی بارود خشک رکھنا چاہیئے!"

مشہور سر ٹامس برکلی کا خیال ہے۔

"دائمی صلح آسان نہیں، بعض لڑائیاں قانونِ [illegible]قاء کے ثابت شدہ اصول" تنازع للبقاء" کے لئے کی [illegible]تی ہیں۔ نو آبادیوں کے لئے صرف اسی غرض سے لڑائیاں [illegible]ئم ہوتی ہیں کہ انسان جب اپنے ملک کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور وہ دوسری قوموں کو دھکیل کر آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کی زندگی ممکن نہیں، بعض لڑائیاں استبداد و استقلال کے لئے برپا ہوتی ہیں [illegible]ن کی تحریک صرف ظلم کرتا ہے۔ بعض لڑائیاں تہذیب [illegible]تمدن کے استحکام کی غرض سے قائم کی جاتی ہیں۔ اگر [illegible]نشت میں بربریت اپنے اپنے انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے تو اس قسم کی لڑائیاں دنیا کی سعادت مدنیہ کیلئے نیک فال ہیں۔

مسٹر آئرنگ امریکہ کے ایک سیاسی فیلسوف ہیں ان کی تمناؤں کا خوشنما سبزہ زار یہ ہے۔

"میری بڑی خواہش ہے کہ جنگ سے علیحدگی اختیار کی جائے لیکن یہ منزل ابھی بہت دور ہے۔ بہت سے مسائل ثالثی کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں لیکن آگے بڑھنے والے اقتدار و نفوذ کو کون روک سکتا ہے؟

اسلام دنیا میں آیا تو ہر قسم کی لڑائیوں نے سطح ارض کو ایک معرکۂ جنگ بنا رکھا تھا لیکن اسلام نے دفعتاً لڑائی کے حلق کی شہ رگ کاٹ دی۔

"لاتباغضوا ولاتحاسدوا ولاتدابروا"

ایک دوسرے سے دل میں عداوت اور کینہ نہ رکھو باہم دگر حسد نہ کرو اور نہ آپس میں باہم ایک دوسرے کی جگہ پر اسے پیچھے ہٹا کر قبضہ کرو"

وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذ کم منہا کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تفلحون

اور تم لوگ باہم جنگ وجدل اور قتل و خونریزی کی وجہ سے گویا آگ کے گڑھے پر کھڑے تھے اور وہ بھڑک رہی تھی لیکن خدا نے اسلام کی تعلیم دیکر تمہیں اس آگ سے نکال لیا۔

روم و فارس کی مہذب سلطنتیں ملک گیری کے لئے باہم دست و گریباں تھیں، اسلام نے ان کے مقابلے کے لئے پکارا کہ دنیا اور دنیا کی پرفضا زمین اس لئے نہیں بنائی گئی ہے کہ اس پر بنی نوع انسان کے خون کا سیلاب بہایا جائے۔ ایک فریق دوسرے فریق کو نکال کر تمام روئے زمین پر خود قابض ہو جائے اور آدم کی بہت سی بے خانماں اولاد کو نو آبادیاں ڈھونڈنی پڑیں بلکہ دنیا کی سطح صرف اس لئے ہے کہ اس میں آدم کا ہر بچہ اپنے اپنے مرکز کو قائم رکھ کر (باقی صـ۱۹ پر ملاحظہ کیجیئے۔)

علمی جواہر پارے

دربار نبوت کی حاضری کا ایک عجیب واقعہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بعد الوفات

از جناب الحاج سید محبوب صاحب رضوی

یہ واقعہ جو نقل کیا جاتا ہے کوئی خواب یا افسانہ نہیں، صحیح اور سچا واقعہ ہے جو محدثانہ اسناد صحیح کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ نویں صدی ہجری کے مشہور و معروف علامہ عبدالعزیز مکی اپنے رسالہ (فیض الجود علی حدیث شیبتنی ہود) میں عارف باللہ ابن سعید یافعی کی کتاب نشر المحاسن کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ اور حضرت یافعی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھے اسناد صحیح کے ساتھ پہنچا ہے اور اس زمانہ میں بہت مشہور رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عارف باللہ شیخ ابن الزعب یمنیؒ کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے وطن یمن سے سفر کر کے حج ادا کرتے اور پھر زیارتِ روضہ اقدس کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ حاضری دربار کے وقت والہانہ اشعار و قصیدہ آنحضرتؐ اور آپ کے صاحبین حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی شان میں لکھ کر روضۂ اقدس کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حسب عادت وہ قصیدہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک رافضی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آج میری دعوت قبول کیجئے۔ حضرت شیخ نے از روئے تواضع اور اتباع سنت دعوت قبول فرمائی آپ کو اس کا حال معلوم نہ تھا کہ یہ رافضی ہے اور صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کی مدح کرنے سے ناراض ہے۔ آپ حسب وعدہ اس کے مکان پر تشریف لے گئے مکان میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے دو حبشی غلاموں کو اشارہ کیا جن کو پہلے سے سمجھا رکھا تھا وہ دونوں اس ولی اللہ کو لپٹ گئے اور آپ کی زبان مبارک کاٹ ڈالی اس کے بعد اس کمبخت رافضی نے کہا کہ جاؤ زبان ابوبکرؓ و عمرؓ کے پاس لے جاؤ جن کی مدح تم کرتے ہو وہ اس کو جوڑ دینگے۔

شیخ موصوف کٹی ہوئی زبان ہاتھ میں لئے ہوئے روضۂ اقدس کی طرف دوڑے اور وجہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا واقعہ ذکر کیا۔ جب رات ہوئی تو خواب میں سرور دو عالمؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ کی ساتھ آپ کے صاحبین حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ بھی اس واقعہ کی وجہ سے غمگین صورت میں تھے۔ آنحضرتؐ نے شیخ کے ہاتھ میں سے یہ کٹی ہوئی زبان اپنے دست مبارک میں لی اور شیخ کو قریب کر کے زبان ان کے منہ میں اپنی جگہ رکھدی۔

یہ خواب دیکھ کر شیخ بیدار ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ زبان بالکل صحیح سالم اپنی جگہ پر لگی ہوئی ہے۔ دربار نبوت کا یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھکر اپنے وطن واپس آگئے۔

تئنہ پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور قصیدہ مدحیہ روضۂ اقدس کے سامنے پڑھکر فارغ تو پھر ایک شخص نے دعوت کے لئے درخواست کی، نے پھر توکلاً علی اللہ قبول فرمائی اور اس کے ساتھ لئے مکان میں داخل ہوئے تو دہی پہلے دیکھا ہوا مکان ہوا. خدا تعالےٰ کے بھروسہ پر داخل ہوئے اس شخص ایت اعزاز واکرام کے ساتھ بٹھایا اور تکلف کے کھلائے. کھانے کے بعد یہ شخص شیخ کو ایک کوٹھری لے گیا. وہاں دیکھا کہ ایک بندر بیٹھا ہوا ہے. اس نے شیخ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بندر کون فرمایا نہیں'! اس شخص نے عرض کیا کہ یہ وہی شخص ہے نے آپ کی زبان قطع کی تھی حق تعالےٰ نے اس کو بندر رت میں مسخ کر دیا ہے. یہ میرا باپ ہے اور میں اسکا ں. سرور عالمؐ کے معجزات باہرہ کے سامنے یہ کوئی اہم ں. لیکن اس سے یہ امر ضرور ثابت ہوا کہ رسالت مآبؐ ح روضۂ اقدس میں زندہ تشریف فرما ہیں اسیطرح معجزات کا سلسلہ بھی جاری ہے. اس قسم کے واقعات نہیں سینکڑوں کی تعداد میں امت کے ہر طبقہ کو تے رہتے ہیں.

اور واقعہ عجیبہ

ابو عبداللہ الجلاء رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ایک سال میں بہت مفلس فاقہ زدہ تھا، اتفاقاً کی حاضری نصیب ہوئی میں روضۂ اقدس کے حاضر ہوا اسلام کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں فاقہ ہوں اور آج آپ کا مہمان ہوں. بیان سے ہوکر آیا تو رات کو سو گیا خواب میں جمال مبارک کی ت سے مشرف ہوا. آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے روٹی عطا فرمائی میں نے خواب میں کھانا شروع کر دیا کچھ حصہ کھایا تھا کہ آنکھ کھل گئی دیکھتا کیا ہوں کہ بچی ہوئی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔ (فیض الجود مذکورہ ص۱۹)

عجائب تواریخ

مصائب دنیا، قحط، زلزلے اور وبائیں

دنیا میں جس طرح نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں ہر بڑی نعمت سے زیادہ بڑی نعمت ہو سکتی ہے اسی طرح مصیبتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں ہر مصیبت سے بڑی مصیبت ہو سکتی ہے اس مختصر مضمون میں علامہ ابن جوزی کی کتاب المدہش سے کچھ مصائب وحوادث کے واقعات لکھے جاتے ہیں جو دنیا کے مختلف ادوار میں پیش آچکے ہیں اس کے پیش کرنے میں ایک تاریخی افادے کے علاوہ ہماری غرض یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی مصیبت وحادثہ میں مبتلا ہوں وہ ان وقائع کو دیکھ کر تسلی حاصل کریں. کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ اپنے سے زیادہ گرفتار بلا کو دیکھکر صبر آجاتا ہے.

سنہ ھ فاروق اعظمؓ کے عہد میں بارش کا ایسا قحط پڑا کہ ہوا میں بجائے غبار کے راکھ اڑتی نظر آتی تھی. اسی لئے اس سال کا نام عام الرمادہ ہو گیا. وحشی جانور بھوک پیاس سے عاجز ہو کر انسانوں کے پاس آجاتے تھے اس قحط میں حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ عہد کر لیا تھا

(ص۱۲ کا بقیہ (اسلام کا قانون جنگ)

خدا کی عبادت میں مصروف رہے. اور جو خلقت عبادت الہٰی کے لئے پیدا کی گئی ہے وہ جنگ وخونریزی کے کاموں کے لئے نہیں ہو سکتی.

اسوقت جبکہ دنیا نے نظام امن کو بالکل بدل دیا تھا جبکہ ایک فریق دوسرے فریق کو پامال ختم کر رہا تھا جب کہ ایک سلطنت دوسری سلطنت کے ممالک مقبوضہ کو چھین رہی تھی اسلام آیا اور اس ظالمانہ نظام کو بدل دیا اور ایک نیا عادلانہ نظام قائم کیا جس کا مقصد دنیا کی [illegible] سے بالکل مختلف تھا

کہ گھی دودھ اس وقت تک نہ کھاؤں گا جب تک قحط رفع نہ ہو اور عام مسلمان یہ چیزیں نہ کھانے لگیں۔

سنہ ۶۴ھ میں بصرہ میں ایسا شدید طاعون آیا کہ امیر بلدہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس کا جنازہ اٹھانے کیلئے چار آدمی نہ ملے۔

سنہ ۹۶ھ میں طاعون جارف کا واقعہ پیش آیا جس میں تین دن کے اندر ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ اسی طاعون میں حضرت انسؓ کے ۸۳ لڑکے لڑکیاں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے (حضرت انسؓ کی کل اولاد سو سے کچھ زائد تھی) اس واقعہ میں مرنے والوں کو قبرستان تک لے جانا اور قبر میں دفن کرنا ناممکن ہو گیا تھا اس لئے جب سارے گھر والے مرجاتے تو سب کو ایک کوٹھے میں بند کر کے ان کا دروازہ اینٹ گارے سے بند کر دیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۳۱ھ میں طاعون آیا تو پہلے دن میں ستر ہزار، دوسرے دن میں ستر ہزار سے کچھ زائد ہلاک ہوئے اور تیسرے دن سب آدمی ٹھنڈے ہو گئے۔

سنہ ۳۳۴ھ میں ایسا قحط شدید پڑا کہ لوگ اپنے بچوں کو ذبح کر کے کھانے لگے۔ اور مردار جانور کھائے جانے لگے اور چند روٹیوں کے بدلہ میں بڑی بڑی جائدادیں فروخت کر دی گئیں۔!

معز الدولہ امیر وقت کے لئے بیس ہزار روپیہ میں ایک (کُر) گیہوں خریدے گئے (ایک کر ہمارے وزن سے تقریباً اسی من کا ہوتا ہے) جس کے حساب سے دو سو روپیہ کا ایک من اور پانچ روپیہ کا ایک سیر ہوتا ہے۔

سنہ ۴۴۸ھ میں قحط اس قدر شدید ہوا کہ پانچ سیر غلہ سات گنی میں اور ایک انار ایک گنی میں، ایک ککڑی ایک گنی میں فروخت ہوتی تھی۔ اور مصر سے خبر پہونچی کہ تین چوروں نے ایک گھر میں نقب دیا۔ صبح کے وقت تینوں مرے ہوئے پائے گئے ایک نقب کے دروازے پر دوسرا سیڑھی پر تیسرا کپڑوں کی بندھی ہوئی گٹھری پر۔

سنہ ۴۶۲ھ میں اس قدر شدید قحط اور وبا اس قدر ہوئی کہ آدمی آدمی کو کھانے لگے، اور بادام اور شکر دو کی روپیہ بھر آنے لگی۔ اسی قحط میں وزیر ایک روز اپنے گھوڑے سے ایک جگہ اترے تو تین آدمیوں نے دوڑ کر گھوڑے کو ذبح کیا اور کچا گوشت کھانے لگے۔ اس پر وزیر نے ان تینوں کو سولی پر چڑھا دیا صبح کو دیکھا گیا تو ان تینوں کی صرف ہڈیاں رہ گئیں گوشت کو دوسرے بھوکے کھا گئے

"نعوذ باللہ من الآفات والحوادث"

زلزلے

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں سنہ ۲۰ھ میں زلزلہ آیا پھر سنہ ۹۴ھ میں چالیس روز تک زلزلہ جاری رہا اور بڑے بڑے مکانات گر گئے اور شہر انطاکیہ بالکل منہدم ہو گیا۔ سنہ ۲۳۳ھ میں شہر غوطہ زلزلہ سے الٹا ہو گیا اور سارے شہر میں سوائے ایک آدمی کے کوئی باقی نہ رہا۔ اس کے قریب قریب انطاکیہ میں زلزلہ آیا تو بیس ہزار آدمی ہلاک ہو گئے اور سنہ ۲۳۴ھ میں بغداد، بصرہ، کوفہ اور واسط، وعبادان، اور اہواز وہمدان میں ایک ایسی سخت ہوا چلی کہ جس نے کھیتیاں جلا دیں، بازار بند ہو گئے۔ باون روز تک یہی ہوا چلتی رہی۔

سنہ ۲۳۸ھ میں طاہر بن عبداللہ نے خلیفۂ وقت امیر المومنین متوکل باللہ کے دربار میں ایک پتھر بھیجا جو طبرستان کے اطراف میں آسمان سے گرا تھا جس کا وزن آٹھ سو چالیس درہم کی برابر تھا اس کے گرنے کا دھماکا بارہ بارہ میل تک سنا گیا اور گر کر پانچ ہاتھ تک زمین میں گھستا چلا گیا۔

سنہ ۲۴۲ھ میں ایک ہوا بلاد ترک سے نکلی جو مرو میں پہونچی تو ایک بڑی خلقت کو زکام کے ذریعہ ہلاک

(باقی صفحہ ۲۷ پر دیکھئے)

خدا کے حریم جلال میں

چند روز

(مولٰنا حامد الانصاری غازی کا مکتوب حج)

مشہور اہل قلم، ادیب و مفکر مولٰنا حامد الانصاری غازی (مدینہ اخبار کے مشہور ایڈیٹر، اسلامی علوم اور اسلامی سیاست کے مبصر) اسی سال اپنی اہلیہ صاحبہ کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ اپنے دامن میں خدا کی رحمت و مغفرت کے خزانے اور اپنے جلو میں عشق مدینہ اور دیدار کعبہ کی شمع فروزاں لئے ہوئے۔

اردو کے ایک مشہور شاعر جو اپنی رندی و سرمستی کے ساتھ پاکبازی کے لئے بھی مشہور تھے کس عالم میں کہہ گئے ہیں کہ ؎

اک رند ہے اور مدحت سلطان مدینہ
اے صلِّ علیٰ صورت سلطان مدینہ
اے خاکِ مدینہ، تیری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے، تو جنتِ سلطانِ مدینہ
ظاہر میں غریب الغربا، پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا، سطوتِ سلطانِ مدینہ
اس امتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ
جگر ہم کو نہیں کام بس اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

تری یاد بے اختیار آرہی ہے
تمنا کی فصل بہار آرہی ہے
حرم سے ہوا خوشگوار آرہی ہے
دوائے دلِ بیقرار آرہی ہے
ترے کہنہ ملبوس کی دھجی دھجی
پئے راحتِ جان بکار آرہی ہے
ہوس دل کی ان سے جدا ہو کے حسرت
سراسیمہ و اشکبار آرہی ہے
(حسرت موہانی)

غازی صاحب نے ذیل کا مکتوب محبت اپنے بزرگ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کے نام لکھا ہے جس کی لذت اور لطافت میں ہم نے پورے حلقۂ دارالعلوم کو شریک کرنے کیلئے اسے رسالہ کے صفحات پر نقل کرنا مناسب سمجھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکۃ المکرمہ
حارۃ الباب شارع جبل مکہ
("مدرستہ الصولتیہ")

حضرۃ المخدوم معظمی قبلہ "بھائی جی صاحب"
وحضرۃ محترمہ معظمہ "امی جان صاحبہ"
وحضرات مولانا محمد سالم قاسمی، وعزیزی محمد اسلم رمزی جلبی قاسمی، وعزیز محمد اعظم سے لیکر تمام دلہنیں بچے اور بڑے اور بچیاں" سب کے لئے حرم محترم میں کی گئی دعائیں!

میں نے جب بمبئی سے آپ کو خط لکھا تو بے حد تاثر تھا، آپ کی با برکت رفاقت ایک حقیقت تھی۔ اس کا التوا پھر حضرت کی علالت کا تاثر، پھر دنیاوی اعتبار کے مسائل! آخر روانگی سے پہلے سر بسجدہ ہوا تو زمین سے ندا آئی۔ "مخلوق نہیں جانتی مگر خالق تو جانتا ہے کہ ___ غازی تری زندگی کا جوہری عنصر رضائے الٰہی رہا ہے۔ پھر کونسی آرزو اور ضرورت ہے جو پوری نہیں کی گئی۔

دعا سے فارغ ہوا تو والدۂ خالد نے کہا "ہم اللہ تعالیٰ کے گھر جا رہے ہیں، اسی کے مہمان ہیں۔ اور اللہ کے رسول کے دربار میں حاضر ہونگے تو انکے امتی ہیں وہاں ان کے مہمان! پھر حضرت قبلہ اباجی اور امی جان کی دعائیں تو ساتھ ہیں؛ میں نے کہا کہ یہ امی جان اور اباجی کی دعاؤں کی برکت سے تو سفر ہو رہا ہے۔

تین دن پہلے ایک برکت یہ ہوئی کہ عابد سلمہ اور خالد سلمہ نے ڈالر بھیجے۔ اللہ نے دہلی کے دختر خارجہ کے افسر بھیجے، منظوری ہوئی اور چھ سو روپیہ بچ گئے، جہاز میں دو سو روپیہ کا فرسٹ کلاس کھانا بلا ناشتہ بلا اور ہر طرف سے ہر چیز کی بارش، جہاز کا پورا کنٹرول مل گیا۔ بحر ہند سے آبنائے عدن میں، پھر باب المندب اور اسکے بعد بحر احمر میں داخل ہوئے۔ صبح گیارہ بجے جدہ میں تھے۔

اب الحمد للہ حج سے فارغ ہو گئے تو حضرت کا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ اس عرصہ میں حضرت کی دعاؤں کے پارسل بلکہ بڑے بڑے بنڈل ہم کو ملتے رہے۔ ان دعاؤں کی خیر و برکت کا اندازہ ہم دونوں کر سکتے ہیں۔

عمرہ کی سعادت حاصل کی بیت اللہ کی عمارت کا جلال و جمال بے مثال ہے، ہزاروں تاج محل ایک ایک پتھر پر قربان۔ ان پتھروں میں انبیاء اور صلحاء، خاتم الانبیاء اور صحابہ کرامؓ کے لاکھوں کروڑوں سجدے جذب ہیں اور اللہ کی تجلی ان سجدوں کو چمکا رہی ہے۔ طواف و سعی کا لطف سبحان اللہ بیان سے باہر ہے جب ہم پہونچے تو طوفانی بارش تھی، ۸ ذی الحجہ کی صبح کو حج کی سعادت کیلئے منیٰ روانہ ہوئے تو موسم خنک اور لطیف تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہوائیں جنت سے آرہی ہیں، ہر جھونکے میں نرمی، لطافت خوشگواری اور انرجی تھی، ایسا معلوم ہوا کہ ایک حامد الانصاری کے اندر ایک درجن انسانوں کی طاقت ہے

ہم دونوں کی صحت ماشاء اللہ عروج پر تھی، کیوں نہ ہوتی اللہ میاں کے مہمان تھے انہوں نے حرم سے جبل عرفات تک سارے علاقہ کو سینی ٹوریم بنا دیا تھا۔ منیٰ پہونچے تو دوپہر شروع تھا اور لاکھوں خیموں کا پورا ایرکنڈیشن تھا،

ہر لمحہ ذکر اللہ کرتے دعائیں پڑھتے، دل توڑ کر التجائیں کرتے منیٰ میں مقیم ہوئے۔ عجیب بات ہے کہ آپ اور سب عزیز ساتھ تھے، جہاں ہاتھ اٹھے اور سب کی فوج آکر سامنے کھڑی ہوگئی۔ اور دعاؤں کے ساتھ نور اور رحمت کی بارش ہونے لگی ———— رمی شدید تر ہجوم کی وجہ سے والدہ خالد کی سہولت سے شب میں کی۔ میدان عرفات میں جبل رحمت سے دور مگر بالکل سامنے قیام ہوا، مسجد خیف منیٰ میں اگلی صف میں اور مصلیٰ نبوی کے پاس نفلیں پڑھیں اور دعائیں کیں۔ عرفات سے روانگی، بعد عشاء ہوئی، مزدلفہ پہونچے تو خاک کا بستر ہاتھ کا تکیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ موسم کشمیر کی طرح سرد تھا، تمام رات ریت پر مصلیٰ رہا، نہ تکلیف نہ دوا، نہ کمزوری نہ نیند! اس رات کی راحت عمر بھر یاد رہے گی۔ کنکریاں چننے کی بات 'واہ اللہ میاں تمہاری شان۔ کنکریاں رات میں چنو، ریت میں ٹٹولو پھر انہیں ایٹم بموں کی طرح لیکر چلو' اور منیٰ میں شیطان کے مارو "خبیث کہیں کا مردود کہیں کا" یہ الفاظ شیطان کے متعلق ہندوستان میں سُنے تھے مگر ان کے معنیٰ بڑے شیطان کو مارنے کے بعد معلوم ہوئے، چھوٹے تو شتونگڑے تھے ویسے مرگئے۔ دل نے کہا ایسی بھی کیا بات ہے مختر خود چلنا چاہیئے گیا اور بھائی محبوب فیلڈ مارشل ساتھ تھے، گھنٹوں پھرے آخر دومینڈھے میں نے اور دو انہوں نے ٹانگوں سے پکڑے اور دم تمتع کی قربانی ادا کی۔ اور تین ٹانگیں لیکر آئے، عید کا کھانا اور بریانی تیار ہوئی۔ بہرحال طواف زیارت اور قصر کے بعد اللہ کے فضل سے حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے۔ اب حرم شریف میں اللہ کی ضیافتیں ہیں، نمازیں، نوافل دعائیں، آنسوؤں کی جھڑیاں ہیں۔ دل بھی اب کوئی نیا دل ہے روح بھی وہ نہیں نئی روح ہے۔ خواب میں تمام رات حرم میں رہتا ہوں آنکھ بند کی سویا تو حرم شریف میں موجود ہوتا ہوں اسکے لئے اور کوئی خواب نہیں۔ (الحمد للہ) حجر اسود، مقام ابراہیم، حطیم، حجر اسمٰعیل، میزاب رحمت، ملتزم، بیر زمزم، صفا و مروہ، مولد علیؓ، مدعاء ابراہیم، صدیق اکبر کا مرکز صدق دوکان، ہر جگہ حضرت قبلہ مدظلہ کی صحت اور ہر قسم کی دعائیں کیں، امی جان صاحبہ تو ہر وقت ہماری ساتھ رہتی ہیں انکے لئے اور کہ ہم سب انکی اولاد ہیں سب کے لئے دعائیں جاری ہیں

اس سفر میں اتنی خیر و برکت اور اللہ کے اتنے انعامات ہیں کہ بیان سے باہر ہیں خیر و برکت کی بارش برس رہی ہے (من حیث لا یحتسب) حساب چاہوں بھی تو کر نہیں سکتا۔ ارادہ کر لیا تھا کسی سے کچھ نہ لونگا مگر عالم یہ ہے کہ کل ہی ایک صاحب ملے ایک ہزار ریال عطیہ دینے لگے، انکار میں نے کہا سب کچھ موجود ہے۔ انسان دے بھی کیا سکتا ہے اور خدا کے یہاں کیا کمی ہے جبکہ آپکی دعائیں بھی ہوں، سلمان منصور کا خط آیا ہے۔ اس نے اور انتظام کر دیا ہے اور گمان کرتا ہوں کہ عابد اور خالد بھی روانگی سے پہلے خود اور انتظام کرینگے۔

خلیل صاحب ملے انھوں نے اپنی بہن کو قیمتی گھڑی لیکر دی ہے' ان پر بنگالیوں کا ہجوم ہے۔ اسلئے ان کو زیادہ تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا؛ سب دعا فرماتے ہیں کہ سرکار محمدی اور حرم نبوی میں حاضری' اور برکتوں کے ساتھ واپسی اسی طرح سارے عزت کے سائے میں ہو۔ آج صدیقی الحسینی صاحب کے مکان پر اللہ کے ولیوں نے جو ہر ملک کے تھے آنمخدوم کی صحت کی دعا کی (الحمد للہ)

سب کو سلام بچوں کو دعا سلام ———— آپکا ———— حامد الانصاری غازی (مکہ معظمہ)

دنیاوی زندگی اور اس کے لوازم اسلام کی نظر میں

"قسط ۳"

★ ——— ترجمہ مولانا عبدالجبار اعظمی

"یہاں سے اصل کتاب الزہد والرقاق" کا ترجمہ شروع ہو رہا ہے۔ جگہ جگہ توضیح کے عنوان سے تشریح بھی کی گئی ہے۔ ہر باب کا عنوان الگ الگ ہے۔" (ظفیر صدیقی)

اللہ کی طاعت پر آمادہ کرنا

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تندرستی اور فرصت اللہ تعالے کی دی ہوئی دو نعمتیں ہیں مگر بہت سے لوگ ان نعمتوں سے استفادہ میں نقصان اٹھاتے ہیں۔

توضیح:۔ تندرستی اور فرصت کے دن جو نیکی کمانے کے ایام تھے جب نیکی نہیں کمائی اور یہ ایام بے فائدہ کاموں اور دنیا کے دھندوں میں گذر گئے تو اس میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ اس نے اپنے کو خسارہ میں رکھا اور نعمت خداوندی کی جیسی قدر کرنی چاہئے نہیں کی، اسی غفلت کی تعبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقصان سے فرمائی ہے۔

(۲) عمرو بن میمون اودی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، مالداری کو محتاجی سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے۔

(۳) غنیم بن قیس کا کہنا ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہم ایک دوسرے کو سمجھاتے تھے کہ بڑھاپے کے لئے جوانی میں عمل کرلو، اور مشغولی کے لئے فرصت کے وقت عمل کرلو، اور بیماری کے لئے تندرستی میں عمل کرلو، اور زندگی میں موت کے لئے عمل کرلو

توضیح:۔

بڑھاپا ضعف و اضمحلال کا دور ہوتا ہے، توانائی باقی نہیں رہتی، جوش عمل ٹھنڈا پڑجاتا ہے، اور اعضاء و جوارح جواب دیدیتے ہیں، اسلئے انسان کا فرض ہے کہ جوانی کے ایام کو غنیمت سمجھ کر اتنا کرلے کہ بڑھاپے میں بھی کام آسکے، نیکی دولت علم و عمل اور دوسرے کام جو جوانی میں ہوسکتے ہیں، بڑھاپے میں اس کی توقع فضول ہے، اسی طرح مشاغل کی جب کثرت ہوتی ہے آدمی گھر جاتا ہے کوئی کام کرنے نہیں پاتا اسلئے فراغت کے دنوں کو غنیمت جانے اور جو نیکی اور علم و عمل کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے سعی و کاوش

کرلے، یہی حال بیماری کا ہے، آدمی معذور و مجبور ہوتا ہے،
اسلئے کیوں نہ وہ صحت و تندرستی میں خوب کمالے اور جمع کر
لے، ورنہ گئی موت تو وہ رشتۂ حیات ہی کاٹ ڈالتی ہے
اسلئے تیاری زندگی میں ہوتی چاہیئے۔

(۴) عمرو بن میمون نے کہا کہ بیماری سے پہلے تندرستی میں اور موت آنے سے پہلے زندگی میں، بڑھاپا آنے سے پہلے جوانی میں کام میں پھنسنے سے پہلے فرصت میں عمل کرلو

(۵) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہم نہیں انتظار کرتے دنیا سے مگر غم میں مبتلا کرنے والے بار یا بلائے منتظر کا۔

توضیح:۔ ہم پر جب کوئی دنیادی بار اور ذمہ داری بال بچے وغیرہ کی نہیں ہے تو کار خیر کا اچھا موقع ہے مگر ہم کو اسکی طرف توجہ نہیں ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ داری آنے کا انتظار ہے حالانکہ اسوقت کار خیر مشکل ہوگا، یا کسی آفت کے نازل ہونے کا انتظار ہے آسانی سے راہ پر نہ آئینگے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے بہت سی دنیا جیسی چیزیں دنیا نہیں ہیں۔

توضیح:۔ بہت سی چیزیں جو بظاہر دنیا معلوم ہوتی ہیں دینی جذبہ سے ہوں تو دنیا نہیں ہیں بلکہ عین دین ہے "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کاموں کا مدار نیت پر ہے، شادی بیاہ بال بچوں کی پرورش، صنعت و حرفت تجارت و ملازمت بظاہر دیکھئے تو پیٹ اور نفس کے دھندے ہیں مگر ان میں اطاعت خداوندی اور ادائیگی فرائض کی نیت ہو تو سراپا دین ہے۔

(۷) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو سرکشی پیدا کرنے والی مالداری کا انتظار ہے، یا بدحواس کرنے والی محتاجی کا، یا پامال کرنے والی بیماری کا، یا عقل و ہوش کھو دینے والے بڑھاپے کا، یا ناگہانی موت کا، یا دجال کا حالانکہ دجال سب سے بڑا غائب ہے جسکا انتظار کیا جاتا ہے یا قیامت کا حالانکہ قیامت بڑی آفت ہے اور بہت تلخ!

توضیح:۔ ماحصل یہ ہے کہ ان چیزوں کے سامنے آنے سے پہلے نیکی کرنے کا موقع ہے لہذا جو کرنا ہے کرلو، پتہ نہیں کس وقت کیا پیش آئے اور دنیا سے نامراد اٹھنا پڑے، زندگی کے دن سستی اور کاہلی میں نہ گذارو، اور آئے ہوئے مواقع کو ضائع نہ کرو،

(۸) حسن بصری فرماتے ہیں کہ اے آدم کے بیٹو! آج کا کام کل پر ٹالنے سے پرہیز کرو کیونکہ تو آج ہے کل کا یقین نہیں ہے اور اگر تجھکو کل مل بھی جائے۔ تو کل بھی اسی طرح چستی سے کام کر جیسے تو نے آج کیا ہے۔ اگر تجھ کو کل نہ ملیگا تو تو اپنی آج کی کوتاہی پر نہیں پچھتائیگا اور وہی فرماتے تھے کہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے کہ اپنے مال و دولت سے زیادہ اپنی زندگی کے بخیل تھے۔

توضیح:۔ اپنے مال و دولت سے زیادہ اپنی زندگی کے لمحات کی قدر کرتے تھے اسکو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

(۹) حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے حالات کا جائزہ لیگا وہ اپنی پسند کی چیز نہیں پائیگا، اور جو مصیبتوں کے برداشت کے لئے صبر کی تیاری نہیں کریگا وہ صبر سے عاجز رہ جائیگا۔

(۱۰) عون بن عبداللہ کہتے ہیں کہ بہتوں کے سامنے آج کا دن ہے مگر وہ اس کا پورا حق ادا نہیں کرتے۔ اور کتنے ہیں جو کل کے منتظر ہیں مگر وہ کل کو پہنچ نہیں پاتے اگر لوگوں کی نگاہ موت اور اس کی رفتار پر ہوتی تو منصوبہ بندی اور اس کے فریب کو ناپسند کرتے، اسلئے کہ منصوبہ بندی سراسر دھوکہ ہے۔

(۱۱) ابو اسحاق کہتے ہیں کہ قبیلہ عبدالقیس کے ایک بزرگ سے مرض الموت میں کہا گیا کہ ہم کو وصیت فرمائیے تو انھوں نے کہا کہ [illegible]

کے کام عمدہ طور پر کرلونگا" یعنی نیکی کے کام میں صرف امید پر دیر کرے۔

(۱۲) عزار بن حریث کہتے ہیں کہ ان سے ثمامہ بن سلمی نے کہا کہ میں نے اپنی قوم کو ان جملوں کے کہنے سے ڈرایا یعنی تم اس طرح نہ کہا کرو کہ میں عمل کرلونگا، نماز پڑھ لونگا، روزہ رکھ لونگا (یہ سب ٹلانے کے جملے ہیں جن سے آدمی میں سستی دوڑ جاتی ہے اور وقت پر کام نہیں ہو سکے گا)

(۱۳) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کا ایک حصہ پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں اسطرح رہ جیسے تو مسافر ہے، یا راستہ طے کر رہا ہے اور اپنے کو قبر والوں (مُردوں) میں شمار کر۔ راوی کہتے ہیں کہ خود ابن عمرؓ نے کہا کہ جب تو صبح کرے تو اپنے جی سے شام کی بات مت کر اور جب تیری شام ہو تو اپنے جی سے صبح کی بات مت کر بلکہ اپنی بیماری سے پہلے تندرستی میں عمل کرلے اور اپنی موت سے پہلے زندگی میں عمل کرلے۔ اے اللہ کے بندے تو نہیں جانتا کہ کل تیرا شمار کن لوگوں میں ہوگا، مُردوں میں یا زندوں میں۔

(۱۴) جریر بن حازم کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری کو یہ کہتے سنا کہ جب چاہو بے صبر آنکھ والوں (زندہ) کو تو دیکھ سکتے ہو (کمی نہیں)، ہاں! جب کسی صابر آنکھ والے کو دیکھو تو بس اسے دیکھتے رہو (کہ ایسے لوگ کمیاب ہیں)

(۱۵) حسن بصری نے اس آیت قرآنی "وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا" کی تفسیر "یعطون ما اعطوا" (وقلوبھم وجلۃ) سے کرتے ہوئے فرمایا، کہ وہ ایسے ہیں کہ نیک اعمال کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ یہ بھی شاید انکو اللہ رب العزت کے عذاب سے نجات نہیں دے سکیں گے

(۱۶) عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن عبدالملک کو خط لکھا کہ اس بات سے ڈرتا رہ کہ کہیں غفلت میں شکست نہ کھائے اور پھر نہ تو تیری لغزش معاف کیجائے نہ تجھے توبہ کا موقع دیا جائے اور نہ تیرے پسماندگان تیرے مال و دولت چھوڑ جانے پر تیرے شکر گذار ہوں اور نہ وہ ذات جس کے پاس تو جائے وہ تیرے مشاغل کی وجہ سے تجھکو معذور رکھے

(۱۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مومن کے لئے خدا کے دیدار کے سوا کوئی اور راحت نہیں البتہ جس کو لقاءِ الٰہی کی راحت حاصل ہو وہ بیشک مومن ہے۔

(۱۸) جریر بن حازم کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری کو یہ کہتے سنا کہ اے لوگو! ہمیشہ نیک کام میں لگے رہو کیونکہ مومن کے عمل کی انتہائی مدت اللہ تعالیٰ نے موت ہی مقرر فرمائی ہے۔

(۱۹) مبارک بن فضالہ حسن بصری سے (وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ) میں "الیقین" کی تفسیر "الموت" نقل کی ہے۔ یعنی اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تم کو موت آجائے۔

(۲۰) مبارک بن فضالہ ہی حسن بصری سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ جب شیطان تم کو دیکھتا ہے اور ہمہ وقت تم کو اللہ کی طاعت میں مشغول پاتا ہے تو پھر تم کو تلاش کرتا اور برابر تمہاری تاک میں لگا رہتا ہے پھر تم کو طاعت میں مشغول پاتا ہے تو اُکتا کر تم کو چھوڑ دیتا ہے اور جب کبھی تم ایسے ویسے رہتے ہو تو تم کو بہکانے کی امید رکھتا ہے۔

(۲۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو گویا وہ بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور بات یہ ہے کہ جو بادشاہ کا دروازہ برابر کھٹکھٹاتا رہے گا تو امید ہے کہ اس کے لئے دروازہ کھول دیا جائیگا۔

(۲۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی نے اس آیت "اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ" (ڈرو اللہ سے جیسا کہ اس

سے ڈرنے کا حق ہے) کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے اور اسکی نافرمانی نہ کی جائے، اسکا شکر ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اسے یاد کیا جائے اور اسے بھلایا نہ جائے۔

(۲۳) انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ رات میں نماز کی، فضیلت دن کی نماز پر ایسی ہے جیسے پوشیدہ صدقہ کی فضیلت علانیہ صدقہ پر۔

(۲۴) انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اس آیت وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ (مال کی محبت کے باوجود مال دینے) کی تفسیر یہ ہے کہ تو مال کا حریص ہے اور بخل مالدار ہونے کی تم کو امید دلاتا ہے اور محتاج ہونے کا اندیشہ رکھا اس کے باوجود اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے تو دریغ نہیں کرتا)

(۲۵) انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رات میں نفل پڑھنے کی فضیلت دن کی نفل نماز پر ایسی ہے جیسی پوشیدہ صدقہ کی فضیلت علانیہ صدقہ پر

(۲۶) حضرت طاوسؒ کا بیان ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا گذر اُن لوگوں پر ہوا جو پتھر توڑ توڑ کر نکال رہے تھے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر تے ہیں؟ کہا پتھر توڑ توڑ کر نکالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا کام کرنے والے ان سے زیادہ طاقت ور ہیں۔

(۲۷) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم جیسی چیز سے بھاگنے والے کو نہیں دیکھا کہ وہ سو جاتا ہو، اور نہ جنت جیسی چیز کے طالب کو دیکھا کہ وہ آرام اور چین کی نیند کے مزے لوٹتا ہو۔

(۲۸) حسن بصری کہتے ہیں کہ ھرم بن حیان نے بھی مذکورہ بالا بات کہی۔

(۲۹) عیسیٰ بن عمر بیان کر تے ہیں کہ عمرو بن عقبہ بن فرقد اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر قبروں پر جاتے اور قبروں پر رات بھر کھڑے رہتے اور کہتے اے قبر والو! تمہارے نامۂ اعمال لپیٹ دیئے گئے اور نامۂ اعمال اوپر اٹھالئے گئے پھر صبح تک اپنے دونوں پاؤں کو ایک صف میں رکھے ہوئے کھڑے رہتے پھر لوٹ آتے اور فجر کی نماز میں حاضر ہوتے۔

(۳۰) عبداللہ بن عمرو بن العاص کے مولیٰ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ جب قبرستان دیکھتے تو فوراً سواری سے اتر پڑتے اور اتر کر دو رکعت نماز پڑھتے تو ان سے کہا گیا کہ ایسا تو آپ پہلے نہیں کرتے تھے اب کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے قبر یاد آئی اور وہ چیز کہ اس کے اور قبر کے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں یعنی موت، تو میں نے چاہا کہ دو رکعت پڑھ کر نیکی کماؤں۔

(۳۱) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک قبر پر ہوا جس میں مردہ ابھی جلد ہی دفن ہوا تھا تو فرمایا کہ ایسی ہلکی دو رکعت نماز، جسے تم بہت تھوڑی عبادت سمجھتے ہو، اور نفل کے طریقہ پر ادا کرتے ہو ایسی دو رکعت کو یہ مردہ اپنے عمل میں زیادہ کر لے تو تمہاری بقیہ دنیا سے اس کو یہ زیادہ محبوب معلوم ہو۔!

(بقیہ صا۲۰)

”علمی جواہر پارے“

بڑی خلقت کو زکام کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ پھر نیشاپور اور رے میں پہونچی تو بخار اور کھانسی سے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کر دیا اور بلاد مغرب سے خطوط آئے کہ قیروان کی بستیوں میں سے تیرہ بستیاں زمین میں دھنس گئیں اور سوائے دو آدمیوں کے ان میں کوئی نہیں بچا اور یہ بچنے والے بھی بالکل سیاہ رنگ ہو گئے تھے جب شہر قیروان میں آئے تو لوگوں نے ان کو نکال دیا کہ تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو۔

عظمت کے مینار

مولوی محمد غیاث الاسلام

تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، سبھی اپنی اپنی جگہ سمٹے سمٹائے بیٹھے تھے، پورے ماحول پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سامنے خلیفۂ وقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ جن کی موجودگی نے فضا میں بوجھل سکوت سمو دیا تھا۔ خلیفہ کے سامنے ایک برتن میں مشک دھرا تھا جو بحرین سے آیا تھا۔ مجاہدین کا حق اس سے متعلق تھا۔

اچانک ایک گرجدار آواز گونجی خاموشی کا ہر تار جھنجھنا اٹھا "کون ہے؟ جو اس مشک کو تقسیم کردے" خلیفہ کی پرجلال نگاہ و باوقار شخصیت سے لوگ مرعوب ہو رہے تھے۔ کس میں ہمت تھی کہ جواب دیتا۔ ایک لمحہ کے بعد پردے کے پیچھے سے ایک نسوانی آواز آئی "اگر اجازت ہو تو میں اس کو تقسیم کردوں؟" یہ خلیفۂ وقت کی بیوی حضرت عاتکہؓ تھیں، جنہوں نے مجمع کو خاموش دیکھ کر بڑے ادب و احترام اور آہستگی سے اجازت چاہی تھی ۔ جواب کچھ نہ ملا۔ خلیفہ نے دوبارہ پھر دریافت فرمایا۔ "ہے کوئی جو اسے تقسیم کردے؟" اس بار لہجہ پہلے سے زیادہ تیز تھا۔ جواب دینا دوبھر ہو رہا تھا۔ حضرت عاتکہؓ نے مجبوراً اسی لب و لہجہ میں اجازت مانگی۔ انہیں جواب دینے کے بجائے خلیفۃ المسلمین بولے "ارے بات کیا ہے؟ تم میں سے کوئی ایسا بھی نہیں جو ناپ تول سے واقف ہو۔ کتراتے کیوں ہو؟" پھر بھی کسی کے منہ سے کوئی آواز نکل نہ سکی ۔ ناپ تول کی بات نہ تھی خلیفہ کا جلال ہی کچھ اس قسم کا تھا کہ کلیجہ کانپ رہا تھا ادھر حضرت عاتکہؓ اپنی جگہ مضطرب تھیں وہ کانپ رہی تھیں کہ حاضرین کی مکمل خاموشی سے کہیں حضرت عمرؓ برہم نہ ہو جائیں۔ جب لوگوں سے نا امید ہو چکیں تو ڈرتے ڈرتے پھر عرض کیا:

"امیر المومنین! جب کوئی اس کے لئے تیار نہیں ہو رہا ہے تو مجھے ہی کیوں اجازت نہیں دیتے، تاکہ میں اس معاملہ کو نپٹا دوں" اس بار امیر المومنین کا پیمانۂ صبر چھلک چکا تھا۔ چہرہ تمتما اٹھا۔ آنکھیں سرخ، شعلہ بار ہو گئیں۔ حضرت عاتکہؓ سے کہنے لگے "کیا تم مسلمانوں کے مال سے اپنے لئے زیادہ حصہ لینا چاہتی ہو؟ ٹھیک ہے تم نہایت ایمانداری اور دیانتداری سے تقسیم کرو گی۔ مگر اتنی مقدار جو تمہارے ہاتھوں کو لگ جائیگی اسے کیسے تقسیم کرو گی؟ پھر بعد میں وہ خوشبو تم سونگھتی رہو گی۔ مشک کا فائدہ خوشبو ہی تو ہے۔ قیامت میں پوچھ گچھ ہوگی ۔ میں نہیں چاہتا کہ روز محشر خدا کے سامنے اس کی وجہ سے گردن جھک جائے۔"

اللہ۔ اللہ۔ احتیاط اس کو کہتے ہیں۔ اے کاش یہ تصور ہر دل و دماغ میں بس جائے۔

دنیا سیاہ چادر میں لپٹی تھی، رات کی گہری تاریکی تہ بہ تہ جمتی جا رہی تھی۔ ہاتھ پڑی چیز سجھائی نہ دیتی تھی۔ سارا عالم محو خواب

تھا۔ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خوابگاہ میں پریشان ٹہل رہے تھے۔ رفتار وانداز بے کلی اور بےچینی کا پتہ دے رہے تھے احساسِ ذمہ داری اُنہیں پریشان کئے ہوئے تھا۔ وہی ذمہ داری جو اُن کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی۔ قوم وملت کی ذمہ داری، مظلوموں کی دادرسی اور ظالموں کی بیخ کنی کی ذمہ داری، غریب ومحتاج کی پشت پناہی۔ جابر وظالم کی سرکوبی، عدل کو قائم کرنے، ظلم کے تارپود بکھیرنے کی ذمہ داری۔

وہ اس سوچ میں ڈوبے تھے کہ کہیں کوئی بھوکا تو نہیں؟ کہیں کوئی دردِ غم سے سسکیاں تو نہیں بھر رہا ہے، کہیں کوئی بیکس ومظلوم کراہ تو نہیں رہا ہے۔ پھر اچانک ان کو خدا کا وہ سامنا یاد آجاتا جو قیامت میں ہونے والا تھا، جب ان سے بازپرس ہوگی ان کا دماغ یہ سوچ سوچ کر اور بھی زیادہ پریشان ہو رہا تھا۔

اور پھر قدم روزمرہ کی طرح آج بھی باہر کی سمت اٹھ گئے۔ گلی کوچوں اور شاہراہوں سے گذرتے ہوئے اب شہر کے آخری کنارہ پر آپہونچے ہیں۔ شہری عمارتوں سے پرے انھیں ایک خیمہ نظر آیا جو یقیناً چونکا دینے والی بات تھی۔ کل تک تو یہ خیمہ اس جگہ ہرگز نہ تھا۔ قریب پہونچے۔ صاحبِ خیمہ چند لکڑیوں میں آگ لگا کر چراغ کا کام لے رہے تھے آگ کی لپٹیں اپنی تھرتھراتی زبان سے اہلِ خیمہ کی داستانِ غم سنا رہی تھیں۔ سامنے ایک دیہاتی مغموم بیٹھا تھا۔ غم وفکر کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔ اور خیمہ سے عورت کے کراہنے کی آواز آرہی تھی —— امیرالمومنین دیہاتی کے پاس بیٹھ گئے اور بڑی نرمی سے پوچھنے لگے "آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور خیمہ سے کراہنے کی آواز کیسی آرہی ہے۔؟" دیہاتی کی نگاہ اٹھی۔ ایک لمحہ کے لئے حقارت بھری نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر کچھ کہے بغیر سر نیچا کرلیا۔ جب انسان ہجومِ غم سے تنگ آجاتا ہے تو اسے کسی کی بھی موجودگی منہ چڑاتی نظر آتی ہے۔ امیرالمومنین نے اپنا سوال پھر سے بڑے ہمدردانہ انداز میں دہرایا۔

دیہاتی نے جھلاتے ہوئے جواب دیا "اجی جاؤ اپنی راہ لو۔ کیوں میرا زخم کریدر ہے ہو؟" حضرت عمر فاروق کا تجسس بڑھنے لگا۔ وہ ایسی مصیبت دیکھ کر کب ٹلنے والے تھے۔ اس کے سر ہوگئے۔ دیہاتی کو مجبور ہو کر جواب دینا پڑا۔

"میں ایک غریب، تنگ حال دیہاتی ہوں۔ امیرالمومنین سے امداد کے لئے جا رہا تھا۔ اندر میری بیوی ہے۔ ولادت کا وقت قریب ہے اسی درد سے کراہ رہی ہے۔"

امیرالمومنین رضؓ نے پوچھا۔ "کیا کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔" دیہاتی صرف "نہیں" کہہ کر خاموش ہوگیا۔

حضرت عمر فاروقؓ وہاں سے اٹھے اور سیدھے گھر پہنچے اہلیہ محترمہ کو جگایا، اور جلدی جلدی کہنے لگے: "تمہارے حصے میں ایک کارِ خیر آیا ہے۔" انھوں نے بھی شوق وخوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "بتلایئے تو سہی! آخر وہ کیا کارِ خیر ہے" حضرت عمر فاروقؓ نے تیزی سے صورتِ حال سمجھا کر فرمایا۔ "ضروری سامان ساتھ لے لو" امیرالمومنینؓ اور انکی اہلیہ محترمہ (ام کلثومؓ) مختصر سامان اپنی پیٹھ پر لادے رات کی تاریکی میں تیز تیز قدموں سے خیمہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہاں پہونچکر حضرت ام کلثومؓ اندر چلی گئیں۔ اور امیرالمومنینؓ نے آگ جلا کر ہانڈی چڑھائی اور کھانا تیار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد خیمہ سے آواز آئی —"امیرالمومنین! اپنے ساتھی کو لڑکے کی خوشخبری سنا دیجئے۔"

امیرالمومنینؓ کا نام سنتے ہی دیہاتی کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ امیرالمومنینؓ نے فرمایا "گھبرانے کی کوئی بات نہیں یہ میرا فرض تھا۔ اتنے میں کھانا تیار ہوچکا تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے خود اپنے ہاتھوں سے کھانا لگایا اور بقیہ اندر خیمے میں بھیجدیا، انہیں آسودہ کرکے جب دونوں واپس ہونے لگے تو جاتے جاتے کہہ گئے "کل آنا تمہاری کفالت کا انتظام

کردیا جائے گا" فرطِ عقیدت سے دیہاتی کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو ڈھلک آئے۔ وہ امیر المومنین کے لئے سراپا دعا بن گیا ــــــــ یہ ہے ذمہ داری کا نبھاؤ عوام کی خدمت حاکم بن کر نہیں، غلام بن کر کی جاسکتی ہے۔
اے حاکم کُل! ہر انسان کا دل اس جذبہ سے آباد کردے

دونوں سخت کلامی پر اتر آئے۔ معاملہ گالی گلوچ تک پہونچ گیا۔ ایک طرف یہودی تھا اور اس کے مقابلے میں ایک منافق جو بظاہر مسلمان نظر آتا تھا مگر باطن میں دشمنِ اسلام سے گٹھ جوڑ کئے تھا۔ وہ بیک وقت آگ و پانی سے کھیل رہا تھا۔ اوپر سے خوشنما گلاب اندر سے قاتل کٹاری۔

آخر یہ بات طے پائی کہ "پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم" کی بارگاہ میں مقدمہ پہنچایا جائے جو فیصلہ ہوگا وہ مانا جائے گا۔ دونوں ہی خوش تھے۔ منافق تو اس لئے کہ وہ مسلمانوں میں مسلمان مشہور تھا۔ حضور مسلمانوں کی رعایت کرکے میرے حق میں فیصلہ دینگے۔ اور یہودی اس لئے مطمئن تھا کہ اسے یقین تھا محمدؐ سچے ہیں۔ عادل ہیں ان میں تعصب نہیں بے انصافی کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے۔

مقدمہ کی پیشی ہوئی یہودی حق بجانب تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ بالکل کہ منافق نے فیصلہ کو ماننے سے انکار کردیا ـــ پھر یہ تجویز ٹھہری کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدمہ کا فیصلہ کرایا جائے۔ تجویز منافق نے پیش کی تھی ـــ یہودی مجبور تھا مان گیا۔ دونوں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پہنچے۔ صورتِ حال سے آگاہ کیا یہاں بھی فیصلہ یہودی کے حق میں ہوا۔ منافق نے اُسے بھی قبول نہیں کیا ـــ آخر یہ بات ٹھہری کہ اب فیصلہ عمر فاروق سے کرایا جائے۔ منافق کو یہ گمان تھا کہ عمر فاروقؓ مسلمانوں کے ہمدرد اور غیر مسلموں کے بارے میں بہت سخت ہیں، لازمی طور پر جیت ہماری ہوگی۔ یہودی اس پر راضی ہوگیا

معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔

حقیقت کو کون چھپا سکتا ہے؟ خدا کا کرنا یہودی نے گذشتہ فیصلوں کا حال سنادیا۔ اب کیا تھا؟ حضرت عمرؓ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ جوش ایمانی میں ابال آیا۔ یہ کہہ کر اندر تشریف لے گئے "اچھا ٹھہرو! میں اندر سے آکر فیصلہ کرتا ہوں"

وہ اس کو کیسے برداشت کرسکتے تھے کہ کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو ٹھکرادے اور حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے سے روگردانی کرے۔ ان کے ذہن میں قرآن پاک کا یہ مضمون گردش کررہا تھا۔

" اللہ اور اس کے رسولؐ جب کسی معاملہ میں
فیصلہ فرمادیں تو کسی کو بھی حق نہیں پہونچتا
کہ وہ اس سے انکار کرے۔!

تلوار سونتی، باہر تشریف لائے اور چشم زدن میں منافق کی گردن اڑادی اور کہنے لگے "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو ٹھکرانے والا زندہ رہنے کا حقدار نہیں!"

یہ ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور ان کا جوش ایمانی۔ جس جوش میں ہوش ہے اور صاحبِ جنوں ہونے کے ساتھ خرد کی گتھیاں سلجھانے کی صلاحیت۔ جوش میں ہوش کی یہ وہ صلاحیت ہے جسے نہ اپنا نا سب کچھ ہوسکتا ہے۔ مگر عقل کی بات نہیں ہوسکتی۔ نہ ایمان کی۔

مدینۃ الزہرا

تاریخ اندلس کا زریں ورق

★ ضیا ہاشمی

"اندلس مرحوم" کی تاریخ کا ایک ایک ورق اپنے جاں نواز حکمرانوں اور اپنے لائق سپوتوں کا تذکرہ آج تک اپنے دامن میں احتیاط سے محفوظ کئے ہوئے ہے۔ اگرچہ دنیا کے سخت ترین متعصب ہاتھ اس کے صفحۂ یاد کو تبدیل کرنے کی انتہائی کوشش میں معروف ہیں۔ گزشتہ واقعات کا سرسری مطالعہ کیسی حیرت و استعجاب کا باعث ہوتا ہے جب ہماری نظر سے مسلمانوں کا دور حکومت گزرتا ہے اور ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ "مسلمانان اندلس" کی نازک خیالی نفاست پسندی، حکمت اور موسیقیت، تہذیب و اخلاق طرز معاشرت اور مدنیت نے کس قدر جلد اہل یورپ کو اپنا مقلد بنا لیا تھا اگر خدانخواستہ اس مطالعہ کے سلسلے میں مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی کا خیال آجاتا ہے تو دل ایک خاص قسم کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے جس کے اظہار کا ذریعہ اگرچہ آہیں ہیں لیکن حقیقتاً بہت نامکمل میں نے اس مختصر مضمون میں مسلمانانِ اندلس کی علمیت اور فن تعمیر، خصوصاً "مدینۃ الزھرا" پر ہلکی سی روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔

سلطان عبدالرحمٰن (ثالث) کا دور حکومت اس لحاظ سے کافی اہم ہے کہ اس نے زندگی کے ہر شعبہ کی جانب نہ صرف اپنی توجہ مبذول کی بلکہ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اگرچہ تاریخ اسپین (ہسپانیہ) آپ اپنی نظیر ہے لیکن فن تعمیر کی ترقی خصوصاً "جامع قرطبہ" اور "قصرالزھراء" کی تعمیر نے اس کی شہرت میں اور چار چاند لگا دئے ہیں۔

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سلطان کی محبوبہ "زہرا" کے لئے تیار کیا گیا تھا اس کا سنگ بنیاد ۳۲۵ ہجری میں جبل عروس کے محاذ میں شہر قرطبہ سے چند میل کے فاصلہ پر رکھا گیا تھا اور پچیس سال کی طویل مدت کے بعد اس کا سلسلۂ تعمیر ۳۵۰ ہجری میں ختم ہوا۔ غالباً یہ اپنے وقت میں دنیا کی وسیع ترین عمارت تھی اس کا طول چار میل اور عرض تین میل تھا چنانچہ اس کی وسعت سے مرعوب ہو کر عوام اس کو "قصرالزہرا" کی بجائے مدینۃ الزہرا کہنے لگے اور وہ آج تک تاریخ میں اس نام سے مشہور ہے اس کی تعمیر میں دس ہزار سے زائد معمار و نجار وغیرہ یومیہ کام کرتے تھے اور تین ہزار جانور بار برداری کے لئے مقرر تھے سرزمین اندلس کے علاوہ اس کے لئے پتھر افریقہ اور دوسرے ممالک سے بھی منگوائے جاتے تھے جن کی نگرانی عبداللہ حسن بن محمد اور علی ابن جعفر کے متعلق تھی۔

اس قصر کی وسعت کا اندازہ اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے دروازے پندرہ ہزار تھے جن پر پیتل اور لوہے کا غلاف چڑھا ہوا تھا، علاوہ اور بے شمار ستونوں کے اس میں چار ہزار ستون ایسے نصب تھے جن کو روما، قسطنطنیہ اور کارتھیج کے بادشاہوں نے بطور تحائف ارسال کئے تھے کل تعمیر پر ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سرخ صرف ہوئے تھے۔

اس قصر کے انتظام اور نگہبانی کے لئے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم اور تیرہ ہزار تین سو پچاس غلام قوم نصاریٰ کے متعین تھے۔ حرم سرا کے اندر چھ ہزار کنیزیں خدمت گذاری کے فرائض انجام دیا کرتی تھیں۔ حوضوں میں مختلف رنگوں کی مچھلیاں اس قدر کثیر تعداد میں موجود تھیں کہ ان کو بارہ ہزار روٹیاں یومیہ ڈالی جاتی تھیں۔ پانی باوجود مسافت کے پہاڑ کی بلند چوٹی سے لایا جاتا تھا، باغات میں جانوروں کے رہنے کے لئے اس قدر وسیع مکانات تعمیر کئے گئے تھے کہ ہر جانور اپنے مکان کی فضا میں کود پھاند کر سکتا تھا اور طبعی طور پر سکتا تھا۔ کل ملازمین کے لئے ایک ہزار چھ سو دو من بیس سیر گوشت روزانہ صرف ہوتا تھا۔

اس قصر کا ایک حصہ "قصر الخلفاء" کے نام سے مشہور تھا جس کی چھت منبش اور سنگِ مرمر سے تعمیر کی گئی تھی۔ پتھر مذکور کو اس قدر صاف کیا گیا کہ مخالف سمت کی ہر ایک شے صاف نظر آتی تھی۔ اس کے علاوہ سلطانی کمروں کی چھتیں اور دیواریں بالکل مطلا تھیں۔ کمروں کے ہر طرف آٹھ آٹھ دروازے تھے جن پر دندان فیل اور آبنوس کی نہایت عمدہ صناعی سے گلکاری کی گئی تھی۔ اس محل کے سامنے وہ فوارہ جس کو شاہ یونان نے مع ایک بیش بہا موتی کے ہدیتہً ارسال کیا تھا، نصب تھا جس میں خاص خوبی یہ تھی کہ نہایت صنعت کے ساتھ ایک ہی پتھر کے ٹکڑے کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ اس قصر کے وسط میں ایک فوارہ نما طشت پارہ سے لبریز رکھا ہوا تھا۔ جسکے چاروں طرف مختلف قسم کے خوشنما آئینے، خوشنما ہاتھی دانت اور سنگ مرمر کے چوکھٹوں میں دروازوں پر نصب تھے۔ جس وقت یہ دروازے کھول دئے جاتے تھے اور آفتاب کی شعاعوں سے محل منور ہوتا تھا تو اس کی چھت اور دیواروں کو دیکھنا انسانی طاقت سے باہر ہو جاتا تھا۔ اسی حالت میں جب آفتاب کی تمازت پارہ کو متحرک کر دیتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ مکان جنبش میں ہے چنانچہ اس سے اجنبی بہت خائف ہوتے تھے

قصر المونس میں جو اسی قصر کا ایک دوسرا حصہ تھا ایک چھوٹا لیکن خوشنما فوارہ لگا ہوا تھا جس میں بارہ پرندوں اور جانوروں کے مجسمے شامل تھے۔ یہ مجسمے مختلف جواہر اور سونے سے تیار کئے گئے تھے اور فوارہ خالص سنگ سبز کا تھا اس میں یہ صنعت رکھی گئی تھی کہ جانوروں کے منہ اور چونچوں سے پانی جاری ہوتا تھا۔ یہ فوارہ دست کاری کی ایسی مثال تھا کہ یورپین سیاحوں کو گھنٹوں تک تصویر حیرت بنائے رکھتا تھا۔ اس قدر وسیع سنگ مرمر کی عمارت باغات کا یہ فضا سماں، خوشنما و خوبصورت مساجد، ہزارہا فوارے صاف و شفاف پانی کے سبزہ زار میں بہتی ہوئی نہریں، بے شمار چھلکتے ہوئے حوض، گھنے اور سرسبز درخت، پھولوں اور پھلوں سے لبریز شاخیں ہزاروں خوبصورت غلام اور لونڈیاں زرق برق لباس اور زیورات میں ڈوبی ہوئی اپنی مقررہ جگہوں پر موجود، یکتائے زمانہ عالم اور ہر فن کے اہل کمال اپنی جگہوں پر حاضر؛ قطعہ تھا گویا بہشت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ عجوبۂ روزگار عمارت بلکہ اس کی مسجدیں اور قبریں تک اس قوم کے ہاتھوں بے نشان ہو گئیں جس کو اپنی "انسانیت" کا دعویٰ ہے۔

جب یہ عجیب و غریب عمارت بن کر تیار ہو گئی اور سلطان مع زہرا کے اس میں رونق افروز ہوا تو دوران تفریح میں زہرا کی نظر اس پہاڑی پر جا پڑی جو اس کے قریب واقع تھی۔ زہرا نے پہاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یا امیر المومنین" یہ خوبصورت قصر اس معشوقۂ نازنیں کے مثل ہے جو لبعد ناز و انداز ایک سیاہ فام حبشی سے ہم آغوش

ہو"۔ یہ موزوں الفاظ ہمزہ بیرا کی زبان سے ...... بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ اس پہاڑی کو کھود کر سیدھا کر دیا جائے لیکن اس قدر وسیع اور بلند پہاڑی کو اکھاڑنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لہذا سلطان کی حسب منشا اس کو صاف کر کے تہہ سے چوٹی تک مختلف قسم کے میوہ دار درختوں اور خوبصورت چھوٹے چھوٹے پھولدار پودوں سے آراستہ کیا گیا۔

ذیل کے واقعہ سے قارئین ...... اندازہ کر سکتے ہیں کہ سلطان کی بلندئ ذوق اور حسن مذاق نے محل زہرا کو فن تعمیر کا نادر، بے مثال نمونہ بنا دیا تھا سلطان کو ایک دفعہ فصد کھلوانے کی ضرورت محسوس ہوئی فوراً طبیب کو طلب کیا گیا۔ جس وقت طبیب نشتر لگانا چاہتا تھا ——— یکایک ایک مینا اڑتی ہوئی سلطان کے کمرے میں داخل ہوئی اور سونے کے گلدستے پر جو سلطان کے قریب رکھا ہوا تھا بیٹھ گئی اور نہایت مترنم اور شیریں آواز سے کہنے لگی۔

ایها الفاصد رفقاً بامیر المؤمنینا
انما تفصد عرقاً فیه محی العالمینا

(ترجمہ) اے فصد کھولنے والے! امیر المؤمنین کی فصد نرمی سے کھولنا۔ اسلئے کہ جس رگ پر تو نشتر لگانا چاہتا ہے یہ اس کی رگ ہے جو دنیا کو زندہ کرنے والا ہے۔

سلطان یہ اشعار سن کر پھڑک اٹھا اور دریافت کیا کہ یہ کس کی مینا ہے؟ مینا نے جواب دیا کہ میں مرجانا کی مینا ہوں (ولی عہد کی والدہ) سلطان نے ملکہ کو بیس ہزار دینار اسی وقت بطور انعام روانہ کئے۔

(صفحہ ۴۰ کا بقیہ "افکار و اخبار")

سطح آہستہ آہستہ زیادہ سے زیادہ رکاوٹیں کھڑی کی گئیں لیکن چوہوں کی حلال روزی میں کمی نہیں آئی۔ لکھا ہے۔ پھر بھی انسان ایسا کیوں نہیں کرتے۔

" وجہ یہ ہے کہ انسان کو ابھی الیکشن، وزارت، دلالی، رشوت خوری، چور بازاری، ڈکیتی، بے ایمانی اور نیتا گری ہی سے فرصت نہیں مل رہی ہے، اس کی ساری تگ و دو اسی میں صرف ہو رہی ہے اور یہی اس کی روزی کا ... اور واحد ذریعہ ثابت ہو رہا ہے۔ اور چوہوں کو ابھی اس کا موقعہ ملا نہیں ہے۔ اگر چوہے اپنے بلوں کو چھوڑ کر کچھ دن انکے ساتھ رہیں تو وہ بھی حلال اور محنت کی کمائی چھوڑ کر مفت خوری پر اتر آئیں گے۔"

انعام کیلئے اردو کی کوئی کتاب نہیں

ساہتیہ اکیڈمی نے ۱۹۷۲ء میں ادبی کارناموں کے سلسلہ میں تیرہ ادیبوں کو کچھ انعامات دینے کا اعلان کیا ہے انعام میں پانچ ہزار نقد انعام بھی شامل ہیں۔ جن زبانوں کے ادیبوں کو انعامات سے نوازا گیا ہے ان میں بنگلہ، کشمیری، ہندی، ڈوگری، آسامی، اور ملیالم شامل ہیں۔

ٹھیک بھی یہی ہے اردو مسلمانوں کی زبان ہے ہندوستانی زبان نہیں ہے، اردو کو نوازنے کا مطلب تو صاف طور پر مسلم اپیزمنٹ ہے جسکا اثر براہ راست مذہب اور دھرم پر پڑتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی مسلم دوکان پر مسلم گلاس میں چائے پی لے اور سب بے دھرم ہو گئے"

چاند کا سفر ——— ایک بہت بڑا دھوکا

ایک سو تیس سالہ چارلی کا دعوٰی اپولو ۱۱ کی کیپ کینیڈی سے اڑان کو دیکھنے والوں میں چارلی اسمتھ بھی تھا جو یہ دعوٰی کرتا ہے کہ اسکی عمر (باقی صفحہ ۴۶ پر)

یورپ میں تبلیغِ اسلام کے مسائل

شیخ عبد الجلیل امام اسلامی ثقافتی مرکز لندن

میرا اپنا خیال ہے کہ لوگ دو محرکات کی بنا پر اسلام قبول کرتے ہیں، یا تو انہیں اچھے مسلمانوں کی صحبت میں رہنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ان سے متاثر ہوتے ہیں' یا انہیں اچھی کتابوں کے مطالعہ کا موقعہ ملتا ہے اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی ہیں جو لوگوں کو قبولِ اسلام کی طرف مائل کرتے ہیں۔ مثلاً کچھ لڑکیاں مسلمان مردوں سے شادی کرنے کے لئے اسلام قبول کر لیتی ہیں یا کچھ غیر مسلمان مرد مسلم لڑکیوں سے شادی کرنے کے لئے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔

گذشتہ پانچ برسوں کے دوران مرکز میں ۸۰ افراد نے اسلام قبول کیا، ان میں ازدواجی تقاضوں کے تحت دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد صرف ۱۵، ۲۰ ہی رہی ہے باقی دوسرے لوگوں کو اسلام کی کشش ہی اس کی آغوش تک کھینچ کر لائی تھی، ان میں نوجوان بھی تھے اور وہ لوگ بھی جو عمر کی چالیس منزلیں طے کر چکے تھے۔ ظاہر ہے یہ لوگ جو پختہ عمر کے ہیں کافی غور و خوض اور شرح صدر کے ساتھ ہی اس طرف آئے ہونگے۔ اس عمر میں کوئی وقتی جذبہ اتنی بڑی تبدیلی کا محرک نہیں بن سکتا وہ لوگ جنہیں مسلمانوں کے ساتھ یا مسلم ممالک میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور جنہوں نے اسلام کو ماننے والوں کی عملی زندگی میں اس کو جاری وساری دیکھا ہے۔ وہ اس عقیدے کو حقیقی وجوہات کی بناء پر ہی اختیار کرتے ہیں، ایسے افراد آگے چل کر انتہائی راسخ العقیدہ اور نیک ثابت ہوتے ہیں اور اسلام کے حقیقی مفہوم کو سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کرتے ہیں۔

اسلامی ثقافتی مرکز میں اسلام قبول کرنے کے لئے آنے والوں کی اکثریت برطانوی شہریوں ہی پر مشتمل ہے۔ لیکن ان میں ہالینڈ، مغربی جرمنی اور یورپ کے دیگر ملکوں کے کچھ افراد بھی شامل ہیں، ایک بار مرکز میں ایک روسی مہاجر خاتون بھی اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھی۔ انھوں نے ہم سے کچھ کتابیں طلب کیں یہ دونوں مسلمان تھے اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ میں نے جب انہیں زکوٰۃ کے بارے میں بتایا تو انھوں نے کہا کہ وہ پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں لیکن چونکہ ۲½ فیصدی کی شرح ان کے نزدیک بہت ہی کم ہے۔ اسلئے وہ کچھ زیادہ ہی اس مد میں نکالتے ہیں۔ ان دونوں نے میرے ساتھ نماز بھی ادا کی ایک مرتبہ ہمارا سابقہ ۹ لڑکیوں اور لڑکوں پر مشتمل ایک گروپ سے پڑا۔ یہ سب کے سب آرٹسٹ تھے۔ انھوں نے اسلام اور اس کے احکامات کے بارے میں کچھ جاننا چاہا۔ میرے اس استفسار پر کہ کیا وہ مجھ سے میرے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ

چاہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ کیا مسلمان ہونے کے لئے کسی سرٹیفکٹ کی بھی ضرورت ہوتی ہے؟ انھوں نے واقعی کوئی سرٹیفکٹ نہیں لیا۔ یہ بات ان کے خلوص کو ظاہر کرتی ہے

میرے اپنے تجربے اور مشاہدے کے مطابق حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی اکثریت نہ صرف یہ کہ اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ رہی ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک نے تبدیلیٔ مذہب کے فیصلہ سے قبل مختلف ادیان کا اچھی طرح مطالعہ بھی کیا ہے، اسلام اور دوسرے مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے بعد ہی ان کا ذہن اور ضمیر اسلام کے بارے میں مطمئن ہوا اور انھوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا ایسا انہوں نے کسی وقتی جذبہ کے تحت ہرگز نہیں کیا اور غالبًا یہی وجہ ہے کہ ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہوں اور مذہبیات کے مطالعہ سے دل چسپی بھی رکھتے ہوں۔

گذشتہ رمضان سے قبل ایک نوجوان جو لندن یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے مرکز تشریف لائے انھوں نے بتایا کہ تین سال تک انھوں نے اسلام اور رومن کیتھولک مذہب کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اپنے اس مطالعہ کے نتیجہ میں وہ اسلام کی حقانیت کے قائل ہو چکے ہیں۔ اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ وہ رمضان سے قبل ہی اپنے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے تاکہ شروع سے ہی وہ روزے رکھ سکیں، انھوں نے واقعی ایسا ہی کیا۔ میں نے انہیں آگاہ کیا کہ انہیں اپنے اسلام کی عملی قیمت بھی ادا کرنی پڑے گی یعنی انہیں زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی دن میں پانچ وقت پابندی کے ساتھ نماز پڑھنی پڑے گی ماہ رمضان میں روزے رکھنے ہونگے، ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں یہ سب کچھ کافی گراں گذرے۔

انھوں نے میری یہ باتیں سن کر جواب دیا۔

"میں نے ان کے بارے میں پڑھا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ میرے اوپر یہ ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ میں نے کافی غور و خوض کے بعد ہی اسلام قبول کیا ہے۔"

ان نئے مسلمانوں کے تعلق سے خود ان کی سوسائٹی کا طرز عمل کیا ہے اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم لیکن ان کے بارے میں اکثر اس طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں کہ یہ پاگل ہو گئے ہیں یا ان کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں رہا۔

ایک مرتبہ اسی طرح کے ایک نوجوان کو اس کے والد نے گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ وہ میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ "مجھے کیا کرنا چاہیئے"

میں نے جواب دیا۔ اسلامی احکام کے مطابق تمہیں اپنے والد کا احترام کرنا چاہیئے وہ چاہے تمہیں پیٹ ہی کیوں نہ دیں" چنانچہ وہ اپنے والد کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ اسلام اسے ان کا احترام کرنے پر مجبور کرتا ہے، نیز یہ کہ یہ اس کا حق ہے۔

وہ اگر تلخ کلامی پر اتر آتا یا ان کی اہانت کا مرتکب ہوتا تو اس کا مطلب یہی ہوتا کہ اس نے اپنے مذہب کی خلاف ورزی کی ہے، اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہوئے اور کہنے لگے کیا تم دیوانے ہو گئے ہو، تم نے اسلام کیوں کر قبول کیا، تمام مسلمان ممالک غریب ہیں ان میں سے کوئی بھی طاقت ور نہیں کہا جا سکتا، وہ آزاد بھی نہیں ہیں مسلمان فی الحقیقت بہت ہی خراب لوگ ہیں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے بارے میں لوگ کس طرح اندازہ لگاتے ہیں وہ مسلمانوں اور مسلم معاشرہ کی مدد سے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد لوگوں کو اپنے معاشرہ سے دوبارہ مانوس ہونے کے لئے گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مذکورہ نوجوان کے خاندان میں بدستور لحم خنزیر کھایا جاتا رہا"، حالانکہ وہ لڑکا ایمان لانے سے قبل بھی اسے کھانا پسند

نہیں کرتا تھا اس کے خاندان نے اس سلسلہ میں آ سے کوئی تعاون نہیں دیا۔ بعد ازاں اس نے حج کا پروگرام بنایا چنانچہ اس نے اپنے والدین کو بتایا کہ وہ جرمنی جا رہا ہے۔

ایک دوسرا مسئلہ شادی کا ہے نومسلموں کو یا تو ایسی لڑکی کی تلاش ہوتی ہے جسے ان کے اسلام پر اعتراض نہ ہو یا وہ خود مسلمان ہو جائیں۔ کچھ لڑکیاں اسلام قبول کر بھی لیتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں کی اکثریت وضو اور طہارت کی اہمیت کو سمجھنے سے اپنے آپ کو معذور پاتی ہیں ان پر رمضان کے روزے بھی گراں گذرتے ہیں، بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ وہ ان پر یقین ہی نہیں رکھتے۔ اس قبیل کی لڑکیاں لباس کے معاملہ میں بھی شرم و حیا سے عاری ہوتی ہیں۔ وہ نہ سور کے گوشت اور شراب سے گریز کرتی ہیں اور نہ نامحرم مردوں کے ساتھ شامل رقص ہونے سے ... وجہ بالکل سیدھی ہے انھوں نے اسلام نہیں بلکہ مسلمان شوہر قبول کیا ہوتا ہے چنانچہ وہ دوبارہ دوسروں میں مکمل مل جانا پسند کرتی ہیں فطری بات ہے کہ اس قسم کے تعلقات خوشگوار نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ وہ جلد ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک حلال گوشت کے حصول کا تعلق ہے یہ مسئلہ نومسلموں اور ان مسلمانوں کو جو دور دراز کے علاقوں میں آباد ہیں مشترکہ طور پر درپیش ہے۔

لیکن بنیادی الجھن دراصل نووارداں کی ابتدائی عربی سے ناواقفیت ہے جس کے باعث وہ اسلام کو اس کے اصلی ماخذ کی مدد سے سمجھنے سے اپنے آپ کو معذور پاتے ہیں۔ لہٰذا انہیں ان انگریزی کتابوں کی مدد لینی پڑتی ہے جنہیں مستشرقین نے لکھا ہے۔ مذکورہ کتابیں جن غلط بیانیوں سے بھری پڑی ہیں اور اسلام کو جس مسخ شدہ شکل میں پیش کرتی ہیں۔ ان کے سلسلے میں محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کا اثر قبول نہ کیا جا سکے۔ میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ ان مستشرقین کی اکثریت جنہوں نے اسلام کے بارے میں لکھا ہے اسلام سے فی الحقیقت ناواقف تھے۔ وہ لوگ بھی جو اپنی نکتہ چینی اور نفرت کا اظہار بڑے اعتماد سے کرتے ہیں قرآن کی کسی ایک آیت کا ترجمہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ بہت سے مسئلوں میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔

چنانچہ مستشرقین نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔ لہٰذا عربی کی تعلیم ہی اہمیت کی حامل ہے۔

فی زمانہ ہمارے پاس قرآن کے کئی اچھے نسخے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی قرآن کے کامل مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن اپنا احساس یہ ہے کہ قرآن کے ترجمہ کا مطالعہ قرآن کا مطالعہ نہیں ہے اس سے مفہوم محدود ہو جاتا ہے اور ٹھیک طرح سے غیریت کی ترغیب بھی نہیں ملتی۔ لیکن یہ بات بھی فطری ہے کہ لوگ یہ سمجھ بھی نہیں پاتے کہ انھوں نے کیا کھو یا ہے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میں لوگوں کو اسلامی کتاب اور ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی کچھ دعائیں مثلاً سورۂ فاتحہ وغیرہ دے دیا کرتا ہوں۔ لیکن اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا اور ہم اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ ہم ایک ایسے اسکول کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جہاں عربی اور قرآنی آیات کی تعلیم دی جا سکے۔ اس سلسلے میں عربی اور دیگر اسلامی موضوعات پڑھانے والے اساتذہ کی بہت سخت ضرورت ہے۔

مرکز جو سہولتیں مہیا کر سکتا ہے وہ ناکافی ہیں یہاں لوگ دور دراز سے آتے ہیں جہاں وہ مل کر [illegible] سے مذاکرات اور تقاریر کرتے ہیں [illegible] اسلام کی [illegible]

پیغمبر اسلام کے

اخلاقی اصلاحی کارنامے

از مولوی مظہر الاسلام حسینی فاضل دیوبند

یہ[1] ایک امر واقعہ ہے کہ عرب ظہور اسلام سے پہلے تہذیب وتمدن سے ناآشنا، اخلاق عالیہ سے بیگانہ اور سلیقہ وشعور سے عاری تھے، کیونکہ دورِ جاہلیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بدکاریوں میں مبتلا تھے، عفیف وپاکدامن عورتوں کی عصمت دری کرتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، شراب عام طور سے پی جاتی تھی، گویا وہ ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور وہ اسی میں اپنی عزت محسوس کرتے تھے، اور ہاں! قتل وخونریزی ہیں تو ان کا پوچھنا ہی کیا۔ ان کا وقت ہی اسی میں کٹتا تھا۔

دورِ جاہلیت کی یہ اخلاقی خامیاں اک عرب مسلمان حضرت جعفر طیار رضؓ کی زبانی سنیئے، وہ نجاشی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردستوں کو کھا جاتے تھے اسی اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا اس نے سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔

حضرت جعفرؓ کے اس بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عرب دورِ جاہلیت میں مکمل وحشی نہ سہی تو نیم وحشی ضرور تھے کیونکہ حضرت جعفرؓ کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی سوسائٹی سے اخلاقی قدریں بالکل ناپید ہو چکی تھیں یہی وجہ تھی کہ جس کے جی میں جو آتا، وہ کر گذرتا، کوئی اخلاقی رکاوٹ نہ تھی نہ کوئی قانونی تازیانہ تھا کہ وہ اس کے ڈر سے ان اخلاقی جرائم کے ارتکاب سے رک جائیں۔

حالی نے سچ کہا ہے۔

> فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
> نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

اک فرانسیسی محقق جناب ڈاکٹر گستاؤلی بان[2] عرب کی ان وحشیانہ زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"وہ مختلف قبائل میں منقسم تھے، اور ہمیشہ سفر کی حالت میں رہتے تھے۔ نہ ان کے بود وباش کا کوئی خاص مقام تھا نہ ان میں کسی قسم کی روایات تھیں، وہ قرنہائے دراز سے نیم وحشیانہ حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ

[1] سیرۃ النبی صلعم ج ۶ - [2] تمدن عرب

وجہ تھی کہ عربوں کا اقوام عالم کی نگاہوں میں کوئی وقعت واہمیت حاصل نہ تھی اس انگریز سیرت نگار آر، وی۔ سی، بوڈلے (R. V. C. Bodley) اپنی کتاب پیغامبر (The Messenger) میں زمانہ بعثت کی دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے عربوں کے متعلق لکھا ہے

" قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، حقیقت میں تو کسی کو بھی کوئی اہمیت حاصل نہ تھی یہ ایک نزع کا دور تھا۔"

ایسے عالم نزع اور جاں بلب انسانیت کے دور میں آنحضور مبعوث ہوئے اور اخلاق وانسانیت سے محروم انسانوں کو انسانیت کا سبق پڑھایا۔

قتل وخونریزی سے روکنے کے لئے بھائی چارہ کی تعلیم دی۔ فرمایا "کل مومن اخوۃ" کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور جوا، شراب، اور دیگر اخلاقی جرائم کے ارتکاب کرنے والوں کے لئے سزائیں مقرر کیں، جس کے ڈر سے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے ارتکاب جرائم سے رک گئے اور جو نہ رکے ان پر وہ سزائیں جاری کی گئیں۔

یاد ہوگا اقرار زنا کے بعد حضرت ماعز اسلمی کو رجم کیا گیا تھا، حضرت عمر فاروق رضؓ نے ایک صحابی کو شراب پینے کے جرم میں ستر درے لگائے تھے۔

ان اخلاقی تعلیمات کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ وہ مہذب، متمدن اور زیور اخلاق سے آراستہ ہوگئے بلکہ اقوام عالم کی نگاہوں میں باوقار اور وزن دار ہوگئے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ اخلاقی اصلاحی کارنامے ہیں کہ جن کا اعتراف دوستوں نے نہیں بلکہ دشمنوں نے کیا ہے۔ اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی عقیدت ومحبت کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ تحقیق وریسرچ کے بعد لکھا ہے۔

ایک غیر مسلم مفکر "ریورینڈر ڈبلیو اسٹفن" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی انہیں اخلاقی اصلاحات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

" آنحضرتؐ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کیا اور ان کی تمدنی حالت کو ترقی دی، اور ایک سنجیدہ طریق عبادت جاری کیا اور آپ نے اس ذریعہ سے بہت سے وحشی اور آزاد قبیلوں کو جو ذروں کی طرح ادھر ادھر اڑ رہے تھے، باہم ملاکر ایک ٹھوس ملکی جماعت کی شکل میں منتقل کردیا۔"

پروفیسر ایڈورڈ مونٹ پروفیسر السنہ مشرقیہ جنیوا یونیورسٹی کہتے ہیں۔

" آنحضرتؐ کو اصلاح اخلاق اور سوسائٹی کے متعلق جو کامیابی ہوئی اسکے اعتبار سے آپکو انسانیت کا محسن اعظم یقین کرنا پڑتا ہے۔"

(صفحہ ۳۳ کا بقیہ) (افکار واخبار)

۱۳۰ سال ہے اور بھی تماشائیوں میں وہی ایک ایسا فرد ہے جسے ان اڑانوں پر یقین نہیں ہے۔ اسکا خیال ہے کہ انسان چاند پر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ چارلی کو اس اڑان کے دیکھنے کے لئے خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا اسکے باوجود اسکے خیالات میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی چاند سے لائی ہوئی چٹانوں کے بارے میں اسکا کہنا ہے کہ یہ چٹانیں تو خلائی مسافر یہیں سے اپنے ساتھ لیگئے تھے۔ وہ ساری دنیا کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ ہم یہی بات کئی سالوں سے کہہ رہے تھے اور اسی موضوع کے تحت آج سے تین چار سال قبل رسالہ دارالعلوم میں لکھ چکے ہیں کہ چاند کا سفر سراسر دھوکا ہے اور ساری دنیا کو بیوقوف بنایا جارہا ہے لیکن کسی کو اسپر یقین نہیں آرہا تھا اور ہم کو بھی مجنون؟

؎ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔

افکار و اخبار

مولانا صادق علی قاسمی

گیارہ لاکھ نس بندی آپریشن

خبر ہے کہ نس بندی آپریشن کرانے کی بڑے پیمانے پر شروع کی گئی تحریک کے دوران ملک کی بارہ ریاستوں کے ۱۸۷ اضلاع میں ۱۱۵۴۱۳۰ نس بندی آپریشن کئے گئے۔ اترپردیش میں نس بندی آپریشن کی تعداد ۲۱۸۹۹۵ ہے، تامل ناڈ میں ۱۱۹۵۸۱، اور مہاراشٹر میں ۱۴۳۱۳۲، ہے۔

لیکن نس بندی کرانے والوں میں اکثریت انہیں لوگوں کی ہے جن کی نس بندی قدرتی طور پر ہو چکی ہے۔ کرمچاری بیچارے ملازمت بچانے کی فکر میں ہیں اور بوڑھے نقد اور کمبل وغیرہ کے چکر میں۔ اور حکومت آبادی کے گھٹنے کا تخمینہ لگا رہی ہے۔

اگر یہی رقمیں غریبوں پر صرف کر دی جاتیں تو بلا آبادی گھٹائے غریبی کو کچھ سہارا مل جاتا ہے۔ مگر غیرملکی امداد تو نس بندی کے لئے ملتی ہے اسے نس بندی ہی میں صرف کرنا ہے آبادی گھٹے یا نہ گھٹے —— اس رقم کو مجبور بوڑھوں کا بڑھاپے میں وظیفہ تصور کر لیجئے۔ تو زیادہ موزوں ہوگا۔"

کتے اور بھیڑیے روس چین سرحد پر

ایٹمی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ سوویت یونین کی فوج میں پچاس لاکھ بڑے اور خونخوار کتے بھی ہیں، جو ہمہ گھنٹہ طویل ترین روس چین سرحد پر پہرہ دیتے ہیں۔ یہ بھی خبر ہے کہ ان پچاس لاکھ کتوں کے علاوہ اس سرحد کے پاس روسیوں نے کچھ جنگلی اور خونی بھیڑیوں کو بھی پال رکھا ہے جو سرحد کی حفاظت میں بڑے کارآمد ثابت ہو رہے ہیں

خبر ہے کہ یہ محافظ کتے اور بھیڑیے ایک سال میں ایک لاکھ ۸۰ ہزار ٹن سے زیادہ گوشت کھا جاتے ہیں اور ان کی دیکھ بھال پر لاکھوں روبل صرف ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں کتوں اور بھیڑیوں کی کمی نہیں ہے یہاں تو انسانوں کا بھی ایک بہت بڑا گروہ کتا اور بھیڑیا ہو چلا ہے۔ ہماری حکومت چین اور ہندوستان سرحد پر اس کا انتظام کر دے تو یہاں کی ایٹمی اور فوجی طاقت کئی گنا بہتر ہو سکتی ہے اور چین پھر ہندوستان سے جنگ کا نام تک نہ لے۔ وقت پر روس بھی تعاون کریگا۔

ہندوستان میں پچاس لاکھ سے بھی زائد اندھے

ہندوستان میں پچاس لاکھ سے بھی زیادہ افراد نابینا ہیں۔ یہ رپورٹ اس سوسائٹی نے دی ہے جو اندھے پن کو دور کرنے کے سلسلے میں ملکی سطح پر کام کر رہی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق ایک لاکھ افراد میں ۱۱۰ افراد اندھے ہوتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ملک میں بڑھتے ہوئے اندھے پن کا واحد سبب بڑھتی ہوئی ناخواندگی اور جہالت ہی ہے۔

لیکن اگر انصاف کے تقاضوں کے پیش خیال صحیح جائزہ لیا جائے تو پچاس لاکھ افراد کو چھوڑ باقی سب اندھے ہیں اور سبب وہی جہالت ہے کیونکہ انصاف اور ایمان داری جیسے یہاں سے معدوم اور عنقا ہو چکی ہے۔ وزیر، امیر، پیر، فقیر، سفیر سبھی اس میں مبتلا ہیں کسی کو یہ سوچنے کا قطعاً موقع نہیں ہے کہ آخر اس کا اصل مقام اور مقصد کیا ہے جو جہاں ہے صرف لوٹنے کھسوٹنے کے چکر میں پڑا ہے۔ آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں اور دل بے نور ہو چکے ہیں۔"

حیرت انگیز احساس

فیلڈ مارشل "مانک شا" کو جب تاعمر فیلڈ مارشل کے عہدے پر برقراری کا اعزاز صدر کی طرف سے ملا اور وہ ناشتہ کی ٹیبل پر پہونچے تو اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ احساس بھی بہت اچھا ہے کہ ایک شخص اپنے عہدے سے کبھی سبکدوش نہ کیا جائے۔ اور یہ حیرت انگیز بات ہے۔

یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے۔ اب تو ایسے اشخاص کا عہدہ جو تاعمر باقی رکھا جا سکتا ہے صرف موت ہی اسے اس عہدہ سے سبکدوش کر سکتی ہے۔

گاما پہلوان کو بھی دنیا میں کوئی نہ پچھاڑ سکا لیکن موت نے اسے بھی پچھاڑ دیا، گاما کے بعد ہمارے فیلڈ مارشل کو بھی موت کے علاوہ کوئی نہیں ہٹا سکتا

قدیم ترین عربی تحریر

عربی زبان کی قدیم ترین تحریر کا سراغ پولینڈ برطانیہ اور امریکہ کے مستشرقین کی ایک ٹیم نے مصر میں لگایا ہے۔

یہ تحریر قبر میں ابراہیم نامی مقام میں ملی ہے اور ۶۷ھ کی لکھی ہوئی ہے۔ جو دوسری صدی ہجری میں ۱۴۲ھ ہجری کے لگ بھگ ہوا۔

یہ قدیم ترین عربی تحریر پارچمنٹ وچمڑے پر لکھی ہوئی ہے۔ ڈھائی میٹر لمبے اس پارچمنٹ پر قاہرہ سے مقوریہ کے صوبائی گورنر کے نام ایک خط لکھا ہوا ہے یہ مصر میں پائی جانے والی سب سے قدیم تحریر ہے۔ جس کی دریافت کرنے والی ٹیم کے سربراہ وارسا یونیورسٹی کے پروفیسر سکالوسکی ہیں۔

ٹیم کو چاہیے کہ اس دریافت میں گہری دلچسپی سے کام لے۔ ممکن ہے وہاں کوئلے، لوہے، سونے وغیرہ کی کانوں کی طرح تحریروں کی بھی کان ہو۔

چوہے بھی روزی کماتے ہیں

کچھ سائنسدانوں نے چوہوں پر تجربے کئے ہیں جس کے نتیجہ میں بڑی دلچسپ باتیں سامنے آئی ہیں۔

ایک برتن میں کھانا اوپر ہی رکھا تھا دوسرے میں ایک کمانی کو دبا کر ہی کھانا حاصل کیا جا سکتا تھا توقع کے خلاف کسی بھی چوہے کو مفت کا کھانا پسند نہیں آیا سب نے کمانی دبا کر ہی محنت کی کمائی کھائی

(باقی صفحہ ۴۳ پر دیکھئے)

ترکی کا مردِ مجاہد
سلطان سلیمان قانونی

(ایم احمد شرقی)

دسویں صدی ہجری میں ترکی کے تخت وتاج پر ایک عظیم شخصیت جلوہ افروز ہوئی اور صرف ساڑھے آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں اس عظیم انسان نے پوری خلافت عثمانیہ کا نقشہ بدل کر رکھدیا۔ اس نے صرف یہی نہیں کہ اپنے ملک کو داخلی طور پر استحکام بخشا، بلکہ شمالی افریقہ سے جرمنی کے بحری بیڑہ کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا اور ایشیا میں بحرعرب اور بحر ہند پر پرتگالی اجارہ داری کو ختم کردیا۔ اس مردِ مجاہد نے صرف یہی نہیں کیا کہ اسپین کے مسلمانوں کو عیسائی حملہ آوروں کے ظلم وستم سے نجات دلائی بلکہ بہت عرصہ تک فرانس پر بھی قابض رہا۔

اس عظیم بادشاہ کا نام سلطان سلیمان قانونی تھا اس کی ولادت سنہ ۹۰۰ھ میں ہوئی تھی اس کے والد سلطان سلیم نے اس کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور اس کو پڑھانے کے لئے اپنے وقت کے مشہور مشہور علماء کی خدمات حاصل کیں چنانچہ اس نے علوم مروجہ کے ساتھ ساتھ کئی زبانوں میں بھی مہارت حاصل کرلی تھی۔ اور عنفوان شباب ہی میں جنگی اصول وقواعد اور شمشیر زنی وغیرہ میں بہت ہی ماہر ہوگیا تھا۔ سلطان سلیم جب ایران اور کردستان کی جنگی مہم پر روانہ ہوا تو اپنے نوعمر بیٹے کو اپنا قائم مقام بناگیا۔ عظیم باپ کا عظیم بیٹا اگرچہ ابھی ناتجربہ کار اور کم سن تھا مگر اس نے بہت ہی سلیقے اور عقل مندی سے حکومت کا نظم ونسق چلایا۔ پھر جب سنہ ۹۲۶ھ سلطان سلیم کا انتقال ہوگیا تو صرف ۲۶ سال کی عمر میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا اور اپنے پچھلے تجربے کی بدولت اس نے بہت ہی شان وشوکت اور جوانمردی سے حکومت کی۔

سلطان سلیم کے انتقال کی خبر ملتے ہی سلطنت عثمانیہ کے اکثر وبیشتر صوبوں سے بغاوت کی خبریں آنے لگیں۔ ادھر پڑوسی عیسائی ریاستوں نے بھی اس سنہری موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور سلطنت کے افریقی اور ایشیائی حصوں پر حملہ آور ہوگئیں۔ سلطان سلیمان نے ایسے نازک وقت میں بڑی جرأت اور استقلال کا ثبوت دیا اس نے سب سے پہلے اندرون مملکت بغاوتوں کو ختم کرنا شروع کیا چنانچہ سب سے پہلے سپہ سالار ابراہیم پاشا کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ عراق اور اردن کی طرف روانہ کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک دوسری فوج تیار کرکے مشہور جرنیل ایاس کی سرکردگی میں مصر وشام کی طرف بھیجا۔ ان دونوں فوجوں نے باغیوں کو عبرت ناک سزائیں دیں اور بہت جلد امن وامان بحال کردیا۔ اندرونِ ملک کی بغاوتوں

کو کچلنے کے فوراً بعد سلطان نے یورپی عیسائی حکومتوں کی طرف توجہ دی جنھوں نے ایک عرصہ سے عثمانی حکومت کو پریشان کر رکھا تھا چنانچہ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ سلطان سلیمان بنفس نفیس یورپ کی طرف بڑھا اور "بلغراد" اور "مجر" کے قلعوں کو روندتا ہوا کریٹ اور روڈس تک جا پہونچا

اب تک عثمانی سلاطین نے بحری بیڑے کی طرف توجہ نہیں دی تھی اور انکی فتوحات کا دائرۂ کار صرف خشکی کے راستوں تک ہی محدود تھا۔ عثمانی سلطانوں کے پاس صرف ایک چھوٹا سا بحری بیڑہ تھا جس کو سنہ ۹۱۶ھ میں سلطان سلیمان کے دادا سلطان بایزید کے دورِ حکومت میں عیسائیوں کے متحدہ بیڑے نے ساحل یونان کے قریب غرق کر دیا تھا بحری سپہ سالار کمال بیگ بھی سمندر میں ڈوب گئے تھے جس کے نتیجہ میں اب تک جزیرہ قبرص، کریٹ اور روڈس پر عیسائی قابض تھے اور ترکی کی تجارت کی راہ میں بہت بڑی چٹان بنے ہوئے تھے۔

سلطان سلیمان قانونی نے بہت جلد اس نکتے کو سمجھ لیا کہ عیسائی حکومتوں کے پیہم حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے سمندری بالادستی ضروری ہے اور جب تک یورپی حکومتوں کے دیوہیکل بحری بیڑوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مضبوط اور موثر بحری بیڑہ نہیں تیار کیا جائے گا تب تک ان جزیروں سے ہونے والے حملوں سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا۔ چنانچہ سلطان نے تین دیوہیکل بحری بیڑوں کی تیاری کا حکم دیا۔ اس نے ایک بیڑہ 'ارخبیل' کی طرف روانہ کیا دوسرا مراکش کے قریب 'مرغنان' بھیجا اور تیسرا بحر احمر میں رکھا جس کا سینٹر بحر ہند قرار دیا

"ارخبیل" کے بحری بیڑے نے جزیرہ قبرص، کریٹ اور روڈس میں لنگر انداز عیسائی بیڑے پر تابڑ توڑ حملے کئے اور ایک طویل جنگ کے بعد عیسائی بیڑے کو یہ پورا علاقہ خالی کرنے پر مجبور کر دیا اس طرح ایشیائے کوچک مصر، شام اور لیبیا کے ساحل عیسائیوں کی مسلسل دست درازیوں سے بہت دنوں کے لئے محفوظ ہو گئے۔

سلطان کے دوسرے بیڑے نے ایک سرخ داڑھی والے افسر خضر باربروس کی قیادت میں شمالی افریقہ کا رُخ کیا اور الجزائر و تیونس کو فتح کرتا ہوا مراکش کی بندرگاہ "تلمسان" میں لنگر انداز ہو گیا۔ تلمسان کا گورنر اگرچہ مسلمان تھا مگر اس نے ایک معاہدہ کر کے عیسائیوں کے بحری بیڑے کی مدد حاصل کر لی۔ یہاں بھی گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں خضر باربروس نے بہترین جنگی قیادت کا ثبوت دیا۔ عیسائیوں کے مضبوط بیڑے کے سب جہاز ڈبو دیئے گئے۔ اس طرح شمالی افریقہ بھی دوبارہ عثمانی سلطنت میں شامل ہو گیا اس بحری بیڑے نے تقریباً ستر ہزار اندلسی مسلمانوں اور یہودیوں کو عیسائیوں کی قید سے آزاد کرایا۔ سلطان سلیمان نے ان قیدیوں کی روپے پیسے سے پوری طرح مدد کی اور انہیں پھر اندلس واپس بھیج دیا۔

بحر ہند میں لنگر انداز تیسرے عثمانی بحری بیڑے نے بصرہ کو اپنا سنٹر بنایا اور سنان پاشا کی قیادت میں پرتگالی بیڑے پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ پرتگالی بیڑے نے پہلے تو جم کر مقابلہ کیا مگر پھر وہ ترک بہادروں کی مسلسل یلغار کی تاب نہ لا سکا اور بحر ہند کے اڈوں کو خالی کر کے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔

قبرص اور کریٹ وغیرہ کے شکست خوردہ عیسائی فوجی افسر شاہ جرمنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت پورے یورپ میں جرمنی کا طوطی بول رہا تھا اور شاہ جرمنی جسکا نام شارل پنجم تھا پورے یورپ میں سب سے بڑا بادشاہ مانا جاتا تھا۔ یورپ کے بیشتر علاقے جرمنی ہی کے ماتحت تھے چنانچہ درباریوں کے مذہبی جوش و خروش سے متاثر ہو کر اس نے ایک صلیبی کانفرنس طلب کی جس میں یورپ بھر کے حکمراں شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں سلطان ترکی پر حملہ

کرنے کی تجویز پاس کی گئی۔ اس کانفرنس میں فرانس کا بادشاہ فرانسو اول بھی شریک ہوا تھا۔

وہ اگرچہ بہت ہی بہادر اور بے باک تھا مگر شاہ جرمنی کے فیصلے سے اس نے اتفاق نہیں کیا۔ جرمنی کے بادشاہ نے خفا ہوکر فرانس پر حملہ کر دیا اور فرانسو کو قید کرلیا شاہ فرانسو کی والدہ نے سلطان سلیمان قانونی کے پاس بہت ہی رقت انگیز خط لکھا جس میں اس نے بہت ہی عاجزی کے ساتھ اپنے بیٹے کی زبوں حالی کی مختصر کہانی لکھ کر مدد کی درخواست کی۔ شاہ فرانسو کی والدہ کا خط پڑھ کر سلطان سلیمان کا دل بھر آیا چناں چہ اس نے فوراً ہی اس کی والدہ کے پاس مندرجہ ذیل خط روانہ کیا جو آج بھی پیرس کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

" آپ کے قاصد کے ذریعہ خط موصول ہوا اور دیگر احوال بھی اس کی زبانی معلوم ہوئے۔ مجھے یہ سن کر بہت ہی دکھ ہوا کہ دشمن نے آپ کے ملک پر قبضہ کر کے آپ کے بیٹے کو قید کرلیا۔ آپ نے مجھ سے مدد کی درخواست کی ہے آپ کی لکھی ہوئی تمام تفصیلات میرے علم میں آئیں مجھے شاہ جرمنی کے فرانس پر حملہ کرنے اور آپ کے بیٹے کی گرفتاری کی خبر سنکر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ کیونکہ ہمیشہ سے یہ دنیا میں ہوتا آیا ہے کہ طاقت ور بادشاہ کمزور بادشاہ کو تنگ اور پریشان کرتے ہیں۔ اب آپ پورا اطمینان رکھیں ہمارے آباء واجداد نے جنگ کو ہمیشہ کھیل سمجھا ہے اور ہم بھی یہی سمجھتے ہیں ہمارے گھوڑے جنگ کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور رات دن ان پر زین کسی رہتی ہے، ہماری تلواریں نیام میں بہت کم رہتی ہیں۔ اب اللہ کی جو مرضی ہوگی وہی ہوگا بقیہ حالات آپ کو قاصد کی زبانی معلوم ہو جائیں گے۔" (قسطنطنیہ ربیع الاول ۹۳۲ھ)

اس خط کے ساتھ ہی سلطان نے اپنی جانباز فوج کو جرمنی مقبوضات کی طرف مارچ کا حکم دے دیا۔ چھ لاکھ ترکوں پر مشتمل اس پیدل فوج کا سپہ سالار خود سلطان سلیمان تھا۔ سلطان نے ہنگری کو فتح کرتے ہوئے ڈنمارک کی طرف کوچ کیا جس کی راجدھانی ویانا میں شاہ جرمنی موجود تھا۔ وہ یہیں سے ڈنمارک، جرمنی، اٹلی، اسپین اور سوئٹزرلینڈ پر حکومت کرتا تھا اب فرانس کا وسیع وعریض خطہ بھی اس کی قلم رو میں شامل ہوگیا تھا۔ اپنی طاقت کے نشے میں وہ اس قدر مخمور تھا کہ اپنے آپ کو "شارلمان" کہا کرتا تھا مگر جب اسے معلوم ہوا کہ ترکوں کی جانباز فوج آندھی اور طوفان کی طرح 'ویانا' کی طرف بڑھ رہی ہے اور خود سلطان سلیمان اس کی قیادت کر رہا ہے تو شارلمان بننے کی ساری تمنا کافور ہوگئی وہ مسلمانوں سے اس قدر مرعوب ہوگیا کہ پورا ملک اپنے بھائیوں اور بیٹوں میں تقسیم کر کے اسپین کے ایک گرجے میں جاکر رہبانیت اختیار کرلی۔ ڈنمارک شاہ جرمنی کے ایک بھائی کے حصے میں آیا تھا۔ اس نے ترکوں سے جنگ کرنے کے بجائے ان سے صلح کرلی اور جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔

اسی اثنا میں خضر بار باروس کی قیادت میں عثمانی بحری بیڑہ فرانس پر حملہ آور ہوا۔ شاہ جرمنی کی فوجوں نے زبردست مقابلہ کیا مگر آخر میں انھیں ہتھیار ڈال دینا پڑے۔ مسلمانوں نے فرانس پر قبضہ کرنے کے بعد شاہ فرانس کو قید سے چھڑا کر بہت ہی تعظیم وتکریم کے ساتھ دوبارہ تخت شاہی پر بٹھا دیا۔

عثمانی بحری بیڑہ ساحل فرانس پر بہت دنوں مقیم رہا فرانس کے باشندوں نے عثمانی سپاہیوں کو بہت سامال وزر دیکر رخصت کیا۔ اس طرح فرانس پر بہت دنوں تک پوری طرح سلطان سلیمان ہی حکومت کرتا رہا۔ اب ترکی کا بحری بیڑہ پورے بحر اوقیانوس میں سب سے طاقتور بیڑہ تھا جسکی وجہ سے اہل یورپ کی ایشیا اور افریقہ سے تجارت بالکل مفلوج ہوکر رہ گئی۔ چناں چہ یورپ والوں نے ترکوں کی سمندری بالادستی سے مجبور ہوکر راس امید

کا چکر کاٹ کر ہندوستان کا راستہ دریافت کیا اور اپنی تمام ٹوٹی ہوئی تجارت کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ عثمانیوں نے یہ سمندری بالادستی تقریباً دو صدیوں تک برقرار رکھی اس مدت میں اہل یورپ نے کئی بار مسلمانوں سے ٹکر لینے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی تمنا یہ تھی کہ اب دوبارہ عیسائیوں کو حملہ کرنے کی جرآت نہ ہو اور اگر دوبارہ جنگ ہو تو وہ مسلمانوں کی سرحد میں نہیں بلکہ یوروپ میں لڑی جائے۔ اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ وہ ایک عظیم سمندری بیڑہ تیار کرے مگر افسوس کہ سلطان صلاح الدین کی وفات نے اس کی یہ خواہش نہیں پوری ہونے دی۔ اس کے بعد کے ایوبی بادشاہ خانہ جنگی میں بڑی طرح الجھ گئے اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ سلطان کامل نے بیت المقدس کی چابیاں خود ہی شاہ جرمنی کے حوالے کر دیں ایوبی سلطانوں کی انہیں کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر طولوں نے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا مگر جلد ہی یہ بھی باہم بر سرپیکار ہو گئے جس کے نتیجے میں یہ یورپ کی خشکی اور سمندری بالادستی کو چیلنج نہ کر سکے۔ بحراوقیانوس میں عیسائی بحری بیڑہ بلا خوف وخطر دندناتا پھرتا تھا اور کسی بھی مسلمان بادشاہ کو اس سے نبرد آزما ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اندلس میں ان کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہجرت کرنے والے ستر ہزار یہودی اور مسلمان مہاجروں کو اس بیڑے نے گرفتار کر کے ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے مگر مسلمان بادشاہوں کو اپنے ہی بھائی بندوں کا گلا کاٹنے سے فرصت نہیں ملتی تھی وہ ان مظلوموں کی چیخ وپکار کیسے سن سکتے تھے؟ آخر قدرت نے یہ کام سلطان سلیمان قانونی سے لیا جس نے اپنی جوانمردی اولوالعزمی اور بہادری کے بل بوتے پر یورپ کو ہر محاذ پر شکست دی اور ان کے ظلم وبربریت کا خاتمہ کر دیا۔

سلطان سلیمان قانونی نے پورے اڑتالیس سال تک حکومت کی۔ اپنے دور حکومت میں اس نے سلطنت کے ہر شعبہ میں تبدیلی کی اور ہر چیز کو نظم ونسق اور قانون کی بنیادوں پر استوار کیا اس نے اس قدر قانون نافذ کئے کہ اس کا لقب ہی قانونی پڑگیا۔ یہ کسی بھی قانون کو نافذ کرتے وقت اس وقت کے مشہور عالم دین شیخ الاسلام شیخ کمال ابوسعود سے ضرور مشورہ کرتا تھا۔

اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ یورپ کی سرزمین میں جاکر ان کو پے در پے شکستیں دیں بلکہ اس نے پوری سلطنت میں خاص طور سے مصر، شام، عراق اور اردن وغیرہ میں سیکڑوں مدرسے، مسجدیں اور قلعے تعمیر کروائے۔

بیت المقدس میں اسی سلطان نے ایک بہت ہی مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعہ تعمیر کروایا اور پورے شہر کے کنارے کنارے فصیل بنوادی تاکہ آئندہ عیسائی یا یہودی اس پر آسانی سے قبضہ نہ کر سکیں۔

اگر سلطان سلیمان قانونی کے عظیم الشان کارناموں کو دیکھا جائے تو بلاشبہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بعد یہ عالم اسلام کا ایک بہترین ہیرو گذرا ہے

اس نے اپنی شجاعت، تدبر اور فراست سے عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا قلع قمع کر کے مسلمانوں کو صدیوں تک صرف ایشیا ہی میں نہیں، یورپ میں بھی ایک عظیم قوت بنا دیا۔

تنقید و تبصرہ

انوار الباری

از مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری،
دو سو اڑتالیس صفحات، کتابت و طباعت صاف
قیمت غیر مجلد چھ روپے پچاس پیسے
ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ ناشر العلوم۔ چاہ شیریں۔ بجنور (یوپی)

صحیح بخاری شریف جو احادیث نبوی علی صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مستند و گراں قدر مجموعہ ہے۔ اور قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب ہے، اسکی شروح عالمانہ و فاضلانہ عربی میں بکثرت موجود ہیں۔ اردو میں بھی اردو کی وسعتِ دامن کے بمقدار تراجم و شروح موجود ہیں مگر ایسی شرح جس میں فن حدیث کی صحیح ترجمانی، مطالب حدیث و امہات مباحث کی تفصیل، حنفی مکتب فکر کی وضاحت اور حنفی نقطۂ نظر پر بے بنیاد اعتراضات کے شافی جواب موجود ہوں کوئی نہیں تھی۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کمی کو مولانا سید احمد رضا صاحب کے فاضلانہ قلم نے پورا کر دیا اور زیر نظر تیرہویں جلد تک جو ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے وہ ہر طرح قابل قدر اور تحسین و ستائش کا مستحق ہے۔

فاضل مؤلف نے اپنی اس شرح میں ان تمام مباحث

ع؎ انوار الباری کی کئی جلدوں پر رسالہ دار العلوم میں تبصرہ شائع ہو چکا ہے اور مرتب ممدوح اس سلسلہ میں جو محنت انجام دے رہے ہیں اس کی داد و ستائش سے گریز نہیں کیا گیا۔ لیکن انوار الباری کی ہر جلد پر یہ احساس ہوتا رہا کہ مرتب ممدوح کی بڑی توجہ خلافیات اور حدیث کے فنی مباحث کی طرف ہے۔ حنفیت کی تائید میں اتنا طول کلام اور اتنے دلائل جمع کئے گئے ہیں کہ حدیث کی اصل روح یعنی اس کی دعوت اور اس کا پیغام دب کر رہ گئے ہیں۔ حدیث کا سارا ذخیرہ کوئی فلسفہ، کوئی منطق اور کوئی سائنس نہیں اس کے دو ہی مقصد ہیں ایک عقائد کو مانجھ کر سامنے لانا اور ایک امت کو دین و دنیا کی بہترین زندگی پر آمادہ کرنا،

مولانا احمد رضا صاحب کی اس عظیم الشان محنت سے حدیث کا اصل فن اور حنفیت کا مسلک تو بہت مضبوط شکل میں سامنے آتا ہے لیکن اس کی دعوت اور اس کی روح بہت ڈھونڈے سے کہیں دور جا کر ملتی ہے۔

مولانا ممدوح امت کی موجودہ ذہنی اور فکری ضرورتوں سے ناآشنا نہیں۔ ہم ان ضرورتوں کے پیش نظر مولانا سے درخواست کریں گے کہ وہ اپنی محنت کے اس طرز میں ترمیم فرمائیں اور جو مباحث ان کے سامنے ہیں ان کو ان کے اختصار پر آمادہ فرمائیں۔

(سید ازہر شاہ قیصر)

کو سمیٹ لیا جواب تک عربی شرح کی امانت اور انکی انفرادیت وامتیاز تھا۔

جیساکہ معلوم ہے کہ امام بخاریؒ کا کمال دقت نظری، نکتہ سنجی و نکتہ آفرینی ہے۔ وہ اپنے عنوانات میں حدیث کے مخفی گوشوں کی وضاحت اور الفاظ حدیث جن حقائق و مباحث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ امام ہمام کی مجتہدانہ بصیرت کی آئینہ دار اور انکی طبع رسا کا حسین مظاہرہ ہوتا ہے۔ پھر امام فقہ میں آزاد رائے کے مالک ہونے کے ساتھ فقہ حنفی سے جزوی اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ اگرچہ شہرت تو یہی ہے کہ امام عالی مقام کا قلم حنفیت کی مکمل تردید اور اس مکتب فکر کی بیخ کنی کے لئے رواں دواں ہے۔ لیکن حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ امام بخاری کا اختلاف حنفیت سے کیف و کم کے اعتبار سے جس قدر ہے اتفاق کی مقدار بھی کچھ کم نہیں۔

بہرحال فاضل مؤلف نے اردو کی تنگ دامنی کو وسعت دامنی کی دولت سے آشنا کیا۔ مشتاقان علوم حدیث ان کی علمی کاوشیں نسیم سحر کے نمناک جھونکے ہیں!

زیر نظر کتاب حافظ ابن تیمیہ کے معتقدات اور ان کے خصوصی افکار کا صحیح تجزیہ اور معتقد و مخالف آرا کے درمیان ایک معتدل جائزہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہ کی شخصیت ابتدا ہی سے مختلف فیہ رہی ہے ایک طرف غالی معتقدین کا گروہ مہیا ہے تو دوسری طرف ظالمانہ تنقید و چیرہ دستیوں کا انبار ہے۔ امام سبکی کا قلم ان کی مخالفت میں شمشیر ہے اور صاحب روح المعانی مدح و ثنا میں رطب اللسان۔

متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہؒ حافظ کی جانب سے دفاع میں پیش پیش اور انکے جلیل القدر صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ مصروف اعتراض۔ اور اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑیاں یعنی مولانا انور شاہ کشمیریؒ المرحوم حافظ کی ذکاوت، ذہانت اور نکتہ آفرینی کے معترف اور ان کے تفردات پر ناقد، دوسری طرف مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح حافظ کے افکار پر گریہ کناں

اس میں شک نہیں کہ نادرہ کار اشخاص کے یہاں کچھ تفردات ہوتے ہیں جنکی مثال صوفیاء کی شطحیات سے بہت قریب ہے۔ اہل السنت والجماعت کا معاملہ جو شطحیات کے ساتھ رہا وہی تفردات کے ساتھ بھی ہونا چاہیئے۔ مگر ایک منصف مزاج اسوقت سکوت و خاموشی پر کوئی قدرت نہیں رکھتا جب تفردات منصوصہ سے دست و گریباں ہوں یا ان تفردات کو حقیقی مطالب کی حیثیت دی جاتی ہو۔

مولف انوار الباری کا قلم اسی احساس کا آئینہ دار ہے ڈھائی سو صفحے کی اس طویل و عریض کتاب میں فاضل مولف نے مخالف و موافق اشتات کو جمع کر کے مسالک قویم و جادۂ اعتدال کی نشاندھی کی ہے اور حافظ رح کے ان تمام تفردات کو حقائق کی روشنی میں ناقابل قبول قرار دیا جو امت مرحوم کے عمومی معتقدہ سے متصادم ہیں۔

یہ جلد اپنی رنگا رنگی، تنوع، وسعت معلومات اور جامعیت کے اعتبار سے سرمۂ نظر افروز اور بادہ جاں فزا ہے۔

امید ہے کہ اہل علم اس سے خاص فائدہ اٹھائیں گے۔

(مولانا انظر شاہ کشمیری)

حکومت سعودی عرب کی

علم نوازی اور اولوالعزمی

(مولانا عبدالحق غازی پوری)

اخبار "العالم الاسلامی" حکومت سعودی عرب کا ایک کثیر الاشاعت اخبار ہے جو روزانہ دو مرتبہ شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار نے اپنے ۹ رمحرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۷۳ء کی اشاعت میں یہ اطلاع شائع کی ہے کہ شاہ فیصل نے ابھی حال ہی میں مدینہ منورہ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ (لائبریری) کا سنگ بنیاد رکھا ہے جس کا رقبہ ۲۴۲۴ میٹر مربع ہوگا۔ اور اس کے مصارف کا اندازہ ۶۶۰۰۰۰۰ ریال ہے جسمیں بڑے بڑے ہال ہونگے اور ایک ایسا عظیم دارالمطالعہ ہوگا جس میں بیکوقت ۴۰۰ افراد بیٹھکر مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اسی اخبار نے مسجد نبوی کی توسیع کی تفصیل میں لکھا ہے کہ سعودی حکومت کی توسیع سے پہلے مسجد نبوی کا رقبہ ۱۰۳۰۳ میٹر مربع تھا۔ پہلی دفعہ سعودی حکومت کیطرف سے توسیع ہوئی تو رقبہ ۱۶۶۲۶ میٹر مربع ہوگیا۔ اور اب جو توسیع ہونے والی ہے اسکی تکمیل کے بعد مسجد نبوی کا رقبہ ۴۰۰۰۰ مربع میٹر ہو جائے گا گویا اس صورت میں مسجد نبوی تین گنا ہو جائیگی۔ اور وہ رقم جو سعودی حکومت توسیع پر خرچ کریگی ۵۰ ملیون ریال ہوگی ۔ اللہ اکبر! اگر حق تعالیٰ نے سعودی عرب کو دولت کی فراوانی سے نوازا ہے تو دل بھی بہت بڑا عطا کیا ہے کہ کروڑوں ملین حرم کعبہ، حرم مدینہ، مسجد نبوی اور عظیم الشان کتب خانوں اور لائبریری کی توسیع و تعمیر پر خرچ کیجا رہی ہے۔

صفحہ ۴۸ کا بقیہ

(کوائف دارالعلوم دیوبند)

مدرسہ میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ یونانی علاج ہوا حق تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی۔

اس کے بعد مسلم پرسنل لا کی کنوینر کمیٹی کا یکم فروری ۱۹۷۳ء کو بمبئی میں جلسہ منعقد ہوا تو حضرت ممدوح دیوبند سے ۲۷ جنوری ۱۹۷۳ء کو بذریعہ کار دہلی تشریف لے گئے۔

۲۸ جنوری کو مولانا شمیم احمد صاحب فاضل دیوبند کے ترجمہ قرآن شریف کی تقریب میں پہاڑی بھوجلہ دہلی میں شرکت فرمائی اور ۴ بجے پنجاب ایکسپریس سے بمبئی تشریف لے گئے یکم فروری ۱۹۷۳ء مسلم پرسنل کی اسٹرنگ کمیٹی میں شرکت فرماکر ۲ فروری کو بھاؤنگر تشریف لے گئے ۳ ر ۴ ر کو بھاؤنگر قیام فرمایا ۵ ر کو احمد آباد ہوتے ہوئے ۱۶ ر فروری کو بذریعہ ہوائی جہاز دہلی اور دہلی سے بذریعہ کار دیوبند تشریف لائے

کوائف دارالعلوم دیوبند

مجلس عاملہ کا جلسہ

۲ر۳ر ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ کو مجلس عاملہ کا جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، مولانا زین العابدین صاحب مولانا سید محمد میاں صاحب مولانا فخر الحسن صاحب اور مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے شرکت فرمائی۔

اختبار شفاہی کے سلسلہ میں طے ہوا کہ اختبار شفاہی ضروری اور لازمی ہے۔ جو طلبہ دارالعلوم میں موجود ہیں ان کا اختبار شفاہی لیا جائے اور جو موجود نہیں ہیں اور آسکتے ہوں انکا امتحان بھی ضروری ہے اور جو طلبہ غیر ممالک کے بغیر امتحان شفاہی جا چکے ہیں ان کا مسئلہ مجلس شوریٰ میں پیش کیا جائے۔

مولوی عبدالواحد صاحب مرحوم کے ورثہ کی درخواست پر ان کی وضع شدہ نصف تنخواہ دیدی گئی جو ان کے تعطل کے زمانہ میں وضع ہوتی تھی اور مجلس نے طے کیا کہ مولوی صاحب سے جو فروگذاشتیں ہوئیں وہ کوتاہیاں ضرور تھیں مگر خیانت اور بد دیانتی نہیں تھی۔ اسی بنا پر انہیں بحال کیا گیا تھا اس لئے ان کی وضع شدہ نصف تنخواہ ....، ورثہ کو دیدی جائے۔

کمسن بچوں کے دارالعلوم میں داخلہ اور ان کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کمیٹی نے جو لائحہ عمل پیش کیا مجلس نے اُسے پسند کیا اور ان سفارشوں کی اہمیت کو تسلیم کیا اور طے کیا کہ یہ اسکیم بہت وسیع اور نظم وضبط کے ایک جامع نظام کی طالب ہے اس لئے اسے مجلس تعلیمی کے سپرد کیا گیا جو مفصل خاکہ مرتب کر کے مجلس شوریٰ میں پیش کرے گی۔

اس کے علاوہ بھی چند تعلیمی اور انتظامی تجاویز منظور ہوئیں۔

حضرت مہتمم صاحب کے اسفار:۔

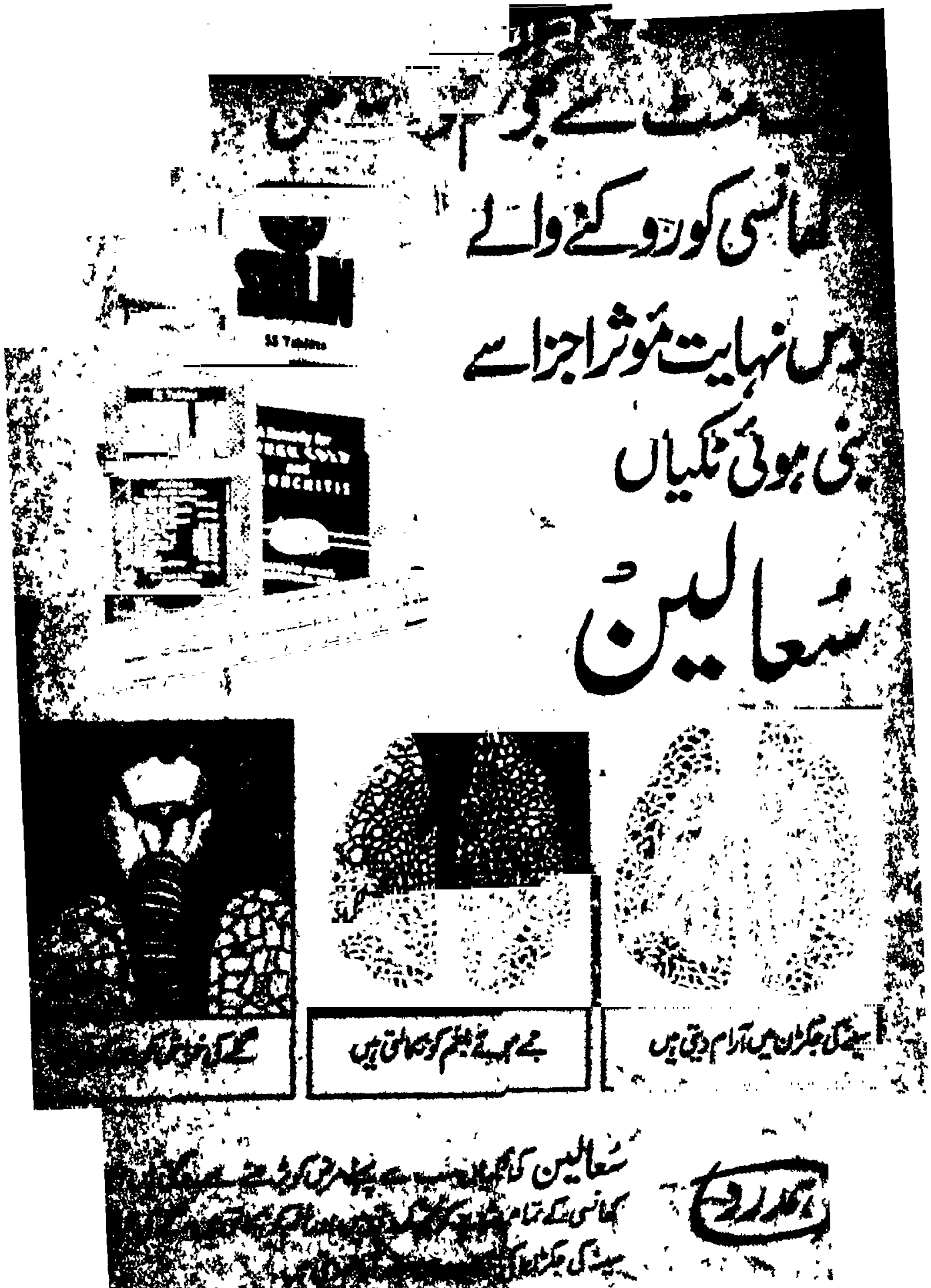
۲۷ر۲۸ر دسمبر ۱۹۷۲ء کے مسلم پرسنل لاء کنونشن سے فارغ ہو کر حضرت مہتمم صاحب کا ارادہ حج اور زیارت روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، انتظامات سب ہوگئے تھے۔ ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی آگیا تھا۔ مگر انفلوئنزا کا شدید حملہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو ہوا اور ضعف و اضمحلال اس قدر ہوا کہ احباب اور معالجین نے اس سفر کی اجازت نہیں دی اور مجبوراً ٹکٹ واپس کر کے حضرت مہتمم صاحب یکم جنوری ۱۹۷۳ء کو دیوبند تشریف لے آئے اور ایک ماہ تک صاحب فراش

(باقی صفحہ ۴۷ پر دیکھئے)

دارالعلوم

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ابن الانور سید محمد ازہر شاہ قیصر



کھانسی کو روکنے والے
دس نہایت مؤثر اجزا سے
بنی ہوئی ٹکیاں
سُعالین
جمے ہوئے بلغم کو نکالتی ہیں
سینے کی جکڑن میں آرام دیتی ہیں
ہمدرد

جلد ۴۵ | دار العلوم دیوبند کا علمی دینی اور اصلاحی | شمارہ ۲

ماہنامہ دار العلوم

مئی سنہ ۱۹۷۳ء

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ قیصر

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۷ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع وناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دار العلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے
آٹھ روپے

پاکستان سے
آٹھ روپے

ممالک غیر سے
۲۲ شلنگ

فی پرچہ
اسی پیسے 80/-

فہرست مضامین

یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپکا چندہ ختم ہوگیا ہے، ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر کو بھیجیں، وی۔ پی کا انتظار نہ کریں اسلئے کہ وی۔ پی کا خرچ زائد اور وی۔ پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے ——— پاکستانی خریدار اپنا چندہ مولانا عبد الستار صاحب۔ مقام کرم علی والہ۔ تحصیل شجاع آباد۔ ضلع ملتان روانہ کریں۔ کوپن پر انہیں لکھیں کہ یہ دار العلوم کا چندہ ہے، ڈاکخانہ کی رسید اپنے نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر رسالہ دار العلوم کو بطلاع کریں۔ واضح ہو کہ اب رسالہ دار العلوم کی کوئی رقم دفتر بینات کو نہ بھیجی جائے۔ (ناظم رسالہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

دارالعلوم دیوبند نے اس ایک سو دس سال میں علم وفن اور دین وشریعت کی جو مہتم بالشان خدمت انجام دی ہے وہ آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے، بالخصوص کتاب وسنت اور فقہ کی جیسی عظیم خدمت یہاں سے انجام پائی ہے وہ رہتی دنیا تک یاد کی جائیگی، پندرہ سولہ سو طلبا ہر سال اس کے دامن تعلیم وتربیت سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور علم وفن اور فضل وکمال سے اپنے دامن بھرتے ہیں اور یہاں سے نکل کر ملک اور بیرونِ ملک میں پھیل جاتے ہیں اور جہاں پہنچتے ہیں وہاں یہ خادم دین اور رہبر ملت کی حیثیت سے اپنا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں مسلمان ہر حیثیت سے پس ماندہ ممکن ہے کہ ہوں مگر مذہب اور علم وعمل میں کسی سے پیچھے نہیں، طوفان آئے، مصائب امنڈ امنڈ کر برسے مگر مسلمانوں کا قدم جادۂ شریعت سے ایک انچ ہٹنے کے لئے آمادہ نہیں ہوا سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمانوں نے اس جرم میں جان دینا گوارا کیا کہ وہ اسلام کے دامن سے وابستہ تھے، مگر ایسی مثال نہیں کہ انہوں نے خوف وہراس یا حرص وآز میں آکر اسلام سے روگردانی کا شائبہ بھی آنے دیا ہو۔

یہ بہت ممکن ہے کہ خواص نے لالچ میں آکر مذہب وملت سے نفاق برتا ہو۔ مگر عوام کا دامن ایسے نفاق سے یہاں ہر دور میں پاک وصاف رہا، انہوں نے اپنے دینی جذبات کو کبھی چھپانے کی سعی نہیں کی، اور نہ شعائر دین پر حملہ دیکھ کر خاموش رہے، ان میں اسلامی حمیت، ملی غیرت اور اجتماعی عظمت کا جذبہ ہر لمحہ کارفرما رہا، اور آپ یقین کریں یہ سب دارالعلوم دیوبند اور ان کے اسلاف واکابر اور خدام کی جدوجہد، ایثار وقربانی اور جوشِ عمل کا نتیجہ ہے۔

شام، عراق مصر، اور حجاز وغیرہ میں جب علوم دینیہ پر زوال آچکا تھا اور کتاب وسنت کا چرچا سرد پڑ گیا تھا۔ اُس دور میں دارالعلوم دیوبند ایشیا کا پہلا ادارہ تھا جس نے عجم اور عرب میں علوم دینیہ کا جھنڈا بلند کیا اور اس کے دم خم سے عالم اسلام میں علوم دینیہ نے حیات تازہ حاصل کی، امام رشید رضا مصری نے بجا فرمایا تھا کہ اگر علماء دیوبند علوم حدیث کی خدمت کے لئے کمربستہ نہ ہوئے ہوتے تو کوئی شبہ نہیں کہ ان علوم پر زوال آچکا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں علم حدیث کے استاذ اول خود بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ ہیں، جن کو حدیث سے شغف تھا اور جنھوں نے اپنے ابتدائی دور میں بخاری شریف کے اخیر پاروں پر قیمتی حاشیہ لکھا تھا آپ کے تلامذہ میں اللہ تعالیٰ نے قبول عام کی دولت سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو نوازا، چنانچہ آپ کو عرب وعجم میں بڑی شہرت حاصل ہوئی اور آپ کی درسگاہ سے بہت سے نامور فضلاء اور جید الاستعداد علماء پیدا ہوئے جن کے علم وعمل سے سرزمین ہند بقعہ نور بن گئی بلکہ اس کی کرنیں دوسرے ممالک تک پہونچیں، اس دور میں جو بھی یہاں سے نکلا آفتاب وماہتاب بن کر نکلا اور جنکو بلا شبہ یقین کے ساتھ محدث، مفسر، متکلم اور فقیہ کہا جا سکتا تھا، اور کہا گیا، آپکے بعد مسند حدیث پر آپکے تلمیذ رشید محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز ہوئے جنہیں دنیائے علم میں چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا تھا اور جن کی پوری زندگی حدیث نبوی کی خدمت واشاعت میں گذری۔

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا درس حدیث اور فن حدیث پر آپ کا عبور اور دسترس کوئی چھپی اور ڈھکی بات نہیں جب پڑھاتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم وعرفان کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، آپ کے درس میں جو ایک سال بھی بیٹھا پھر اسکی نگاہ میں کوئی دوسرا نہیں جچا، حضرت علامہ کشمیریؒ کے تمام شاگرد خود اپنی جگہ علم وفن کے نیر تاباں نظر آتے ہیں، مگر وہ اپنے علم کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے سامنے قطرہ سے زیادہ نہیں سمجھتے، آج جہاں دیکھئے علوم دینیہ میں ممتاز یہی حضرات نظر آئیں گے، اور کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے استاذ کا نام بہت بلند کیا اور علم حدیث کی خصوصیت سے خدمت انجام دی، بلکہ کہنا چاہئے موجودہ دور میں علم کی روشنی یہیں سے پھیل رہی ہے، اور یہی حضرات علم وفن کے روشن مینار ہیں،

ابھی حال میں محدث شہیر حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت برکاتہم نے جو فخر المحدثین راس العلماء حضرت علامہ کشمیری رح کے تلامذہ اور دار العلوم کے فرزندوں میں ہیں، مختلف قدیم حدیث کے مجموعوں کو مرتب کرکے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع فرمایا ہے، جنکے دیکھنے کو اہل علم کی آنکھیں ترستی تھیں اور جنکی اشاعت کی آپکے استاذ محترم حضرت کشمیری رح تمنا فرماتے تھے۔ اور دراصل استاذ کے دہی جملے کانوں میں پڑے ہوئے تھے۔ جس نے آپ کو اس خدمت عظیم پر آمادہ کیا اور آپ نے دوسرے کاموں سے یکسو ہوکر یہ عظیم الشان خدمت ذوق وشوق کے ساتھ انجام دی۔

مُصَنَّفْ عبد الرزاق حدیث کا ایک بہت قدیم مجموعہ تھا جو اب تک گمنامی میں پڑا ہوا تھا، اور اس کے صرف چند قلمی نسخے تھے جو دنیا کے مشہور کتب خانوں میں محفوظ تھے، استاذ محترم حضرت مولانا اعظمی مدظلہ نے اس کے متعدد نسخے فراہم کرکے دس سال اس پر مسلسل محنت کی، تحقیق وتعلیق پر پوری محنت کی، اور اسے بارہ ۱۲ جلدوں میں مرتب فرمایا، اس کام سے ایسا شغف تھا کہ اس اثناء میں مختلف ملکوں سے ہزاروں دینار کے مشاہرہ پر آپ کو طلب کیا گیا مگر آپ نے اس کے قبول کرنے سے معذرت فرمادی، اور اسوقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک وہ مجموعہ چھپ کر شائع نہیں ہوگیا۔

چنانچہ اب سنا ہے کہ مصنف عبد الرزاق گیارہ بارہ جلدوں میں چھپ کر تیار ہوگیا ہے اور اس کی ہر جلد تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں آپ کو دو مرتبہ بیروت کا سفر کرنا پڑا اور مہینوں وہاں قیام کرنا پڑا مگر آپ نے اپنی نزاکت طبع کے باوجود حدیث نبوی کے عشق میں اُسے برداشت کیا، اس کی دو ابتدائی جلدیں خاکسار کی نظر سے بھی سرسری طور پر گذری ہیں، ٹائپ اور کاغذ دونوں عمدہ ہیں، اس کی تصحیح، تعلیق اور تحقیق کے لئے حضرت والا کا نام نامی علمی دنیا میں سب سے بڑی ضمانت ہے۔

اس سے پہلے آپ کی تعلیق وتحقیق کے ساتھ حدیث نبوی کے تین چار دوسرے مجموعے بھی قبل شائع ہوچکے ہیں، سعید بن منصور (م ۲۲۷ھ) کی کتاب السنن، عبد اللہ بن المبارک (م ۱۸۱ھ) کی کتاب الزہد والرقاق، عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی (م ۲۱۹ھ) کی مسند ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی کتاب الترغیب والترہیب، اور اسطرح کی دو ایک کتابیں اور ہیں جنکا نام اس وقت ذہن میں نہیں، ان ہزاروں صفحات پر آپ نے تن تنہا جو کام کیا ہے حق یہ ہے کہ ایک ادارہ بھی شاید اس خوبی سے یہ خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا، اللہ تعالےٰ آپ کی عمر دراز فرمائے اور صحت وسلامتی کی دولت سے نوازے، انشاء اللہ ابھی بہت ساری کتابیں آپ کی محنت وکاوش کے صدقہ میں منظر عام پر اور آئیں گی۔

احمد محمد شاکر مصری مسند امام احمد بن حنبل رح اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ جس زمانہ میں چھاپ رہے تھے۔ انہوں نے اہل علم سے درخواست کی تھی کہ اس سلسلہ میں اگر کوئی بات رہ گئی ہو یا غلطی ہوئی ہو تو اس کی نشاندہی فرمائیں، خود احمد محمد شاکر کا بیان ہے کہ

۱۳۶۶ھ سے ۱۳۷۰ھ تک میں نے انتظار کیا کہ کہیں سے کوئی استدراک یا تعقیب موصول ہو، مگر مجھے مایوسی ہوئی کہ دفعتاً مجھے ایک ایسے عالم دین کی طرف سے استدراکات اور تعقیبات موصول ہوئے جن سے میری کوئی شناسائی نہ تھی مگر میں نے انکی اس تحریر سے انکے علم و فضل، تحقیق و تدقیق کی گہرائی و گیرائی کا قائل ہوا۔ اس میں انہوں نے مسند کی آٹھ جلدوں کی تعلیقات پر دقیق تعقبات و استدراکات تحریر فرمائے ہیں۔ بڑی مسرت کے ساتھ انہیں میں پندرھویں جلد کے اخیر میں چھاپ رہا ہوں، اور یہ ہیں الاخ العلامہ الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی خادم الحدیث جامعہ مفتاح العلوم (مئو۔ اعظم گڈھ)

حضرت الاستاذ مولانا اعظمی مدظلہ نے ۱۳۴۷ھ میں اپنے شہر مئو میں ایک مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ فرمائی تھی جو ایک معمولی درسگاہ کی شکل میں چلا آرہا تھا، اور خود وہاں بیٹھ کر بائیس ۲۲ سال تک مسلسل بخاری و ترمذی شریف کا درس دیا اور اس کے ساتھ دوسری اونچی کتابیں بھی پڑھائیں، پھر اس کے لئے عمارت تعمیر کرائی اور اسی وجہ سے صدارت تدریس کے ساتھ ۱۳۴۹ھ سے اس کے اہتمام کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی۔ استاذ محترم مولانا عبد اللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے برابر آپکی نیابت میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے تصنیف و تالیف اور خدمت حدیث میں انہماک اور کچھ دوسرے اسباب کیوجہ سے آپ نے ۱۳۷۱ھ سے اپنی جگہ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو بٹھا دیا تھا، مگر پھر بھی ایک سرپرست کی حیثیت سے مفتاح العلوم کی برابر دیکھ بھال فرماتے رہے، اس سال دفعتاً جب مولانا نعمانی کی وفات ہوگئی تو پھر بدرجہ مجبوری وہ ساری ذمہ داری آپ کو اٹھانی پڑی جو بحیثیت مؤسس اور سرپرست مدرسہ آپ پر عائد ہوتی تھی، چنانچہ آج کل پھر آپ نے ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ سے درس حدیث کا سلسلہ شروع فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا کرے۔

آپ کی دلی خواہش ہے کہ کوئی موزوں ترین استاذ حدیث مل جائے تو درس و تدریس اس کے سپرد کر کے پھر یکسو ہو کر علم حدیث کی دوسری فنی اور علمی خدمت میں منہمک ہو جائیں، گو تمام علماء اور تلامذہ کی دلی خواہش یہی ہے کہ آپ کم از کم بخاری شریف کا درس باقی رکھیں، تاکہ طلباء مستفید ہوتے رہیں۔

بہرحال یہ سب کچھ دار العلوم دیوبند کا ہی فیض ہے جو مختلف رنگوں میں جاری و ساری ہے، ہند و پاک میں خصوصیت سے اس کے تلامذہ بکثرت موجود ہیں۔ اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں منہمک ہیں، اور اسی طرح ان سے مختلف دوسرے امور انجام پا رہے ہیں، خود دار العلوم دیوبند میں بھی حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کی سربراہی میں بہت ساری علمی خدمتیں انجام پذیر ہو رہی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت حکیم الاسلام کو بھی علمی ذوق و شوق کی دولت سے نوازا ہے، جہاں آپ خود تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے ہیں وہیں آپ اپنے اُن خدام کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے ہیں جو علمی ذوق رکھتے ہیں۔ اور کچھ کرنا چاہتے ہیں۔

ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ دار العلوم اور اس کے فیوض و برکات کو برابر قائم رکھے بلکہ اس میں ہر پہلو سے خاطر خواہ ترقی عطا کرے۔

———— (ظفیر صدیقی)

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

کے

معمولات شب و روز

اسلامی تہذیب کے بنیادی اصول؛ آداب اور دعائیں؛ عمل اور تعلیم

پاک زندگی کیسی ہوتی ہے؛

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم

بنیادی اصول

ارشاد ربانی ہے:۔

۱ـ فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ
(سورہ بقرۃ ۲ آیت ۱۵۲)

"پس تم ... یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو" (شاہ عبدالقادر رح)

۲ـ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (سورۂ ابراہیم ۱۴ آیت ۷)

"اگر حق مانوگے تو اور دونگا اور اگر ناشکری کروگے تو میری مار سخت ہے" (شاہ صاحب رح)

۳ـ اُذکروا اللہ ذکراً کثیراً و سبحوہ بکرۃً واصیلاً
(سورۂ احزاب ۳۳ آیت ۴۱، ۴۲)

"یاد کرو اللہ کو بہت سی یاد اور پاکی بولو اس کی صبح و شام" (حضرت شاہ صاحبؒ)

۴ـ فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم (سورۂ نساء ۴ آیت ۱۰۳)

"جب نماز ادا کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور پڑے" (حضرت شاہ صاحبؒ)

۵ـ واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃ ودون الجہر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین (سورۂ الاعراف ۷ آیت ۲۰۵)

"اور یاد کر اپنے رب کو دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور زبان سے بھی آہستہ آہستہ بغیر پکارے اور ایسا نہ کرنا کہ غافلوں میں سے ہو جاؤ" (حضرت شاہ صاحبؒ)

۶ـ والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لہم
(سورۂ محمد ۴۷ آیت ۱۲)

"اور وہ جو کافر ہیں عیش کرتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان لوگوں کا ٹھکانا ہے۔" (حضرت شاہ صاحبؒ)

۷ـ واذا اردنا ان نہلک قریۃ ، امرنا مترفیہا

ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا (سورۂ اسراء آیت ۱۵)

"اور جب کسی بستی کی تباہی آنی ہوتی ہے (اس کی ترتیب یہ ہوتی ہے) اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں (نبی کے ذریعہ ان پر احکام شریعت نازل کرتے ہیں) پھر وہ بجائے اس کے کہ تعمیل کریں نافرمانی میں سرگرم ہوجاتے ہیں (فسق و فجور کرنے لگتے ہیں) بس اُن پر عذاب کی بات (بربادی کا قدرتی قانون) ثابت ہوجاتی ہے اور (پاداش عمل میں) اُن کو برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

آنحضرت[1] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ[2]

"سبقت لے گئے المفردون"

صحابہ کرام:- یا رسول اللہ "المفردون" کون؟

ارشاد ہوا "الذاکرون اللہ کثیراً و الذاکرات"

"وہ مرد و عورتیں جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں"

آیات بالا اور حدیث ان اصول کی تعلیم دے رہی ہے جن پر اسلام کی کامل و مکمل تہذیب کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور تعلیم سے رکھی ہے۔

مثبت:- ذکر اللہ، شکر، تسبیح، تکبیر، عاجزی، خوف خدا[3]

منفی:- ناشکری سے پاک ہو؛ یعنی موسیقی ڈھولوں اور ڈھنگروں کی مشابہت (جس کو احادیث میں شیطانی عمل کہا گیا ہے)؛ اور تعیش (عیش پرستانہ اور شاہانہ انداز) نہ ہو یعنی اس میں سادگی و سنجیدگی ہو اور کفایت شعاری ہو۔

ان اصول کو سامنے رکھئے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کی تعلیمات ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق بخشے۔

دلیل صداقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سامنے آئے تو یہ بھی غور فرمائیے کہ کیا ایسا شخص (معاذ اللہ) جھوٹا ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی خیال فرمائیے کہ تعلیم سے زیادہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔

ذکر اللہ

حضرت عبد اللہ بن بسر[4] رضی اللہ عنہ کی اس درخواست کے جواب میں کہ کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جس کا میں پابند رہوں ارشاد ہوا:- لایزال لسانک رطباً من ذکر اللہ

تمہاری زبان ہر وقت یاد خداوندی میں تر رہنی چاہیئے۔

علماء نے اس کی تشریح یہ بھی فرمائی ہے کہ جس وقت اور جس حالت کے لئے جو دعا احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ

---

[1] مسلم شریف ص ۳۴۳ ج ۲۔ [2] لغت کے لحاظ سے معنی ہیں الگ ہوجانے والے، یکسو ہوجانے والے۔

[3] یہ جشن جلوس باجے اور گانے جو دوسری تہذیبوں کے لوازم ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان کے مذہب کی تعلیمات بھی ہیں اسلامی تہذیب کے مزاج کے خلاف اور اسلامی تعلیمات کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ اسی لئے ان کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ انتہا یہ کہ حالات جنگ میں جہاں شوکت و حشمت کا اظہار ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بطر و ریا کی وہاں بھی اجازت نہیں ہے۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر کفار قریش بڑی شان کے ساتھ اپنی طاقت پر گھمنڈ کرتے ہوئے مکہ سے روانہ ہوئے تھے حضرت حق جل مجدہٗ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ارشاد باری ہے ولاتکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطراً و رئاء الناس (سورہ انفال[5] آیت ۴۷) ترجمہ:- اور ان جیسے نہ ہوجاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کی نظروں میں نمائش کرتے ہوئے نکلے۔ [4] مشکوٰۃ شریف۔ مسند امام احمد بن حنبل رح

اس موقعہ پر پڑھی جائے۔ مگر یہ ذکر اللہ کا ہلکا درجہ ہے۔

آیات بالا میں ہدایت ہے کہ ذکر کثرت سے کرو کھڑے بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں بھی اللہ کا ذکر کرتے رہو (آیت ۱) ذکر ہلکی آواز سے[۲] بھی ہو اور دل سے بھی ہو۔ غفلت[۳] کسی وقت نہ ہو (آیت ۵)

ان آیات کا تقاضہ صرف اُن دعاؤں کے پڑھ لینے سے پورا نہیں ہوتا جو مختلف حالات کے متعلق احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ کیونکہ آیات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی یاد زیادہ سے زیادہ ہو اور ہر حالت میں ہو۔ سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہاں بھی نرالی ہے۔ وہ تمام اوراد و وظائف جو حضرات علماء کرام اور مختلف سلسلوں کے مشائخ طریقت کی تعلیمات میں رائج ہیں ان سب کا مصدر و ماخذ وہ سینۂ مبارک ہے جو گنجینۂ اسرار و معارف تھا۔ ع

"آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"

صرف استغفار کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم گن لیا کرتے تھے کہ ایک ہی مجلس میں آپ کی زبان مبارک سے سو مرتبہ یہ کلمات صادر ہو جایا کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ"

اے رب میری مغفرت فرما، اور مجھ پر نظر عنایت فرما، بیشک تو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحمت والا ہے۔

یہ زبان مبارک کا ذکر تھا، اور قلب مبارک کی شان یہ تھی کہ وہ حالت خواب میں بھی بیدار رہتا تھا۔ اور حضرت حق کی طرف اتنا متوجہ کہ آپ کی رؤیا (خواب) بھی[۴] وحی ہوتی تھی

گہرے مراقبہ میں قلب زیادہ سے زیادہ متوجہ رہتا ہے اور اعضا بے حس و حرکت، تقریباً یہی شان ہوتی تھی جب چشم نیم باز محو خواب ہوتی تھی۔

عینای تنامان ولاینام قلبی[۵]

میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

شب و روز کے حالات و معمولات

اور ان کے آداب و دعائیں

جو حالات و معمولات ذیل میں بیان کئے جارہے ہیں اُن کے متعلق بہت سی دعائیں روایات میں وارد ہیں۔ حضرات محدثین نے ان کو ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔ ہم یہاں مختصر آداب اور صرف ایک ایک دعا پیش کر رہے ہیں۔ نمونہ اور مثال مقصود ہے، استیعاب کا نہ مقام ہے نہ مقصود۔ اللہ تعالے ان نمونوں پر ہی عمل کی توفیق بخشے یہ بھی غنیمت ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنۃ

معمولات شب و روز

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے ایک تہائی رات تک نماز عشاء سے فارغ ہو جاؤ۔ نماز عشاء کے بعد قصہ کہانی یا باتوں کے لئے مجلس جمانا درست نہیں ہے۔ عشاء سے پہلے سوجانے اور نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے کو پسند[۶] نہیں فرماتے تھے البتہ علمی مطالعہ یا مذاکرہ یا دینی اور ملی معاملہ اس سے مستثنیٰ[۷] ہے

---

[۱] حضرات مشائخ طریقت رحمہم اللہ ذکر کی مختلف صورتیں بتاتے ہیں۔ ذکر بالجہر، ذکر خفی، ذکر اخفی وغیرہ پاس انفاس مراقبہ وغیرہ ان کا ماخذ اسی طرح کی آیتیں ہیں [۲] قلب میں ذکر اللہ جاری اور مراقبہ قائم رہے [۳] بخاری شریف ص۲۵ [۴] بخاری شریف ص۱۵۱ [۵] حدیث ابی برزہ ترمذی شریف باب کراہیۃ النوم قبل العشاء والسمر بعدها [۶] اسی طرح مسافر بھی مستثنیٰ ہیں ترمذی شریف باب ما جاء فی الرخصۃ فی السمر بعد العشاء

ارشاد ہوا جب آپ سونے کا ارادہ کریں تو وضو کیجئے جیسے نماز کے لئے وضو[1] کی جاتی ہے۔ جب لیٹنے کا ارادہ کریں تو پہلے بستر کو جھاڑ لیجئے خواہ چادر یا لنگی کے پلہ ہی[2] سے جھاڑ دیں۔ لیٹنے لگیں تو یہ دعا[3] پڑھیں۔

باسمك ربي وضعت جنبي وبك
ارفعه ان امسكت نفسي فارحمها و
ان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به
عبادك الصالحين۔

تیرے ہی نام پر اے میرے پروردگار میں نے اپنی کروٹ (بستر پر) رکھی ہے اور تیرا ہی نام لیکر اس کو اٹھاؤں گا اگر تو میری جان کو روک لے (اسی حالت میں انتقال ہوجائے) تو اس پر رحم فرما۔ اور اگر میری جان کو چھوڑ دے (زندگی میں بیدار ہوجاؤں) تو اس کی اسطرح حفاظت فرما جسطرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

پھر آپ داہنی کروٹ پر لیٹیں داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیں اور یہ دعا[4] پڑھیں

اللهم اسلمت وجهي اليك وفوضت
امري اليك والجأت ظهري اليك رهبة
ورغبة اليك لا ملجأ ولا منجا منك
الا اليك آمنت بكتابك الذي انزلت
وبنبيك الذي ارسلت

اے اللہ میں نے اپنی ذات تجھے سونپ دی اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا اپنی کمر تیری پناہ میں دیدی تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے اور تیری رحمت اور تیرے لطف وکرم کی طرف رغبت کرتے ہوئے۔ نہیں کوئی پناہ اور نہ تجھ سے نجات پانے کی جگہ مگر تیری ہی طرف (تیرا ہی دامن) میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے نازل کی اور ایمان لایا میں تیرے نبی پر جس کو تو نے بھیجا۔

حضرت فاطمہ[5] رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ جب سونے کے لئے لیٹو تو سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "قل ہو اللہ احد" اور "معوذتین" بھی تین تین مرتبہ پڑھا کرتے تھے ہر مرتبہ دونوں دست مبارک پر دم کر کے دونوں ہاتھ بدن کے سامنے کے تمام حصے[6] پر پھیر لیتے تھے؛

بیداری کے وقت یہ دعا[7]

الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا
واليه النشور

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے جس نے ہمیں زندہ کیا اس کے بعد کہ ہمیں مار دیا تھا (سلا دیا تھا) اور اللہ ہی کی طرف ہے مرنے کے بعد زندہ ہو کر جانا

نیز یہ دعا[8]

اللهم رب السموات ورب الارض و
رب العرش العظيم ربنا ورب كل شيء
فالق الحب والنوى ومنزل التوراة
والانجيل والفرقان اعوذ بك من
شر كل شيء انت آخذ بناصيته
اللهم انت الاول فليس قبلك شيء
وانت الآخر فليس بعدك شيء وانت
الظاهر فليس فوقك شيء وانت الباطن
فليس دونك شيء اقض عنا الدين
واغننا من الفقر

اے اللہ اے آسمانوں کے پروردگار، زمین کے

[1] بخاری شریف صـ۹۳۳۔ [2] ایضاً صـ۹۳۵؛ [3] ایضاً صـ۱۶ [4] بخاری شریف صـ۹۳۲ [5] بخاری شریف صـ۹۳۵ [6] بخاری شریف [illegible] صـ۵۰، [7] مسلم شریف صـ۳۴۸ [8] بخاری شریف صـ۹۳۴

پیدا کرنے والے اور عرش عظیم کے مالک۔ اے ہمارے پروردگار۔ اور ہر چیز کے مالک اور پیٹھ گٹھلی دانے کو پھاڑنے والے، گٹھلی کو چیرنے والے (جس سے پودا نمودار ہو) توریت انجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے، میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جس کی تو پیشانی کے بال پکڑے ہوئے ہے (جو تیرے قبضۂ قدرت میں ہے)

اے اللہ تو ہی ہے اول پس تجھ سے پہلے کوئی نہیں۔ اور تو ہی ہے آخر، پس کوئی نہیں جو تیرے بعد ہو۔ اور تو ہی ہے ظاہر پس تیرے اوپر کوئی نہیں اور تو ہی ہے باطن پس تیرے ورے (تجھ سے زیادہ نزدیک) کوئی نہیں۔ ادا کر دے ہمارے ذمہ سے قرض، اور بے نیاز کر دے ہم کو فقر سے

تہجد کے وقت جو دعائیں پڑھا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھی

اللهم لك الحمد انت قيم السموات والارض ومن فيهن ولك الحمد انت ملك السموات والارض ومن فيهن ولك الحمد انت الحق ووعدك حق ولقاءك حق والجنة حق والنار حق والنبيون حق ومحمد حق والساعة حق اللهم لك اسلمت وبك امنت وعليك توكلت واليك انبت وبك خاصمت واليك حاكمت فاغفرلي ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم به مني لا اله الا انت انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت ولا اله غيرك ولاحول ولاقوة الا بالله

اے اللہ تیرے ہی لئے ہے سب تعریف۔ تو ہی ہے قائم رکھنے والا۔ آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو اُن میں ہیں۔ اور تیرے ہی لئے ہے تمام تعریف۔ تو ہی ہے نور (رونق) آسمانوں کی اور زمین اور ان تمام چیزوں کی جو اُن میں ہیں اور تیرے ہی لئے ہے حمد۔ تو ہی ہے بادشاہ آسمانوں کا زمین کا اور اُن سب کا جو اُن میں ہیں اور تیرے ہی لئے تعریف۔ تو ہی ہے حق، تیرا وعدہ حق تیرے سامنے حاضر ہونا حق تیرا قول حق، جنت حق دوزخ حق، تمام انبیا حق، محمد حق قیامت حق، اے اللہ میں تیرا مطیع ہوں، تجھ پر ایمان لایا تجھ پر ہی بھروسہ رکھتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع ہوتا ہوں اور تیرے لئے ہی مخاصمت کرتا ہوں۔ اور تجھ ہی کو اپنا منصف بناتا ہوں۔ پس بخش دے ان (گناہوں) کو جو میں نے آگے کئے اور جو پیچھے کئے، اور جو چھپا کر کئے اور جو علانیہ کئے اور وہ تمام گناہ جن کو میں نہیں جانتا تو ان کو مجھ سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی ہے آگے لانے والا۔ تو ہی ہے پیچھے لانے والا صرف تو ہی معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور نہیں کوئی تدبیر نہ کوئی قوت مگر تیری ہی مدد سے

نماز تہجد اور دعا

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے بچپن میں ہی شوق ہوا کہ دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کسطرح پڑھتے ہیں۔ چنانچہ رات کو خالہ میمونہ کے یہاں پہونچ گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جب رات کا نصف حصہ گذر گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ قضاء حاجت کے بعد آپ مشکیزہ پر تشریف لے گئے جو لٹکا ہوا تھا بڑے اطمینان سے پوری

طرح وضو کیا۔ اچھی طرح مسواک فرمائی۔ اسی اثناء میں آپ نے سورۂ آل عمران کا آخری رکوع پورا پڑھا پھر آپ نے اطمینان سے تہجد کی نماز پڑھی۔ میں نے بھی آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نیت باندھی آپ نے دست مبارک میرے کان پر رکھا اور مجھ کو دائیں جانب کر لیا۔

تہجد کے بعد آپ نے جو دعا مانگی اس میں یہ بھی تھا

اللھم اجعل فی قلبی	اے اللہ میرے دل میں نور
نوراً وفی بصری نوراً	بھر دے، میری بصارت میں
وفی سمعی نوراً وعن	نور بھر دے، میرے دائیں
یمینی نوراً وعن	نور کر دے، میرے بائیں نور
یساری نوراً وفوقی	کر دے، میرے اوپر نور کر دے
نوراً وتحتی نوراً و	میرے نیچے نور کر دے،
امامی نوراً وخلفی	میرے آگے نور کر دے، میرے
نوراً واجعل لی نوراً	پیچھے نور کر دے اور میرے
	لئے نور مقرر کر دے

تہجد میں قرآت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں عموماً گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے پہلے چار چار رکعت، مت پوچھو وہ کس قدر طویل اور کس قدر پرکیف ہوتی تھیں۔ پھر تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے[3]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے چار رکعتوں میں چار سورتیں ختم کیں۔ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، اور سورۂ مائدہ یا سورۂ الانعام (گویا ایک چوتھائی قرآن شریف پڑھ لیا۔[4]

---

[1] بخاری شریف ص۲۲ ج۲۵ من۳ [2] بخاری شریف ص۹۳۵

[3] بخاری شریف ص۱۵۲ [4] ابوداؤد شریف

بقیہ ص۲۰

اسلام کا قانون جنگ

البیت من استطاع الیہ سبیلا لوگوں پر حج فرض ہے جو سفر کی قدرت رکھتے ہیں۔

اس اعلان نے تمام دنیا کو حرم کے مقدس میدان میں جمع کر دیا اور آج تک جو پیغام صلح زبان تیغ سے دیا جاتا تھا وہ خود آنحضرت کی زبان مبارک سے تمام دنیا کو سنایا گیا۔

ان دماءکم واموالکم علیکم	ہر مسلمان کا جان و مال ہر مسلمان کیلئے
حرام کحرمة یومکم ھذا فی	قابل احترام ہے بعینہ جس طرح
شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الا	تم لوگ یوم الحج کو شہر حج میں اسی شہر
ان کل شئ من امر الجاھلیة	(مکہ) میں واجب الادا سمجھتے ہو جاہلیت
تحت قدمی موضوع ودماء	کی تمام رسموں کو تمہارے سامنے اپنے
الجاھلیة موضوعة واول دم	دونوں پاؤں سے کچل دیتا ہوں اور انتقام
اضعہ دماءنا دم ابن ربیعہ	خون کی رسم کو مٹانے کیلئے پہلے اپنے
	بھائی ربیعہ کے خون کو مسل دیتا ہوں

ان الفاظ میں ایک دائمی صلح کا پیغام دیکر تمام دنیا کے جان و مال کو قتل و سلب سے محفوظ کر دیا لیکن ایک تمدنی غارتگری رہ گئی تھی جس پر خدا نے اعلان جنگ کی دھمکی دی تھی۔ اسکی نسبت فرمایا:۔

وربا الجاھلیة موضوع واول	اور زمانہ جاہلیت کی سودخواری آج بالکل
ربا اضع ربانا ربا عباس بن	مٹا دی جاتی ہے اور پہلے جس سود کو میں
عبدالمطلب فانہ موضوع کلہ	مٹاتا ہوں وہ خود میرے چچا عباس ابن
	عبدالمطلب کا سود ہے۔

تمام دنیا نے اس پیغام صلح کو سنا اور توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ اس بشارت عظیمہ کی تصدیق کی جو خدا نے تمام دنیا کو وحی کے ذریعہ سے دی تھی۔

وما ارسلناک
الا رحمة للعالمین

مسافرِ حجاز کا مکتوب

سفرِ حجاز کے میرے تاثرات و مشاہدات

(سلسلے کے لئے دیکھئے دار العلوم جنوری ۱۹۶۳ء) قسط ۲

(الحاج سید محبوب صاحب رضوی)

محترم شاہ صاحب! آپ کا اصرار ہے
کہ میں سفرِ حجاز کے اپنے مشاہدات و تاثرات
بیان کروں ____
کیا کہا سفرِ حجاز ____؟ بھئی! یہ تو ایک
خواب تھا ____ طویل خواب ____
میں تو اب بے چینی سے اس خواب کی تعبیر کا
منتظر ہوں ____!
لیکن اگر آپ خواب ہی سننا چاہتے
ہیں تو سُنئے!

شنبہ، ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کی صبح بڑی جاں نواز صبح تھی، فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی جہاز میں ہر طرف غیر معمولی جوش و خروش کا عالم اور چہل پہل نظر آنے لگی، چہرے فرطِ مسرت سے کھِل اُٹھے، شور مچ گیا کہ جدہ کا ساحل نظر آرہا ہے، تمام عازمینِ حج سرخوشی کے عالم میں جہاز کے عرشے پر چڑھ گئے۔ میں نے اوپر جا کر دیکھا تو دُور سے بندرگاہ جدہ کی روشنیاں نظر آرہی تھیں، زائرِ حرم حمید صدیقی کے الفاظ میں

؎ نسیمِ سحر نے یہ کیا گل کھلایا
اٹھے جا رہے ہیں حجابات سارے

.... اس وقت نسیمِ صبح اپنی پوری رعنائی کے ساتھ اٹھکھیلیاں کر رہی تھی، اپنی غرقِ معصیت زندگی اور کم مائیگی کے احساس سے بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہوگیا:

کہاں میں، اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی!

ایم' وی' اکبر شنبہ کے دن ۱۱ر نومبر کی شام کو بمبئی سے روانہ ہوا تھا، اور شنبہ ہی کے دن ۱۸ر نومبر کو علی الصباح جدہ پہنچ گیا، آفتاب ابھی افقِ مشرق سے کسی قدر بلند ہوا ہی تھا کہ جہاز گودی میں داخل ہوگیا۔ بمبئی اور جدہ کی درمیانی مسافت ۲۳۰۰ بحری میل ہے۔ بحری میل بری میل سے بقدر ۸۰۰ فٹ زیادہ ہوتا ہے اس لئے خشکی کے حساب سے اس فاصلے کو 2550 میل کے قریب سمجھنا چاہئے۔

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ جہاز کی نسبت چند ضروری باتیں بتا دی جائیں۔

ایم وی اکبر مغل لائن کے جہازوں میں سب سے بڑا جہاز ہے۔ اُسے سال گزشتہ مغل لائن نے آٹھ کروڑ روپیہ میں ڈنمارک سے خریدا ہے، اس کا وزن ساڑھے چار ہزار ٹن ہے۔ اکبر کی لمبائی ۴۹۰ فٹ اور چوڑائی ۶۰ فٹ ہے یہ ۹۰ فٹ اونچا ہے، ۲۰ فٹ تک نیچے کا حصہ زیر آب رہتا ہے اور ۷۰ فٹ سطح سمندر کے اوپر، اس میں مسافروں کے لئے ۵۷۵ اسیٹیں ہیں ان میں فرسٹ کلاس کی ۸۰ سیٹیں بھی شامل ہیں۔ ہندوستان کے جہازوں میں صرف یہی ایک ایسا جہاز ہے جس میں ڈیک کلاس کے علاوہ اسپیشل ڈیک کے کیبن بنائے گئے ہیں۔ عام طور پر ۱۲ سیٹوں کا ایک کیبن ہوتا ہے اس کی سیٹیں ڈیک سے زیادہ آرام دہ ہیں، اکبر کی رفتار ۱۶ بحری میل سے ۱۸ بحری میل تک فی گھنٹہ ہے۔ اوپر بتا چکا ہوں کہ بحری میل، بڑی میل سے کسی قدر زیادہ ہوتا ہے

۹ بجے کے قریب جہاز پر سیڑھی لگائی گئی، بحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ کے جواب میں پوری فضا لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ سے گونج اٹھی اس وقت ہر شخص پر وفورِ جذبات کا جو عالم طاری تھا زبان و قلم اس کے اظہار و بیان سے قاصر ہیں،

حجاز کی سرزمین مقدس نظروں کے سامنے تھی اور اب برسہا برس کی تمناؤں اور آرزوؤں کے پورا ہونے کا بڑی حد تک یقین ہوگیا تھا، اس وقت کی سرخوشی اور دل کی بیتابیوں کا عالم نہ پوچھئے

تحیر کا عالم ہے، کھویا ہوا ہوں
کھنچا جا رہا ہوں، چلا جا رہا ہوں

سینے میں جذبات کے بے پناہ تلاطم اور لڑکھڑاتے ہوئے پیروں سے ارض مقدس پر گستاخانہ قدم رکھا گستاخانہ اس لئے کہ اس پاک سرزمین پر تو سر کے بل چلنا چاہئے تھا، اس لئے:

قدم ڈگمگائے ہوئے پڑ رہے ہیں
میں افتاں و خیزاں چلا جا رہا ہوں
کہاں جا رہا ہوں؟
اک جذب و محویت میں چلا جا رہا ہوں
مجھ سے نشان جادۂ منزل نہ پوچھئے!

دو ڈھائی گھنٹوں میں پاسپورٹ کی چیکنگ اور کسٹم وغیرہ کے مراحل طے ہو گئے، اور سرکاری بس نے مدینۃ الحجاج میں پہنچا دیا، جدہ میں بندرگاہ کے قریب سعودی حکومت نے حجاج کے قیام کے لئے ایک بڑا مسافرخانہ بنوایا ہے جس میں کئی ہزار افراد قیام کر سکتے ہیں، مدینۃ الحجاج میں شفاخانہ، ڈاک خانہ، بینک اور سفارت خانوں کے دفاتر موجود ہیں، مکہ مکرمہ کے معلمین کے وکلاء کے دفاتر بھی اسی میں واقع ہیں۔ یہاں ایک اچھا خاصا بازار بھی ہے، جس میں ہر قسم کی چیزیں بکتی ہیں، چائے اور کھانے کے کئی ہوٹل بھی ہیں۔ جدہ کے ہوٹلوں میں یہ بات دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ لوگ الماریوں سے روٹیاں اور بسکٹ وغیرہ خود ہی نکال رہے تھے اور ہوٹل کے منتظم کو لی ہوئی چیز کی مقدار بتا کر مطلوبہ قیمت ادا کر رہے تھے، مجھے پان لینے تھے، منتظم نے بتلایا کہ ایک ریال کے ۶ پان ملتے ہیں، جتنی ضرورت ہو ٹوکری میں سے نکال لیجئے۔ چنانچہ میں نے خود ہی ٹوکری میں سے ۶ پان نکال کر ایک ریال دے دیا، منتظم نے یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ کیا میں نے اتنے ہی پان لئے ہیں جن کی میں قیمت ادا کر رہا ہوں۔ مجھے یہ بات بڑی حیرت انگیز معلوم ہوئی مگر بعد میں پتہ چلا کہ یہاں کا یہی طریقہ ہے، دکاندار گاہک پر مکمل طور سے اعتماد کرتا ہے اور خود کبھی اس کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ خریدار کی بتلائی ہوئی مقدار کو چیک کر کے دیکھ لے۔

۱۹ر نومبر کو جدہ سے بذریعہ بس روانگی ہوئی۔ شُمَیْسِیَہ میں ظہر
کی نماز پڑھی گئی یہ وہی مقام ہے جو تاریخ میں حُدَیْبِیَہ کے نام
سے موسوم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین
یہیں وہ مشہور معاہدہ ہوا تھا جو صلح حدیبیہ کا معاہدہ کہلاتا ہے
بعد ظہر بس نے مکہ مکرمہ میں پہونچا دیا، معلم عبدالرزاق محبوب
الصدیقی کے بڑے صاحبزادے احمد عبدالرزاق کے ہمراہ
باب السلام کے راستے سے مسجد الحرام میں حاضری ہوئی۔ سفر حج
سے پہلے حج اور عمرے کے مسائل اور دعائیں خوب یاد کرلی تھیں
مگر جب خانۂ کعبہ پر نظر پڑی تو نہ کوئی مسئلہ یاد رہا اور نہ کوئی دعا،
کچھ عجیب بے خودی اور سرخوشی کا عالم تھا اسی عالم بے خودی
میں خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور سعی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس
وقت معلم کی رہنمائی نہ ہو تو آدمی اپنے طور پر نہ طواف کر سکتا
ہے اور نہ سعی ممکن ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ ہر شخص پر پہلی
بار یہی کیفیت طاری ہوتی ہے

جہاں تک مسجد الحرام کی عظمت و تقدیس کا تعلق ہے
اس کے ادراک کے لئے تو مرد مومن کی نگاہ چاہیئے۔ مجھ سے
نالائق اور سراپا غرقِ معصیت کے فکر و نظر کی رسائی وہاں تک
بہت مشکل ہے مگر اس جلال و جمال اور عظمت و تقدیس کے
ساتھ ساتھ مسجد الحرام کی عمارت کا حُسن اور شکوہ بھی اس درجہ
کا ہے کہ انسان مبہوت و متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اپنی
عمر میں بڑی بڑی شان و شوکت والی عمارتیں دیکھنے کا اتفاق
ہوا ہے، مگر یہ عمارت اپنی عظمت و جلالت اور شان و شکوہ
میں اپنی نظیر آپ ہی ہے، حیرت فزا مقامات کی دل فریبیاں
نظروں نے بارہا دیکھی ہیں، جاہ و جلال کے مناظر بھی اکثر نظروں
سے گزرے ہیں بڑی بڑی مسجدوں اور مختلف مذاہب کی عظیم
عبادت گاہوں کے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہے لیکن اُس
مقام پر آنکھوں نے جو دیکھا وہ اُن سب سے بالاتر، عجیب تر
اور حیرت انگیز تھا ؎

دنیا کا ہر اک قصر فروتر ہے فروتر ٭ اونچا جو فلک سے ہے وہ ایوانِ حرم ہے

اس وقت تحیر اور تاثر کی جو کیفیت تھی وہ صرف دیکھنے سے تعلق
رکھتی ہے زبانِ قلم اس کی صحیح مصوری سے عاجز ہے۔

مسجد الحرام میں جو سنگ مرمر لگا ہوا ہے ایسا سنگ مرمر
اس سے پہلے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ سنگ مرمر کی سفید
زمین میں سیاہ اور کتھئی رنگ کی قدرتی دھاریوں نے سنگ
مرمر کے حُسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ اس حسین و خوشنما منظر کے
بیان کے لئے کسی سحر طراز قلم کی ضرورت ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ یہ
تمام سنگ مرمر خود حجاز ہی کے پہاڑوں سے برآمد ہوتا ہے
جدہ کے پہاڑوں میں بڑی مقدار میں یہ حسین پتھر پایا جاتا
ہے، جدہ میں بڑی بڑی مشینیں پتھر نکالنے اور اس پر پالش
کرنے کے لئے لگی ہوئی ہیں، وہیں سیمنٹ بھی تیار ہوتا ہے
غرضکہ تمام تعمیری میٹریل خود مملکت سعودیہ کا اپنا تیار کیا ہوا ہے

حرمین شریفین کی تعمیر نو سعودی حکومت کا ایک ایسا
عظیم الشان کارنامہ ہے جو حرمین کی تاریخ کا ہمیشہ زریں باب
رہے گا، خانۂ کعبہ کی زیارت سے جہاں ایک مومن کا سرِ نیاز
بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوتا ہے۔ وہیں مسجد الحرام کی
عظیم الشان تین منزلہ عمارت اور اس کے حسین و پُرشکوہ نقشے
کو دیکھ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

یہ تو آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ شمع جب روشن ہوتی ہے
تو پروانے قطار در قطار کس اشتیاق اور بے تابی کے ساتھ اس
پر نثار ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں، مگر بلا
تشبیہ خانۂ کعبہ وہ شمع ہے کہ دن رات کا کوئی بھی لمحہ ایسا
نہیں ہوتا جس میں اس شمع کے پروانے جوق در جوق اس پر
نثار نہ ہو رہے ہوں، دن ہو یا رات، گرمی ہو یا سردی چلچلاتی
دھوپ میں بادِ سموم کے تھپیڑے ہوں یا باد و باراں کی شدت
آپ مطاف کو کبھی پروانوں سے خالی نہ پائیں گے! لوگوں نے
اس آرزو میں اپنی عمریں گذار دیں کہ تنہائی میں ان کو طواف کرنے
کی سعادت میسر آجائے، مگر ہرگز ممکن نہ ہو سکا، میرے سامنے

ایک مرتبہ بڑی تیز بارش ہوئی مگر اس کے باوجود مطاف طائفین سے بھرپور تھا، طواف کرنے والوں کے کپڑوں سے پانی بہ رہا تھا مگر وہاں کس کو اس بات کا ہوش تھا، بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ لوگ مصروفِ طواف تھے۔

بیت اللہ کے وسیع اور کشادہ صحن کے اطراف میں بیرونی جانب، وسیع دالان بنے ہوئے ہیں اُن کی تعمیر کا شرف ترکی کے سلطان سلیمان خاں کو حاصل ہے، یہ عمارت ۹۸۴ھ میں تعمیر ہوئی ہے۔ بیت اللہ کی مغربی جانب میزابِ رحمت کے سامنے دالان کی پیشانی پر سلطان سلیمان خان کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے یہ دالان تین درجوں کے ہیں، زرد رنگ کے خوبصورت پتھروں سے ان کی تعمیر ہوئی ہے، چار چار ستونوں پر گنبد بنا ہوا ہے ہر ستون ایک ہی پتھر کا ہے ان میں دو ستون سنگِ لطیف کے ہیں

ترکی دالانوں کی پشت پر سعودی حکومت نے جدید دالان بنائے ہیں۔ ان کے گیارہ دروازے ہیں یہ عمارت اپنی بلندی، رفعت وشان اور وسعت کے لحاظ سے ترکی عمارت پر فوقیت رکھتی ہے۔ سعودی عمارت تین منزل کی ہے، پہلی منزل زیرِ زمین ہے اور دو منزلیں بالائے زمین ہیں جدید تعمیر میں مسجد الحرام کا رقبہ پہلے سے پانچ گنا زیادہ ہوگیا ہے۔ اب اس کا موجودہ رقبہ ۴۰ ایکڑ ہے،

مسجد الحرام سے بالکل ملی ہوئی مسعیٰ کی عمارت بھی (وہ جگہ جہاں سعی کی جاتی ہے) نہایت عظیم الشان اور پُرشکوہ ہے، اس عمارت کا طول تقریباً دو فرلانگ ہے، صفا سے لیکر مروہ تک پوری عمارت میں سنگِ مرمر کا فرش ہے، آمد و رفت کے دو الگ الگ راستے بنائے گئے ہیں۔

حرم میں صفائی کا بڑا عمدہ انتظام ہے، ہر نماز کے بعد خدام صفائی میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ کیا مجال کہ کہیں تنکا یا گرد وغبار نظر آجائے، صفائی کا انتظام مکہ مکرمہ کی سڑکوں پر بھی بہت اچھا ہے، جگہ جگہ سڑکوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے لوہے کے بکس رکھے ہوئے ہیں جن پر ایک طرف "النظافة العامہ" اور دوسری جانب "امانت العاصمہ" لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو ایسے بورڈ بھی نظر آئیں گے جن پر لکھا ہوتا ہے "النظافة وحسن الخلق من الایمان" ٹرافک کا بھی بڑا معقول انتظام ہے، سڑکیں بڑی عمدہ اور کشادہ ہیں، کاروں اور بسوں کی انتہائی کثرت کے باوجود حادثات بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ حالانکہ بسوں کی عام رفتار ایک سو کلومیٹر اور کاروں کی ڈیڑھ سو کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

دوکانداروں میں بڑی امانت و دیانت پائی جاتی ہے جھکتا تولتے اور بڑھتی ناپتے ہیں۔ اگر دوکان دار کے بجائے آپ خود تولنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو دوکان دار نہایت خندہ پیشانی سے آپکا "شکراً" کے لفظ سے شکریہ ادا کریگا اس کے ساتھ دوکانداروں میں انتہائی استغنا بھی ہے وہ چیزوں میں ملاوٹ اور خرید و فروخت میں سودے بازی کو قطعاً پسند نہیں کرتے۔ اگر آپ دوکاندار کی بتائی ہوئی قیمت میں کمی کرانا چاہیں گے تو وہ پہلے "الشروکیل" کہہ کر قیمت کی حساب سے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گا، اگر اس کے بعد بھی آپ کا اصرار جاری رہا تو وہ "خلاص" کہہ کر آپ کو دوکان سے رخصت ہوجانے کا بلا تکلف اشارہ کردے گا۔ مکہ مکرمہ کے بازاروں میں دنیا کی ہر قیمتی سے قیمتی چیز ملتی ہے، بازاروں میں عجیب تر بات یہ دیکھنے میں آئی کہ رات میں بہت کم دکانوں میں قفل لگائے جاتے ہیں ورنہ بالعموم دوکان کے سامنے کپڑے کا پردہ کھینچ دیا جاتا ہے بعض سے باہر بھی بہت سی چیزیں رہ جاتی ہیں جس میں قیمتی اشیاء بھی ہوتی ہیں مگر کیا مجال کہ چوری ہوجائے۔ پورے سعودی عرب میں چوری وغیرہ کے جرائم مفقود ہیں غالباً دنیا میں سعودی عرب ہی وہ ملک ہے جس کے جیل خانوں میں آبادی کے بجائے خاک اڑتی ہے، ورنہ آج دنیا کے بڑے بڑے ترقی یافتہ

ملکوں کے جیل خانے آباد اور بھرے ہوئے نظر آئیں گے نماز کے اوقات میں دوکانیں بند ہوجاتی ہیں۔

اہلِ حجاز میں ایمان باللہ اور اعتماد علی اللہ کا وصف نمایاں ہے کہ دیکھنے والے کو پہلی ہی نظر میں محسوس ہوجاتا ہے، کہاں شرک و بدعت کا کہیں دُور دُور تک نام ونشان نہیں ملتا، فحش اور بے حیائی کا کوئی منظر میری آنکھ سے نہیں گزرا، سعودی عرب میں پردے کا بڑا اہتمام ہے، حتیٰ کہ نوجوان لڑکیاں بھی جو مدارس میں تعلیم پاتی ہیں پورے ستر و حجاب کے ساتھ گھر سے نکلتی ہیں،

مردوں اور عورتوں کا عام لباس لمبا کُرتہ اور پاجامہ ہے، کرتہ ٹخنوں تک ہوتا ہے، جسے عربوں کی موجودہ زبان میں "ثوب" کہتے ہیں، مردِ عام طور پر صاف ستھرا سفید لباس استعمال کرتے ہیں اُن کے سروں پر سفید رومال بڑا دل کش معلوم ہوتا ہے۔

حرمین شریفین میں گھروں میں روٹی پکانے کا رواج نہیں ہے، گھر میں صرف سالن پکتا ہے روٹی بازار سے آتی ہے، روٹیوں کی بہت سی قسمیں ہیں جو چار قرش سے لے کر دو ریال تک کی ہوتی ہے سب سے سستی روٹی جو چار قرش (⅕ ریال کی ہوتی ہے تمیز کہلاتی ہے، متوسط خوراک والے کے لئے ایک تمیز کافی ہے۔

سعودی عرب میں تعلیم کا رواج دن بدن ترقی پذیر ہے، جدہ میں "جامعہ ملک عبدالعزیز" ایک بڑی یونیورسٹی ہے جس میں اعلیٰ عصری علوم کی تعلیم کا بڑے پیمانہ پر انتظام ہے چونکہ جامعہ میں لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں اور وہاں پردے کا خاص اہتمام ہے اس لئے جامعہ میں تعلیم ٹیلی ویژن پر ہوتی ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کی کلاسیں الگ الگ ہیں دونوں کے درقت کے راستے بھی جُداگانہ ہیں۔

سعودی عرب کی نئی نسل شاہ فیصل کی مدبرانہ دت میں اپنی تعمیرِ نو کی جدوجہد میں مصروف ہے، اقبال نے کہا تھا:۔

نکل کے صحرا سے جس نے رُوما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

دیکھنے والی آنکھ کو صاف نظر آرہا ہے کہ اقبال کے اس خواب کی تعبیر سعودی عرب کی نئی نسل کے ہاتھوں انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی بر آمد ہونے والی ہے، اور یہ قوم بہت جلد اپنے کھوئے ہوئے تاریخی مقام کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گی وما ذٰلک علی اللہ بعزیز!"

نہیں ہے نااُمید اقبال اپنی کِشتِ ویراں سے
اگر نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

شاہ فیصل سعودی عرب کے مقبول ترین اور ہر دل عزیز فرماں روا ہیں۔ وہ ہمہ وقت اسلام اور اپنے ملک کی ترقی کی جدوجہد میں کوشاں ہیں۔ وہ ایک ایسے بیدار مغز حکمراں ہیں جس نے اپنی شاہیت کو اٹھا کر طاق میں رکھ دیا ہے وہ ایک فعال اور متحرک انسان ہیں لوگ ان سے بہت آسانی سے مل سکتے ہیں، ان کا حکم ہے کہ ان کو "جلالۃ الملک" کے بجائے صرف "یا فیصل" کہہ کر مخاطب کیا جائے، شاہ فیصل کے دور حکومت میں سعودی عرب نے غیر معمولی ترقی کی ہے، سعودی ریال اس وقت دنیا کی مضبوط ترین کرنسیوں میں سے ہے

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

اس سال حجاج کرام کی تعداد ایک عام اندازے کے مطابق ۲۵ر لاکھ سے زائد تھی، جہاں تک نظر جاتی تھی انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا؛ ان میں براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ و امریکہ کے ۸۰ ملکوں سے آئے ہوئے حجاج کرام جمع تھے، یہاں امیر و غریب شاہ و گدا، کالے اور گورے سب ایک ہی لباس (احرام) میں ملبوس نظر آتے تھے، نوع انسانی کے ہر رنگ و نسل کے لوگوں کا یہ بین الاقوامی عظیم اجتماع اخوت و مساوات کے

لحاظ سے آپ ہی اپنی مثال تھا انسانوں کے اس عظیم اجتماع کو دیکھ کر میرے ذہن میں ساڑھے چار ہزار سال پہلے کا وہ سماں پھر گیا جب مکہ مکرمہ کا یہ شہر جو آج لاکھوں کی آبادی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے ایک لق و دق ہُو کا چٹیل میدان تھا، روئیدگی تو بعد کی چیز ہے وہاں دُور دُور تک بھی پانی کا نام و نشان نہ تھا وہ پانی جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اسی بے آب و گیاہ وادی میں نسل انسانی کے جلیل القدر پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے شیر خوار فرزند اور اس کی والدۂ ماجدہ کو لا کر بسایا تھا، ایک ایسی سرزمین کو جہاں انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتیں تک قطعاً موجود نہ تھیں اپنے لخت جگر کو بسانے کے لئے کیوں منتخب کیا گیا؟

قرآن حکیم میں یہ واقعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے یوں بیان کیا گیا ہے :۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ	پروردگار! میں نے اپنی ایک
ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي	اولاد کو اس بے آب و گیاہ
زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ	وادی میں تیرے محترم گھر کے
رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ	پاس لا کر بسایا ہے۔
فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ	پروردگار! میں نے یہ اس لئے
النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ	کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم
وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ	کریں، پس تو لوگوں کے دلوں
لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ	کو ان کی طرف پھیر دے اور ان
(سورۂ ابراہیم آیت ۳۷)	کو کھانے کے لئے پھل دے شاید یہ شکر گزار بنیں۔

اسی دعائے ابراہیمی کا نتیجہ ہے کہ دنیا جہاں کے لاکھوں افراد جوق در جوق ہر سال دنیا کے مختلف گوشوں سے کھنچ کھنچ کر وہاں پہنچتے ہیں باوجودیکہ مکہ مکرمہ کی سرزمین پیداوار سے عاری ہے، مگر وہاں تمام اشیائے خورد و نوش بکثرت و بافراط ملتی ہیں اور یہ بے آب و گیاہ سنگلاخ وادی جہاں دُور دُور تک انسانی آبادی کا نام و نشان نہ تھا، اس طرح آباد ہو گئی کہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کے سالانہ اجتماع کا عالمی مرکز بن گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسا دل کش اور معمور مقام بنا دیا کہ انسانی گروہوں کے دل بے اختیار اس کی طرف کھینچنے لگے اور زمین کی ساری پیداواریں جو کسی سرسبز و شاداب ملک میں مل سکتی ہیں وہ اس بنجر زمین میں بافراط مہیا ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سارے عالم کی دل کشی اور دل آویزی یہاں سمٹ کر آ گئی ہے آج وہاں نہ پانی کی کمی ہے، اور نہ غذائی مشکلات کی پریشانی، تازہ بتازہ پھل اور سبزیوں کے ڈھیر مکہ مکرمہ میں ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہرا دھنیہ، پودینہ، ہری مرچیں اور پالک وغیرہ سبزیاں ایسی سرسبز و شاداب کہ گویا ابھی ابھی اُن کو کھیتوں سے لایا گیا ہے۔

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

سید محبوب رضوی
۲۷ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ

(بقیہ پھر کبھی ...)

بقیہ ص ۲۹
(اسلام میں رفاہ عام اور خدمت خلق)

انکی زندگی بچانے کیلئے یہ مردہ مرغی اٹھا کر لائی ہوں۔

شیخ نے اپنی بغل میں سے حج کا تمام سرمایہ نکال کر بڑھیا کے سپرد کر دیا اور اپنے ساتھیوں کے قافلہ سے علیحدہ ہو کر گھر چلے آئے شیخ کے قافلہ والے جب حج کر کے لوٹے تو شیخ سے ملنے آئے اور انہیں قبولیت حج کی مبارکباد پیش کی خدا آپ کا حج قبول کرے آپکا حج مبارک ہو شیخ حیران ہوئے کہ یہ لوگ مجھے مبارکباد کیوں دے رہے ہیں میں تو لغیر حج کے واپس آ گیا تھا۔ اسی حیرانی کے عالم میں شیخ سو گئے، ہاتف غیبی نے آواز دی کہ ابن عربی تم تعجب کیوں کرتے ہیں ہم نے تمہاری شکل و صورت کے دس ہزار فرشتے حرم میں بھیج دیئے تھے تاکہ وہ تمہاری طرف سے حج کریں کیونکہ تم نے ایک بیوہ شریف زادی کو فاقہ کی مصیبت سے نجات دلائی تھی ۔=

اسلام کا قانون جنگ

قسط نمبر (۲)

از مولانا ابوالکلام آزاد

نصد جنگ

دنیا کی تمام خونریز لڑائیوں کا مقصد جیسا کہ اوپر گذر چکا
، صرف بغض و انتقام کے تعفن کام جذبات خبیثہ کی پیاس
ازا تھا، انسان فرط غیظ و غضب میں اگرچہ جنگ کو ایک
یم الشان مقصد خیال کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ
ں چیز کو غضب انسانی مقصد عظیم خیال کرتی ہے، مدنیت
ذیب اس کو کوئی مقصد ہی نہیں قرار دیتی ڈاکہ اور ہزنی
ں متمدن انسان کا مقصد نہیں ہو سکتا، ظلم و تعدی انسانیت
رض نہیں ہو سکتی، بغض و انتقام کے بعد انسان کے ہاتھ
انسانیت کے لئے رد کیا جاتا ہے؟ اگر تمدن سچا اور
ستگی واقعی شائستگی ہے تو وہ قومی و جنسی بغض و انتقام کے
نہ کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی زبانوں میں جنگ کے لئے جتنے
ظ رائج ہیں وہ سب اس کے خوفناک بیان ہیں لیکن اسلام
جنگ کو "جہاد" کی وسیع اصطلاح کے ماتحت لاکر اس
مقصد اور حقیقت کو اس کے نام ہی سے واضح کر دیا۔
یہی اعلیٰ مقصد ہے جس کے لئے اسلام نے ہر موقع پر جدو
، کوشش و سعی اور دوڑ دھوپ کی ترغیب دی ہے۔

لا یستوی القاعدون	مسلمانوں میں جو لوگ معذور
من المومنین غیر اولی الضرر	نہ تھے باایں ہمہ گھر میں بیٹھے
والمجاھدون فی سبیل اللہ	رہے وہ ان لوگوں کا مرتبہ
باموالھم وانفسھم فضل	نہیں پا سکتے جنھوں نے اپنے
اللہ المجاھدین باموالھم	اموال اور اپنی جانوں سے
وانفسھم علی القاعدین	اللہ کی راہ میں جہاد کیا ایسے
درجۃ وکلا وعد اللہ	مجاہدین کو گھر میں بیٹھ رہنے والے
الحسنیٰ وفضل اللہ المجاھدین	مسلمانوں پر ایک خاص درجہ
علی القاعدین اجراً عظیما	تک بزرگی دی اگرچہ دونوں
	کے لئے خدا نے بہتری کا وعدہ
	کیا مگر مجاہدین کے لئے بمقابلہ غیر
	مجاہدین کے اجر عظیم ہے۔

وہ اعلیٰ مقصد کیا تھا؟

سوال یہ ہے کہ جہاد کا اعلیٰ مقصد کیا ہے؟ قرآن مجید نے اس کا جواب نہایت مختصر اور سادہ الفاظ میں دیا ہے۔

حتی لا یکون فتنۃ و	دنیا میں فتنہ و ظلم و فساد باقی نہ
یکون الدین کلہ للہ ھو	رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے
الذی ارسل رسولہ	وہ خدا جس نے اپنے رسول کو

بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہٗ علی الدین کلہ

نوع بشری کی ہدایت اور دین حق کی دعوت کے لئے بھیجا تاکہ اس کی سچائی کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کردے۔

ان ہی سادہ اور مختصر الفاظ نے عرب کی تاریخ جنگ کا ڈھانچہ بدل دیا۔

ایک صحابی نے آپؐ سے دریافت کیا:

"آدمی کبھی لوٹ مار کے لئے لڑتا ہے۔ کبھی شہرت کے لئے اور کبھی میدان میں اپنی شجاعت کے اظہار کے لئے۔ لیکن حضور فرمائیں کہ ان میں سے کون شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے؟

آنحضرتؐ نے اس سائل کو جواب دیا۔

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ

جس شخص نے اس نیت سے لڑائی کی کہ خدا کا بول بالا ہو اور اس کی سچائی قائم کی جائے تو صرف اسی کا قتال خدا کی راہ میں ہے۔

حقیقت اگر حقیقت ہے تو پردے میں نہیں رہ سکتی حضرت داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد اسلامی کی اس حقیقت کا اظہار کیا تو خدا نے عملی نمونہ قائم کر کے ان کے اشتباہ کو زائل کردیا۔

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت بے جگری کے ساتھ لڑا، یہاں تک کہ میدان جنگ سے پلٹ کر تمام صحابہ نے اس کی شجاعت کی داد دی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ جہنمی ہے"

ایک صحابی کو اس پر سخت تعجب ہوا۔ انھوں نے اس کے تمام زمانۂ جنگ کی دیکھ بھال شروع کردی حسن اتفاق سے وہ ایک موقعہ پر سخت زخمی ہوا اور زخم کی تکلیف کی وجہ سے بیتاب ہوکر خودکشی کرلی جو حرام ہے کیونکہ اسلام کی نظر میں اپنے تئیں زندہ رکھنا انسان کا اولیں فرض دینی ہے وہ صحابی دوڑے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی! بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں" آپ نے فرمایا تم صرف ظاہری حال دیکھ کر متاثر ہوگئے مگر خدا تو نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اس شخص نے بڑی شجاعت سے لڑائی میں حصہ لیا لیکن چونکہ خلوص وصداقت کے ثبات سے محروم تھا اس لئے حرام موت مرکر اپنی تمام محنت ضائع کردی اور اسی لئے میں نے اسے جہنمی کہا۔

اسلام کی دعوت اولیٰ کا مقصد مخلصین کی ایک پاکباز جماعت پیدا کرنا تھا جس کو ہر گروہ، ہر جماعت، ہر زندگی، ہر حال اور ہر ایک میں ہونا چاہئے۔ فوج کی ترتیب وتنظیم میں بھی ہمیشہ یہی مقصد پیش نظر رہتا تھا۔

چنانچہ ایک بار غنیمت کے لالچ سے ایک مشرک نے آپ کے ساتھ شریک جہاد ہونا چاہا۔ اس نے تین بار درخواست کی مگر آپ نے ہر مرتبہ انکار کردیا۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ صحاح میں منقول ہے۔

بہرحال جہاد اسلامی کا مقصد وحید وہی ہے جس کو خدا نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ لیظہرہٗ علی الدین کلہٖ لیکن ہر ملک کا باشندہ کہہ سکتا ہے کہ تقریباً ایسا ہی مقصد ہمارے پیش نظر ہے۔ ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے، مصر مصریوں کے لئے، جاپان جاپانیوں کے لئے۔ اور اس سے بڑھ کر ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ مشرق ومغرب صرف ہمارے لئے ہیں تو کیا وہ اپنے آپ کو اسلام کا حریف مقابل نہیں کہہ سکتا؟ آخر ان دونوں مقصدوں میں کیا فرق ہے؟ اور جہاد اسلامی کے مقصد کو اس پر کیا ترجیح حاصل ہے؟

امن وصلح

اس شبہ یا سوال کا جواب یہ ہے۔ قرآن مجید نے دوسری آیتوں میں اس کی تفسیر کردی ہے۔ اسلام صلح وسلام کا ایک پیغام روحانی تھا جو تمام دنیا کو پہنچایا گیا تھا۔

تنزل الملٰئکۃ والروح — نزول قرآن کی رات میں خدا کے
باذن ربھم من — حکم سے فرشتے اور روح
کل امر سلام — ہر قسم کی امن وسلامتی لے کر
اُترتے ہیں۔

وہ ایک حکیمانہ قانون تھا جو دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا چاہتا تھا۔

فیھا یفرق کل امر — اس رات میں حکیمانہ قوانین کی
حکیم — تقسیم کی جاتی ہے۔

اس بناء پر اسلام کا غلبہ، اسلام کی حکومت، اسلام کی دعوت بعینہٖ امن وامان کا غلبہ ہے، بعینہٖ عدل وانصاف کی حکومت ہے، بعینہٖ علم وحکمت کی دعوت ہے، اسلام اسی مقصد کی تمام دنیا کو دعوت دینا چاہتا ہے لیکن عرب نے صلح کے ساتھ دعوتِ صلح کو قبول نہیں کیا۔ اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نشرِ امن، بسطِ عدل، اور عقدِ صلح کے لئے جہاد کرنا پڑا۔ قرآن مجید نے اس جہاد کا اجمالی مقصد یہ بتایا تھا "لیظھرہ علی الدین کلہ" لیکن دوسری آیتوں نے اس کی تفسیر وتشریح کردی۔

والفتنۃ اکبر من القتل — فتنہ وفساد قتل سے بڑھ کر برائی ہے
وقاتلوھم حتی لا تکون — اور ان کے ساتھ مقاتلہ کرو یہاں
فتنۃ ویکون الدین — تک کہ لڑائی قائم ہونے ہی نہ پائے
للّٰہ — اور دین خدا کے لئے ہو جائے۔

ان آیات میں جابجا فتنہ کا لفظ آیا ہے اب اگرچہ ہر چیز کو "فتنہ وفساد" کہا جاتا ہے لیکن قدیم عربی زبان میں فتنہ کا اطلاق صرف جنگ ہی پر کیا جاتا تھا۔

اس باب میں سب سے زیادہ واضح آیت سورۂ محمد کی ہے۔

فاذا لقیتم الذین کفروا — جب تم کفار سے مقابلہ کرو تو پہلے
فضرب الرقاب حتی — خونریزی کرو پھر غلام بنا کر یا تو
اذا اثخنتموھم فشدوا — احساناً رہا کردو یا فدیہ لے
الوثاق فاما منا بعد و — کر چھوڑ دو
اما فداء

لیکن اس قتل وخونریزی کا آخر مقصد کیا تھا؟ خدا نے اس آیت میں نہایت ایجاز کے ساتھ اسکا جواب دیا ہے۔

حتی تضع الحرب اوزارھا — یہاں تک کہ صفحۂ ہستی سے جنگ ہی محو ہو جائے۔

پس جہادِ اسلامی کا مقصد خون سے خون ہی کے دھبوں کو دھونا، اور جنگ سے جنگ ہی کا خاتمہ کرنا تھا تاکہ تمام دنیا میدانِ جنگ کی جگہ آغوشِ صلح میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

سورۂ محمد کی آیت

سورۂ محمد کی آیتِ قتال کا یہ ٹکڑا نہایت ہی عظیم وجلیل ہے اور فی الحقیقت اس میں صاف صاف قرآنِ حکیم نے اپنی جنگ کی غایت یہ بتلادی ہے کہ جنگ صرف جنگ ہی کو روکنے کیلئے ہونی چاہیئے کیونکہ فرمایا کہ جنگ اس وقت تک کی جائے جب تک کہ جنگ ختم نہ ہو جائے۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اس آیت سے مقصود عام طور پر جنگ کا انسداد ہے نہ کہ کوئی خاص جنگ۔ اگر کوئی خاص جنگ مراد لی جائے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ لڑائی کا وجود اور مادہ تو دنیا میں باقی رہے مگر صرف کسی ایک جماعت کی لڑائی کا خاتمہ ہو جائے لیکن خاتمۂ جنگ کو کسی خاص جماعت و زمین کے بجائے "وجودِ جنگ" ہی کی طرف منسوب کرنا چاہیئے تاکہ دنیا میں جنگ کا وجود ہی باقی نہ رہے۔

چونکہ اسلام کا مقصد صفحۂ ہستی سے جنگ کا خاتمہ کرنا تھا اس لئے اس نے تمام دنیا کو صلح کا پیغام دیا لیکن دنیا کی فطرت وعظ ونصیحت کے بجائے قوت سے زیادہ مرعوب ہوتی ہے اس

لیے مجبوراً اسلام کو زبان تیغ سے اس کا اعلان کرنا پڑا اور دس ہی برس کی مدت میں تمام دنیا صلح کی آغوش میں آگئی. لیکن اصل حقیقت اب تک مشتبہ ہے

شریفانہ صلح

دنیا میں جنگ کے ساتھ صلح ہوتی رہتی ہے لیکن بہت سی قوموں کو خلوص قلب صلح پر آمادہ نہیں کرتا بلکہ مصالح اور مجبوریاں ان کے درمیان صلح کرا دیتی ہیں سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کی صلح بھی اسی قسم کی ہے؟ بہت سی قومیں صلح کر لیتی ہیں لیکن خود اپنے طرزِ عمل سے صلح کا کوئی نمونہ پیش نہیں کرتیں بلکہ ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو جنگ ہی کو اپنا کارنامۂ زندگی سمجھتے ہیں صرف جماعت کی قوت ان کی رائے پر غالب آجاتی ہے. قرآن مجید نے ان تمام سوالات کا نہایت تفصیل کے ساتھ جواب دیا ہے، قرآن مجید نے صاف صاف بتایا ہے کہ اسلام کی صلح بزدلانہ نہیں بلکہ شریفانہ ہے.

فلاتہنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون

سست و کمزور نہ ہو جاؤ اور دعوت صلح برابر دیتے رہو درآنحالیکہ تم غالب و سربلند ہو

قرآن مجید نے مجاہدین اسلام کو ہدایت کی ہے کہ تم کو نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ پیغام صلح قبول کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا رہنا چاہیئے

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیہم سبیلا

اگر کفار تم سے الگ ہو جائیں اور جنگ نہ کریں بلکہ تمہارے سامنے صلح کو پیش کریں تو اس حالت میں خدا نے تم کو ان سے جنگ کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے.

قرآن مجید مجاہدین اسلام کو ترغیب دیتا ہے کہ اگر تمہارا مقصد دنیا کے سامنے صلح کو پیش کرنا ہے تو سب سے پہلے تم کو خود صلح کا عملی نمونہ بن جانا چاہیئے

یاایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین

مسلمانو! تم سب کے سب پہلے صلح کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے.

امن و صلح کا اعلان

اسلام نے اسی فطری اصول کی بنا پر دس برس تک معرکۂ جہاد و قتال کو جاری رکھا لیکن اس کے نتائج عرب کی جنگ سے بالکل مختلف تھے. عرب کی جنگ کا قتل و غارتگری کے سوا کوئی مقصد نہ تھا لیکن اسلام جہاد کے ذریعہ اس گراں قیمت چیز کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا جس کو دنیا نے نہایت ارزاں کر دیا تھا.

اور اس گراں قیمت چیز کے تحفظ کی ضمانت میں قانونِ عدل نے ہمیشہ جان ہی کی قربانی طلب کی ہے.

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون

اے عقلمند لوگو! قصاص کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اس نے تمہاری زندگی کو قائم رکھا ہے شاید اس کے ذریعہ تم قتل و خونریزی سے بچو

دنیا کی لڑائیاں تفرقہ و اختلاف پیدا کرتی ہیں لیکن غزواتِ اسلام نے ائتلاف و اتحاد اور انضمام و اجتماع پیدا کیا

جب دس برس کی وسیع مدت نے اس اتحاد کو درجہ کمال تک پہونچا دیا تو وہ وقت آگیا کہ جو اجتماع میدانِ قتال میں نظر آتا تھا وہ ایک دار الامن میں نظر آئے. اس لئے جب مجموعہ اتفاق و اتحاد کے بکھرے ہوئے اجزاء جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے اعلانِ عام کیا

وللہ علی الناس حج — اور صرف خدا کے لئے تمام ان

(باقی ص۱۰۱ پر دیکھئے)

علمی جواہر پارے

الحاج سید محبوب صاحب رضوی

حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غیر مسلموں کے قلوب میں

حکیم ابن حزام (جن کو ہم آج حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے شرک وبت پرستی کے جال میں مقید تھے اسلام و مسلمانوں کے دشمنوں میں داخل تھے اسلام اور پیغمبر اسلام کے طریقہ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ قریش عرب کے سردار مانے جاتے تھے۔ اس کے باوجود۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ اور آپ کی محبت میں مخمور تھے

عشق را نازم کہ یوسف را ببازار آورد
ہمچو صنعا زاہدے را زیر زنار آورد

امام حدیث و تاریخ ابن عساکر اپنی تاریخ میں زبیر ابن بکار کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ جن ایام میں بے رحم و ظالم کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبیلہ بنی ہاشم سے بالکلیہ مقاطعہ کیا اور پہاڑ کی ایک گھاٹی میں آپ کو مع سارے قبیلہ کے مقید کر کے آب ودانہ پہونچنے کے سارے راستے بند کر دئے آپ کو اور صحابہ کرام کو درختوں کے پتے کھا کر وقت گزارنے کی نوبت آئی۔ یہ کس کی مجال تھی کہ ساری برادری کے خلاف آپ تک کوئی سامان پہنچا دے حکیم ابن حزام اس واقعہ سے بے چین تھے آخر یہ صورت نکالی کہ جب ملک شام سے ان کا تجارتی قافلہ گیہوں لے کر آتا تو جن اونٹوں اور گدھوں پر گیہوں لدے ہوتے تھے ان کو اس پہاڑ کی گھاٹی پر لیجاتے اور وہاں پہونچ کر ان کو مارنا شروع کرتے یہاں تک کہ وہ بھاگ کر اس گھاٹی میں گھس جاتے تھے اور بنی ہاشم ان کو پکڑ کر غلہ ان سے حاصل کر لیتے تھے۔

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ حکیم بن حزامؓ فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی مجھے سب سے زیادہ محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو چکے تو ایک مرتبہ حکیم ابن حزام موسم حج میں شریک تھے وہاں دیکھا کہ عرب کے مشہور بادشاہ ذی یزن کا ایک حلّہ فروخت ہو رہا ہے یہ اگرچہ اس وقت تک کافر تھے مگر جوش محبت نے انہیں اس پر مجبور کر دیا کہ یہ نفیس اور قیمتی حُلّہ خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کریں، بڑی قیمت دے کر خرید لیا اور پھر مدینہ طیبہ کا سفر کر کے آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یہ حلّہ میری طرف سے ہدیۃً قبول فرمایئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ بعض اوقات کفار کا ہدیہ بھی قبول فرما لیتے تھے جیسا کہ احادیث معتبرہ میں اس کے شواہد موجود ہیں مگر غالباً اس موقعہ پر حکیم بن حزام کی اس محبت کو دیکھ کر حضور ؐ کو یہ توقع ہوگئی کہ شاید یہ اسلام قبول کرلیں اس لئے ارشاد فرمایا کہ "ہم مشرکین سے ہدیہ نہیں لیا کرتے لیکن اگر آپ چاہیں تو قیمت دے کر ہم یہ حلّہ لے سکتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حکیم ابن حزام رضؓ کہتے ہیں کہ مجھے اس سے سخت پریشانی ہوئی کہ آپؐ نے میرے ہدیہ کو رد کر دیا اور قیمت لیکر دینا مجھے گوارا نہ ہوا اس لئے میں یہاں سے یہ ارادہ لے کر اٹھا کہ سب سے پہلے جو آدمی مجھے ملیگا میں یہ حلّہ اس کے ہاتھ فروخت کر دونگا خواہ کتنی ہی کم قیمت پر فروخت ہو

اُدھر سے حضرت زید بن حارثہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ حلّہ خرید لیا۔ اور اس کے بعد میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر یہ حلّہ دیکھا تو مسرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ جو مقصود تھا وہ ایک درجہ میں حاصل ہو گیا

حکیم ابن حزام رضؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ یہ حلّہ زیب تن فرماتے تو مجھے سارے جہاں میں آپ سے زیادہ حسین وجمیل کوئی معلوم نہ ہوتا تھا (تاریخ ابن عساکر ص۴۱۲ لغایۃ ص۴۱۶ جلد ۴)

حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے موقعہ پر بھی بہت کوشش کی کہ . . . . . قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ سے روک دیں اور عتبہ ابن ربیعہ کو بھی اس کام میں اپنا ہم خیال بنا لیا تھا مگر ابوجہل کی قسمت میں اسی وقت موت لکھی ہوئی تھی اس لئے ان کی تدابیر چلنے نہ دیں (ابن عساکر ص۴۱۲)

حضرت حکیم بن حزام رضؓ کا اِسلام

حکیم بن حزام (جیسا کہ واقعات مذکورہ سے معلوم ہوا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ جاہلیت وکفر میں ہی والہانہ محبت رکھتے تھے لیکن مذہب اسلام کو قبول کرنے پر شرح صدر اور اطمینان حاصل نہ ہوا تھا اسی لئے ہجرت کے نویں سال تک برابر اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ان کی محبت صادقہ کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ یہ بھی دولت اسلام سے مالا مال ہوں اور کفر وشرک کی لعنت سے نجات پائیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو مجھے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں چار آدمی ایسے ہیں جن کا شرک میں مبتلا رہنا مجھ پر شاق و ناگوار ہے اور میری تمنا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ ہم نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، سہیل بن عمرو (حق تعالیٰ نے آپؐ کی یہ تمنا پوری فرمائی اور یہ چاروں حضرات اسلام میں داخل ہو گئے)

الغرض حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کو جب تک اسلام اور اس کی تعلیمات کی حقانیت پر شرح صدر نہیں ہو گیا باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے اسلام میں داخل ہونے سے محترز رہے اور جب حق تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق بخشی اور توحید کا ذائقہ محسوس کیا تو اتنے دنوں تک مسلمان ہونے میں تاخیر کرنے پر افسوس کرتے تھے۔

حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ زار زار رو رہے ہیں صاحبزادی نے عرض کیا "اباجان! رونے کا کیا باعث ہے" فرمایا میری ساری حرکتیں رونے ہی کے قابل ہیں کہ میں نے اسلام لانے میں اتنی تاخیر کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ شرکت جہاد کے بڑے بڑے مواقع فوت کر دیئے اور فتح مکہ تک مجھے اسلام پر شرح صدر نہ ہوا (ابن عساکر ص۴۱۲ جلد ۴)

کہاں ہیں وہ ظالم افترا پرداز جو کہا کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا وہ حکیم ابن حزام رضؓ سے پوچھیں کہ تمہیں کس تلوار نے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔

فتح مکہ میں حضرت حکیم ابن حزام مشرف باسلام ہوتے ہی غزوہ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جہاد ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت حکیم کو کوئی ضرورت پیش آئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عطاء کا سوال کیا آپ نے کچھ روپیہ عطا فرما دیا پھر دوسری مرتبہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور ان کے سوال کرنے پر آپؐ نے عطا فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان مبارک کی ہیئت

این زماں جاں دامنم راتا فت است

بوئے پیراہنِ یوسف یافت است

کرتوں کے گریبان کی دو صورتیں معروف ومشہور ہیں ایک آج کل عام طور پر مروج ہے کہ گریباں کا شق سینہ پر رہتا ہے اور دوسری صورت جو پہلے مروج تھی اور اب بھی بعض جگہ اس کا رواج ہے یہ کہ گریبان کا شق دونوں مونڈھوں پر رہے اسی میں گفتگو ہے کہ محبوب دو عالمؐ کے پیراہنِ مبارک کی کیا ہیئت تھی شیخ الاسلام والسنۃ علامہ جلال الدین سیوطیؒ سے اس کا سوال کیا گیا تو مندرجہ ذیل تحقیق زیب قرطاس فرمائی۔ ظاہر یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے گریبان مبارک کی وہی ہیئت تھی جو آج کل مروج ہے یعنی یہ کہ اس کا شق سینہ پر رہے کیونکہ سننِ ابوداؤدؒ "باب فی حل الازار" میں حضرت معاویہ ابن قرۃؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے والد قرۃ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے کہ میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم نے آپؐ سے بیعت کی آپ کی قمیص مبارک کی گھنڈیاں اس وقت کھلی ہوئی تھیں میں نے قمیص مبارک کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا اور خاتم نبوت کو ہاتھ سے چھوا

معاویہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے معاویہ اور ان کے والد قرۃ کو اسی حالت میں دیکھا کہ گریبان کے بٹن کھلے رہتے تھے

ف۔ احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ گریبان کھلا رکھنا آنحضرتؐ کی دائمی عادت اور سنت تھی بلکہ ایک اتفاقی واقعہ ہے مگر عشق ومحبت کے احکام نرالے ہیں حضرت نے جس ہیئت میں اول دیکھا تھا اس کا قلب پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ ہمیشہ اپنی یہی عادت بنالی۔

مرا از زلفِ او موئی پسند است

ہوس را نہ مدہ بوئی پسند است

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر اس حدیث سے یہی ہے کہ گریبان مبارک کا شق سینۂ مبارک پر تھا (جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی حدیث سے گریبان سینہ پر ہونے کے لئے استدلال کیا ہے

نیز عام کتب فقہ میں یہ مسئلہ جزئیہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص صرف لانبے کرتے میں (جو ستر پوشی کے لئے کافی ہو) نماز پڑھتا ہے اور رکوع یا سجدے میں گریبان کے اندر سے اس کی نظر ستر پر پڑ گئی تو نماز (امام شافعیؒ کے نزدیک) صحیح نہیں ہے، یہ مسئلہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات فقہاء کے زمانہ میں رواج یہی تھا کہ گریبان کا شق سینہ پر رہے۔

اور یہ مضمون جو مسئلہ مذکورہ میں موجود ہے خود آنحضرتؐ سے بھی مسند احمد اور سنن اربعہ وغیرہ میں بروایت حضرت سلمہ بن اکوعؓ منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا یارسول اللہ میں ایک شکاری آدمی ہوں (تہبند باندھ کر دوڑنا مشکل ہوتا ہے) کیا میں ایسا کرسکتا ہوں کہ میں ایک کرتہ پہن لیا کروں اور اسی میں نماز پڑھ لیا کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! مگر اس کے گریبان کو بند کر لیا کرو اگرچہ ایک کانٹا ہی اس میں لگالو۔

(ف) عرب کے کرتے طویل نصف ساق تک ہوتے تھے اور ان میں دائیں بائیں شق (چاک) بھی نہیں ہوتی تھی اس لئے تنہا کرتہ پہننے میں کسی قسم کی عریانی یا ستر کھل جانے کا احتمال نہ تھا۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات کی وجہ سے میں یہ سمجھا ہوا تھا کہ طریق مسنون اور تعامل سلف گریباں کے بارے میں یہی ہے جو آج کل مروج ہے۔ پھر الحمدللہ اس کے بعد بالکل صاف تصریح اس کی صحیح بخاری میں مل گئی، امام بخاریؒ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل باب اس عنوان سے رکھا ہے "باب جیب القمیص عند الصدر" (یعنی باب اس بیان میں کہ گریبان کرتے کا سینہ پر ہوتا ہے) پھر اس باب میں وہ حدیث نقل فرمائی جس میں بخیل اور سخی کی مثال دو جبّوں کیسا دی گئی ہے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ تنگ جُبّہ کی مثال آپ نے اپنے دست مبارک سے اس طرح

(باقی ص ۳۷ پر دیکھئے

اسلام میں رفاہ عام اور خدمتِ خلق

مولٰنا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

خدمتِ خلق

مذہبی حلقوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ خدا کو راضی کرنے والے کام اور انسان کو آخرت کی کامیابیوں سے مالامال کرنے والی نیکیاں صرف نماز، روزہ، حج اور دوسرے ارکان خمسہ ہیں۔ انہی پانچ عبادتوں کے ذریعہ انسان کو آخرت اور جنت کی ابدی راحتیں نصیب ہوسکتی ہیں۔ مذہبی طبقہ میں اس ادھورے اور غلط خیال کے پھیل جانے کی وجہ سے مذہبی لوگ خدمتِ خلق اور حقوق عباد ادا کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے۔

ایک باپ اپنی اولاد کی دینی اور دنیوی تعلیم سے لاپرواہی اختیار کرتا ہے اور اپنی کمائی کے بڑے حصے کو نفلی عبادتوں پر خرچ کرتا ہے وہ نفلی حج کرتا ہے، وہ نذر و نیاز کے کھانوں پر روپیہ لگاتا ہے، وہ مسجدوں کی آرائش کے لئے چندہ دیتا ہے حالانکہ اس کے ذمہ اولاد کی تعلیم و تربیت کا فریضہ عائد ہوتا ہے جس کی ادائیگی اس کے ذمہ باقی رہتی ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان پڑوسی کو اذیت پہنچاتا ہے، ایک حکمراں اپنے شہریوں کو تکلیف دیتا ہے، ایک رشتہ دار اپنے عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا۔ ایک بیٹا ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے ایک مالک اپنے مزدوروں کے ساتھ بے جا زیادتی کرتا ہے ایک مزدور اپنے مالک کے کاموں میں خیر خواہی کے بجائے غداری کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر اپنے گناہوں کی معافی کے لئے زبانی توبہ واستغفار کرتا ہے، شب قدر میں جاگ کر خدا کے سامنے آنسو بہاتا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کا یہ اعلان وہ سن چکا ہے کہ حقوق عباد کا گناہ صرف توبہ استغفار سے معاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے اپنے صاحب معاملہ بھائی سے معذرت کرنی ضروری ہوتی ہے، جب تک معاملہ والا درگذر نہیں کرتا خدا تعالیٰ اپنی طرف سے معاف نہیں کرتا۔ یہ جاننے کے باوجود پھر بھی وہ اپنے ستم رسیدہ بھائی کے سامنے جھکنے کے بجائے خدا کے حضور میں دوڑ دوڑ کر جاتا ہے حالانکہ اسے اپنے زخم کھائے ہوئے بھائی سے معافی مانگنی چاہئے۔ اس کے سامنے معذرت خواہ ہو کر اس کا دل ہاتھوں میں لینا چاہئے جس کے آنسو بہائے تھے اس کا دل خوش کرنا چاہئے

وہ یہ سیدھا راستہ کیوں اختیار نہیں کرتا؟ وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی کے لئے تنہائی میں خدا کے سامنے جھکنا آسان ہوتا ہے، مگر اپنے بھائی اپنے پڑوسی اپنے رشتہ دار کے سامنے مونچھیں نیچی کرنے میں انسان بڑی بے عزتی محسوس کرتا ہے، یہ نفسِ انسانی کا غرور ہے اور خدا تعالیٰ اسی غرور

لوگوں نے کے لئے یہ حکم دیتا ہے کہ من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ جو شخص خدا کے لئے خاکساری، تواضع اور عاجزی اختیار کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کے درجے بلند کر دیتا ہے۔

اور غرور پر قائم رہنے والے کے لئے قرآن کہتا ہے

ان اللّٰہ لا یحب المتکبرین خدا تعالےٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

پیش نظر کتاب اسی مقصد کے لئے لکھی جا رہی ہے، جس میں خدمتِ خلق اور بندگانِ الٰہی کے حقوق ادا کرنے کی شرعی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اور وہ آیات قرآنی اور حضورؐ کی وہ حدیثیں نقل کی گئی ہے جن میں خدمت کے کاموں کی فضیلت اور ان کے درجات بیان کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظام کے واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

خدمتِ خلق سے کارِ نبوت کا آغاز

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے چالیس سال تک خدمت خلق کو اپنا مشن بنائے رکھا اور خدمت خلق کی نہایت بلند زندگی کے ذریعہ اپنے اس منصب رسالت کا تعارف کرایا جس پر آپ چالیس سال کے بعد فائز ہونے والے تھے۔

چالیس سال کے اندر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تلاش حق کے لئے گوشہ نشینی (تحنث) میں بھی اپنا وقت گزارا کرتے تھے، لیکن حضورؐ کا عام وقت خدمت خلق کے کاموں ہی میں بسر ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں حضرت خدیجۂ کبریٰ رضی اللہ عنہا کے بیان سے زیادہ کس کا بیان معتبر ہو سکتا ہے چنانچہ وحی الٰہی کے پہلے نزول کے وقت جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اضطراب کی ایک خاص کیفیت طاری ہوئی آپ اپنی رفیقۂ حیات حضرت خدیجۂ کبریٰ رضؓ کے پاس تشریف لائے اور غار حرا میں آپ کے پاس جبریل کے آنے اور سورۂ اقرا کے نازل ہونے کا جو واقعہ پیش آیا تھا وہ اپنی رفیقۂ حیات کو سنایا۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے حضور کو تسلی دیتے ہوئے حضورؐ کے اخلاق کریمانہ اور بندگان الٰہی کی خدمت کے وہ کام آپ کو یاد دلائے جو چالیس سال سے آپ کی ذات اقدس کے ساتھ وابستہ تھے۔

حضرت خدیجۂ کبریٰ کا مقصد یہ تھا کہ جس ذاتِ اقدس میں اتنی بھلائیاں موجود ہوں اس کی ذات کسی خطرہ سے دوچار نہیں ہو سکتی غار حرا میں جو کچھ ہوا یقیناً اس میں خیر و بھلائی ہوگی۔

حضرت خدیجہؓ کے الفاظ جو امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے نقل کئے ہیں، حسب ذیل ہیں:۔

وَاللّٰہِ ما یُخزیک	وہ خدا کی قسم! خدا وند تعالےٰ
اللّٰہُ اَبداً اِنَّکَ	آپ کو رسوا نہیں کرے گا
لتصل الرحمَ و	آپ رشتہ داروں کیساتھ
تحمل الکلَّ وتکسب	حسن سلوک کرتے ہیں، بے
المعدوم وتقری	سہارا لوگوں کی مدد کرتے
الضیف و تُعِینُ	ہیں مہمانوں کی خاطر کرتے
عَلیٰ نوائب الحق	ہیں اور آسمانی حوادث
	میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

حضرت خدیجۂ کبریٰؓ کے ان پانچ جملوں میں خدمتِ خلق اور اخلاق حسنہ کی تمام بنیادی صفتوں کا تذکرہ آگیا ہے۔

حضرت خدیجہ رضؓ قریش کی ایک دانش مند اور زبان داں خاتون تھیں۔ آپ نے صرف پانچ جملوں میں کمال بلاغت کے ساتھ جو باتیں کہی ہیں ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

انک لتصل الرحم — آپ صلہ رحمی کرتے ہیں رشتہ داروں کے ساتھ خدمت اور احسان کا برتاؤ کرتے

ہیں۔ رشتہ داروں کی برائیوں کو نظرانداز کر کے ان کے ساتھ تعلق قائم رکھتے ہیں، مال سے، ہاتھ پیروں سے جس کی جو مدد ہو سکتی ہے اسے انجام دیتے ہیں۔ عربی میں "صلہ رحمی" کا جو وسیع مفہوم ہے اس کی تمام صورتیں اس ایک جملہ میں موجود ہیں

وَتَحْمِلُ الْكَلَّ بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں غریبوں اور مسکینوں کی ضرورتوں کے خود کفیل بن جاتے ہیں، مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوتا اس کو سہارا لگا کر اس کے پیروں پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر عرب کے مظلوم ترین طبقہ "غلاموں" کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ یہ جملہ بڑا وسیع اور گہرا ہے، یہ ت کے زبر اور پیش دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اس جملہ کے یہ معنی ہوتے ہیں (۱) آپ وہ نیکیاں اور بھلائیاں کماتے ہیں جو اس وقت دنیا میں اور خاص کر عرب میں بالکل ناپید ہو چکی ہیں آپ نے اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کر لئے ہیں جو اس ماحول میں کہیں نظر نہیں آتے۔

(۲) آپ دولت کماتے ہیں، آپ وہ پیسہ حاصل کرتے ہیں، اپنی محنت اور جدوجہد سے جو پہلے سے آپ کے پاس نہیں ہوتا اور پھر وہ پیسہ کما کر ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں عرب کا محاورہ ہے

"اکسبھم المعدوم وانفقھم المحروم"

مال پیدا کرتے ہیں اور غریبوں پر روپیہ صرف کر دیتے ہیں ان کی بھوک کا انتظام کرتے ہیں، انہیں برسر روزگار کرتے ہیں کھانے کمانے کے قابل بناتے ہیں۔

مطلب یہ کہ آپ اپنے باپ دادا کا رکھا ڈھکا لوگوں پر خرچ نہیں کرتے اور نہ دوسروں سے حاصل کر کے غریبوں کو دیتے ہیں بلکہ اپنے ہاتھ پیروں کی محنت سے کماتے ہیں اور پھر خرچ کرتے ہیں۔

(۳) آپ لوگوں کو وہ اخلاقی اور روحانی معلومات اور فوائد عطا کرتے ہیں جو لوگوں کو کسی دوسرے کے پاس سے حاصل نہیں ہوتے۔

اس جملہ میں بوجھ اٹھانے کی ظاہری شکل بھی شامل کی جا سکتی ہے جیسا کہ ایک ضعیف العمر بڑھیا کے بوجھ اٹھانے کا واقعہ مشہور ہے۔

وتقری الضیف مہمانوں کی خاطر تواضع اور مدارات عربوں کے عام اخلاق میں شامل ہے۔ عرب مہمان نوازی میں مشہور ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں مہمان نوازی کی صفت پورے کمال کے ساتھ موجود تھی حضرت خدیجہ رضہ نے اسی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ آپ تو مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں انہیں کھلاتے پلاتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔

وتعین علی نوائب الحق آپ آسمانی حادثوں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ ناگہانی حادثوں میں شکار ہونے والوں کی ہر ممکن اعانت کرتے ہیں، حوادث کے ساتھ حق کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ فرمایا کہ جو حادثے اور پریشانیاں انسان کی خود کردہ غلط کاریوں کے نتیجہ میں انہیں گھیر لیتی ہیں ان میں آپ غلط کاروں کی مدد کر کے ان کی حوصلہ افزائی سے گریز کرتے ہیں مطلب یہ کہ مجرموں کی مدد کرنا آپ کا شیوہ نہیں۔

چور ڈاکو بدمعاش اپنے کرتوتوں کی وجہ سے سوسائٹی یا حکومت کی گرفت میں آجاتے ہیں ان حوادث میں ان کی مدد کرنے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بدمعاش لوگوں کی مدد کر کے پوری سوسائٹی کو ہمیشہ کے لئے پریشانیوں میں مبتلا رکھا جائے۔

ایسی پریشانیوں میں پورے سماج کو پیش نظر رکھا جاتا ہے افراد کو نہیں دیکھا جاتا، دو چار افراد کو جبر و تشدد کے ذریعہ دبا کر اگر پورے سماج کو ان کے ہاتھوں سے پہنچنے والی ... مصیبتوں سے محفوظ کر دیا جائے تو وہ تشدد نیکی اور اخلاق کا حقیقی تقاضا ہوتا ہے اور ایسے موقعوں پر نرمی اختیار کرنا بزدلی کہلاتا

ہے اسے شرافت نہیں کہا جاتا

عبادت اور خدمت کے مجموعہ کا نام "سنت رسول" ہے

سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خالق اور مخلوق دونوں کے حقوق ادا کرنے کا مکمل نمونہ موجود ہے اور اسی مکمل اسوۂ حسنہ کا نام "سنتِ رسول" ہے

ایک دفعہ کچھ زاہد قسم کے صحابہ کرام نے آخرت کے خوف سے دنیا کی لذتوں اور نفسانی خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا عہد کرلیا۔ ان لوگوں کی بیویوں کی زبانی جب یہ بات حضور صلعم کے علم میں آئی تو آپ نے ان تارک الدنیا لوگوں کو بلایا اور ان سے فرمایا

خدا کی قسم! میں تم لوگوں سے زیادہ اپنے اللہ خدا کا خوف رکھتا ہوں اور اس کے باوجود روزہ بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام سے سوتا بھی ہوں، اور شادی کرتا ہوں...... یہ ہے میری سنت، پس جو شخص میری اس سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم
لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد
واتزوج النساء فمن رغب عن
سنتی فلیس منی

حضور صلعم نے اس ارشاد عالی میں امت کو بتایا کہ میری سنت خالق اور مخلوق دونوں کے حقوق ادا کئے بغیر پوری نہیں ہوتی جو شخص خالق کا حق چھوڑ کر صرف کھانے کمانے میں لگ جائے تو وہ بھی میری سنت کا تارک یعنی مجرم ہے اور جو شخص کھانے کمانے اور سماج کے حقوق ادا کرنے سے کنارہ کش ہوکر صرف مسجد اور خانقاہ کا ہوجائے وہ بھی میری سنت کا تارک یعنی مجرم گناہ گار ہے۔

خدمت خلق اور صحابۂ کرام رضؓ

رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اسلام کو سب سے زیادہ حضرات صحابۂ کرام نے سمجھا اسی وجہ سے حضرات صحابہؓ کی زندگی اسلامی احکام کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت عمر رضؓ نے کچھ لوگوں کو بے وقت مسجد میں دیکھا آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ ــــــ بتایا گیا هم المتوکلون ــــــ یہ لوگ متوکل ہیں، خدا کے بھروسے پر خدا کے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں یہیں سب کچھ بھیجدیگا۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا "نہیں! بلکہ یہ لوگ متاکل ہیں یعنی کھاؤ ہیں، صرف کھانا جانتے ہیں محنت سے جی چراتے ہیں اور اس کا نام انہوں نے توکل رکھ لیا ہے۔

آپ نے فرمایا ان سے کہو کہ یہ مسجد سے نکل جائیں اور محنت مزدوری کرکے اپنے لئے روزی کمائیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ مسجد نبوی میں اعتکاف کر رہے تھے کہ ایک شخص پریشان حال اور مغموم حضرت کے پاس آکر بیٹھ گیا، آپ نے اس کی پریشانی کا سبب معلوم کیا۔ اس نے کہا۔

یٰفُلَانٍ عَلَیَّ حَقٌّ	اے ابن عباس! مجھ پر فلاں
وَلَاحُرْمَةَ صاحِبِ هٰذَا	آدمی کا قرض ہے اور اس
الْقَبْرِ مَا اَقْدِرُ عَلَیْهِ	روضۂ پاک میں آرام کرنیوالے کی عظمت کی قسم میں وہ قرضہ ادا کرنیکے قابل نہیں۔

ابن عباسؓ نے کہا "تو کیا میں اس قرض خواہ سے بات کروں اس نے عرض کیا، ضرور کیجیے" ضرور کیجئے۔ آپ نے جوتیاں پہنیں اور مسجد سے باہر نکل گئے، وہ شخص بولا "آپ تو اعتکاف میں ہیں کیا آپ بھول گئے"؟ آپ نے کہا نہیں بھولا نہیں۔

ولکنی سمعت صاحب هذا القبر والعهد به قریب فدمعت عیناه مَنْ مشیٰ فی حاجۃ اخیہ و بلغ فیہا کان خیراً من اعتکاف عشر سنین

لیکن میں نے اس روضۂ پاک والے آقا سے سنا ہے اور یہ کل کی بات ہے اور یہ کہہ کر ابن عباسؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کے لئے قدم اٹھائے اور اس میں کوشش کرے تو اس کی یہ کوشش دس سال کے اعتکاف سے بہتر اور افضل ہوگی

(فضائل رمضان شیخ الحدیث صلاہ بحوالہ بیہقی)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کے مقابلہ میں ضرورت مندوں کی مدد کرنا خدا کے نزدیک زیادہ اجر و ثواب کا کام ہے، اور رسول مقبولؐ کے صحابہؓ کا یہی طرز عمل تھا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت امام حسنؓ کا بھی منقول ہے

خدمتِ خلق اور صوفیائے کرام

تصوف کا دوسرا نام "خدمتِ خلق" ہے

لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا اور دنیا والوں کو چھوڑ کر خانقاہوں اور جنگلوں میں ریاضت اور عبادت کرنے کا نام تصوف ہے لوگ "ولی" اس شخص کو سمجھتے ہیں جو دنیا والوں سے کنارہ کش رہتا ہے۔ اور صرف ذاتی نجات کے لئے عبادت میں مشغول رہتا ہے، اور کتنی عجیب بات ہے کہ آج ان قومی خدمت گذاروں کو "دنیا دار" کہا جاتا ہے جو عوام کی دنیوی ضرورتوں کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور مظلوموں اور ستم رسیدہ انسانوں کے لئے بھاگ دوڑ کرنے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ اور جو عافیت پسند لوگ عوام کی مشکلات سے آنکھیں بند کر کے صرف دعا اور نوافل میں مشغول رہتے ہیں وہ "شیخ طریقت" کہلائے جاتے ہیں۔ حالانکہ تصوف کا مشہور مقولہ ہے کہ "طریقت بجز خدمتِ خلق نیست" یعنی طریقت "خدمت خلق" کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ مقولہ اکابر اولیاء اللہ کی زندگی کے روشن کارناموں سے اخذ کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ چشتیہ سلسلہ کے آفتاب عالم تاب ہیں اور ہندوستان میں اسلام کی روشنی پھیلانے کا سہرا جن بزرگوں کے سر ہے ان میں حضرت خواجہ کا مقام سب سے بلند ہے۔

حضرت خواجہ بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک کسان دہلی سے حضرت کی خدمت میں اجمیر پہونچا اس کی زمین پر سلطان التمش کے کارندے قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اس نے اجمیر پہونچ کر حضرت خواجہ کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ سلطان دہلی کے آدمی میری زمین سے مجھے محروم کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ سلطان کے پاس میری سفارش کر دیں تو میری زمین مجھ سے نہ چھینی جائے۔

حضرت خواجہ اس مظلوم کی فریاد سُن کر اجمیر سے دہلی روانہ ہو گئے۔ حضرت کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو خبر ملی کہ خواجہ بزرگ دہلی تشریف لا رہے ہیں، قطب صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد کا استقبال کیا اور گذارش کی کہ بغیر اطلاع کیوں سفر کی زحمت فرمائی۔ اگر کوئی ضرورت تھی تو اس خادم کو حکم دیا ہوتا۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا، یہ مصیبت زدہ کسان میرے پاس سلطان کے آدمیوں کے ظلم و جبر کی فریاد لے کر پہنچا تھا میں نے فیصلہ کیا کہ اس مظلوم کی فریاد رسی کے لئے مجھے خود دہلی پہنچ کر سلطان سے اس کی سفارش کرنی چاہئے کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ جب تک انسان خدا کے کسی بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کی نصرت فرمائی اس وقت تک اس

کے شامل حال رہتی ہے تو کیا میں خود خدا کی مدد کا محتاج نہیں ہوں ؟۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "جو لوگ مخلوق کی خدمت کرتے ہیں اور مخلوق کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر دل برداشتہ ہونے کے بجائے ان پر صبر کرتے ہیں ان کا درجہ "صدیقوں" جیسا ہے۔

(مشائخ چشت ص۱۵۱)

حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے دہلی کے پرآشوب دور میں ایک دن فرمایا۔ "اب مجھے خلوت کی فرصت نہیں۔ دن بھر مخلوق خدا کے ساتھ رہتا ہوں، بلکہ قیلولہ بھی میسر نہیں۔ بارہا قیلولہ کرنا چاہتا ہوں مگر لوگ جگا دیتے ہیں کہ فلاں آدمی آیا ہے۔ اُٹھیے"۔ (مشائخ چشت ص۲۰۱)

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی اپنے مریدین کو نصیحت فرمایا کرتے تھے "لوگوں کو دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے فیض پہنچاؤ اور اپنے عیش و آرام اور راحت کو خدا کی مخلوق پر قربان کرو"

(ایضاً ص۳۹۰)

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے خلیفۂ اول اور صاجزادے حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کی خانقاہ پر چار منشی اور کلرک چوبیس گھنٹے مقرر رہتے تھے اور انہیں ہدایت تھی کہ جب کوئی ضرورت مند آئے تو اس کی ضرورت لکھ کر مجھے اطلاع دی جائے اور اس کا کام فوراً انجام دیا جائے کوئی ضرورت مند کسی وقت محروم واپس نہ جائے۔

یہی وہ اولیاء اللہ اور مشائخ طریقت تھے جن کے دم سے ہندوستان میں "اسلام" پھیلا، اور دین محمدؐ کے اجالے نے کفر و بت پرستی کا اندھیرا دور کیا۔

اولیاء اسلام کے نزدیک نفلی عبادات کے مقابلہ میں ضرورتمند کی مدد کرنا کس قدر اہم اور ضروری تھا حسب ذیل دو واقعات سے اس کا اندازہ لگائیے۔ ایک واقعہ حضرت مولانا شاہ فخرالدین دہلویؒ کا ہے جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب راستہ میں چبوترہ پر آرام فرما ہیں۔ اور حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے خلیفہ اور حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے صاجزادے اور جانشین ہیں، دوسرا واقعہ حضرت شیخ ابن عربیؒ کا ہے جنھیں امام الاولیاء کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا وہ طبقہ ان واقعات پر خاص توجہ کرے جو محبت اولیاء اللہ کے لئے صرف چند مراسم پر اکتفا کرتا ہے اور ان کی زندگی کے مشن "خدمت خلق" کو اپنی زندگی کا اصول نہیں بناتا۔

اسی کے ساتھ وہ لوگ جو سرزمین ہند پر اسلامی عظمت کا پرچم بلند کرنے والے ان اولیاء کرام کی دعوتی اور تبلیغی حکمت عملی کو سمجھے بغیر ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں وہ بھی غور کریں کہ ان حضرات نے اسلام کو عوام کے دلوں میں اتارنے کے لئے کس قدر ایثار و قربانی سے کام لیا ہے۔

مولانا شاہ فخرالدینؒ کا واقعہ ہے کہ ایکدفعہ شاہ صاحب حج کرنیکے ارادے سے نکلے جب جہاز پر سوار ہونے لگے تو ایک بڑھیا نے آکر سوال کیا کہ حضرت ! مجھے اپنی لڑکی کی شادی کرنی ہے اور میرا حال یہ ہے کہ مجھ پر فاقے گذرتے ہیں پھر میں یہ فرض کس طرح انجام دوں شاہ صاحب نے یہ سنتے ہی اپنا سامان جہاز سے اُتار لیا اور آپکے پاس جو کچھ زادراہ تھا وہ سب اس بڑھیا کے حوالہ کیا اور خود وطن واپس آگئے۔ (مشائخ چشت ص۴۸۳)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے برگزیدہ بندے نفلی عبادات، نفلی نماز، اور نفلی حج کے مقابلہ میں مخلوق خدا کی خدمت کو مقدم اور ضروری سمجھتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا ہے کہ شیخ حج کے ارادے سے نکلے۔ آپ بغداد کی ایک دکان پر زادراہ خرید فرما رہے تھے کہ ایک بڑھیا کو کوڑی کے اوپر سے مردہ مرغی اٹھا کر اور چادر میں چھپا کر لیجاتے ہوئے دیکھا۔ شیخ بے قرار ہوگئے، اس کے پیچھے پیچھے اس کے گھر گئے دستک دی، بڑی بی سے اسکی وجہ پوچھی۔ وہ بولیں اے مسافر جا تو میرا راز فاش کیوں کراتا ہے۔ میرے بچے تین وقت کے فاقہ سے نڈھال ہو چکے ہیں۔ اب (باقی ص۱۶ پر دیکھیے)

باب المسائل

قرآن پاک انگریزی رسم الخط میں

(دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

"مولوی عبدالحلیم الیاسی ایم اے" نے قرآن مجید کی اصل عبارت کو انگریزی رسم الخط میں شائع کرنے کی تحریک کی ہے ان کے اس جذبہ کی بنیاد یہ ہے کہ انگریزی داں ممالک میں ہزاروں لاکھوں افراد قرآن کریم کو اس کی زبان میں پڑھنے کے شائق ہیں۔ اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ متن قرآن کو انگریزی خط میں لکھا جائے ——— الیاسی صاحب نے اس طرح کچھ حصہ چھاپ کر بعض اہل علم کے سامنے پیش بھی کیا ہے۔

دارالعلوم کے دارالافتاء نے اس طریقۂ طباعت میں جو قباحتیں ہیں انہیں محسوس کیا اور اپنی ایک تحریر میں اُن برائیوں کا جائزہ لیا جو متن قرآن کو عربی رسم الخط سے جُدا کردینے اور کسی دوسرے رسم الخط میں لکھ دینے سے پیدا ہوسکتی ہیں۔ یہ تحریر عام مسلمانوں کی واقفیت کے لئے شریک اشاعت ہے

دارالافتاء کی تحریر پر خود حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ نے ایک سوال قائم فرمایا۔ یہ سوال اور اس کا جواب بھی ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

"(سید ازہر شاہ قیصر)"

"الجواب وباللہ التوفیق"

محترما۔

سلام مسنون

جناب مولوی عبدالحلیم صاحب الیاسی ایم۔ اے۔ ڈی ایڈ کا انگریزی رسم الخط میں شائع کردہ قرآن کریم جب تک پڑھ کر اسکر غور نہ کر لیا جائے۔ اس کے بارہ میں کچھ تفصیل سے نہیں کہا جاسکتا۔ اسیطرح اسکا ترجمہ بھی سامنے ہو تو کچھ کہا جائے۔

البتہ اصولی طور پر اجمالاً اتنی بات کہی جاتی ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی قرآن کریم کی کتابت کو عربی رسم الخط کے ماسوا کسی رسم الخط میں جائز نہیں قرار دیا ہے خواہ انگریزی رسم الخط میں ہو خواہ کسی اور رسم الخط میں ہو۔

چنانچہ صاحب تفسیر اتقان اسطرح فرماتے ہیں

لم یجوز احد من
الائمۃ الاربعۃ
کتابۃ القرآن
لغیر العربیۃ۔۱۲

اوراس کی منجملہ وجوہ کی یہ وجہ بھی ہے کہ قرآن پاک عَلَمٌ (اسم ونام) ہے اس خاص کلام الٰہی کا جو بذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں ایک خاص انداز سے نازل ہوا ہے۔

اول تو اَعلام (ناموں) میں تغیر وتبدیل درست نہیں دوسرے یہ کہ یہ قرآن کریم باری تعالیٰ عزاسمہٗ کی صفات ازلیہ خاصہ میں سے ایک خاص صفت (تکلم) پر دال ہے۔ جو "لیس کمثلہ شیٔ" ہے*۔ اور اسکا رسم الخط بھی لیس کمثلہ شیٔ ہے کسی دوسری زبان کا رسم الخط مصحف پاک کے رسم الخط پر حاوی نہیں۔ بالخصوص انگریزی وغیرہ رسم الخط جس میں عربی حروف تہجی تک کے امتیازات پوری طور سے نہوں فروری ۱۹۷۲ء کے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں اس عنوان (ہندی رسم الخط میں قرآن کریم کی اشاعت) کے تحت ذرا تفصیلی مضمون شائع ہوچکا ہے۔ اسکا مطالعہ بھی اس موقعہ پر کرلینا ضروری ہے۔

ہاں جو لوگ عربی زبان سے ناواقف ہونیکی وجہ سے تلاوت قرآن پاک نہ کرسکتے ہوں انکی تلاوت وتعلیم اور تلقین کے لئے یہ ہوسکتا ہے کہ مصحف پاک کی ترتیب کے مطابق داہنی طرف سے کتابت شروع کی جائے۔ اور پہلے قرآن کریم کو سرحوص و سرصفحہ نمایاں کرکے مصحف پاک کے اصل عربی رسم الخط میں تھوڑا تھوڑا کرکے اس طرح لکھا جائے کہ اسکا اصل ہونا اوراس کی متبوعیت وعظمت اوراس کا پورا ادب واحترام محفوظ وملحوظ رہے۔

اور اس کے نیچے تابع بناکر انگریزی زبان میں اتنی ہی عبارت اس طرح لکھی جائے کہ قرآن کریم کے تمام خصوصی حروف مثلاً س، ص، ث، اور ز، ذ، ظ، ض، اور ہمزہ، ع اوراس کے تمام فروق وامتیازات وتمام خصوصیات کتابت واداء وغیرہ کی پوری پوری رعایت موجود وملحوظ رہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ صورت اسی وقت ممکن ہوگی جب پہلے ان تمام خصوصیات کے لئے جامع مانع اصطلاحات بالکل مصحف پاک کے رسم الخط واصطلاحات کے مطابق وضع کرکے اس عبارت کے رسم الخط واصطلاحات کو بھی اسطرح مکمل کرلیا جائے کہ مصحف پاک کے حروف وحرکات میں سے ایک حرف یا حرکت کی بھی کمی یا بیشی نہ رہے۔ اور وقف ووصل وغیرہ اصول ادا کے بھی بالکل مطابق ہوجائے۔ ورنہ بغیر اس کے کوئی صورت جواز کی نہ ہوگی۔

اوران تمام باتوں کے ساتھ ایک بات اور بھی ضروری ولازمی رہے گی کہ اس عبارت کا نام "قرآن کریم" یا "انگریزی رسم الخط میں قرآن کریم" ہرگز نہ تجویز کریں۔ بلکہ اصل قرآن کریم سے امتیاز کی غرض سے نیز خلط وتلبیس وتحریف سے حفاظت کی غرض سے سرخی میں اور ٹائیٹل پر فقط یہ لکھیں۔

" انگریزی رسم الخط کے ذریعہ قرآن کریم کے حروف کی شناخت، تاکہ اصل قرآن کریم کی تلاوت میں آسانی ہو۔"۱۲

صرف قرآن کا نام اسکو ہرگز نہ دیا جائے۔

اگر کسی عمل یا فعل کی وجہ سے ذرا بھی التباس ہوگا تو پھر جواز واباحت کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ مصحف پاک کے رسم الخط کی مطابقت کے ساتھ یہ عبارت مصحف پاک کی اصل عربی عبارت کے نیچے لکھ کر پھر اس کے بعد اُس کے مفہوم ومعنیٰ کی تشریح معتبر تفاسیر وتراجم سے بہ حیثیت ترجمہ وتفسیر لکھا جائے۔

فقط۔ واللہ تعالےٰ اعلم

کتبہ الاحقر نظام الدین (دارالعلوم دیوبند۔ سہارنپور)

* اور اسی وجہ سے یہ قرآن کریم بھی لیس کمثلہ شیٔ ہے

الجواب صحیح وصرح بہ فی رد المحتار حیث قال فی الفتح عن الکافی ان اعتاد القرأۃ بالفارسیۃ او اراد ان یکتب مصحفاً بہا یمنع وان فعل فی آیۃ او آیتین لا، فان کتب القرآن وتفسیر کل حرف وترجمتہ جاز اھ شامی ج۱ ص۳۲۵

العبد محمود غفرلہ

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تحریر گرامی

الجواب صواب۔ صرف اس بارہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ سرخی اور ٹائیٹل پر جو عبارت لکھنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ "انگریزی رسم الخط میں قرآن کریم کا تعارف" یا "انگریزی رسم الخط میں قرآن کریم کی تعلیم کا ذریعہ" کی عبارات میں تعلیم یا تعارف کا لفظ اُس مفہوم کو ادا نہیں کرتا جو فتویٰ مستفتی کا مقصد ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم اگر انگریزی زبان میں دی جائے تو وہ ممنوع نہیں، اس کا تعارف انگریزی زبان میں کرایا جائے تو وہ بھی زیر ممانعت نہیں، یہاں گفتگو تلاوت کی ہے۔ اس لئے اگر تعلیم و تعارف کے بجائے یہ ہو کہ "انگریزی زبان میں قرآن کریم کی تعبیر، تلاوت کا ذریعہ" تو اس پر غور کر لیا جائے۔ شرائط وہ سب ضروری ہیں جو فتویٰ میں درج کی گئی ہیں۔ اُن شرائط کے ساتھ اگر تعبیر و تلاوت کا ذریعہ انگریزی رسم الخط کو بنایا جائے (جو بظاہر اِن حضرات کا مقصد ہے) تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ واضح طریق پر یہ لکھا جائے کہ جب اصل عبارتِ قرآنی کی رومن میں اجازت ہے تو کیا تلاوت کی بھی اجازت ہے۔؟

محمد طیب غفرلہ
۱۴۰۳/۱/۹ھ

دارالافتاء کا دوسرا جواب

حضرت والا مدظلہ العالی
سلام مسنون۔

بجواب مراسلہ ۵۸۲ عرض ہے — کہ اصل عبارت قرآنی کی کتابت رومن میں بھی بہ حیثیت قرآن (مصحف) اجازت نہیں ہے اور نہ رومن میں بہ حیثیت مصحف تلاوت ہی کی اجازت ہے جیسا کہ شروع جواب ہی میں عرض کر دیا گیا ہے۔ پھر الجواب صحیح کے تحت شامی ص۳۲۵ ج۱ سے واضح کر دیا گیا ہے — نیز ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ماہ فروری ۱۹۷۲ء میں بھی اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

البتہ اس جواب کی ہدایات کے مطابق رومن کی اس کتابت کو اصل قرآن کریم کے لئے جو سرورق مکتوب ہوگا پڑھنے (تلاوت کرنے) کا ذریعہ کہا جا سکے گا۔ اور صرف اسی کی گنجائش ہو سکے گی۔ اور اس رومن عبارت کی حیثیت صرف ترجمہ یا تفسیر کی طرح ہوگی۔

اور بجا یا فرمایا گیا ہے کہ ٹائیٹل وسرخی میں کچھ تبدیلی کر دی جائے — مثلاً اس طرح کر دیا جائے

(۱) "انگریزی رسم الخط میں تلاوت قرآن کریم کا تعارف" یا
(۲) "انگریزی رسم الخط میں تلاوت قرآن کریم کی تعلیم کا ذریعہ" یا
(۳) "انگریزی رسم الخط کے ذریعہ قرآن کریم پڑھنے کا طریقہ" یا
(۴) "انگریزی رسم الخط کے ذریعہ قرآن کریم کے حروف کی شناخت تاکہ اصل قرآن شریف کی تلاوت میں آسانی ہو" یا
(۵) حضرت والا خود جو عنوان مناسب تجویز فرمائیں وہ رکھ دیا جائے۔

فقط والسلام مع الاحترام
بندہ نظام الدین
۱۴۰۳/۱/۹ھ

"دارالعلوم" کے
ایک مضمون پر تعاقب

(محمد اسلم شاد)

محترم و مکرم جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا!

عرض خدمت یہ ہے کہ ماہنامہ دارالعلوم ماہ جنوری ۱۹۷۳ء کے صفحہ ۳۸ پر "سائنس دانش گاہِ اسلام کا طفلِ مکتب" کے عنوان سے احمد سیرت صاحب کا مضمون سے گذرا۔ بغور پڑھا۔ اس میں چند تاریخی غلطی اور قابلِ اعتراض پہلو بھی نظر آئے۔ انہی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ سطور حوالۂ قلم ہو رہی ہیں۔

مضمون کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ اس نے (سائنس نے) اپنی تمام ایجادات کے ڈھانچوں کو اسلام کی بنیاد پر اسلام ہی کے کہنے کے مطابق کھڑا کیا ہے'۔

سوال یہ ہے کہ تاریخی حیثیت سے یہ کہاں تک صحیح ہے کہ سائنس دانوں نے اسلام کی بنیاد پر اپنی مصنوعات واختراعات اور ایجادات کی بنیاد رکھی ہے؟ کیا ٹیلی ویژن' ریڈیو اور جیٹ طیارے وغیرہ یہ کونسی اسلامی بنیاد پر قائم ہیں؟ یہ تاریخی انتساب کس کتاب میں ہیں اس کا حوالہ ضروری ہے ہر فرد وبشر جانتا ہے کہ سائنس کی بنیاد مادی اشیاء پر ہے۔ جبکہ اسلام کی بنیاد سراسر روح کی پاکیزگی وطہارت پر ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ مادی اشیاء کے حصول اور منفعت سے (حلال کی حد تک) نہیں روکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ سائنس کے تمام ایجادات کے ڈھانچے اسلام کی بنیاد پر ہیں؟۔

مضمون نگار صاحب دوسری جگہ رقم طراز ہیں کہ "اسلام کے کئی ہزار سال"...... یہاں کم از کم آپ کو یقیناً "ہزار سال" پر مارک کرنا تھا۔ اس لئے کہ ایک غیر مسلم نقاد ضرور تنقید کرسکتا ہے کہ آپ کا اسلام تو آج سے چودہ سو سال قبل دنیا میں آیا جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے کہ "اکملت لکم دینکم" پھر ہزار سال" کہاں سے آئے؟

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ گنجینۂ اسلام کے مختلف اطاقوں سے مختلف انواع کے لعل وگوہر حاصل کر کے انہیں دربار زمانہ میں پیش تو ضرور سائنس نے کیا مگر سوائے معدودے چند کے"

میں سوال کرتا ہوں کہ وہ معدودے چند کیا ہیں۔؟

جیسا کہ انہوں نے صریح طور پر دعوی کیا کہ "سائنس اپنے ہر کارہائے نمایاں کے انجام دہی میں دنیا کے واحد فطری مذہب

اسلام کا محتاج رہا ہے" لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کی کوئی دلیل موجود ہے اور نہ "سوائے معدودے چند کے" کہنے کی کوئی دلیل مذکور ہے۔ یہاں بات مہمل ہو جاتی ہے۔ اور اعتراض سے آپکا دامن بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

پھر "الحمد سے والناس سے" اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔" کے پیراگراف تک پڑھا جائے بعنوان "سائنس والشگاہ اسلام کا طفلِ مکتب" کوئی تعلق نہیں ہے صرف لفاظی اور مضمون کو طویل کرنا ہے۔

اسی پیراگراف میں انہوں نے "فیشن" کا لفظ بے جا و بے محل استعمال کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ قاری کے ذہن میں یہ بات بالفور آتی ہے کہ موجودہ فیشن اسلام کا فیشن ہے جو ہر صورت سے غلط ہے مغربی تہذیب و تمدن، سماجی و اخلاقی اور دینی ہر حیثیت سے باعث لعنت ہے، گمراہ کن ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ پہلی جنگ عظیم سے لیکر دنیا کے کسی بھی کونے میں جتنی بھی جنگیں آج تک لڑی گئیں اور لڑی جا رہی ہیں اس طرز جنگ کو قرآن نے صرف تین یا چار سطروں میں بیان کیا ہے" تو مطلب ہوا کہ اب تک وہ تمام جنگیں جو لڑی جا چکی ہیں اسلام کے بتائے ہوئے اصول و قواعد پر لڑی گئیں ہیں جو سراسر غلط ہے۔ ایک معمولی درجے کا طالب العلم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ اسلام ہرگز ہرگز اس قسم کی جنگوں کی تعلیم نہیں دیتا ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "ملک یمن پر حبشی غالب ہوئے اور ایک مدت تک حکومت کی، اس دوران اِن سارے عربوں کو ہر سال کعبے کا حج کرتے دیکھ کر حسد کی آگ میں جل اٹھے" یہاں تک تو انہوں نے اپنا قلم سنبھالا لیکن آگے پھر غلط راستہ پر پڑ گئے اس کے بعد جوش میں آکر لکھتے ہیں کہ "انہیں اہل اسلام کی بین الملکی اور بین الاقوامی اجتماعی عبادت یعنی حج کعبۃ اللہ ایک آنکھ نہ بھائی اور مسلمانوں کا یہ خالص مذہبی فریضہ کچھ اتنا ناگوار گزرا کہ اُسے اپنے حسنِ خیال کے مطابق ادا کرنے کا تہیہ کر لیا۔

غور کیجئے اوپر کے جملہ سے ان کی مراد آبرہہ اشرم اور اس کی فوج تھی جس نے کعبہ مقدس کو منہدم کرنے کا قصد کیا تھا لیکن وہ معلوم نہیں کس خیال میں تھے کہ "اہل اسلام"[1] کا ذکر شروع کر دیا اور "مسلمانوں کا یہ خالص مذہبی فریضہ" اپنی جانب سے گھڑ لیا حالانکہ اس وقت اسلام کا مذہبی فریضہ حج کا وجود تک نہیں تھا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی نظر تاریخ پر کس قدر ہے۔ الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار صاحب نے تاریخ سے پوری اور ضروری واقفیت حاصل نہیں کی۔

تاریخ سے ناواقفیت پر ایک اور پیراگراف ملاحظہ ہو، مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں کہ "پھر بھی انہوں نے (عرب قوم) رب جلیل القدر کی آن کا اپنی جان سے دفاع کیا اور ابرہہ کے لشکر جرار کی اپنی حیثیت سے بڑھ کر مزاحمت کی۔" غور کیجئے یہ کس تاریخ کی روشنی میں انھوں نے لکھا کہ ابرہہ کی فوج کا عرب قوم نے مقابلہ کیا؟ اور جام شہادت نوش کیا؟ اور کتنے انتظار شہادت میں اپنے مورچوں پر ڈٹے رہے، یہ کس تاریخ کی کتاب میں ہے؟ وہ کونسا قبیلہ تھا؟ —— اس سے بڑھ کر تاریخ سے ناواقفیت اور کیا ہو گی کہ انہوں نے سورۂ فیل کی پندرھویں آیت "اے اہل ایمان! جب میدان جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا" کو سراپا تفسیر قرار دیا ہے —— مضمون نگار صاحب کے علم پر بس ماتم کیجئے —— پھر وہ اس واقعہ کو توڑ موڑ کر ذکر کرنے کے بعد سائنس کے

---

[1] ناقد صاحب یہاں اپنی تنقید میں غلطی کر رہے ہیں۔ بعثت نبوی صلعم سے پہلے حج تھا اور سب مشرکین عرب حج کرتے تھے البتہ وہ حج کی تاریخوں کو ادلتے بدلتے رہتے تھے۔ مضمون نگار پر اعتراض صرف یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اُس وقت کے عیسائیوں اور مشرکین کو اہل اسلام کیسے کہا۔ اور مضمون نگار اسکا بھی جواب دے سکتے ہیں کہ حج اصل میں شعائر اسلام میں سے ایک ہے جو مسلمانوں ہی پر فرض کیا گیا ہے۔ حج ادا کرنیوالے مسلمان ہوں یا مشرکین عرب، حج بہرحال فریضۂ اسلامی ہے

اصل موضوع پر آتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ سائنس نے جنگی ٹینک بناتے وقت ابرہہ کے ہاتھیوں کو پیش نظر رکھا، کیا وہ کسی سائنس داں کا نام بتائینگے یا کسی بھی سائنس کی ایک تھیوری کو پیش کرینگے کہ اس نے ٹینک ہاتھیوں کو پیش نظر رکھ کر بنایا ہے۔ ہرگز نہیں یہ الگ بات ہے کہ جس نے بھی بنایا ہوگا وہ بغیر تھیوری کے نہیں بنایا ہوگا لیکن ہاتھیوں کو پیش نظر رکھ کر تو نہیں بنایا ہوگا پھر مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں کہ "اسلام کی ابابیلوں کی نقل کرتے ہوئے لڑاکا طیارے بنائے" یہاں بھی سابقہ اعتراض در پیش ہوتا ہے۔ ثبوت کیا ہے کہ اسی کو پیش نظر رکھا؟ اس سائنس داں کا نام کیا ہے؟ شاید اب تک نہ بنا ہوتا تو مضمون نگار صاحب بنا دیتے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ "اسیطرح اسلام کی کنکریوں اور پتھروں کی جنہیں "حجارہ" کہا گیا ہے نقل کی اور بم بنائے" غور کیجئے کیا ہی گل افشانی فرما رہے ہیں۔

دوسری طرف مضمون میں الفاظ بغیر ناپ تول کے بھر دئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ آج بھی چڑیوں کے "بیہوش" کرنے کے لئے سائنس جو چھرے استعمال کرتا ہے وہ بھی مسور اور چنوں سے وزن میں کئی گنا بھاری اور حجم میں دس گنا زیادہ بڑے ہوتے ہیں" اگر ان کی تحقیق کو بلا چون چرا مان لیا جائے تب بھی اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چڑیوں کو بیہوش تو کیا نہیں جاتا، ہاں ہلاک کیا مارا جاتا ہے غالباً انہوں نے بیہوشی اور موت کو ایک ہی تصور کر لیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "کنکریاں انکے ننھے منے پنجوں اور معصوم چونچوں میں تھیں" یہاں معصوم چونچوں کا ذکر بھی بڑے محل پر ہے یہ بھی لکھدیتے کہ اس وقت گنہگار چونچیں کہاں تھیں تو مقابلہ خوب رہتا۔

تعمیری جدوجہد

تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہے

عیسائی ہندوستان میں ایک بہت چھوٹے فرقہ کی حیثیت رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود برابر ترقی کر رہے ہیں۔ اسکی وجہ صرف ایک ہے کہ وہ ایسے تعمیری کاموں میں لگے ہوئے ہیں جو دلوں کو کھینچنے والے ہیں۔ وہ تعمیری کام اور ہندوستان میں ان کے اعداد و شمار یہ ہیں:۔

ٹریننگ سینٹر	۵۷
یتیم خانے	۵۵۴
مڈل اسکول	۱۲۲۸
کالج	۵۹
غیر ملکی مشنری	۳۰۰۰
استاد اور پروفیسر	۱۲۰۰۰
پرائمری اسکول	۴۸۷۷
ہائی اسکول	۸۸۹
ہوسٹل	۴۶۷
ہندوستانی پادری	۴۹۴۶
ڈاکٹر اور نرسیں	۲۵۰۰۰

بلا کشانِ محبت بکوئے یار روند

سنہ ۱۹۷۲ء کے حجاج کی تعداد

اردن	۲۵۸۱۹	دوسری آبادیات	۲۸
الجزائر	۲۵۸۲۴	ملائشیا	۱۰۳۹۵
سوڈان	۲۹۵۰۶	افغانستان	۱۷۴۴۷
عراق	۲۴۶۸۱	قوم پرست چین	۱۸
کویت	۸۰۹۴	فلپائن	۷
مغرب	۲۲۴۲۵	ہندوستان	۱۸۳۰۶
یمن	۶۰۲۵۰	انڈونیشیا	۲۲۶۵۹
تیونس	۱۰۱۲۶	ایران	۴۵۲۹۸
شام	۲۱۷۷۳	پاکستان	۹۵۹۶۸
فلسطین	۱۵۶۵	سیلون	۶۷
لبنان	۶۷۱۵	سنگاپور	۷۶۱
لیبیا	۲۳۷۷۴	کمبوڈیا	۴
مصر	۳۹۶۰۶	ترکی	۲۷۲۳۵
جنوبی یمن	۲۰۴۶	تھائی لینڈ	۲۰۵۷
آبادیات خلیج عربی	۸۵۹۰	نیپال	۱
ابوظبی وام القوین	۸۱۴	جنوبی ویتنام	۱۲
شارقہ وراس الخیمہ	۱۶۵	دیگر ایشیائی ممالک	۴
بحرین	۲۲۶۵	ایتھوپیا	۲۸۴۳
دبئی، عجمان	۴۶۳	نیجر	۳۹۷۸
عمان	۳۵۱۸	سنغال	۲۷۱۹
قطر	۱۳۴۶	صومال	۲۰۳۲

کانگو	۴۴
کمرون	۱۷۵۱
تنزانیہ	۱۳۱۲
ٹوجو	۱۶۱
چاڈ	۴۰۰۲
وسطی افریقہ	۳۵۹
جامبیا	۳۱۶
داہومی	۴۷۹
سیرالیون	۱۲۳
ساحل عاج	۹۳۰
گھانا	۸۶۰
غینیا	۱۸۶۰
فولٹاعلیا	۱۱۷
کینیا	۷۳۴
لیبیریا	۳۹
ورجینیا	۸۶۷
ملاجاش	۲۶
موریشس	۲۰۵
نیجیریا	۴۴۰۶۱
یوگنڈا	۸۵۶
جنوبی افریقہ	۲۹۵۶
دوسرے افریقی ممالک	۷۶۳
اسپین	۱۲۳
پرتگال	۶۱
برطانیہ	۱۰۵۳
فرانس	۴۹۷
یونان	۲۸۶
یوگوسلاویہ	۱۸
امریکہ	۱۶۰
دوسرے ممالک	۱۱۱

کل تعداد

۶،۴۵،۱۸۲

چھ لاکھ پینتالیس ہزار ایک سو بیاسی

صفحہ ۲۳ کا بقیہ

(علمی جواہر پارے)

اس طرح ظاہر فرمایا کہ ہاتھ گریبان کے اندر سے نکالے، جس طرح یہ ہاتھ اس وقت گریبان کی تنگی کی وجہ سے بندھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اسی طرح بخیل کا ہاتھ تنگ ہوتا ہے۔

حافظ الدنیا ابن حجر رح نے صحیح بخاری میں فرمایا ہے:-

فالظاھر انہ کان لابسا قمیصا
وکان طوقہ فتحۃ الی صدرہ

پس ظاہر یہ ہے کہ آپ اُس وقت کُرتہ پہنے ہوئے تھے اور اس کے گریبان کا شق سینۂ مبارک پر تھا۔

پھر فرمایا کہ ابن بطالؒ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ گریبان سلف کے کُرتوں میں سینہ پر ہوتے تھے اور طبرانی رح نے حضرت زید ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے گریبان کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اُن کو بند فرمایا۔

قرآن مجید کی کتابت میں غلطیاں

مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر

قرآن پاک، اللہ برتر و بزرگ کا کلام ہے، جو پوری دنیا کے لئے صحیفۂ سعادت اور مسلمانوں کے لئے ایک لازوال دولت ہے۔ اُمّت نے جس طرح قرآن پاک کی حفاظت کی وہ مسلمانوں کے دینی احساس کا ایک نمایاں کرشمہ ہے۔ لاکھوں حُفّاظ، قرآن پاک کو اپنے سینوں میں محفوظ کیے ہوئے، اور کروڑوں مسلمان قرآن کی تلاوت کو اپنا وظیفۂ زندگی بنائے ہوئے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کو فرائض و عقائد اسلامی سے پورا اعتناء نہیں رہا اور ان کے اکثر کاموں میں غفلت اور ڈھیل پیدا ہو گئی ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ بھی جیسا معاملہ وہ کرتے تھے اب ایسا نہیں کرتے۔

ایک محترم دوست جناب "مولوی اسماعیل احمد عبداللہ" صاحب نے بلیک برن (انگلینڈ) سے ہمیں چند مطبوعہ اوراق روانہ کیے ہیں جن میں

(۱) کریمی پریس بمبئی کے مطبوعہ قرآن پاک ص ۲۰۵

(۲) تاج آفس بمبئی کے قرآن ص ۲۳۳، ص ۱۲۹، ص ۱۳۲، ص ۱۳۳، ص ۱۳۵، ص ۱۳۳

(۳) "ادارہ اشاعت دینیات دہلی" کے مطبوعہ قرآن پاک،

(۴) کریمی پریس بمبئی کے ص ۲۳۵، ص ۲۳۶، ص ۲۳۵ اور نمبر ص ۱۳۳،

کی غلطیوں کی باقاعدہ نشاندہی اور تصحیح کی گئی ہے۔

افسوس ہے کہ یہ اوراق غیر مرتب تھے۔ اسلئے ہم انہیں بعینہٖ رسالہ میں شائع نہیں کر سکے۔ مگر اگر ان اوراق کو بقید صفحہ مرتب شکل میں ہمیں بھیجدیں تو ہم انہیں رسالہ میں بھی شائع کر سکتے ہیں۔ سردست اس نوٹ کے ذریعہ ہم ان ناشرانِ قرآن مجید سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ درج ذیل پتہ سے تصحیح شدہ اوراق منگا کر خاص انتظام سے قرآن پاک کی تصحیح کریں۔ یہ ایک فریضۂ دینی ہے اس کی ادائیگی میں سعادت اور بصورتِ دیگر سخت وبال کا خطرہ ہے۔

قرآن پڑھنے پڑھانے والے بھی ان مطابع کو ان غلطیوں پر تنبیہ کریں۔

تصحیح شائع کرنے والے صاحب کا پتہ :-

"اسماعیل احمد عبداللہ ۳۱ بلیک برن

BB1 6 5 H

تاریخ دارالعلوم دیوبند کا ایک صفحہ

بزرگی بعقل است نہ بسال

(الحاج سید محبوب صاحب رضوی)

رسالہ دارالعلوم کے قلمی معاون جناب سید محبوب صاحب رضوی "مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی تجویز کے مطابق دارالعلوم دیوبند کی ایک مفصل تاریخ لکھ رہے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مکمل ہونے والی ہے، تاریخ دارالعلوم کے ضمن میں سید صاحب نے اکابر دارالعلوم کی عمروں کا ایک دلچسپ تاریخی نقشہ بنایا ہے جس سے قیام دارالعلوم کے وقت ہر ایک بزرگ کی عمر کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نقشہ بہت سے ایسے لوگوں کو چونکا دینے والا ہے جو اکابر دارالعلوم کی نسبت یہ تصور رکھتے ہیں کہ وہ سب بزرگ کہن سال اور عمر رسیدہ ہونگے ——— مگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہوکر حیرت ہوگی کہ قیام دارالعلوم کے وقت یہ سب اکابر عمر کے اسی دور میں تھے جسے عام طور پر بڑے بوڑھوں کے نزدیک جوانی کی عمر کہا جاتا ہے، ذیل میں یہ نقشہ پیش کیا جا رہا ہے۔" (مدیر)

آپ کو یہ معلوم ہوکر شاید تعجب ہوگا کہ قیام دارالعلوم کے وقت اکابر دارالعلوم کچھ زیادہ مُسِن اور معمّر نہ تھے، بلکہ ان کا تعلق عمر کے اس دور سے تھا جسے دورِ شباب کہا جاتا ہے، نوجوانوں کے لئے یہ مثال بڑی سبق آموز ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ مردانِ کار کسی بڑے کام کا آغاز کرنے کے لئے اپنے کہن سال اور معمّر ہونے کا انتظار نہیں کیا کرتے ہیں۔ دارالعلوم کے اکابر سِتّہ کی اس جماعت مقدسہ میں سب سے زیادہ معمّر حضرتؒ مولانا ذوالفقار علی" (عمر ۴۵ سال تھی)

اُن کے علاوہ کسی کی عمر ۳۵ سال سے زیادہ نہ تھی تفصیل کے لئے ذیل کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے۔

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سِن ولادت	عمر بوقت تحریک دارالعلوم ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۲ھ
۱	حضرت مولانا ذوالفقار علی رح	سنہ ۱۲۳۷ھ	۴۵ سال
۲	" " فضل الرحمٰن رح	سنہ ۱۲۴۷ھ	۳۵ سال
۳	" " محمد قاسم نانوتوی رح	سنہ ۱۲۴۸ھ	۳۴ سال
۴	" " محمد یعقوب نانوتوی رح	سنہ ۱۲۴۹ھ	۳۳ سال
۵	" " حاجی محمد عابد رح	سنہ ۱۲۵۰ھ	۳۲ سال
۶	" " رفیع الدین رح	سنہ ۱۲۵۲ھ	۳۰ سال

منہ بولا بیٹا

احکام شریعت کی روشنی میں

(مفتی نظام الدین صاحب)

حامداً و مصلیا و مسلما
الجواب و باللہ التوفیق

جناب سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پیشتر بلکہ مبعوث ہونیکے بعد بھی ابتدائی زمانہ میں منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنانیکا عام رواج تھا۔ متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بناکر اس کے ساتھ بالکل حقیقی و صلبی بیٹے جیسا معاملہ کرتے تھے۔ اس کی بیوی سے کبھی نکاح جائز نہیں سمجھتے تھے اسکو صلبی بیٹے کی طرح وارث قرار دیتے تھے۔ ولدیت میں نسبت بھی اوسی منہ بولا بیٹا بنانے والے کی طرف کرتے تھے۔ وہ منہ بولا بیٹا اسی کا بیٹا کہا اور سمجھا جاتا تھا۔

چنانچہ خود سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنایا تھا اور وہ زید بن محمدؐ کہے جاتے تھے۔ اور پھر آپ نے انکا نکاح بھی اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کے ساتھ کر دیا تھا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عامر بن ربیعہ کو منہ بولا بیٹا مانا تھا اور وہ عامر بن الخطاب کہے جاتے تھے۔ وغیر ذلک

مگر آیۃ کریمہ

وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یھدی الحق وھو یھدی السبیل۔ ادعواھم لاباءھم وھو اقسط عند اللہ الآیۃ	(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹے کو تمہارا (حقیقی و صلبی) بیٹا نہیں بنایا ہے۔ یہ محض تمہاری منہ کی (اور بے بنیاد) بات ہے اللہ تعالیٰ ہی (اور حق بات کہتے ہیں اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان منہ بولے بیٹوں کو انکے (اصلی) باپ کی طرف نسبت کرکے پکارا کرو۔ یہی سچی اور صحیح بات اللہ کے نزدیک ہے۔ ۱۲

نازل فرماکر اللہ رب العزت نے یہ طریقہ یکسر ختم فرمادیا۔ اور اس کی ممانعت کا حکم دیدیا۔ مسلم شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف وغیرہ متعدد کتب صحاح میں متعدد طرق سے یہ روایتیں موجود ہیں۔ اور تفسیر بغوی

علی ابن کثیر صفحہ ۴ میں اسی آیت کریمہ کے تحت اسطرح مذکور ہے۔

قولہ تعالٰی وما جعل ادعیاءکم یعنی من تبنیتموہ ابناءکم۔ فیہ نسخ التبنی وذلک ان الرجل فی الجاھلیۃ کان یتبنی الرجل فیجعلہ کالابن المولود لہ ویدعوہ الناس الیہ ویرث میراثہ ۱۲ وھکذا فی الدر المنثور والخازن وغیرھما۔

ترجمہ۔ اللہ تعالٰی کا قول (وما جعل الخ) اسمیں متبنّٰی بنانیکی منسوخیت کا حکم ہے۔ دورِ جاہلیت میں اس کا رواج تھا کہ لوگ اسکو اپنے نطفہ سے پیدا شدہ بیٹے کیطرح قرار دے لیتے تھے اور دوسرے لوگ بھی اُسکو اُسی کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور اُسکو اُس کی میراث بھی دیتے تھے (اللہ تعالٰی نے اسی کو رد کیا ہے) اور یہی مضمون درمنثور، خازن وغیرہما میں بھی ہے۔

اورتفسیر روح المعانی میں جو مسلّم ترین اور معتمد ترین تفسیر ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں۔

وما جعل ادعیاءکم ابناءکم الآیۃ۔ فیہ ابطال لما کان فی الجاھلیۃ وایضًا فی صدر من الاسلام من انہ اذا تبنّی الرجل ولد غیرہ اجریت احکام البنوۃ علیہ ۱۲۔

(ترجمہ) قولہ تعالٰی وما جعل الخ اس میں اس رواج کو باطل قرار دینا منظور ہے جو جاہلیت میں رائج تھا اور اسلام کے بھی ابتدائی دور میں رائج تھا کہ لوگ دوسرے کے بچہ کو جب منہ بولا بچہ بناتے تو اس پر صلبی بچوں کے سب احکام (وراثت، خاندان وغیرہ) جاری کر دیتے تھے۔ ۱۲

غرض اس ممانعت کے حکم کے بعد یکسر یہ طریقہ ختم کر دیا گیا اور "زید بن محمد" کے بجائے "زید بن حارثہ بن شراحیل" اور "عامر بن الخطاب" کے بجائے "عامر بن ربیعہ" وغیرہ کہا جانے لگے۔ اور جن متبنّٰی کے ولدیت اصلیہ کا پتہ نہ چلا اُن کو دینی بھائی کہا جانے لگا۔ اور آیت مواریث کے خلاف ان کو وراثت دینا ممنوع قرار دیدیا گیا۔ اور پھر ممانعت کے قولی حکم پر قناعت نہیں فرمائی گئی بلکہ چونکہ متبنّٰی کی بیویوں سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا اور صلبی بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کو جس طرح بُرا اور معیوب سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے اِبا اور انکار جسطرح طبعًا راسخ ہوتا ہے اُسی طرح اُن کی بیویوں سے نکاح کرنا بھی طبعًا راسخ ہو چکا تھا اور بیحد معیوب و برا سمجھا جاتا تھا۔ اسلئے خطرہ تھا کہ مبادا موجودین میں یا بعد میں آنے والی نسلوں میں یہ کھٹک خواہ نفسیاتی یا طبعی طور پر کیوں نہو باقی نہ رہجائے۔ اور بوقت عمل شرم و تنگی نہ محسوس کریں۔ ان سب احتمالات کو بھی مٹانے کے لئے اور حکم ممانعت کو مزید مؤکد و مبرہن بنانیکے لئے اس سابق رواج کے خلاف خود جناب سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے عمل بھی کرا دیا گیا اور ایک اُسوہ و نمونہ قائم کرا دیا گیا کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہ کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے طلاق دیدی تو حضرت زینب کا نکاح خود سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا گیا اور اس کا ذکر ارشاد ربانی میں اس طرح فرمایا گیا۔

فلمّا قضٰی زید منھا وطرًا زوّجنٰکھا لکیلا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیاءھم ○ الآیۃ

ترجمہ۔ جب زید نے اس سے (زینب سے) اپنا دل بھر لیا اور طلاق دیدی) تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اُن کے منہ بولے بیٹے کی منکوحات سے نکاح وغیرہ کے معاملہ میں تنگی واقع نہ ہو۔

اور جب اللہ اور اللہ کے رسول کسی بات کا حکم فرمائیں

یا کسی بات سے منع فرمائیں تو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں رہتا کہ وہ اس کے خلاف کرے۔ خلاف کرنا سخت گناہ و معصیت اور سخت وبال کا سبب ہوتا ہے اور کھلی گمراہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وما کان لمومن ولا	کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ
لمومنۃ اذا قضی اللہ	اختیار نہیں ہے کہ جب اللہ اور
ورسولہ امراً ان	اللہ کے رسول کسی بات کا فیصلہ
یکون لھم الخیرۃ	کردیں یا حکم دیدیں تو وہ (اس
من امرھم ومن	کے خلاف) اپنے اختیار سے کام
یعص اللہ ورسولہٗ	(بلکہ ایسا کرنا معصیت ولجاجت ہے)
فقد ضل ضلالاً	اور جو شخص اللہ اور اللہ کے رسول
مبیناo الآیۃ	کے خلاف اور اس کی نافرمانی
	کرتا ہے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا
	ہو جاتا ہے۔ ۱۲

چہ جائیکہ جب والدیت کا محض حکم نہو بلکہ اس حکم کے خلاف کرنے کے جتنے احتمالات و شبہات ہوں ان سب کا بھی عملاً قلع قمع و استیصال کردیا گیا ہو۔ تو پھر تو کسی مسلمان کو اس کے قریب بھی پھٹکنا جائز نہ ہوگا۔ اسلئے کسی مسلمان کو تبنی کا ایسا قانون بنانا یا بنانا جو ان نصوص کے اور دیگر نصوص کتاب و سنت کے خلاف ہو ہرگز جائز نہ ہوگا۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ قانون تبنیت یا اس کی ترویج یا اس کی قانونی آزادی و چھوٹ، سیاسی و اقتصادی اعتبار سے بھی مزاج جمہوریت کے خلاف ہے، نظام سرمایہ داری کو تقویت دینے والا، اور غلط طریقہ پر ارتکاز دولت کا ذریعہ ہوگا۔ اور طرح طرح کی خرابیوں اور فسادات و نزاعات کا سبب بنے گا۔ مثلاً کسی سرمایہ دار کے بیٹا نہو تو اگرچہ اس کے اور بہت سے اعزہ و اقربا موجود ہوں۔ وہ اس قانون و چھوٹ کے ذریعہ کسی کو اپنا متبنّیٰ بنا لیگا اور اس کا سارا سرمایہ و دولت اسی ایک متبنّیٰ کے یہاں مرتکز ہوجائیگی۔ وہی تنہا اس پر مالک و متصرف قرار پاجائیگا۔ اور اس کے سارے اعزہ واقربا محروم رہ جائیں گے چاہے وہ ضرورتمند، محتاج، واجب الاعانت اور قابل رحم ہی کیوں نہوں۔

بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ یہ ضرورتمند و محتاج اعزہ جو اپنے کو اصلی مستحق سمجھتے ہیں اس متبنّیٰ کے درپئے آزار ہوجاتے ہیں جسکی وجہ سے طرح طرح کے فتنہ و فساد رونما ہوجاتے ہیں اور یہ تبنیت آپس میں مستقل عداوت و دشمنی و ایذارسانی کا سبب بنجاتی ہے۔ بعض اوقات قتل و غارت تک کے واقعات پیش آجاتے ہیں اور گھرانے کا گھرانا معاشی و اقتصادی پریشانیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ پھر اس کا سدھار دشوار ہوجاتا ہے

اگر وہ شخص (مورث) کسی کو متبنّیٰ نہ بناتا تو اس کے پوتے، پڑپوتے، سکڑپوتے یا باپ دادا، پردادا، سکڑدادا یا ان کی اولاد ذکور (عصبات) پر تقسیم ہوکر ان کی ضرورتیں پوری ہوتیں، انکا معاشرہ سدھرتا ترقی کرتا۔

یا اگر یہ لوگ بھی نہ ہوتے تو اس کی یا اس کے بیٹے پوتے وغیرہ کی بہنیں یا ان بہنوں کی اولادیں یا اس کے باپ دادا وغیرہ کی بہنوں اور ان کی اولادیں اور اسی طرح اسکے ننہیال میں خونی رشتہ و تعلق رکھنے والوں اور انکی اولادیں کہ یہ سب ذوی الارحام ہوتے ہیں اور بعد عصبات وارث ہوتے ہیں درجہ بدرجہ حسب تخریج شرعی تقسیم ہوکر پورے خاندان کی حاجتیں پوری ہوتیں۔ انکا معاشرہ سدھرتا، بلند ہوتا، ترقی کرتا اور فتنہ و فساد اور یہ طرح طرح کی خرابیاں و پریشانیاں رونما نہ ہوتیں۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اولاد سے مایوس ہو کر کسی بچہ کو متبنّیٰ بنا لیتا ہے پھر قدرت اس کو اولاد دے دیتی ہے تو کبھی تو وہ متبنّیٰ حمل ہی کو ساقط کرانے کی انتھک کوشش کرتا ہے۔ کبھی اس عورت ہی کو زہر دیکر مار ڈالنے کی تدبیریں کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ زیادہ سخت جان ہوئے اور اولاد ہو ہی گئی تو پھر طرح طرح کی لڑائیاں

رونما ہوجاتی ہیں۔ اور جب قدرت کے کارخانہ میں انسان دخیل ہونا چاہیگا تو جتنے بھی فسادات برپا ہوجائیں کم ہیں قدرت نے آیات مواریث نازل فرماکر سب کے حقوق و حدود متعین کردئے تھے۔ اسی کی اتباع کرتے مرنجاں مرنج رہتے۔

رہ گئیں ایسی جزئی ضرورتیں و مصالح جسکو بعض حضرات تبنیت کی تقویت یا جواز میں پیش فرماتے ہیں مثلاً اولاد نرینہ نہیں ہے محض عصبات یا ذوی الارحام ہیں اور مورث کے درپئے آزار ہیں یا مورث محتاج خدمت ہے اور وہ خدمت نہیں کرتے۔ ان حالات مجبوری میں کوئی نواسہ وغیرہ جو محروم ہو یا کوئی اجنبی ہی شخص اس کی خدمت انجام دیتا ہے اور وہ اس کو اپنا ترکہ دینا چاہتا ہو تو کسطرح دے۔ اگر نہ دے تو کسطرح زندگی گذرے۔

جواباً عرض ہے کہ شریعت مطہرہ مکمل قانون ہے اور دیگر عقلی قوانین سے کہیں زیادہ جامع مانع قانون ہے اور ایسا جامع مانع کہ عقول انکا احاطہ نہیں کرسکتیں چنانچہ اس بارہ میں شریعت مطہرہ نے نہایت عمدہ اور بے ضرر قوانین اور رستے بتائے ہیں۔ مثلاً یہ کہ

(الف) اپنے ترکہ کے تہائی کے اندر اندر باقاعدہ گواہوں کے سامنے وصیت کردے — یا

(ب) وجوہ ہبہ (مثلاً حق الخدمت وغیرہ جو واقعی ضرورت ہو اور داعی ہبہ ہو) ظاہر کرتے ہوئے بقدر ضرورت اپنی جائداد سے اپنی زندگی ہی میں اس کو (موہوب لہٗ کو) بطریق ہبہ دیکر اس کے (موہوب لہٗ) پورے قبضہ دخل میں دیدے اور اپنے قبضہ دخل سے الگ کردے اور گواہی شہادت سے اس عمل کو مزین و مکمل کردے تو ایسا بھی کرسکتا ہے۔

حتیٰ کہ اگر ہونے والا وارث فاسق و بدچلن ہے تو یہ اندیشہ ہے کہ وہ جائداد کو اپنے فسق و فجور و بدچلنی میں ضائع کردیگا یا اس کے (مورث کے) تمام ورثہ و پسماندگان متمول و غیر محتاج ہیں تو کل جائداد بھی بذریعہ وقف کسی ایسے دائمی کار خیر کے لئے موقوف کرسکتا ہے جو بغیر کسی ضیاع و فساد کے رہتی دنیا تک قوم و ملک کی ترقی اور ان کے معاشرے درست کرنے میں معین و مددگار ثابت ہوں۔ مثلاً :-

(الف) کسی دینی تعلیم گاہ پر وقف کردیا جائے جو اچھے طریقہ سے اور احتیاط سے صرف کرتی ہو یا کوئی مستقل دینی تعلیم گاہ کھول کر اسپر وقف کردیا — یا

(ب) کسی انجینیرنگ کالج یا کسی صنعتی تعلیم گاہ کے غیر مستطیع طلباء کیلئے وظائف پر وقف کردے یا فقراء و مساکین کے مصارف کے لئے یا غریب بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئی اسکول یا کالج کھولدے وغیرہ وغیرہ۔ اور وقف کی ان سب صورتوں میں واقف خود تاحیات اپنے کو متولی و منتظم رکھ سکتا ہے اور اپنے بعد بھی جسکو چاہے متولی و منتظم نامزد کرسکتا ہے۔ غرض ان طریقوں سے اسکی مشکلات حل ہوسکتی ہیں۔ فقط

والله تعالیٰ اعلم
کتبہ الاحقر "نظام الدین" دار العلوم دیوبند۔

ایک گرانقدر عطیہ

دار العلوم کے مخلص قدیم حاجی ارشاد النبی صاحب نے آگرہ سے مبلغ چھ ہزار روپے دار العلوم کو بھیجے ہیں۔ حاجی صاحب موصوف عرصہ سے بیمار ہیں۔ حلقۂ دار العلوم سے گذارش ہے کہ موصوف کی صحت کیلئے دعا فرمائیں۔

"(ادارہ)"

عرب سوشلسٹ یونین سے

کمیونسٹوں کا اخراج

عبد الخبیر

مصر کی کمیونسٹ پارٹی نے، جو ایک غیر موثر اور مختصر سی پارٹی تھی، ماسکو کی ہدایات پر ۱۹۶۵ء میں اپنا وجود ختم کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک چال تھی، ماسکو اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ مصر میں کمیونسٹ عزائم کی تکمیل کی صرف یہی صورت ہے کہ کمیونسٹ اپنی جداگانہ تنظیم ختم کر کے عرب سوشلسٹ یونین میں، جو مصر کی واحد آئینی سیاسی تنظیم تھی نفوذ کی پالیسی اختیار کریں ۱۹۶۹ء میں ماسکو سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں یہ بات برملا طور پر کہی بھی گئی ہے اس کتاب کے ایک باب کا عنوان ہے "عرب ممالک میں مزدوروں کی تحریک" اس میں درج ہے:۔

"مصری کمیونسٹوں کا خیال ہے کہ وہ سائنٹیفک سوشلزم اور مارکسزم، لینن ازم کے تصورات کا پرچار بہترین طور پر عرب سوشلسٹ یونین کی صفوں میں شامل ہو کر ہی کر سکتے ہیں۔ اس پارٹی میں شامل ہو کر وہ ایک ہراول دستہ بن سکتے ہیں اور محنت کش طبقے کے راہنمایانہ کردار اور سائنٹیفک سوشلزم کے اصولوں کو منوا سکتے ہیں"۔

ماسکو کے یہ عزائم کہ وہ عرب سوشلسٹ یونین کے اندر مارکسیوں کا ایک ہراول دستہ قائم کرے جو عرب سوشلسٹ یونین کو سائنٹیفک سوشلزم کی طرف دھکیلنے کی کوشش کرے، ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اس ناکامی کا تازہ ترین ثبوت عرب سوشلسٹ یونین سے الخولی کا اخراج ہے یہ مارکسی عرب سوشلسٹ یونین کی مرکزی کمیٹی کا ممبر تھا، وہ اس کی امور خارجہ کی سب کمیٹی کا سیکریٹری بھی تھا۔ لیکن ۲۷ فروری ۱۹۷۳ء کو اُسے اور اس کے ۱۴ ساتھیوں کو عرب سوشلسٹ یونین سے خارج کر دیا گیا۔ یہ فیصلہ یونین کی انتدابی کمیٹی نے کیا ہے جس کا اجلاس عوامی اسمبلی کے اسپیکر حافظ بدادی کی صدارت میں ہوا، اس سے چند دن پہلے بھی یساری رجحان رکھنے والے ۴۶ ممبروں کا اخراج ہو چکا ہے، جنہیں شاعر، مصنف، ڈرامہ نگار اور اخبار نویس شامل تھے۔

اخراج کا مطلب یہ ہے کہ الخولی قاہرہ کے یساری جریدے "الطالیہ" کی ادارت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ ۱۹۷۰، ۷۱ء کے دوران میں ایک مختصر سے وقفہ کو چھوڑ کر جب انہیں اُن کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا تھا، وہ اس جریدے کے ایڈیٹر رہے۔ "الطالیہ" جس کے معنی ہراول ہیں۔ الاہرام پبلیکیشنز کے زیر انتظام شائع ہوتا ہے اور یہ عرب سوشلسٹ یونین کا نظریاتی جریدہ ہے۔

اکتوبر ۱۹۶۶ء میں الخولی نے "افریقہ ۔ قومی اور سماجی انقلاب" کے موضوع پر ایک سیمینار کے افتتاحی

اجلاس کی صدارت کی تھی' اس سیمنار کا اہتمام "الطلیعہ" نے کمیونسٹ نظریاتی جریدے "ورلڈ مارکسسٹ ریویو" کے تعاون سے کیا تھا۔ ماسکو کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے "ورلڈ مارکسسٹ ریویو" کے اکتوبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں الخولی نے لکھا تھا:

ایک ہراول انقلابی پارٹی تیار کی جارہی ہے
جو کلیتہً سوشلسٹوں پر مشتمل ہوگی' ایسے
لوگوں پر جو سائنٹیفک سوشلزم کے تصورات
سے سرشار ہوں۔"

ظاہر ہے کہ سائنٹیفک سوشلزم کیمونزم کا دوسرا نام ہے۔ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے الخولی نے لکھا تھا کہ "۔۔ اس ہراول پارٹی کا مشن یہ ہوگا کہ عرب سوشلسٹ یونین اور ساری قوم کو سوشلزم کی راہ پر گامزن کرے۔"

یہی بات الخولی نے ایک انٹرویو میں کہی تھی جو ایک ہفت روزہ جریدے "یونے افریق" کی ۲۰ نومبر ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس انٹرویو میں اس نے ہنگوسوشلسٹوں کی تنظیم کا ذکر کیا تھا جو عرب سوشلسٹ یونین کے قلب میں تشکیل پا رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ یہ پہلا موقع ہے جب عرب سوشلسٹ یونین کے اندر مختلف لوگ آزادانہ طور پر اپنی بات کہہ سکتے ہیں۔ ہم چونکہ مارکسی ہیں اس لئے مارکسی لہجے ہی میں بات کریں گے۔

نیشنل امن کونسل کے رکن کی حیثیت سے الخولی نے عالمی امن کونسل کے جلسوں میں شرکت کے لئے' جو سوویٹ یونین کی ایک محاذی تنظیم ہے' متعدد غیر ملکی دورے کئے ۱۹۷۰ء میں عالمی امن کانگریس نے اُسے پھر اپنی کونسل کا ممبر منتخب کیا۔

الخولی کئی بار ماسکو بھی جاچکا ہے۔ آخری بار وہ وہاں نومبر ۱۹۷۱ء میں گیا تھا۔ اس بار وہ عرب سوشلسٹ یونین کے وفد کے سربراہ کی حیثیت سے وہاں گیا تھا۔ واپس آکر اس نے "الاہرام" کی ۲۱ اکتوبر کی اشاعت میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں سوویٹ یونین کی ان قربانیوں کا بڑا ذکر تھا جو اس نے عربوں کے لئے کیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ عرب دنیا میں سوویٹ روس کے خلاف اگر کچھ ہو رہا ہے تو وہ نابالغ سوشلسٹوں یا عرب رجعت پسندوں کی وجہ سے ہے جو عرب عوام کی اکثریت کے کسی طرح بھی نمائندہ نہیں روسیوں کی نگاہ میں اس کی قدر وقیمت عرب سوشلسٹ یونین میں اس کی اہمیت کی بنا پر تھی۔ ماسکو کے "نیوٹائمز" نے اپنی ۹ مئی ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ الخولی کے خیال میں "جو ہراول پارٹی زیر تشکیل ہے وہ نظریاتی طور پر عرب سوشلسٹ یونین کی ریڑھ کی ہڈی ہوگی"

الخولی کئی بار جیل جاچکا ہے۔ ایک مرتبہ وہ ۱۹۵۹ء میں جیل گیا تھا۔ جب مصر نے کمیونسٹ عناصر کے خلاف کارروائی کی تھی۔ بہرحال یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ ہر مرتبہ اس کی گرفتاری سیاسی وجوہ کی بنا پر ہوئی، ۱۹۵۷ء میں اس نے اس طرح کافی پیسہ کمایا کہ وہ مصریوں کو ایسے مقاصد کے لئے باہر جانے کی اجازت دلوا دیتا تھا جن مقاصد کے لئے ملک سے باہر جانے کی قانونی اجازت نہیں تھی۔ اب وسط ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۱ء تک اس کی نظر بندی کا تعلق کرنسی کی اسمگلنگ سے تھا۔

تنقید و تبصرہ

میم نامۂ حج

ناشر۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

صفحات ۶۷ ، ہدیہ۔ بلاقیمت

مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ ایک قدیم دینی درسگاہ ہے جس کی علمی اور دینی خدمات ہندو پاک میں معروف ہیں، ہندوستان کے ایک جلیل القدر اور معروف عالم مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی قدس اللہ سرہٗ اس کے بانی ہیں حرم پاک کے پر نور دامن میں یہ علمی مرکز چند در چند فضائل کی بنا پر بہت زیادہ قابل قدر ہے۔ حجاج کرام کی سہولت اور رہنمائی کی خاطر اس مدرسہ کی جانب سے یہ کتابچہ شائع کیا گیا ہے جس میں مقامات مقدسہ کا دلچسپ تعارف بھی ہے اور مختصر سی تاریخ بھی، حجاج کرام کے لئے اسمیں مفید ہدایات بھی ہیں اور قیمتی مشورے بھی، ایسے کہ اُن سے زائرین کرام کو بڑی سہولت حاصل ہو اور کافی رہنمائی ملے ______ کتاب کا نام "میم نامۂ حج" اسلئے ہے کہ کتاب کا ہر موضوع جس پر گفتگو کیگئی ہے یا وہ خود میم سے مرکب ہے یا اسکو شروع میں میم لگاکر اسم مرکب بنا لیا گیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں ساٹھ موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے جسکو حج کے ساٹھ میم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کتابچہ ہر مسلمان کے لئے ایمان افروز ہے اور عازمین حج کے لئے ہدیۂ قیمتی۔ ازراہ لطف وافادہ قدردانوں کے لئے بلاقیمت پیش کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور اسکا نفع عام ہو (آمین)

قمر عثمانی مارچ ۷۳ء

معروضِ ادب

ناشر۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

صفحات ۶۶ ، ہدیہ بلاقیمت

یہ بھی ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے جسکو مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے شعبۂ نشر و اشاعت نے زائرین محترم کے لئے شائع کیا ہے اس میں مقامات مقدسہ پر حاضری کے آداب اُن کی دعائیں اور ان مقامات سے متعلق ضروری معلومات درج کی گئی ہیں۔ بلاشبہ یہ کتابچہ بھی ایمان افروز، دلچسپ اور نفع بخش ہے۔ یہ بھی نفع عام کی خاطر مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ چھوٹے سائز پر مختصر سا کتابچہ ہے مگر اپنے مشتملات کے اعتبار سے قیمتی ہے اور نفع بخش ہے، اشاعت بھی بڑے سلیقے بڑی زیبائش کے ساتھ کی گئی ہے جس سے اس کی ظاہری خوبی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ بہرحال ظاہری اور معنوی ہر دو اعتبار سے یہ کتابچہ خوبتر ہے ہم اس کوشش کیلئے بھی مرتبین کو "احسنت" کہتے ہوئے اس کی قبولیت کی دعا کرتے ہیں اور قدر دانوں سے اس کے پڑھنے کی سفارش۔

قمر عثمانی۔ مارچ ۷۳ء

"ہما" کا اردو نمبر

ڈائجسٹ سائز۔ صفحات ۲۸۸
کتابت وطباعت بہترین۔
قیمت ۱۵ روپے
ملنے کا پتہ:۔ ہما ڈائجسٹ ۶۔ ۷ اجنگپورہ
اکسٹینشن نئی دہلی ۱۴

مولانا عبدالوحید صدیقی اصلاً دیوبند سے تعلق رکھتے ہیں۔ دارالعلوم ان کا گہوارۂ علمی ہے۔ عرصہ تک وہ دیوبند کی علمی اور قومی زندگی کی روح رواں رہے ہیں۔ رسالہ "دارالعلوم" کے بانی اور اس کے پہلے ایڈیٹر بھی موصوف ہی ہیں۔ مولانا عرصہ سے دہلی میں سیاست وصحافت کے میدانوں میں کامیابی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

پیش نظر اردو نمبر مولانا کے ماہانہ ڈائجسٹ "ہما" کا خاص نمبر ہے۔ جو اردو کی تاریخ، اس کے علمی، ادبی اور سیاسی شہ پاروں کا مجموعہ، اردو مصنفین، اہل قلم شعراء اور ادباء کی نگارشات جمیل اور ان کے تذکروں کی ایک مرتب یادداشت ہے اس نمبر میں متعلقہ موضوع پر سینکڑوں فوٹو بھی ہیں۔ فوٹوؤں کے سلسلے میں اتنی کمی ہے کہ اردو کی بعض مشہور کتابوں کے قدیم ایڈیشنوں کے ٹائیٹل یا پہلے صفحہ کا فوٹو دیا جاتا تو ان کتابوں کا قریبی تعارف ہو جاتا۔ مذہبی اہل قلم میں سے بھی اکثر حضرات کے نام اور تذکرے رہ گئے ہیں۔ ہمارے مشاہیر علم وادب سے اردو کے متعلق چند سوالات کئے تھے یہ سوالنامہ بہت جامع تھے۔ یونیورسٹیوں کے پروفیسروں ادیبوں، شاعروں اور اہل قلم حضرات کی ایک بڑی تعداد نے اس سوالنامہ کا جواب دیا ہے۔ اسی حصۂ مضمون سے اردو کی ترقی کے متعلق ارباب بصیرت کی گرانقدر آراء سامنے آتی ہیں۔ غرضیکہ نمبر اپنے موضوع پر کامیاب اور اور ادارۂ ہما کی شبانہ روز کی دماغی اور عملی کاوشوں کا مظہر ہیں۔ ہر اردو داں کو اس نمبر کو اپنے کتبخانہ میں ضرور رکھنا چاہیئے تاکہ وقت ضرورت وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

ہندوستان میں اردو کی بقا اور تحفظ کے لئے اب ایک نتیجہ خیز جدوجہد کا آغاز ہونا چاہیئے موجودہ حکومت اگر اردو کے لئے کچھ نہیں کرتی تو اردو دانوں کا فرض ہوگا کہ وہ آئندہ الیکشن میں اسی حکومت سے باز پرس اور جو معاملہ اس نے اردو کے ساتھ کیا ہے وہی معاملہ اس کے ساتھ کرے۔

(سید ازہر شاہ قیصر)

حق پر کون ہے؟

شائع کردہ:۔ مدرسہ رئیس العلوم رائے پور
گمسنی ضلع لکھیم پور کھیری۔ یوپی
قیمت۔ ایک روپیہ ۵۰ پیسے۔

یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں رد بدعات کے سلسلہ میں بہت سی چیزیں زیر بحث آگئی ہیں۔ بہت سی ایسی رسوم اور بہت سے ایسے عقائد جن کا تعلق دین سے کچھ نہیں صرف مبتدع علماء نے یا عوام نے ازخود گھڑ لئے ہیں ان سب کی تحلیل کی گئی ہے۔ جماعت بریلی کے عقائد اور فقہی موشگافیوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ پھر مصنف نے دیوبند کے مسلک، جماعت دیوبند کے عقائد اور ان کی علمی دینی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ مزید تفصیل کا محتاج تھا۔ سیاسیات اور دینی فتنوں کے رد میں دیوبند نے جو کام کیا ہے ان سب کا اجمالاً ذکر آجاتا تو اچھا تھا اسی طرح دیوبند کی تصنیفی زندگی کی ایک مختصر سی تاریخ آنی چاہیئے تھی۔

رسالہ کی کتابت طباعت بہت معمولی ہے جس نے کتاب کی خوبصورتی پر برا اثر ڈالا ہے۔ اس دور میں ایسی کتابت وطباعت کے لٹریچر کو مقبول بنانا بہت مشکل کام ہے۔

(سید ازہر شاہ قیصر)

اُسوۂ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور
نظامِ حیات

عزیز حسن عزیز مرادآبادی

عیش کوشی کی گھٹا تاریک تر ہوتی گئی　　قسمتِ انساں یہاں زیر و زبر ہوتی گئی
تیری آمد منبعِ انوار و رحمت یا نبیؐ!　　جس سے ہر دم ایک تعمیرِ دگر ہوتی گئی
جو بھی تجھ سے پا گئی نسبت وہی شانِ حیات　　زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر ہوتی گئی
مہرِ عالم تاب برساتا گیا نورِ حیات　　قلب میں انسان کے تعمیرِ سحر ہوتی گئی
تیرا آئین سادگی، اخلاص اور صبرِ جمیل　　جس سے راہِ زندگی ہموار تر ہوتی گئی
سادگی میں تیری پنہاں عصمتِ فکر و شعور　　جس سے شاخِ زندگی نمناک تر ہوتی گئی
سادگی روحِ رواں ربطِ ہر فکر و عمل　　اس طرح سیرابیٔ نخل و ثمر ہوتی گئی
قلبِ مؤمن کو دیا ہے تو نے اخلاص و سکوں　　ہر شبِ غم اس فسوں سے خود سحر ہوتی گئی
سوز و سازِ زندگی پنہاں ترے اخلاص میں　　قسمتِ ہستی ہی ممنونِ اثر ہوتی گئی
صبر تیرا یا نبیؐ! تھا غم ربا، ہمت فزا　　تجھ سے نسبت قوتِ قلب و جگر ہوتی گئی
صبر کی تعلیم میں مرکوز تھا رازِ حیات　　جس سے خود انسانیت بیدار تر ہوتی گئی
تیرے آئین نے کیا پیدا جو ربط و ضبط و نظم　　اس سے قدرِ زندگی خود معتبر ہوتی گئی
آہ! انساں جتنا تجھ سے دور تر ہوتا گیا　　زندگی دشوار سے دشوار تر ہوتی گئی
مجھ کو کیا چھوڑا کہ خود کو ہی بھلا بیٹھے ہیں ہم　　رفتہ رفتہ زیست خود دردِ جگر ہوتی گئی

ماہنامہ

دارالعلوم

مدیر

جلد ۲۵

دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی اور اصلاحی

شمارہ ۳

ماہنامہ دارالعلوم

جون سنہ ۱۹۷۳ء

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ قیصر

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع وناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دارالعلوم دیوبند

چندۂ سالانہ
ہندوستان سے آٹھ روپے
پاکستان سے آٹھ روپے
ممالک غیر سے ۲۲ شلنگ
فی پرچہ اسی پیسے 80/

فہرست مضامین

مخلصین دارالعلوم سے ضروری گذارش

بنگلہ دیش اور پاکستان سے ڈاک کے تعلقات منقطع ہو جانے کی وجہ سے رسالہ دارالعلوم کے تقریباً دو ہزار خریدار ٹوٹ گئے ہیں۔ ایک ایسے رسالہ کے لئے جو عوامی رجحانات کا ساتھ نہ دینے اور اپنی دعوت و فکر کے انداز پر قائم رہنے کی وجہ سے پہلے ہی سے مالی طور پر زیر بار ہے، یہ نقصان ناقابل برداشت ہے، مخلصین دارالعلوم "دارالعلوم" کی اس آواز کو باقی رکھنے کے لئے رسالہ کی توسیع اشاعت کی کوشش کو اپنا ضروری فریضہ خیال فرمائیں ہر شخص کم از کم دو خریدار رسالہ کے لئے ضرور فراہم کرے۔

سید محمد ازہر شاہ قیصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

دارالعلوم دیوبند نے مسلم پرسنل لا پر جو کام شروع کیا تھا، الحمدللہ وہ ایک مفید نتیجہ تک پہنچا، بمبئی کنونشن کے بعد حیدرآباد میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا دو روزہ اجلاس ہوا، جس میں اس کا دستور اساسی اور لائحہ عمل طے پایا، ان شا اب اس کے آئندہ عملی قدم اٹھیں گے اور جو گوشہ تشنہ نظر آتا ہے اس کی تکمیل عمل میں آئے گی، خود دارالعلوم بھی خاموش نہیں رہیگا بلکہ اسکے علمی اور اصلاحی کاموں کی طرف توجہ دیگا۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم کام ایک ایسی کتاب کی تدوین جس میں مسلم پرسنل لاء کے تمامتر بنیادی قوانین کتاب و سنت اور عقل کی روشنی میں یکجا ہو جائیں، تاکہ اہل علم اور قانون داں اس سے بآسانی رہنمائی حاصل کر سکیں۔ یہ کام دارالعلوم ہی کے کرنے کا ہے۔ اور وہی انجام دے سکتا ہے اسلئے کہ یہ خالص تحقیقی اور تعمیری خدمت ہے۔

دارالعلوم کو خوشی ہے کہ اس مسئلہ پر ملک کے سارے مسلمان جاگ چکے ہیں، اور ہر مسلک اور فرقہ کے ذمہ داروں اور دانشوروں نے محسوس کر لیا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ میں علماء اور قانون دانوں کی ایک فعال پارٹی آگئی ہے، اس میں اہل دل اور اہل نظر بھی ہیں اور دوراندیش و حساس علماء بھی، سیاسی ذہن کے تجربہ کار زعماء بھی ہیں، اور عوام کے رہنما بھی، خود حکومت اور ارباب حکومت نے بھی مسلمانوں کی اس بیداری کو محسوس کر لیا ہے اور بلا اظہار اثر بھی قبول کیا ہے۔

۲۲ر اپریل ۱۹۷۳ء کے قومی آواز لکھنؤ میں ڈاکٹر عابد حسین صاحب کا ایک مضمون "عمر خضر دراز" کے عنوان سے نکلا ہے، اسے خاکسار نے غور سے پڑھا، ڈاکٹر صاحب اچھے انشاپرداز ہیں مگر ان کے مضمون کے طول و عرض سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے ماقبل کو فیضی صاحب کی طرح کھل کر کہنے کی ہمت نہیں رکھتے، گو وہ وہی نظریہ رکھتے ہیں اور وہی کہنا چاہتے ہیں مگر لاگ لپیٹ کے ساتھ، غالباً ان کا منشا یہ ہے کہ بھولے بھالے مسلمان ان کے فریب میں آجائیں گے، حالانکہ اب یہ خیال صحیح نہیں ہے، انہیں یقین کرنا چاہئے کہ مسلمان اپنے دینی دوست اور دشمن کو اچھی طرح پہچان چکے ہیں۔

غنیمت ہے کہ موصوف نے بمبئی کنونشن کے سلسلہ میں اعتراف کیا ہے کہ:۔

"واقعی کنونشن مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کا نمائندہ تھا!..... کنونشن کی بنیادی تجویز کے اس حصے سے پورا اتفاق ہے کہ مسلم پرسنل لاء مسلمانوں کے دین و مذہب کا ایک جزء ہے، اور کسی مسلمان کے لئے احکام شرع اسلامی سے گریز جائز نہیں اور نہ وہ کسی ایسے فیصلے کو قبول کر سکتا ہے، جو اللہ کے حلال کئے ہوئے کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے......

......آگے لکھتے ہیں:

"اس کے اس حصے سے کہ پارلیمنٹ یا مجالس قانون ساز کو شریعت اسلامی میں کسی ترمیم و تنسیخ کا اختیار نہیں، ہم اس حد تک متفق ہیں کہ مسلم پرسنل لاء کے ان اجزاء میں جو نص قطعی پر مبنی ہوں اور جنہیں شریعت کے احکام مطلقہ کہا جا سکے، پارلیمنٹ یا قانون ساز کو کسی حالت میں بھی ترمیم و تنسیخ کا اختیار نہیں، بلکہ دوسرے اجزاء میں بھی یہ مجالس بطور خود تغیر

ں نہیں کر سکتیں، ورنہ مذہبی آزادی کے بنیادی حق کی نفی ہوگی۔"
ڈاکٹر صاحب نے ان پیراگراف میں جن مطالبے کو تسلیم کر لیا ہے۔ اگر حکومت اور ارباب حکومت ان کو کھل کر مان لیں اور عمل پیرا ہوں تو پھر بہت
سے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے، ڈاکٹر صاحب نے ایک بات اور کہی ہے کہ:۔
"البتہ اگر مسلمانوں کی طرف سے اجماع کی بناء پر موجودہ پرسنل لاء میں کسی ترمیم کا جو شریعت کے کسی حکم مطلق کے منافی نہ ہو، مطالبہ کیا جائے
مجالس اسے قانونی شکل دے سکتی ہیں۔"
مگر یہاں بمبئی کنونشن کی تجویز کے ایک حصہ کو جو اس سلسلہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے غالباً قصداً نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ اس باب
میں کن لوگوں کی رائے قابل قبول ہوگی، تجویز کا وہ حصہ یہ ہے:
"کون سے قوانین شرعِ اسلامی کے مطابق اور ان سے متعلق ہیں اور کون سے نہیں، اس کے بارے میں ہر فرقہ اور مسلک کے
مستند و معتمد علمائے شریعت کا فیصلہ آخری اور قطعی حیثیت رکھتا ہے۔"
یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں اس کے ماہرین کی رائے ہی صحیح رائے سمجھی جاتی ہے، قانون میں سائنسدانوں کی رائے
تسلیم نہیں کی جاتی اور نہ سائنس کے باب میں قانون دانوں کی، امراض کے علاج معالجہ میں ڈاکٹروں کی رائے فیصلہ کن ہوتی ہے
انجینیروں کی نہیں، اور کارخانوں میں انجینیروں کی رائے قابل قبول ہوتی ہے، ڈاکٹروں کی نہیں، لہٰذا یہاں بھی شرعِ اسلامی کے سلسلہ
میں ان علماء اسلام کی ہی رائے لائق اعتماد ہو سکتی ہے جنکو کتاب و سنت کے علوم میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اسکا بھی اعتراف

اخیر میں ڈاکٹر صاحب نے چار تجویزیں پیش کی ہیں جو بظاہر اچھی ہیں مگر ہر ایک میں خود آگے ایسی باتیں کہی ہیں جن سے شبہ ہوتا ہے
کہ ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کو ساطۂ الٰہی کے سوا کچھ نہیں چاہتے، پہلی تجویز یہ ہے:
"موجودہ پرسنل لاء میں اہل الرائے مسلمانوں کے اتفاق رائے سے ایسی ترمیمیں تجویز کی جائیں جو احکام شریعت کے دائرے کے
اندر ہوں اور جن سے عائلی زندگی میں ناانصافیوں اور بدعنوانیوں کی روک تھام ہو سکے، اس سلسلہ میں تحفظ پسندوں کے شبہات
و اعتراضات پر غور کر کے انہیں مطمئن کرنا ہوگا۔"
دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف موجودہ پرسنل لاء میں ترمیم کی تجویز پیش کرتے ہیں اور اسکا حق "اہل الرائے" کو دیتے
اور تحفظ پسند کے اطمینان دلانے کی بات لکھ کر علماء امت اور مذہب پسند گروہ کو اس سے الگ رکھ رہے ہیں گویا کھل کر یہ حق
مذہب سے علماً و عملاً دور رہنے والوں کو دیتے ہیں، بس اس سے اندازہ لگائیے ڈاکٹر صاحب کیا چاہتے ہیں اور اسلام کو کیسے لوگوں کا
کھلونا بنانا چاہتے ہیں۔
دوسری تجویز لکھتے ہوئے صراحت کرتے ہیں:۔
"یہاں اس بات کا صاف کر دینا ضروری ہے کہ تحفظ پسندوں کا یہ خیال دور از کار ہے کہ مسلم پرسنل لاء کے مقدمات کی سماعت
صرف مسلمان جج کریں۔ اسلئے کہ ہر مقام پر یا اس کے قرب و جوار میں مسلمان جج کا موجود ہونا محال ہے، اور اگر موجود بھی ہوں تو اسکو
قانون شریعت پر اتنا عبور ہونا ضروری نہیں کہ اسکا اجتہاد شرعی اجتہاد سمجھا جائے۔"
نکاح و طلاق اور فسخ و تفریق میں بلا کسی اختلاف کتاب و سنت سے مراحتاً طے ہے کہ ان مقدمات کا فیصلہ صرف مسلمان قاضی ہی
کر سکتا ہے، غیر مسلم کا فیصلہ کسی حال میں قابل قبول نہیں ہے اور اگر کوئی غیر مسلم فیصلہ کرے تو یہ مسلمانوں کے لئے فیصلہ نہیں

سمجھا جائیگا، ڈاکٹر صاحب اس بنیادی شرط کو ہی اُڑانا چاہتے ہیں کہ جس طرح مشرک و کافر کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے اسی طرح اس باب میں ان کا فیصلہ بھی معتبر نہیں،

پھر یہ کس قدر لچر بات ہے کہ حکومت چاہے اور مسلمان جج ملک کے کسی حصہ میں فراہم نہ ہوں، رہ گئی عبور کی بات، تو جب مسلمان جج کو عبور نہ ہوگا تو غیر مسلم جج کو کیسے عبور حاصل ہوگا۔ بہر حال مجھے یہ دکھانا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا ذہن کیا ہے اور وہ مسلمانوں کے کیسے بہی خواہ ہیں کہ اسلام میں ہی قطع و برید کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی تیسری تجویز کے الفاظ یہ ہیں:۔

"جا بجا مسلمان قاضیوں کی غیر سرکاری عدالتیں قائم کی جائیں اور وہ پرسنل لا کے مقدمات کا فیصلہ اسلامی روح کے مطابق کریں مگر اس سلسلہ میں یہ مد نظر رکھنا ہوگا کہ اسطرح کی کوششوں میں اب تک قابل اطمینان کامیابی نہیں ہوئی۔"

ایک اچھی تجویز پیش بھی کی ہے تو فوراً اس پر آہنی بند بھی باندھ دینے کی سعی فرمائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا مقصد قبل از وقت ایک کار آمد تجویز کو ڈائنامیٹ کرنا اور مسلمانوں کو دھوکہ میں مبتلا کرنا ہے، ڈاکٹر صاحب سے کوئی پوچھے کہ آزاد ہندوستان میں کب ایسی کوشش ہوئی اور کہاں قابل اطمینان کامیابی نہیں ہوئی۔؟

ڈاکٹر صاحب تو فیضی صاحب سے بھی زیادہ حکومت یا غیر مذہبی لوگوں کے خیر خواہ اور اسلام کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں فنکارانہ مہارت رکھتے ہیں، فیضی صاحب تو کم از کم علم سے مناسبت رکھتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کو اپنے مسلک کے علم سے بھی واقفیت معلوم نہیں ہوتی، کون نہیں جانتا کہ یہاں نہ کبھی غیر سرکاری قاضیوں کی عدالتیں قائم ہوئیں نہ مقدمات آئے مگر لطف کی بات یہ ہے کہ ناکامی کا فیصلہ قبل از وقت سنادیا، مسلم پرسنل لا بورڈ جو کرنا چاہتا ہے اس پر انہوں نے پیشگی وار کرکے حکومت کو خوش کرنا چاہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ بہار و اڑیسہ میں ۱۹۲۱ء سے امارت شرعیہ قائم ہے اور اس کے تحت قاضیوں کا تقرر ہوتا رہا ہے اور انکی عدالتوں سے ہزاروں مقدمات کے فیصلے ہوتے رہے ہیں اور کبھی کسی مسلمان نے اس کے فیصلہ سے سرتابی نہیں کی، سو فیصدی یہ عدالتیں کامیاب ہیں۔

حکومت وقت اگر غیر سرکاری قاضیوں کی عدالتوں کے فیصلے کے تسلیم کا اعلان کر دے تو بہت سارے مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے اس سے حکومت کا بار بھی بڑی حد تک ہلکا ہو جائیگا اور مسلمانوں کو اپنی حکومت سے مسلم پرسنل لا کے باب میں کوئی شکوہ بھی باقی نہیں رہیگا

ڈاکٹر صاحب کی چوتھی تجویز یہ ہے:۔

"اہل الرائے علماء اور قانون دانوں کے اجماع سے پرسنل لا کے دفعات کی ایسی تعبیر و تشریح مرتب کیجائے جس سے ضرورت کے وقت عدالتوں کی صحیح رہنمائی ہو سکے" ———— اوپر بھی کونشن کا متفقہ فیصلہ نقل کر چکا ہوں کہ اسطرح کی تعبیر و تشریح کا حق صرف ان مستند و معتمد علماء اسلام ہی کو حاصل ہوگا جنکو کتاب و سنت پر عبور حاصل ہے، قانون دانوں کو اسمیں کوئی دخل نہیں البتہ علماء کی تعبیر و تشریح کو قانون دان صحیح اسپرٹ سے دوسری زبانوں میں ڈھال سکتے ہیں، غضب بالائے غضب ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنا طول طویل مضمون یہاں لاکر ختم کرتے ہیں

"ظاہر ہے ان چاروں صورتوں میں سے ہر ایک کی راہ میں سخت دشواریاں حائل ہیں اور سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ مسلمان فرقوں کے تحفظ پسند علماء مسئلے کے کسی مثبت حل پر آپس میں متفق نہیں ہو سکتے؟

(ظفیر صدیقی)

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے

معمولات شب و روز

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ

تہجد کے وقت جو دعائیں پڑھا کرتے تھے ان میں ایک یہ بھی تھی

اَللّٰھُمَّ لَکَ الحَمدُ انتَ	اے اللہ تیرے ہی لئے ہے
قیّم السّمٰوات والارض	سب تعریف۔ تو ہی۔ ہے قائم رکھنے
ومن فیھن ولک	والا آسمانوں اور زمین کا اور ان
الحمد انت نورُ	چیزوں کا جو اُن میں ہیں اور تیرے
السمٰوات والارض	ہی لئے ہے تمام تعریف تو ہی ہے
ومن فیھن ولکَ	نور (رونق) آسمانوں کی اور
الحمد انت ملک	زمین اور ان تمام چیزوں کی
السمٰوات والارض	جو اُن میں ہیں اور تیرے ہی
ومن فیھن ولک	لئے ہے حمد تو ہی ہے بادشاہ
الحمد انت الحق و	آسمانوں کا زمین کا اور ان سب
وعدک الحق ولقاءک	کا جو اُن میں ہیں۔ اور تیرے
حق والجنۃ حق و	ہی لئے ہے تعریف۔ تو ہی ہے
النار حق والنبیون	حق۔ تیرا وعدہ حق۔ تیرے سامنے
حق ومحمد حق والساعۃ	حاضر ہونا حق۔ تیرا قول حق،
حق	جنت حق دوزخ حق تمام انبیاءؑ
اللّٰھم لک	حق، محمد حق، قیامت حق۔

اسلمت وبک آمنت	اے اللہ میں تیرا مطیع ہوں
وعلیک توکلت و	تجھ پر ایمان لایا تجھ پر ہی بھروسہ
الیک انبت وبک	رکھتا ہوں اور تیری طرف ہی
خاصمت والیک	رجوع ہوتا ہوں اور تیرے لئے
حاکمت فاغفرلی	ہی مخاصمت کرتا ہوں اور تجھ ہی
ماقدمت وما	کو اپنا منصف بناتا ہوں پس
اخرت وما اسررت	بخش دے (ان گناہوں) کو جو
وما اعلنت وما انت	میں نے آگے کئے اور جو پیچھے
اعلم بہ منی	کئے اور جو چھپا کر کئے اور جو علانیہ
لا الٰہ الا انت	کئے اور وہ تمام گناہ جنکو میں نہیں
انت المقدم وانت	جانتا تو ان کو مجھ سے بہت زیادہ
المؤخر	جانتا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں
لا الٰہ الا انت	تو ہی ہے آگے لانے والا تو ہی ہے پیچھے
ولا الٰہ غیرک	لانے والا صرف تو ہی معبود ہے تیرے
ولاحول ولاقوۃ	سوا کوئی معبود نہیں اور نہیں کوئی
الا باللہ	تدبیر نہ کوئی قوت مگر تیری ہی
	مدد سے۔

٭ ٭ ٭

نماز تہجد اور دعا

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا کو اپنے بچپن ہی میں شوق ہوا کہ دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کسطرح پڑھتے ہیں چنانچہ رات کو خالہ میمونہ کے یہاں پہنچ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

جب رات کا نصف حصہ گزر گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ قضاء حاجت کے بعد آپ مشکیزہ پر تشریف لے گئے جو لٹکا ہوا تھا، بڑے اطمینان سے پوری طرح وضو کیا اچھی طرح مسواک فرمائی۔ اسی اثناء میں آپ نے سورۂ آل عمران کا آخری رکوع پورا پڑھا پھر آپ نے اطمینان سے تہجد کی نماز پڑھی میں نے بھی آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نیت باندھی آپ نے دست مبارک میرے کان پر رکھا اور مجھ کو دائیں جانب کر لیا۔ تہجد کے بعد آپ نے جو دعا مانگی اس میں یہ بھی تھا[۱]

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری نوراً وفی سمعی نوراً وعن یمینی نوراً وعن یساری نوراً وفوقی نوراً وتحتی نوراً وامامی نوراً وخلفی نوراً واجعل لی نوراً	اے اللہ میرے دل میں نور بھر دے میری بصارت میں نور بھر دے، میری سماعت میں نور بھر دے، میرے دائیں نور کر دے میرے بائیں نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میرے آگے نور کر دے میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لئے نور مقرر کر دے۔

تہجد میں قرأت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں عموماً گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ پہلے چار چار رکعت ــــ مت پوچھو وہ کس قدر طویل اور کس قدر پرکیف ہوتی تھیں پھر تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے[۲]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے چار رکعتوں میں چار سورتیں ختم کیں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، اور سورۂ مائدہ یا سورۂ الانعام (گویا ایک چوتھائی قرآن شریف پڑھ لیا۔)[۳]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بڑھاپے کی وجہ سے ضعف غالب ہو گیا تو آپ قرأت بیٹھ کر کیا کرتے تھے اور جب تیس چالیس آیتیں رہ جاتیں تو کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے[۴]

تاریکیٔ شب الٰہی انوار سے منور رہتی تھی یہاں تک کہ سپیدۂ صبح طلوع ہوتا اور موذن اذان پڑھتا اس وقت آپ فجر کی دو رکعت پڑھتے اور تھوڑی دیر داہنی کروٹ پر لیٹ کر آرام فرما لیتے اور کبھی ایسا ہوتا صبح صادق سے کچھ پہلے نوافل سے فراغت پا کر کچھ دیر آرام فرماتے یہاں تک کہ موذن کی اذان پر اٹھ جاتے[۵]

وقت سحر

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورۃ الذاریات)

اوقات سحر (آخر شب) میں وہ استغفار کیا کرتے تھے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ رات بھر کے مجاہدہ اور ریاضت کے بعد بھی، احساس یہی ہے کہ حق عبودیت ادا نہیں ہوا لہذا صبح ہو رہی ہے تو یہ دا استغفار پڑھا جا رہا ہے جس کو اہل علم

۱؎ بخاری شریف [illegible] ۲؎ بخاری شریف [illegible] ۳؎ ابوداؤد شریف [illegible] ۴؎ بخاری [illegible] ۵؎ [illegible] ۶؎ [illegible]

سید الاستغفار

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّی لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِی وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِی فَاغْفِرْلِی اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ[1]

اے اللہ تو ہی میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے ہی مجھ کو پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں میں تیرے عہد پر اور تیرے وعدہ پر (قائم ہوں) جہاں تک میں طاقت رکھتا ہوں میں اقرار کرتا ہوں تیرے انعام کا جو مجھ پر ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں اپنے گناہ کا جو تیرے حق میں میں نے کیا۔ بس میرے گناہ بخش دے بیشک تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا جو گناہ میں کر چکا ہوں اُن کے شر سے بچنے کے لئے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

صبح وشام

دن رات کا آغاز ہوتا تو زبانِ مبارک پر جو دعائیں جاری ہوتیں ان میں سے ایک یہ ہے

اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْكُ لِلّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ وَخَیْرِ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْھَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔[2]

ہمیں شام ہوگئی اللہ کے تمام ملک کی شام ہوگئی۔ سب تعریف اللہ کے لئے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ یکتا اور تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی کا ہے ملک اسی کے لئے ہے حمد، اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں اس رات کی بھلائی کی اور ان تمام چیزوں کی بھلائی کی جو اُس رات میں ہیں اور میں تیری پناہ لیتا ہوں اس رات کی خرابی سے اور ان تمام چیزوں کی خرابی اور شرارت سے جو اُس رات کے اندر ہیں اور میں تیری پناہ لیتا ہوں کسل سے اور بڑھاپے سے اور بڑھاپے کے بُرے درد سے۔ تیری پناہ لیتا ہوں دنیا کے فتنہ سے اور عذاب قبر سے۔

اوقات شب کی تقسیم

معمولات شب کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پوری رات کا نظام الاوقات بھی پیش کر دیا جائے

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے

ایک حصہ	خاص اپنی ذات کے لئے
ایک حصہ	اللہ تعالیٰ کے لئے
ایک حصہ	اپنے اہل کے لئے

(یہ تین حصے ہوتے تھے مگر مساوی نہیں) جو حصہ اپنے آرام کے لئے مخصوص فرماتے تھے اس کو بھی تقسیم کر دیتے تھے۔ اس میں سے ایک حصہ عامۃ الناس کو عطا فرماتے تھے مگر براہ راست نہیں بلکہ خواص کے ذریعہ سے۔ یعنی اس مجلس میں خاص خاص حضرات حاضر ہوتے تھے۔ اور خصوصیت کا معیار ہوتا تھا عوام کی زیادہ سے زیادہ خیرخواہی پس جو شخص عوام کی ہمدردی خیرخواہی اور عوام کا بوجھ برداشت

[1] بخاری شریف [2] مسلم شریف [3] شمائل ترمذی شریف باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کرنے میں بڑھا ہوا ہوتا وہ آپ کی بارگاہ کا مقرب خصوصی ہوتا تھا پھر ان خواص میں مدارج ترتیب ہوتا تھا علم و عمل اس معیار پر درجات مقرر کرنا اور ہر ایک کے درجہ کے مطابق وقت دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر موقوف ہوتا تھا۔ یہ حضرات آتے کوئی ایک کام لے کر کوئی دو کام کوئی اس سے زائد آپ اُن میں مشغول رہتے۔ ان کی طرف حسب حیثیت و حسب ضرورت توجہ فرماتے تھے۔ اور ان حضرات کو عوام میں مشغول فرما دیتے۔

یعنی آپ خود اُن کے معاملات میں بھی انکو ہدایت دیتے اور ان کی رہنمائی فرماتے، اور ان کے ذریعہ عوام کے حالات اور ان کے رجحانات معلوم فرماتے۔ پھر ان باتوں کی تلقین فرماتے جو اُن کے لئے بھی مفید ہوتیں اور عوام کے لئے بھی۔

آپ کی خاص ہدایت ہوتی کہ اِن باتوں کو آپ اُن تک پہونچادیں جو یہاں حاضر نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ ان کو خاص تاکید ہوتی کہ عوام کی ضرورتیں جو وہ خود نہیں پہنچا سکتے یہ حضرات ان کو دربار رسالت میں پیش کریں۔ ارشاد ہوتا کہ

من ابلغ سلطانا حاجة من لا یستطیع ابلاغها ثبت الله قدمیه یوم القیمة

جو شخص اس پسماندہ کی ضرورت صاحب اقتدار تک پہونچائے جس کو وہ خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز ثابت قدم رکھے گا۔

یہ حضرات اس بارگاہ میں طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور رہنما بن کر یہاں سے باہر آتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ اوقات شب کی تقسیم اس طرح ہوئی ثلث اول کے ختم تک نماز عشاء اور اس سے پہلے نماز مغرب، نوافل، پھر اگر مہمان ہوتے تو اُن کا کھانا وغیرہ۔ ثلث سوم جس کو احادیث میں "ثلث اللیل الآخر" فرمایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ درمیان کا ثلث اُمت کے لئے بذریعہ خواص، اپنے کے لئے، اور آرام فرمانے کیلئے۔

دن کے اوقات، معمولات و مشاغل

ان لک فی النہار سبحا طویلا	بیشک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے۔

(سورہ مزمل)

دن کے اوقات اور مشاغل کو سوانح حیات کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے بہت سی ضخیم جلدیں بھی ناکافی ہیں یہاں صرف وہ چند معمولات اور ان کے آداب اور دعائیں لکھی جاتی ہیں جن پر ہر شخص کو لامحالہ عمل کرنا ہوتا ہے۔

مکان سے نکلتے وقت

(۱) بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ	اللہ کے نام پر اللہ پر بھروسہ کرتے اس کے بغیر نہ کوئی فکری طاقت ہے نہ عملی قوت
(۲) بسم اللہ توکلت علی اللہ اللھم انا نعوذبک من ان نزل او نضل او نظلم او نظلم او نجھل او یجھل علینا	اللہ کے نام پر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اے اللہ ہم پناہ لیتے ہیں تیری اس سے کہ ہمارے قدم ڈگمگا جائیں یا ہم گمراہ ہو جائیں یا ہم ظلم کریں یا ہم مظلوم ہوں (ہم پر ظلم کیا جائے) یا ہم جہالت کریں (لڑیں جھگڑیں) یا ہم

پر جہالت کی جائے (ہم سے لڑا جھگڑا جائے)۔

مکان میں داخل ہوتے وقت پہلے یہ دعا پڑھئے پھر اہل خانہ کو سلام کیجئے۔

۱؎ صحاح بحوالہ مشکوۃ ۲؎ ابوداؤد وابن ماجہ از مشکوۃ

اللھم انی اسئلك خیرالمولج وخیر المخرج بسم اللہ ولجنا و علی اللہ ربنا توکلنا

اے اللہ میں التجا کرتا ہوں تجھ سے اچھے داخلہ کی اور اچھے خارجہ کی
اللہ کے نام پر ہم داخل ہو رہے ہیں اور اللہ پر جو ہمارا رب ہے ہم بھروسہ کرتے ہیں۔

بازار میں داخل ہوں[1]

لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریك لہ لہ الملك ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئی قدیر

خدا وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کا ہے ملک اسی کی ہے حمد وہی زندگی بخشتا ہے وہی موت دیتا ہے اور وہ خود زندہ ہے اس کو موت نہیں۔ اسی کے قبضہ میں ہے خیر اور بھلائی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مجلس سے اٹھتے وقت[2]

سبحانك اللھم و بحمدك اشھد ان لا الہ الا انت استغفرك[3] واتوب الیك

اے اللہ میں تیری پاکی کا اقرار کرتے ہوئے تیری حمد کرتا ہوں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں۔

کسی پریشان حال معذور یا مجبور پر نظر پڑ جائے تو

الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاك و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا

حمد اس اللہ کی جس نے مجھے عافیت بخشی اس سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا اور مجھے ان میں سے بہت سوں پر فضیلت بخشی جن کو پیدا کیا (بہت سی مخلوق پر فضیلت بخشی)

یہ چند حالات اور ان کے متعلق دعائیں اور آداب بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے حالات ہیں۔ مثلاً کھانا پینا انسانی حوائج پورا کرنا، جنسی تعلق کو عمل میں لانا۔ یا مثلاً چھینکنا، جمائی لینا، نیا لباس پہننا، نیا پھل دیکھنا، چاند دیکھنا، بارش برسنا، بادل گرجنا، آندھی طوفان چاند گہن، سورج گہن، علاج بیماری کے مختلف حالات یا مثلاً دشمن کا دباؤ مقدمہ وغیرہ، یا مثلا سفر کرنا، سفر کے لئے روانہ ہونا، کہیں پڑاؤ ڈالنا، کسی کا مہمان بننا، کسی مقام پر قیام کے لئے اترنا، روانہ ہونا، یا مثلاً تقریبات میں شرکت وغیرہ وغیرہ ــــ ان سب کے آداب ہیں۔ احادیث مبارکہ میں دعائیں وارد ہوئی ہیں۔

کیونکہ بقول حضرت سلمان رضی اللہ عنہ امت محمدیہ کو اس کے آقائے نامدار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہر بات بتائی ہے حتیٰ کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی بتایا ہے اور یہی معنی ہیں "تزکیہ نفس" کے کہ زندگی کے ہر ایک گوشہ اور ہر ایک جزو کو آپ نے سنوارا ہے۔ فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہاں ان سب کو بیان نہیں کیا جا سکتا مشاغل شب کے سلسلہ میں سونے اور جاگنے کے کچھ آداب اور دعائیں بیان کی گئیں۔ دن کے کاموں میں ملاقات کے آداب بیان کئے جا رہے ہیں۔ پھر مجلس مبارک کے آداب اور خصوصیات پر اس بیان کو ختم کیا جا رہا ہے

آداب ملاقات

آپ کسی کے یہاں جائیں تو۔

---

[1] ترمذی شریف ابن ماجہ از مشکوۃ [2] ترمذی شریف [3] ترمذی وابن ماجہ

(۱) پہلے اجازت حاصل کیجئے۔ مکان پر پہنچ گئے ہیں تو سلام بھی کیجئے اور یہ کہیئے: "السلام علیکم" کیا حاضر ہو سکتا ہوں۔ اگر اجازت ملجائے تو اندر جائیے اور اگر صاحب مکان معذرت کردے تو واپس ہو جائیے۔ برا نہ مانیئے[۱]

(۲) اگر اندر سے جواب نہ آئے تو دوسری مرتبہ تیسری مرتبہ اسی طرح سلام کیجئے۔ پھر آپ سمجھ لیجئے کہ اس وقت ملاقات کا موقعہ نہیں ہے کوئی عذر ہے۔ لہٰذا واپس ہوجائیے اور برا ہرگز نہ مانیئے[۲]

(۳) اجازت لینے کے وقت آپ آڑ میں کھڑے ہوں ایسی جگہ نہ کھڑے ہوں کہ اندر سے سامنا ہو۔ البتہ اگر صاحب مکان جن سے اجازت لینی ہے سامنے ہوں تو آپ سلام کریں اور اندر حاضر ہونے کی اجازت لے لیں[۳]

(۴) اندر جھانکنا معیوب ہے ارشاد ہوا اذا دخل البصر فلا اذن[۴] جب نظر اندر پہونچ گئی تو اب اجازت لینے کا کیا مطلب؟

(۵) خود اپنے مکان میں بھی سلام کر کے اور پکار کے جاؤ۔ گھر میں پہونچ کر گھر کے آدمیوں کو سلام کرو[۵]

(۶) سلام دعا ہے، گرم جوشی سے دعا کرو اور بڑھا کر کرو۔ یعنی یہ کہو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[۶]

(۷) اگر اندر سے پوچھا جائے! "کون؟" تو آپ نام بتائیں یہ نہ کہیں "میں" اندر والا کیا جانے "میں" کون ہے[۷]

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو ہدایت فرمائی "ناغہ کر کے ملنے آیا کرو اس سے محبت بڑھے گی[۸]

(۹) آپ نے رات کو کسی کے یہاں پہنچ جانے سے ممانعت فرمائی یہاں تک کہ بلا اطلاع اپنے گھر میں پہنچنے کی بھی اجازت نہیں دی[۹]

(۱۰) اندر داخل ہو کر سب سے بڑھیا جگہ نہ بیٹھئے۔ صاحب مکان کی نشست پر بھی مت بیٹھئے[۱۰] جہاں جگہ ملے بیٹھ جائیے یہ صاحب مکان کا کام ہے کہ وہ آپ کو کہاں بٹھائے۔

کوئی آپ کے یہاں آئے

(۱) حضرت زید بن حارثہ حاضر خدمت ہوئے تو سید الانبیاء کرتہ اتارے ہوئے تھے چادر کا ایک کنارہ مونڈھے پر تھا خبر پاتے ہی شوق ملاقات میں کھڑے ہو گئے ان کو گلے لگایا سر کو بوسہ دیا[۱۱]

حضرت ام ہانیؓ خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں آپ نے فرمایا "مرحبا بام ہانی"۔ ام ہانی مرحبا[۱۲]

بنی قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو سرپنچ بنایا گیا تھا وہ فیصلہ سنانے کے لئے مسجد میں آئے تو آپ نے حاضرین سے فرمایا۔

"قوموا الی سید کم"

تمہارے سردار آرہے ہیں کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرو[۱۳]

غزوہ حنین کے بعد ایک وفد کے ساتھ آپ کی رضاعی بہن "شیما" آئیں تو فرط مسرت سے آپ نے مرحبا فرمایا اور اپنی چادر بچھادی اور اپنے پاس انکو چادر پر بٹھایا[۱۴]

مختصر یہ کہ آنے والے کے متعلق تعلیم یہ ہے کہ ان کی آمد پر خوشی ظاہر کی جائے، کھڑے ہو کر استقبال کیا جائے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایئے[۱۵]۔ کچھ عرصہ بعد ملاقات ہوئی

[۱] سورہ نور آیت ۲۷ [۲] ترمذی شریف والوداؤد شریف [۳] ابوداؤد شریف [۴] ابوداؤد شریف وغیرہ [۵] سورۂ نور آیت ۶۱
[۶] تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ سورۂ نور آیت ۶۱ [۷] ابوداؤد شریف [۸] صحاح [۹] ترمذی شریف [۱۰] ترمذی شریف
[۱۱] ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۸ [۱۲] ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۸ [۱۳] بخاری شریف ص ۹۳۶ [۱۴] الاصابہ ذکر شیما [۱۵] بخاری شریف ص ۹۳۶

ہے تو معانقہ بھی کیجئے پھر تعظیم سے بٹھائیے۔ بڑے کی بڑائی اپنی جگہ جب وہ آپ کے یہاں آیا ہے تو اخلاق سے پیش آنا آپ کا فرض ہے۔

ارشادِ گرامی ہے کہ بدترین شخص وہ ہے کہ لوگ اس سے اس لئے ملنا پسند نہ کریں کہ وہ بدخو اور ترش مزاج ہے۔

واپس ہو تو

جب کوئی رخصت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبت اور مہربانی سے اس کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لیتے اور جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچتا آپ اس کا ہاتھ لئے رہتے اور یہ دعا فرماتے

استودع اللہ دینکم	اللہ کے سپرد کرتا ہوں میں
وایمانکم وخواتیم	تمہارا دین، تمہارا ایمان
اعمالکم	اور خاتمۂ اعمال

سلام وجوابِ سلام

ارشادِ ربانی ہے

اذا حییتم بتحیۃ فحیوا	جب تم کو دعا دی جائے کوئی دعا
باحسن منہا او ردوھا	(مثلاً سلام کیا جائے) تو تم بھی
ان اللہ کان علی کل شیٔ	دعا دو۔ اس سے بہتر یا وہی کہو
حسیبًا (سورۂ نساء)	الغرض بلاشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا۔

سلام کا بہتر جواب یہ ہے کہ "رحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ" بڑھا دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ ان میں سے ہر لفظ پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ جیسے جیسے الفاظ بڑھتے رہیں گے۔ ثواب بڑھتا رہے گا[2]

---

[1] ترمذی شریف صفحہ ۱۸۲ ج ۲ [2] ابوداؤد شریف صفحہ ۳۵۹ ج ۲

صفحہ ۲۰ کا بقیہ

(دعا اور اس کے آداب)

مکافات کر دیتا ہے یا اس کے بدلے آخرت کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والے کے دل میں اطمینان وسکینت اور تسلی وقوت بھی پیدا کر دیتا ہے جس سے اس کی وہ پریشانی جو مطلوب کے فوت ہو جانے سے پیدا ہو جاتی ہے جاتی رہتی ہے۔ یہ اثر اللہ تعالیٰ کی اس توجہ خاص کا ہوتا ہے۔ جو حق تعالیٰ کو دعا کرنے والے بندہ کی طرف ہو جاتی ہے اور یہی توجہ خاص اجابت (قبولیت دعا) کا وہ یقینی درجہ ہے جس کا وعدہ حق تعالےٰ نے دعا مانگنے والے کے لئے فرمایا ہے (حیات المسلمین)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"جو مسلمان بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا مانگتا ہے جس میں گناہ اور قطع رحم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا فرما دیتا ہے۔ یا تو فی الحال مانگی ہوئی چیز عطا فرما دیتا ہے، یا اس کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دیتا ہے، یا کوئی ایسی ہی برائی اس سے رفع کر دیتا ہے"

یہ سن کر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا،

تب تو ہم خوب دعا مانگا کریں گے"

حضورؐ نے فرمایا "خداوند تعالےٰ کے خزانہ میں بھی کمی نہیں۔" (مسند احمد)

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین

وعلی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

مسافرِ حجاز کا مکتوب

سید محبوب صاحب رضوی

محترم شاہ صاحب! لیجئے ایک اور خط حاضر ہے۔ مجھے اپنے حالات سے قطعاً یہ توقع نہ تھی میں سفر حجاز کے حالات پیش کر سکوں گا۔ اگر اسے مقاماتِ مقدسہ کی کرامت سمجھئے کہ آپ کے حکم کی تعمیل کا موقع میسر آ سکا۔ یا یوں کہیئے

یہ کس بزم کا ذکر چھیڑا ہے دل نے
کہ اب بات پر بات یاد آ رہی ہے

چہارشنبہ، ۲۹ر نومبر ۱۹۷۲ء کو مکہ مکرمہ سے بذریعۂ بس مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی، اس وقت کے جذبات کا عالم کچھ نہ پوچھئے، ایک طرف خانۂ کعبہ سے جدائی ہو رہی تھی اور دوسری جانب بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کی خوشی سے جذبات کا بے پناہ طوفان سینے میں موجزن تھا:

دل جانب مدینہ ہے، رُخ جانب حرم
اب انتہائے کشمکش دل نہ پوچھئے!

چند سال پیشتر مدینہ منورہ کا راستہ جدہ ہو کر تھا مگر گذشتہ سالوں میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے براہ راست بڑی عمدہ اور کشادہ سڑک تیار ہو گئی ہے دونوں مقامات کا درمیانی فاصلہ ۴۴۴ کلومیٹر ہے، ۶۱ سیٹوں کی یہ بس صاف ستھری سڑک پر ایک سو کلومیٹر کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ چار گھنٹے کی طویل مسافت کے بعد بس بدر کے تاریخی میدان میں رُکی۔ یہاں شہدائے بدر کے مزارات پر حاضر ہو کر سلام اور نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا یہ مزارات ایک پختہ احاطہ میں واقع زیارت گاہ خاص و عام ہیں۔ چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود آج بھی وہاں انوار و برکات کا نزول محسوس ہوتا ہے۔

مقتولین قریش کا آج وہاں کوئی نام و نشان نہیں ملتا حتی کہ کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ قریش کا وہ مغرور اور خود سر سردار ابوجہل کہاں مدفون ہے۔

بدر کا یہی وہ میدان ہے جہاں ہجرت کے دوسرے سال میں حق و باطل کا وہ معرکہ گرم ہوا تھا جو حق کی سربلندی کا اعلان اولیں تھا، اسلامی تاریخ میں عظیم الشان کارناموں کی یہ صبح اول تھی۔ اس معرکہ کے آوازے سے تاریخ عالم

کے ایوان قیامت تک گونجتے رہیں گے،

حافظہ کی مدد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ کا اندازہ لگایا، سیرت کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ وہ ریتیلی جگہ تھی، آج بھی وہاں ریت کا وسیع میدان موجود ہے بدر میں پہونچ کر فضائیں خنکی محسوس ہوئی، یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب مدینہ منورہ کے قریب پہونچ چکے ہیں مکہ مکرمہ کا موسم اواخر نومبر میں معتدل تھا مگر مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں خاصی سردی تھی اس خطہ پاک کی خنکی کی نسبت اقبال نے خوب کہا ہے۔

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں، جدہ اور حرمین شریفین کے بازاروں میں عربی زبان کے بعد اگر کسی زبان کا چلن ہے تو وہ آپ ہی کی زبان اردو ہے۔ اردو جاننے والے کو یہاں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی، اور بڑی حد تک کام نکل جاتا ہے، بدر میں بس رکی تو ایک بدوی یہ آواز لگا کر حجاج کو اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا " وضو کا پانی چار گروش میں" بدر کا بس اسٹینڈ آبادی کے پیچھے یہاں پانی کی قلت ہے، مقامی بدو حجاج کے لئے کنویں سے پانی لاکر فروخت کرتے ہیں، ایک لوٹا پانی چار قرش میں مل جاتا ہے، اہل عرب "ق" کو "گ" سے بدل کر قرش کے بجائے گروش بولتے ہیں، صحرائے عرب میں اردو زبان کا یہ جملہ سنکر جہاں حیرت ہوئی وہیں اردو زبان کی ہمہ گیری سے بڑی مسرت بھی ہوئی کہ ہمارے ملک کی ایک زبان کے بولنے والے حجاز کے دیہات تک میں بھی پائے جاتے ہیں۔

بدر سے روانہ ہوئے تو ہر شخص کا یہ حال تھا

فدائم بجان گرامی فدائم
چنیں شہر خوبی چنیں شہر یارے

بس نے عصر کے وقت مدینہ منورہ پہونچا دیا، اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ع

جیسے کھینچے لئے جاتا ہے کلیجہ کوئی

روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر صلوۃ وسلام عرض کیا، وفور جذبات سے زبان عرض مدعا سے قاصر تھی اس وقت جو حالت تھی اس کی کسی قدر ترجمانی اس شعر سے ہو سکتی ہے

ترحم، ترحم، خدارا ترحم!
بکوئے فتادہ غریب الدیارے

اللہ اکبر! کہاں یہ مقدس بارگاہ اور کہاں یہ سراپا معصیت سیہ کار ناہنجار، " ہذا من فضل ربی" ورنہ "من آنم کہ من دانم" روضۂ اقدس کا حسن وجمال سبحان اللہ

وہ جنّت روح وخلد نظر وہ سوز وگداز قلب وجگر
وہ روضۂ اطہر صل علیٰ، وہ نور مجسم کیا کہیئے!

کس کے قلم میں یہ طاقت ہے کہ اس بارگاہ قدس کی تجلیات اور کیفیات کو ضبط تحریر میں لا سکے۔

محسوسات اور واردات الفاظ کے قید وبند سے ماورا ہوتے ہیں جس نے آنکھوں سے کوئی منظر دیکھا ہو یا جس کے دل پر کوئی کیفیت بیتی ہو وہی جان سکتا ہے کہ اس نے کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا۔ نظیری نیشاپوری کے الفاظ میں

صد معنی وجمال دریں گل نہادہ اند

خانہ کعبہ میں بڑی آزادی تھی جسطرح جی چاہے حجر اسود کو بوسہ دیجئے، ملتزم اور غلاف کعبہ سے لپٹ جائیے اور دل کے ارمان نکال لیجئے، کوئی پابندی نہیں، مگر یہاں کا معاملہ ہی دوسرا ہے، قرآن مجید نے بڑی سختی سے تنبیہ کی ہے کہ:۔

اے ایمان والو! اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور نہ بات کرنے میں اس طرح بلند آواز سے بولو جس طرح

تم آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو
ورنہ اندیشہ ہے کہ تمہارے اعمال اسطرح
ضائع ہوجائیں کہ تمہیں اس کی خبر بھی نہ
ہو۔ (سورہ حجرات آیت ۲)

اس لئے بارگاہ رسالت میں بہت سنبھل کر چلنا چاہیئے کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں!

ذاتِ مقدسہ کے فداکاروں کے والہانہ جذبہ کی تکمیل کی صورت خدائے بزرگ و برتر نے خانۂ کعبہ ہی میں فرمادی ہے، حجر اسود کا مَس اور تقبیل اس کی بہترین صورت ہے۔ جس چیز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مقدسہ نے مساس کیا ہے، ہر طواف کرنے والے کا دہن اس مساس سے شرف اندوز ہوسکتا ہے، حجر اسود بلاشک وشبہ ایک ایسی مقدس یادگار ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے درمیان مابہ الاشتراک حیثیت رکھتی ہے! ذات مقدسہ کے تشنہ کامانِ محبت اس سے اپنے جذبات عقیدت کو تسکین دے سکتے ہیں اور درحقیقت سچی محبت کی علامت بھی یہی ہے کہ اس کا اظہار محبوب کے سامنے کے بجائے غائبانہ طور پر کیا جائے عشق ومحبت کے اظہار کا اس سے بڑھ کر دوسرا کوئی اور طریقہ نہیں ہوسکتا!! ادب کا تقاضا یہ ہے کہ:۔

باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار!

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف وکرم کے قربان جائیے کہ جن اُمتیوں کو اس ذاتِ اقدس کا خیر القرون اور زیارت نصیب نہیں ہوسکتی ان کی دلداری کے لئے فرمایا گیا ہے کہ

"جس نے حج کیا اور پھر میری قبر کی زیارت کی
اس نے گویا میری زندگی میں زیارت کی"

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ دو عظیم الشان نعمتیں ایسی ہیں جن کی قدر کم لوگ کرتے ہیں، ایک قرآن مجید ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشتا ہے، اور دوسری نعمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے جو اپنے روضۂ اقدس میں آرام فرما ہے، بدنصیب ہے وہ شخص جو استطاعت رکھنے کے باوجود اس عظیم الشان سعادت سے محروم رہے۔

یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے!

مسجد نبوی کی اس وقت جو عمارت موجود ہے وہ ترکوں کا کارنامہ ہے۔ مسجد نبوی کی توسیع آٹھ مرتبہ عمل میں آچکی ہے، پہلی توسیع فتح خیبر کے قریب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۲ھ میں شمال ومغرب کے علاوہ قبلہ کی جانب بھی عمارت میں اضافہ کیا، تیسری مرتبہ حضرت عثمان رضہ کے عہد خلافت میں توسیع ہوئی۔ یہ اضافہ بھی مسجد کے جنوب، مغرب اور شمال کی تین سمتوں میں کیا گیا۔ یہاں یہ بتادینا مناسب ہوگا کہ قبلہ مسجد نبوی کے جنوب میں ہے۔

سنہ ۹۱ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے جنوبی سمت کو چھوڑ کر بقیہ تینوں سمتوں میں اضافہ کیا۔ اس سے پہلے روضۂ اقدس مسجد نبوی سے ملا ہوا تو تھا مگر مسجد میں شامل نہ تھا۔ مسجد میں مشرق کی جانب اضافہ کے بعد روضۂ اقدس مسجد نبوی میں شامل ہوگیا، اس سمت میں یعنی روضۂ اقدس کی مشرقی جانب تقریباً ۱۲ فٹ جگہ مزید مسجد نبوی میں شامل ہوگئی ہے۔

مواجہ شریف میں حاضری کی صورت یہ ہے کہ مسجد نبوی کی مشرقی سمت میں باب جبرئیل سے داخل ہوکر روضۂ اقدس کے شمال سے گزرتے ہوئے بجانب مغرب روضۂ جنت میں پہنچتے ہیں اور وہاں تحیۃ المسجد ادا کرکے بجانب جنوب اس اضافے میں داخل ہوکر جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں کیا گیا ہے مواجہ شریف میں حاضری ہوتی ہے۔

روضۂ اقدس کے اطراف میں جالیاں بنی ہوئی ہیں

...انب قبلہ والی جالی کی دیوار میں تین گول سوراخ بنے ہوئے ہیں، پہلا سوراخ بڑا ہے اور دوسرے دو سوراخ اس سے کسی قدر چھوٹے ہیں۔ پہلے سوراخ کے سامنے کھڑے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں صلوۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے پھر یہاں سے کسی قدر ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کیا جاتا ہے۔ اور اس جگہ سے کسی قدر ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کیا جاتا ہے۔ روضۂ اقدس کی یہی وہ جالیاں ہیں جو تمام دنیا کے مسلمانوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز ہیں، غائت ادب واحترام اور تعظیم کے ساتھ صلوۃ وسلام عرض کرنے کے بعد مشرقی سمت سے گذرنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بتا چکا ہوں۔ پہلے یہ جگہ مسجد نبوی میں شامل نہ تھی، ولید بن عبدالملک نے اس طرف اضافہ کر کے باب جبرئیل کو اس کی اصل جگہ سے کسی قدر پیچھے کی جانب ہٹا دیا ہے۔ صلوۃ وسلام عرض کرنے کے لئے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں اسی راستے سے جانا ہوتا ہے۔

مسجد نبوی کی موجودہ عمارت کی تکمیل ۱۲۷۷ھ میں ہوئی ہے، اس کی تعمیر کی سعادت سلطان عبدالمجید خاں کو حاصل ہے، اونچے اونچے چار چار ستونوں پر ایک گنبد ہے اس طرح پوری عمارت گنبددار ہے۔ یہ تعمیر سنگ سرخ کی ہے، البتہ روضۂ جنت جس کے بارے میں زبان وحی ترجمان ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ——— میرے مکان اور میرے منبر کے درمیان باغ ہے جنت کے باغوں میں سے

اس کے ستون سنگ مرمر کے ہیں، زمانہ نبوت میں مسجد نبوی کا جو رقبہ تھا اس کو ظاہر کرنے کے لئے ان ستونوں پر نشانات لگا دئے ہیں، ان ستونوں سے مسجد کے طول وعرض کو ظاہر کرنے کے علاوہ چھت کی بلندی کو بھی واضح کر دیا گیا ہے، ترکوں کی تعمیر میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضہ کے اضافے کی علامتیں بھی علیحدہ علیحدہ نمایاں طور پر ظاہر کر دی گئی ہیں۔ مسجد نبوی کی زیارت سے یہ علامتیں بآسانی سمجھ میں آجاتی ہیں، تاریخی ادوار کا اسی طرح تحفظ بلاشبہ ترکوں کا ایک لائق تحسین کارنامہ ہے۔ بحیثیت مجموعی مسجد نبوی کی عمارت انتہائی خوبصورت اور پر عظمت عمارت ہے۔ اس میں جلال وجمال کا نہایت حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ اس کی اونچی اونچی اور نازک محرابیں اور مینار اپنی شان وشوکت کے لحاظ سے بجد جاذب نظر اور دل کش شاہکار ہیں۔ مسجد نبوی کی دیواروں اور محرابوں وغیرہ پر قرآن مجید کی آیتیں بہت خوشنما خط نسخ میں تحریر ہیں، یہ خط اتنا حسین اور دلکش ہے کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے،

مسجد نبوی کی آخری توسیع ۱۳۹۳ھ میں سعودی حکومت کے دور میں ہوئی ہے۔ یہ توسیع بھی اپنی واضح علامت سے پہچانی جاتی ہے، مسجد حرام کی طرح یہاں بھی سعودی توسیع بہت عظیم الشان ہے، ابھی حال میں مسجد نبوی میں مزید توسیع واضافے کے لئے شاہ فیصل نے پانچ کروڑ ریال منظور کئے ہیں، ہندوستانی کرنسی میں یہ رقم دس کروڑ روپے کے مساوی ہے۔ اب جدید اضافہ مسجد نبوی کی مغربی جانب ہوگا اس سمت میں مسجد نبوی کے مشہور دروازے "باب السلام" اور "باب الصدیق" ہیں۔ مسجد نبوی کے اطراف میں متعدد دروازے ہیں۔ مسجد میں چار مینار ہیں۔ دو آگے قبلہ کی جانب اور دو مسجد کے آخری سرے پر ہیں۔ بجلی کی روشنی کا بڑا زبردست انتظام ہے، مسجد حرام کی طرح مسجد نبوی بھی بقعۂ نور معلوم ہوتی ہے اور رات میں دن کا سماں نظر آتا ہے۔

گنبد خضرا سے ملحق جانب شمال ایک چبوترہ ہے جو زنجیروں سے گھرا رہتا ہے۔ یہ جگہ محراب تہجد کے نام سے موسوم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے

اس سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک دوسرا چبوترہ ہے جو صُفّہ کہلاتا ہے، محراب تہجد اور صُفّہ کے درمیان ہی مسجد نبوی میں داخلہ کے لئے باب جبرئیل ہے۔

مسجد نبوی کے جنوب یعنی پشت پر شارع عام سے ملی ہوئی ایک عمارت ترکوں کے عہد کی بنی ہوئی ہے یہ مکتبہ شیخ الاسلام کے نام سے موسوم ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت امام حسن رض کا مکان تھا۔ اس کے برابر میں بجانب مشرق حضرت ابوایوب انصاری رض کا دولت خانہ تھا۔ یہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لاکر اولاً قیام فرمایا تھا اس مکان کے دروازے پر "دار سیدنا ابوایوب انصاری رض" کے نام کا کتبہ ترکوں کے عہد کا لگا ہوا ہے۔ مسجد نبوی کے مشرق میں حضرت عثمان کا دولت خانہ تھا، یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت عثمان رض شہید ہوئے تھے۔

مسجد نبوی کے قریب ایک مکان میں ایک کمان شیشے کے بکس میں رکھی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ کمان ہے جو غزوہ اُحد کے موقعہ پر حضرت سعد ابن ابی وقاص رض کے ہاتھوں میں تھی جس سے انھوں نے قریش کے ہجوم کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کی تھی بکس کے اوپر یہ ارشاد نبوی لکھا ہوا ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاسعد
"ارمہم" فداک ابی و امی

اے سعد! تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان!

مدینہ منورہ سے تین چار میل کے فاصلے پر جانب شمال جبل اُحد واقع ہے، پہاڑ کے دامن میں ایک وسیع پختہ احاطے میں حضرت حمزہ رض اور دوسرے شہدائے احد کے مزارات ہیں، مزارات کے قریب ایک مسجد ہے، یہاں تحیۃ المسجد پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

جبل اُحد کے متعلق طبقات الارض کے ماہرین کی حالیہ سروے رپورٹ میں بتلایا گیا ہے کہ اُحد میں سونے کے بیشمار ذخائر موجود ہیں، میں نے یہ سُنا تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد آگیا جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ اگر میں اشارہ کردوں تو جبل احد سونے سے بھر جائے مگر مجھے یہ پسند نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک روز کھانا کھاؤں اور ایک دن بغیر کھائے روزے سے رہوں، کس قدر صداقت اور حقیقت تھی اس ارشاد نبوی میں کہ چودہ سو سال کی طویل ترین مدت گزر جانے کے بعد آج سائنسی آلات کے ذریعہ سے اس کا انکشاف ہو رہا ہے۔ یہ انکشاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشمار معجزات میں ایک تازہ معجزہ ہے! اسی کے ساتھ شاہ فیصل کا یہ عظیم تاریخی فیصلہ بھی ہزاروں لاکھوں تحسین و ستائش کا مستحق ہے کہ چونکہ جبل اُحد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز تھا اور آپ اس پہاڑ سے محبت فرماتے تھے۔ اس لئے اس میں سونے کے خواہ کتنے ہی ذخائر کیوں نہ موجود ہوں جبل احد کے کسی بھی حصے کو کھودا نہیں جائیگا

زندہ باد، شاہ فیصل۔ خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ!!

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

میں سمجھتا ہوں کہ پوری امت مسلمہ شاہ فیصل کے اس فیصلے کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے!

مسجد نبوی سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر مسجد قبا ہے، اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو ہجرت کے بعد تعمیر ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رض کے ساتھ اپنے دست مبارک سے اس کو تعمیر فرمایا تھا۔ مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ کے بعد یہ تمام مساجد سے افضل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز کا ثواب مثل عمرے کے ہے۔

جمعہ، یکم دسمبر ۱۹۶۲ کو جنت البقیع میں حاضری نصیب ہوئی۔ یہ مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان ہے۔ روایت عام کے مطابق یہاں دس ہزار صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم اور بے شمار علماء اور اولیاء آرام فرما ہیں۔

جنت البقیع اب مدینہ منورہ کی آبادی میں شامل ہوگیا ہے، اس کا احاطہ ایک طویل وعریض اور بلند چہار دیواری سے گھرا ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کا مزار بقیع کے مشرقی گوشے میں ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ تمام ازواج مطہراتؓ حضرت فاطمہؓ، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عباسؓ، حضرت امام حسنؓ حضرت صفیہؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اسی جگہ آسودہ خواب ہیں، حضرت امام مالکؒ بھی یہیں مدفون ہیں۔

۹ر دسمبر کو شنبہ کے دن فجر کی نماز کے بعد بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر رخصت ہونے کے لئے حسرت اور تأسف کے ساتھ صلوۃ وسلام عرض کیا، اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت: ؎

لفظ و بیاں میں آ نہ سکی
دل میں ہے ابتک دل کی بات

پھر مواجہ شریف سے ہٹ کر شیخین رضؓ کو بھی آخری سلام عرض کرکے باچشم گریاں یہ دعا کرتے ہوئے:

خدایا! ایں کرم بار دگر کن!

یہ امید لئے ہوئے کہ کاش پھر بھی یہاں کی حاضری نصیب ہوجائے ؎

پھر مجھے حاضری میسر ہو
پھر مرے سامنے یہ منظر ہو

اس وقت کچھ ایسی کیفیت تھی کہ ہم سوچتے ہی رہ گئے عنوان عرض غم ؎ نہ آنکھوں میں آنسو، نہ ہونٹوں کو جنبش
مگر عرض غم یوں بھی کی جارہی ہے

جاشت کے بعد مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی اور اب

؎ نگاہ گنبد خضرا کے گرد پھرتی تھی
میں دل کو تھام کے رخصت ہوا مدینہ سے

راستے میں ذوالحلیفہ پہونچ کر بس رکی۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے والوں کی یہ میقات ہے یہیں احرام باندھا جاتا ہے۔ میں نے اہلیہ سے پہننے کے لئے چپلیں مانگیں انھوں نے بتایا کہ چپلیں اس سامان میں بند ہیں جو بس کی چھت پر رکھا ہوا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس پاک اور مقدس سرزمین پر تو سر کے بل چلنا چاہئے تھا۔ اسلئے کہ ؎

خاک حجاز پر نثار، ایک نہیں ہزار بار
لالہ و سرو و نسترن، ماہ و نجوم و کہکشاں

اور میں عادت کے مطابق یہاں بھی پیروں میں جوتے پہنے ہوئے ہوں۔ شاید قدرت کو منظور یہ ہے کہ یہاں کی خاک پاک اس عاصی پر معاصی کے جسم کو لگے —— اس خیال کا آنا تھا کہ چپلوں سے طبیعت بے نیاز ہوگئی، احرام میں سر تو کھلا رہتا ہی ہے اب پیر بھی کھل گئے اور جوتوں کی قید سے عمر میں پہلی مرتبہ رہائی ملی، راستے میں دوپہر کے کھانے اور ظہر و عصر کی نمازوں کے لئے بس سے اتر کر پیدل چلنا پڑا مگر فی الحقیقت اسطرح ننگے پیر چلنے میں جو لطف آیا وہ چپلوں کے ساتھ کہاں میسر ہے...... ہوسکتا تھا حق تعالیٰ کس کسطرح اپنے گنہگار بندوں کو نوازتے ہیں ؎

اس کی قدرت ہے اس کی رحمت ہے
میرا سر اور خاکپائے حبیب

مدینہ منورہ میں سید عبید اللہ حیدری معلم کے ہونہار فرزند سید سعد اللہ حیدری اور عزیزی مولوی اخلاص احمد دیوبندی سے جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (مدینہ یونیورسٹی) میں زیر تعلیم ہیں بڑی راحت ملی خصوصاً مقامات متبرکہ کی زیارت انہیں کے ذریعہ سے میسر ہوئی، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے دیکھنے کا بھی موقع ملا، مؤخر الذکر تو اسم باسمیٰ اور سراپا اخلاص ہیں، انکی راحت رسانی ناقابل فراموش ہے اللہ تعالیٰ دونوں صاحبوں کو جزائے خیر اور فلاح دارین سے نوازے۔ این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد! (باقی آئندہ)

اسلام میں رفاہِ عام اور خدمتِ خلق

مولانا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی

اہل بیت رسول اور خدمتِ خلق

خاندانِ رسالت کی نظر میں خدمتِ مخلوق کا کیا درجہ ہے؟ حسب ذیل واقعات سے اس کا اندازہ لگائیے۔

ایک دفعہ ایک ضرورت مند حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ اعتکاف میں تھے، ضرورتمند کی فریاد سنکر امام حسین رضؓ نے اعتکاف میں ہونے کی وجہ سے معذرت کردی۔ وہ ضرورتمند حضرت امام حسن رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے کام کے لئے چلنے کی درخواست کی۔ حضرت امام اس کے ساتھ کھڑے ہوئے اور اعتکاف سے باہر آگئے۔

ضرورتمند نے عرض کیا، حضرت! آپ کے چھوٹے بھائی نے تو عذر کردیا تھا، مگر آپ میرے ساتھ کھڑے ہوگئے۔

حضرت امام محترم نے فرمایا۔

"میرے نزدیک کسی مظلوم اور ضرورتمند کی امداد کے لئے کوشش کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے [illegible] ساتھ چل پڑا ہوں"

([illegible])

اسی طرح ایک روز حضرت امام حسین کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے، اس حالت میں آپ کو کسی فریادی نے پکارا۔ آپ طواف پورا کئے بغیر اس کے ساتھ چلے گئے۔ ایک صاحب نے پوچھا، حضرت! آپ طواف پورا کئے بغیر اس کے ساتھ کیوں جا رہے ہیں۔ حضرت امام نے ارشاد فرمایا

"میرے نانا جان حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص کسی مسلمان کی امداد کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو مدد کرنے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر اس کی کوشش کے باوجود ضرورت مند کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو مدد کرنے والے کو صرف عمرہ کا ثواب ملتا ہے"

پھر میں طواف چھوڑ کر کیوں نہ جاتا، میں نے تو پورے حج اور عمرہ کا ثواب حاصل کر لیا" (ایضاً [illegible])

خدمتِ خلق کا بنیادی تصور

"مخلوق" خدا کا کنبہ ہے

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق اور خدمت

کی بنیاد اس تصور پر رکھی ہے کہ تمام مخلوق خدا کا خاندان ہے ایک آقا کا غلام اپنے آقا کے کنبہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے، اس کے بچوں اور بھائی بندوں کا کتنا خیال کرتا ہے؟ یہ بات ہر سمجھدار آدمی خود سمجھتا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں! "الخلق عیال اللہ"

یہ انداز خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان محبت کے گہرے رشتہ کو ظاہر کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے ورنہ حقیقی طور پر خدا تعالیٰ ہر قسم کے مادی رشتوں سے پاک ہے۔

جنت میں جانیکے لئے رحمت عام ضروری ہے

حضور نے فرمایا۔

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کریگا۔

ایک موقعہ پر فرمایا۔

لایدخل الجنۃ الا رحیم۔ قالوا یا رسول اللہ کلنا رحیم، قال لا حتی یرحم العامۃ

جنت میں صرف رحم دل داخل ہوگا، صحابہ نے کہا، ہم سب رحم دل ہیں آپ نے فرمایا نہیں جب تک عام لوگوں پر رحم نہ کیا جائے (کوئی رحم دل نہیں) اور نہ کوئی جنتی ہے۔

زبان سے دل دکھانیوالا مومن نہیں

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے کسی کا دل دکھانے والے کی سخت مذمت فرمائی ہے اور کسی کو برا کہنے [illegible]

[illegible] کسی

پر پھبتیاں کسنے والے، ہنسی اڑانے والے، کسی انسان کی توہین کرنے والے اور تحقیر کرنے والے انسان کو سخت برا کہتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا

لیس المومن بالطعان ولا باللعان ولا بالفاحش ولا بالبذی

وہ شخص مومن نہیں جو طعنے دیتا ہے، گالیاں بکتا ہے، بیہودگی کرتا ہے اور بات چیت میں پھوہڑ پنا اختیار کرتا ہے۔

میٹھی زبان صدقہ کے برابر ہے

اس کے مقابلہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میٹھی زبان سے بولنا اور ہنستے ہوئے چہرے سے اپنے دوست سے ملنا صدقہ کے برابر درجہ رکھتا ہے

قرآن نے ہدایت فرمائی "قولوا للناس حسنا"

"لوگوں سے اچھی طرح بات کیا کرو"

بے رحم انسان سے بیزاری

رحمت عالم کا فرمان رسالت ہے

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا

جو شخص چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں

سماج سدھار کاموں میں حصہ لینے کا حکم

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ

جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے [illegible] اس برائی کو [illegible]

وان لم یستطع فبقلبہ — اگر اتنی طاقت نہ ہو تو
وذلک اضعف الایمان — تو زبان سے اسے برا کہے
اس کی بھی طاقت نہ ہو تو
دل میں اُسے بڑا جانے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

شریعت کے ان حکموں سے معلوم ہوا کہ سماج کے اندر جب برائی سر اٹھائے، چوری، بے حیائی، جہالت، لڑائی جھگڑا اور ظلم وزیادتی، تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان برائیوں کے خلاف جد وجہد کرے اور ان کو مٹانے کی کوشش کرے۔

اور اسی طرح سماج میں جب کوئی اچھا کام ہو مخلوق خدا کو آرام پہنچانے کے کام کئے جائیں، علم پھیلانے سرائے، کنواں بنوانے اور عوام میں میل ملاپ کرانے کی کوشش ہو تو مسلمانوں کو ان کاموں میں ہر انسان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے اور ہاتھ بٹانا چاہیئے۔

عوام کے ساتھ اچھے اخلاق اختیار کرو

سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ان الرجل لیدرک — بے شک لوگوں کے ساتھ
بحسن خلقہ قائم — اچھے اخلاق اختیار کرنے
اللیل وصائم النہار — سے انسان ساری رات
شب بیداری کرنے والے
اور دن کو روزہ رکھنے والے کے برابر درجہ حاصل کرلیتا ہے

بغض وعناد اور نفرت کی ممانعت

سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تباغضوا ولا تحاسدوا — ایک دوسرے کے ساتھ
ولا تدابروا وکونوا — دشمنی نہ رکھا کرو اور نہ
عباد اللہ اخوانا — ایک دوسرے سے حسد اور نفرت
کیا کرو اور نہ ایک دوسرے سے
منھ پھیر کر جایا کرو بلکہ آپس میں
بھائی بھائی بن کر رہا کرو۔

کامل ایمان کی شرط انسانی محبت

لا یؤمن احدکم — تم میں سے کوئی شخص مومن
حتی یحب للناس — نہیں بن سکتا جب تک
ما یحب لنفسہ و — کہ عام لوگوں کے لئے وہ باتیں
حتی یحب المرء لا — پسند نہ کرے جو اپنی ذات
یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہ — کے لئے پسند کرتا ہے اور
جب تک مخلوق سے صرف
خدا کے لئے بے غرضانہ محبت نہ کرے۔

یہ ارشاد گرامی رحمت عالم کی محبت بھری شریفانہ تعلیم کا بنیادی اصول ہے۔

مذہب خدمت کے لئے نہ کہ مفاد پرستی کیلئے

اسلام خالص روحانیت کا مذہب ہے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کی پاکیزگی کو قائم رکھنے کے لئے ہدایت فرمائی کہ دنیا کا عیش وآرام حاصل کرنے کے لئے مذہب کو استعمال نہ کرو اس سے مذہب کا وقار کم ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا جنت کی خوشبو پانچ سال کی دوری سے محسوس ہوتی ہے

ولا یجد ھا من — مگر اس خوشبو سے وہ شخص
طلب الدنیا بعمل — محروم رہتا ہے جو آخرت
الآخرۃ — کے عمل سے دنیا حاصل کرنے
کی کوشش کرتا ہے۔

یعنی جو انسان سیاسی اور مالی طاقت حاصل کرنے

کے لئے مذہب کا نام استعمال کرتا ہے وہ جنت کے قابل نہیں رہتا۔

خدمت کی تحریکات میں تعاون کرو

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے

تعاونوا علی البر و التقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

یعنی ہر بھلے اور نیکی کے کام میں ایک دوسرے کیساتھ تعاون کرو اور برے کاموں میں ہرگز ایک دوسرے کی مدد نہ کرو

اللہ تعالیٰ کو نرمی پسند ہے

عادت کی نرمی، معاملات میں نرمی لین دین اور بات چیت میں نرمی خدا تعالیٰ کو پسند ہے کیونکہ نرمی اور نرم روی انسانی اخلاق کا زیور ہے۔

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

ان اللہ رفیق ویحب الرفق

اللہ تعالیٰ نرم ہے اور وہ نرمی کو پسند کرتا ہے

دوسری حدیث اس طرح ہے۔

من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہٗ

جو نرمی سے محروم کر دیا جاتا ہے وہ تمام بھلائی سے محروم کر دیا جاتا ہے (ابوداؤد کتاب الادب ج ۲ ص ۳۱۲)

دوسرے کے احسان کا شکریہ ادا کرنا

ہر احسان کرنے والے کے احسان پر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے، مثل مشہور ہے "تنکے کا بھی احسان ماننا چاہیئے" انسانی شرافت کا یہی تقاضا ہے کہ جو انسان کسی طرح کا احسان کرے اور خدمت کرے اسکا شکریہ ادا کرو۔ اللہ کے رسول نے فرمایا:

لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس

جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر گذار نہیں ہوتا۔

شارحین حدیث نے اس فرمان رسالت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے

لا یقبل شکر العبد علی احسانہ اذا کان العبد لا یشکر احسان الناس۔	خدا تعالیٰ اس بندے کی شکر گذاری کو قبول نہیں کرتا جو بندہ لوگوں کے احسان کا شکر ادا نہیں کرتا۔

اس تشریح کے مطابق اس حدیث میں اس بات کا انتباہ ہے کہ جو لوگ اپنے اوپر احسان کرنے والے انسانوں کا احسان نہیں مانتے وہ اپنے خدا کے لاکھ احسانات کا شکریہ ادا کریں مگر خدا ان کے شکریہ کو قبول نہیں کرتا۔

یہ بھی واضح رہے کہ عبادت الٰہی روزہ نماز وغیرہ یہ سب خدا کے احسانات کا عملی شکریہ ہے اور خدا تعالیٰ ناشکرے انسان کا نہ زبانی شکریہ قبول فرماتا ہے اور نہ عملی شکریہ کو درجہ قبول عطا فرماتا ہے۔

اچھا گمان رکھو، بدگمانی نہ کرو

اسلام نے لوگوں کو بدگمانی کرنے سے منع کیا ہے قرآن میں حکم دیا گیا ہے، بدگمانیوں سے بچا کرو (سورۂ حجرات) اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حسن الظن من حسن العبادۃ اچھا گمان کرنا حسن عبادت میں سے ہے (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۳۳)

بدگمانی کرنا اور شکی مزاج والا ہونا انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے یہ کمزوری انسان کو عملی زندگی میں بڑی تکلیف دیتی ہے اسکے مقابلہ میں ہر شخص سے اچھا گمان رکھنا اور اس پر اعتماد کرنا انسان کی بڑی خوبی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ تحقیق کے بعد کسی انسان کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیئے ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا (قرآن حکیم)

بیت المقدس
تاریخی حقائق کی روشنی میں

ڈاکٹر احمد صدقی الدجانی

عرب مقبوضہ علاقوں سے پہلے دنوں مختلف خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ جو خبریں موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس قدیم کے مشہور محلہ "حارۃ الیہود" کی بعض عمارتوں کا انہدام قابض حکام کی طرف سے شروع ہو گیا ہے۔ یہ کاروائی فی الحقیقت اس قدیم عمارت کے خد و خال مٹانے اور اس کی تعمیر جدید کی طرف پہلا قدم ہے۔ ہمارے بہت سے متعلقین جو حال ہی میں بیت المقدس سے آئے ہیں۔ انکا بیان ہے کہ دشمن بیت المقدس کی عمارتوں میں بنیادی تبدیلیاں لانے کے ساتھ ساتھ ان کی ہیئت اور عام زندگی کے طور طریقے کو بدل دینے کا پورا تہیہ کئے ہوئے ہے۔

یہ سب کچھ اس ناکام سیاست کے تحت کیا جا رہا ہے جس کا واحد مقصد ہمارے مقبوضہ علاقوں میں نئے حقائق کو وجود میں لانا ہے جسے ہم مختصر الفاظ میں "تمدنی تخریب" کہہ سکتے ہیں۔ اگر اسرائیل کو یہ سیاست ہمارے تمام مقبوضہ علاقوں (فلسطین و صحرائے سینا اور گولان کی پہاڑیوں) کو شامل ہے ... بیت المقدس میں زیادہ ... اہمیت حاصل ہے ایسی اہمیت جو اسرائیل کو اس پر ہمیشہ تسلط جمائے رکھنے اور قبضہ مستحکم کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

"حارۃ الیہود" میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے یہ دشمن کے اس منصوبہ اور کاروائی کا ایک جز ہے جسے وہ پورے شہر بیت المقدس میں بروئے کار لانا چاہتا ہے۔ بیت المقدس کی میونسپلٹی نے ایک کتاب بھی شائع کی ہے جس میں قدیم شہر کی شکل و صورت بدل دینے کے تمام منصوبے ظاہر کئے گئے ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جب یہ منصوبے بین الاقوامی برطانوی انجنیروں اور ماہروں کے روبرو پیش کئے گئے جنہیں قدس کی میونسپلٹی نے ۱۹۷۰ء کے اواخر میں اپنے یہاں بلایا تھا تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان پر اظہار ناپسندیدگی کیا بلکہ قطعی طور پر رد کر دیا۔ بلکہ ان میں سے ایک نے تو جن کا نام پروفیسر "برونسکی" ہے یہاں تک لکھ دیا کہ حال ہی میں بیت المقدس میں جو تعمیری کاروائی کی گئی ہے وہ ... کا ناقابل تلافی اجتماعی جرم ہے۔ انہوں نے ... دسمبر کو موصوف نے میونسپلٹی کے ... کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ اگر شہر قدس

کے نتیجہ بھا ہے۔ اقوام متحدہ کی پلان کی منظوری حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو میں کہوں گا کہ یہ پلان قطعی طور پر ناقابل قبول ہے اور ہم کسی بھی ایسے منصوبے پر صاد کرنے کیلئے تیار نہیں جو بیت المقدس کے وجود کو خطرہ میں ڈالتا ہو۔

اسی طرح شہر سے باہر جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان سے اور خاص طور پر "اسکول" نامی محلہ کی تعمیر سے شہر کی اصل شکل و صورت بگڑ گئی ہے "اس حد تک کہ برطانوی اخبار ٹائمز نے مارچ ۱۹۷۱ء میں اس کا سخت نوٹس لیتے ہوئے لکھا کہ اگر اسرائیل چاہتا ہے کہ وہ شہر قدس میں یکجا رہے گی اور دائمی طور پر رگ حیات کو تیز گام بنا دے تو آ سے ابھی سے اس شہر سے دست کش ہونے کے لئے تیار ہونا چاہیے

بیت المقدس پر ہمارے دشمن کی زیادہ توجہ کیوں مرکوز ہے اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنی ان تمام کارروائیوں سے اپنے ان تاریخی دعووں کو ثابت کرنا چاہتا ہے جن کا وہ اظہار کرتا رہا ہے۔

اس موقع پر یہ بات ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ ہم وہ مکمل تاریخی حقائق پیش کریں جن سے ایک طرف دشمن کے کھوکھلے دعووں کی بنیادیں ہل جائیں اور دوسری طرف ان حقائق کے جائزہ سے جنگ آزادی کی ہماری جدوجہد اور اسپرٹ میں نہ صرف یہ کہ اضافہ ہو بلکہ بیت المقدس کو آزاد کرانے کا مکمل تہیہ اور عزم کریں۔

جن نئی تالیفات میں ان حقائق کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ انہی میں استاذ محمد ادیب عامری کی کتاب "القدس العربیۃ" بھی ہے ہم اسی کتاب کے کچھ اقتباسات یہاں پیش کرتے ہیں۔

قدس (بیت المقدس) کو دنیا کا مشہور اور مرکز عالم قرار دیا ہے۔ سب سے پہلے اس سرزمین پر اور اسی طرح عام طور پر فلسطین کی سرزمین میں وہ عرب قوم ہی آباد ہوئی جو... ہزاروں سال قبل جزیرہ عرب سے نکل کر یہاں پہونچی اور یہ شہر پہلی بار اپنی بے مثال جائے وقوع پر تقریباً ۴ ہزار سال قبل مسیح قائم کیا گیا۔

یبوسی عربوں نے اس کی تعمیر کی اور اپنے کسی جد امجد کی طرف انتساب کرتے ہوئے اس کا نام "یبوس اوسالم" رکھا انہوں نے اس میں اپنے معبود اکبر "شالم" کا ہیکل تیار کیا اس کے بعد ہی سے اس شہر کا نام "اورسالم" (یعنی معبود شالم کا شہر) ہو گیا۔

جب ۱۹۰۰ قبل مسیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس شہر سے گذرے تو اس وقت اس علاقہ کا یہ مقدس مقام تھا۔ اس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے ... قبل مسیح میں قبضہ کیا تو پہلی بار عبرانی قوم اس میں داخل ہوئی اور اس نے اس شہر کا نام "مدینۃ داؤد" رکھا۔ لیکن یہ نام جلد ہی متروک ہو گیا۔ اور سابقہ نام "اورشالم" ہی برقرار رہا

پھر دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں روم کے ایک فرمانروا نے اس کا نام اپنے خاندان کی طرف انتساب کرتے ہوئے "ایلیا رکبری" رکھا۔ یہ نام اس عہد نامہ عمری میں بھی آیا ہے جسے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل قدس کے لئے اس وقت تحریر فرمایا جب کہ وہ ۶۳۸ء میں اس شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے

پھر عربی اسلامی فتوحات کے بعد تین نام مشہور ہو گئے القدس، بیت المقدس، اور دار السلام

استاذ عامری کے ان بیانات سے اتفاق کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس شہر کے ناموں کی کثرت اور اسکی طرح اس شہر کی عظمت و تقدیس اور [illegible] و تعمیر عربی الاصل ہی ہے اور اس کی عربیت کا یہ [illegible] حضرت داؤد علیہ السلام [illegible] سے تین ہزار سال قبل [illegible]

اس شہر نے عربوں کی تہذیب کا وہ روشن باب بھی دیکھا ہے جس کا علم بردار کنعانی عربوں نے بلند کیا تھا اور جب اسمیں عبرانی قوم داخل ہوئی تو عربی تہذیب بام عروج پر تھی۔ مشہور مورخ "نیلیب" کے قول کے مطابق عبرانیوں نے اس عربی تہذیب سے بہت کچھ حاصل کیا اور اسے اپنی مقدس کتابوں کا جز بنا لیا۔

عبرانی قوم کی حکومت بیت المقدس پر چالیس سال سے زائد نہ رہ سکی اور وہ اس دور حکومت میں بھی شہر میں ایک اقلیت ہی کی حیثیت سے رہے۔ وہ مختلف نسلوں اور ملکوں سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ایک عجیب قسم کے مخلوطہ کی صورت میں رہے جو آج بھی ان کی اصلی پوزیشن کو ذہنوں میں تازہ کرتی ہے۔

یہ باتیں اس ماضی بعید سے تعلق رکھتی ہیں جو ہمارے سامنے ایسے حقائق کی نقاب کشائی کرتی ہیں جن سے صیہونیوں کا وہ حق جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں بے بنیاد ہو کر رہ جاتا ہے۔

رہی ماضی قریب کی بات تو اس میں دو رائے نہیں ہو سکتی کہ بیت المقدس ۱۸۵۰ء تک کے مختلف ادوارِ تاریخ میں خالص عرب شہر رہا ہے جس میں قدیم یہودیوں کے ایک چھوٹے سے محلہ کے علاوہ تمام آبادی عربوں پر مشتمل تھی۔ پھر اس شہر کو مغربی حملہ کا نشانہ بننا پڑا لیکن اس کے باوجود ۱۹۴۸ء تک یہودیوں کے قبضہ میں اسکا کوئی معتدبہ رقبہ نہ آسکا وہ قدس جدید کے ۲/۱ رقبہ پر قابض تھے جبکہ اس کا مجموعی رقبہ ۳۰ ہزار دونم ہے۔

اسی طرح قدس قدیم میں ان کے پاس صرف ۳/۱ رقبہ رہا حتیٰ کہ خود "حارۃ الیہود" محلہ میں بھی ان کے زیر تسلط صرف ۱۵ فیصد حصہ ہی آسکا بقیہ ۸۵ فیصد حصہ مسلسل اسلامی اوقاف کی ملکیت میں رہا۔

استاذ عامری کے بیان کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کے مسلسل واویلا مچانے کے باوجود آثار قدیمہ اور اہم مقدس مقامات پر اُن کا قبضہ نہ ہو سکا البتہ دیوار حرم کے جنوبی حصہ کے باہر ان کے یہاں رسم گریہ جاری رہی ہے جسے دیوار گریہ کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کا اس مقام پر یہ گریۂ و بکا اس دعویٰ کے تحت ہے کہ یہاں اس ہیکل سلیمانی کا نشان ہے جسے بار بار تباہ و برباد کیا گیا ہے جبکہ شہر قدس تمام تر اسلامی اور مسیحی مقامات مقدسہ سے بھرا ہوا ہے۔

اب ہم ماضی کو چھوڑ کر دشمن کی موجودہ پوزیشن کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔ ماضی میں اس کی جو نا قابل ذکر حیثیت رہی ہے، اب اس کے برعکس وہ پوری طرح اس شہر مقدس کو اپنی فساد انگیزیوں کی جولانگاہ بنائے ہوئے ہے اور یہ فساد انگیزی صرف شہر کی شکل و صورت بگاڑنے اور اس کی عمارتوں کو اپنے اصلی روپ سے عاری کرنے تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ اس کی معمولاتی زندگی تک بدل دینے پر تُلا ہوا ہے اور اس کے لئے برابر کاروائی کر رہا ہے۔

دُعَاء

اور اس کے آداب

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے بہترین ظاہری و باطنی قویٰ عطا فرمائے ہیں، ان ہی قوتوں کے ذریعہ وہ کبھی سمندر کی موجوں سے کھلونوں کی طرح کھیلتا ہے، کبھی ہوا کے دوش پر سوار نظر آتا ہے، کبھی زمین کا سینہ چاک کر کے اس کے دفینوں پر قبضہ کرتا ہے اور کبھی آسمان کی بلندیوں پر پرواز کر کے ستاروں کی دنیا کی تسخیر کرنا چاہتا ہے

مگر اس اقتدار و اختیار کے ساتھ ساتھ وہ اس قدر عاجز و بے بس بھی ہے کہ اگر چند منٹ بھی اسے صاف ہوا کی لہریں میسر نہ آئیں یا چند گھنٹے پانی کے چند قطرے نہ ملیں یا قلب کی رفتار میں کوئی فتور پیدا ہو جائے، یا دماغ کی کوئی چھوٹی سی رگ پھٹ جائے تو آناً فاناً دم توڑ دے اور مٹی کا ڈھیر ہو کر زمین پر گر پڑے۔

الحاصل انسان کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے اس کی ساری قوت و عظمت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی بخشش و نوازش ہے۔ اس لئے ہر انسان (جس کا ہر سانس اس کے دریائے کرم کی ایک موج ہے) کا فرض عقلی ہے کہ ہر وقت اس کی نظر مولائے رحیم و کریم پر رہے اور ہر کام میں اس کی نصرت کا سہارا ڈھونڈے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اُسے جو قوتیں عطا فرمائی ہیں اس عالم اسباب میں ان کا استعمال کرنا، اور ہر کام میں اپنی وسعت و استطاعت کے مطابق جائز طریقوں سے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ یہ جدوجہد بھی احکام خداوندی کی تعمیل اور فرائض انسانی کی تکمیل ہے، مگر اس جدوجہد کی کامیابی کے لئے اسی کے فضل و کرم پر نظر رکھنا اور حصول مراد کے لئے اسی کے آگے دامن پھیلانا بندگی کی دلیل ہے اور یہی دعاء سے مقصود ہے،

اسی لئے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں دعا مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

ادعونی استجب لکم	بندو مجھ سے دعا مانگو میں اُسے قبول کروں گا۔ درحقیقت
ان الذین یستکبرون	جو لوگ میری عبادت سے
عن عبادتی سیدخلون	گردن موڑتے ہیں۔ عنقریب
جھنم داخرین ہ	جہنم میں داخل ہوں گے، ذلت کی حالت میں۔

اس آیت میں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا۔ پھر اُسے قبول

فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر فرما دیا گیا کہ دعا نہ مانگنا اللہ کی عبادت سے انکار اور تکبر و غرور کا مظاہرہ ہے اور جو ظالم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار کریں اور کائنات کا ایک ذرہ بے مقدار ہوتے ہوئے خالقِ کائنات سے مدد مانگنے میں ان کو عار ہو ان کا ٹھکانا جہنم کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے؟

خاتم النبیین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ انسانیت کی عظمتوں کا مالک اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر یہ "انسانِ اعظم" جو "عبد الکل" بھی تھا (اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی عظمتِ انسانیت کمال عبدیت ہی کا نتیجہ تھی) اس کا دل معرفتِ خداوندی کی جوئبار اور اس کی زبان نغمہائے ذکر و دعا کا آبشار تھی، حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہر وقت اور ہر حالت میں ذکر اللہ کا چشمہ جاری رہتا تھا۔ آپ کے ہر سانس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی تحمید و تقدیس کے لمحے ہوتے تھے۔ خواہ آپ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں، یا لیٹے ہوں، پیدل ہوں یا سوار ہوں، سفر میں ہوں یا مقیم ہوں، سوتے سوتے آپ کی آنکھ کھلتی تھی تو بے محابا آپ کی زبان سے یہ کلمات جاری ہوتے تھے۔

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما
اماتنا والیہ النشور

حضرت عائشہ فرماتی ہیں جب رات کے کسی حصہ میں حضور صلعم کی آنکھ کھل جاتی تھی تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات ہوتے تھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ
اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَاَسْأَلُکَ رَحْمَتَکَ
اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ
بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ
لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ
(زاد المعاد ج)

چنانچہ حدیث کی ہر کتاب میں "باب الدعاء" موجود ہے اور اسمیں ہر وقت، ہر حالت اور ہر ضرورت کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں مذکور ہیں۔ قرآن حکیم میں خدا کے مقبول بندوں کی پسندیدہ دعائیں نقل فرمائی گئی ہیں۔ بعد کے علماء کرام نے ان دعاؤں کو مستقل ضخیم کتابوں کی صورت میں بھی مرتب کر دیا ہے۔ چنانچہ الحصن الحصین (مؤلفہ علامہ جزریؒ) القول البدیع (علامہ سخاویؒ) الکلم الطیب (امام سیوطیؒ) اور الاذکار (علامہ نوویؒ) ادعیہ ماثورہ کے مشہور و مستند مجموعے ہیں۔

بعض علماء کرام نے قرآن و حدیث کی ان دعاؤں کو روزانہ منزلوں پر تقسیم کر کے منتخب و مختصر مجموعوں کی صورت میں مرتب کر دیا ہے۔ ان مجموعوں میں علامہ علی بن سلطان محمد قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مرتبہ مجموعہ "الحزب الاعظم" اور حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترتیب دادہ مجموعہ "مناجات مقبول" زیادہ معروف و متداول ہیں۔

قرآن کریم کی دعاؤں کی مقبولیت کی تو یہی دلیل کافی ہے کہ مجیب الدعوات نے اپنے کلام مبارک میں ان کو جگہ دی ہے۔ حدیث شریف میں جو دعائیں منقول ہوئیں ان کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں، یہ اس مقدس انسان کی زبان پر جاری ہوئیں جو اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی صفات جلال و جمال، کمال و نوال کا سب سے زیادہ ادا شناس تھا۔ اللہ کی رحمتیں جس کے کاشانۂ اقدس پر روز و شب بارش کی طرح سے برستی تھیں جسے رب العلمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اور جس کے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور عطیوں کا قاسم اور جس کی زبان کو اپنی مقدس وحی کا ترجمان بنایا تھا۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ

(در حقیقت میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔)

مایَنطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ
(آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہی ہوسکتی ہے۔)
لہذا قرآن وحدیث کی دعاؤں کا ورد کرنا اللہ تعالیٰ کے خزائن رحمت کی کنجیوں کا استعمال کرنا ہے۔

فضائل دُعاء

بندہ کا کمال یہی ہے کہ وہ بندگی میں کامل ہو۔ اور دعاء اظہار بندگی کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اسی لئے حضور صلعم نے ارشاد فرمایا:

الدعاء ھو العبادۃ   دعاء عبادت ہی ہے (ابوداؤد)

دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے:

الدعاء مُخ العبادۃ (ترمذی)

دعاء عبادت کا مغز ہے۔

معبود کو بندہ کی عبدیت، اور رب بے نیاز کو بندہ کی نیازمندی سے زیادہ کونسی ادا پسندیدہ ہوسکتی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے

لیس شیٔ اکرم علی اللہ تعالیٰ من الدعاء (الترمذی)

اللہ تعالیٰ کے یہاں دعاء سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں۔

بندہ کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلانا اس کی رحمت کے دروازوں کو کھولنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَن فُتِحَ لہٗ منکم بابُ الدعاءِ فُتِحت لہٗ ابوابُ الرَّحمۃ (ترمذی)

تم میں سے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے دعاء کا دروازہ کھول دیا ہے (یعنی دعا کی توفیق عطا فرمائی) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھول دئے گئے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ خالی انہیں واپس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کرم کو اس سے حیا آتی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان ربکم حیی کریم	درحقیقت تمہارا پروردگار مجمع
یستحی من عبدہ	حیاوکرم ہے اسے اس بات
اذا رفع یدیہ	سے حیا آتی ہے کہ جب بندہ
ان یردھما صفرا	اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے
(ابوداؤد والترمذی)	تو وہ انہیں خالی لوٹا دے

صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے دعا مانگنے کو پسند فرماتا ہے بلکہ دعا نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے بندہ کا دعا نہ مانگنا درحقیقت اپنے اختیار کا خاموش دعویٰ ہے جو شان بندگی کے منافی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

مَن لم یسئلِ اللہَ یغضبُ علیہ
جس نے اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

آداب دُعاء

معمولی دنیوی بادشاہوں بلکہ اس کے ماتحت حاکموں کے سامنے درخواست پیش کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں، غلط طریقہ پر مانگنے کا نتیجہ نہ صرف محرومی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات سائل حاکم کے عتاب کا شکار ہو جاتا ہے لہذا یہ کسطرح ممکن ہے کہ اس احکم الحاکمین کے دربار میں درخواست پیش کرنے کے آداب نہ ہوں قرآن کریم اور حدیث شریف میں یہ آداب بیان فرمادئے گئے ہیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رح نے "کیمیائے سعادت" میں آداب دعا" کے عنوان کے تحت ان کو اختصار و جامعیت

کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ذیل میں مزید تشریح کے ساتھ اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

دعا کے آٹھ آداب ہیں جنہیں دعا کرتے وقت ملحوظ رکھنا چاہیئے

(۱) کوشش کرنی چاہیئے کہ دعا مبارک اوقات میں ہو مثلاً عرفہ کا دن، جمعہ کا دن، رمضان المبارک کا مہینہ، سحر کا وقت، نصف شب،

(۲) اسی طرح مبارک مواقع اور احوال کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے، مثلاً میدان جہاد میں صف بندی کی حالت میں، باران رحمت کے نزول کے موقعہ پر، نماز فریضہ کی ادائیگی کے بعد

حدیث میں آیا ہے کہ ان اوقات میں اللہ تعالےٰ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، اسی طرح اذان اور اقامت کے وقت اور روزہ کے افطار کے وقت اور اس وقت جب اپنے دل میں زیادہ رقت وگداز محسوس کرے، کیونکہ دل کی رقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کی علامت ہے

(مطلب یہ ہے کہ اگرچہ دعا ہر وقت ہی مانگنی چاہیئے مگر ایسے حالات و اوقات میں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں اور جن میں اس کی رحمتوں کا نزول احادیث سے ثابت ہو چکا ہو خصوصیت کے ساتھ دعا مانگنی چاہیئے ان میں قبولیت کا زیادہ امکان ہے)

(۳) دعا دونوں ہاتھ اونچے اٹھا کر مانگنی چاہیئے اور دعا سے فارغ ہو کر دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لینا چاہیئے (گویا دعا کرنے والے کے دونوں ہاتھ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے بھر گئے ہیں اور وہ اس رحمت سے اپنے چہرے کو بابرکت بنانا چاہتا ہے) کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہاتھ اٹھائے جائیں تو وہ انہیں خالی نہ لوٹائے۔

(۴) دعا کے وقت دل میں کسی قسم کا تردد نہ ہونا چاہیئے بلکہ اللہ کی رحمت اور اس کے کرم پر پورا بھروسہ ہونا چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرمائیگا

حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے "کہ اللہ سے اس طرح دعا کرو کہ تمہارے دل میں اس کی قبولیت کا یقین ہو"

(ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بے اعتمادی اس کی بارگاہ کرم میں گستاخی ہے)

(۵) دعا خشوع وخضوع، گریہ وزاری اور پورے حضور قلب کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ غافل دل، کی جس کی توجہ دوسری طرف ہو، دعا قبول نہیں فرماتا (جب درخواست حاکم کے سامنے بے توجہی کے ساتھ پیش کیجائے تو حاکم ہی اس پر کیوں توجہ کرے گا۔)

(۶) دعا برابر بار بار کرتا رہے اور الحاح کے ساتھ کرے یہ نہ کہے کہ "اے اللہ میں نے بار بار دعا کی اور قبول نہ ہوئی" کہ قبولیتِ دعا کا وقت اور اس کی مصلحت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

جب دعا قبول ہو جائے تو یہ کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی بنعمتہ تتم الصالحات

اور جب قبولیت میں دیر ہو تو کہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

(یعنی اس طرح تقاضہ نہ کرے جس طرح کوئی حقدار اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے۔ بلکہ اگر دعا قبول ہو جائے تو اُسے محض اللہ تعالےٰ کا کرم سمجھے۔ اور اگر قبول نہ ہو تو راضی برضا رہے اور اسے بھی کسی مصلحت پر مبنی سمجھ کر اللہ کی حمد وثنا میں مصروف رہے۔

(۷) دعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ پر درود بھیجے، حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگنے سے پہلے فرمایا کرتے تھے

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی الْوَهَّاب

نیز حضور ؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص دعا مانگے اسے چاہیئے کہ پہلے مجھ پر درود بھیجے، کیونکہ درود (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت کی دعا ہے) کی قبولیت تو ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے یہ بعید ہے کہ دو دعاؤں میں سے ایک قبول فرمائے اور دوسری کو رد فرما دے (بہتر یہ ہے کہ دعا کے بعد بھی درود پڑھے تاکہ دعاء دونوں درودوں کے درمیان آجائے۔)

(۸) دعاء سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے، مظالم ومعاصی سے باز آئے اور دل کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف پوری طرح متوجہ کرے، کیونکہ دعائیں جو رد ہوتی ہیں، دلوں کی غفلت اور گناہوں کی ظلمت کی وجہ سے رد ہوتی ہیں۔

مالک بن دینار رح سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل ایک بار قحط میں مبتلا ہوئے بار بار دعائیں مانگیں مگر قبول نہ ہوئیں بنی اسرائیل کو حیرانی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے پیغمبر پر وحی بھیجی کہ ان سے کہئے "تم لوگ باہر نکل کر دعا مانگتے ہو مگر تمہارے بدن پلید ہیں، تمہارے پیٹ حرام غذا سے پُر ہیں اور تمہارے ہاتھ خونِ ناحق سے آلودہ ہیں۔ اس حالت میں دعا کے لئے نکلنے سے تم پر میرا غصہ اور زیادہ ہوگیا ہے مجھ سے دور ہو" (ظاہر ہے کہ جو مجرم بادشاہ کی نافرمانی پر کمربستہ ہو، جب تک وہ اپنا طرزِ عمل تبدیل نہ کرے؟ سے عطیہ واکرام کی امید لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کا حق نہیں جو خیرہ چشم ایسا کرے گا بادشاہ کو اسکی جرأت وجسارت پر اور غصہ آئے گا اور وہ بجائے انعام واکرام سے سرفراز ہونے کے عتاب وعقاب کا شکار ہوگا)

(کیمیائے سعادت ص ۱۱۱)

یہ آٹھ آداب دعا تو حضرت امام غزالی رح نے لکھے ہیں، قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ان پر کچھ اور اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً:۔

(۹) کسی گناہ کے کام میں کامیابی کے لئے ہرگز دعا نہ مانگنی چاہیئے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی بڑی ناانصافی کی بات ہے۔ پھر اس نافرمانی کا اس کے دربار میں اظہار کرنا بلکہ اس کی تکمیل میں اس کی مدد چاہنا نہ صرف جرأت وجسارت بلکہ بے حیائی وگستاخی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ کسی گناہ یا رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دعا نہ کرے" (مسلم)

(۱۰) دعاء عزم وجزم کے ساتھ کرنی چاہیئے، کوئی لفظ ایسا نہ ہو جس سے بے نیازی اور بے پروائی کا پہلو نکلتا ہو۔ مثلاً یوں بھی نہ کہے کہ "اے اللہ اگر تو چاہے تو ایسا کر دے" کہ اسمیں بھی بے نیازی کا انداز معلوم ہوتا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔
تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہے "اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، بلکہ اپنی حاجت کو پوری قوت کے ساتھ پیش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر تو کرنے والا نہیں ہوگا وہی جو وہ چاہے گا پھر اس شرط کا اضافہ کرکے اپنی درخواست کو کمزور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔)

(۱۱) دعاء میں تصنع، تکلف اور الفاظ کی زیبائش وآرائش کا لحاظ نہ کیا جائے نہ غیر ضروری کلمات کے ساتھ اسے طول دیا جائے۔ الفاظ کی طرف توجہ سے اس کے مفہوم کی طرف توجہ میں خلل پیدا ہوگا اور دعا میں محویت کا انداز باقی نہ رہ سکے گا۔

حضرت سعد بن وقاص رض نے اپنے کسی بیٹے کو اس طرح دعا مانگتے سُنا

اللّٰھم انی اسئلک الجنۃ ونعیمھا وبھجتھا وکذا وکذا وکذا

(اے اللہ میں تجھ سے جنت کا اور اس کے عیش و راحت کا اور اس کی زیب وزینت وغیرہ کا سوال کرتا ہوں)

تو آپ نے فرمایا، اے بیٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ عنقریب ایسی قوم ہوگی جو دعا میں اس کی حدود سے تجاوز کرے گی، خبردار تم ان میں سے نہ ہو اگر تم کو جنت مل گئی تو اس کی ساری نعمتیں بھی مل ہی جائیں گی

(۱۲) دعا میں بے ضرورت چیخ وپکار نہ کرے کہ یہ بھی ایک قسم کی بے ادبی ہے۔

ابو موسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے، بعض صحابہ بہت زیادہ چیخ وپکار کر کے تکبیر کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

اے لوگو، اپنے نفسوں پر رحم کرو، تم کسی نہ سننے والے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے، قریب ہے اور تمہارے ساتھ ہے۔ (مسلم)

البتہ جس طرح دعا آہستہ مانگی جا سکتی ہے اسی طرح مناسب حد تک آواز کے ساتھ بھی مانگی جا سکتی ہے، قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (دعا مانگو اپنے رب سے تضرع کے ساتھ اور آہستگی کے ساتھ)

یہاں تضرع کے معنی عاجزی اور گڑگڑاہٹ کے بھی کیے گئے ہیں اور آواز کے اظہار کے بھی۔

تنہائی میں جہاں ریاء کا خطرہ نہ ہو اور نہ دوسروں کو اس آواز سے اذیت پہونچنے کا احتمال ہو مناسب حد تک بلند آواز کے ساتھ دعا مانگنا بہتر ہے کیونکہ اسطرح وسوسے دور رہیں گے اور بیدار رہنے میں بھی مدد ملے گی، مگر مجمع میں خاموشی کے ساتھ دعا مانگنا ہی پسندیدہ ہے، بجز ان موقعوں کے جہاں بلند آواز کے ساتھ دعا مانگنا ثابت ہے مثلاً حج وغیرہ کہ یہاں مذکورہ بالا خطرات کا سب کے ایک حالت میں ہونے کی وجہ سے احتمال نہیں۔

(تفسیر المنار ج ۸ ص ۴۵۸)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ "تم مجھ سے دعا مانگو، میں اسے تمہارے لئے قبول کرونگا" مگر بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ اچھے اچھے بزرگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

جواب یہ ہے کہ دعا تو ضرور قبول ہوتی ہے، مگر لوگ اجابت (قبولیت) کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں، دعا کی قبولیت کا یہ مطلب نہیں کہ "جو مانگو وہ مل ہی جائے گا" بلکہ مطلب یہ ہے کہ دعا بیکار نہ جائیگی اور دعا مانگنے والے کو اس سے ضرور فائدہ پہونچے گا۔

حضرت تھانوی رح نے اس کی جو تشریح فرمائی ہے وہ بتغییر الفاظ یہ ہے :-

اگر دعا مانگنے والا کوئی آخرت کی نعمت مانگے جس میں بندہ کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے تو وہ مانگی ہوئی چیز ہی مل جاتی ہے لیکن اگر وہ کوئی دنیا کی چیز مانگے تو کبھی وہ ملتی ہے اور کبھی نہیں ملتی، بندے کا علم محدود ہے۔ اکثر وہ کسی چیز کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے مگر وہ اس کے لئے مضر ہوتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ جو عالم غیب ہے اس کی مضرت کو جانتا ہے۔ اس لئے بندہ کو وہ چیز نہیں دیتا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے باپ اپنے بچے کو کبھی پیسے دیدیتا ہے اور کبھی (مثلاً بیماری کی حالت میں جب اُسے خطرہ ہو کہ بچہ بد پرہیزی کر کے بیماری کو بڑھالے گا) نہیں دیتا۔ مگر وہ رب کریم بندہ کو ہاتھ خالی بھی نہیں جانے دیتا، بلکہ یا تو دنیا ہی میں اس سے کسی برائی کو دفع کر کے اس کی

(باقی ص ۱۱ پر دیکھئے)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مساوات پسند رہنما کی حیثیت سے

مولانا اخلاق حسین قاسمی

یوں تو تہذیب کے اس دور میں ہر در و دیوار سے یہ آواز سنائی دے رہی ہے کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، رنگ و نسل کا امتیاز ختم کرو، کالے گورے کا فرق مٹاؤ! — مگر یقین جانئے، یہ نعرہ کھوکھلا نعرہ ہے رنگ و نسل کا امتیاز باقی ہے ایشیا میں باقی ہے، یورپ میں باقی ہے، آپ پوچھیں گے، آج دنیا مساوات و برابری قائم کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے، مگر پھر بھی ناکام ہے، اس کی کیا وجہ ہے۔؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی بھائی چارہ اور برابری کا تصور بغیر عقیدۂ توحید کے پیدا نہیں ہو سکتا، مشرک ذہن تنگ ہوتا ہے جو انسانی برادری کے وسیع رشتہ کو قبول نہیں کرتا۔

اسلام انسانی برابری پھیلانے میں اسی لئے کامیاب ہوا کہ اس نے سب سے پہلے کہا، لوگو! مالک اور آقا معبود اور حاکم صرف ایک ہے، باقی سب اس کے بندے ہیں اور محکوم ہیں، پھر بندے، بندے میں کیا فرق؟ محکوم میں چھوٹے بڑے کا کیا امتیاز۔؟

پھر قرآن نے اعلان کیا۔ لوگو! تمہارے رب نے تم سب کو ایک مرد و عورت یعنی آدم وحوا سے پیدا کیا پھر تمہیں مختلف خاندانوں اور ذاتوں میں بانٹ دیا اور اپنے پروردگار کی نگاہ میں قابلِ عزت وہی ہے جو اس سے ڈرتا ہے[1]

اعلان خدا کا تھا، اس کے پُر تاثیر کلام کا تھا، مگر تھا اس قوم میں جو نسل پرستی کے نشے میں چور تھی اس لئے اس قوم کے غرور کو پاش پاش کرنے کے لئے یہ صرف اعلان کافی نہ ہو سکتا تھا، اس اعلان کے ساتھ ضرورت تھی ایک زندہ نمونے کی، انقلاب انگیز عمل کی، — جو دلوں کی دنیا بدل ڈالتا، چنانچہ وہ عمل اور پاک سیرت بھی انسان کی آنکھوں کے سامنے آئی اور اس طاقت اور اس زور کے ساتھ آئی کہ نسلی غرور کا بت پاش پاش ہو گیا۔

حضورؐ نے نسلی غرور کو ختم کرنے کے لئے سب سے اہم قدم تو یہ اٹھایا کہ اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینبؓ کا حضرت زید کے ساتھ نکاح کر دیا، زید آزاد کردہ غلام ہیں حضرت زینب قریش کی نہایت صاحبِ عزت خاتون ہیں، اس لئے ایک قریشی خاتون اور ایک غلام کے رشتہ نکاح نے تمام قریش میں ہل چل مچادی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ خدا کا یہ آخری رسول اونچ نیچ اور رذیل و شریف کی مصنوعی دیواروں کو توڑ کر رہے گا۔

دوسرا اہم واقعہ حضرت اسامہ ابن زید کی قیادت کا

[1] سورہ حجرات

ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے غزوۂ روم کے لئے ایک لشکر تیار کیا اور حضرت اسامہ کو بلاکر فرمایا "میں نے تمہیں اس فوج کا سردار مقرر کیا ہے" پھر اپنے دست مبارک سے اسامہ کو جھنڈا عطا فرمایا اس وقت اسامہ کی عمر بیس سال کی تھی۔

اس لشکر میں تمام بڑے بڑے انصار و مہاجر صحابہ شریک ہیں، اسامہ سے زیادہ بزرگ بھی ہیں، ان سے زیادہ میدانِ جنگ کے تجربہ کار بھی ہیں اس لئے بعض صحابہ کے منہ سے یہ نکل گیا کہ ایک کم عمر لڑکے کو بڑے بڑے انصار و مہاجرین پر امیر مقرر کر دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضؓ کو معلوم ہوا، آپ ان لوگوں کے پاس پہنچے اور انہیں اسامہؓ کی سرداری کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی، معاملہ میدانِ جنگ کا تھا جہاں ایک سپاہی کی بددلی بھی نقصان پہونچا دیتی ہے۔ اس خیال سے حضرت عمرؓ نے بعض لوگوں کی بے اطمینانی کا حضورؐ سے ذکر کیا۔ سرورِ عالم کو اس خبر سے بہت رنج ہوا آپ مرضِ وفات میں مبتلا تھے سر میں درد تھا، اسی حال میں آپ نے ہمت کی، سر سے پٹی باندھی اور بستر سے اٹھ کر مسجد میں تشریف لائے، صحابہ کرام حاضر تھے، آپ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا:

لوگو! یہ میں کیا سُن رہا ہوں کہ تم میں سے کچھ لوگ اسامہ کی سرداری پر بے اطمینانی کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ طعن کوئی پہلا طعن نہیں ہے اس سے پہلے بھی تم لوگ اس کے باپ زید کی قیادت پر اعتراض کر چکے ہو حالانکہ میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ زید بھی قیادت کا اہل تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی اس کا اہل ہے۔ وہ بھی رسول کو محبوب تھا اور اسامہ بھی محبوب ہے۔

اعتراض کرنے والوں نے گو بظاہر اسامہ کی کم سِنی کو نشانہ بنایا لیکن لوگوں کے دلوں میں جو بات تھی اُسے خدا کے رسول بھانپ چکے تھے اور وہ بات تھی حسب و نسب کا فخر، چنانچہ آپ نے دلوں کے اس چور کو آشکارا فرما دیا اور بعض لوگوں کی اس خواہش کو ٹھکرا کر پھر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام سپہ کام میں اہلیت کا قائل ہے، حسب و نسب کی بڑائی اور خاندانی شرافت اور رذالت اس کے نزدیک بے حقیقت بات ہے۔

سوسائٹی میں مساوات اور برابری کی روح پھونکنے کے لئے رسول پاک نے اپنے متبعین کو "صحابی" کہہ کر پکارا، صحابی کے معنی ساتھی اور رفیق کے ہیں۔ ایک موقعہ پر صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا؛

تم میرے صحابہ (ساتھی یا دوست) ہو اور جو لوگ مجھ پر بغیر دیکھے ایمان لائیں گے وہ میرے بھائی ہونگے [1]

ایک حبشی عورت حضورؐ کی مسجد پاک میں جھاڑو دیا کرتی تھی، اس کا انتقال ہو گیا، صحابہ کرام نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کر دیا، سب کا یکساں خیال کرنے والے آقا نے ایک دن اس عورت کو نہ دیکھا، صحابہ سے پوچھا، وہ خادمہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا، اس کی وفات ہو گئی، ہم دفن کر آئے، آقا بہت برہم ہوئے، صحابہ رضؓ نے عرض کیا، حضور! ہم نے خیال کیا کہ آپ کو کیا پریشان کریں، فرمایا، چلو! اس نیک بندی کی قبر بتلاؤ، صحابہ کرام ساتھ گئے، اور حضورؐ نے اس حبشی عورت کی قبر پر تشریف لے جاکر اس کے لئے دعاءِ مغفرت فرمائی [2]

آج کی حالت یہ ہے، بڑوں کے جنازے میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور چھوٹے آدمیوں کے جنازے میں رشتہ داروں کے کندھے دُکھ جاتے ہیں، کندھا دینے والے نہیں ملتے، حضور نے ایک غریب عورت کے جنازہ میں شریک نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا، صحابہ پر خفگی فرمائی اور قبرستان پہونچ کر اس کے لئے دعا کی تاکہ امت سمجھ لے کہ چھوٹے آدمیوں کے لئے دعا کرنا اور

[1] تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ رکوع اول [2] حدیث کے الفاظ ہیں، ؟

ان کے جنازہ میں شریک ہونا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

عرب کے سردار اپنے بھتیجے محمدؐ سے شکایت کرتے ہیں کہ محمد! تم نے عرب کے رذیلوں کو سر چڑھالیا ہے ان کے ساتھ ہل مل کر بیٹھتے ہو شیر و شکر ہو کر رہتے ہو محمد اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بھی تمہاری محفل میں شریک ہو کر تمہارا پیغام سنیں تو بلالؓ صہیبؓ اور دوسرے غلاموں کو تاکید کردو کہ وہ ہمارے اوقات میں نہ آیا کریں۔ ہم ان کے ساتھ ایک محفل میں بیٹھ کر اپنی بے عزتی نہیں کرا سکتے، یہ وہ مغرور سردار ہیں جو رسولؐ کی محفل میں آنا گوارا نہیں کرتے مگر آج یہ اس شرط کے ساتھ آنے کا وعدہ کر رہے ہیں کہ غلاموں کو ہمارے اوقات میں آنے کی ممانعت کردی جائے، یہ شرط اگر حضورؐ منظور فرما لیتے تو ابوجہل اور عتبہ جیسے رئیسانِ قریش آپؐ کی مجلسِ وعظ میں آنے جانے لگتے اور ان ضدی سرداروں کی ضد ٹوٹ جاتی مگر وحی الٰہی نے اس شرط کو برداشت نہ کیا، کیونکہ اس سے ان غریب عوام کی دل شکنی ہوتی، محمد رسول اللہ کی محفل بادشاہوں کی محفل ہو جاتی جہاں اونچ نیچ چلتی ہے، انسانیت میں ظالمانہ تقسیم ہوتی ہے حضورؐ کو حکم ملا، ان سرداروں کی اس شرط کو ٹھکرا دیجئے، ان کو اگر محمدؐ کی محفل میں آنا ہے تو بلالؓ و عمارؓ کے ساتھ بیٹھنا ہوگا، محمدؐ کے آنے کے بعد اب انسانوں کے درمیان کسی قسم کی اونچ نیچ برداشت نہیں ہو سکتی، دنیا کے اس انسانیت نواز رہنما نے ابوجہل و عتبہ کی اس مذموم خواہش کو ٹھکرا دیا اور عرب کے اس مظلوم طبقہ کی عزت بڑھا دی۔[1]

چھوت چھات کے مریض کھانے پینے کے برتن علیحدہ رکھتے ہیں، انہیں عوام کے ساتھ کھانے پینے میں شرم محسوس ہوتی ہے اور بندگانِ الٰہی کے جوٹھے میں بیماری کے جراثیم نظر آتے ہیں، ایک روز صحابہ کرامؓ نے اپنے رسولؐ میں امتیازی شان پیدا کرنے کے لئے عرض کیا سرکار! ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے پانی پینے کے برتن الگ کر دیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں میں انہیں حوضوں سے پانی پیونگا جن سے عام مسلمان پانی پیتے ہیں، مجھے امید ہے کہ اس پانی سے مجھے برکت حاصل ہوگی جس میں عام مسلمانوں کے ہاتھ پڑتے ہیں۔

دنیا کے اس عوامی رہنما نے اپنے لئے اتنا بھی امتیاز گوارا نہ کیا، کیونکہ اسی قسم کے امتیازات سے چھوت چھات کی بیماری کو شہ ملتی ہے۔[2]

"غلام" دنیا کا مظلوم ترین انسان تھا، عیسائیت کا سلوک اس کے ساتھ وحشیانہ تھا، عیسائی آقا اپنے غلام کو قتل کرنے کا حق رکھتا تھا، یہود کے ہاں غلام کو مذہبی کتابیں پڑھنے کا حق نہ تھا۔

ارسطو یونان کا مشہور حکیم ہے، وہ کہتا تھا غلام ایک جاندار کھلونا ہے، زمانہ قدیم کی سب سے بڑی اور سب سے مہذب حکومت "روما" کی حکومت تھی۔ اس حکومت میں غلاموں کو درندوں کے سامنے چھوڑ کر ان کی موت کا تماشا دیکھا جاتا تھا، باندیوں سے پیشہ کرایا جاتا تھا، غلام کو آزاد ہونے کے بعد بھی شہری حق نہیں ملتا تھا۔

عرب کی حالت بھی ایسی ہی تھی، غلام عرب کا اچھوت طبقہ تھا، ان اچھوتوں کا لباس الگ تھا، ان کے بیٹھنے اٹھنے کا طریقہ الگ تھا انہیں شہری زندگی میں کوئی حق حاصل نہ تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طبقہ پر احسان فرمایا، دنیا سے غلامی کی رسم ختم کرنے کے لئے آپ نے جو انقلابی احکام دئے۔ ان کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں، صرف آپ کی سیرت پاک کے ان چند پہلوؤں کو دکھانا مقصود ہے

[1] صحیح مسلم (الفاظ ...) ۲ ص ۱۰۲ ...

[2] ... ص ۲۰۶

جس سیرت پاک نے غلاموں میں آقاؤں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کی روح پھونکی اور آقاؤں میں اخوت ومساوات کا وہ پاک جذبہ پیدا کیا کہ انھوں نے غلاموں کو اپنے ساتھ کھلانا پلانا اور اپنی اولاد کی طرح رکھنا شروع کردیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سردار تھے، سرداروں کی اولاد تھے مگر آپ غلاموں کی طرح اونچا تہبند باندھتے تھے غلاموں کی طرح اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے غلاموں کے ساتھ میل جول رکھتے تھے تاکہ اس طبقہ (یر) سے ذلت وحقارت کا احساس دور ہو۔ آپ کے اس طرز عمل سے قریش کے سردار بہت چراغ پا ہوتے تھے مگر آپ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے، کہ مکہ میں ایک رومی نصرانی غلام (جبر) تھا۔ یہ لوہار کا کام کرتا تھا اور عبرانی زبان جاننے کی وجہ سے انجیل پڑھ لیا کرتا تھا، حضور اس غلام میں علم کی روشنی دیکھکر اس کے پاس آیا جایا کرتے تھے اس خیال سے کہ شاید یہ شخص اسلام قبول کرلے۔ لوگوں نے حضور کو اس کے پاس آتے جاتے دیکھ کر یہ مشہور کرنا شروع کردیا کہ محمد (صلعم) جو کچھ کہتے ہیں اسی سے سُن کر اور سیکھ کر کہتے ہیں۔

مقصد ان مخالفین کا یہ تھا کہ آپ اس سے میل جول ختم کردیں۔ مگر آپ اس پروپیگنڈہ سے مرعوب نہیں ہوئے قرآن نے جواب دیا۔ لوگو! سوچ سمجھ کر اعتراض کرو! وہ غلام عجمی ہے۔ یہ قرآن عربی ہے، کیا قرآن جیسا فصیح وبلیغ کلام ایک عجمی غلام تصنیف کرسکتا ہے، وہ قرآن جس نے اہل زبان کو عاجز کر رکھا ہے

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات اور اخوت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

إنَّ اللهَ أذْهَبَ عَنكُمْ عُبِيَّةَ الجَاهِلِيَّةِ وفَخرَهَا بالآباءِ إنَّمَا هُوَ مُؤمِنٌ تَقِيٌّ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُم بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِن تُرابٍ	اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور باپ دادا پر فخر کرنے کو مٹایا، انسان اب یا تو پرہیزگار مومن ہے، یا بدنصیب گنہگار، تمام لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

صفحہ ۳۶ کا بقیہ

(حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے کس طرح زندہ برآمد ہوئے)

سامنے بیان کیا تو علم اور سائنس کی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا،

پیرس کے ایک مشہور سائنسی جریدہ کے ایڈیٹر "ایم۔ ڈی۔ پارول" نے بہ نفس نفیس اس قصّے کی تحقیق کی ہے۔ اب تک اس بات میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ وہیل مچھلی انسانوں کو نگل جایا کرتی ہے۔ لیکن یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدمی مچھلی کے پیٹ سے زندہ سلامت بھی برآمد ہوسکتا ہے۔

اس حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد میں تسلیم کرتا ہوں کہ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق جو واقعہ آسمانی کتب میں بیان کیا گیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے اور اس میں کلام کرنا ایک زندہ حقیقت کو جُھٹلانے کے مترادف ہے۔

☆ ☆ ☆

حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے کس طرح زندہ برآمد ہوئے

انبیائے سابقین کے حالات بیان کرتے ہوئے قرآن نے جو بعض غیر المعقول واقعات پیش کئے ہیں ان میں سے ایک مشہور واقعہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے۔ آدمی یہ پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ کس طرح حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں رہے اور جب اس نے آپ کو کنارے پر اگل دیا تو آپ اس میں سے زندہ سلامت نکل آئے،

جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر نظر رکھتے ہیں ان کے لئے تو ایسے واقعات پہلی نامکنات میں سے نہیں، وہ انہیں پڑھتے ہیں تو ان کا ایمان کچھ اور بڑھ جاتا ہے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہر واقعہ کو اپنی محدود عقل سے جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ان کی عقل اس کی تہ تک نہیں پہونچ پاتی تو اس کے بے بنیاد ہونے کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں

حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ بھی ایک مدتِ مدید تک ان کے فہمیوں کا نشانہ بنا رہا۔ لیکن یورپ میں اس سے ملتے جلتے ایک واقعہ نے ان کی آنکھیں کھولدیں اور وہ مجبور ہو گئے ہیں کہ قرآن اور انجیل کی بیان کردہ اس حقیقت کو بے چون و چرا تسلیم کرلیں۔

یہ واقعہ یوں ہے کہ Falk-Land کے جنوبی جزائر میں ایک دفعہ "ستارۂ مشرق" نامی جہاز کے ملاحوں کو تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑی مچھلی نظر پڑی، یہ لوگ وہیل مچھلی کا شکار کھیلنے نکلے تھے انھوں نے فوراً دو شکاری کشتیاں اس کے پیچھے لگا دیں بڑی بھاگ دوڑ کے بعد ایک کشتی کے شکاریوں نے کانٹا پھینکا وہ اسمیں الجھ گئی مگر جب زخم کھا کر اس نے مڑنے کی کوشش کی تو اس کی بارہ فٹ لمبی دُم نے دوسری کشتی کو تہ و بالا کر دیا، ایک شکاری ڈوب گیا اور دوسرے بدنصیب کو جسکا نام بارکلے تھا، اس نے بیچ سلامت نگل لیا، پہلی کشتی کے ملاح اس حادثہ سے بے خبر تھے اُن کا خیال یہ تھا کہ شاید بارکلے بھی سمندر کی موجوں کی نظر ہو گیا۔

آخر کار بڑی جدوجہد کے بعد وہ مچھلی کو شکار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسے ساحل پر لایا گیا اور جہاز کا پورا عملہ اسے کاٹنے اور چیرنے پھاڑنے پر مشغول ہو گیا، دن کا باقی ماندہ وقت اور رات کا کچھ حصہ وہ اس میں برابر لگے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سر سے پاؤں تک تیل میں ڈوب گئے ہوں، دوسرے دن علی الصبح انھوں نے یہ کام شروع ہی کیا تھا کہ انہیں مچھلی کے پیٹ میں

کچھ ہل چل محسوس ہوئی۔ اپنے سابقہ تجربہ کی بناء پر ان کا خیال تھا کہ شاید یہ کوئی شارک مچھلی ہوگی جو غریب اب تک اس قید خانے میں بند ہوگی کیونکہ وہیل مچھلی اکثر اُسے لقمۂ تر سمجھ کر نگل جایا کرتی ہے، یہ سوچ کر وہ اس نئے شکار کو نکالنے کے لئے تیار ہوگئے مگر جب انھوں نے وہیل کا پیٹ چاک کیا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس میں شارک مچھلی کے بجائے بارکلے چھپا ہوا تھا جسے وہ اپنے خیال میں دنیا سے رخصت کر چکے تھے، بارکلے تیل اور چکنائی میں لتھڑا ہوا تھا اور اس لحاظ سے اس کا رُو اں رُواں تر نظر آتا تھا۔

انھوں نے فوراً اسے اٹھا کر تختۂ جہاز پر پہونچایا اور سب کے سب اس کی دوا دارو میں لگ گئے۔ چند ہی منٹ نہیں گذرے اس نے ہوش میں آنا شروع کر دیا مگر اس کا دماغ بہرحال صاف نہیں تھا، اور اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ اس لئے اسے مزید علاج کے لئے جہاز کے کمرہ میں ایک آرام دہ بستر پر لٹا دیا گیا، اور پورے کا پورا عملہ اس کے علاج معالجہ اور تیمارداری میں مصروف ہوگیا وہ مسلسل دو ہفتہ تک کپتان کے کیبن میں رہا، اس دوران میں وہ ایک عجیب الخلقت انسان نظر آتا تھا۔ بے معنیٰ اور ناقابل فہم بڑبڑاہٹ اس کے لبوں پر تھی اور جسمانی لحاظ سے وہ بالکل ادھ مؤا ہو چکا تھا اور اس کا جسم بُری طرح سفید ہوگیا تھا۔ تاہم آہستہ آہستہ کر کے وہ اپنی حالت پر آتا گیا اور تیسرے ہفتہ کے آخر میں وہ مکمل طور پر ہوش میں آگیا اس کی جسمانی صلاحیتیں عود کر آئیں اور اسے پھر سے وہیل کے شکار کے فرائض سونپ دئے گئے۔

ہوش میں آنے اور یہ جاننے کے بعد کہ میں کہاں ہوں اس نے اپنی آپ بیتی سنائی، اس نے کہا جب میں سمندر میں گرا تو میں نے پانی میں ایک زوردار سرسراہٹ محسوس کی۔ یہ سرسراہٹ وہیل کی دُم سے پیدا ہوئی تھی اور اس کے بعد ایک تہ بہ تہ تاریکی نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا، میں نے اپنے آپ کو ایک نرم اور مختصر راستے سے گذرتا ہوا محسوس کیا، اس رستے میں پھسلن ہی پھسلن نظر آتی تھی، لیکن یہ چند ہی لمحوں کی بات تھی، تھوڑی ہی دیر بعد میں نے زیادہ جگہ پائی، مجھے اس جگہ کے گرد اگرد دیواریں سی کھڑی ہوئی معلوم ہوئیں میں نے انہیں چھوا مگر یہ دیواریں خوب چکنی چکنی اور نرم نرم تھیں میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے اور میں کہاں پہنچ چکا ہوں، میں نے خوف پر غالب آنے کی کوشش کی اور موت کو خوشی خوشی لبیک کہنے کے لئے تیار ہوگیا، میں یہاں سانس بھی لے سکتا تھا مگر سانس لیتے وقت ہر بار ایک خاص قسم کی حرارت میرے رگ و ریشہ میں دوڑ جاتی۔ یہ حرارت سورج کی گرمی سے بالکل مختلف نوعیت کی تھی ایسا لگتا تھا جیسے میرے بدن کا ایک ایک مسام کھل جائے گا اور اس رستے سے میری زندگی کی ساری تب و تاب بہ نکلے گی، اس کے بعد کلے نے کہا — اس اثنا میں میں بتدریج کمزور ہوتا چلا گیا۔ اور اپنے آپ کو بیمار سا محسوس کرنے لگا۔ اس کمزوری اور بیماری سے زیادہ سوہانِ روح وہ تکلیف دہ خاموشی تھی جو میرے ارد گرد اپنے پر پھیلائے ہوئے تھی، فقط یہی کچھ مجھے یاد ہے اس کے بعد کیا ہوا مجھے یاد نہیں، ہوش میں آیا ہوں تو اتنا دیکھا ہے کہ کپتان کے کمرے میں لیٹا ہوں اور میرے اردگرد آپ لوگ کھڑے ہیں۔"

جہاز کے انگلستان پہونچنے پر بارکلے کو "لندن ہسپتال" میں داخل کرا دیا گیا اور وہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جلد اور دماغ — ہر اعتبار سے تندرست ہوگیا۔

جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی اور جہاز کے کپتان اور بارکلے نے اس حیرت انگیز داستان کو لوگوں کے

(باقی صفحہ ۳ پر ملاحظہ کیجئے)

تذکرہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(رضی اللہ عنہ)

از قلم ———— محمد ارشد فاضل الجامعۃ وصیۃ العلوم الٰہ آباد

(۱) قبیلۂ ہذیل کا تعارف اور حضرت عبداللہؓ کا تعلق

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور قبیلہ "ہذیل" سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ ان کے والد بھی "ہذلی" اور ان کی والدہ حضرت ام عبد بنت عبدود بن سواد بھی "ہذیل کی عورت تھیں لہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن مسعودؓ بن غافل بن حبیب بن شمخ بن مخزوم ابن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ۲ہ

"ہذیل کا مشہور بت "سواع" تھا جو ایک عورت کی صورت کی طرح تراشا گیا تھا اور یہ بتخانہ مکۃ المکرمہ کے قریبی علاقہ "رباط" میں سمندری کنارے پر تھا ۳ہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو فتح مکہ کے بعد اس کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا تھا حضرت عمروؓ نے جاکر اس کو منہدم فرمایا اور پاسبان صنم مسلمان ہوگیا۔ ۴ہ

(۲) اسلام کی کرن

حضرت عبداللہ بن مسعود اسلام قبول کرنے میں چھٹے شخص ہیں ۵ہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "دار ارقم" میں داخل ہونے سے پہلے دولت اسلام سے مشرف ہوئے ہیں ۶ہ ایک روز حضرت عبداللہؓ عقبہ کی بکریاں چرا رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرف سے گذر ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بانجھ بکری کو لے کر اس کا دودھ دوہا خود بھی نوش فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی پلایا اس وقت حضرت عبداللہؓ ایمان لائے اور عرض کیا کہ مجھے قرآن کی تعلیم فرمائیے! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "اللہ تجھ پر رحم فرمائے تو دنیا میں علم پھیلانے والا لڑکا ہے ۷ہ"

(۳) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب

انوار اسلام سے مستنیر ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خدمت

لہ اصح السیر ص۶۰۶ ۲ہ عمدۃ القاری ص۲۳۶ ج ۱۶ ۳ہ استیعاب ص۳۵۹ ۴ہ اصح السیر ص۳۱۲ ۵ہ اصح السیر ص۶۱ ۶ہ الکمال فی اسماء الرجال ص۶۰۵ ۷ہ استیعاب ص۳۵۹

... علیہ ... لئے اجازت ...
... پردہ اٹھا کر بار دگر لوگ
چلے آیا کرو اور ہماری ہر قسم کی باتیں سنو!"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی وقت سے دنیا کے اس مربیِ اعظم اور سردارِ اولین و آخرین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت عالی کو لازم پکڑ لیا۔ ہر وقت خدمت اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر رہتے اور علوم نبوت سے دامن مراد بھرتے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ اختصاص اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ صحابہ انکو خاندان نبوت ہی کا ایک فرد سمجھنے لگے تھے۔ [1]

(۴) حرم پاک میں قرآنِ پاک کی صدائے دلنواز

جاں نثارانِ اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے اور ان کا پیمانۂ صبر لبریز نہیں ہو سکتا تھا لیکن مکہ میں رہکر فرائض اسلامی کا آزادی سے بجا لانا ممکن نہ تھا اس وقت حرم کعبہ میں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتا تھا عبداللہ بن مسعودؓ جب اسلام لائے تو انھوں نے کہا میں اس فرض کو ضرور ادا کرونگا لوگوں نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے حرم میں گئے اور مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر سورۃ الرحمان پڑھنا شروع کیا، کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کئے، اگرچہ انھوں نے جہاں تک پڑھنا تھا پڑھکر دم لیا لیکن واپس گئے تو چہرہ پر زخم کے نشان لے کر گئے۔ [2]

(۵) ہجرت

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جوش و غیرت ایمانی نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو اپنا دشمن بنا لیا یہاں تک کہ ان کی مسلسل و پیہم ایذا رسانیوں سے تنگ آکر دوسرے

... عبداللہ بن ... کے ... صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں بھائی چارہ کرا دیا اور مستقل سکونت کے لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے متصل ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا۔ [3]

(۶) غزوات میں شرکت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جملہ غزوات میں شرکت فرمائی اور نہایت بہادری سے جوہر شجاعت دکھایا، غزوۂ بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ سب میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، مکہ سے واپسی پر غزوۂ حنین پیش آیا۔ اس میں کفار کے سخت حملوں سے مسلمان منتشر ہو گئے تھے صرف اسی ۸۰ اصحاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی انہیں لوگوں میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی مانگی آپ ہی نے حضور کو ایک مٹھی خاک دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے منہ پر پھینکدی جس سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجرین و انصار کو آواز دو حضرت عبداللہؓ نے بلایا تو سب آگئے اور یکایک لڑائی کا رخ بدل گیا اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی۔

(۷) حضرت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہمدم حاضری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے برادر محترم یمن سے مدینہ شریف بارگاہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور ایک عرصہ تک قیام رہا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور آپ کی والدہ ماجدہ اس کثرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتی کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ

---

۱ [illegible] ۲ سیرۃ النبی ج ۱ ۳ مہاجرین ج ۲ ۴ ایضاً ... ج ۱

۸) خدمت، عصا، مسواک وغیرہ کا خطاب

صحابۂ کرام رضہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ صاحب السواک و صاحب الوسادہ، وصاحب النعلین کے القاب سے مشہور کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتہ مبارک پہنایا کرتے تھے جب آپ غسل فرماتے تو عبداللہ رضہ پردہ ڈالتے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سوتے تو حضرت عبداللہ رضہ بیدار کرتے تھے[1]

ایک محقق تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجادہ بردار، عصا بردار، چادر، لوٹے، سواری کے نگہبان، مسواک کے نگراں اور کفش مبارک کی حفاظت فرماتے تھے[2]

۹) سیرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوت میں تشریف لاتے تو یہ اپنی والدہ حضرت ام عبد رضہ کو اندر بھیجتے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکینہ وقار اور سیرت و ہیئت کو دیکھیں وہ آکر ان کو اس کی خبر کرتیں "حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ ان کی نقل اتارتے"[3]

۱۰) بارگاہ آقا میں مقبولیت

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ابن مسعود رضہ جن امور کو پسند کریں میں ان کو اپنی ساری امت کے لئے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں میں بھی انہیں ناپسند کرتا ہوں[4]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

" اگر میں کسی کو بلا مشورہ امیر المومنین بناتا تو بیشک ابن ام عبد (یعنی عبداللہ بن مسعود رضہ) کو بناتا[5]

ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"میرے بعد خلیفہ ہونے والے حضرات ابوبکر و عمر رضہ کی پیروی کرو، اور حضرت عمار رضہ کی سیرت اختیار کرو، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کی وصیت کو مضبوط تھامو[6]"

حضرت حذیفہ رضہ کی ایک روایت ہے کہ۔

" حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ جو کچھ بیان کریں اس کی تصدیق کرو[7]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

" قرآن چار حضرات سے حاصل کرو

(۱) عبداللہ بن مسعود رضہ (۲) سالم رضہ

(۳) معاذ بن جبل رضہ (۴) ابی بن کعب رضہ[8]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کو تکمیل علوم کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ ہی میں ان کو درس و تعلیم کی اجازت عطا فرمادی تھی اور قرآن و حدیث و تعلیم و مسائل ہر ایک کے لئے صراحت سے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ " ابن مسعود رضہ سے حاصل کرو"[10]

ان احادیث اور ارشادات سے یہ نتیجہ خود بخود آمد ہو جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ رسول اکرم رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں کس قدر مقبول

---

[a] بخاری شریف ص۵۳۱ ج ۱ [1] اصح السیر ص۶۰۲ ایضاً عمدۃ القاری ص۲۳۶ ج ۱۲ [2] مسند امام اعظم اردو ایڈیشن ص۲۳۱ [3] ص۳۲۵ [4] ایضاً ص۳۳۶ [5] فتح الباری ج۷ ص۳۶ و تجرید البخاری ص۳۱ [6] ترمذی شریف ص۲۲۳ [7] مشکوٰۃ شریف ص۵۶۸ و مسند امام اعظم ص۳۱۸ [8] مشکوٰۃ شریف ص۵۶۸ [9] بخاری شریف ص۵۳۱ [10] الحاد البلدی ص۱۳۳

تھے۔ اور خصوصی تقرب اور خصوصی امتیازات کے درجہ پر فائز تھے۔ پھر اس کے بعد جو کمالات آپ کے نمایاں ہوئے اور امت میں جو اثرات و نقوش چھوڑے ہیں وہ اپنی جگہ علیحدہ۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ رسول اکرم رحمتِ عالم (فداہ ابی وامی) صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے فیضیاب ہو کر جو نکھرے ہیں تو "فقیہ الامت" "معلم الامت" کے درجہ عُلیا پر جلوہ فگن ہوئے۔ اور آپ کی علمی خدمات فقہی روایات کی ضوفشانی وتابانی سے دنیائے اسلام تاباں و درخشاں۔ اگلے صفحات پر اس سلسلہ کے نقوش و اثرات نمایاں کیے جاتے ہیں:"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشیں رہے۔" [۱]

(۱۱) عہدِ صدیقی

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دَور خلافت میں جو حضرات فقیہہ سمجھے جاتے تھے اور اس بنا پر افتاء کا عہدہ ان کے سپرد تھا، ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کی ذات گرامی بھی شامل ہے۔ [۲]

(۱۲) عہدِ فارُوقی

اس خموشی اور عزلت نشینی کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضہ کے عہد خلافت ۱۵ھ میں جنگ یرموک کے میدان کارزار میں نکل آئے اور خوب جوہر شجاعت دکھایا۔ [۳]

(۱۳) عہدۂ قضاء

حضرت سیدنا عمر فاروق رضہ نے کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کو معلم، مفتی، قاضی، اور وزیر خزانہ بنا کر بھیجا۔ [۴]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ جب شہر کوفہ میں تشریف لائے تو جو کارنامے آپ نے یہاں انجام دئے اُن پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے پہلے چند ضروری خصوصیات کا اظہار ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مرکزی حکومت نے بیک وقت آپ کو کئی عہدوں سے سرفراز کیا تھا، درس وتدریس، افتا وقضاء، اور خزانہ کی نگرانی، اور اس کا عہدۂ وزارت۔ ان ذمہ داریوں اور عہدوں کو تاریخی حقائق کی روشنی میں مطالعہ کرنے سے پہلے "شہر کوفہ" کی حیثیت اور اس کے حدود نظم وضبط و آبادی کو سمجھ لیا جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کی جلیل القدر شخصیت اور آپ کے زریں کارنامے زیادہ نمایاں نظر آئیں گے سب سے پہلے درس وتدریس، افتاء وغیرہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو نہایت ہی شاندار اور عہد ساز کارنامہ ہے

(۱۴) شہر کوفہ فاروقی دور میں

سیدنا حضرت عمر فاروق رضہ کے ارشاد سے شہر کوفہ آباد کیا گیا، اور صحابۂ کرام کی ایک جماعت ان شہر میں آباد ہو گئی [۵]

(۱۵) کوفہ کا جائے وقوع اور اس کا تعارف

یہ دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ میل یا دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ شہر پہلے چالیس ہزار آدمیوں سے آباد کیا گیا اور ایک جامع مسجد بنائی گئی جس میں چالیس ہزار آدمی بآسانی نماز پڑھ سکیں۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر حاکم کی رہائش گاہ (گورنر ہاؤس) اور خزانہ کی عمارت بنائی گئی۔ اور ایک مہمان خانہ بنایا گیا جس میں مسافروں کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔ جامع مسجد

---

[۱] ماخوذ از مہاجرین ج ۱ ص ۲۶۵ [۲] ماخوذ صدیق اکبر رضہ ص ۳۳۸ از مولانا سید احمد صاحب اکبرآبادی مدیر برہان دہلی [۳] مہاجرین ج ۱ ص ۲۶۵ [۴] کمہ تاریخ علم فقہ ص ۱۲ [۵] تاریخ علم فقہ ص ۱۲

کے علاوہ کئی چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنائی گئیں [1]

(۱۶) شہر کوفہ میں تدریسی خدمات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کوفہ میں باقاعدہ حدیث فقہ قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے ان کی درسگاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا [2] شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی [3]

(۱۷) معروف تلامذہ اور ان کا مختصر تعارف

(۱) حضرت شقیق بن سلمہ رضؓ، کنیت ابو وائل اسدی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور پایا ہے مگر سماعت کا شرف حاصل نہیں ہے۔ ہاں عبداللہ بن مسعود رضؓ سے شرف سماعت حاصل ہے اور کثیر الحدیث ہیں ثقہ ہیں، حجت ہیں [4]

(۲) حضرت عمرو بن میمون الاودی رضؓ" دور جاہلیت کو پایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں دولت اسلام سے مالا مال ہوئے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل نہیں کر سکے سرزمین کوفہ کے کبار تابعین میں سے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے تلمیذ رشید ہیں [5]

(۳) حضرت علقمہ بن قیس نخعی رضؓ" عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ولادت ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اور طرز و روش میں ان سے بہت مشابہ، سرزمین عراق کے فقیہ ہیں [6] جب آپ فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے ان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سند فضیلت عطا کی:۔

"میں نے جو کچھ پڑھا اور جو مجھے آتا ہے وہ سب علقمہ پڑھ چکے اور ان کو آگیا ہے"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے کسب کمالات اور استفادہ علوم کے بعد ان کی جگہ تعلیم و رشد و ہدایت کی مسند پر بٹھائے گئے"

علامہ ذہبی نے حضرت علقمہ رحؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"انھوں نے ابن مسعود رضؓ سے قرآن پڑھا، تجوید سیکھی اور تفقہ حاصل کیا، اور ان کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں"

حضرت اعمش رحؒ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"حضرت عمارہ رحؒ سے حضرت ابو معمر رحؒ نے کہا کہ مجھے ایسے شخص کے پاس لے چلو جو اخلاق و عادات و اعمال میں ابن مسعودؓ کا نمونہ ہو تو حضرت عمارہ رحؒ اٹھے اور ان کو لے کر حضرت علقمہ رحؒ کی مجلس میں جا بیٹھے"

حضرت ابو المثنیٰ رحؒ نے فرمایا کہ:۔

جس نے عبداللہ بن مسعود رضؓ کو نہ دیکھا ہو وہ علقمہ رحؒ کو دیکھ لے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں [7]

(۴) حضرت مسروق بن الاجدع رضؓ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے قبل ہی دولت اسلام سے شرفیاب ہوئے ہیں اور صحابہ کرام رضؓ کا تو دور اول پایا ہے بہت ہی بلند شخصیت کے مالک ہیں اور فقیہ ہیں۔ آپ کا اسم گرامی "مسروق" اس لئے پڑ گیا کہ بچپن میں چرا لئے گئے تھے پھر بعد میں پائے گئے اس لئے مسروق نام پڑ گیا۔

حضرت محمد بن منتشر رحؒ فرماتے ہیں کہ خالد بن عبداللہ بصرہ کے گورنر تھے انھوں نے حضرت مسروق رحؒ کے پاس بیس ہزار کی رقم بھیجی اور اس وقت آپ کو ضرورت تھی مگر آپ نے قبول نہیں فرمائی [8]

آپ حضرت عائشہ رضؓ کے متبنیٰ بھی ہیں [9]

---

[1] عشرہ مبشرہ ص۳۰۶ [2] الاکمال فی اسماء الرجال ص۶۰۳ [3] ایضاً ص۶۱۱ [4] الاکمال فی اسماء الرجال ص۶۰۱ [5] الاکمال ص۶۱۱ [6] تاریخ علم فقہ ص۷۹ [7] ملخصاً از انوار الباری ص۱۴۹ ج ۱ [8] ایضاً ص۱۵۳ ج ۱ [9] الاکمال ص۶۱۹

باب المسائل

رؤیت ہلال کی خبر ریڈیو سے

دارالافتاء دارالعلوم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ رمضان المبارک وعیدین کے چاند کے مسئلہ میں ریڈیو سے نشر کی ہوئی خبر و اطلاع معتبر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کن حالات میں؟ — کیا اسلامی ملک وغیر اسلامی ملک کے اختلاف سے یا بُعد مسافت یا قرب مسافت کے اختلاف سے حکم کچھ مختلف ہوگا؟۔ اور کیا اس کے لئے کچھ الفاظ منصوص ہیں؟ نیز مطلع صاف ہو یا ناصاف، اس سے بھی کچھ اثر پڑیگا؟

امید کہ پوری تفصیل سے جواب مرحمت فرماکر مطمئن فرمائیں گے!

الجواب باللہ التوفیق

ریڈیو سے نشر ہونے والی خبروں و اطلاعات کے معتبر ہونے میں کچھ مخصوص شرائط و قیود ہیں۔ ان کے مطابق جو اطلاعات ہونگی وہ معتبر ہونگی ورنہ معتبر نہ ہونگی۔ ہم ان کو لبطور مسئلہ کے نمبروار بیان کردیتے ہیں۔ انہیں غور سے سمجھ کر اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

مسئلہ ۱ جہاں پر حکومت کیجانب سے یا آپس ہی میں کوئی ایسا شرعی مستحکم انتظام نہ ہو جس کے ذریعہ لبقاعدہ شرع مصدقہ و متفقہ اعلان نشر ہوسکے وہاں کے لئے یہ حکم ہے کہ یہ خبر اندرون ملک سے آئے یا بیرون ملک سے، خواہ اسلامی ملک سے آئے یا غیر اسلامی ملک سے، اگر بایں الفاظ نشر ہو کہ

"یہاں چاند ہوا ہے، یا فلاں شخص نے چاند دیکھا ہے، یا بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے"

تو یہ بالکل معتبر نہیں خواہ کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ آجائے لانہا حکایۃ محضۃ لا خبر معتبر کما ھو ظاھر اور آج کل ریڈیو کی خبریں اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں جو ہرگز قابل عمل نہیں ہیں۔

مسئلہ ۲ اور اگر بایں الفاظ خبر یا اعلان نشر ہو کہ

"میں نے خود چاند دیکھا ہے، یا میرے سامنے فلاں حاکم شرعی نے یا فلاں ہلال کمیٹی نے جس کے تمام افراد باشرع ہیں، یا فلاں مفتی شہر یا فلاں عالم مقتدا و متدین نے شرعی ثبوت حاصل کرکے رویت کا حکم یا فیصلہ دیدیا ہے اور وہ شہر مسلمانوں کا ہے اور وہ خبر دینے والا شخص معلوم ومتعین ومتدین ہے اور قرائن شرعیہ سے صحت کا ظن غالب ہے

تو مقامی طور پر یہ خبر معتبر و قابل عمل ہو سکے گی (زوال السنۃ ص۱۹۵ عن اعمال السنۃ، و امداد الفتاویٰ ص۲ ج ۲)۔

بشرطیکہ ان اعلانات یا خبروں پر عمل کرنے سے مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہونے کے بجائے ۲۸ یا ۳۱ دن کا نہ ہو رہا ہو۔ ورنہ کسی صورت میں بھی عمل کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا نیز اس نمبر میں بھی عمل معتبر ہونے کے لئے یہ تفصیل بھی شرط و ضروری ہے کہ اس خاص آبادی میں یا اس کے آس پاس کی آبادی میں جہاں جانا آنا زیادہ دشوار نہ ہو وہاں اگر کوئی عالم متدین موجود ہو جو اس قسم کے مسائل سے واقف ہو اس کے سامنے ریڈیو سے آنے والی خبر سننے والوں کو پیش کر کے بیان دلائیں، پھر حکم شرعی معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کریں، عوام خود رائی و عجلت ہرگز نہ کریں

مسئلہ ۳:۔ جو دیہات یا آبادی ایسی ہو کہ اس کے آس پاس کی آبادی میں بھی ویسا متدین اور ذی علم عالم موجود نہ ہو یا موجود ہو مگر وہاں تک ریڈیو سے خبر سننے والوں کا جانا آنا دشوار ہو اور ان عالم صاحب کا آنا بھی دشوار ہو تو وہاں مندرجہ ذیل طریقوں سے دیانت کو اور خدا کے سامنے جوابدہی کو سامنے رکھکر نفس پرستی کو ذرا بھی شریک نہ کر کے عمل کرلیں تو درست ہوگا اور نجات آخرت کے لئے انشاء اللہ کافی ہوگا، البتہ دوسروں سے الجھنا یا زبردستی کرنا، دوسروں کو ماننے پر مجبور کرنا یہ ہرگز درست نہ ہوگا۔

اور وہ طریقے ہیں:

(الف) اگر مطلع صاف ہونے کی حالت میں ان معتبر الفاظ میں خبر یا اعلان آجائے جو مسئلہ ۲ میں مذکور ہیں اور اتنی تعداد میں آجائے کہ عادتاً ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا متصور نہ ہو یا متعذر ہو تو عمل جائز ہے صرف دو ایک کی خبر اس صورت میں عمل کیلئے کافی نہ ہوگی خواہ ہلال عید کے ثبوت کا موقعہ ہو یا ہلال رمضان کا۔

(ب) اگر مطلع صاف نہ ہو اور موقع ہلال رمضان کے ثبوت کا ہو اور مضمون انہی الفاظ میں ہو جو مسئلہ ۲ میں ہے تو ایک خبر بھی عمل کے لئے کافی ہو جائیگی

(ج) اگر مطلع صاف نہ ہو اور موقع ہلال عید کے ثبوت کا ہو یا رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ کا ہو مثلاً شعبان یا بقر عید وغیرہ کا ہو تو کم از کم اس معتبر الفاظ کی خبر دو کی تعداد میں آنا ضروری ہے۔ جو مختلف مقامات سے کیف ما اتفق آرہی ہوں۔

مسئلہ ۴:۔ خوب یاد رہے کہ اس قسم کے اعلانات و خبروں پر عمل کرنے میں بڑی احتیاط لازم ہے حتی کہ اگر بعد میں دلیل شرعی سے بالیقین معلوم ہو جائے کہ اس اعلان یا خبر کی وجہ سے جس دن روزہ افطار کر لیا ہے، یا روزہ نہیں رکھا حالانکہ اس دن روزہ رکھنا چاہیئے تھا اور وہ دن رمضان ہی کا تھا تو اس دن کی قضاء رکھنی ضروری و لازمی ہوگی۔

مسئلہ ۵:۔ شہر کے لوگوں کی طرح دیہات کے لوگوں کو بھی چاہیئے کہ دو، دو، چار، چار گاؤں کا ایک حلقہ بنا کر اسمیں ہلال کمیٹی بنالیں جسمیں ایک متدین عالم کو بھی جو مسائل متعلقہ سے واقف ہو شریک کرلیں اور پھر مذکورہ بالا شرعی قاعدہ کے تحت عمل کرلیا کریں اور ان کمیٹیوں کے بنانے میں حتی المقدور سعی و کوشش کریں کچھ ایثار کریں

مسئلہ ۶:۔ جہاں یہ بھی ممکن نہ ہو وہاں جو شہر یا قصبہ قریب ہو جہاں اسکا نظم ہو اس سے اپنے کو وابستہ کرلیں اور اسکی ہدایات کے مطابق عمل کرلیا کریں

مسئلہ ۷:۔ سب سے عمدہ اور بہتر صورت تو یہ ہے کہ حکومت کی جانب

ع۵ یہاں اپنے ملک کے متعلق یہ بتا دینا ضروری ہے کہ رویت ہلال کے مسئلہ سے متعلق جمعیۃ علماء کے ایک اجلاس میں چند مرکزی وزیروں نے اعلان کیا تھا کہ وہ ریڈیو سے قاعدہ شرعی کے مطابق عیدین وغیرہ کیلئے خبر یا نشر کرنے کا انتظام کرینگے مگر اس کے نتیجہ میں ہوا کچھ بھی نہیں اور مسلمانوں کے اس احساس میں اور شدت پیدا ہوئی کہ ہر جال میں حکومت کا ساتھ دینے والے افراد الکشن کے موقع پر کچھ وعدے کر کے یا خوشامد اور معونت دکھا کر مسلمانوں کے ووٹ توکچھ لے لیتے ہیں، کیا ڈکیطرح کانگریس کے سامنے پیش کرنے میں کوئی ... حکومت میں مسلمانوں کی شنوائی اتنی بھی نہیں کہ ان سے متعلق یہ معمولی سی ضرورت بھی پوری ہو سکے۔

سے اعلان رویتِ ہلال کا انتظام باقاعدہ قانونی شکل میں کرالیا جائے کم ازکم ہلال عید وبقرعید، شعبان ورمضان ہی کا نظم کرالیا جائے۔ اسلئے کہ خبررسانی کے ذرائع وسائل کثیر وآسان اور عام ہوتے جا رہے ہیں جیسے ٹیلیگراف ٹیلیفون لاسلکی وغیرہ جنمیں بعض تو گھر گھر نہیں تو گاؤں گاؤں عنقریب ہوتے نظر آرہے ہیں۔

اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی تو بعد چندے عامۃ المسلمین بڑی الجھنوں میں مبتلا ہونے لگیں گے۔

(نوٹ) اس انتظام کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حکومت ایک متدین، ذی علم کو جو مسائل و احکام رویت سے اچھی طرح واقف ہو اور علمائے حقہ کے نزدیک معتبر بھی ہو مقرر کرکے اسکو قانوناً اختیار دیدے کہ وہ اپنے طور پر شرعی قاعدہ سے رویت ہلال کا ثبوت حاصل ہونے پر قیود و تفصیلات شرعیہ مذکورہ کے ماتحت اعلان کردیا کرے اور سارا ملک اس کے مطابق عمل درآمد کرلیا کرے۔ نیز اگر ضرورت پڑے (اور ضرورت تو واقعی ہے) تو جہاں جہاں اس قسم کے ریڈیو وغیرہ کے مراکز ہوں ہر جگہ اس قاعدہ مذکورہ کے مطابق انتظام کرلیا جائے اور پھر سب کو ایک ہی ضابطہ شرعیہ کے مطابق منسلک بھی کرلیا جائے۔

امید کہ اتنی گفتگو سے صورت مسئولہ کے تمام شقوق کا جواب بقدر ضرورت نکل آئے گا کوئی پہلو تشنہ نہ رہیگا اس لئے کسی مزید تفصیل کی اب حاجت نہیں رہی

فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ بندہ
محمد نظام الدین عفی عنہ
(مفتی) دارالعلوم دیوبند

الجواب صواب
سید احمد علی سعید
نائب مفتی دارالعلوم
(دیوبند)

تنقید وتبصرہ

فلاح وبہبود "مولانا محمد حنیف گنگوہی، فاضل دیوبند
۴۶۸ صفحات، کتابت وطباعت متوسط،
قیمت درج نہیں" حنیف بکڈپو دیوبند"

صحاح ستہ میں سنن ابوداؤد جس غیر معمولی اہمیت اور عظمت کی کتاب ہے اس سے اہل علم خوب واقف ہیں صحاح ستہ میں ہر مؤلف نے اپنی تصنیف میں کسی خاص صحت حدیث کو اپنا کر، باقی مجموعہ احادیث کے مقابلہ میں امتیاز پیدا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ احادیث ابواب وغیرہ کی یکسانیت کے باوجود دینی درسگاہوں میں صحاح ستہ بلکہ باقی کتب حدیث کی تعلیم دیجاتی ہے جسے مدارس کی اصطلاح میں" دورہ حدیث" کہاجاتا ہے۔ امام ابوداؤد رح نے اپنی سنن میں احادیث کی صحت وسقم پر تنبیہ کے لئے "قال ابوداؤد" کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے تحت امام موصوف، حدیث میں کسی مخفی جھول کیطرف توجہ دلاتے ہیں۔ اسناد میں پڑی ہوئی الجھن کو حل کرتے ہیں اور گاہے سند کے تکرار یا اسی حدیث کی کسی دوسری سند کیجانب متوجہ کرتے ہیں۔ فن حدیث کے ماہر اور طلباء دونوں ہی متفق ہیں کہ سنن ابی داؤد میں معرکہ کی بحث بلکہ خاصہ کی چیز یہی عنوان ہے۔ اور اسی عنوان پر محدث کو زیادہ توجہ دینا ہوتی ہے۔

ابوداؤد شریف کی عربی شروح میں اس عنوان سے بجوبی اعتناء کیا گیا ہے۔ متاخرین میں "صاحب بذل المجہود" حضرت مولانا خلیل صاحب سہارنپوری، اور انوار المحمود، تقریرات حضرت علامہ کشمیری وغیرہ میں سیر حاصل مباحث

موجود ہیں،

زیر نظر کتاب دارالعلوم دیوبند کے ایک نوجوان فاضل اور مشہور عالم کی علمی کاوشوں کا بہترین نمونہ ہے۔

موصوف اس سے پہلے بھی بہت سی کتابوں کی شرح اردو تراجم، مصنفین سے متعلق سوانح و تذکرے مرتب کر چکے ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ انہیں تصنیف و تالیف کا سلیقہ اور تشریح و توضیح کا اچھا سلیقہ ہے، کتاب کا عنوان تو اگرچہ "قال ابوداؤد" ہی کی شرح و بیان ہے لیکن مختصر مباحث، فقہی، حدیثی اور علمی نکات سے کتاب کا دامن خالی نہیں۔ آغاز میں فن حدیث پر جامع تبصرہ امام ابوداؤدرہ کی طویل سوانح اور متعلقہ مباحث کو یکجا کیا گیا ہے۔ اردو میں ابوداؤد سے متعلق مستند، کارآمد شرح کے طالب اس شرح کو اپنے لئے کارآمد پائینگے

گلدستۂ سنت

مولانا امام علی القاسمی،

۱۶ صفحات،

کتابت و طباعت متوسط

قیمت۔ دعا رمغفرت

ادارہ محمودیہ محمدی ضلع لکھیم پور۔ یوپی

چالیس احادیث کا گلدستہ حسین، جس میں ضرورت کی احادیث ترجمہ کے ساتھ جمع کردی گئی ہیں۔ ہر مسلمان کے پڑھنے کی چیز ہے۔

کینسر وارڈ

گوپال متل و جلیس عابدی صاحب

۴۳۵ صفحات

کتابت و طباعت صاف

قیمت چار روپے

نیشنل اکاڈمی ۹ انصاری مارکیٹ، دریا گنج۔ دہلی۔

یہ اصلاً الکزنڈر سولنٹین کی مشہور کتاب کا ترجمہ ہے، جس پر مصنف کو نوبل پرائز بھی مل چکا ہے۔ تبصرہ نگار کو دوسرا حصہ تبصرہ کے لئے موصول ہوا۔ پہلے حصہ سے انقطاع کی صورت میں صحیح تبصرہ ممکن بھی نہیں۔

"روس" کی جیلوں کی سرگذشت، قیدیوں کے لئے علاج معالجہ کے بدتر انتظام، ایک زندانی کے حالات اور مصائب کی پُر درد داستان، اس کتاب میں پیش کی گئی ہے۔

دنیا کے تمام ہی قید خانے، مصائب اور آفات کے گھر ہیں۔

اور یہ مہذب دنیا زندانیوں پر مظالم کا جو بھیانک سلسلہ دراز کئے ہوئے اس کی داستان بہت تلخ ہے۔

بلکہ اب تو زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ خود یہ دنیا ایک زندان سے کم نہیں۔

اسلام کے پیغمبر جلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے تو "مومن کے لئے قید خانہ" دنیا کو قرار ہی دیا تھا لیکن انقلاباتِ روزگار نے "خاکدانِ ارض" کو سب ہی کے لئے زندان بنا دیا، بس فرق کم و بیش کا رہ گیا۔ ورنہ قید و بند کے تصور کے ساتھ جن مظالم کا رشتہ ہے اس سے کوئی بھی قید خالی نہیں۔

بہر حال کتاب، دلچسپ ہے اور مشاق ترجمان نے شگفتگی اور برجستگی کو خوب باقی رکھا۔

کوائف دارالعلوم دیوبند

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا سالانہ پہلا اجلاس ۲۷ر محرم ۱۳۹۳ھ سے ۳۰ر محرم ۱۳۹۳ھ تک دارالمشورہ میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کی صدارت میں منعقد ہوا

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب، حضرت مولانا سید فخرالحسن صاحب صدر المدرسین دارالعلوم حضرت مولانا فضل اللہ صاحب، مولانا قاضی زین العابدین صاحب، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، مولانا مرغوب الرحمن صاحب، مولانا عبدالحلیم صاحب، مولانا حکیم محمد زماں صاحب، مولانا حکیم انعام اللہ صاحب، مولانا عبدالقادر صاحب نے شرکت فرمائی۔

سب سے پہلے سابقہ اجلاس شوریٰ اور عاملہ کی رودادیں سنائی گئیں اور کچھ ہدایتیں کی گئیں۔ اس کے بعد ۱۳۹۲ھ کی سالانہ رپورٹ اور دفاتر کی کارگزاری سنائی گئی۔ جس میں تعلیمی اور انتظامی امور کی تفصیلات پیش کی گئیں۔

مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں دارالعلوم نے شروع سے بمبئی کنونشن تک جو اقدامات اور کارروائی کی تھی اس کی اجمالی رپورٹ سنائی گئی

دارالافتاء کو ہدایت کی گئی کہ فتاوی جلد سے جلد روانہ کئے جاویں۔ تاخیر سے مسلمانوں کے بہت سے کام رک جاتے ہیں اور انہیں دشواری اور شکایت پیش آتی ہے۔ کتب خانہ کو ہدایت کی گئی کہ اکابر دار علماء دارالعلوم کی تمام تصانیف جمع کی جائیں۔ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مہاجر کی کی حسب وصیت مکہ مکرمہ سے ان کی کتابوں کو دارالعلوم میں منتقلی کی جدوجہد کی ہدایت کی گئی۔

دارالمطالعہ میں طلبہ دارالعلوم کے شوق و ذوق اور بڑھتے ہوئے مطالعہ کے رجحان کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ سہولت دینے کی ہدایت کی گئی۔

رسالہ دعوۃ الحق کے صفحات میں اضافہ کیا گیا اور بجائے ۶۴ کے ۸۰ صفحات کی اشاعت کی اجازت دیگئی

درجہ تکمیل ادب میں ہر سال ذی استعداد اور مستعد چند طلبہ کے لئے ایک سال تک تیس روپیہ علاوہ دوسری مراعات کے ماہوار وظیفہ مقرر کیا گیا۔

تعلیمات میں اختبار شفاہی کے سلسلہ میں طے کیا گیا کہ یہ امتحان ضروری ہے امتحان سالانہ کے وقت فرداً لیا جائے۔ آئندہ کے لئے طے کیا گیا کہ دورہ حدیث میں براہ راست داخلہ لینے والے جدید طلبہ کا اختبار شفاہی امتحان ششماہی کے متصل لیا جائے اگر ناکام رہیں تو سال کے آخیر تک دوبارہ امتحان دینے کا موقعہ دیا جائے۔

بچوں کے داخلہ کے سلسلے میں طے کیا گیا کہ دس سال سے کم عمر کے بیرونی بچوں کو داخل نہ کیا جائے۔

درجہ حفظ اردو میں ان طلبہ کو لیا جائے جو حافظ قرآن ہوں، اردو اچھی جانتے ہوں۔ عمر ۱۸ سال سے کم نہ ہو۔

احاطہ دارالقرآن میں تین درسگاہوں کی تعمیر نیز حضرات اساتذہ اور ملازمین کے لئے مکانات کی تعمیر کی بھی اجازت

دی گئی

مجلس عاملہ اور مجلس علمی کے سابق ممبران باقی رکھے گئے، دفتر تنظیم و ترقی اور دفتر تنظیم ابناء قدیم کے لئے مفید تجاویز منظور کی گئیں۔

دارالعلوم دیوبند میں جو ٹائپ پریس قائم کیا جا رہا ہے اس کے انتظام کی تفصیلات طے کرنے کے لئے مجلس عاملہ کو اجازت دیگئی جو اپنے آئندہ اجلاس میں طے کریگی۔

۱۳۹۳ھ کے آمد و صرف اور اس کی تمام مدات پر تفصیل سے بحث ہوئی۔ جزوی ہدایت اور ترمیمات کے بعد مبلغ تیرہ لاکھ تیس ہزار نو سو روپیہ کی متوقع آمدنی اور چودہ لاکھ اکتیس ہزار چار سو روپیہ کا متوقع خرچ منظور کیا گیا۔ دارالعلوم کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ شروع سال میں اپنے اخراجات کا اندازہ کر لیتا ہے کہ فلاں فلاں مدات میں اتنا خرچ کرنا ہے انہیں اخراجات کے پیش نظر آمدنی کا اندازہ قائم کر لیا جاتا ہے اور حق تعالےٰ اُسے پورا فرماتے ہیں۔

شدید گرانی اور تمام اشیاء خوردنی کی بے پایاں قلت کے پیش نظر اساتذہ اور ملازمین کی درخواست پر گریڈ اور تنخواہوں کی شرح پر نظر ثانی کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جسکی رپورٹ آئندہ مجلس عاملہ میں پیش ہوگی۔

طلبہ دارالعلوم کی وظیفہ پارچہ اور وظیفہ پاپوش میں بھی اضافہ منظور کیا گیا۔ ہر ششماہی پر مستحق طلبہ کو بجائے ۲۴ روپیہ کے ۳۰ روپیہ وظیفہ پارچہ و پاپوش منظور کیا گیا وظیفہ تیل میں بھی اضافہ منظور کیا گیا۔

حضرت مہتمم صاحب کا سفر مدراس و حیدرآباد

دارالعلوم دیوبند، ۵ اپریل

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، ۲۶ مارچ کو دہلی تشریف لے گئے اور جامعہ ملیہ میں منعقد کئے گئے جلسہ سیرت میں سیرت نبوی پر تقریر فرمائی، ۲۷ مارچ کو میل وشارم تشریف لے گئے، مدراس میل وشارم اور بنگلور وغیرہ میں ۴ اپریل تک قیام فرما کر دینی موضوعات پر تقریریں فرمائیں، ۵ اپریل کو حیدر آباد تشریف لے گئے یہاں ۶ اپریل کو مسلم پرسنل لا کنونیز کانفرنس میں، اور ۷، ۸ اپریل کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس میں شرکت فرمائی ..... حیدر آباد اور قرب و جوار کے مرکزی مقامات کا پروگرام تھا مگر طبیعت کی ناسازگاری کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا

ملازمین کے مشاہرات میں اضافہ

مجلس شوریٰ دارالعلوم نے موجودہ گرانی کے پیش نظر ملازمین دارالعلوم کے مشاہرات اور الاؤنس گرانی میں اضافہ کی تجویز کی ہے دفتر اہتمام آئندہ مشاہرات کا نقشہ بنا رہا ہے جس پر نفاذ کی کاروائی عنقریب ہوگی۔

حضرت مہتمم صاحب کی سفر سے واپسی

دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵ اپریل

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس سے فارغ ہو کر ۱۴، ۱۵ اپریل کو لکھنؤ اور ۱۶ اپریل کو بہرائچ تشریف لیجانے والے تھے مگر حیدر آباد میں نزلہ، زکام اور بخار ہو گیا، اس لئے سفر ختم کر کے ۱۷ اپریل کو دیوبند تشریف لے آئے، لکھنؤ اور بہرائچ تشریف نہیں لے جا سکے۔ اب الحمدللہ طبیعت اچھی ہے

---

۲۸ اپریل کو مظفر پور اور ۳۰ اپریل کو مظفر پور سے بذریعہ طیارہ آسام تشریف لے گئے ......، ہفتہ عشرہ آسام کے متعدد مرکزی مقامات پر تشریف لے جائینگے۔

خواتین کانفرنس کے لئے ایک پیغام

محترمی ایڈیٹر صاحب، سلام مسنون
آل مہاراشٹر مسلم پرسنل لا خواتین کانفرنس کے لئے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند و صدر مسلم پرسنل لا بورڈ نے حسب ذیل پیغام روانہ کیا ہے، بغرض اشاعت ارسال ہے۔

(مولانا) محمد عبدالحق
انچارج دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند

مسلم پرسنل لاء اور قوانین شرعیہ کے تحفظ کے سلسلہ میں مسلم خواتین کی یہ کانفرنس بلاشبہ وقت کی ضرورت کی تکمیل ہے، اس وقت مخالفین پرسنل لاء عورتوں کے تحفظ اور حمایت کا نام لے کر پرسنل لاء کو بدلنے کی آوازیں اٹھا رہے ہیں، گویا عورتوں کی مزعومہ مظلومیت انہیں بے چین کئے ہوئے ہے کہ جب تک قانون شرعی میں ترمیمات نہ ہونگی یہ مظلومیت ختم نہ ہوگی، جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ خدا کا دین ظلم ہے جس نے ایک صنف نازک پر ستم ڈھا رکھے ہیں۔ عیاذاً باللہ جب ان خود سروں کے نزدیک خدا اور رسول اور انکا دیا ہوا قانون بھی ظالم ہے تو کیا یہ ظلوم و جہول لوگ عدل و انصاف کی منزلیں طے کر پائیں گے؟ اور اُسے حد کمال تک پہونچائیں گے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ
إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا

اندریں حالات مسلم بہنوں کی یہ کانفرنس خوش آئند اور بروقت اقدام ہے۔ تاکہ ان ظالموں کو اس فرضی اور خودغرضانہ نعرۂ حمایت نسواں سے مایوس کر دیا جائے کہ وہ عورتوں کی حمایت اور ان کی بے کسی اور مظلومیت دور کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان خودغرضوں کو کسی کی حمایت و دادرسی سے غرض ہے نہ دین اسلام کے تحفظ کا کوئی شمہ انکے حاشیۂ خیال تک میں مرکوز ہے اور نہ ہی یہ اُن سے بن پڑنا ممکن ہی ہے۔

وہ صرف اپنی مطلب برآری کے لئے یہ سارے کھیل کھیل رہے ہیں،

مسلم بہنوں کی کانفرنس سے جبکہ اُس میں قانون شریعت پر علانیہ اطمینان و ایمان کا اظہار کیا جائیگا، اور یہ کہ عورتوں کو اسلام نے جو حقوق آزادی بخشے ہیں دنیا کے کسی بھی قانون میں اُن کا نشان نہیں ملتا اور نہ ہی یہ خود ساختہ قوانین کسی کو آزادی کی دولت دے سکتے تھے، جبکہ انکے مقنن خود ہی نفس کی قید و بند کے اسیر ہوتے ہوئے حقیقی آزادی سے محروم تھے تو اس صورت میں ان مخالف غوغائیوں کی قلعی کھل جائیگی اور وہ ان کھوکھلے نعروں سے کاربرآری نہ کرسکیں گے۔

اول تو بمبئی کنونشن نے ہی ان لوگوں کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا لیکن جو رہا سہا کچھ باقی ہوگا اس کا ملمع انشاء اللہ اس مسلم خواتین کانفرنس بمبئی سے اُتر جائیگا اور وہ عریاں ہو جائیں گے،

بلاشبہ یہ ہماری ان بہنوں کا ایک کارنامہ ہوگا جو تاریخ کا ایک روشن باب ہوگا اور جس پر وہ انشاء اللہ اجر و ثواب کی مستحق ہونگی،

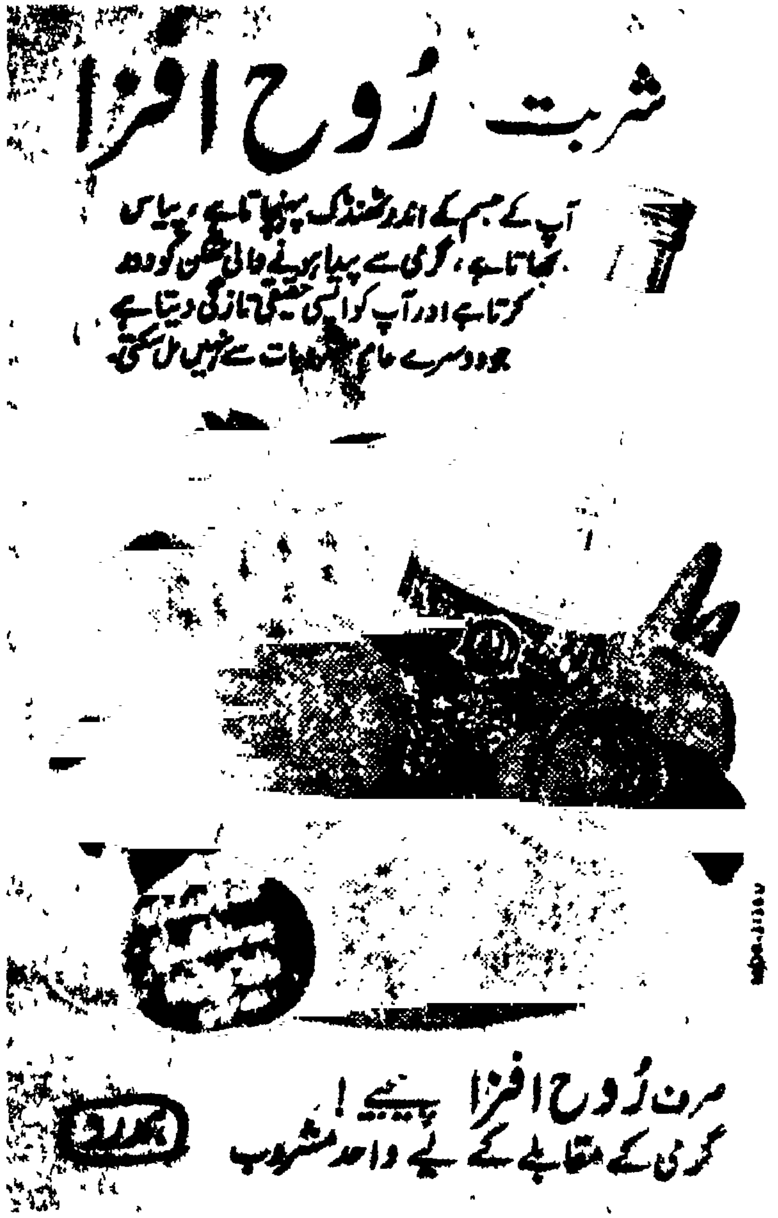
وباللہ التوفیق

(حضرت مولانا) محمد طیب (صاحب)
مہتمم دارالعلوم دیوبند
و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
۲۱ ۳/۹۲ھ

دار العلوم

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

[illegible]



شربت رُوح افزا
آپ کے جسم کے اندر ٹھنڈک پہنچاتا ہے، پیاس
بجھاتا ہے، گرمی سے پیدا ہونے والی تھکن کو دور
کرتا ہے اور آپ کو ایسی حقیقی تازگی دیتا ہے
جو دوسرے عام سے نہیں مل سکتی
صرف رُوح افزا پیجیے!
گرمی کے مقابلے کے لیے واحد مشروب

جلد ۴۵ | دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی اور اصلاحی | شمارہ ۴

ماہنامہ دارالعلوم

جولائی ۱۹۷۳ء

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ قیصر

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقامِ اشاعت
دارالعلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے آٹھ روپے
پاکستان سے آٹھ روپے
ممالک غیر سے ۲۲ شلنگ
فی پرچہ اسی پیسے 80/

فہرست مضامین

مخلصین دارالعلوم سے ضروری گذارش

بنگلہ دیش اور پاکستان سے ڈاک کے تعلقات منقطع ہوجانے کی وجہ سے رسالہ دارالعلوم کے تقریباً دو ہزار خریدار ٹوٹ گئے ہیں۔ ایک ایسے رسالہ کے لئے جو عوامی رجحانات کا ساتھ نہ دینے، اور اپنی دعوت وفکر کے انداز پر قائم رہنے کی وجہ سے پہلے ہی سے مالی طور پر زیر بار ہے، یہ نقصان ناقابل برداشت ہے۔ مخلصین دارالعلوم "دارالعلوم" کی اس آواز کو باقی رکھنے کیلئے رسالہ کی توسیع اشاعت کی کوشش کو اپنا ضروری فریضہ خیال فرمائیں ہر شخص کم از کم دو خریدار رسالہ کیلئے ضرور فراہم کرے۔ (سید محمد ازہر شاہ قیصر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حرفِ آغاز

۱۴ رمئی ۱۹۷۳ء کو علم وعمل کا ایک اور ستارہ ڈوب گیا، اور علمی دنیا کا ایک مضبوط ستون جاتا رہا، یعنی نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند جو علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں، چل بسے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپکے پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے،

مولانا موصوف نے زندگی بھر علمی دینی اور ملی خدمات انجام دیں، مولانا موصوف کو محنت وریاضت اور غور وفکر اپنے استاذ حضرت مولانا سید محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ترکہ میں ملا تھا اور اخلاص وللّٰہیت، خدا ترسی ومیانہ روی اپنے مرشد قطب عالم مولانا سید محمد علی مونگیری قدس سرہٗ کی صحبت سے حصہ میں آئی تھی، یہی وجہ ہے کہ مولانا موصوف علماء میں ممتاز شمار ہوتے تھے، ظاہر وباطن علمی اور سیاسی ہر پہلو سے بلند مقام حاصل تھا، پوری زندگی کتاب وسنت اور دین متین کی خدمت میں گذاری، مدرس بھی رہے اور امام مسجد بھی، مبلغ امارت شرعیہ بھی رہے اور اس کے ناظم اور مفتی بھی، تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا اور سیاسی جدوجہد میں بھی شریک رہے، آل انڈیا جمعیۃ علماء ہند کے ناظم بھی رہے اور اس کے دفتر کے انچارج بھی، اور یہ اس دور میں جب جمعیۃ کا عہدہ آج کی طرح پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بستر اور انگاروں کی بھٹی تھا۔

مولانائے محترم خانقاہ رحمانی مونگیر میں رہ کر کچھ دنوں عیسائی اور آریہ تحریک کے خلاف مستقل علمی جدوجہد میں منہمک رہے متعدد کتابیں لکھیں، اور بڑی محنت سے لکھیں، پھر امارت شرعیہ کے قیام کے بعد اس سے منسلک ہو گئے اور اس کے تحفظ وبقا اور اس کے مضبوط بنانے میں دل وجان سے لگ گئے، اور نائب امیر شریعت ہونے کے بعد امارت شرعیہ کی اہمیت وضرورت پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مسئلہ امارت اور ہندوستان، کتاب العشر والزکوٰۃ، کتاب الفسخ والتفریق جیسی اہم علمی کتابیں کبھی فراموش نہیں کیجا سکتی ہیں، آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی بہت دنوں سے چلے آرہے تھے، آزادی سے پہلے جمعیۃ علماء کے صف اول کے علماء کے ساتھ رہے، آزادی کے بعد البتہ جمعیۃ علماء نے آپ کی قدر ومنزلت جو کرنی چاہیئے نہیں کی، مگر رشتہ پھر بھی آپ نے قائم رکھا۔

ادھر کئی سال سے پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے تھے، مانڈر ضلع مونگیر آپ کا مستقر تھا اور سال کے مختلف حصوں میں جب کبھی طبیعت گھبرا جاتی خانقاہ رحمانی مونگیر تشریف لے آتے، جہاں آپ کے مرشد آسودۂ خواب ہیں اور ہفتوں وہاں رہ کر دل بہلاتے، موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مدظلہٗ استاذ کی طرح آپ کا احترام کرتے اور آپ کے شایانِ شان راحت وسکون کا نظم فرماتے تھے، اور خانقاہ کا کتب خانہ آپ کے لئے وقف فرما دیا کرتے تھے، بوقت ضرورت علاج معالجہ پر بھی خصوصی توجہ دیتے۔ زندگی کے آخری لمحات مولانا نے خانقاہ ہی میں گذارے، اور یہیں رب حقیقی سے جاملے۔

مانڈر، خاکسار کئی بار مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنا تاثر یہ تھا کہ بڑھاپے میں جس قدر اطمینان ومسرت بخش اور پُرسکون زندگی آپ کو حاصل تھی کم علماء کے حصہ میں آتی ہوگی۔ وہاں نہ کوئی شور وہنگامہ تھا، نہ بھیڑ بھاڑ، اور نہ کوئی جھگڑا، ذاتی کتب خانہ اچھا خاصا تھا، دن رات اسی میں یکہ وتنہا بیٹھے کتب بینی اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے، پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام کا عالمگیر

پیغام، فاطمہ کا چاند، غیر مسلموں کی نظر میں اسلامی نظریہ، اسلام میں عورت کا مقام، قرآن محکم اور دوسری علمی کتابیں اسی دور کی یادگار ہیں۔ چھوٹی بڑی تقریباً سو کتابیں آپ کے قلم کی رہین منت ہیں۔

مولانا مرحوم خاکسار سے بڑی محبت کرتے تھے اور پابندی سے اپنی تالیفات بھیجتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ادہر مولانا مرحوم کی کتابوں کے نئے ایڈیشن پر عموماً خاکسار کی تحریر نظر آتی ہے یہ سب مولانا کے اصرار کا نتیجہ تھا۔ اسطرح کی جامع کمالات شخصیت بہت دنوں میں پیدا ہوتی اور ابھرتی ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ ملک وملت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

ہندوستان آزاد ہوا، تو ہم جیسے ہزاروں انسانوں کو توقع تھی کہ اس ملک میں دوسری قوموں کی طرح مسلمان بھی ابھرینگے اور ان کی ساری چیزیں محفوظ رہیں گی، اسلئے کہ ملک کی جنگ آزادی میں مسلمان یہی نہیں کہ کسی سے پیچھے نہیں تھے بلکہ سبھوں سے آگے تھے، برطانوی حکومت کے جبر وتشدد کے جس قدر شکار مسلمان ہوئے اور کوئی فرقہ نہیں ہوا، مگر آزادی کے بعد جو کچھ ہوا، وہ سبھوں کے سامنے ہے۔ حد یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنکر رہنے پر مجبور کیا گیا، اور اس کی جدوجہد ہوئی کہ یہاں سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جائیں، مگر بحمد اللہ ایسا نہیں ہوا، مسلمان اپنی جگہ جمے رہے اور حالات کا مقابلہ کرتے رہے، اور آج بھی وہ اسی منزل میں ہیں، مگر بڑا امید ہیں مایوس نہیں۔

فتنہ وفساد کے نام پر جو کچھ ہوا اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں متعصب پارٹیوں اور افراد کا ہاتھ ہے، اور مسلمان بھی سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود یہی کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دیتے رہے، مگر اس وقت مسلمانوں کے حیرت کی انتہا نہ رہی جب حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے مسلم پرسنل لا، اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے خلاف بیانات آنے لگے اور پھر جب حکومت نے آناً فاناً مسلم یونیورسٹی پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو تقریباً بے دخل کر دیا تو اس وقت مسلمانوں کا رہا سہا اعتماد بھی متزلزل ہو گیا، اور حیرت پر حیرت یہ ہے کہ مسلمانوں بلکہ انصاف پسند ہندوؤں کی چیخ وپکار کے باوجود بھی مسلم یونیورسٹی کے سلسلے میں نیا ایکٹ جوں کا توں باقی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب یہاں جمہوریت باقی ہی نہیں رہی۔

ان حالات سے مسلمان اس قدر متاثر ہوئے کہ آزاد ہندوستان میں ان کی طرف سے پہلی دفعہ اس سلسلہ میں پارلیمنٹ پر مظاہرہ کیا گیا اور لکھنؤ میں اس ایکٹ کے خلاف سول نافرمانی کی گئی۔ اور یہ جو کچھ ہوا انتہائی مجبوری اور مایوسی میں ہوا، جن لوگوں نے اس جدوجہد میں حصہ لیا اور سربراہی کا فریضہ انجام دیا وہ ملت بلکہ ملک کے تمام جمہوریت پسند لوگوں کی طرف سے مستحق مبارکباد ہیں، یہ اہم اقدام آزاد ہندوستان کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ ہے۔ بعد میں آنے والے انہیں ہمیشہ یاد رکھیں گے،

کاش ہماری حکومت وقت مسلمانوں کے درد ودکھ کو دیکھتی اور ان کے درد دل کی صدا سنتی، اور عدل ومساوات پر عمل کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی کے مسئلے کو مسلمانوں کے جذبات کے مطابق حل کرنے کی جدوجہد کرتی تاکہ ملک میں اقلیت مطمئن ہوتی، اور محسوس کرتی کہ اس ملک میں یہ ملت یتیم نہیں ہے بلکہ اسے بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔

یہ تو آفتاب کی طرح ظاہر ہے کہ ملک پوری تیزی سے کمیونزم کی طرف جا رہا ہے، کمیونزم کا جو مزاج ہے وہی حکومت کا مزاج بنتا جا رہا ہے مگر یہ ملک کے لئے کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ بلکہ حد درجہ تکلیف دہ، جب یہ مزاج یہاں واضح ہو جائے گا پھر اس کی زد سے خود موجودہ حکومت بھی نہیں بچ سکے گی۔

چنانچہ آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ ملک کے کسی گوشہ میں فضا پرسکون نہیں ہے، فساد کا سلسلہ بھی جاری ہے، ہنگامے بھی ہو رہے ہیں، پارٹیوں کا باہم ٹکراؤ بھی ہے، حد یہ ہے کہ ابھی پی۔اے۔سی فوج کے مقابلے میں آگئی، اور باہم تصادم کی شکل پیدا ہوگئی جس سے بہت سے خطرات کا دروازہ کھل گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حکومت اس کے سدباب کے لئے کوشاں ہے مگر ارباب بست وکشاد کو سوچنا چاہیئے کہ ملک کس طرف جا رہا ہے۔ جبر وتشدد کی پالیسی کوئی اچھی چیز نہیں، حکومت کا کسی بات پر ضد کرنا اور ایک طبقہ کو مایوس کرنا خود اس کے لئے ایک بڑی بدشگونی ہے۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ حکومت اور ارباب حل وعقد اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں۔

نوجوان علماء کے لئے بھی یہ وقت امتحان وآزمائش کا ہے جب کہ ایک طرف کمیونزم کا زور ہے اور دوسری طرف ملک میں حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ جہاں حکومت، ارباب حکومت اور دوسرے دانشوروں پر ذمہ داری ہے، وہیں نوجوان علماء پر بھی بہت کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں، کہ یہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے مبلغ اور محافظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ طے ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے لئے مبعوث ہوئے تھے، کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں تھے،

مستقبل جیسا آنے والا ہے اس کا صحیح علم رب العلمین کو ہے، مگر زمانہ کی رفتار اور ملک کے حالات سے ہمیں آنکھیں ایک لمحہ کے لئے بند نہیں کرنا چاہیئے، یہ درست ہے کہ اکثریت کا مذہبی طبقہ خاموش ہے ملک کے حالات سے وہ تشویش میں نہیں ہے، وہ اپنا مذہب بھی محفوظ دیکھ رہے ہیں، مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اسے ایک زبردست چیلنج کا سامنا ہے، دنیا میں امن وسلامتی، عدل ومساوات، مروت واخوت اور انسانیت پر بڑا سخت وقت آگیا ہے، یہ ساری چیزیں خطرات کی زد میں ہیں، علمائے وقت کا فرض ہے کہ وہ حالات کا اعتدال کے ساتھ جائزہ لیں، اور اس وقت جو کچھ کر سکتے ہیں قانون کی حدود میں رہ کر ضرور کریں،

ہندی زبان میں اسی طرح مختلف صوبوں کی مختلف صوبائی زبانوں میں اسلامی لٹریچر یا تو موجود نہیں ہے اور اگر ہے تو بہت کم اور برائے نام، اختلافی مسائل سے ہٹ کر ہمیں اسلام کا اخلاقی نظام عوام وخواص کے سامنے پیش کرنا چاہیئے اور تمام انسانوں تک پہونچانا چاہیئے، ملک کی پچاس کروڑ کی آبادی اگر مذہب سے برگشتہ ہوئی اور اس نے انسانیت سے اپنا دامن جھٹک لیا، تو یہ بات ہمارے لئے سخت تکلیف دہ ہوگی۔ اور ملک کے لئے انتہائی نقصان دہ، لہٰذا ہمیں بہت اچھے انداز میں مذہب واخلاق کی اہمیت جتانا، اور تمام لکھے پڑھے لوگوں سے مل کر اس مسئلہ پر باتیں کرنا اپنا فرض سمجھنا چاہیئے، اچھی باتیں بہر حال اپنا اثر رکھتی ہیں اور دوست ودشمن دونوں کو دیر سویر متاثر کرتی ہیں۔

"(ظفر صدیقی)"

اسلام میں رفاہ عام اور خدمتِ خلق

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی

پبلک لائف میں صبر و برداشت کی فضیلت

مخلوق کی خدمت کا حق وہی انسان ادا کرتا ہے جو مخلوق سے تعلق اور رابطہ رکھتا ہے اور مخلوق کے ساتھ تعلق وہی شخص قائم رکھ سکتا ہے جو اُن کے ہاتھوں سے پہنچنے والی تکلیفوں کو سہارتا ہے اور صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، بے صبرا انسان بھائی بہنوں پڑوسی اور برادری کے ہاتھوں پہنچنے والی تکلیفوں، اذیتوں اور دل خراش باتوں سے گھبرا کر سوسائٹی اور خاندان کو چھوڑ دیتا ہے۔

خدا کے رسول نے انسانی برادری کے ہاتھوں پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرنے والے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم افضل من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم

یعنی جو مسلمان عوام کی تکلیفوں اور دل خراش باتوں سے گھبرا کر کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے اس تارک دنیا آدمی سے وہ مسلمان بڑا درجہ رکھتا ہے جو عوامی تکلیفوں پر صبر کر کے عوام کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے“

(ترمذی کتاب الزہد ص۱۲۱م)

خود حضور ؐ نے مکہ کے بڑے لوگوں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک وہ آپ کو قتل کرنے کے درپے نہیں ہوئے۔

حق تلفی ناقابلِ معافی گناہ

انسان پر اُس کے خالق کا حق بھی ہے اور خالق کے بندوں کا حق بھی ہے لیکن اِن دونوں قسم کے حقوق، (حقوق اللہ اور حقوق العباد) کے درمیان بڑا فرق ہے۔

خالق کا حق ایسا ہے کہ اگر بندہ اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے وہ حق ادا نہ کرے تو خدا تعالےٰ کو اختیار ہے چاہے آخرت میں اس کی سزا دے، چاہے معاف فرما دے لیکن انسان پر دوسرے انسانوں کے جو حقوق واجب ہیں، اگر کوئی شخص ان حقوق کو ادا نہیں کرے گا تو خدا تعالیٰ اِس حق تلفی کو خود معاف نہیں کرے گا جب تک کہ

حق دار اُسے معاف نہ کرے۔

صحیح حدیث میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میدان جہاد کی تلوار شہید کے تمام گناہوں کو معاف کرا دیتی ہے لیکن اگر اُس پر کسی کا قرض واجب ہے تو وہ معاف نہیں کیا جاتا" کیونکہ وہ دوسرے کی حق تلفی کا گناہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا " خدا تعالےٰ حق دار کو اجازت دے گا کہ حق تلفی کرنے والے کی نیکیاں اپنے حق کے بدلے میں وصول کرلے۔ یہاں تک کہ جب حق تلفی کرنے والے کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی باقی نہ رہے گی تو خدا تعالےٰ اپنی طرف سے اس کے حق کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

حق تلفی کی سزا کو دُور کرنے کے بارے میں

حضورؐ کی دُعا کو واپس کر دیا گیا

حافظ ابن کثیرؒ نے سورۂ انعام آیت "قل ھو القادر علی ان ..." کے تحت جلیل القدر صحابہ کرام سے یہ نقل کیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اُمت کو عذاب کی مختلف شکلوں سے بچانے کے بارے میں حضورؐ کی تمام دعائیں قبول فرمائیں مگر یہ دُعا قبول نہ فرمائی:

وَاَنْ لَّا یَلْبِسَنَا شِیَعًا
فَمَنَعَنِیْھَا"

"میری اُمت کے درمیان گروہ بندی کا جھگڑا نہ ہو"

خدا تعالےٰ نے اس دُعا کو واپس کر دیا

یہ دعا قبول کیوں نہ ہوئی؟ ---- اس کا سبب یہ ہے کہ قوموں کے اندر گروہ بندی کا تصادم اس وقت رونما ہوتا ہے جب قوم کے مختلف طبقے ایک دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ قوم کا مالدار طبقہ غریبوں اور مزدوروں کے حقوق محنت غصب کرتا ہے۔ طاقتور کمزوروں پر زیادتی کرتے ہیں، خاندانی غرور والے چھوٹے آدمیوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں۔ اُس وقت قوم میں طبقہ وارانہ لڑائی شروع ہوجاتی ہے۔ یہ لڑائی حقوق تلفی کا نتیجہ اور حقوق تلفی کا ردِ عمل ہوتی ہے۔

خدا تعالےٰ نماز روزہ وغیرہ چھوڑنے کے ردِ عمل کو توبہ اور استغفار کے ذریعہ روک دیتا ہے، لیکن اس حق تلفی کو معاف نہیں فرماتا۔ جب اس کا اعلان خدا کی طرف سے کیا جا چکا ہے تو خدا تعالیٰ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کو اس معاملہ میں کیسے قبول کرتا۔؟

خدا تعالیٰ نے جب حضورؐ کی اس دُعا کو واپس کر دیا تب حضور سمجھے کہ اس کا سبب کیا ہے۔

اور پھر حضور مطمئن ہوگئے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ پہلی اُمتوں کی طرح مکمل بربادی سے تو محفوظ رہی، لیکن جب اس ملت میں باہمی ظلم و زیادتی کے گناہ شروع ہوئے تو گروہ بندی کا ٹکراؤ اس امت میں پھیل گیا۔

(ابن کثیر مصری ج ۲ سورہ انعام ص۱۴۲)

حقوق انسانی ادا نہ کرنے والا عابد

گذار جہنم میں

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے فضائل صدقات میں ایک شامی تاجر کا واقعہ نقل کیا ہے جو شام سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلا آیا تھا۔

مکہ معظمہ میں تمام زندگی عبادتِ الٰہی میں گذار کر جب اس کا انتقال ہوگیا تو وہاں کے بزرگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شامی تاجر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہے۔

بزرگوں نے اس کی روح سے معلوم کیا کہ تم تو بڑے عبادت گذار تھے، پھر تم عذاب میں کیوں گرفتار ہو؟

اس کی روح نے جواب دیا کہ شام میں میری ایک خالہ ہیں جن کا میرے سوا کوئی کفیل و مددگار نہیں امیں انھیں چھوڑ کر مکہ معظمہ چلا آیا. مرنے کے بعد خدا تعالےٰ نے مجھ سے فرمایا، تو نے اپنی خالہ کے ساتھ صلۂ رحمی نہ کی، بلکہ حق تلفی کی، تجھے اس حق تلفی کی سزا دی جائے گی بس میں اب تک عذاب میں ہوں، اگر تمہیں میرے ساتھ ہمدردی ہے تو تم ملک شام جاؤ اور میری خالہ سے میرا قصور معاف کراؤ، یہ بزرگ ملک شام گئے، اس کے بتائے ہوئے پتہ کے مطابق اس کی بوڑھی خالہ سے ملے اور اس شامی تاجر کا قصور معاف کرایا۔

واپس آکر جب اس کی روح سے معلوم کیا تو یہ پتہ چلا کہ وہ عذاب سے نجات پاکر جنّت میں پہونچا دیا گیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ماں، باپ، خالہ پھوپی ماموں، ممانی، بہن بھائی، ساس سسرے، سالے اور سالیوں کے جو حقوق خدا تعالےٰ نے انسان پر مقرر کیئے ہیں انہیں ادا نہ کرنے سے عذاب الہٰی مسلط کر دیا جاتا ہے اور مکہ معظمہ جیسی مقدس جگہ میں نماز اور عبادت کے باوجود بھی رشتہ داروں کی حق تلفی کرنے والا جنّت کا حقدار نہیں ہوتا۔

اپنے جسم کی خدمت (علاج و معالجہ)

خدا تعالےٰ نے یہ جسم، یہ آنکھیں اور کان، یہ ہاتھ اور پیر سب اپنی بیش بہا نعمت کے طور پر انسان کی سپردگی میں دئے ہیں، اگر کوئی انسان خدا کی اِن نعمتوں کی حفاظت نہ کرے اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو اپنے ہاتھوں سے خراب کرے تو شریعت کی نگاہ میں وہ اپنے خدا کا مجرم قرار پاتا ہے، شریعت نے اسی لئے حکم دیا ہے کہ جب تم کا کوئی حصہ بیمار پڑے تو اس کا علاج کرو، آنکھ دُکھنے آجائے تو اس کی دوا کرو، اگر تم دوا نہ کرو گے اور آنکھیں خراب ہوجائیں گی تو گنہگار ہو گے۔ جس خدا نے بیماری دی ہے اسی خدا نے اس بیماری کے لئے دوا اور علاج کرنے کے لئے طبیب اور ڈاکٹر بھی پیدا کئے ہیں اُن سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے

شریعت نے خودکشی کرنے کو حرام کیوں قرار دیا ہے؟ اسی لئے قرار دیا ہے کہ انسان کے ذمہ جسم کی حفاظت ضروری تھی اس نے حفاظت کرنے کے بجائے اُسے ہلاک کر دیا، اس لئے یہ مجرم بن گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ان لنفسك عليك حقا وان لجسدك عليك حقا وان لعينيك عليك حقا"

روح کی خدمت! ذکر الٰہی!

انسان کا ایک جزو جسم اور دوسرا جزو روح ہے جس طرح جسم کی رکھوالی انسان کے لئے ضروری ہے اسی طرح روح کی حفاظت اور اس کی دیکھ بھال بھی انسان پر ضروری ہے۔

روح کی حفاظت ذکر الٰہی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ذکر الٰہی کی مختلف شکلیں شریعت میں مقرر کی گئی ہیں۔ نماز، روزہ، تلاوت، حج و زکوۃ، توبہ و استغفار، یہ سب باتیں روح کی حفاظت اور اس کو قوت دینے کی تدبیریں ہیں۔

پانی پلانے کی خدمت

اسلام میں پیاسے کو پانی پلانا بہت بڑی عبادت

اور نیکی ہے۔ حضور م نے ایک مثال دے کر اس نیک کام کی اہمیت ظاہر فرمائی، ارشاد فرمایا:۔

" ایک شخص نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد اُسے صرف اِسی نیک کام کی وجہ سے بخش دیا۔

(کتاب المظالم پ ۹، بخاری)

اور ایک عورت نے ایک بلی کو باندھے رکھا اور وہ پیاسی مرگئی، اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کی وجہ سے اُسے دوزخ میں ڈال دیا۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ اگر کسی پیاسے کو پانی نہ پلانے کی وجہ سے وہ پیاسا مرگیا تو اُن لوگوں سے قصاص (بدلہ) لیا جائے گا۔ جنہوں نے اُسے پانی سے محروم رکھا۔

درخت لگانا، درخت کی حفاظت کرنا

عام مخلوق کو آرام پہنچانے اور حیوانات اور انسانی ضروریات کے لئے پھل دار یا سایہ دار درخت لگانا اور کھیتی باڑی کر کے غلہ اور اناج پیدا کرنا اسلام میں نیکی اور سعادت کے کام ہیں۔

نماز اور روزہ جیسی عبادات کو ہم مسلمان جس اخلاص اور رضاءِ الٰہی کے جذبہ کے ساتھ انجام دیتے ہیں اگر زراعت اور باغبانی کے کاموں میں بھی خدمت اور رفاہِ عام کے جذبہ سے کام لیں اور صرف نفع اندوزی کو اپنا مقصد نہ قرار دیں تو ان کاموں کے ذریعہ بھی ہمارے نامۂ اعمال نیکیوں اور سعادتوں سے مالا مال ہوسکتے ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منہ انسان او طیرا او بہیمۃ الا کانت لہ صدقۃ	جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے، انسان، پرندہ یا چرندہ فائدہ اٹھاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے حساب آخرت میں میں صدقہ کا ثواب مقرر فرما دیتا ہے۔
بخاری کتاب المزارعہ پ۹	

یعنی دنیا میں کھیتی اور باغبانی کے کاموں سے مالی فائدہ تو حاصل ہوتا ہی ہے لیکن اگر ان کاموں میں خدمتِ خلق کا جذبہ بھی پیدا کر لیا جائے تو کھیت اور باغ کی محنت آخرت کی زندگی میں بھی کام آسکتی ہے۔

امام ابو داؤدؒ نے کتاب الادب میں حضرت عبداللہ ابن حبشی رضؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قطع سدرۃ صوب اللہ راسہ فی النار	جو شخص بیری کا درخت کاٹے گا خدا تعالیٰ اُسے دوزخ میں سر کے بل لٹکا دے گا۔
(ج ۲ ص ۳۶۵)	

شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن درختوں کے سایہ میں انسان اور حیوان آرام کرتے ہیں، مسافر دم لیتے ہیں انہیں کاٹ کر بندگانِ خدا کو تکلیف میں ڈالنا جہنم کی سزا کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اور جو لوگ پھل دار اور سایہ دار درخت لگاتے ہیں انسانوں اور حیوانوں کے فائدہ کا غلہ، سبزی اور ہریاولی اگاتے ہیں تو یہ کام ان کے حق میں صدقۂ جاریہ بن جاتے ہیں۔

ماں باپ کی خدمت

اسلام کی طرف سے ہر انسان پر خدمتِ خلق کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں سب سے بڑی اور سب سے پہلی ذمہ داری ماں باپ کی خدمت کرنا ہے خدا تعالیٰ نے اپنی بندگی یعنی اپنے حق کے بعد جس حق کا

حکم دیا ہے وہ ماں باپ کی خدمت کرنا ہے. فرمایا

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا	اور خدا کی بندگی کرو، اور
تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا	اس کے ساتھ کسی کو شریک
وَّبِالْوَالِدَيْنِ	نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے
اِحْسَانًا	ساتھ اچھا سلوک کرو

ایک مشہور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو اولاد اپنے ماں باپ کا بڑھاپا پائے اور اس عمر میں ان کی خدمت کا حق ادا نہ کرے، جبریلؑ نے آکر اس اولاد کے لئے لعنت کی بددعا کی اور میں نے خدا کے حکم کے مطابق اس پر آمین کہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جہاد جیسی عظیم عبادت میں شریک ہونے سے روک دیا جن کے ماں باپ اُن کی خدمت کے محتاج تھے، تاکہ ایسے لوگ تجارت اور زراعت وغیرہ میں جدوجہد کریں اور اپنے ماں باپ کی خدمت کے لئے پیسہ کما کر لائیں۔ ہاتھ پیروں سے بھی خدمت کریں اور روپے پیسے سے بھی اُن کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

بڑے بھائی کی خدمت

ماں باپ کے بعد بڑے بھائی کا درجہ ماں باپ ہی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

حق کبیرۃ الاخوۃ	بڑے بھائی کا حق
علی صغیرھم حق	چھوٹے بھائیوں پر ایسا
الوالد علی ولدہٖ	ہی ہے جیسے کہ باپ
(اخلاق محمدی اول ص۲۲۷)	کا حق اولاد پر

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع ہدایت میں فرمایا:۔

مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا	جو بڑا اپنے چھوٹوں پر
وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا	رحم نہ کرے اور جو چھوٹا
فَلَيْسَ مِنَّا	اپنے بڑوں کا ادب قائم
(ابن عباس رضؓ)	نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں ہے

اولاد اور چھوٹے بھائیوں کی خدمت

اسلام میں اگر اولاد پر ماں باپ کی خدمت کا حق فرض کیا گیا ہے تو اسی کے ساتھ ماں باپ پر بھی اولاد کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کا فرض عائد کیا گیا ہے.

ماں باپ اگر اپنی اولاد کی پرورش کے ساتھ ساتھ اُن کو اچھی اچھی تعلیم و تربیت سے محروم رکھتے ہیں تو اس کا نقصان آگے چل کر خود اُنہی کو اُٹھانا پڑتا ہے، نہ صرف ان کو بلکہ پوری سوسائٹی کو اٹھانا پڑتا ہے، اور پوری قوم چند بُرے آدمیوں کی وجہ سے پریشان ہوجاتی ہے.

قرآن حکیم نے حکم دیا۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ	لوگو! اپنی جانوں کے ساتھ
اَهْلِيْكُمْ نَارًا۔	ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی
(سورہ تحریم)	دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرو.

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی

(۱)۔ بچوں کو ادب و شائستگی سکھانا صدقہ کرنے سے بہتر نیکی ہے.

(۲)۔ اولاد کے لئے بہترین عطیہ اور بہترین دولت ”اچھی تعلیم سے انہیں آراستہ کرنا ہے“

(۳)۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان فرق نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت کا بھی لڑکوں کی تعلیم و تربیت کی طرح اہتمام کرنا چاہئے۔ ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا۔

(ابوداؤد کتاب الادب)

چوتھا خط

مسافرِ حجاز کا مکتوب

سفرِ حجاز کے میرے تاثرات و مشاہدات

سید محبوب رضوی

بلا کشانِ محبت بکوئے یار روند!

ارضِ مقدس سے لکھے ہوئے دلآویز خطوط کا یہ مجموعہ، مناسکِ حج کی تفصیلات اور حجاز کے تازہ ترین حالات پر مشتمل ہے، مکتوب نگار نے ان خطوط کے اندر حرمین شریفین کے حالات کے علاوہ مستقبل میں سعودی عرب کی دینی اور سیاسی قیادت کا گہرا جائزہ لیا ہے، اور بعض ایسے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی ہے جن پر اب تک بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ اندازِ نگارش بھی بڑا پُرکیف اور دلکش ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام بھی اس دلچسپی کو محسوس فرمائیں گے۔

(مدیر)

آج ذی الحجہ کی ۸ر تاریخ اور جمعہ کا دن ہے، آخر شب میں عازمینِ حج احرام باندھ چکے ہیں، نمازِ فجر کے بعد حجاج کے قافلے جوق در جوق منیٰ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں، ان میں پیدل چلنے والے بھی ہیں اور سواریوں پر جانے والے بھی، منیٰ کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے اگرچہ صرف تین میل ہے، مگر ٹرافک کی بے انتہا کثرت کے سبب سے منیٰ تک پہونچنے میں کئی کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں، عجیب نظر افروز منظر ہے، سب ایک ہی لباس (احرام) میں ملبوس ہیں، اور ہر ایک کی زبان پر ایک ہی طرح کے یہ الفاظ جاری ہیں:-

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ

میں حاضر ہوں! اے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں! ساری تعریفیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں، اور ساری نعمتیں تیری ہی بخشی ہوئی ہیں اور حکومت و بادشاہی صرف تیرے ہی لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے!

آج کا دن حج کی گویا تمہید ہے، اسی دن کے لئے برسوں سے دل آرزومند اور تمنائیں بے تاب تھیں، نماز جمعہ سے پہلے منیٰ پہنچ گئے، جمعہ کی نماز مسجد خیف میں ہوئی، عظیم الشان مجمع تھا منیٰ دو پہاڑوں کے درمیان ایک لمبی وادی ہے، یہاں معلمین اپنے اپنے حجاج کو ٹھیرانے کے لئے خیمے لگاتے ہیں بہت سے معلموں نے منیٰ میں مکانات بھی بنا لئے ہیں اور وہ اپنے حجاج کو انہیں مکانات میں ٹھیراتے ہیں، ہمارے معلم عبدالرزاق محبوب الصدیقی کا کیمپ منیٰ میں جبل ثبیر کے دامن میں شارع قریش کے قطعہ نمبر ۱۸ پر ہوتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ مرسلات یہیں نازل ہوئی تھی۔ اس لئے یہاں کا قیام قابل رشک ہے، یہاں کی انوار و برکات کی بارش کو یہ گنہگار بھی محسوس کرتا رہا، منعم حقیقی کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے یہ بابرکت موقع عنایت فرمایا

معلم عبدالرزاق عمر رسیدہ معلم ہیں، اکابر دیوبند معلمی کے لئے اکثر آپ ہی کا انتخاب کرتے ہیں۔ سب سے پہلے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے والد مرحوم کا انتخاب کیا تھا، یہ اُس وقت کی بات ہے جب ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ حج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

منیٰ میں سڑکوں کے جال نے اس میدان کو بیشمار قطعات میں تبدیل کر دیا ہے، سڑکوں اور قطعات پر اُن کے نام کے بورڈ لگے ہوئے ہیں، ان کی مدد سے آدمی اپنی قیام گاہ بسہولت تلاش کر سکتا ہے، معلمین اپنے کیمپ کے پتہ کا چھپا ہوا کارڈ ہر شخص کو دیدیتے ہیں، دوران حج میں اس کارڈ کا پاس رہنا بہت ضروری ہے۔ منیٰ میں قیام کے علاوہ صرف پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ۹ ذی الحجہ کو نماز فجر یہاں پڑھنا سنت ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور عمل یہاں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک بہت ہی بابرکت دن ہے اور بہت سوں کو عمر میں صرف ایک ہی مرتبہ میسر آتا ہے اسلئے جدھر دیکھئے لوگ ذکر و اذکار، تلاوت قرآن، درود، اور دعا و استغفار میں مشغول نظر آئیں گے، منیٰ میں دن کی طرح رات بھی ذکر و عبادت ہی میں گذر جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بتلا دوں کہ حج کسی ایک مخصوص عبادت کا نام نہیں ہے، بلکہ حج متعدد اعمال اور نقل و حرکت کے مجموعے سے عبارت ہے جس میں احرام، منیٰ کا قیام وقوف عرفات، رمی جمرات، قربانی، طواف زیارت اور صفا و مروہ کے درمیان سعی شامل ہیں، یہ سب عمل الگ الگ مقامات سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں کچھ فرض ہیں کچھ واجب اور کچھ سنت ہیں، حج ان سب امور کی بجا آوری کا نام ہے، گویا حج ایک مسلسل سفر اور حرکت ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ ۸ ذی الحجہ کو منیٰ جانا ہوتا ہے اور ۹ کی صبح کو عرفات وہاں سے شام کو مزدلفہ، پھر ۱۰ کی صبح کو منیٰ اور اسی دن طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ اور شام کو پھر منیٰ میں واپسی ہوتی ہے اور ۱۲ یا ۱۳ کو منیٰ سے مکہ مکرمہ واپس آنا ہوتا ہے۔

اوائل ذی الحجہ میں محترم مولانا حامد الانصاری صاحب غازی (مع اہلیہ) اور دیوبند کے خانصاحب شیخ معصوم نبی صاحب (مع اہلیہ) کا ساتھ ہو گیا تھا، حاجی عبدالرحمٰن (مع اہلیہ) پہلے سے ساتھ تھے، مناسک حج کے دوران سب ساتھ ہی رہے، غازی صاحب کی معیت بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی۔

۹ کی صبح کو منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہوئے منیٰ سے عرفات کا فاصلہ تقریباً ۶ میل ہے یہ ایک وسیع و عریض صحرا ہے، جبل رحمت اسی میدان میں واقع ہے عرفات کے معنی پہچاننے کے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا زمین پر آنے کے بعد اسی صحرا میں جبل رحمت

کے نزدیک ایک دوسرے سے ملے تھے، ان کی یادگار کے طور پر جبل رحمت کے اوپر دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی ہیں، یہیں حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تاریخی خطبہ دیا تھا جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے، عرفات کا یہ دن بے شمار رحمتوں اور عظیم محدود نعمتوں کا دن ہے، اسی مبارک دن میں اسلام مکمل ہوا یہیں قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ
اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور
تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے
اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کیا۔!

عرفات میں آج پچیس تیس لاکھ کے قریب مجمع ہے جدھر دیکھئے حجاج ہی حجاج نظر آتے ہیں، ہر ایک کی زبان پر "لبیک لبیک" کی صدائیں جاری ہیں، اللہ اکبر! انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیوانہ وار لبیک لبیک پکارتا ہوا قربان ہوا جا رہا ہے۔ امیر و غریب، شاہ و گدا سب ایک ہی لباس (احرام) میں ملبوس ہیں، شاہ فیصل بھی احرام باندھے ہوئے انتظام میں مصروف ہیں، اور ادھر سے ادھر گشت لگا رہے ہیں میں سوچ رہا تھا کہ اتنا عظیم اجتماع کسی دوسری جگہ بھی ہو سکتا ہے، مگر اس اجتماع کی دو ظاہری خصوصیتیں ایسی ہیں جن کی مثال دوسری جگہ نہیں ملے گی، ایک یہ کہ مختلف براعظموں کے ہر رنگ و نسل کے ۹۰ ملکوں کے افراد کا یہ عالمی اجتماع ہے، اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ان کا لباس ایک ہے، وہیں ان سب کا نقطۂ نظر بھی ایک ہی ہے اور سب کی زبانوں پر "لبیک" کی ایک ہی صدا جاری ہے

؎ محو ہے گوش کائنات، گونج رہے ہیں شش جہات
جیسے لب بلال پر، صبح کو نغمۂ اذان

اخوت و مساوات انسانی کا یہ عظیم عالمی اجتماع آپ ہی اپنی مثال ہے۔

؎ بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

اور اسی کے ساتھ ساتھ:

؎ فکر و خیال ہم عناں، قول و عمل میں یک زباں
اب کوئی فاصلہ نہیں، قلب و نظر کے درمیاں

عرفات میں نماز ظہر سے پہلے شاہ فیصل نے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں حج کی اہمیت کے علاوہ عالم اسلام کو درپیش مسائل کا بڑے مؤثر انداز میں ذکر کیا، خطبے کے آخر میں شاہ نے صیہونیت کے خطرات سے عالم اسلام کے حجاج کو آگاہ کیا اور اسرائیل سے عرب ملکوں کو جو دینی، سیاسی اور تہذیبی نقصان پہونچا ہے اس کی تفصیل بیان کی۔

تقریر کے دوران میں سوچ رہا تھا کہ حج کے اس عظیم الشان عالمی اجتماع نے کس طرح بتدریج انفرادیت سے اجتماعیت کی شکل اختیار کی ہے،

میں جب دیوبند سے روانہ ہوا تو شمالی ہندوستان سے ٹرین میں، میں تھا اور اہلیہ تھیں، دہلی پہونچنے پر ہندوستان کے مشرقی مقامات سے آنے والے حجاج کے ساتھ ہو جانے سے ایک چھوٹا سا قافلہ بن گیا، پھر بمبئی میں صابو صدیق مسافر خانہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے عازمین حج کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے پورے ملک کا ایک نمائندہ اجتماع بن گیا، بعد ازاں جدہ کے مدینۃ الحجاج میں ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا اور تھائی لینڈ کے حجاج کے شامل ہو جانے پر اس اجتماع کا دائرہ اور بھی زیادہ وسیع ہو گیا، آخر میں مکہ مکرمہ حاضر ہو کر دیکھا تو دنیا کے مختلف براعظموں سے آئے ہوئے ۹۰ ملکوں کے پچیس تیس لاکھ حجاج کا اجتماع تھا۔

میں نے سوچا کہ انفرادیت سے اس عظیم اجتماعیت

کی جانب لے جانے والا یہ عظیم الشان دینی اجتماع اپنی لاتعداد دینی و روحانی برکتوں کے علاوہ، ملی و سیاسی نقطۂ نظر سے بھی کتنی زبردست افادیت اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس سالانہ عظیم اجتماع کے ذریعہ سے بڑی سہولت اور آسانی کے ساتھ بہترین دنیوی اور سیاسی فوائد بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں جن کی مدد سے مسلمانوں کی بہت سی سیاسی اور اقتصادی اور دوسرے نوع کی مشکلات کا حل نکالا جا سکتا ہے،

بعد میں یہ معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی کہ سعودی حکومت رابطۂ عالم اسلامی کے ذریعہ سے اس کی داغ بیل ڈال چکی ہے، خدا کرے کہ مسلمانوں میں حج کے دینی جذبے اور شعور کے ساتھ ساتھ رابطۂ عالم اسلامی کی یہ تحریک عالم اسلام کے مسلمانوں میں ان کی دنیوی فلاح و بہبود کے شعور کو بیدار کر کے مفید نتائج برآمد کرنے میں کامیاب ہو سکے، اور جس طرح حجاج کرام، حج کی دینی اور روحانی برکتوں سے مالامال ہو کر لوٹتے ہیں، اسی طرح دنیوی فوائد سے بھی اُن کے دامن بھرے ہوئے ہوں، یہاں یہ واضح رہے کہ دنیوی فوائد سے مراد ہرگز وہ سامان نہیں ہے جو عام طور پر حجاج مکہ مکرمہ سے خرید کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، بلکہ میری مراد ملی فوائد ہیں، اس طرح سے حج کو دنیائے اسلام کے مسلمانوں کے لئے دینی و دنیوی فوائد کا جامع بنایا جا سکتا ہے، اور خود منشائے خداوندی بھی یہی ہے جس کو بدقسمتی سے ہم نے بھلا دیا ہے، کاش! ہم اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنے کے قابل ہو سکیں۔!

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!

آپ کہیں گے کہ یہ کیا بحث چھیڑ دی آپ نے — جی ہاں! یہ جملہ معترضہ کافی طویل ہو گیا، بات تو عرفات کی ہو رہی تھی اب پھر وہیں آتا ہوں۔

"وقوف عرفات" حج کا ایک اہم رکن ہے، یہ اگر چھوٹ جائے تو حج نہیں ہوگا، وقوف کا وقت ۹ ذی الحجہ کو زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور ۱۰ ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے، مگر یہاں سے غروب آفتاب کے بعد عموماً روانگی ہو جاتی ہے، یہاں بھی منیٰ کی طرح معلمین کی جانب سے حجاج کے لئے خیمے لگائے جاتے ہیں، اور حد نظر تک خیمے ہی خیمے نظر آتے ہیں، اس مبارک دن کے لئے یہاں قیام کے علاوہ اور کوئی عمل لازمی نہیں ہے، یہ تو بے پایاں رحمتوں اور نوازشوں کا دن ہے، کیا معلوم، عمر میں پھر میسر آئے یا نہ آئے اس لئے ہر شخص جتنا اُس سے بن پڑ رہا ہے ذکر و اذکار اور دعا و استغفار اور تلبیہ پڑھنے میں مشغول ہے، عجب نظر افروز اور روح پرور منظر ہے کہ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے، عرفات کا یہ صحرا درحقیقت انوار ربانی اور برکات یزدانی کا خزینہ ہے۔

ے نازش انتخاب ہے اس کی نگاہ انتخاب
شامِ حرم کو چن لیا جس نے برائے آشیاں

مقررہ قاعدہ کے مطابق عرفات سے مغرب کے فوراً بعد چلنا چاہئے تھا، مگر اس سال اژدہام اتنا زیادہ ہے کہ مغرب کے کئی گھنٹے بعد تک سڑکیں وقوف عرفات کے لئے آنے والوں سے خالی نہیں ہو سکیں، اس لئے مغرب کے تین گھنٹے کے بعد مزدلفہ کے لئے روانگی ہو سکی، راستے میں وادیٔ محسّر سے گزرنا ہوا، یہ وہی وادی ہے جہاں یمن کے بادشاہ کو اُس کے لشکر سمیت عذاب خداوندی نے تباہ اور ہلاک کر دیا تھا، سورۂ فیل میں یہ واقعہ مذکور ہے، یہاں تیزی سے گزرنا پڑتا ہے۔

نصف شب کے بعد مزدلفہ پہنچے، وہاں پہنچ کر سب سے پہلے مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں۔

یہاں مغرب کی نماز کے لئے یہی حکم ہے کہ عرفات کے بجائے منیٰ میں پڑھی جائے اور ادا نماز کی نیت

سے پڑھی جائے۔ مزدلفہ میں خیمہ وغیرہ کچھ نہیں ہوتا اس لئے کھلی زمین پر بستر بچھائے گئے، بستر کے بجائے اگر مصلّٰی کہا جائے تو حقیقت سے زیادہ قریب ہوگا، یہ بھی بڑی بابرکت رات ہے اس لئے عام طور پر تلاوت قرآن مجید، درود اور دعاء و استغفار میں گذر جاتی ہے، البتہ اسی درمیان میں ایک کام یہ کرنا ہوتا ہے کہ اگلے دنوں میں رمی جمرات کے لئے یہیں سے کنکریاں چُنی جاتی ہیں، یہ بھی بڑا دل کش منظر ہوتا ہے، جدھر دیکھئے لوگ ٹارچ کی روشنی میں کنکریاں چنتے ہوئے نظر آئیں گے۔ مزدلفہ سے فجر کی نماز کے بعد منیٰ کے لئے واپسی ہوئی، منیٰ کا فاصلہ اگرچہ صرف تین میل ہے مگر ہجوم کی کثرت کے سبب سے ظہر کے وقت منیٰ پہونچنا ہوا۔

آج ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے، سب سے پہلے جمرۂ عقبہ پر رمی کرنی ہے، رمی کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑی اور بہت دیر کے بعد اس کا موقع مل سکا، مگر رمی کے بعد قربانی کا وقت نہیں رہا تھا، اس لئے قربانی کو اگلے دن کے لئے اُٹھا رکھا، رمی کے دوران لوگوں پر جو کیفیت طاری تھی، الفاظ میں اس کا بیان کرنا مشکل ہے اس وقت لوگوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ گویا کنکریاں مار مار کر ستون ہی کو گرا دینا چاہتے ہیں۔

۱۱ کو نماز فجر اور ناشتے سے فارغ ہو کر مولانا میاں خلیل حسین صاحب دیوبندی کی راہ نمائی میں قربانی کا قصد کیا۔ بمقام ہمیں غازی صاحب، الحاج معصوم نبی صاحب، حاجی عبدالرحمٰن صاحب، اور کچھ دوسرے دیوبندی حضرات بھی شامل تھے۔ ہم لوگوں نے مل کر ۱۸ مینڈھے ۱۴۰ ریال فی راس کے حساب سے خریدے اور خود ہی ذبح کئے۔

قربان گاہ کے متعلق بعض لوگوں سے بڑی ہمت شکن باتیں سُنی تھیں، اس لئے طبیعت پریشان تھی کہ یا اللہ! کیا ہوگا؟ مگر مجھے تو وہاں کوئی ایسی پریشان کُن بات نظر نہیں آئی، جانوروں کی خریداری مولانا میاں خلیل حسین صاحب کی قیادت میں بڑی آسانی سے طے ہوگئی، ذبح کرنے والوں سے چھُری بغیر کسی تلاش کے مل گئی، ایک ریال فی راس چھری کی اُجرت ہوتی ہے، دو مینڈھوں کی رانیں کھانے کے لئے نکلوائیں، سُنا تھا کہ یہاں مذبوحہ جانوروں کو یوں ہی کھتّوں میں ڈال دیا جاتا ہے، مگر میں نے تو یہ دیکھا کہ ہمارے مینڈھے ذبح ہوتے ہی مقامی بدّو ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر لے گئے،

مذکورہ رانیں بھی غازی صاحب کی کمال توجہ اور چابک دستی سے ہاتھ آگئیں، ورنہ لوگ تو ذبح ہونے سے پہلے ہی اُٹھا لے جانے کے منتظر کھڑے تھے۔

قربانی سے فارغ ہو کر کسی نے سر کے بال منڈوائے اور کسی نے کتروائے، اب احرام اتار دیا گیا اور حسبِ معمول کپڑے پہن لئے گئے،

الحمد للہ! اتنے بڑے اجتماع میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا، یہ حقیقت ہے کہ سعودی حکومت کے انتظامات بڑے ہی قابل تعریف ہیں، چوری، ڈکیتی رہزنی، قتل و غارت گری اور جنسی جرائم کی وارداتیں یہاں یا تو ہوتی ہی نہیں، یا پھر اس قدر کم ہیں کہ انہیں نہ ہونے کے برابر سمجھنا چاہیئے، اشیاء خورد و نوش عمدہ اور خالص دستیاب ہوتی ہیں اُن میں ملاوٹ کا نام و نشان نہیں ہے۔ اگرچہ اس سال حجّاج کا مجمع سعودی حکومت کے اندازہ سے بہت زیادہ تھا، کاروں اور بسوں کی بے انتہا کثرت تھی، مگر اس کے باوجود ٹرافک کا کوئی حادثہ دیکھنے یا سننے میں نہیں آیا،

انتظامات کی اس قابل تعریف خوبی کے ساتھ ساتھ یہاں مخرّبِ اخلاق چیزیں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سینماؤں، تھیٹروں، ناچ گھروں، قحبہ خانوں اور شراب خانوں کی لعنتوں سے بھی یہ ملک بحمداللہ اب

کمک پاک ہے۔

منیٰ کا یہ میدان اپنی ایک قدیم تاریخ رکھتا ہے، یہی وہ میدان ہے جس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے پیش کیا تھا، قرآن مجید نے اس زہرہ گداز واقعہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ
اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى

ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا "جانِ پدر! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔؟

سعادت مند نوجوان فرزند رشید نے بلاتأمل عرض کیا۔

يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

"اباجان! آپ کو جو حکم ملا ہے، آپ بلا تأمل اس کی تعمیل کیجئے! انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے!!

چنانچہ دونوں باپ بیٹے حکم خداوندی کی تعمیل و بجا آوری کے لئے تیار اور مستعد ہو گئے۔ باپ نے بیٹے کے ہاتھ پیر باندھے، چھری تیز کی اور بیٹے کو خدا کے راستے میں قربان کرنے لگے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ

غرضیکہ دونوں نے خدا کے حکم کو تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے کروٹ کے بل لٹا دیا۔

اللہ اکبر! کیسا عجیب منظر تھا کہ بوڑھے باپ کا وہی فرزند جو بڑی بڑی تمناؤں کے بعد بڑھاپے میں اُن کو نصیب ہوا تھا خدا کی راہ میں خود اپنے ہاتھ سے ادنیٰ تردد کے بغیر قربان کیا جا رہا ہے، چشمِ فلک نے فداکاری و جاں سپاری کا ایسا جانگداز منظر کب دیکھا تھا،! باپ کی چھری نے فرماں بردار بیٹے کے نرم و نازک حلقوم کو ابھی چھوا ہی تھا کہ اچانک انبیاء پر وحی لانے والا برگزیدہ فرشتہ جبرئیل خدا تعالٰی کا یہ حکم لے کر پہونچا۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ
الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا
الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ
عَظِيْمٍ "

"اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں حقیقت میں یہ بڑا امتحان تھا! اور ہم نے اس کے عوض میں تمہیں ذبح کے لئے مینڈھا دیا"

سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا یہ انداز تسلیم و رضا اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں ایسا مقبول ہوا کہ ہمیشہ کے لئے بطور یادگار ملتِ ابراہیم کا شعار قرار پایا، یہ قربانی اسی فداکاری و جاں سپاری کی یادگار ہے۔

کل پہلے دن صرف جمرۂ عقبیٰ یعنی بڑے شیطان کو کنکریاں ماری گئی تھیں۔ آج کے بعد دیگرے تینوں کی رمی کی گئی جمرۂ عقبیٰ منیٰ میں مکہ مکرمہ کی جانب ہے، تینوں جمرات پر چھوٹے چھوٹے علامتی ستون بنے ہوئے ہیں، جمرۂ عقبیٰ کا ستون بقیہ دونوں سے کسی قدر بلند ہے۔ یہ بڑا شیطان "کہلاتا ہے" انہی ستونوں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں، رمی کے وقت لوگوں کے جوش و خروش کا عجیب عالم ہوتا ہے، گویا ساری عمر میں شیطان پر قابو پانے اور اسکو سزا دینے کا آج ہی موقع ملا ہے، بہت سے من چلے کنکریاں مارنے کے بعد پیروں ہی سے چپلیں نکال کر اسے تواضع کرتے ہیں اور پھر چپلوں کو وہیں پڑا ہوا چھوڑ آتے ہیں......

اَوْقَافْ

اَوْر اُنْ کا تحفظ !

از مولانا محمد ظفیر الدین صاحب۔ دارالعلوم دیوبند

یہ مقالہ ایک سیمنار کے لئے لکھا گیا تھا، مگر اس کا انعقاد عمل میں نہیں آسکا۔ اب اسے رسالہ دارالعلوم میں شائع کیا جارہا ہے۔

"(ادارہ)"

انسانوں کی خدمت اور اُن کی مدد ایک کارخیر ہے، خواہ اپنے متعلقین کی ہو یا غیر کی، اور اُن کے لئے نفع رسانی کی سعی وکاوش لائق تحسین و تبریک ہے، خدمت اور نفع رسانی جان سے بھی ہوتی ہے اور مال سے بھی، کبھی فوری ہوتی ہے اور کبھی مستقل، اور کبھی دوامی طور پر جو کبھی ختم نہیں ہوتی آدمی اپنی زندگی میں کچھ ایسے کام کر جاتا ہے جو اس کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اور عام لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

امداد وتعاون اور حسن سلوک کے مختلف طریقے ہیں جنکے ذریعہ ایک دوسرے انسان کی، ایک خاندان دوسرے خاندان کی، اور ایک سرمایہ دار دوسرے سیکڑوں غریبوں، مسکینوں اور مجبوروں کی امداد کرتا ہے۔

عقل انسانی اس طرح کی خدمت واعانت کو سراہتی ہے اور مذاہب عالم نے اس کی ترغیب دی ہے، بالخصوص اسلام نے اس طرح کے کاموں کی بڑی فضیلت بیان کی ہے، تاکہ انسانیت زندہ رہے اور انسانی اعمال و اخلاق کو پاکیزگی حاصل ہو،

اسلام کا قانون افراط وتفریط سے پاک ہے اور اس کے خمیر میں اعتدال ہے، نہ وہ انسانوں کو کاہل و اُکتایا ہوا، اور محنت وجفاکشی سے گریزاں رکھنا چاہتا ہے اور نہ دوسروں کے سہارے زندگی گذارنے کو ایک لمحہ کے لئے پسند کرتا ہے، اور نہ واقعی مجبوروں، مفلسوں، تیموں، بیواؤں اور مستحق امداد لوگوں کو نظر انداز کرتا ہے، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ کتاب وسنت میں کمانے، محنت کرنے اور اپنے بازو کی قوت سے زندگی گذارنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور دینے والے ہاتھ کو لینے والے ہاتھ سے بہتر قرار دیا گیا ہے؛ اور اسی کے ساتھ اُنھوں نے مستحقین کی امداد کو ضروری قرار دیا ہے

خدیہ ہے کہ جولوگ یتیموں کو فراموش کر جاتے ہیں
ر مسکینوں کی دستگیری پر لوگوں کو نہیں اُبھارتے ہیں،
ن کو دین کا جھٹلانے والا قرار دیا گیا ہے۔

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ (ماعون)	کیا تو نے اس کو دیکھا جو یوم الحساب کو جھٹلاتا ہے، سو وہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاجوں کے کھانے کے لئے نہیں اُبھارتا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

اسلام ـــ اُن لوگوں پر زکوۃ ..... کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے جو سال بھر کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے بعد ساڑھے باون تولہ چاندی یا اُس کی قیمت کے یا ساڑھے سات تولہ سونے کے مالک باقی رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف حقوق کی اسلام میں نشاندہی کی گئی ہے، چنانچہ صدقات نافلہ کی ترغیب وصیت وہبہ کی اجازت، اور ہدیہ، تحفہ کا رواج یہ سب دراصل امداد و تعاون باہمی جیسے پاکیزہ جذبات کی ہی پرورش کی سعی ہے۔

انہی جبرعات، تعاون باہمی اور امداد کی ایک علامہ شکل وہ ہے جس کو اصطلاح شریعت میں "وقف" کے نام سے یاد کرتے ہیں جس میں اصل پونجی محفوظ رہتی ہے اور اس کی آمدنی و نفع اُن لوگوں اور اُن چیزوں کی حفاظت و مدد پر خرچ ہوتی ہے، جن لوگوں یا جن چیزوں پر یہ شے وقف ہوتی ہے،

لغت میں وقف روک رکھنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں وقف نام ہے کسی آزاد مکلف انسان کا اپنی جائداد کا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنی ملک سے قطعی طور پر نکالدینا اور ٹھکانا اُسے رب العالمین کی ملک قرار دیکر دائمی طور پر محفوظ کردینا، اور اس کے منافع اور آمدنی و پیداوار کا اُن متعین یا غیر متعین افراد و خاندان یا عام ضرورتمندوں یا راہ عام سے متعلق اشیاء اور ادارہ پر صدقہ کردینا، جس کو وہ پسند کرے خواہ وہ محتاج ہوں یا نہ ہوں،

حبس العین علی حکم ملك اللہ
تعالیٰ وصرف منفعتها علی من
احب ولو غنیا فیلزم ولا یجوز
ابطاله ولا یورث عنه وعلیه
الفتویٰ

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار کتاب الوقف ج ۳ ص ۴۹۵)

اللہ تعالیٰ کی ملک کے حکم میں عین شے کا روک رکھنا اور اُس کے منافع کا ان لوگوں پر خرچ کرنا جنکو وہ پسند کرے۔ گو وہ غنی ہوں، واقف کی ملک سے نکلنے کے بعد وہ لازم ہوجاتا ہے اور اسکا باطل کرنا درست نہیں ہوتا ہے، اور نہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:۔

ان المراد انه لم یبق علی ملك الواقف ولا انتقل الی ملك غیرہ بل صار علی حکم ملك اللہ تعالیٰ الذی لا ملك فیه لاحد سواہ فانکل ملك اللہ تعالیٰ (ایضاً)	مراد یہ ہے کہ وہ شے واقف کی ملک میں باقی نہیں رہتی اور نہ وہ اس کے غیر کی ملک میں منتقل ہوتی ہے بلکہ وہ حکماً اللہ کی ملک ہوجاتی ہے اس میں کسی اور کی ملکیت نہیں رہتی، کل کی کل اُسی کی ملک ہے۔

منشا یہ ہے کہ اشیاء موقوفہ قائم ودائم رہیں صرف اس کی پیداوار، منافع اور آمدنی خرچ ہو، ایک طرف اگر اسکا ثواب وقف کرنے والوں کو برابر پہونچتا رہے تو دوسری طرف مساکین وفقراء اور دوسرے ان لوگوں کی امداد ہوتی رہے جن پر وقف کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں اس وقف کی ابتداء کب ہوئی یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے، اسلامی تعلیمات کی چھان بین سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھوائی تھی جو سب سے پہلے انسان تھے، اور بعد کی ساری کائنات انسانی کے جد امجد،

قرآن مقدس نے جہاں دنیا کے پہلے گھر کعبۃ اللہ کا تذکرہ کیا ہے وہاں الفاظ ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس کے لئے بنایا گیا تھا، ارشاد ربانی ہے

ان اول بیت وضع للناس للذی
ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین
(آل عمران)

طوفان نوح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اس کی دوبارہ تعمیر کی تو اس کے بعد بھی اس کی یہی حیثیت باقی رہی اور رب العزت نے اُسے مرجع خلائق اور گہوارۂ امن قرار دیا۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ
اَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ
مُصَلًّى وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ
وَاِسْمَاعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ
وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ
(سورۂ البقرہ)

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے واسطے اجتماع اور امن کی جگہ مقرر کیا اور ابراہیم ؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بنالو، ابراہیم واسماعیل کو ہم نے حکم کیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں، رکوع وسجدے کرنے والوں کے لئے پاک کر رکھو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تاریخوں میں ملتا ہے کہ آپ نے اپنے دور میں بہت سی اشیاء وقف کی تھیں۔ بقول مورخین جو اب تک موجود ہیں، اور عوام وخواص اس سے مستفید ہو رہے ہیں

وخلیل الرحمان وقف اوقافاً باقیۃ
الی الآن (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ج۲ ص۵۲۵)

حضرت خلیل اللہ ؑ نے بہت سے اوقاف وقف کئے جو اب تک باقی ہیں۔

بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ باضابطہ پہلا وقف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی فرمایا تھا۔

اولھا وقف الخلیل صلوات اللہ علیہ وسلامہ

سب سے پہلا وقف حضرت ابراہیم خلیل اللہ ؑ نے فرمایا

یہ تو مسلم ہے کہ روئے زمین پر جتنی مسجدیں تھیں وہ سب وقف ہی کے حکم میں تھیں، اور ہیں، بیت المقدس یعنی مسجد اقصےٰ بھی انہی میں داخل ہے یہ مسجد حرام کے بعد دنیا کی دوسری مسجد ہے۔

یہ تو عہد نبوی سے بہت پہلے کی باتیں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل پہلے زمانہ جاہلیت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقف کا نام ونشان مٹ چکا تھا، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اُسے پھر زندہ کیا اور اپنے عہد رسالت میں اس کی اہمیت جتائی، اور صحابہ کرام رض کو وقف کرنے کی ترغیب دی، چنانچہ بکثرت صحابہ کرام اور انکے بعد تابعین اور پھر بعد والوں نے اس پر عمل کیا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہا، جہاں مسلمان بستے ہوں اور وقف موجود نہ ہو،

علامہ طحطاوی رح لکھتے ہیں :-

قال الامام الشافعی لم یحبس اہل الجاہلیۃ وانما حبس اہل الاسلام (الطحطاوی علی الدر ج۲ ص۵۲۸)

امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت نے کوئی وقف نہیں کیا وقف تو بس صرف اہل اسلام نے کیا ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں کہ زمین و جائداد کا وقف اسلام کی خصوصیات میں سے ہے ۔

اشار الشافعی الیٰ ان الوقف من خصائص الاسلام، ای وقف الاراضی والعقار، قال ولا نعرف ان ذالک وقع فی الجاہلیۃ (فتح الباری ج۵ ص۳۰۲)

امام شافعی رح نے اسطرف اشارہ کیا ہے کہ وقف اسلام کی خصوصیات میں سے ہے یعنی زمین و جائداد کا وقف زمانہ جاہلیت میں ہمیں نہیں معلوم کہ کسی نے کیا ہو ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کئی باغ وقف فرمائے تھے ، علامہ طحطاویؒ نے کتاب الوقف میں لکھا ہے

وثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدق بسبع حوائط فی المدینۃ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ج۲ ص۵۲۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ میں سات باغات وقف فرمائے ۔

علامہ واقدی رح نے اپنے مغازی میں لکھا ہے ۳ کہ اسلام میں سب سے پہلا وقف مخیریق کی زمین تھی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف کیا تھا :

ان اول صدقۃ موقوفۃ کانت فی الاسلام اراضی مخیریق التی أوصیٰ بہا النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فوقفہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم (فتح الباری ج۵ ص۳۰۲)

اور بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کو اسلام کا پہلا وقف قرار دیا ہے ، اس کی تفصیل یہ ہے کہ فاروق اعظم رض خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک بہت نفیس جائداد حاصل ہوئی ہے ، اس سے بہتر اب تک کوئی زمین مجھے نہیں ملی تھی ، آپ فرمائیں کہ میں اُسے کیا کروں ، میرا ارادہ اس کے صدقہ کردینے کا ہے ، یہ سنکر آپ نے فرمایا :-

تصدق باصلہ لا یباع ولا یوہب ولا یورث ولکن ینفق ثمرہ (بخاری ج۱ ص۳۸۷)

اسکو اس شرط کے ساتھ صدقہ کردو کہ وہ نہ بیچی جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اُس میں وراثت جاری کی جائے بلکہ صرف اسکی پیداوار خرچ کی جائے اور اصل باقی رہے

چنانچہ حضرت عمر رض نے اس باغ کو یہ کہکر وقف فرمادیا کہ اس کی پیداوار فقراء ، قرابت دار ، مسافر ، غلاموں کی آزادی ، جہاد ، اور مہمانوں کی مہمان نوازی پر خرچ کی جائے اور جو اس کا منتظم ہے وہ بھی مناسب مقدار پر بقدر ضرورت کھا سکتا ہے ، اور دوسرے عزیزوں کو بھی کھلا سکتا ہے ۔

فتصدق بہا عمر علی انہ لا یباع ولا یوہب ولا یورث وتصدق بہا فی الفقراء وفی القربیٰ وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف ولا جناح علی من

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شرط کے ساتھ اس زمین کو صدقہ کر دیا کہ نہ وہ فروخت کی جائے گی ، نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ کسی وارث کو وراثت میں دی جائے گی ، اس کی آمدنی فقراء ، رشتہ داروں ، غلاموں کی آزادی ، جہاد ،

ولیھا ان یاکل منھا بالمعروف ویطعم غیر متمول

مسافروں اور مہمانوں پر خرچ کیا جائے۔ اور متولی اگر دستور کے مطابق خود کھائے اور اس طرح استعمال کرے کہ ذخیرہ اندوزی نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس وقف کے متعلق فاروق اعظم رضؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کا بیان ہے کہ وہ ایک کھجور کا باغ تھا جسکا نام ثمغ تھا۔

ان عمر تصدق بمال لہ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقال لہ ثمغ وکان نخلا (فتح الباری ج۵ ص۳۰۱)

حضرت عمرؓ نے اپنا وہ مال عہد نبوی میں وقف کردیا جسے ثمغ کہا جاتا تھا اور وہ کھجور کا ایک باغ تھا۔

اسی کے متعلق نافع حضرت عبداللہ ابن عمر رضؓ کے حوالہ سے کہتے ہیں اسلام میں یہ پہلا وقف تھا؛

عن نافع عن ابن عمر قال اول صدقۃ موقوفۃ کانت فی الاسلام (ایضاً)

یہ اسلام میں پہلا وقف شدہ صدقہ تھا۔

اور کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ میں سب سے پہلا وقف یہی تھا، اور یہیں سے عام مسلمانوں میں وقف کا سلسلہ شروع ہوا، اور اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے۔

وحدیث عمر ھذا اصل فی مشروعیۃ الوقف (ایضاً)

وقف کی مشروعیت میں حضرت عمر رضؓ کی یہ حدیث بڑا ماخذ ہے۔

کتب حدیث میں مختلف صحابہ کرام کے وقف کا تذکرہ آیا ہے جیسے حضرت انس رضؓ حضرت زبیر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، حضرت ابوطلحہ رضؓ اور دوسرے صحابہ کرام، امام بخاریؒ نے کتاب الوصایا میں مختلف ابواب وقف سے متعلق قائم کرکے حدیثیں نقل کی ہیں تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے، علامہ طحطاوی رحؒ نے لکھا ہے۔

وقد وقف الخلفاء الراشدون وغیرھم من الصحابۃ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ج۲ ص۵۲۸)

خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام نے وقف کیا۔

ابن حجر عسقلانی رحؒ لکھتے ہیں۔

قال الشافعی لم یزل العدد الکثیر من الصحابۃ فمن بعدھم یلون اوقافھم نقل ذلک الالوف عن الالوف لا یختلفون فیہ (فتح الباری ج۵ ص۳۰۲)

"امام شافعی رحؒ کا بیان ہے کہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد، پھر ان کے بعد والے بھی اوقاف کا انتظام کرتے رہے اور یہ نقل ہزار در ہزار سے ....، دوسرے ہزاروں تک پہونچی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام ترمذی رحؒ نے بھی لکھا ہے کہ وقف کے باب میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے اور تمام علماء کا عمل بھی، متقدمین میں کہیں کسی کا اختلاف نظر نہیں آیا،

والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم ولا نعلم بین المتقدمین منھم فی ذلک اختلافا فی اجازۃ وقف الارضین وغیر ذلک (ترمذی باب ما جاء فی الوقف ج۱ ص۱۶۱)

اہلِ علم کے نزدیک صحابہ کرام سے لے کر اب تک اسی پر عمل ہے۔ اور متقدمین کے نزدیک زمین وغیرہ کے وقف کے جائز ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ شوکانی رح لکھتے ہیں:۔

قد ذھب الی جواز الوقف ولزومہ جمھور العلماء (نیل الاوطار ج ۵ ص ۲۱۲)

"جمہور علماء وقف کے جائز اور پھر لازم ہونے کی طرف گئے ہیں۔"

وقف کی اہمیت کے سلسلے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ زمین و جائداد بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اُسے راہ خدا میں وقف کر دیا جائے۔

وقف الضیعۃ اولیٰ من بیعھا والتصدق بثمنھا۔ (بحر ج ۵ ص ۲۰۷)

زمین بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کرنے سے بہتر اسکا وقف کر دینا ہے کہ شے باقی رہے اور نفع سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

"معاشی تعاون وامداد باہمی کی ہی جنس سے وقف بھی ہے جس سے اہل جاہلیت ناآشنا تھے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اُن مصالح کیوجہ سے اُسے نکال کر سامنے لائے جو دوسرے صدقات میں نہیں پائے جاتے تھے، کیونکہ انسان بسا اوقات بہت ساری دولت راہ خدا میں صرف کر ڈالتا ہے۔ مگر وہ باقی نہیں رہتی فنا کے گھاٹ اُتر جاتی ہے، جس کے نتیجے میں فقراء ومساکین پھر دست نگر بن جاتے ہیں، اور دوسرے فقراء و مساکین جو انکے بعد آتے ہیں وہ بالکل محروم رہ جاتے ہیں لہٰذا اس بات سے زیادہ بہتر اور زیادہ نفع بخش عامۃ الناس کے لئے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ کوئی چیز فقراء و مساکین اور مسافروں پر وقف کر دی جائے تاکہ اس کے منافع اُن پر خرچ ہوں اور اصل ذریعہ آمدنی جوں کی توں باقی اور محفوظ رہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

عقلاً بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف نادار اور مستحق ضرورت مندوں کے لئے ایک ایسا ذریعہ آمدنی ہے جو ابدالآباد تک محفوظ رہنے والا ہے، کیونکہ یہ تو صرف اس کی پیداوار اور آمدنی سے ہی پرورش پاتے اور زندگی گذارتے ہیں، دوسرے صدقات اور عطیات کی طرح موقوف علیہم کو نہ اس موقوفہ شے کے بیچنے کا اختیار ہے، نہ رہن رکھنے کا، نہ میراث میں دینے لینے کا اور نہ باہم تقسیم کرنے اور ہبہ کرنے کا، کیونکہ وقفی جائداد میں بندوں کے لئے اس طرح کا کوئی اختیار باقی نہیں رکھا گیا ہے، نہ واقف کے لئے اور نہ منتظم ومتولی کے لئے اور نہ حکومت اور اسکے مقرر کردہ افسر اعلیٰ کے لئے بلکہ یہ ایک محفوظ ذریعہ آمدنی کی حیثیت رکھتا ہے، اگر کچھ اختیار ہے تو شرائط واقف کے مطابق اس کی آمدنی اور پیداوار کے سلسلہ میں اور اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کے سلسلے میں، بلکہ حکومت کے ذمہ داروں کا فرض ہے کہ اگر اوقاف پر کوئی سخت وقت آجائے تو اُس کی حفاظت کا اپنے ذریعہ انتظام کریں۔

یہی وجہ ہے کہ وقف کی آخری جہت ایسی ہوتی ہے جو کبھی منقطع نہ ہو۔ اور اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں فی الجملہ کار خیر کی شان پائی جائے خواہ کسی پر اور کسی کے لئے بھی وقف کیا گیا ہو، اپنے لئے ہو، اولاد کے لئے ہو یا کسی مخصوص کام کے لئے، یا فقراء و مساکین کے لئے۔

والتصدق بالمنفعۃ و لو فی الجملۃ فیدخل فیہ الوقف علی نفسہ

فی الجملہ اس کی منفعت کا صدقہ کر دینا ضروری ہے لہٰذا اس میں وہ وقف بھی داخل

ثم على الفقراء و كذا الوقف على الاغنياء ثم الفقراء ان الوقف تصدق ابتداء و انتهاء اذلابد من التصريح بالتصدق على وجه التابيد او ما يقوم مقامه (ايضا)

ہوجائیگا جو خود پر کیا جائے اور پھر فقراء پر، یا جو مالداروں پر کیا ہو پھر فقراء پر، اول و آخر دونوں صدقہ ہے اسی وجہ سے صراحتاً دائمی طور سے یا اس کے قائم مقام لفظ کے ساتھ صدقہ کی شرط ضروری ہے

اسی وجہ سے فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو چیز وقف کی جائے وہ حتمی اور قطعی ہو، معلق، موقت، مضاف نہ ہو اور نہ اس میں کوئی شرط ایسی ہو جس سے اُس کی دوامی حیثیت مجروح ہوتی ہو کیونکہ پھر وہ وقف وقف نہیں ہوگا

وشرطه شرط سائر التبرعات كحرية وتكليف وان يكون قربة فى ذاته معلوما منجزا لا معلقا الا بكائن ولا مضافا ولا موقتا ولا بخيار شرط ولا ذكر معه اشتراط بيعه وصرف ثمنه لحاجة فان ذكر بطل وقفه (ص ۹۷، ج ۳)

وقف کے لئے وہی شرط ہے جو تمام کارخیر کی شرط ہے جیسے آزاد ہونا، مکلف ہونا اور اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ بذات خود کار ثواب ہو، معلوم و متعین ہو مجہول نہ ہو، طے شدہ ہو، معلق نہ ہو، اسی طرح نہ کسی کی طرف مضاف ہو، اور نہ موقت ہو، اور نہ اس میں خیار شرط ہو، اور نہ اس میں اس کے بیچنے اور اس کی قیمت کے اپنی ضرورت کے لئے صرف کی شرط ہو، اگر اس طرح کی شرط کا ذکر ہوگا تو وقف باطل قرار پائے گا۔

اسی کے ساتھ اس وقفی زمین و جائداد میں کوئی ایسا جھگڑا بھی باقی نہ رہنا چاہئے جو اسکی سلامتی کے لئے خطرہ کا باعث بن سکے۔

ولا يتم الوقف حتى يقبض و يفرز و يجعل آخره بجهة قربة لا تنقطع (ص ۴۰۰، ج ۳)

اس وقت تک وقف مکمل نہیں ہوتا ہے جب تک اس پر قبضہ نہ دلایا جائے اور اسے علیحدہ نہ کردیا جائے اور اخیر میں ثواب کی ایسی جہت کی صراحت نہ ہو جو کبھی منقطع ہونے والی نہ ہو۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ فلاں کے لئے وقف ہے، لفظ وقف آجانے سے اس میں اس کی تمام شرطیں خود بخود سمٹ آئینگی، دیگر الفاظ ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ وقف کہتے ہی ہیں اس کو جس میں دوام اور فی الجملہ کارخیر کی شان ہو عرف عام میں اس کا مفہوم مشہور و معروف ہے۔

اما عند ابى يوسف فانه يجعلها بمجرد هذا اللفظ موقوفة على الفقراء واذا كان مفيدا لخصوص المصرف اعنى الفقراء لزم كونه مؤبدا لان جهة الفقراء لا تنقطع قال الصدر الشهيد ومشائخ بلخ يفتون بقول ابى يوسف ونحن نفتى به ايضا لمكان العرف [illegible]

امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک صرف وقف کا لفظ کہدینے سے فقراء پر جائداد وزمین وقف ہوجاتی ہے اور جب فقراء پر صرف کیلئے وقف ہے تو اسکا ابدی اور دائمی ہوجانا لازم ہے اسلئے کہ فقراء کی جہت ایسی ہے جو کبھی ختم ہونیوالی نہیں ہے صدر الشہید اور مشائخ بلخ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیتے ہیں اور عرف عام ہوجانے کی وجہ سے ہم بھی اسی پر فتوی دیتے ہیں اسلئے کہ عرف عام [illegible]

[illegible] الى الفقراء كان كالتنصيص (شامی ص ۴۰۴، ج ۳)

[illegible]

اتحاد و ترقی کا دوسرا اصول

مذہبی رواداری و احترام

مولانا اخلاق حسین قاسمی صدر جمعیۃ علماء دہلی

قومی ہدایتوں کے دور میں رسولوں اور ہادیوں کی حیثیت بھی قومی اور خاندانی ہو کر رہ گئی تھی، اس کا نتیجہ یہ نکل رہا تھا کہ ہر قوم اپنے رسول کو تو قابل احترام سمجھتی تھی مگر دوسری قوم کے رسول کو عزت و احترام کا واجبی مقام دینے کو تیار نہ تھی بلکہ ایک قدم اور آگے دوسرے رسولوں کی بے عزتی کی جانے لگی تھی، اس کش کش سے قوموں کے درمیان لڑائی جھگڑے پیدا ہونے لگے تھے

یہود حضرت عیسیٰ اور ان کی محترم ماں کے بارے میں جو ناشائستہ خیالات رکھتے تھے وہ تاریخوں میں محفوظ ہیں۔

اس کے مقابلہ میں اسلام نے جب عالمی ہدایت کا اعلان کیا تو اسلام کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت ایک عالمی قیادت کے طور پر دنیا کے سامنے آئی اور آپ نے مذہبی پیشواؤں کی توہین کو مذہبی جرم قرار دے دیا۔

ہادی عالم ؐ نے حکم دیا کہ اسی شخص کا ایمان و اسلام قابل اعتبار ہوگا جو میری نبوت کے ساتھ ساتھ تمام نبوتوں اور تمام رسالتوں پر ایمان لائے گا۔ اور جو شخص کسی ایک پیغمبر کا بھی انکار کرے گا وہ چاہے میری نبوت کو تسلیم کرے لیکن سابق رسولوں میں سے کسی ایک کے انکار کرنے پر بھی وہ اہل ایمان کے حلقہ میں داخل نہیں سمجھا جائے گا۔

قرآن کریم نے اعلان کیا۔

ولا تسبوا الذین	ان ہستیوں کو برا نہ کہو جنہیں
یدعون من	لوگ خدا کے سوا پکارتے
دون اللہ فیسبوا	ہیں، پھر وہ بھی نادانی میں
اللہ عدواً بغیر	آکر خدائے برحق کو برا
علم	کہنے لگیں گے۔

یہ ان خود ساختہ معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کے متعلق کہا گیا جن میں اکثر وہ ہستیاں ہیں جو اپنے دور میں خدا کے برگزیدہ بندے تھے، بعد میں انہیں دیوتا بنا کر پوجا جانے لگا۔

پھر قرآن کریم نے یہ بات بھی صاف کردی کہ

منھم من قصصنا	کچھ رسولوں کے واقعات
علیک ومنھم من	ہم نے تمہیں سنائے اور

لم نقصص علیک　　کچھ کے واقعات نہیں سنائے
اسکا مطلب یہ ہے کہ بہت سے ہادی اور رسول ایسے بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے،

قرآن نے اپنے اولین مخاطب عربوں کو صرف انہیں رسولوں کا ذکر سنایا جو اُن کے آس پاس آئے تھے اور جن کے نام وہ لوگ نصاریٰ اور یہود کی زبان سے سنتے چلے آر ہے تھے۔

ان رسولوں کے علاوہ ایران، ہندوستان، اور چین وغیرہ میں جن ہادیانِ برحق نے آسمانی علم پھیلایا ان کا تذکرہ عربوں کے لئے بے کار تھا۔ اسلئے قرآن نے بتا دیا کہ ہر رسول قابل احترام ہے، قرآن میں اس کا تذکرہ ہو یا نہ ہو

فارس والوں میں زردشت کے علاوہ گل شاہ اور گلزار شاہ نام کے رسولوں کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، لیکن عرب اُن سے متعارف نہ تھے اسلئے قرآن نے اُن کا ذکر مفید نہ سمجھا۔

ہندوستان تو نبوت کا دارالخلافہ ہے، نبوت کی راجدھانی ہے۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدمؑ اسی سرزمین پر آسمان سے اُتارے گئے۔

حضرت شیث علیہ السلام دوسرے رسول تھے، ان کی قبر شریف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اجودھیا میں واقع ہے۔

نقش بندیہ سلسلہ میں مشہور بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اپنے ایک کشف کے ذریعہ معلوم کیا کہ سرہند شریف (پنجاب) میں دو رسولوں کی قبریں موجود ہیں۔

دیوبند کے پہلے مہتمم حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا گذر جب اس مقام پر ہوا جہاں آج حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا مزار ہے تو اس وقت وہاں کھیت تھے۔ آپ نے وہاں کھڑے ہو کر فرمایا:-

"مجھے اس مقام پر نبوت کے انوار محسوس ہوتے ہیں، اس جگہ کسی نبی کا مزار معلوم ہوتا ہے"

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی مشہور ہستیوں "رام چندر جی" اور "کرشن جی" کے ناموں کے ساتھ بے ادبی نہ کی جائے

یہ ہستیاں تاریخ سے ماقبل دور کی ہیں، اسلئے اُن کی بارے میں تاریخی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو یقین کے ساتھ نبی اور رسول چاہے نہ کہا جا سکے مگر عوام میں صدیوں سے انہیں عزت و احترام کا جو مقام حاصل ہے اس کے پیش نظر اس بات کا امکان ہے کہ یہ اپنے اپنے دور کے رسول اور نبی ہوں۔ اور ہزاروں سال گذر جانے کی وجہ سے ان کی اصلی تعلیمات میں ملاوٹ کردی گئی ہو۔

یہود و نصاریٰ کے مذہب، ان کی آسمانی کتابوں توراۃ اور بائیبل اور اُن کے مقدس رسولوں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے اسرائیلی رسولوں کے متعلق ادب و احترام کی جو تعلیم اسلام دیتا ہے وہ قرآن وحدیث میں مفصل طور پر موجود ہے۔

رہا ہندوستان کے قدیم مذاہب اور قدیم ہادیوں کا معاملہ، تو اُن کے متعلق اسلام کے دو ممتاز علماء، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رح اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح کی تحقیقات قابل مطالعہ ہیں۔

ذیل میں حضرت مرزا صاحب کا مکتوب گرامی پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی تحقیق!

مشہور شیخ طریقت اور خاندان مجددیہ کے

...تم وچراغ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے نزدیک
...مذہب کی حقیقت اصلیہ کیا ہے۔؟
تم نے پوچھا تھا کہ کفار ہند بھی مشرکین عرب کی طرح
...اصل دین رکھتے ہیں؟ یا اس دین کی کوئی اصل تھی جو
...بعد میں منسوخ ہوگئی؟ اور ان کے (کفار ہند) کے پیش
...وں کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے؟"
مختصر الفاظ میں تحقیق اور انصاف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اہل ہند کی پرانی کتابوں سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ نوع انسانی کی پیدائش کے آغاز میں رحمت الٰہی نے ان کی دنیا اور عاقبت کی اصلاح کے لئے "وید" نامی ایک کتاب "برہما" نامی ایک فرشتہ (جو دنیا کی ایجاد کا وسیلہ اور آلہ ہے) کے ذریعہ بھیجی تھی، یہ کتاب چار دفتر رکھتی ہے اور احکام امر و نہی اور ماضی و مستقبل کی خبروں پر مشتمل ہے۔ اُن کے مجتہدوں نے اس کتاب سے چھ مذاہب نکالے ہیں اور اصول و عقائد کی بنیاد اس پر رکھی ہے۔ اس فن کو دھرم شاستر کہتے ہیں یعنی "فن ایمانیات" سے جسے ہم علم کلام کہتے ہیں۔ نوع انسان کو چار فرقوں پر تقسیم کیا ہے۔ اور اس کتاب سے چار مسلک نکالے ہیں اور ہر فرقہ کے لئے ایک مسلک مقرر کیا ہے۔ اور فروع اعمال کی بنیاد اس پر رکھی ہے اس فن کا نام "کرم شاستر" ہے یعنی فن عملیات جسے ہم علم فقہ کہتے ہیں۔ چونکہ وہ لوگ نسخ احکام سے انکار کرتے ہیں اسلئے ہر دور اور زمانے کے اہل دانش کی طبیعتوں کے مطابق تبدیلی لازمی ہے۔ دنیا کی طویل عمر کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصے میں "جگ" رکھا ہے اور ہر جگ کے لئے چاروں دفتروں سے طور عمل سے اخذ کیا ہے اور جو کچھ ان کے متاخرین نے تصرفات کئے ہیں۔ وہ قابل اعتبار نہیں اور اُن کے تمام فرقے خداوند تعالیٰ کی توحید پر متفق ہیں اور دنیا کو حادث و مخلوق جانتے ہیں، دنیا کے فنا ہونے حشر جسمانی اور جزائے اعمال نیک و بد پر یقین رکھتے ہیں اور اُن لوگوں کو علوم عقلی و نقلی، ریاضات، مجاہدات، تحقیق معارف اور مکاشفات پر ید طولیٰ حاصل ہے اور اُن کے کتاب خانے آج تک موجود ہیں، ان لوگوں میں بت پرستی کی رسم الوہیت میں شرک کی کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت دوسری ہے۔ اِن کے دانشمندوں نے انسانی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، جنہیں اس طرح گذارتے ہیں۔

پہلے حصے میں علوم و آداب کی تحصیل، اور دوسرے میں تحصیل معاش و اولاد، تیسرے حصہ میں تصحیح اعمال اور اصلاح نفس، اور چوتھا حصہ ترک دنیا و تجرد کی مشق، .... جو انسان کے کمال کی انتہا ہے، نجات کبریٰ... جسے "مہاتکت" کہتے ہیں اسی پر موقوف ہے۔

اس دین کے قواعد و ضوابط میں مکمل نظم و نسق ہے پس معلوم ہوا کہ یہ مرتب دین تھا اور اب منسوخ ہوگیا ہے اور شرع میں منسوخ شدہ مذاہب میں سوائے یہودی و نصاری کے دین کے اور کسی کا ذکر نہیں، حالانکہ اُن کے علاوہ بھی بہت سے مذاہب منسوخ ہوئے، اور بہت سے پیدا ہوئے اور ختم بھی۔

جاننا چاہیئے کہ آیت کریمہ کے مطابق

وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر و لکل امۃ رسول"

(ترجمہ) کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں رسول نہ بھیجا گیا ہو

اور دوسری آیت کے مطابق ممالک ہند میں بھی انبیاء و رسول بھیجے گئے ہیں، اور جن کے احوال اُن کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، اور جو کچھ اُن کے آثار باقی ہیں اُن سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے وہ کمال تکمیل کے مرتبے

تک پہونچ گئے تھے۔ اور رحمت عامہ نے اس وسیع مملکت کے انسانی معلومات کو فراموش نہیں کیا تھا۔

مشہور ہے کہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے گئے تھے اور پوری قوم پر اپنے پیغمبر کی اطاعت وفرماں برداری واجب تھی، نہ کہ دوسرے قوم کے پیغمبر کی۔ ہمارے پیغمبر کے ظہور کے بعد (جو تمام انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہیں، اور خاتم المرسلین ہیں اور جن کا مذہب تمام شرقی وغربی مذاہب کو ختم کرنے والا ہے) جب تک دنیا باقی ہے کسی کو ان کی نافرمانی کی مجال نہیں ہے۔ چنانچہ ...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے آج تک کہ ایک ہزار ایک سو اسی (۱۱۸۰) سال گذرے جو اُن کا معتقد نہ ہوا کافر ہے۔

لیکن اگلے لوگ نہیں (یعنی ظہور اسلام سے قبل کے لوگ) اور چونکہ مذہب اس آیۂ کریمہ کے مطابق اُن میں سے کہ جن کے ہم نے قصے بیان کئے اور ان میں سے جن کے قصے ہم نے بیان نہیں کئے۔ بہت سے انبیاء کے احوال کے بیان میں خاموش ہے۔ اسلئے اُن کی شان میں خاموش رہنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ نہ تو ہمیں ان کے کفر و شرک کا یقین لازم ہے۔ اور نہ ان کی نجات پر یقین کرنا چاہیئے، (البتہ اس معاملہ میں حسن ظن ضروری ہے۔ بشرطیکہ تعصب درمیان میں نہ ہو، اور اہل فارس کے حق میں بلکہ ہر ملک والوں کے حق میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل گذرے ہیں اور شریعت کی زبان جن کے بارے میں خاموش ہے یہی عقیدہ اتنا اچھا ہے، اور بغیر کسی قطعی دلیل کے کسی کو کافر کہنا آسان نہیں سمجھنا چاہیئے۔

اور ان لوگوں کی بُت پرستی کی حقیقت یہ ہے کہ بعض فرشتے جو اس عالم کون وفساد میں تصرف رکھتے ہیں یا بعض کاملوں کی روحیں جنکا جسموں سے ترک تعلق کے بعد بھی اس کائنات میں تصرف باقی ہے، یا بعض ایسے زندہ لوگ جو ان لوگوں کے خیال میں حضرت خضر کی طرح زندہ جاوید ہو اُن کے بت بناکر ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے سبب سے کچھ مدت کے بعد صاحب صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اس کی بنیاد پر دنیا و آخرت تعلق سے اپنی احتیاجوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور رابطہ سے مشابہت رکھتا ہے جو مسلمان صو کا طریقہ ہے کہ اپنے پیر کی صورت کا تصور کرتے ہیں اس سے فیض اٹھاتے ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ مسلما پیر کا بت نہیں تراشتے۔ لیکن یہ بات کفار عرب کے عقیدے سے مناسبت نہیں رکھتی کیوں کہ وہ بتوں کو اپنی ذات سے مؤثر اور متصرف کہتے تھے۔ اللہ تعا کے تصرف کا آلہ نہیں سمجھتے تھے اور اُن کو زمین کا خدا تھے۔ اور خدا کو آسمان کا۔ یہ الوہیت میں شرک ان کا (کفار ہند کا) سجدہ کرنا سجدۂ تہنیت ہے، سجدہ عبودیت نہیں۔ جو اُن لوگوں کے مذہب میں ماں باپ پیر اور استاد وغیرہ کو بھی سلام کی جگہ کرتے ہیں اُسے ڈنڈوت کہتے ہیں اور تناسخ پر اعتقاد رکھنے کفر لازم نہیں آتا۔

(اخذ شدہ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط صفحہ ۵)

(مترجم شائع شدہ ندوۃ المصنفین دہلی)

ذوالکفل کون تھے ؟

کیا گوتم بدھ تھے ؟

جتایا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے صرف انہی کا ذکر کیا ہے جنہیں قرآن کے پہلے مخاطب عرب لو کسی نہ کسی درجہ میں جانتے تھے، اور قریش کی پڑوسی یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں میں اُن کے واقعات کئے گئے تھے۔ ان رسولوں کے علاوہ دنیا کے دو خطوں میں آنے والے رسولوں کا قرآن نے کوئی تذکرہ کیا کیونکہ ان کا تذکرہ عربوں اور یہود و نصاریٰ پر

... کے سلسلے میں مفید نہ تھا البتہ علماء اسلام
... تاریخی قرائن اور علامات کے ذریعہ دوسری قوموں
... آنے والے رسولوں کی نشاندہی کی ہے۔
... کے طور پر حضرت ذوالکفل ہیں اُن کا ذکر قرآن
سورۂ انبیاء اور سورہ "ص" میں دو جگہ کیا ہے

...و ادریس	اور اسماعیل و ادریس اور
...ن کل من	ذوالکفل سب صبر کرنے والا
...ین (انبیاء)	میں سے تھے
...کر اسماعیل	اور اسماعیل، الیسع اور
...یسع و ذا الکفل	ذوالکفل سب بہترین
...من الاخیار	لوگوں میں سے تھے

(ص)

حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب "قصص القرآن"
... ذوالکفل علیہ السلام کے بیان میں لکھتے ہیں:
ذوالکفل علیہ السلام کے متعلق قرآن عزیز نے
... کے سوا کچھ نہیں بیان کیا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم
... اللہ علیہ وسلم سے بھی کچھ ...ل نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن
...یث کی روشنی میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا
... ذوالکفل خدا کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر تھے اور کسی
...م کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

اس کے بعد دوسرا درجہ سیر و تاریخ کا ہے لیکن
...فی تفتیش و جستجو کے بعد بھی ہم کو اس سلسلے میں ایسی
معلومات بہم نہیں پہنچ سکیں کہ جن کے ذریعہ ذوالکفل
کے حالات پر مزید روشنی پڑ سکے، چنانچہ تورات بھی
خاموش ہے اور اسلامی تاریخ بھی۔

(جلد دوم صفحہ ۲۴۵)

م... تند تاریخ کے اندر جب ذوالکفل کے متعلق
... دم نہیں ہوسکا تو علماء تاریخ نے آثار و قرائن سے
...لکفل کی شخصیت کو متعین کرنے کی کوشش کی اور

اس سلسلے میں ہندوستان کے مشہور محقق عالم حضرت
مولانا مناظر احسن گیلانی نے "النبی الخاتم" میں "ذوالکفل"
کا مصداق "گوتم بدھ" کو قرار دیا۔

صاحب قصص القرآن لکھتے ہیں:

ایک دوسرے معاصر کی عجیب رائے یہ ہے کہ ذوالکفل
گوتم بدھ کا لقب ہے اسلئے کہ اس کے دارالسلطنت
کا نام بھی "کپل" تھا جس کا معرب کفل ہے اور
عربی میں "ذو" صاحب اور مالک کے لئے آتا ہے۔

معاصر موصوف نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ گوتم بدھ
کی اصل تعلیم توحید اور حقیقی اسلام کی ہی تعلیم تھی اور
موجودہ شکل و صورت دوسرے منسوخ ادیان و ملل کی
طرح مسخ اور محرف شدہ ہے

(صفحہ ۲۴۲)

آگے چل کر مولانا نے اس بات کو صاف کردیا ہے
کہ یہ رائے محض ظن و تخمین کے درجہ کی ہے جیسے نہ تو
تاریخی تحقیق کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے اور نہ محض تعصب
کی وجہ سے اس کو بالکل رد کیا جاسکتا ہے، کیونکہ قرآن
اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ

ولکل امۃ رسول	ہر قوم و ملت کے لئے رسول آیا ہے۔

حاصل یہ کہ قرآن کریم نے تو صرف بنی اسرائیل کی
ہدایت کے لئے آنے والے ۲۸ کے قریب رسولوں کا
ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے
قریب جو نبی اور رسول آئے ان سب کا ذکر قرآن میں
موجود نہیں ہے۔

ان رسولوں کا پتہ آثار و قرائن کے ذریعہ ہی حاصل
ہوسکتا ہے، کوئی مستند ذریعہ ان رسولوں کی معلومات
کے لئے کہیں نہیں ملتا

÷ ÷ ÷ ÷

مذہبی پیشواؤں کی اخلاقی پاکیزگی

مذہبی پیشواؤں کا احترام اسلام کی بنیادی تعلیم ہے اور اس معاملہ میں اسلام کسی قسم کے مذہبی تعصب اور قومی تنگ نظری کو جائز نہیں رکھتا

اسی کے ساتھ اسلام مذہبی پیشواؤں کے ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری قرار دیتا ہے کہ تمام مذہبی پیشوا ر اخلاقی پاکیزگی اور کیریکٹر کی بلندی کے مالک رہے ہیں۔

کیونکہ جو ہستیاں بندگانِ خدا کی ہدایت کے لئے آتی ہیں اگر وہ خود پاک سیرت، پاک طینت، اور اعلیٰ اخلاق والی نہوں تو پھر وہ حضرات دوسروں کو عبادت و اخلاق کی تعلیم کیا دے سکتے ہیں اور انکی تعلیم و تبلیغ کا عوام پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

دوسری قوموں کے ہاں رسولوں کی عصمت اور پاکیزگی کا تصور موجود ہی نہیں ہے، یہود کے ہاں ایک رسول عام انسانوں ہی کی طرح ہوتا ہے، بائبل میں رسولوں کے متعلق جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ نہایت شرمناک قسم کے ہیں، بائبل آج خالص آسمانی کلام نہیں ہے اس میں انسانی تحریف اور انسانی ملاوٹ کا یقین کیا جا چکا ہے، اس لئے بائبل میں حضرت لوط کو شراب نوشی میں ملوث دکھایا گیا ہے، حضرت یعقوب کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے خدا سے کشتی لڑی۔

نصاریٰ کے ہاں رسول کو اس درجہ بڑھایا گیا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا بنا دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں رسول کو اوتار کا درجہ دیا جاتا ہے۔

یہ دونوں نظریے انتہا پسندانہ ہیں۔

اسلام ان قسم کے افراط و تفریط سے بچ کر نکلتا ہے اور اعتدال ... درمیانی راستہ اپناتا ہے

اسلام کہتا ہے، رسول و نبی انسان ہوتا ہے خدا کا بندہ ہوتا ہے البتہ اس کی ذہنی اخلاقی اور روحانی طاقت اتنی بلند اور ممتاز ہوتی ہے کہ اپنے پورے ماحول میں وہ اکیلا نظر آتا ہے۔

کوئی انسان اس دور میں اس رسول کی ذہنی، روحانی اور اخلاقی عظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آج مختلف قوموں میں مذہبی پیشواؤں اور رسولوں کے متعلق جو مضحکہ خیز کہانیاں عوام کے سامنے پیش کی جارہی ہیں اُن سے پڑھی لکھی نئی نسلوں میں مذہب کی طرف سے بے اعتقادی اور اہانت پیدا ہورہی ہے اور مذہب کے وقار کو نقصان پہونچ رہا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ مذہب کا وقار مذہبی قائدین کی ذاتی اور عملی عظمت سے قائم ہوتا ہے۔ کسی مذہب کی تعلیمات کتنی ہی اونچی ہوں اگر اس مذہب کے قائد اور رہنما اپنے عمل اور اخلاق میں اونچے نہوں گے اس وقت تک مذہب کی اصولی بلندی کا عوام پر اثر قائم نہ ہوگا۔

غیر مسلم عوام کی عزت

اسلام نے جس طرح دوسرے مذاہب کے دینی پیشواؤں کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح غیر مسلم عوام کے ساتھ بھی عزت و احترام کے برتاؤ کی تاکید کی ہے یہاں تک کہ ایک غیر مسلم جنازے کے ساتھ بھی ادب و احترام سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

ایک مرتبہ فارس کے مشہور شہر قادسیہ میں ایک مجوسی کا جنازہ گذرا تو حضرت سہل ابن حنیف، اور حضرت قیس ابن سعد صحابی فوراً کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص نے ٹوکا یہ تو ایک غیر مسلم ذمی کا جنازہ ہے، ان صحابیوں نے جواب دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا:

" آخر وہ بھی تو ایک جان ہے "

(باقی صفحہ ۳۱ پر دیکھئے)

شیخ الرئیس ابو علی سینا

ایم ہاشم رضا

شیخ الرئیس کے والد عبداللہ شہر بلخ کے نامور
لوں میں سے تھے اور گورنمنٹ بلخ کے نائب وزیر خزانہ بھی
تھے۔ منصور بن عبدالملک کے عہد میں وہ بخارا آئے چونکہ
ن کو نوکری کی ضرورت تھی اس لئے بخارا کی بود و باش انہوں
نے پسند کی اور آخر اپنی قابلیت کی بنا پر وہ خرشین کے
رنر مقرر ہو گئے اور اسی جگہ ایک امیر کی صاحبزادی سے
شادی کرلی۔ یہی بیوی شیخ کی والدہ تھیں۔ ان کا نام ستارہ
ما یہ بہت خوب صورت اور نیک سیرت نوجوان خاتون تھیں
عض مورخوں کے قول کے مطابق حافظ قرآن بھی تھیں۔
نہوں نے اپنے خاوند عبداللہ سے پہلے عربی کی تعلیم حاصل
ی بعدازاں علم و ادب اور شاعری کی طرف متوجہ ہوئیں
در ایک اچھی قابل ادیب اور شاعرہ بن گئیں۔ ان کے
شر اشعار فارسی و عربی میں نقل کئے جاتے ہیں۔ شادی
کے ایک سال بعد ہی شیخ کی ولادت باسعادت ہوئی
ور شیخ کا نام حسین رکھا گیا۔ شیخ کی عمر ابھی پانچ سال
ی تھی کہ شیخ کے والد خرشین سے اپنے وطن بلخ کو
اپس آگئے شیخ کو ابھی تک سوائے زبانی تعلیم کے
علم ادب و زبان کی باقاعدہ تعلیم نہیں دی گئی تھی اور اسی
ابھی میں شیخ اپنی والدہ سے بچوں کی طرح تھکا دینے والے
سوالات کیا کرتے تھے، اور ماں بڑی متانت سے اپنے ہونہار
بچہ کو اطمینان دلاتی رہتی تھی۔ اب شیخ کا وہ زمانہ آچکا تھا
کہ کسی معلم سے باقاعدہ تعلیم پائیں۔ اسلئے شیخ کی والدہ
نے اُن کو ایک متقی حافظ قرآن مُلّا کے سپرد کیا کہ وہ
انہیں قرآن پڑھائیں۔

شیخ کی ذہانت کی احمد جان ثانی نے بہت تعریف
کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مطلب کو اشاروں میں سمجھ
لینا اور اس کو اپنی بساط کے موافق ذرا سی فکر میں نکال
لینا۔ یہ عبور بچپن ہی سے شیخ کو حاصل تھا۔ پانچ برس
کی عمر میں اُن کے ذہن، حافظہ، قوت افہام و تفہیم کی یہ
کیفیت تھی کہ خود استاد انگشت بدنداں رہتا تھا۔ قرآن
کے ختم کرنے پر علم ادب اور صرف و نحو پڑھی۔ پھر لغت
و معنی پر عبور حاصل کیا۔ ان علوم کی تحصیل کے بعد
علم دین کی طرف توجہ کی اس میں بھی وہ کامل ہو گئے۔
جب ان علوم سے فارغ ہوئے تو ریاضی کی طرف توجہ
کی اور محمود مساح سے جو بقالی کا پیشہ کرتے تھے ریاضی
سیکھنی شروع کی۔ چند روز کے عرصہ میں حساب
جبر و مقابلہ سیکھ لیا۔ جب ریاضی سے فراغت پائی تو
اسماعیل زاہد سے فقہ کی تحصیل کی بقیہ علوم کی طرح فقہ

میں بھی کمال مہارت پیدا کی۔ یہ واقعی ایسا تعجب خیز امر تھا کہ ان کی طبیعت کو ہر علم سے زیادہ دلچسپی تھی۔ بڑے بڑے علماء کی سوانح عمریاں نظر سے گذریں اور ان سے صاف معلوم ہوا کہ جتنے علماء و حکماء گزرے ہیں انہیں ایک ہی علم میں کمال حاصل تھا، مثلاً ارسطو علم بیان اور فلسفہ کی تعلیم میں کامل تھے اور افلاطون سوائے فلسفہ کے اور علوم میں کم مہارت رکھتے تھے۔ صرف ان ہی دو علماء و حکماء پر موقوف نہیں بلکہ اور دوسرے بھی ایک ہی فن میں زیادہ نامور ہوئے مگر یہ بات شیخ الرئیس بو علی سینا ہی میں تھی کہ انہیں کل علوم مقررہ مروجہ آتے تھے۔

عبداللہ ناقلی سے شیخ نے علم منطق پڑھا اور اس کے بعد اقلیدس شروع کی ایک یا دو مقالے کی شکلیں تو انہوں نے استاد سے حاصل کیں پھر خود ہی باقی ماندہ مقالوں کی شکلیں حل کر کے دو تین دن میں استاد کو سُنا دیں۔ بعد ازاں ہندسی اشکال کی طرف توجہ کی۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ استغراق دلچسپی کا تقاضا تھا جو انہیں فطرت سے علم سیکھنے کے لئے عطا ہوا تھا انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ اسی کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ جب شیخ علم طبعی اور علم الٰہی سے فارغ ہوئے تو اب ان کی توجہ علم طب کی طرف مائل ہوئی۔ اور ابوالمنصور نوح القمری سے یہ شریف فن حاصل کیا۔ اسی زمانہ میں ایک کتاب طب شیخ نے تصنیف کی جس میں طب کے اجزاء نظری و عملی کو نہایت عمدہ طریقہ سے بیان کیا ہے۔ علم طب صرف کتابیں پڑھنے اور سمجھ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ جب تک عملی قوت پر قبضہ نہ ہوگا طب ناتمام اور خام رہے گی۔

آخر کار انہوں نے مطب کھولا اور علاج معالجہ شروع کیا اور مطب کے درمیان ہی ساتھ فقہ کی تعلیم مکمل کرنے میں مشغول رہے لیکن باوجود اس قدر علوم پر عبور حاصل کرنے کے شیخ کی عمر ابھی اٹھارہ سال نو ماہ سے زیادہ نہ تھی۔ اسی زمانہ میں امیر نوح بن منصور سامانی مریض ہوا مرض نے یہاں تک زور پکڑا کہ بڑے بڑے اطباء نے بھی جواب دے دیا۔ اسی درمیان کسی نے شیخ کا بھی ذکر کر دیا۔ کیونکہ اُن کی شہرت ہو رہی تھی امیر نے فوراً شیخ کو بلایا۔ شیخ نے آتے ہی مرض کی تشخیص اور چند روز میں اچھا کر دیا جب امیر نے غسل صحت کیا تو بو علی سینا کو گراں بہا انعامات سے مالا مال کر دیا اور ایسا ہوا کہ شیخ کو ایک گھڑی کے لئے اپنے پاس سے علیحدہ کرتا تھا۔ یہ موقع شیخ کے لئے بہت مبارک تھا شیخ نے شاہی کتب خانہ دیکھنے کی اجازت چاہی فوراً اجازت مل گئی۔ اب شیخ کو اپنی معلومات بڑھانے کا خاص موقع مل گیا شیخ نے کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ شیخ میں کی یہ بات تھی کہ وہ مطالعہ سے تھکتے نہ تھے، اور یہاں لیاقت بڑھائی کہ علوم معقول و منقول کے استاد کامل ہو گئے اور چند کتب کی تصنیف و تالیف شروع کر دی۔ اوّل کتب مجموعہ جس میں سوائے ریاضی باقی سب علوم لکھے گئے ہیں، دوم حاصل و حصول فلسفہ میں تصنیف جو چوبیس جلدوں میں ہے۔ سوم علم الاخلاق میں لکھی۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ان کتابوں کی تصنیف و تالیف کے وقت شیخ کی عمر بائیس سال کی تھی۔ ابھی تک بد قسمتی سے شیخ نے تاریخ شروع نہیں کی تھی کہ یکایک نوح نے وفات پائی۔

یہیں سے شیخ کے حالات نے ایک پلٹا کھایا لی۔ امیر نوح بن منصور کی عمر کیا ختم ہوئی کہ سلطنت سامانی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بخارا میں فتنہ و فساد کی آگ لگ گئی، ابتری پھیل گئی۔ ادھر سلاطین سامانیہ کا زوال ہو رہا تھا، ادھر غزنی کا ستارہ عروج پر تھا، ایک مدت تک بخارا کا یہی حال رہا۔ آخر سامانی کا صفحہ ہستی سے نام و نشان مٹ گیا

میں بوعلی سینا کے والد کا انتقال ہوگیا۔ یہ صدمہ بہت بڑا تھا کیونکہ شیخ اپنے والد کی سرپرستی میں بہت ہی بے فکری کی زندگی گذار رہے تھے۔ آخر کار بخارا سے رختِ سفر باندھا اور گرگانج کو روانہ ہوئے یہاں کوئی شیخ کا آشنا نہ تھا آخر یہ سمجھ میں آیا کہ ابوالحسن سہیلی شاہ خوارزم سے ملنا چاہیئے وہ علم کا قدر دان تھا شیخ نے شرف ملاقات حاصل کیا۔ اور پھر فقہ کی بحث چھڑی تو بوعلی سینا نے اس عمدگی سے بحث کی کہ ابوالحسن شاہ خوارزم دنگ رہ گیا بعد میں شاہ نے دریافت کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہی شیخ الرئیس ہیں تو وہ خوشی خوشی بادشاہ کے پاس لے گیا بادشاہ شیخ سے مل کر بہت خوش ہوا اور بہت خاطر مدارات کے بعد ایک بڑا محل شیخ کو بخش دیا اور معقول تنخواہ مقرر کر دی۔

ابھی شیخ کو یہاں سکون سے چند ہی ماہ گذرے تھے کہ ایک نیا شگوفہ کھلا کہ پرامن خوارزم پر سلطان محمود نے حملہ کیا شاہ خوارزم نے بھی جان توڑ کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی، محمود کو شاہ کی شجاعت پسند آئی، تاج بخشی کر کے چلا گیا۔ ادھر شیخ کی دھوم مچ رہی تھی تو اُدھر حاسدوں کی بھی ترقی ہو رہی تھی کسی نے سلطان محمود کو یہ خبر دی کہ شیخ بوعلی سینا متعصب ہے اور شر و فساد پھیلاتا ہے حالانکہ بالکل بہتان تھا سلطان یہ سن کر بہت طیش میں آیا اور شیخ کو اپنے دربار میں طلب کیا مگر شیخ نے غزنی آنے سے انکار کر دیا اور خوارزم کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ اس وقت ابوسہل مسیحی نے شیخ کا ساتھ دیا اور دونوں نے صحرا کی خاک چھاننی شروع کر دی شیخ کا دل قدرے اپنے ساتھی سے بہلتا جاتا تھا کہ بدقسمتی سے شدائدِ سفر سے اُن کے ساتھی نے سفرِ عدم اختیار کیا۔ شیخ پر اس کا بہت صدمہ ہوا اپنے جگری دوست کو یاد کر کے روتے رہتے اُن کے جوانی کے تر و تازہ رخسار مرجھا گئے اور چھاتی پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے چونکہ محمود نے اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اس خوف کے مارے شب ہی کو رختِ سفر باندھتے تھے شدہ شدہ اسی حالت میں جرجان پہنچے، یہاں بھی چین نہ ملا تو وہاں سے خراسان کے ایک شہر نیشاپور پہنچے چند روز تک رہنے کے بعد ایک روز جائے قیام سے باہر نکل کر شہر کی سیر کو نکلے۔ تو انہوں نے ایک دوکان پر چند آدمیوں کو یہ ذکر کرتے سُنا کہ بوعلی سینا کو جو گرفتار کر کے لائے گا اُسے سلطان محمود انعام واکرام سے نوازیں گے یہ سنتے ہی شیخ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور اب انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اس ملک کو بھی چھوڑنا چاہیئے فی الفور وہاں سے چل دیئے اور دشت و صحرا کی خاک چھانتے ہوئے جرجان پہنچے اس زمانہ میں جرجان کی حکومت سلطان قابوس کے ہاتھ میں تھی یہ سلطان بڑا علم دوست تھا اور اُسے علماء کی بڑی جستجو رہتی تھی آخر وہ جرجان میں رہنے لگے اور مطب کھول لیا۔ کئی علاج بڑے معرکے کے کئے۔ سب میں شیخ کی شہرت ہوگئی اور اب ہزاروں مریض شیخ کے دست سے فیضیاب ہونے لگے کسی قدر معالجات کی فیس سے شیخ آسودہ ہوگئے۔ سینکڑوں طلباء علاوہ مریضوں کے اُن کے پاس تحصیل طِب کے لئے آئے اور انہوں نے شیخ کی شہرت اور ناموری کا خوب ڈنکا بجایا۔ شیخ کو سلطنت اور شاہ سے کچھ سروکار نہ تھا کیونکہ وہ آسودہ حال ہو چکے تھے اتفاقاً قابوس کا بھانجہ مریض ہوگیا اور مرض نے یہاں تک زور پکڑا کہ وہ پلنگ سے لگ گیا۔ سلطنت کے کُل طبیب زور لگا کر ہار چکے تھے۔ قابوس اپنے بھانجہ کو بہر دل عزیز رکھتا تھا جب اس نے مرض کی یہ کیفیت دیکھی تو سخت پریشان ہوا، ایک دن کسی درباری نے

…ض کی کہ ایک نوجوان حکیم آیا ہوا ہے اُس کی تشخیص بڑی زبردست ہے یہ سُن کر قابوس بیتاب ہوگیا اور آخرکار شیخ کو دربار میں لایا گیا شیخ نے مریض کو دیکھنے کی اجازت چاہی جب شیخ مریض کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ نوجوان لڑکا جس کی صورت اسکے اٹھارہ سالہ ہونے کی شہادت دیتی ہے افسردہ لیٹا ہوا ہے اس کے چہرہ پر زردی چھارہی ہے گو مرض نے انتہا درجہ ضعیف کردیا تھا پھر بھی رخساروں سے نوعمری کی تمتاہٹ ہورہی تھی شیخ نے پاس کے بیٹھنے والوں سے اس کے مرض کی کیفیت اور گذشتہ حال دریافت کیا اس سے وہ پہچان گئے کہ مریض عشق کا مارا ہوا ہے جب شیخ تشخیص مرض کرچکے تو انہوں نے سلطان سے عرض کیا کہ مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو شہر کے سارے محلّوں سے واقف ہو اور اس محلہ کے کل آدمیوں سے بھی واقف ہو، فوراً حاضر کیا گیا اور مریض کے پاس سے سب کو ہٹا دیا گیا۔ شیخ نے شخص مذکور کو پاس بٹھا کر کہا کہ سارے محلّوں کے نام لیتا جا، وہ محلّوں کے نام لے رہا تھا اور شیخ کا ہاتھ نبض پر تھا۔ ایک محلہ کے نام پر شیخ نے دیکھا کہ نبض کی حرکت میں عجیب تغیر و تبدّل واقع ہوا، پھر شیخ نے اس محلہ کے مکانات کے نام گنوائے وہ اس شخص نے بتلائے، خاص ایک مکان کے نام پر نبض کی عجیب کیفیت ہوئی، پھر شیخ نے اس شخص سے دریافت کیا کہ اس مکان کے رہنے والوں کا نام بھی جانتا ہے؟ وہ نہ بتا سکا تو دوسرا شخص حاضر کیا گیا، اس نے مکان کے مکینوں کے نام بتانے شروع کئے جب ایک خاص عورت کا نام آیا تو شہزادے کی نبض کی اور ہی کیفیت محسوس ہوئی جس کو پہلی حرکتوں سے کوئی مناسبت نہ تھی، جب شیخ تشخیص مرض کرچکے تو قابوس سے کہا کہ اس شہزادے کو سوائے مرضِ عشق کے اور کوئی مرض نہیں ہے اور تفصیلاً تشخیص کی رو سے علاج بتلا دیا کہ جس پر یہ عاشق

ہے وہ فلاں محلہ، فلاں گلی، فلاں گھر میں رہتی ہے اور اسکا نام یہ ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ اُس خاتون سے اسکی شادی کردی جائے۔ قابوس کو یہ سنکر تعجب ہوا مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سب صحیح تھا۔ قابوس نے خوش ہوکر شیخ کو گلے لگالیا اور اپنے برابر مسند پر بٹھایا۔ آخرکار سلطان محمود کا خوف بھی قابوس کی بغاوت پر ختم ہوا۔ اب شیخ کو بھی چند روز کے لئے آرام ملا لیکن گردش ایام ہمیشہ اہل کمال کو بے چین رکھتی ہے۔ یعنی ان کے آرام میں پھر خلل ہوا اور رعیت قابوس سے باغی ہوگئی اور قابوس گرفتار کرلیا گیا اور بسطام کے ایک قلعہ میں قید کردیا گیا اور بعد چند روز قتل کردیا گیا یہاں یہ شور و شغب برپا تھا کہ بو علی سینا اپنی جان بچاکر دہستان کی طرف بھاگے، یہاں آکر بیمار ہوگئے اور مفلسی نے اس قدر پریشان کیا کہ شیخ نے اپنی حالت کا ایک غمناک قصیدہ کہا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

لما عظمت فلیس مصر واسعی

لما غلا ثمنی عدمنا المشتری

(ترجمہ:۔ جب میری قدر و منزلت بڑھی تو میرے رہنے کے لئے شہر کی وسعت کافی نہیں ہوسکی تھی۔ اور جب میری قیمت گراں ہوگئی تو میں نے خریدار کو مفقود پایا۔)

اس طرح شیخ کی زندگی مستقل عذاب بن چکی تھی، صحت نے آہستہ آہستہ ساتھ دینا چھوڑدیا اور خار دار منزلوں اور ایک شہر سے دوسرے شہر ہوتے ہوئے اصفہان روانہ ہوگئے۔ اور آخرکار اصفہان کو بھی چھوڑدیا اور صوفیوں کے کپڑے پہن کر اپنے عزیز برادر خورد محمود اور اپنے شاگرد رشید ابو عبد اللہ کو ہمراہ لے کر اصفہان سے چل کھڑے ہوئے اور سفر کرتے ہوئے طبرک پہنچے علاؤ الدولہ کو خبر ہوگئی اس نے فوراً اپنے اُمراء و وزراء

برائے استقبال روانہ کیے، ایک گھوڑا زروجواہر سے لدا ہوا سواری کو بھیجا اور جس قدر عزت اس فاضل کو سزاوار ہو سکتی تھی، کی گئی اور شیخ نے یہیں قیام کیا، رات دن شیخ بحث و مباحث میں رہنے لگے۔ چند روز بعد علاؤ الدولہ نے انہیں عہدہ سے سرفراز کیا۔ اب شیخ نے اپنا معمول بنا لیا تھا، صبح سویرے اٹھنا اور نو دس بجے تک کتابوں کا مطالعہ کرنا، بعد میں اپنے فرائض میں مصروف ہو جانا، اس سے فراغت پاکر فلسفہ اور حکمت پر لیکچر دینا، لیکچر میں صدہا طلبہ کا مجمع ہوتا اس زمانہ کے خاص شاگردوں میں سے چند کے نام درج ہیں:— احمد شاہ رضوانی گبار ئیس، بہمن یار، نصرت شیرازی، ابومنصور، عبدالواحد جرجانی، ابوعبداللہ معصومی، سلیمان دمشقی وغیرہ، ان میں سے ہر ایک یکتائے عصر ہوا ہے اور صدہا کتابیں تصنیف کی ہیں۔ کتب تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک شیخ زندہ رہے چار گھنٹے سے زیادہ کبھی نہیں سوئے اور بیس گھنٹے تعلیم و تصانیف میں صرف کرتے رہے دفعتًا شیخ مرض قولنج میں مبتلا ہو گئے جب کہ وہ علاؤ الدولہ کے ساتھ ایک مہم پر تھے۔ شیخ نے اپنا علاج کرنا شروع کیا لیکن مرض میں ترقی ہوتی گئی اور چند روز بعد حالت ٹھیک گئی لیکن ابھی ضعف باقی تھا اسی دوران علاؤ الدولہ کو ہمدان جانے کا اتفاق ہو گیا اور شیخ کو بھی اس کے ہمرکاب ہمدان آنا پڑا۔ سفر کی تکان سے اس قدر ضعف طاری ہو گیا کہ خود کو یہ احساس ہونے لگا کہ اب طبیعت میں مرض کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہی۔ غرض کہ اسی حالت میں شیخ نے غسل کیا اور اپنے کل مال کو خیرات کر دیا غلاموں کو پروانۂ آزادی لکھ دیا اور خود ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے اکثر کلام مجید کا ورد رکھتے، اپنے گناہوں پر آنسو بہاتے اور توبہ و استغفار کرتے رہے۔ جب ان کی روح رگ و پے سے کھنچی جا رہی تھی تو اُن کی زبان پر یہ شعر تھا:

یموت ولیس منا فاصل
مولیٰ علمنا انہٗ ما اَعلم

آخر کار اُن کے انفاس قلیل کا شمار ختم ہو گیا اور ۲۷ ماہ رمضان بروز جمعہ اس دار فانی سے معاودت کی اور شہر میں ہمدان میں سمت جنوب زیر فصیل دفن کئے گئے۔ بوقت رحلت شیخ کی عمر حبیب الیسر کے قول کے مطابق شمسی حساب سے ۶۳ سال ۷ ماہ کی تھی۔

صفحہ ۲۸ کا بقیہ

(اتحاد و ترقی دوسرا اصول)

یعنی جس طرح مسلمان ایک جان ہے اسی طرح غیر مسلم بھی ایک جان ہے پھر اس معاملہ میں دونوں جانوں میں فرق کیوں کیا جائے۔

(بخاری کتاب الجنائز باب من قام بجنازۃ یہودی)

بعض موجودہ علماء نے ہند مذہب کو اصلًا توحیدی مذہب تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور قرآن کریم نے "حفاظت معابد" کا جو حق یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں کو دیا ہے اس سے ہندو عبادت گاہوں (مندروں اور شوالہ) کو الگ کر دیا ہے۔

تفسیر ماجدی میں سورۂ حج کی آیت لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ الخ کا تفسیری حاشیہ ملاحظہ ہو، لیکن حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فتاویٰ عزیزیہ میں اور حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنی مذکورہ بالا تحقیق میں جو کچھ لکھا ہے اس کی روشنی میں اس رائے کو سیاسی تعصب کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اور صحیح مسلک وہی قرار پاتا ہے جو "عرب و ہند کے تعلقات" میں مولانا سید سلیمان ندوی نے اختیار کیا ہے، اور ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والوں کو "مشابہ اہل کتاب" تسلیم کیا ہے

جامعہ ازہر

ایک ہزار سالہ پرانی درسگاہ

"ماخوذ"

قاہرہ کا اپنے وجود کے روز اول سے آجتک ازہر سے ایک گہرا ربط رہا ہے۔ یہی اس شہر کی بڑی مسجد ہے اور اس کی سب سے قدیم یونیورسٹی۔ قاہرہ کے مجد و شرف اور اس کی تاریخ کا ازہر ایک اہم حصہ ہے۔

نہ صرف مصر بلکہ پورا عالم اسلام فکر وعقیدہ میں ازہر کا منت شناس ہے کیونکہ اسلامی یونیورسٹیوں میں یہ سب سے پرانی اور عظیم یونیورسٹی ہے۔

جامعہ ازہر کی جامع مسجد کے فارغ التحصیل لاکھوں علماء دین پوری دنیائے اسلام میں گذشتہ ہزار سال سے اسلام کا پیغام پہونچاتے رہے ہیں اور آج بھی پہونچا رہے ہیں۔ ان حضرات نے نہ صرف مذہبی خدمات انجام دیں بلکہ ملکی اور قومی خدمات میں بھی سب سے پیش پیش رہے۔

ازہر کے موجودہ خدوخال کو نمایاں کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم ایک سرسری نظر اس کی ماضی کی تاریخ پر بھی ڈال دیں۔

جامع ازہر کی بنیاد جوہر الصقلی نے ۳۵۹ھ میں رکھی تھی اور تقریباً دو سال میں یہ جامع (ازہر کی جامع مسجد) بنکر تیار ہو چکی تھی۔ اس جامع میں پہلی نماز، رمضان المبارک ۳۶۱ھ میں ادا کی گئی۔

اسی طرح ۳۶۵ھ سے بیشتر تک یہ جامع صرف ایک مسجد کا کام دیتی رہی اور اس میں درس وتدریس کا سلسلہ پہلی مرتبہ معز الدین اللہ کے آخری دور (۳۶۵ھ) میں ہی شروع ہو سکا۔

اس مسجد کے پہلے مدرس قاضی القضاۃ ابو الحسن علی بن النعمان بن محمد القیروانی تھے وہ حاضرین مسجد کو شیعہ مسلک کے فقہ کی تعلیم دیا کرتے تھے لیکن ان کا یہ تعلیم دینا خود ان کی صوابدید کی بنیاد پر تھا۔ ازہر کی انتظامیہ نے اب بھی اس مسجد میں تعلیم وتعلم کا کوئی پروگرام مرتب نہیں کیا تھا۔

ازہر کی انتظامیہ نے پہلی بار ۳۷۸ھ میں اس طرف توجہ دی۔ جبکہ خلیفہ عزیز باللہ کے وزیر یعقوب بن کلس نے جامع ازہر (مسجد) کو ایک ایسی یونیورسٹی میں تبدیل کر دینے کا حکم دیا جس میں تمام دینی اور مروجہ دنیاوی علوم کی تعلیم دیجائے چنانچہ اسی سال کئی ایک کہنہ مشق اساتذہ کو اس خدمت پر مامور کر دیا گیا۔ اور اُن کے لئے سرکار کی طرف سے وظیفے مقرر کئے گئے۔

اسی سال سے جامع ازہر ایک مسجد ہونے کے علاوہ

ایک یونیورسٹی بھی بن گئی اور اس میں پھر وقتاً فوقتاً ترقی ہوتی رہی۔ مذہبی علم کے پہلو بہ پہلو یہاں طب اور فلکیات کی بھی تعلیم دی جانے لگی۔ اور یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ پورا یورپ جہالت کے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا۔

اس مسجد یا یونیورسٹی کے نام کے ساتھ لفظ ازہر جوڑنے کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ فاطمی خلفاء چونکہ خود کو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب کرتے تھے اس لئے بطور تبرک اس کے نام کے ساتھ ازہر منسلک کر دیا گیا۔ لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ جامع عالیشان (ازہر) عمارتوں کے درمیان واقع تھی اس لئے اس کو بھی ازہر کہنے لگے۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ جامع ازہر کو شروع میں جامع قاہرہ کہا جاتا تھا لیکن جب فاطمی خلفاء نے قاہرہ میں اور بھی کئی جامع (وہ مسجد جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو) تعمیر کرائیں تو اس جامع کے ہر حیثیت سے عالی شان (ازہر) ہونے کی وجہ سے بطور تمیز اسے جامع ازہر کہا جانے لگا۔ علاوہ ازیں چونکہ یہ شاہی جامع تھی اس لئے بھی اس کے نام کے ساتھ ازہر (عالیشان) لگانا موزوں تھا۔

فلک پیر کی طرح جامع ازہر کی بھی عمر کافی دراز ہے اس نے زمانہ کے سیکڑوں نشیب و فراز دیکھے ہیں ہزاروں ہی حکومتیں اس کے سامنے بنی اور بگڑی ہیں، ہزاروں فرمانرواؤں پہ یہ اثر انداز ہوئی اور ہزاروں فرمانروا اس پر اثر انداز ہوئے۔ اثر و تاثیر اور اخذ و قبول کا یہ سلسلہ تاریخ کے پچھلے ایک ہزار سال کے صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس کے بیان کرنے کے لئے پورا ایک دفتر چاہیئے اس لئے ہم ذیل کی سطور میں صرف موجودہ ازہر ہی تک اپنا بیان محدود رکھیں گے۔

جس شکل و صورت میں آج جامع ازہر موجود ہے، بعینہ یہی شکل اُس وقت نہیں تھی۔ جبکہ جوہر الصقلی نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ آج کی جامع ازہر درحقیقت مختلف دانوں اور حکومتوں کے آثار کا ایک عظیم مجموعہ ہے، جس میں فاطمی خلفاء کی یادگار صرف یہ چند چیزیں ہیں:۔

کھڑکیوں کے آس پاس سفیدے کے ساتھ آرائش اور کتابت۔

صدر دروازہ کے دونوں پہلو میں ڈاٹ اور ان پر خط کوفی کی تحریر و تزئین۔

بڑی محراب اپنے نقش و نگار سمیت۔

اندرونی جانب سے ایوان شرقی کے عقبی ڈاٹوں کی تحریریں اور آرائش

صدر دروازے کا گنبد اور اُس کے نقش و نگار۔

اولاً جامع ازہر ایک ہال اور ایک صحن پر مشتمل تھی ہال کی چھت سنگ مرمر کے ۷۶ ستونوں پر قائم تھی بعد کو امیر عبدالرحمٰن کتخدا نے ۱۱۶۷ھ میں اس میں ایک اور ہال کا اضافہ کر دیا۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ امیر عبدالرحمٰن نے جامع ازہر کے لئے اور بھی بہت کچھ کیا چنانچہ مغربی سمت کا بڑا دروازہ جو آج جامع کا صدر دروازہ ہے اسی کا بنوایا ہوا ہے۔

جامع ازہر میں پانچ مینارے ہیں جن سے پانچ مؤذن بیک وقت اذان دیتے ہیں۔ ان میناروں میں سب سے اہم مینار وہ ہے جسے ۹۱۵ء میں سلطان قنصوہ الغوری نے بنوایا تھا۔ یہ مینار دو سروں والا اور دو موذنوں والا مینار کے نام سے مشہور ہے۔

آج جامع کی پیمائش کم و بیش بارہ ہزار مربع میٹر ہے پہلے اس میں دس محرابیں تھیں لیکن فی الوقت صرف چھ محرابیں رہ گئی ہیں جن میں اہم اصل محراب اور پرانے ہال میں واقع جدید محراب ہیں۔

جامع کے صحن کو جنوب سے چند سائبان احاطہ کئے ہوئے ہیں، جو سائبان جبرت، سائبان اتراک، اور سائبان

مغاربہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پہلے یہ سائبان غیر ملکی طلبار کے لئے ہوسٹل کا کام دیتے تھے۔ لڑکے اپنا سامان ان سائبانوں میں بنی ہوئی عمدہ طرز کی الماریوں میں رکھتے تھے بلکہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ کچھ لڑکے آج بھی ان سائبانوں میں قیام کرتے ہیں۔

جامع ازہر کے سائبانوں کی ایک پرانی تاریخ ہے، مقریزی نے ان سائبانوں کے متعلق لکھا ہے کہ اسکے عہد (نویں صدی ہجری) میں ان میں عجمی، سوڈانی اور مصر کے دیہاتوں سے آئے ہوئے ۷۵۰ طلبہ قیام کرتے تھے اس قسم کے سائبانوں کی تعداد پچیس تک پہونچ جاتی تھی اور ہر سائبان میں وہی گروہ رہتا تھا جس کے نام سے وہ سائبان مشہور ہوتا تھا مثلاً بالائے مصر سائبان میں بالائے مصر ہی کے لڑکے رہتے تھے۔ جامع کی طرف سے ہر سائبان کا ایک نگراں بھی مقرر ہوتا تھا۔

اگر آپ ازہر شریف میں اس کے مغربی صدر دروازے سے داخل ہوں تو داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر آپ کو جامع ازہر کی موجودہ لائبریری ملے گی لیکن یہ لائبریری وہ قدیم لائبریری نہیں ہے جس کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ ازہر کی لائبریری دنیا کی قدیم ترین لائبریریوں میں سے ایک ہے ازہر کی موجودہ لائبریری مدرسہ اقبغاویہ کی جگہ میں واقع ہے یہ وہ مدرسہ تھا جسے امیر اقبغا نے ۷۴۰ھ میں تعمیر کرایا تھا لائبریری کی تعمیر کے لئے اس مقام کو ۱۸۹۷ء میں منتخب کیا گیا تھا۔ جبکہ سائبانوں کی لائبریریوں میں موجود بہت سی قیمتی کتابیں خراب ہو چکی تھیں۔ موجودہ لائبریری شیخ محمد عبدہ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ یہ بالکل سچ ہے اگر آپ نے بر وقت کاروائی نہ کی ہوتی تو آج ازہر یونیورسٹی نادر کتابوں اور انمول مخطوطات کے سرمایہ سے تقریباً محروم ہو چکی ہوتی۔

جن میں بہت سے فنون پر ایسی نادر کتابیں ہیں جو کسی بھی دوسری لائبریری میں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس لائبریری میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ جس جگہ پر یہ قائم کی گئی ہے وہ لائبریری کے لئے کسی بھی طرح موزوں نہیں ہے لائبریری کے اس نقص کو جناب محمد مصطفیٰ المراغی نے بھی، جب وہ ۱۹۲۸ء میں ازہر یونیورسٹی کے شیخ بنے، شدت سے محسوس کیا تھا چنانچہ انہوں نے ازہر یونیورسٹی کے شعبۂ تعمیرات سے لائبریری کے لئے ایک نئی عمارت کی سفارش بھی کی تھی جو منظور ہو جانے اور اتنا لمبا عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک تیار نہ کی جا سکی۔ ہاں اتنی بات ہم نے ضرور سنی ہے کہ ازہر یونیورسٹی کے موجودہ وزیر اوقاف لائبریری کے لئے بہت جلد نئی عمارت بنوانے والے ہیں۔

ازہر یونیورسٹی اور اس کی لائبریری کو دیکھنے کے بعد ہم نے یونیورسٹی کے شیخ (چانسلر) ڈاکٹر محمد فحام سے ملاقات کی۔ آپ پیرس کی سوربون یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں اپنی مختصر ملاقات کے دوران شیخ نے یونیورسٹی کی اہمیت پر کافی روشنی ڈالی اور مشرق بعید اور افریقی ممالک کے دورے کے وقت وہاں کے مسلمانوں نے اس مادر علمی کے بارے میں جس عقیدت و احترام کا اظہار کیا تھا۔ اس کا حوالہ دیا۔ اس کے بعد یونیورسٹی کے مختلف اداروں اور اُن کے دائرہ کار کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ اس یونیورسٹی نے اپنے فارغین اور فاضلین کے ذریعہ اپنا پیغام پورے عالم اسلام میں پہونچایا اور اُن کی بہترین قیادت کی ہے۔

آخر میں آپ نے یونیورسٹی کے متعدد تھیوریٹکل اور پریکٹیکل شعبہ جات کے نام گنواتے ہوئے فرمایا کہ پورے عالم اسلام کی یہ واحد یونیورسٹی ہے جس میں بلا تخصیص ہر مسلم ملک کے طلبہ موجود ہیں۔

اس لائبریری میں آج ۹۵۳۰۴ کتابیں موجود ہیں

۱۹ ویں صدی میں مصر میں کافی تبدیلیاں آئیں۔ مغربی

تہذیب و ترقی نے اس ملک پر بھرپور یورش کی مصر کے اسکولوں میں مغربی تعلیم لازمی قرار دیدی گئی۔ لیکن یہ مادر علمی اب بھی ان تمام انقلابات اور تبدیلیوں سے یکسر ناآشنا تھی۔ اور یہاں اب بھی پرانے ڈھنگ پر تعلیم دی جارہی تھی۔

رفاعہ طنطاوی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ازہر میں جدید علوم پڑھائے جانے کا مطالبہ کیا آپ کے بعد اور بھی متعدد حضرات نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا اور ان مطالبات ہی کا نتیجہ تھا کہ وقتاً فوقتاً اس درسگاہ میں مسلسل اصلاحات ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۳۸۱ھ میں اس کے لئے ایک ایسا قانون پاس ہوا جس نے اُسے ایک ایسی یونیورسٹی بنادیا جس میں دینی اور دنیاوی تمام علوم کی تعلیم دی جانے لگی۔

اس قانون کے مطابق اب ازہر حسب ذیل اداروں کے مجموعے کا نام ہے۔

ازہر کی مجلس اعلیٰ :-

اس کا خاص کام رہنمائی اور ان اسباب و ذرائع کی نشاندہی ہے جس سے ازہر اپنے مقاصد کو بہتر طریقے پر پورا کر سکے۔ اور عالم اسلام کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکے۔ اس کے صدر ازہر کے شیخ ہوتے ہیں۔ اور اس کے ممبران میں صرف اعلیٰ درجے کے دانشور حضرات لئے جاتے ہیں۔

مجمع البحوث الاسلامیہ :-

(اسلامی ریسرچ کمیٹی) یہ اسلامیات پر تحقیق کا سب سے ادارہ ہے جس میں ہر قسم کے اسلامی مسائل پر تبادلۂ خیالات ہوتا ہے اس کا خاص کام اسلامی تہذیب و ثقافت کو دوسری تہذیبوں کے ساتھ گڈمڈ ہونے سے بچانا، اسلامی تہذیب کی سچی قدر و قیمت کو نمایاں کرنا اور سب کو اس کی دعوت دینا ہے۔

اس ادارے میں مختلف مسلکوں سے تعلق رکھنے والے پچاس بڑے علماء دین کو ممبر بنایا جاتا ہے جن میں غیر ممالک کے ممبروں کی تعداد بیس تک ہوتی ہے۔ اس ادارے کے بھی صدر شیخ الازہر ہی ہوتے ہیں۔

اسلامی وفود اور ثقافت کا ادارہ :-

یہ وہ نظام ہے جو "مجمع البحوث الاسلامیہ" کے لئے تحقیقات کے مواد مہیا کرتا ہے۔ اس کا خاص کام ازہر کی جانب سے متعدد وفود کو عالم اسلام میں روانہ کرنا اور مختلف اسلامی ممالک سے تعلق رکھنے والے وفود کو ازہر آنے کی دعوت دینا۔ علاوہ ازیں مختلف اسلامی کتابوں کے ترجمے کرانا، ان کی نشر و اشاعت میں مدد دینا اور عالم اسلام کے لئے رابطے کی خدمت انجام دینا بھی اس ادارے کے فرائض میں شامل ہے۔

ازہر یونیورسٹی :-

ازہر میں اعلیٰ تعلیم کی پوری ذمہ داری ازہر یونیورسٹی پر ہی ہے۔ یہاں جملہ اسلامی علوم کے ساتھ مروجہ جدید علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ اس یونیورسٹی میں خاص طور پر لڑکیوں کے لئے بھی ایک اسلامی کالج ہے۔ باقی دوسرے کالج مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) اسلامک اسٹڈیز کالج۔ (۲) عربک اسٹڈیز کالج (۳) سوشیالوجیکل کالج۔ (۴) انجینئرنگ اینڈ ٹیکنیکل کالج (۵) اگریکلچرل کالج (۶) میڈیکل کالج۔ اور (۷) ٹریننگ کالج۔

یونیورسٹی کے لئے مذکورہ بالا قانون بن جانے کے بعد ۳ر مارچ ۱۹۶۴ء میں جدید یونیورسٹی کی تعمیرات کے لئے

شہر نصر میں سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اب تک کئی کالجوں (انجینیرنگ اینڈ سائنس کالج، سوشیالوجیکل کالج، اگریکلچر کالج، اور گرلز کالج) کا افتتاح ہوچکا ہے اور باقی کالجوں کے لئے ابھی عمارتیں تیار ہورہی ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق تمام تعمیرات پر کوئی پچاس لاکھ روپے کا صرفہ آئے گا۔

موجودہ میڈیکل کالج، حسین جامعی کے اسپتال میں جامع ازہر کے قریب ہی واقع ہے۔ اس میں اس وقت پانچ سو چار پائیوں کا انتظام ہے۔ میڈیکل کالج کے دوسرے حصے کی تعمیر بھی جلد پوری ہوجائے گی جس میں مزید پانچسو چار پائیوں کا انتظام ہوگا۔ اس کے علاوہ جدید جامعی اسپتال کی عمارت بھی شہر نصر میں دوسرے کالجوں کی عمارات کے ساتھ، اگلے دو تین برسوں میں تیار ہوجائے گی۔

ازہر یونیورسٹی کے ذمہ داروں سے ملاقات کے دوران ہم نے ان اصلاحات اور ترقیات کے بارے میں بھی گفتگو کی جو پچھلے دس برسوں میں منظر عام پر آئی ہیں، اور اُن منصوبوں پر بھی تبادلۂ خیال کیا جو آئندہ بروئے کار لائے جائیں گے۔ ان تمام منصوبوں میں لڑکیوں کے لئے ایک اسلامی یونیورسٹی کا قیام سب سے اہم چیز ہے۔ موجودہ گرلز کالج کو، گرلز اسلامی یونیورسٹی کی ایک ابتدائی شکل ہی سمجھنا چاہئے جسکا افتتاح پلان کے مطابق ۱۹۷۵ء میں ہونا ہے۔

بہرحال اس وقت گرلز کالج میں ۲۲۹۱ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں، جن میں ۲۵۲ طالبات شام، فلسطین، اردن انڈونیشیا اور ملیشیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ حالانکہ ۶۳-۱۹۶۲ء میں جب اس کالج کا افتتاح ہوا تھا تو طالبات کی کل تعداد صرف ۸۸ تھی۔ اس کالج میں کل سات شعبے ہیں۔

۱۔ شعبۂ اسلامیات۔
۲۔ شعبۂ عربی زبان وادب
۳۔ سوشل اور سائکلوجیکل اسٹڈی کا شعبہ
۴۔ شعبۂ تجارت۔
۵۔ شعبۂ تالیف وترجمہ۔
۶۔ شعبۂ طب وجراحت
۷۔ شعبۂ علم مبادی (فنڈامنٹل سائنس)

یونیورسٹی کے اسلامک کالج میں کل چار شعبے ہیں۔

۱۔ شعبۂ قرآن وقرآنی علوم
۲۔ حدیث وعلوم حدیث
۳۔ شعبۂ توحید وفلسفہ
۴۔ شعبۂ اخلاقیات ومعاشرت۔

یورپی زبان، اسلامی فلسفہ اور فلسفے کی وہ تمام شاخیں جو اسلام کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہیں اس کالج کے نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔ علاوہ ازیں سائکلوجی اور دنیا کے تمام اہم مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا مکمل انتظام بھی ہے۔

ازہر یونیورسٹی کا میڈیکل کالج مصر کے جدید ترین کالجوں میں سے ایک ہے اس کا افتتاح ۶۶-۱۹۶۵ء میں ہوا تھا۔ ہر وہ لڑکا جس کے پاس ازہر کے کسی ثانوی اسکول کی سارٹیفکٹ یا اور کہیں کے ثانوی اسکول کی سرٹیفکٹ ہو، بشرطیکہ وہ ازہر میں پورے ایک سال رہ کر علوم دین حاصل کرچکا ہو اس کالج میں داخلہ لے سکتا ہے۔ اسوقت اس کالج میں کل ۳۱۲۳ طلبہ زیر تعلیم ہیں، جن میں ۵۹۱ غیر ملکی ہیں۔

ازہر یونیورسٹی میں ۷۱-۱۹۷۰ء کے تعلیمی سال میں طلبہ کی تعداد ۴۲۸۴۲ تھی جن میں ۲۹۶۱ طلبہ کا تعلق دنیا کے ۶۵ مختلف ممالک سے تھا۔

غیر ملکی طلبہ پرانے زمانہ میں سائبانوں میں پڑے رہتے تھے اب اُن کی رہائش کے لئے بہترین انتظامات کردئے گئے ہیں۔ عباسیہ محلہ سے ملحق اُن کے لئے

پورا ایک قصبہ آباد کر دیا گیا ہے جو جامع ازہر کو جانیوالے شارع عام پر واقع ہے۔

یہ قصبہ تقریباً تیس ایکڑ زمین پر بسایا گیا ہے جس میں بیس ایکڑ عمارتوں سے ہی گھرا ہوا ہے اور بقیہ دس ایکڑ میں پارک، تفریح گاہیں اور کچھ سڑکیں نکالی گئی ہیں۔ اس قصبے کا سنگ بنیاد ۱۹۵۹ء میں رکھا گیا تھا اور مسلسل پانچ سال تک اس کی تعمیر جاری رہی صرف عمارتوں ہی عمارتوں پر دو ملین پونڈ سے زیادہ کا صرفہ آیا تھا۔ اس میں کل ۳۱ بلاک ہر بلاک میں بیس مکان اور ہر مکان سہ منزلہ ہے۔ اس طرح کوئی پانچ ہزار طلبہ ان میں قیام کر سکتے ہیں۔ ہر بلاک میں ایک دارالمطالعہ اور لائبریری بھی موجود ہے۔ لڑکوں کا کھانا ان کی رہائش گاہوں پر پہونچا دیا جاتا ہے۔

قصبہ میں ایک عالی شان مسجد بھی ہے، جس میں بیک وقت پانچ ہزار طلبہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں تمام سائنٹیفک آلات اور ضروریات سے آراستہ ایک اسپتال بھی ہے، جس میں پچاس چار پائیوں کا انتظام ہے۔ اس اسپتال میں طلباء کا ہر قسم کا علاج مفت کیا جاتا ہے

ضروریاتِ زندگی کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس قصبہ میں دستیاب نہ ہو، یہاں کئی ایک سیلون، لانڈریاں اور ایک فائر بریگیڈ اسٹیشن بھی ہے۔ قصبہ سے بالکل متصل تیس ایکڑ کے وسیع رقبے میں مختلف کھیلوں کے لئے فیلڈ بنے ہوئے ہیں۔ یہیں پیراکی کے لئے ایک تالاب اور نشانہ بازی اور تیر اندازی کے لئے ایک الگ گراؤنڈ بھی ہے۔

تمام غیر ملکی طلبہ کو یونیورسٹی کی طرف سے آٹھ سے دس پونڈ تک ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

جسطرح ازہر یونیورسٹی میں خصوصی طور پر ایک کالج لڑکیوں کے لئے بنایا گیا ہے اسی طرح ان کیلئے یہاں کئی گرلز اسکول بھی ہیں۔

معادی کا ثانوی گرلز اسکول جو ۱۹۶۲ء میں بنکر تیار ہوا ہے اس میں تقریباً ایک ہزار لڑکیاں اس وقت پڑھ رہی ہیں یہاں لڑکیوں کی یونیفارم ایسی رکھی گئی ہے جو اسلامی تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اسکول کے پرنسپل نے ہمیں بتایا کہ گذشتہ سال ہمارے اسکول میں کامیابی کا تناسب سو فیصد تھا اور یہ ایک ایسا تناسب ہے جس میں مصر کا کوئی ثانوی اسکول ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اس وقت ازہر میں تین گرلز اسکول ہیں، ایک معادی میں، دوسرا طنطا میں، اور تیسرا بالائے مصر سوہاج میں۔

لڑکیوں کے اسکول میں ہم نے ایک امریکی خاتون سے ملاقات کی۔ آپ نے اور آپ کے شوہر نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ قبول اسلام کے بعد میاں بیوی ازہر آئے اور اسلامی تعلیمات سے مکمل طور پر واقفیت حاصل کرنے کے لئے یہاں انہوں نے اسکول میں داخلہ لے لیا۔ خاتون کا اسلامی نام عائشہ عبداللہ ہے۔ وہ اسلامیات کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ہی معادی کے گرلز اسکول میں مسلم بچیوں کو انگریزی کی تعلیم بھی دیتی ہیں۔ یہ نومسلم جوڑا نووی کا انگریزی میں ترجمہ بھی کر رہا ہے۔

مذکورہ بالا سطور میں آپ کو ازہر شریف کی ایک ہلکی سی جھلک ملے گی۔ وہ ازہر شریف جو تشنگانِ علم کا قدیم سرچشمہ ہے۔ وہ ازہر شریف جس کے لئے پورا عالم اسلام اپنے دل میں عقیدت واحترام کا جذبہ رکھتا ہے۔ وہ ازہر شریف جو پچھلے ہزار برسوں سے اسلام اور اسلامی تعلیمات کے نشر واشاعت کا بارِ امانت اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔

قرآن کریم کی طباعت کے مختلف مرحلے

منیجر صاحب تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی کا "خط"

مئی کے رسالہ دارالعلوم میں ہم نے قرآن کریم کی طباعتی غلطیوں کی طرف ناشران کتب کو متوجہ کیا تھا۔ ہماری یہ آواز بمبئی کے نامور اور مخلص قومی رہنما الحاج مصطفیٰ فقیہہ صاحب کی توجہ سے تاج آفس تک پہونچی تاج آفس نے ایک مفصل مضمون میں ہمیں قرآن کریم کی طباعت وتیاری کے مختلف مراحل سے آگاہ کیا۔ اور اس کا اظہار کیا کہ قرآن کریم کو اغلاط سے پاک رکھنے کا پورا جذبہ اُن کے دل میں بھی ہے۔

ہم تاج آفس سے درخواست کرینگے کہ وہ آئندہ طباعت کلام پاک میں مزید توجہ اور محنت کو بروئے کار لائے نیز مولوی اسماعیل احمد عبداللہ صاحب بلیک برن انگلینڈ کو توجہ دلائینگے کہ وہ اپنی تصحیح کے اوراق زیادہ بہتر ترتیب کے ساتھ تاج آفس بمبئی کو بھیجدیں۔

(سید ازہر شاہ قیصر)

مکرمی جناب مولٰنا سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر قبلہ

السلام علیکم

خیر و عافیت!

آج صبح مصطفیٰ فقیہہ صاحب نے آپ کے ماہ نامے "دارالعلوم" دیوبند اشاعت مئی ۱۹۷۳ء میں شائع شدہ ایک شکایتی خط پر ہماری توجہ مبذول کرائی جسے جناب مولوی اسمٰعیل احمد عبداللہ صاحب نے بلیک برن انگلینڈ سے آپ کو لکھا ہے۔

ہم آپ کے اور مولوی اسماعیل صاحب کے دلی شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ہماری مطبوعات کو اتنی گہری نظر سے دیکھا اور آپ نے اپنے جریدے کے توسط سے ہم تک یہ بات پہونچائی۔ آپ ہمیں وہ اوراق بھجوادیں جو آپ تک پہونچے ہیں تاکہ ہم انہیں دیکھیں اور نوٹ کرلیں اور آئندہ ایڈیشن ... اس کی تصحیح کرتے ہوئے تیار کروائیں۔

قرآن کریم کی اشاعت میں جن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے بحیثیت ایڈیٹر چونکہ آپ طباعت واشاعت سے تعلق رکھتے ہیں ممکن ہے کہ خاکہ آپ کے ذہن میں بھی ہو۔ ہم اُن مراحل کو ذیل میں درج کررہے ہیں اور ہمارے یہاں اس سلسلہ میں کیا انتظامات ہیں اور کیا اقدامات کئے جاتے ہیں۔ وہ تحریر ہیں۔ آپ اپنے جریدہ کی اگلی اشاعت

میں انہیں شائع کر کے اسمٰعیل احمد عبداللہ صاحب کو بلیک برن میں خصوصی طور پر اور مسلمانانِ عالم کو عمومی طور پر روشناس کرادیں کہ ادارہ تاج آفس بمبئی ۳ اپنی جگہ تمام تر کوشش کرتا ہے کہ وہ اس مقدس کتاب کو صحیح طور پر بلا اغلاط تیار کرتا رہے۔ خدا رب العزت کا پورا خوف اُن کے دلوں میں ہے لیکن جو باتیں امکان سے باہر ہیں اس کے لئے اسی رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ ان میں بھی ہمارے لئے راستے اور آسانیاں پیدا کردے۔ اس پر اگر کوئی چیز رہ جائے تو ہمارے گناہ کو معاف فرمادے (آمین)

کتابت

ایک قرآن کریم کی کتابت میں ۱½ سے دو سال کا وقت درکار ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں جس قدر کتابت کا کام ہوا ہے اللہ کے فضل وکرم سے حافظِ قرآن کے ہاتھوں ہی ہوا ہے

تصحیح اصل کتابت

جو اوراق کتابت کے تیار ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے چار پانچ مصححین کے ہاتھوں سے گذرتے ہیں جن میں حافظ بھی ہیں، پروفیسر بھی ہیں اور عالم و فاضل حضرات بھی۔ یہ حضرات مستقل طور پر ہمارے یہاں تصحیح کا کام کرتے ہیں۔

ترمیم اغلاط

ہر بار جب دو یا تین مصححین کے ہاتھوں گذرتا ہے تو ان کے بتلائے ہوئے اغلاط کی ترمیم کاتب سے کروائی جاتی ہے اور ترمیم کے بعد پھر جانچ ہوتی ہے کہ ترمیم ٹھیک طور پر عمل میں آئی یا نہیں اس کے بعد اوپر کے "بٹر پیپر" الگ کر دیئے جاتے ہیں اور نئے "بٹر پیپر" ہر صفحہ پر چسپاں کرائے جاتے ہیں تاکہ باقی مصححین کے لئے صفحات گویا بالکل نئے ہو جائیں۔ ان کی جانچ کے بعد پھر ترمیم اغلاط کاتب سے کروائی جاتی ہے اور ایک نظر پھر سے اطمینان کر لیا جاتا ہے کہ ترمیم مکمل طور پر عمل میں آگئی ہے، بلاک سازی کو دینے سے پیشتر ایک بار پھر ایک ایک صفحہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی غلطی ترمیم سے رہ نہ گئی ہو۔

بلاک سازی

کل اطمینان کے بعد جب بلاک سازی یا پلیٹ سازی کو دیا جاتا ہے تو یہاں بھی ہر صفحہ کو کئی مراحل سے گذرنا ہوتا ہے فوٹوگرافی، نگیٹو لیتے وقت امکان ہوتا ہے کہ فوکسنگ میں کسی وقت کچھ خامی رہ جائے۔

ڈیولپنگ

نگیٹو کی ڈیولپنگ کے وقت اندھیری کوٹھری میں کام کیا جاتا ہے۔ ایک منٹ جلد یا ایک منٹ تاخیر سے پوزیٹیو ہلکا یا تیز ڈیولپ ہوگا۔ اس کے بعد جب پلیٹ تیار کی جاتی ہے تو اس وقت بھی ایک منٹ کی جلدی یا تاخیر سے پلیٹ کی خصوصیات میں فرق آنے کے امکانات ہوتے ہیں۔ بلاک یا پلیٹ تیار ہوجانے پر اس کا پروف نکالا جاتا ہے اور اسے بغور پڑھا جاتا ہے تصحیحی نگاہ سے۔ اگر بلاک میں کہیں زیر زبر اُڑ گیا ہو تو اسے ساڈر کروا دیا جاتا ہے اور اگر پلیٹ ہو تو اس پر ضرور تصحیح کی جاتی ہے۔

پرنٹنگ

بلاک و پلیٹ سازی سے اطمینان ہوجانے کے بعد پرنٹنگ شروع کی جاتی ہے۔ اس دوران میں امکانات ہوتے ہیں کہ کہیں سے گرد آکر رولر پر پڑ جائے تو کہیں نقطہ کی شکل اختیار کر جائے تو کہیں کچھ اور۔ یہ ممکن ہے کہ جو ساڈر کیا گیا تھا وہ ساڈر ہی چھوٹ جائے یا جہاں پلیٹ پر درستگی کی گئی تھی وہ ہی اُڑ جائے۔ کیونکہ پلیٹ اول دمی

جن مراحل سے گذر کر تیار کی جاتی ہے ان مراحل سے ایک نقطہ یا ایک زیر زبر کے لئے نہیں گذرتی۔ اس لیے حتی الامکان کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ پلیٹ اول وقت میں اچھی طرح تیار ہو فارم کے اسٹور کرنے میں بھی ذرا کوتاہی ہو جائے تو داغ دھبے اضافی شکل میں رونما ہو سکتے ہیں۔ نیز کاغذ کے مطابق اس کی سیاہی کا انتخاب نہ کیا تو غلط نتائج برآمد ہو سکتے ہیں آپ اس پر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک ناشر ایک طابع کو کتنی کتنی احتیاطیں برتنا پڑتی ہیں۔ ہر دو تین سو کاغذ چھپنے پر ایک کاغذ اُٹھا کر دیکھ لیا جاتا ہے کہ کہیں توجہ کی ضرورت تو نہیں۔

فولڈنگ اور جلد سازی

فولڈنگ اور جلد سازی کا کام تمامتر ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ بشریت کا تقاضہ ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں غلطی کر جائے اس کو بھی چیک کرنے کے لئے دو ہر تبہ دیکھا جاتا ہے کہیں فارم کم تو نہ اٹھایا زیادہ تو نہیں اٹھا۔ صفحات کے نمبر ملائے جاتے ہیں اور پھر سلائی کا کام شروع کیا جاتا ہے۔

ایڈیشن کی تیاری کے بعد مکمل کاپی پھر ایک بار مبصرین کے حوالے کر دی جاتی ہے کہ اُسے ایک نظر دیکھ لیں اور خامیوں سے آگاہ کریں تاکہ دوسرے ایڈیشن چھاپنے سے پہلے پہلی خامیوں کو دور کر سکیں۔

اس کے علاوہ ہم ان حضرات کے بھی شکر گذار ہیں جو کبھی کبھار آکر یا خط لکھ کر کسی خامی کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں بلا کسی معاوضہ، خاموشی کے ساتھ صرف اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر انہیں بھی پورا اطمینان دلایا جاتا ہے کہ اگلے ایڈیشن میں اس خامی کو دور کر دیا جائیگا انشاءاللہ

کچھ لوگ جو اکثر آتے رہتے ہیں نیا ایڈیشن تیار ہوتے ہی بتلا بھی دیا جاتا ہے کہ خامی دور کر دی گئی۔

ان تمام انتظامات و احتیاط کے باوجود اگر کسی طرح کوئی خامی پیدا ہو جائے یا رہ جائے تو مالک یوم الدین سے ہمیں بڑی امید ہے کہ ہمارے ان لاشعوری گناہوں سے ہمیں بخش دیگا اور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔

تنقید و تبصرہ

امراضِ صدر

ترجمہ جناب مولانا حکیم عزیز الرحمن صاحب اعظمی لکچرار جامعۂ طبیہ دارالعلوم دیوبند

سائز $\frac{18\times 22}{8}$، صفحات ۲۶۰

پتہ۔ ناشر وصیۃ المعارف دیوبند

امراض صدر ایک امریکی مصنف "یاٹر اولیور" (YATER OLIVER) کی تصنیف سائم ٹم ڈائگنوزز (SYMPTOM DIAGNOSIS) کی تلخیص و ترجمہ ہے، یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے امراض سینہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں امراض سینۂ قلب کے اسباب و علامات اور اُن کے امراض و معالجات پر بحث کی گئی ہے۔

اصل انگریزی کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے آٹھ ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب قلب کے ۸۰ سے زیادہ اسباب و علامات پر مشتمل ہے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں اپنی نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے۔

(باقی صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ کیجئے)

دورِ حاضر کی بے چینیاں اور مذہب

مولانا قمر عثمانی

آج کا انسان جتنا جتنا مذہب سے بیزار ہوتا جا رہا ہے اتنا ہی افراتفری، انتشار اور بے چینی کا شکار ہے۔

دنیا میں تنہا مذہب ایک ایسی طاقت ہے جو انسانیت کے دائرہ میں رکھتے ہوئے انسان کو شرافت و نجابت کی راہ دکھاتی ہے؛ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی اچھا مذہبی ہوتے ہوئے انسانیت کے اچھے جوہروں سے خالی ہو۔ مذہب کی عظمت دل میں ہوگی تو ہر قدم احتیاط و متانت کے ساتھ اٹھے گا معاشرت ہو یا معیشت، ذاتی معاملہ ہو یا اجتماعی احوال یہ مذہب ہوگا جو ان سب میں اعلیٰ اقدار کی طرف انسان کی رہنمائی کرے گا۔ زندگی کا کوئی گوشہ ہو اس میں کسی بھی ممکن بے راہ روی پر قدغن اگر لگا سکتا ہے تو مذہب کا وہ بھرپور اور مقدس جذبہ ہے جو انسان کے صرف جسم پر نہیں دل پر حکومت کرتا ہے۔ کسی بھی غلطی کسی بھی کوتاہی کے ارتکاب سے پہلے اگر کوئی طاقت انسان کا ہاتھ پکڑ سکتی ہے تو وہ مذہبی جذبہ کی وہ طاقت ہے جس کے آگے تیر و تلوار، نیزہ و ناوک سب ہیچ ہیں۔ مذہب ہی انسان کے اندرون میں وہ اخلاقی توانائی اور تب و تاب پیدا کرتا ہے جس کے سبب انسان سرتاجِ مخلوق بنتا ہے۔ اخلاق کی اعلیٰ خصلت اگر انسان میں پیدا ہو جائے تو بلاشبہ انسانیت کا زیور شرافت کی روح، سعادت کی زینت بن جائے۔ اخلاق کی یہ قوت پیدا کرنے والی صرف مذہبی اسپرٹ ہے۔

یہ قطعاً نہیں ہو سکتا کہ اپنے مذہب پر عمل کرنے والا اور مذہب کی ہدایات پر سچے دل سے یقین رکھنے والا ایک آدمی کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے کسی کو مٹائے یا مٹانے کی تدبیر کرے اور ایسا آدمی اگر تجارت کے میدان میں ہے تو وہاں خیانت کا ارتکاب کرے، نفع اندوزی کرے اور مخلوق کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھائے اور اگر سیاست میں ایسا شخص ہے تو وہاں خیانت بدنیتی فساد انگیزی اور غرض پرستی کا مظاہرہ کرے اور اجتماعی ذمہ داریوں سے اگر اس کا واسطہ ہے تو وہاں دنائت، موقع پرستی اور پستی کردار کا ثبوت دے اور ذاتی معاملہ ہو تو یہ شخص بدمعاملگی کی پست سطح پر نظر آئے، غرض یہ کہ مذہب انسان کی ایک ایسی اہم ضرورت ہے جس سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔ مذہب کی دیوار درمیان سے ہٹا دیجئے اس کے بعد کوئی تریاق نہیں جو انسان اور انسانیت کے دکھ کا علاج ہو سکے۔ مذہب اعلیٰ اقدار کا ضامن ہوتا ہے۔ یہی وہ توانائی ہے جو نیکی کو فروغ دیتی اور برائیوں پر روک لگاتی ہے۔ زندگی کا کوئی رخ اور کوئی زاویہ ہو اگر مذہب کا

رنگ وہاں نہیں ہے تو پھر غلط سے غلط راہ پر پڑنے سے زندگی کی گاڑی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

بات شاید نامکمل رہے ایک اور گوشہ اگر واضح نہ کرتے چلیں، یہ بھی مذہب کی ایک اعلیٰ خصوصیت ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کا احترام ضروری قرار دے، کوئی مذہب ہو اس کی توقیر کرے، نظریاتی اختلاف کے باوجود دوسروں کے جذبات کا احترام مذہب کا ایک ضروری تقاضا ہونا چاہیئے اگر کسی مذہب کے ماننے والے دوسروں پر زبان طعن دراز کریں یا عملی طور پر انہیں اپنی عداوتوں کا نشانہ بنائیں اُن کی تہذیب ان کی روایات پر حملہ آور ہوں تو یہ اپنے مذموم جذبات کا اظہار اور ان کی بھدی نمائش تو ہو سکتی ہے یہ کسی مذہب کی تعلیم یا اس کی خصوصیت نہیں ہو سکتی۔ ایسا اگر کوئی کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے مذہب کا دشمن ہے اور اپنے مذہبی خصوصیات سے نابلد اور بے بہرہ ہے مذہب کا نام لے کر لوگوں کے جذبات بھڑکا کر انہیں غلط رُخ دیدینا یہ کسی مذہب کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی، یہ مذہب کی حرمت اور اس کے تقدس پر ایک داغ ہے، مذہب نہیں ہے، مذہب تو دنیا کے لئے صلاح و فلاح کا ایک روشن مینا ہوتا ہے جس کی روشنی میں انسان اپنے عقیدے کے مطابق ابدی نجات کی راہ ڈھونڈتا ہے۔ یہ کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک ایسی چیز جس پر نجات و فلاح کا مدار ہو وہ انسان کو انسانیت کی بجائے فساد اور شر پر آمادہ کرے ظلم و تعدی کیطرف لیجائے یا وہ یہ ہدایت دے کہ میری خدمت نہیں کیجا سکتی جب تک کہ دوسروں کو ختم نہ کر دیا جائے۔

مذہب نفرت و عداوت نہیں بلکہ پیار و محبت رواداری اور اخلاق کا معلم ہوتا ہے اسکو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اس کا اگر کہیں غلط استعمال ہوتا ہے تو مذہب کی نہیں استعمال کرنے والے کی غلطی ہو گی۔

ہمیں اپنی بات کے استدلال میں کسی بہت باریک دلیل لانے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص آج گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لیکر اسکا اندازہ کر سکتا ہے کہ آج کا سماج، آج کا زمانہ، اور آج کی دنیا ظاہر فریب ترقیات کی آخری حدوں پر ہے زندگی کا کوئی گوشہ نہیں جو آج کی صنعتی اور سائنسی ترقی سے متاثر نہ ہو۔ ہر شخص جدید سہولیات جدید ترقیات سے کسی نہ کسی حد تک بہرہ ور ہے۔ موجودہ صدی کے نصف آخر میں عقل کو خیرہ کر دینے والی ترقیات نے انسان کو بہت کچھ دیا ہے، بہت کچھ اٹھایا ہے یہ دور حاضر کی ترقی ہی کا فیض کہیئے کہ آج ہر شخص عزم اور امنگ حوصلہ اور ہمت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کو بھی دور حاضر کی ترقی ہی کے ضمن میں رکھیئے کہ سیاسی اعتبار سے جمہوریت، سوشلزم، اظہار رائے کی آزادی جیسے اعتبارات نے انسان کو ایک اعتماد ایک ولولہ بخشا اور آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا ہے مگر بے تأمل کہنے دیجیئے کہ ان تمام باتوں کے باوجود انسان سکون خاطر سے محروم ہو گیا ہے۔ وہ بھرپور آسائشوں سے بہرہ ور ہونے کے باوجود دل کے چین اور آنکھ کی ٹھنڈک سے تہی دامن ہو گیا ہے اور اسکی وجہ پہلی اور آخری صرف یہ ہے کہ زندگی کے سفر میں آج انسان کا رہنما اسکا مذہب نہیں بلکہ آج کا کھوکھلا سماج ہے۔

مذہب کو چھوڑ کر انسان نے جو ترقی کی اسکا حشر سامنے ہے کہ کہنے کے اعتبار سے ترقی نے بہت کچھ دیا لیکن زندہ دلی اور طمانیت قلبی جو زندگی کا جوہر ہے اسکو یہ ترقی بالکل نہیں تو کافی حد تک کھا گئی ہے۔ ہر شخص تصویر الم بنا ہے کوئی شخص نہیں چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا جو طوفان زندگی میں انتشار کا شکار نہ ہو نت نئے فتنے جو آج کی بے بنیاد ترقی کا لازمی نتیجہ ہیں انہوں نے آج کے انسان کو ایک ایسی ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے جس سے نکلنے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ غور کیجیئے تو انسان کے پاس سب سے بڑی قوت جس کو انسانیت کا شرف کہنا چاہیئے وہ اخلاق فاضلہ کی قوت ہے یہ انسانیت کا وہ زرنگار تاج ہے کہ

جس کے بغیر انسان جانور سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا یہ اخلاقی قوت انسان کے اندر صرف مذہب بیدار کرتا ہے مذہب ہی اس کو بتاتا ہے کہ انسان تمام اعمال کا اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے جوابدہ ہے۔ خیر و شر کی ایک حقیقت ہے جو ٹھوس شکل میں ضرور سامنے آتی ہے اور جس کے سامنے آنے کے بعد اس کے اچھے برے نتیجے سے انسان کو ضرور دوچار ہونا ہے۔ یہ بالکل نہیں ہے کہ انسان نے جو کچھ کیا یا جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ فضا میں تحلیل ہو کر ختم ہو گیا اور اس کا نتیجہ یا اثرات کسی شکل میں سامنے نہیں آئے گا، یہ جذبہ یہ احساس اور یہ فکر جزا و سزا ظاہر ہے مذہب ہی انسان میں ابھارتا ہے اور اسی جذبے اور احساس کے نتیجے میں انسان میں اخلاقی قوت کا نشو و نما ہوتا ہے اخلاق زندہ ہو جائیں تو پھر معاشرہ اور سماج نمونہ جنت کیسے نہیں بن سکتا؟

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ آج کی متعفن فضا اور ابتر ماحول اور اس کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی پریشانیاں اور بے چینیاں صرف نتیجہ اس بات کا ہے کہ زندگی کے نقشے سے مذہب کو خارج کر دیا گیا ہے جو انسان میں وہ تمام صفاتِ حسنہ اور محاسنِ جمیلہ پیدا کرنے کا ضامن تھا جس سے امن و عافیت اور سکون و اطمینان کی دولت میسر آتی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ مذہب بیزاری آج ایک فیشن بن گئی ہے آج یہ بات ترقی پسندی کے خلاف سمجھی جاتی ہے کہ کوئی شخص مذہب کی بات کرے یا مذہب پر عمل کرے۔ ظاہر ہے جو چیز محض فیشن کے طور پر رواج پائے اس کے پیچھے کوئی جاندار استدلال نہیں ہوتا محض نقالی ہوتی ہے جس کا کھوکھلا پن اتنا ہی ظاہر ہوتا ہے جتنا کسی کمزور چیز کا ہو سکتا ہے۔ آج آپ کسی فیشن زدہ شخص سے پوچھئے کہ مذہب بیش پا افتادہ کیوں ہے اور آپ کی اختیار کردہ ترقی پسندی اور آزاد خیالی پسندیدہ کیوں ہے؟ تو اس کا جواب جو کچھ آپ کو موصول ہو گا اس پر آپ صرف ہنس دینگے اور اس نتیجہ تک پہونچنا آپ کے لئے زیادہ دشوار نہ ہو گا کہ ترقی پسندی اور فیشن پرستی کے لئے یہ بھی کافی حد تک ضروری ہے کہ آدمی عقل و خرد سے کورا اور فکر و تدبر سے ضروری حد تک محروم ہو۔ پھر فیشن اور ترقی پسندی جس کو ہم نقالی کہہ رہے ہیں اس کے لئے کسی عقل و خرد کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ مذہب بیزاری فیشن کے طور پر بھی زیادہ تر چلی ہے "زیادہ تر" ہم نے اس لئے کہا کہ کچھ لوگ ارباب علم و فضل ہونے کے باوجود بھی مذہب کو غیر ضروری چیز سمجھتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کا ارباب علم و فن ہونا بھی علم و فضل پر ایک طنز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ایسے علم و فضل کو کیا کہا جائے جو زندگی کی اہم ترین ضرورت کا (جس میں دل کا اطمینان اور معاشرے کی اصلاح مضمر ہوتی ہے) انکار کرتے ہیں۔ ان کا علم و فضل اگر ایک ایسی حقیقت ثابتہ کی طرف بھی رہنمائی نہیں کر سکتا جو زندگی کی ضرورت بھی ہے اور زینت بھی تو پھر ایسے علم و فضل کو بلا تکلف جہالت سے کیوں نہ تعبیر کیا جائے۔

ہم یہاں کسی [illegible]ی تخصیص نہیں کر رہے ہیں۔ اسلئے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر مذہب قطع نظر اس سے کہ وہ حق ہے یا ناحق محرف ہے یا غیر محرف وہ اپنے ماننے والوں کو انسانیت اور خیر [illegible] اخلاق و مروت کی تعلیم ضرور دیتا ہے۔ اگرچہ ہمارے اعتقاد کی رو سے یہ تعلیم بھی اسلام جیسے قطعی برحق مذہب میں اپنی کامل و مکمل شکل میں پائی جاتی ہے ایسی مکمل صورت میں کہ ایسی منضبط اور مرتب اور مفصل تعلیم یقیناً دوسرے کسی مذہب میں نہیں ہو گی۔ تا[illegible] کوئی بھی مذہب ہو اسکے ماننے والے اس کی موٹی موٹی اخلاقی ہدایات اور تعلیمات کو اپنائیں تو موجودہ دور کی بے چینیاں ختم ہو سکتی ہیں غرض یہ کہ مذہب کو اپناؤ اسکو عام کرو اور اپنا لٹا ہوا سکون اور مٹی ہوئی طمانیت واپس لے لو۔ یہ ایک تدبیر ہے اسے چا[illegible] دقیانوسیت کہو یا قدامت پسندی، مگر علاج غم دوراں اسی سے ہو[illegible] زندگی کے چمن میں بہار اسی سے آئیگی، غم واندوہ کی تاریکی چھٹ کر سکون قلب کی چاندنی اسی سے پھیلے گی۔ ؎

اگر شعور نظر ہو تجھ کو اگر بصیرت ہو تجھ کو حاصل
بڑے حقائق کی ترجماں ہے مری نوائے قلندرانہ

کوائفِ دار العلوم دیوبند

حضرت مہتمم صاحب کے اسفار

آسام کے دورہ سے واپس ہوکر حضرت مدظلہ نے ماہ مئی میں کوئی سفر نہیں فرمایا۔ بوجہ شدت موسم گرما مئی اور جون کے مہینوں میں عام طور پر سفر نہیں فرماتے

مولانا محمد میاں صاحب اور بعض دوسرے ہمدردانِ دار العلوم کے اصرار پر مدرسہ افضل العلوم آگرہ کے سنگ بنیاد کے لئے ۳ جون کو آگرہ تشریف لے گئے۔ یہ مدرسہ عین تاج محل کے سامنے تاج گنج میں قائم کیا جارہا ہے۔ ۳ر جون کو بعد نماز فجر آگرہ کے سربرآوردہ اور تجارت پیشہ حضرات کی موجودگی میں سنگ بنیاد رکھا گیا۔ حق تعالیٰ اس مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

آگرہ سے ۳ر جون کو شام کو واپسی ہوئی۔ شب میں محلہ رود گران دہلی میں سیرت پر تقریر فرمائی۔ صبح ۴ جون کو بذریعہ کار شیرکوٹ تشریف لائے۔ کئی سال سے شیرکوٹ کے حضرات درخواستیں کر رہے تھے مگر بوجہ معروفیت وقت نہیں مل سکا تھا

امسال ۴ر جون مقرر گئی مدرسہ اسلامیہ کے جلسہ میں شرکت فرماکر ۵ر جون کو بجنور تشریف لے گئے، مولانا مرغوب الرحمن صاحب کو جب معلوم ہوا کہ حضرت مدظلہ شیرکوٹ تشریف لے جارہے ہیں تو حضرت سے فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ آپ شیرکوٹ تشریف لے جاویں اور ہم اہل بجنور محروم رہیں چنانچہ ۵ر کو حضرت مدظلہ بجنور تشریف لے گئے۔ حضرت نے واپس ہوکر فرمایا .... کہ اس سفر کی کل تھکان اور گرمی کی کلفت بجنور پہنچکر ختم ہوگئی۔ مولانا مرغوب الرحمن صاحب نے بڑا اہتمام فرمایا تھا، بجنور میں بہت آرام ملا حضرت مدظلہ کی اہلیہ محترمہ اور مولانا محمد سالم صاحب کی اہلیہ اور بچے بھی ساتھ تھے جو چاندپور مولانا محمد سالم صاحب کے داماد کی ہمشیرہ کی شادی میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے یہاں بار بار مولانا مرغوب الرحمن صاحب، مولانا مطلوب الرحمن صاحب، مولانا محبوب الرحمن صاحب مولانا شفیق صاحب اور سب گھر والوں کے آرام رسانی اور بڑے اہتمام و انتظام کی تعریف فرمائی، ہر چھوٹا بڑا ہر وقت مستعد اور تیار رہتا تھا یہ قافلہ بہت خوش خوش ۶ر جون ۱۹۷۳ء کو ۱۲ بجے دیوبند پہونچا۔

مجلس عاملہ

۲۳ر ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰ر مئی ۱۹۷۳ء سے ۲۵ر ربیع الثانی تک حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی صدارت میں عاملہ کا اجلاس ہوا۔ سب سے بڑا مسئلہ اس اجلاس میں حضرات اساتذہ اور ملازمین کی درخواست اضافہ تنخواہ پر تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ دار العلوم دیوبند اپنے اساتذہ اور کارکنوں کیساتھ جس بلند حوصلگی اور فراخ دلی سے کام لیتا ہے ویسا کوئی دوسرا ادارہ نہیں تنخواہیں یہاں دوسرے مدارس کی نسبت اچھی خاصی ہیں مگر گرانی کا ستیاناس ہو کہ تھمنے کا نام نہیں لیتی اگر دس روپیہ تنخواہ میں بڑھ جاتے ہیں تو بیس روپے کا بار گرانی ڈال دیتی ہے اور اب تو ہمارے اعمال کا یہ نتیجہ ہے کہ چیزیں ملتی ہی نہیں پانی تک اس ملک میں کمیاب اور نایاب ہو رہا ہے

بہرحال مجلس شوریٰ محرم ۱۳۹۳ھ نے مذکورہ بالا درخواست پر غور کرنے اور نیا خاکہ مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی

تھی اور مجلس عاملہ کو اختیار دیدیا تھا کہ مجلس گریڈ اور الاؤنس کے نئے خاکہ پر غور کر کے اسے منظور کرے اور یکم محرم ۱۳۹۳ھ سے اسے جاری کر دے۔ مجلس شوریٰ نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ ایسا خاکہ چاہیئے جس سے کارکنوں کو معتد بہ فائدہ بھی پہونچے اور پچاس ہزار سالانہ سے زیادہ بار بھی نہ پڑے۔ چنانچہ کمیٹی نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے خاکہ مرتب کیا۔ مجلس عاملہ نے بھی اسے بہت غور سے دیکھا اور متعدد نشستوں میں اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے منظور فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ پندرہ روپیہ ماہوار سے کم کسی کا اضافہ نہیں ہو پندرہ والے دو ہی چار ہیں ورنہ سترہ اور سترہ سے اوپر ہی اضافہ ہوا ہے حق تعالیٰ دارالعلوم کی امداد فرمادے۔ دارالعلوم کے امداد کنندگان، چندہ دہندگان اور معاونین و ہمدردان کو جزائے خیر عطا فرمادے۔ اور ان کے کاروبار میں برکت و ترقی عطا فرمادے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دارالعلوم اور دین کی خدمت کر سکیں۔

(۲) ۔ سب سے پہلے حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی، مولانا ضیاء الدین صاحب بردوئی اور مولانا رحمت علی صاحب اٹاوی کی وفات پر تجویز تعزیت منظور کی اور دعاء مغفرت فرمائی

(۳) ۔ احاطہ جات دارالعلوم دیوبند کی صفائی ستھرائی سے متعلق مولانا محمد اسلم صاحب کی بعض رپورٹ پر تجویز منظور کی اور اسے سراہا

(۴) ۔ مولانا وحید الزماں صاحب اور مولانا محمد اسلم صاحب کی ٹائپ پریس سے متعلق رپورٹ پر غور کیا اور ہدایات دیں

(۵) ۔ مولانا حبیب اللہ صاحب لاہوری مہاجر مدینہ رح کی وصیت کے مطابق مولانا کی جو کتابیں دارالعلوم میں پہونچ گئی ہیں ان پر اظہار مسرت کیا اور مولانا مرحوم کے ترقی درجات کی دعا کی۔

احاطہ دارالقرآن میں تین درسگاہوں کی تعمیر کی اجازت دی اور احاطہ دفتر کے فرش کے سمنٹ کرنے کی اجازت دی اس کے علاوہ بھی متعدد ایسی تجاویز منظور کیں جو دارالعلوم کے عام نظم و نسق سے متعلق تھیں۔

صفحہ ۴۳ کا بقیہ

(تنقید و تبصرہ)

اطباء کے لئے سینہ کے امراض کی تشخیص کے لئے یہ کتاب بڑی کار آمد چیز ہے۔ امراض کے عربی ناموں کے ساتھ ڈاکٹری یعنی ایلوپیتھی نام بھی انگریزی حروف میں لکھ دئے گئے ہیں۔

کسی فنی کتاب کے ترجمے کی زبان جتنی زیادہ سے زیادہ سہل و سلیس ہو سکتی ہے فاضل مترجم نے اس کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔

حکیم صاحب عربی کے ساتھ انگریزی زبان کی بھی اچھی استعداد رکھتے ہیں۔ اور اردو نظم و نثر میں بھی بڑی اچھی صلاحیت کے مالک ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ یونانی اطباء اس کتاب سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

فہرست مضامین انگریزی میں ہے، ازرہ کتاب کے لئے فہرست بھی اردو ہی میں ہونی چاہیئے تھی، جو لوگ انگریزی نہیں جانتے ان کے لئے اس فہرست سے استفادہ کرنا مشکل ہے۔

legra CHIDMPIR Telephone [323715 / 32202

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

دار العلوم دیوبند کا علمی دینی اصلاحی ماہنامہ

ماہنامہ

دار العلوم

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند

ابن الانور سید محمد ازہر شاہ قیصر

جلد ۴۵ | دار العلوم دیوبند کا علمی، دینی اور اصلاحی | شمارہ ۵

ماہنامہ دار العلوم

اگست ۱۹۷۳ء

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ قیصر

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دار العلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے آٹھ روپے
پاکستان سے آٹھ روپے
ممالک غیر سے ۲۲ شلنگ
فی پرچہ اسی پیسے ۸۰/

فہرست مضامین

یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپکا چندہ ختم ہوگیا ہے، ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر کو بھیجدیں وی پی کا انتظار نہ کریں اسلئے کہ وی پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مخلصین دار العلوم سے ضروری گذارش

بنگلہ دیش اور پاکستان سے ڈاک کے تعلقات منقطع ہوجانے کی وجہ سے رسالہ دار العلوم کے تقریباً دو ہزار خریدار ٹوٹ گئے ہیں۔ اپنی دعوت و فکر کے ایک انداز پر قائم رہنے کی وجہ سے یہ رسالہ پہلے ہی سے مالی طور پر زیر بار ہے۔ مخلصین دار العلوم "دار العلوم" کی اس آواز کو باقی رکھنے کیلئے رسالہ کی توسیع اشاعت کی کوشش کو اپنا ضروری فریضہ خیال کریں ہر شخص کم از کم دو خریدار رسالہ کے لئے ضرور فراہم کرے۔

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

حرفِ آغاز

تاریخ کی شہادت ہے کہ دنیا سو چکی تھی اور انسانیت کا نام ونشان مٹ چکا تھا کہ اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا، اور اس کی کرنوں سے سوئی ہوئی دنیا جاگ اٹھی اور انسانیت کے تن مردہ میں نئی روح نے انگڑائی لی، پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے اس عالم رنگ وبو میں ایک انقلاب آیا، اور کائنات انسانی کے دن پھر گئے، ظلم وجور، فتنہ وفساد پر ایک آہنی دیوار کھنچ گئی اور انسانوں نے سکون وراحت کا سانس لیا۔

عالمی قیادت مسلمانوں کے حصہ میں آئی اور یہ جدھر نکل گئے اور جس خطہ میں پہونچے وہ جنت بداماں نظر آنے لگا، امن وسلامتی خوش حالی وفارغ البالی اور اطمینان وسکون نے ان کا استقبال کیا اور انسانوں کے دلوں سے دعائیں نکلیں، اسلامی تہذیب وتمدن چھاتا چلا گیا، اور اولاد آدم میں زندگی کی روح دوڑنے لگی، خود مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر طرح منظم اور متحد تھے، یکدل اور ایک جان تھے، ان میں خلوص تھا اور اخوت ومحبت انکا امتیازی نشان تھا، اس نے دنیا کو متاثر کیا اور اس کے نتیجے میں اسکی ہر چیز قابل قدر سمجھی گئی، اور اس سے لوگوں کو شغف اور دلچسپی ہوئی، خود مسلمانوں میں بھی خود اعتمادی ہوتی تھی اور دوسرے بھی اس سے مرعوب ہوتے تھے، خود فراموشی کی بیماری ان کے پاس آنے سے گھبراتی تھی۔

مگر قدرت کا قانون ہے کہ ہر کمال کو دیر سویر زوال سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، اور یہ زوال وانحطاط کسی ملت اور قوم میں خود فراموشی اور اخلاق واعمال میں اضمحلال کے راستہ سے آتا ہے، چنانچہ پہلے ان میں نفاق پیدا ہوا، خود اعتمادی گئی اور پھر وہ سارے عیوب ونقائص ان میں پیدا ہو گئے جو ایک زوال پذیر قوم کا حصہ ہے، عالمی قیادت بتدریج اُن سے چھن گئی، اور انہیں اسکا بروقت احساس تک نہیں ہوا، یہ ملت آپس میں غیر شعوری طور پر دست وگریباں ہوئی، پھر یہ دوسروں کا آلہ کار بنی، خود مسلمانوں کو بھی اس سے شدید نقصان پہونچا، اور پوری دنیا کو بھی، جنکے لئے ان کی صحت وسلامتی مشعل راہ تھی۔

قیادت عیسائیوں کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی اور دنیا یورپ کے آگے سر نیاز خم کرنے پر مجبور ہوئی، مگر چونکہ خود عیسائیوں میں کوئی مذہبی جوش وولولہ نہیں تھا، تین ایک اور ایک تین کے فلسفہ نے ان سے مذہبی اسپرٹ سلب کر لی تھی اس لئے یہ قیادت مذہبی ہونے کے بجائے غیر مذہبی رنگ میں ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب واخلاق دبتا چلا گیا، اور الحاد وزندقہ کو عروج حاصل ہوتا گیا، معاشی ومعاشرتی ناہمواری نے دنیا کو مذہب سے بدظن کر دیا اور مذہب کے مقابلہ میں کمیونزم کا زور بڑھتا گیا، چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں جبر وتشدد اور ہلاکت وبربادی کے سوا کہیں کچھ اور نظر ہی نہیں آتا، بلاشبہ الفاظ مختلف ہیں مگر تجزیے کے بعد ان سبکا حاصل ایک ہی ہے

بحیثیت مسلمان ملت اسلامیہ پر ان حالات میں بھی بڑی ذمہ داریاں ہیں اسلئے کہ یہ آخری رسول کی امت ہیں، جو ذمہ داریاں ایک نبی اور رسول پر کائنات انسانی کی ہوتی ہیں اب وہ سارے فرائض اس امت کو ہی ادا کرنے ہیں اور تاقیامت یہ اس کے مکلف ہیں مگر ان ذمہ داریوں کی ادائیگی اس شریعت کی روشنی میں ضروری ہے جو شریعت خاتم النبیین ؐ نے دنیا کو عطا کی ہے اور جو کتاب وسنت میں محفوظ ہے۔

مختصر یہ کہ دنیا کی دینی اور مذہبی قیادت اس دور میں بھی مسلمانوں ہی کا فریضہ ہے، ایک قائد کا دوسرے فرائض کے ساتھ یہ بھی

فریضہ ہے کہ وہ حالات اور تقاضائے وقت پر گہری نظر رکھے اور ایک لمحہ کے لئے ان سے چشم پوشی نہ کرے، تاکہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہو سکے اور دنیا اس کی رہنمائی پر بھرپور اعتماد کرنے پر مجبور ہو،

مگر افسوس یہ ہے کہ خود مسلمان بھی اپنے اس اہم فریضے کو فراموش کر چکے ہیں، بلکہ ان میں کے اکثر سرے سے جانتے ہی نہیں ہیں کہ ہم پر اس طرح کوئی فرض بھی عائد ہوتا ہے، ان کی نظر یورپ پر ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ مادی عالمی قیادت ان کے ہی ہاتھوں میں ہے مگر سوال مادی قیادت کا نہیں بلکہ مذہبی اور اخلاقی قیادت کا ہے اور یقیناً یہ قیادت یورپ کو حاصل نہیں ہے، اسلئے مذہبی اور اخلاقی معاملات میں اہل یورپ کی طرف دیکھنا انتہا درجہ کی خود فراموشی ہے کیونکہ مذہب واخلاق کا سب سے بڑا قاتل یورپ ہے جن لوگوں کی تاریخ پر نظر ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مذہب پر حملہ سب سے پہلے یورپ نے شروع کیا اور اس نے ابتدا اسلام پر حملے سے کی، اور بربنا ر تعصب اسے اس غلط انداز میں پیش کیا کہ خود عیسائی بھی اپنے مذہب سے بدظن ہو گئے اور دنیا میں اخلاقی اور مذہبی زوال روز افزوں بڑھتا ہی چلا گیا، تا آنکہ لینن نے اسے کمیونزم کی شکل دی۔

دنیاوی طور پر تو مسلمان پست ہوہی رہے تھے اس لئے کہ قیادت ان سے چھن کر عیسائیوں کے ہاتھوں میں جا چکی ہے مگر جہاں تک مذہب واخلاق اور انسانیت کا سوال ہے بحمداللہ مسلمان اس کے سب سے بڑے محافظ پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو روئے زمین سے مذہب واخلاق اور انسانیت کا نام ونشان تک شاید مٹ چکا ہوتا، انھوں نے اسکی حفاظت کی اور اسے توانائی بخشی، جس کی وجہ سے دوسری اقوام وملل کے مذہبی لوگوں کو بھی جرأت ہوئی اور وہ اب تک مذہب کا نام لے رہے ہیں۔

خود ہندوستانی مسلمان جہاں بڑی بے کسی کے عالم میں زندگی گذار رہے ہیں اور یہاں کا سوشلزم اور کمیونزم انہیں پامال کرنے کے درپے ہے۔ یہ زندہ ہیں اور زندہ رہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں بلکہ کھوئی ہوئی شان زندگی کی جستجو وتلاش میں ہیں، یقیناً اس سلسلہ میں سب سے بڑی خدمت دارالعلوم دیوبند اور اس جیسے ہزاروں دوسرے مدارس اسلامیہ انجام دے رہے ہیں، یقین وایمان کی شمعیں انہی درسگاہوں سے تقسیم ہوتی ہیں اور عمل صالح اور انسانیت کا پیغام یہیں سے نشر ہوتا ہے، یہ ادارے مالی اعتبار سے گو پریشان ہیں مگر دین کی محبت اور انسانیت کے ساتھ ان کا خلوص ایسا مضبوط ہے کہ دور سے کوئی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا، دوسری طرف تبلیغی جماعت ہے جو عوام میں رجحانات عملی زندگی میں انقلاب برپا کرنے کی جد وجہد میں مشغول ہے اور اسمیں قطعاً شبہ نہیں کہ یہ عوام کے مذہبی رجحانات کو تھامے ہوئے ہے۔

کاش جس طرح مدارس اسلامیہ اور تبلیغی مسلمان مذہب واخلاق اور انسانیت کی پوری قوت واخلاص کے ساتھ خدمات انجام دے رہے ہیں مسلمانوں کی سیاسی اور نیم سیاسی جماعتوں میں بھی اخلاص وللہیت کا جذبہ ہوتا اور ان کے طریق کار میں اختلاف کے باوجود مقصد میں یکسانیت ہوتی تو پھر اس ملک میں مسلمان سیاسی اعتبار سے بھی موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتے ان میں کمزوری کی جگہ توانائی ہوتی اور ذہنی انتشار کے بجائے جوش وولولہ ہوتا اور حکومت وقت ان کے مطالبہ پر توجہ دینے پر مجبور ہوتی۔

اس ملک میں چھبیس ستائیس ۲۷ سال سے مسلمان زندگی کی جس کشمکش سے دوچار ہیں، کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے

آئے دن قتل و خونریزی، آتش زنی، مسلمانوں پر اپنے مقدمات کا سلسلہ اور ان میں ملت میں ہراس پیدا کرنے کی جدوجہد کا سلسلہ برابر جاری ہے، یہ سب اس ملک کی ان مسلم سیاسی اور نیم سیاسی جماعتوں کی باہمی کشمکش کا نتیجہ ہے جو مسلمانوں کی قیادت کی مدعی ہیں اور باہم معمولی مفاد کی خاطر دست و گریباں ہیں ہر ایک نے اپنا اپنا کعبہ الگ بنا رکھا ہے ان میں یکجہتی اور یگانگت سے کوئی دلچسپی نہیں، ان کے ہاتھوں سے مسلم یونیورسٹی جا چکی ہے اور مسلم پرسنل لا خطرے میں ہے۔

اللہ تعالے جزائے خیر دے دار العلوم دیوبند کے سربراہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کو جن کی جدوجہد سے گذشتہ سال مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے ایک نمائندہ اجتماع کا انعقاد عمل میں آیا اور پھر دار العلوم دیوبند کے وسیلہ سے اہل بمبئی نے ہندوستان کی تمام مسلم جماعتوں کو یکجا کرنے میں کامیابی حاصل کی اور آج مسلم پرسنل لا بورڈ کی صورت میں ایک منظم جدوجہد جاری ہے اللہ تعالیٰ اس بورڈ کو نظر بد سے بچائے اور اسے اخلاص کی دولت سے مالا مال کرے۔

مذہبی مسلمان اس ملک میں بڑی حد تک بیدار ہو چکے ہیں اور وہ تعمیری کاموں کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں، اور مختلف جہتوں سے وہ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں ہم نے ہمیشہ عرض کیا کہ ملک میں نظام قضا قائم کیا جائے، اور مسلمانوں کے عائلی مسائل ان کے ذریعہ طے کئے جائیں، چنانچہ اس خبر سے دلی مسرت ہوئی کہ مہاراشٹر کے مشہور شہر مالیگاؤں میں علماء دین کی جدوجہد اور وہاں کے ذی رائے ارباب بست وکشاد کی توجہ سے دار القضا کا قیام عمل میں آچکا ہے اور وہ مسلمانوں کے عائلی قوانین طے کر رہے ہیں، اس اقدام پر مسلمانان مالیگاؤں لائق تبریک وتہنیت ہیں مگر اسی کے ساتھ وہاں کے علماء اور دار القضاء سے متعلق افراد کا فرض ہے کہ وہ اپنے اس نیک کام کا سلسلہ دار العلوم دیوبند سے بھی قائم رکھیں تاکہ ان کا مرکز ایک ہو اور بوقت ضرورت دار العلوم انہیں مشورے دے سکے یوں بھی حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم مسلم پرسنل لا، بورڈ کے صدر ہیں اور موجودہ ہندوستان میں اس تحریک کے محرک اول ہیں۔

دوسری خبر یہ ہے کہ ۱۰ر جولائی ۷۳ء کو خورجہ ضلع بلند شہر میں بھی دار القضا کا افتتاح ہونے والا ہے اور یہ افتتاح خود حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے ہاتھوں ہوگا، خدا کرے اس ملک کے مختلف حصوں میں یہ سلسلہ شروع ہو جائے۔ انشاءاللہ اس نظام کے قیام کے بعد مسلم پرسنل لا، کا مسئلہ بڑی حد تک سہل ہو جائیگا اور حکومت کو اس سے بڑی مدد حاصل ہوگی!

ان تمام دار القضاؤں کا جو ملک میں قائم ہوں، ایک دینی مرکز ضروری ہے اور اس مرکزیت کے لئے دار العلوم دیوبند سے بہتر کوئی دوسرا ادارہ نہیں ہو سکتا، یہ خالص دینی علمی اور ملی ادارہ ہے جو اس ملک میں مسلمانوں کی دینی عظمت کا نشان اور ملی وجود کی یادگار ہے اور ۱۸۶۶ء سے برابر کتاب وسنت کی اشاعت اور دین کی تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور اس نے اسی کے ساتھ ملک وملت کی ہر دور میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، یہاں سے ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں علماء، حفاظ قراء، مفتیان دین اور مبلغین اسلام نکلتے ہیں اور ملک وبیرون ملک میں پھیل کر مسلمانوں بلکہ انسانوں کی اخلاقی، مذہبی اور اصلاحی خدمت انجام دیتے ہیں۔

(ظفیر صدیقی)

اسلام میں رفاہِ عام اور خدمتِ خلق

مولانا اخلاق حسین قاسمی صدر جمعیۃ علماء دہلی

اچھی تربیت اور اچھی تعلیم کیلئے اہتمام

اسلام نے اولاد کی اچھی سے اچھی تعلیم اور اعلیٰ سے اعلیٰ تربیت کا انتظام ضروری قرار دیا ہے اور اس کے لئے تمام بہتر تدبیریں اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے کتاب الاستعاذہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت نقل فرمائی ہے۔

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ	لوگو! خدا تعالےٰ سے پناہ
جَهْدِ الْبَلَاءِ وَ	مانگا کرو امتحان کی سختی سے،
مِنْ دَرْكِ الشَّقَاءِ	برائی کے ملنے سے اور برے
وَمِنْ سُوْءِ الْقَضَاءِ	فیصلے سے۔

حدیث کے شارحین نے "جہد بلاء" یعنی امتحان کی سختی کی شرح میں لکھا ہے۔

مِنْ قِلَّةِ الْمَالِ وَ	امتحان کی شدت یہ ہے کہ مال
كَثْرَةِ الْعِيَالِ۔	کی کمی ہو اور اولاد کی زیادتی ہو

اس شرح کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ مال کی کمی اور اس کے ساتھ اولاد کی زیادتی سے انسان کو بچنا چاہیئے۔

اولاد کی کثرت ہو اور مال کی کمی ہو تو ایسی صورت میں انسان بڑی سختی میں گرفتار ہوجاتا ہے اور دلدل کے جکڑی ہے اس کا نکلنا مشکل رہتا ہے، تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا تو بہت دور کی بات ہے، سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اکثر خود بھی یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ	میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں
الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ	افلاس اور کفر سے

ایک صاحب نے پوچھا، اَتَعْدِلَانِ ؟

حضور! کیا افلاس اور کفر دونوں برابر ہیں۔ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا، ہاں! دونوں کے نتائج خطرناک ہونے میں برابر ہیں۔

بچوں کو خوش کرنا، ہنسانا

بچوں کی اچھی پرورش کے لئے فطری طور پر یہ ضروری ہے کہ وہ ہنسیں، بولیں، کھیلیں، کودیں، اور اس کام میں بچوں کے سرپرست ان کی مدد کریں، ان کو ہنسنے اور کھیلنے کا موقع مہیا کریں۔

سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی صحابی کے ہاں دعوت میں تشریف لے جا رہے تھے، صحابہ کرام حضورؐ کے ساتھ تھے۔ یعلی ابن مرہ کہتے ہیں، راستہ

میں حضرت حسین رض کھیلتے ہوئے مل گئے۔

فاسرع النبی صلے اللہ علیہ وسلم امام القوم ثم بسط یدیہ فجعل یمر مرۃ ھھنا ومرۃ ھھنا یضحکہ حتی اخذہ فجعل احدی یدیہ فی ذقنہ و الاخریٰ فی راسہ ثم اعتنقہ فقبلہٗ (اخلاق محمدی دوم ...)	حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ حضرت حسین رض کے سامنے پھیلا دئے اور آپ کبھی ادہر کبھی اُدہر جاتے تھے اور حسین رض کو ہنساتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے ایک ہاتھ سر پر اور ایک ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر حسین رض کو اٹھالیا اور اپنی بغل میں لے لیا اور پیار کیا

کس قدر خوش نصیب تھے حضرت حسین رض۔

سرکار نے نواسے کے ساتھ ہنسانے والی بات کر کے خود بھی اپنا دل خوش کیا اور امت کو بھی اس سے سبق دیا کہ بچوں کو ہنسانا کھلانا اور خوش کرنا ان کی اچھی تربیت کے لئے ایک نفسیاتی عمل ہے اور یہ ہونا چاہیئے۔

بیوی کا حق

اسلام سے پہلے سماج میں عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی، دنیا کی تمام قومیں عورت کو پیر کی جوتی کے برابر سمجھتی تھیں، اسلام نے اس غلط خیال کی اصلاح فرمائی اور سماج میں عورت کو باعزت مقام عطا فرمایا

قرآن حکیم نے اعلان کیا۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ ۲۸)	اور عورتوں کا حق دستور کے مطابق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا مردوں کا عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔

اس قانون نے شوہروں پر ضروری قرار دیا کہ وہ اپنی رفیقۂ حیات کی جملہ ضرورتوں کھانے، پینے، کپڑے، رہائش بیماری میں علاج اور سماج کے باعزت فرد کو آرام اور راحت کے لئے جن جن باتوں کی ضرورت پڑتی ہے ان سب کا انتظام کرے اور عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق رفیقۂ زندگی بنا کر رکھے۔ البتہ گھر کا نظام چلانے کے لئے عورت کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرد کو گھر کا نگراں اور سردار سمجھے، کیونکہ مرد کے ذمہ گھر کے چلانے کے لئے کمانے اور پیسہ لانے کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔

سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر اپنی بیویوں کے ساتھ جو سلوک کیا اور جس طرح انہیں عزت اور عظمت کے مقام سے نواز کر عورتوں کی توہین اور تحقیر کے عام تصور اور طرز کی تردید فرمائی وہ حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سیرت پاک کا نہایت روشن باب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض جو آپ کی رفیقۂ حیات ہیں آپ کے حسن سلوک کے متعلق فرماتی ہیں۔

حضرت اسود ابن زید رض نے اپنی استانی حضرت عائشہ سے سوال کیا۔ حضور اپنے گھر میں کیا کیا کام کرتے تھے؟

حضرت عائشہ رض نے جواب دیا

کان فی مھنۃ اھلہ فاذا سمع الاذان خرج (بخاری ادب المفرد)	حضور اپنے گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور جب اذان کی آواز سنتے تھے تو باہر تشریف لے جاتے تھے۔

شوہر کا حق، شوہر کی خدمت

اسلام نے عورت پر ضروری قرار دیا ہے کہ وہ مرد کی اطاعت کرے، مرد سے اپنے حقوق حاصل کرے اور اپنی پوری ذمہ داری شوہر کے لئے وقف کردے۔

صحابہ کرام نے رسول پاک سے پوچھا۔

ای النساء افضل یا رسول — حضور! بہترین عورت کون

اللہ ؟ ـــــ قال ہے ؟ ـــــ فرمایا

اذا نظر الیہا سرتہ — بہترین عورت وہ ہے جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو اُس کو خوش کرے

واذا امرہا اطاعتہ — جب حکم دے تو اس کی اطاعت کرے

واذا غاب عنہا حفظتہ — اور جب شوہر گھر سے باہر جائے تو اس کی

یعنی اس کے مال اور اس کے بچوں کی اور اپنی آبرو کی حفاظت کرے۔

رسول پاکؐ کی یہ جامع ترین ہدایت ہے۔ انسانی نفسیات کا بہترین ماہر مرد و عورت کے معاملات پر جو زیادہ سے زیادہ کہہ سکتا ہے وہ تین مختصر جملوں میں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا۔ عورت کا فرض ہے:۔

(۱) مرد اپنی عورت کو اس کے فرائض کے متعلق جو حکم دے اسے بجالائے، نافرمانی اور لاپرواہی سے پرہیز کرے

(۲) جب شوہر گھر سے باہر جائے تو اس کے مال کی اور اس کے بچوں کی اور اپنے ناموس کی حفاظت کرے۔

(۳) جب شوہر دن بھر کا تھکا ہارا گھر میں داخل ہو تو ہنس کر دیکھ لے اور خوش کر دے۔

دن بھر اگر کسی قسم کی تکلیف میں رہی ہے، ساس نندوں کے طعنے سُنے ہیں تو شوہر کے آتے ہی شکوہ و شکایت کا دفتر کھولے۔ کیونکہ اس سے دن بھر کا تھکا ہارا شوہر پریشان ہوجائے گا۔

اسلام مرد و عورت کے تعلقات اور حقوق کے لئے جو مکمل اور متوازی قانون اپنے پاس رکھتا ہے۔ دنیا کی کسی تہذیب کے پاس اتنا متوازی اور جامع قانون موجود نہیں ہے

رشتہ داروں کی خدمت

اسلام میں رشتہ داروں کی خدمت کرنے اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بہت تاکید آئی ہے قرآن میں جگہ جگہ حکم دیا گیا ہے۔

فآت ذا القربیٰ حقہ — قرابت دار کو اس کا حق دو۔ (روم ۴)

والدین کی خدمت کے بعد اگر کسی کی خدمت کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ رشتہ دار ہیں۔

عربوں کے محاورہ میں اس کا نام "صلۂ رحم" ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داری کا حق ادا کرنے والے کو خوشخبری دیتے ہوئے ایک بڑی گہری بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا "جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اُسے چاہیئے کہ "صلہ رحمی" یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے کتاب الادب میں نقل کیا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔

صلۂ رحم کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں

(۱) رشتہ داروں کی مالی امداد کی جائے۔

(۲) ان کی خدمت میں وقت اور عمر کا کچھ حصہ صرف کیا جائے

پہلی صورت میں رزق و روزی کی کشادگی کا وعدہ ہے اور دوسری صورت میں درازیٔ عمر کی بشارت ہے۔ یعنی رشتہ داروں کے لئے جو چیز بھی صرف کی جائے گی اسی میں برکت ہوگی، پیسہ خرچ کروگے، دولت بڑھے گی، وقت خرچ کروگے عمر زیادہ ہوگی۔

پھر اس وعدہ و بشارت کی عقلی توجیہ یہ ہے کہ جس شخص کے خاندانی اور گھریلو حالات درست، پرسکون اور خوشگوار ہوتے ہیں وہ پورے اطمینان کے ساتھ زندگی گذارتا ہے اور اپنے کاروبار میں مشغول رہتا ہے اور جس کے گھر اور خاندان میں جھگڑے رہتے ہیں اس کا دماغ انہی جھگڑوں میں الجھا رہتا ہے اور وہ اپنی ساری طاقت اسی میں لگائے رکھتا ہے اور ایک

رشتہ دار دوسرے کے درپئے آزار رہتا ہے اور ترقی کے بجائے پورا خاندان زوال کی نذر ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کے درمیان، عزیزوں اور بھائی بندوں کے درمیان تعاون، امداد اور خیر خواہی کے حالات دنیوی ترقی کے لئے بھی از حد ضروری ہیں اور آخرت میں کامیابی اور جنت میں جانے کے لئے بھی لازمی ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کیساتھ حسن سلوک کی تاکید کی غرض سے "قاطع رحم" یعنی جو رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے اس کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لا یدخل الجنۃ قاطع رحم — رشتہ داری کو توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

غیر مسلم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک

رشتہ داروں کے ساتھ اسلام نے جس حسن سلوک کی تاکید کی ہے اس میں مسلمان رشتہ دار اور غیر مسلم رشتہ دار دونوں برابر ہیں۔

غیر مسلم ماں باپ کے متعلق فرمایا۔

اگر وہ تجھے شرک کرنے یعنی خدا کے حق کو پامال کرنے پر مجبور کریں تو ہرگز ان کا حکم نہ مانو، لیکن ....

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (سورۂ لقمان) — دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو۔

قانون اسلام کے شارحین نے وضاحت کر دی ہے کہ جو حکم غیر مسلم ماں باپ کا ہے وہی حکم دوسرے غیر مسلم رشتہ داروں کا ہے۔ ہر رشتہ دار اپنے درجہ کے مطابق حسن سلوک کا حقدار ہے۔ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے کسی رشتہ دار کو حسن سلوک سے محروم کرنا بڑا گناہ ہے۔ ترکہ اور میراث کا حکم اس سے الگ ہے۔

غیر مسلم کیساتھ خاکساری اور تواضع

شاہ محمد علی صاحب فردوسی بہار کے بزرگوں میں سے ہیں، سلہ گیا میں اُن کا مزار ہے

ان کے مکتوبات میں حضرت علیؓ کا ایک واقعہ نظر سے گذرا۔ ایک دن حضرت علی رضؓ اور ایک یہودی آگے پیچھے جا رہے تھے۔ حضرت علی رضؓ نے تیزی سے چل کر اس یہودی کو پیچھے چھوڑ دیا اور آپ آگے نکل گئے حضرت علی رضؓ دینی حمیت اور اسلامی غیرت کے علمبردار تھے، آپ کے دل میں خیال یہ آیا ہوگا کہ یہ دشمن ہے اس سے آگے بڑھ جانا چاہیے

حضرت علی رضؓ جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہونچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"کیا بات ہے، میں اس وقت تمہارے چہرہ پر نور نہیں پا رہا"

حضرت علی رضؓ نے عرض کیا، حضورؐ بات تو کچھ نہیں ہے، لیکن ایک واقعہ یہ ہوا ہے۔ فرمایا! واپس جاؤ، اس یہودی سے معذرت کرو۔ حضرت علی رضؓ نے حکم کی تعمیل کی

اس طرح حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو دشمنوں کے ساتھ بھی حسن اخلاق اور تواضع کی تعلیم دی۔

(نکات سرمدی ص۱۴۶)

اقربا پروری اور صلۂ رحمی میں کیا فرق ہے؟

اوپر صلۂ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی شرعی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس موقع پر اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام میں جہاں صلۂ رحمی کی سخت تاکید ہے وہیں "اقربا نوازی" اسلام میں

قابل مذمت ہے۔

عام طور پر لوگ ان دونوں باتوں کے درمیان فرق نہیں سمجھتے، صلۂ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی مال و دولت میں سے اپنے رشتہ داروں کی مدد کرے۔ اور ہر قسم کی خیر خیرات اور تعاون میں ان کو دوسرے مساکین پر مقدم رکھے۔

اقربا پروری جو اسلامی تعلیمات کی روح کے خلاف ہے یہ ہے کہ

(۱) دوسری برادری اور دوسرے خاندان کے محتاجوں کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ ضرورت مند پاکر بھی ان کی مدد نہ کی جائے اور دوسروں کو بھوکا اور پریشان حال چھوڑ کر اپنی تمام خیر خیرات کو صرف اپنے بھائی بندوں کی جیب میں بھر دیا جائے۔

(۲) جو شخص کسی اجتماعی منصب پر فائز ہو، خلیفہ ہو یا کوئی دوسرا عہدیدار وہ سرکاری حاکم اپنے رشتہ داروں پر سرکاری عہدے اس طرح تقسیم نہ کرے کہ دوسرے خاندان کے باصلاحیت لوگ محروم ہو جائیں۔

یہ دونوں صورتیں اس ناپسندیدہ اقربا پروری کی ہیں جو اسلامی اتحاد اور ملی تنظیم کو پارہ پارہ کر دیتی ہیں اور اس سے خاندانی اور قبائلی عصبیت بھڑک اٹھتی ہے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی ہر طرح مدد فرمائی مگر اسی کے ساتھ کسی ایک فرد کو بھی خواہ وہ کسی خاندان یا کسی برادری کا تھا اپنی امداد و کرم سے محروم نہ رکھا۔ یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے پاس ایک معمولی ہار بھی آپ کو اچھا نہ لگا اور اسے بھی فروخت کرا کر دوسرے ضرورت مند مسلمانوں پر اس کی قیمت صرف کرادی حالانکہ شرعی قانون کے مطابق حضرت سیدہ رضہ کو زیور پہننے سے کون روک سکتا تھا مگر یہ وہ ایثار تھا جس پر چلے بغیر سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پوری جماعت صحابہ میں اتحاد اور تنظیم قائم نہ رکھ سکتے تھے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرکاری عہدوں کی تقسیم میں "اقربا نوازی" سے کام نہیں لیتے تھے، اور آپؐ نے اپنے خاندان بنی ہاشم کو سرکاری عہدوں سے دور رکھا۔ دوسرے خاندانوں کے سینکڑوں افراد کو جہاں ہر قسم کے عہدوں پر مامور فرمایا وہاں بنی ہاشم میں صرف ایک فرد حضرت علی رضہ کا نام آتا ہے جو مختلف عہدوں پر مقرر فرمائے گئے۔

آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی اسوۂ حسنہ پر قائم رہے اور ان ہر دو بزرگوں نے سرکاری عہدوں کی تقسیم میں اپنے خاندان اور قبیلے کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک اختیار نہ فرمایا۔

اس ایثار کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب کی قبائلی عصبیت دبی رہی اور مسلمانوں کے اندر وہ بین الاقوامی روح ابھر آئی جس نے تمام مسلمان خاندانوں قبیلوں، عربی اور عجمی، کالے اور گورے ہر قسم کے فرزندانِ توحید کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کھڑا کر دیا۔

لیکن اس کے بعد مسلمانوں کے اندر سے ایثار کی یہ روح نکلتی چلی گئی اور اس کا ردعمل یہ ہوا کہ مسلمانوں میں خاندانی لڑائیاں اور قبائلی جنگیں شروع ہو گئیں اور ملت اسلامیہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

صفحہ ۴۵ کا بقیہ

(جنوب کی چند یادگار مخلص شخصیتیں)

ابھرنے والی آخری شخصیت حضرت مولانا محمد عبدالباری الخطیب کی تھی حضرت مولانا محمد عبداللہ ہزارویؒ تلمیذ حضرت شیخ الہند محمود الحسن قدس سرہٗ سے تلمذ اور حضرت مولانا محمد عبدالمجید خاں نگنوریؒ خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خصوصی تربیت کے بعد مختلف علمی اور دینی اپنی خدمات کو جاری رکھا عربی ادب میں خصوصی کمال پیدا کیا آخری عمر میں جمالیہ عربک کالج مدراس میں استاذ حدیث کی خدمات انجام دیتے ہوئے ساتویں مرتبہ سفر حج کے موقعہ پر طہران کی طیرانگاہ میں ۱۶ جنوری ۷۲ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور وہاں دفن کئے گئے۔

انتخاب مطالعہ

از ــــــــــــ مولوی محمد عبداللہ صاحب دہلوی

دوران مطالعہ بعض ایسی اہم چیزیں سامنے آجاتی ہیں کہ بسا اوقات ضرورت کے وقت بہت تلاش سے بھی نہیں ملتیں میں ایسی چیزوں کے اشارات کتاب کے شروع اخیر کے سادہ صفحات پر نوٹ کرلیا کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہیں اپنی کاپی میں نقل کرلیتا ہوں ــــــــ میرے بعض دوستوں نے جب یہ کاپی دیکھی تو خواہش ظاہر کی کہ یہ چیزیں اگر کسی ماہنامے میں آجایا کریں تو دوسروں کے لئے بھی مفید ہوسکتی ہیں۔

ضروری نہیں کہ ایک مبتدی طالبعلم اور وادی علم فن کے ایک نئے رہ نورد کے لئے جو چیز اہم یا کوئی انکشاف کا درجہ رکھتی ہو ایک ماہر فن اور وسیع النظر فاضل کے لئے بھی اس میں کوئی دلچسپی کا سامان ہو لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ دنیا میں سبھی تو علامہ اور فاضل نہیں۔ ہم جیسے مبتدی بھی تو اسی دنیا میں بستے ہیں جنکی نظریں دواوین علم کی طرف ابھی اٹھ ہی رہی ہیں اور قلم انکے پوروں کی گرفت میں ابھی پوری طرح آیا بھی نہیں ہے۔ امید ہے ایسے لوگوں کے لئے مزید کچھ چیزیں ان منتشر یادداشتوں میں نئی اور کام کی مل جائینگی ــــــــ علی اللہ توکلت والیہ انیب

میری نظر کے سامنے چاند بھی ہے چکور بھی
عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائگاں نہ دیکھ
"(ادیب سہارنپوری)"

(۱) آزاد نظم آٹھویں صدی ہجری میں:۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے علامہ محمد بن ابی بکر بن جماعۃ المتوفی سنہ ۸۱۹ھ کے حالات میں لکھا ہے وکان ینظم شعراً عجیباً غالباً بلاوزن

یعنی یہ عجیب اشعار کہتے تھے جو اکثر بلا وزن ہوتے تھے (بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ص ۲۶ الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۲۶ھ مطبعۃ السعادۃ مصر)

اگر ان سے قبل کسی اور ایسے شاعر کا پتہ نہ چلے تو آزاد نظم کہنے والے سب سے پہلے شخص یہی ہونگے۔ اور سیوطیؒ وسیع النظر فاضل کا اسکو تعجب کے ساتھ نقل کرنا بتاتا ہے کہ کی نظر میں بھی اس سے قبل ایسا کوئی شاعر نہیں ہے۔

(۲) علوم وفنون کی حیرت انگیز جامعیت

انہی محمد بن جماعۃ کا مقولہ علامہ سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ

اعرف ثلثین علما لا یعرف اھل عصری اسماءھا

یعنی میں تیس علوم ایسے جانتا ہوں کہ میرے ہم زمانہ لوگ ان کے نام تک سے ناآشنا ہیں۔ سیوطی نے لکھا ہے۔

کان اعجوبۃ زمانہ فی التقریر

یعنی تقریر میں وہ اعجوبۂ روزگار تھے

انکی تصانیف کے متعلق سیوطیؒ کا بیان یہ ہے کہ "جاوزت الالف" یعنی ان کی تعداد ہزار سے متجاوز ہے۔ لکھتے ہیں کہ تمام علوم میں استادانہ مہارت رکھتے تھے۔ عجم کے اہل علم ان پر فخر کرتے تھے اور ان کے معاصر علماء علم و فضل میں ان کی عیال ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی انکے شاگردوں میں ہیں ایک شعر میں ان کے متعلق ابن حجر فرماتے ہیں

وكان من العلوم بحيث يقضى
لہ فی کل فن بالجميع

یعنی وہ تمام علوم میں اس مرتبہ پر فائز تھے کہ ہر فن میں انہیں قطعی طور پر جامع اور ماہر کہا جاسکتا ہے۔

علامہ سیوطی نے استاذ الزمان، فخر الاوان الجامع لاشتات العلوم کے القاب سے ان کا ذکر کیا ہے۔ (بغیۃ الوعاۃ ص۲۵ تا ص۲۷)

(۳) کسی مقام کی طرف انتساب :-

علامہ نووی رح نے "تہذیب الاسماء واللغات" میں عبداللہ بن مبارک کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر چار سال تک مسلسل قیام پذیر رہے اسے اس مقام کی طرف اپنی نسبت کرنا جائز ہے۔

(نوادر الوصول شرح فصول اکبری ص۲۱۶)

(۴) عشق کی حقیقت :-

مشہور حکیم افلاطون سے کسی نے پوچھا کہ عشق کی حقیقت کیا ہے اس نے کہا حركة النفس الفارغة بغير فكر یعنی نفس کو جب کوئی کام نہیں ہوتا تو اسکے بلا غور و فکر اچھلنے کودنے کا نام عشق ہے۔

(کتاب المجتنی لابن بکر بن درید ص۹۲)

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو جب ہر وقت کچھ نہ کچھ لگا رہتا ، ذہن ہر دم کسی ... کی سوچ فکر میں مصروف رہتا ہو اس لغو حرکت کی فرصت ہی نہیں ہوتی ، فارسی مقولہ ہے "جائے خالی را دیو می گیرد"۔ جب ذہن کو کچھ کام ہی نہ ہو تو خود ہی عشق اپنا ڈیرا لگائے گا۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یہ تمام گفتگو عشق مجازی کے بارے میں ہے، عشق حقیقی کا مقدس آشیانہ اس سے وراء الوریٰ ہے۔

ع کہ عنقا را بلند است آشیانہ

(۵) دشمن کو مبتلائے رنج و غم رکھنے کی عمدہ ترکیب

اسی افلاطون سے کسی نے پوچھا کہ دشمن کو غم میں مبتلا رکھنے کی بھی کوئی ترکیب ہے ؟

اس نے کہا ہاں ! يغمه اذا اصلح نفسه یعنی آدمی جب اپنے آپکو سدھارے گا تو اس کا دشمن خود ہی اسے دیکھ دیکھ کر جلتا بھنتا رہے گا (ایضاً ص۹۳)

(۶) اچھے اخلاق کی نشانی :-

سمجھدار لوگوں نے اچھے اخلاق کی دس علامتیں لکھی ہیں:

(۱) لوگوں سے کم سے کم الجھے (۲) ہر معاملہ میں انصاف پسندی سے کام لے (۳) لوگوں کی کمزوریوں اور غلطیوں پر نظر نہ کرے (۴) لوگوں کی برائیوں سے بھی کوئی نہ کوئی اچھائی کا پہلو نکال لے (۵) جو کام کسی وجہ سے نہ کر سکے معذرت کر دے (۶) ناگواریاں برداشت کر لیتا ہو (۷) جہاں اپنی غلطی واضح ہو جائے اپنے نفس کو ملامت کرے (۸) اپنے عیوب کی طرف توجہ کرے اور دوسروں کے عیوب سے نظر پھیر لے (۹) ہر بڑے سے چھوٹے سے ملتے وقت خندہ پیشانی سے پیش آئے (۱۰) ہر شخص سے گفتگو نہایت نرمی سے کرے

(الکنز المدفون و الفلک المشحون ص۹ بتغییر للشیخ شرف الدین یونس المالکی، والمنسوب غلطاً الی الجلال السیوطی رح)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضؓ کا مقام تفقہ

علامہ عبدالعزیز نے التحقیق شرح مختصر الحسامی میں لکھا ہے:

کان ابوھریرۃ فقیھًا ولم یعدم شیئًا من اسباب الاجتھاد	(یعنی) حضرت ابوہریرہ رضؓ فقیہ تھے اجتہاد کے اسباب و شرائط میں سے کوئی چیز انمیں کم نہ تھی

اسکے بعد لکھتے ہیں:۔

وقد کان یفتی فی زمن الصحابۃ وما کان یفتی فی ذلک الزمان الافقیہ مجتھد	(یعنی) حضرت ابوہریرہؓ دورِ صحابہ میں فتویٰ دیتے تھے اور اس زمانہ میں فتویٰ وہی دے سکتا تھا جو فقیہ و مجتہد ہو،

صاحب جواہر مضیئہ نے یہ نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کا شمار فقہاء صحابہ میں ہے۔ علامہ ابن حزم نے فقہاء صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور شیخ الاسلام تقی الدین سبکیؒ نے ایک مستقل جزء میں حضرت ابوہریرہ رضؓ کے فتاویٰ جمع کئے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں فتاویٰ ابی ہریرۃ رضؓ کا (جزء رسالہ) علامہ سبکیؒ سے سنا ہے۔

(الجواہر المضیئہ فی تراجم الحنفیہ ص۴۱۸ ج ۲)

آج "چراغ مصطفوی" کے خلاف "شرار بولہبی" کی جو ناپاک کوششیں ہر طرف سے ہورہی ہیں اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہر طرف سے یلغار ہے اس میں ایک کوشش یہ بھی ہے کہ حدیث رسول کے حاصل ہونے کے راستوں کو مخدوش قرار دیدیا جائے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سب سے زیادہ حدیثیں امت تک پہونچی ہیں، اسلئے دشمنان حدیث نبوی نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کو بھی اپنے تیروں کا نشانہ بنا رکھا ہے اور سب سے زیادہ یہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ وہ صرف ناقل تھے، فقیہ نہ تھے حالانکہ یہ بات تاریخی حقائق کے سراسر خلاف ہے۔

(۸) حفاظت خودی:۔

مشہور حکیم اقلیدس کو بادشاہ نے اپنے کسی کام کے لئے طلب کیا۔ حکیم اقلیدس نے لکھ بھیجا کہ

ان الذی منعک ان تجیئنا منعنا ان نجیئک

یعنی جو چیز تجھے میرے پاس آنے سے روکے ہوئے ہے وہی چیز مجھے بھی تیرے پاس آنے سے روکے ہوئے ہے

(کشکول الشیخ بہاء الدین العاملی ج ۲ ص۲۹۷)

(۹) فرزدق کی حاضر جوابی

فرزدق سے کسی نے بطور استہزاء کے سوال کیا کہ۔

"ابوفراس! تم نے رناکب سے چھوڑ دیا؟"

فرزدق نے برجستہ جواب دیا کہ "جب سے تمہاری اماں جان کا انتقال ہوا ہے۔ (ایضاً ص۲۹۷)

(۱۰) ابوالاسود دؤلی کی حاضر جوابی

ابوالاسود دؤلی سے کسی نے کہا کہ تم بڑے ظریف اور ذہین آدمی ہو کاش تمہارے اندر بخل کی عادت نہ ہوتی۔ انھوں نے کہا جو برتن اپنے اندر والی چیز کی حفاظت نہ کرسکے وہ برتن ہی کیا۔ (اصابہ ج ۲ ص۲۴۲)

(۱۱) مولانا محمد علی جوہرؒ کی حاضر جوابی

مولانا محمد علی جوہر کا لباس اخیر عمر میں سیدھا سادہ ہوگیا تھا سادہ جیب دار کرتا اور پاجامہ، اوپر سے ڈھیلی ڈھالی رنگین عبا۔ ایک دن غالباً ۱۹۲۵ء میں محمد علی بطور اخبار کے ایڈیٹر یا رپورٹر کے اسمبلی ہال گئے ہوئے تھے، پریس گیلری سے ابھی نکلے ہی تھے کہ پشت کی طرف سے پنڈت مدن موہن مالوی جی آنکلے۔ مولانا محمد علی نے جب منہ پھیرا تو مالوی جی حیرت کے

ساتھ بولے ــــ " ارے آپ! میں سمجھو ہز ہائینس بیگم صاحب بھوپال برقع پہنکر اسمبلی ہال تشریف لائی ہیں"

محمد علی برجستہ بولے ــــ " جی ہاں! اس زنانی محفل میں مردوں کا کیا کام ہو سکتا تھا؟"

(محمد علی کی ڈائری ص ۲۰ و ۲۱ از محترم مولانا عبدالماجد دریابادی)

(۱۲) حلم کی ڈھال:-

سیوطی نے ذکی نحوی (محمد بن ابی الفرج ابو عبداللہ المالکی الصقلی) المتوفی سنہ ۵۱۶ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ نحو، لغت اور دیگر فنون ادب میں بڑی مہارت رکھتے تھے، انھوں نے بغداد، خراسان، غزنہ کا دورہ کیا یہاں تک کہ ہندوستان بھی پہونچے اور ہر جگہ کے اونچے اہل علم اور ائمہ سے انکے مباحثے ومناقشے رہے۔ تھے ذرا زبان دراز اس لئے ان اکابر ومشائخ کی شان میں بہت سی ایسی باتیں کہہ دیتے تھے جو نہ ان کے شایان شان ہوتی تھیں اور نہ خود انھیں زیب دیتی تھیں۔

ایک بار محمد بن منصور السمعانی کی مجلس املاء میں پہونچے سمعانی نے جب املا شروع کیا ذکی نحوی اپنی عادت کے مطابق جھٹ بول اٹھے کہ یہ بات یوں نہیں یوں ہونی چاہئے اور آپ جو کہہ رہے ہیں یہ صحیح نہیں ہے" سمعانی نے بجائے اس کے کہ ان سے کچھ کہتے سنتے' یہ کیا کہ اپنے شاگردوں سے کہا کہ" جیسے یہ فرماتے ہیں ویسے لکھ لو، اس مسئلے کے متعلق زیادہ جانتے ہیں" طلبہ کو کیا دیر تھی انھوں نے اسے کاٹ ویسے ہی لکھدیا۔ کچھ ہی وقفہ کے بعد" ذکی" کی ذکاوت نے پلٹا کھایا' فرمانے لگے کہ" یاسیدی انا سھوت والصواب ما املیت" یعنی اے سردار من! مجھے بھول ہوئی صحیح وہی تھا جو آپ نے املا کرایا تھا"

سمعانی نے بغیر ان سے کچھ تعرض کئے طلبہ سے کہا کہ غیّروہ واجعلوہ کما کان " اسے بدل دو اور جیسے پہلے تھا اسی طرح کردو۔ طلبہ نے جسطرح وہ عبارت سمعانی نے املا کرائی تھی اسی طرح کردی۔ جب مجلس ختم ہوئی اور ذکی نحوی بھی وہاں سے چلے گئے تو سمعانی نے حاضرین سے کہا کہ

ظن المغربی انا انازعه فی الکلام حتی یبسط لسانه فیّ کما بسطه فی غیری فسکتُّ حتی عرف الحق"

یعنی اس مغربی[۱] نے یہ سمجھا تھا کہ میں اس سے بحث ومباحثہ کرونگا یہاں تک کہ پھر یہ میرے بارے میں بھی اسی طرح زبان طعن دراز کرے جیسے دوسروں کے بارے میں کرچکا ہے مگر میں خاموش ہوگیا۔ یہاں تک کہ خود ہی اس کی سمجھ میں صحیح بات آگئی۔

(بغیۃ الوعاۃ ص ۹۰)

گلوں نے خاروں کے چھیڑنے پر سوا خموشی کے دم نہ مارا
شریف الجھیں اگر کسی سے تو پھر شرافت کہاں رہے گی

(شاد عظیم آبادی)

یہاں غور کیجئے کہ ذرا سی بردباری اور حلم نے ایک شخص کو تو زبان درازی کا نشانہ بننے سے محفوظ رکھا' اور دوسرے کو قبول حق اور اعتراف قصور کی توفیق بخشی، حقیقت یہ ہے کہ انسان ذرا حلم وبردباری سے کام لے تو بہت سے جھگڑے اور فتنے پلک جھپکتے فرو ہوجاتے ہیں' نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اشجّ عبدالقیس سے فرمایا تھا کہ" تمہارے اندر دو عادتیں ایسی ہیں جو خدا کو بہت پسند ہیں۔ بردباری اور وقار

ان فیك لخصلتین یحبهما الله تعالیٰ الحلم والاناة۔ (رواہ مسلم والترمذی عن ابن عباس)

(الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳)

(۱۳) لامشاحۃ فی الاصطلاح

ایک عام قاعدہ اور علماء اصول کی گفتگو کا ایک اہم ضابطہ ہے کہ" لامشاحۃ فی الاصطلاح" یعنی اصطلاح مقرر کرنے کا ہر شخص کو حق ہے اس معاملے میں کوئی پابندی نہیں ہے،

[۱] یہ ذکی نحوی صقلیہ کے باشندے تھے جو ممالک مغرب میں ہے۔

یہ "مشاحنۃ" دراصل "مشاحمۃ" بروزن مفاعلت ہے اور اس کی اصل "الشح" ہے یعنی کوئی مضائقہ اور کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(اتحاف السادہ شرح احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۲۹)

(۱۴) مولانا آزاد کی تفسیر کا انتساب کس کے نام ہے۔؟ ایک انکشاف

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جس طرح دوسری تمام چیزوں میں ایک نہ ایک جدت ہوتی تھی اسی طرح انھوں نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن کے انتساب میں بھی ایک جدت پیدا کی ہے کہ ایک نا معلوم شخصیت کی طرف انتساب کیا ہے۔

ان منسوب الیہ صاحب کا پتہ مولانا آزاد کو اخیر تک نہ چل سکا لیکن جناب مولانا حکیم فضل الرحمان صاحب سواتی نے اپنے ایک خط میں اس کا انکشاف کیا ہے کہ یہ بزرگ مولانا دین محمد صاحب قندھاری ہیں جو مولانا حکیم فضل الرحمان صاحب کے گہرے دوست تھے، بڑے مجاہدات اور مشقتوں سے علم حاصل کیا تھا معقولات و منقولات کے بلند پایہ فاضل تھے ۱۹۴۳ء میں قندھار میں وفات پائی۔ مولانا آزاد کے پاس تفسیر قرآن مجید پڑھنے کے لئے اتنا طویل سفر کیا تھا جس میں سے اکثر پیدل تھا اور اس ایک ملاقات کے بعد نہ مولانا آزاد کی اور ان کی ملاقات ہوئی اور نہ مولانا آزاد کو ان کا علم ہو سکا اور نہ ہی ان بیچارے کو مولانا آزاد کی تفسیر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

(دیکھئے ماہنامہ برہان دہلی۔ جلد ۴۳ شمارہ ۶ دسمبر ۱۹۵۹ء)

عجیب بات ہے صوبہ سرحد کے ایک سیاسی لیڈر صاحب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ اس انکشاف کو بالکل غلط اور گویا ایک افسانہ قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ "اس نام کا کوئی آدمی نہ تھا وہاں کے تمام علماء و طلباء سے میں واقف ہوں"

لیکن یہ بات کسی بھی طرح قابل تسلیم نہیں ہے۔ جب ایک ادنیٰ عالم کہتے ہیں کہ میں ان سے واقف ہوں بلکہ ان سے دوستانہ تعلقات رہے ہیں اور ان سے متعلق بہت سی تفصیلات بیان فرما رہے ہیں ان کی تاریخ وفات اور مقام وفات تک بیان کر رہے ہیں ایسے میں ایک شخص کا یہ کہنا کہ اس نام کا کوئی آدمی ہی نہ تھا قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔

آج اگر ایک شخص میرے متعلق یہ کہے کہ دہلی میں "محمد عبداللہ" نامی ایک شخص بستا ہے تو یہ شخص اگر میرے سوا دہلی کے کسی ایک متنفس سے بھی واقف نہ ہو تو اس سے اس بات کی صداقت پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن کسی شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس نام کا کوئی آدمی دہلی میں نہیں بستا اور نہ کبھی یہاں تھا تو اس کے لئے نہایت وسیع معلومات کی ضرورت ہے اتنی وسیع کہ شاید انسان کے بس سے بھی باہر ہو اس شخص کے لئے یہ دعویٰ ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جس علاقے کا نام دہلی ہے اس تمام علاقے کے ایک ایک گھر کے ایک ایک کمرے اور ہر ہر کمرے کے ایک ایک کونے سے واقف ہو۔ اس کے بغیر اس دعویٰ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ غرض یہ کہ یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے ———— (باقی)

"السیر الکبیر"

متعدد داستانیں

مولانا محمد رضوان القاسمی

اسلام کے بین الاقوامی قانون پر سب سے پہلے جو کتاب عالم وجود میں آئی ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی "السیر الکبیر" ہے۔ اس کتاب کا ظہور دراصل "طیش" کا شرمندۂ احسان ہے۔ طیش بلاشبہ ایک ناپسندیدہ صفت ہے لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ ناپسندیدہ چیز کے بطن سے خیر کثیر برآمد کرتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "السیر الکبیر" سے پہلے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے السیر الصغیر کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں مختصراً تعلقات خارجہ جنگ اور صلح و امان کے بارے میں اسلامی احکام بیان کئے تھے یہ کتابچہ "الصغیر" جب شام کے نامور محدث امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ لگا تو امام موصوف نے دریافت فرمایا "یہ کس کی تصنیف ہے"

لوگوں نے بتایا محمد بن حسن عراقی کا نتیجہ فکر ہے

اس پر حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے تنقیص کے انداز میں کہا اہل عراق کو اس موضوع سے کیا واسطہ؟ ان کو سیر (جنگ کے مسائل) کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے غزوات کا رخ شام و حجاز کی طرف رہا ہے، عراق کی طرف نہیں تھا۔ یہ ملک بعد میں فتح ہوا ہے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے کانوں تک پہونچے تو آپ کو طیش آگیا اور سیر کے موضوع پر ایک مفصل اور جامع کتاب لکھنے کا عزم کرلیا اور جب تک اس کتاب سے فارغ نہیں ہوگئے اور کسی شغل کی طرف دھیان نہیں دیا السیر الکبیر آپ کی اسی دوسری کاوش کا نام ہے۔

السیر الکبیر کا بھی ایک نسخہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچ گیا امام محترم نے جب اس کا مطالعہ کیا اور اس کے تمام مسائل کا جائزہ لیا تو مصنف کی جہد عظیم اور طبع رساں پر انگشت بدنداں رہ گئے اور فرمایا، اگر کتاب میں جابجا احادیث سے استناد نہ کیا ہوتا تو میں کہہ اٹھتا کہ مصنف اس علم (بین الاقوامی قانون) کا خود واضع ہے اللہ تعالیٰ نے مصنف کی نگاہ کو سمت حق پر رکھا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے، کہ،

فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ

ہر ذی علم پر ایک بالاتر صاحب علم ہے۔

"السیر الکبیر" کو عالم وجود میں آئے ہوئے تقریباً تین صدیاں گذر گئیں تو اس کتاب کی عزت و توقیر میں مزید اضافہ یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ کے ایک جلیل القدر عالم نے اس کی شرح املاء کی یہ عالم شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی ہیں جو اپنی اہم تصنیف "المبسوط" کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں، شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے "السیر الکبیر" کی یہ شرح کسی دارالعلوم یا کسی کتب خانے میں بیٹھ کر نہیں

لکھی ہے، بلکہ یہ انھوں نے محض اپنے حافظہ کی مدد سے قید خانہ کی تاریکیوں میں املا کرائی ہے۔

اس اسلام کا پس منظر یہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں ماوراء النہر میں خاقان کی حکومت تھی، خاقان نے آزاد شدہ لونڈی سے عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی نکاح کر لیا، خاقان اس پر غیر معمولی حد تک فریفتہ ہو چکا تھا اس لئے اس کو زمانہ عدت کا انتظار شاق گذر رہا تھا۔ شمس الائمہؒ کو جب ایک شرعی حکم کی پامالی کی خبر پہونچی تو انہوں نے سلطان کی اس حرکت پر سخت گرفت کی اور اسے شریعت کی خلاف ورزی پر محمول کیا، خاقان نے اگر اتباع ہوا کا مظاہرہ کیا تو ایک غیور عالم اسے کیونکر برداشت کر سکتا تھا، شمس الائمہؒ نے بلاخوف ملامت اس نکاح کے از روئے شریعت حرام ہونے کا فتویٰ دیدیا، ہوا پرست حکمراں کی طرف سے اس جرأت کا جواب یہ تھا کہ فقہ اسلامی کے اس رکن اور علم و فضل کے اس بحر ذخار کو ۱۵ سال کے لئے اوزجند کے اندھے کنوئیں میں ڈال دیا گیا[1]

لیکن تشنگان علم کا رجوع امام موصوف کی طرف برابر جاری رہا، شاگردوں کا حلقہ کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ جاتا اور اندر سے امام محترم کے علم و عرفان کا بحر بیکراں موجزن ہو جاتا اور جو کچھ وہ بولتے جاتے اسے شاگرد لکھتے جاتے۔

فقہ حنفی کی جلیل القدر کتاب "المبسوط" کی پندرہ جلدیں اور "السیر الکبیر" کی مفصل و جامع شرح اسی قید خانہ کی تصنیفات ہیں ــــ!

اس لحاظ سے "السیر الکبیر" صرف جہاد بالسیف کا مضمون ہی پیش نہیں کرتی بلکہ یہ کتاب اپنے پس منظر کی جہاد بالنفس، جہاد بالعلم اور جہاد بالحق کی متعدد داستانیں بھی رکھتی ہے۔

کتاب کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ اسلامی حکومت کو بیرونی ممالک سے اور غیر مسلم رعایا سے تعلقات استوار کرنے کے لئے کن کن اصولوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ مگر ایک طرف صاحب کتاب کی روح بین السطور میں یہ پیغام دے رہی ہے کہ جذبات کی گرمی کو آلۂ شر بنانے کے بجائے آلۂ خیر بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اور دوسری طرف شارح کتاب کا زندۂ جاوید کارنامہ علماء حق کو یہ درس دے رہا ہے کہ ایک علمبردار شریعت کی یہ شان ہونی چاہیئے کہ اگر ارباب اقتدار اللہ تعالیٰ کی شریعت کو اپنی ہوا و خواہشات پر قربان کر رہے ہوں تو منقار زیر پر رہنے کے بجائے حق بات کو کھلم کھلا بیان کر دینا چاہیئے خواہ اس کی پاداش میں اندھے کنوؤں کی نذر ہونا پڑے خواہ تختۂ دار پر کھنچ جانا پڑے۔

؎ یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
حق گوئی و بے باکی اے ہمت مردانہ

پھر قید خانہ کے تیرہ و تاریک غار سے السیر الکبیر کی شرح اور المبسوط جیسی عظیم الشان کتاب کے منظر عام پر آجانے میں یہ سبق موجود ہے کہ کچھ کرنے کا جذبہ ہو تو انسان سخت نامساعد حالات میں بھی کارہائے نمایاں انجام دے سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ مصنفؒ اور شارحؒ دونوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ہمیں اس قسم کے واقعہ سے صحیح معنوں میں سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

---

[1] بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ خاقان نے کچھ ظالمانہ ٹیکس عوام پر عائد کر دئے تھے جو ان کی استطاعت سے بڑھکر تھے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے ان ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف فتویٰ دیدیا، جبر کی پیشانی پر شکن آگئے اور ہمدردیٔ عوام کی پاداش میں شمس الائمہ رحمۃ اللہ کی زندگی کا طویل اور اہم حصہ ایک جُبِّ عمیق کی نذر کر دیا۔ یہ دونوں واقعات بجائے خود ثقہ روایات پر مبنی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شمس الائمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ دونوں جرم کئے تھے۔

پانچواں خط

مسافرِ حجاز کا مکتوب

سفرِ حجاز کے میرے تاثرات و مشاہدات

(سید محبوب صاحب رضوی)

> سابقہ خط میں طواف زیارت تک کے حالات بیان کئے جا چکے ہیں بقیہ حالات یہ ہیں :۔
>
> " سید محبوب رضوی "

۱۰ ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہوکر اور مکہ مکرمہ جا کر خانہ کعبہ کا طوافِ زیارت کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی یہ طواف و سعی حج کے اہم ارکان میں سے ہیں، طواف زیارت فرض ہے، طواف زیارت کے بعد پھر منیٰ لوٹنا ہوتا ہے، رات بھی منیٰ ہی میں گذارنی ہے، ۱۱ اور ۱۲ کی رمی جمرات واجب ہے، ۱۲ کو رمی جمرات کے بعد یعنی تینوں شیطانوں کے کنکریاں مار کر حج کے ارکان پورے ہو چکے ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر نے اپنے بے پایاں فضل و کرم سے تمام مراحل بخیر و خوبی پورے کرا دیئے ہیں "ہذا من فضل ربی" ورنہ " من آنم کہ من دانم "

رفقاء نے حج کی ادائیگی پر ایک دوسرے کو مبارکباد دی اور حج کے مقبول و مبرور ہونے کی دعاؤں کا آپس میں تبادلہ ہوا۔ مغرب کے وقت مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ مکہ مکرمہ میں آج کل سردی کا موسم ہے، سنہ... میں حجۃ الوداع بھی موسم میں ہوا تھا۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس ہیچ مداں کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حج و زیارت کو مقبول و مبرور فرمائے اور نہ صرف کفارۂ سیئات بنائے بلکہ نجات اُخروی کا ذریعہ بھی بنائے، اور آئندہ زندگی میں حج کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اس لئے کہ [illegible] کرنا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے تھوڑی سی [illegible] سعادت حاصل ہوسکتی ہے۔ مگر بعد میں حج کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اپنے آپ کو سنبھال کر رکھنا بڑا مشکل ہے، اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں تمام حجاج کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دوران حج میں محترم الحاج مولانا [illegible] الانصاری غازی صاحب (سابق مدیر مدینہ و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند) کی معیت و رفاقت بڑی خوشگوار رہی، اللہ تعالیٰ مولانا موصوف اور انکی اہلیہ

محترمہ حاجّہ ہاجرہ نازلی صاحبہ کو فلاح دارین سے سرفراز فرمائے!

مکہ مکرمہ کے قیام میں مولانا محمد شمیم صاحب ابن حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کی خصوصی دعوت پر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کو دیکھنے اور بخاری شریف کے سالانہ ختم میں شرکت کا موقع ملا شیخ اسمٰعیل بن عثمان یمنی نے بخاری شریف کی آخری حدیث سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم کی بڑے دلنشین انداز میں تشریح فرمائی

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں ایک بڑی دینی درسگاہ ہے جو دارالعلوم دیوبند کی طرح عوامی چندوں سے اپنے مصارف پورا کرتی ہے یہ درسگاہ ۱۲۹۱ھ م ۱۸۷۴ء میں مجاہد اسلام حضرت مولانا رحمت اللّٰہ کیرانوی نے قائم کی تھی، درسگاہ کے ایک ہال میں حاجی منشی نند محمد مرحوم رئیس جھبیڑہ پرگنہ منگلور ضلع سہارنپور کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے یہ تعمیر ۱۳۲۱ھ کی ہے۔ اسے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس درسگاہ کے صرف قیام ہی میں نہیں بلکہ تعمیر میں بھی اپنے نواح کا بڑا حصہ شامل ہے، مدرسہ صولتیہ کے طلباء اپنے سفید اور اجلے لباس میں بڑے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ مدرسہ صولتیہ کا نظام تعلیم بارہ سالہ نصاب تعلیم پر مشتمل ہے، مدرسہ کے اخراجات کا اوسط چھ ہزار ریال سالانہ ہے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (مدینہ یونیورسٹی) کی زیارت کا بھی اتفاق ہوا، جامعہ آبادی سے تین میل کے فاصلہ پر ایک کھلی جگہ میں واقع ہے، اس کی درسگاہیں اور دارالاقامے ایک وسیع رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ عمارتیں نئے انداز کی ہیں، جامعہ روزافزوں ترقی کی جانب گامزن ہے۔ شاہ فیصل بطور خاص اس کی جانب متوجہ ہیں، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جامعہ میں تعلیم پانے والے طلباء کو تین تین سو ریال کے گرانقدر ماہانہ وظائف مل رہے ہیں، اساتذہ اور طلباء کی مسجد نبوی میں آمد و رفت کے لئے حکومت کی جانب سے کاروں اور بسوں کا مفت انتظام ہے طلباء کے لئے دارالاقامہ میں راحت و آسائش کا بڑا عمدہ سامان مہیا کیا گیا ہے طلباء کی رہائش کے کمرے کشادہ اور صاف ستھرے ہیں، صفائی اور نظافت کا خاص اہتمام ہے۔ عصری علوم کی تحصیل کیلئے حکومت اپنے طلباء کو بیرونی ممالک میں بھیج رہی ہے اور گرانقدر وظائف دیتی ہے۔

جامعہ ملک عبدالعزیز کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اب اسی طرح کی ایک جامعہ مکہ مکرمہ میں قائم کی جا رہی ہے۔ بڑی تیز رفتاری سے اس کے انتظامات کئے جا رہے ہیں، غرض کہ وسیع پیمانے پر تعلیم کا نظام قائم ہے۔

سعودی عرب خصوصاً حجاز میں تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ وسیع پیمانہ پر لائبریریاں بھی قائم کی جا رہی ہیں، ابھی حال میں مدینہ منورہ میں ایک بڑی لائبریری قائم کرنے کے لئے سعودی حکومت نے ۶۲ لاکھ ریال منظور کئے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں لائبریری کے منتظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالسبوح صاحب کی پیشکش پر اس خاکسار کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ لائبریری کے لئے کتابوں کے انتخاب کی خدمت انجام دے سکے، مفوضہ کام کا پہلا مرحلہ اپنی بساط کے مطابق انجام دے چکا ہوں اور امید ہے کہ ان شاء اللّٰہ تعالےٰ دوسرا مرحلہ بھی عنقریب مکمل ہو جائے گا، اس موقع پر تحدیث نعمت کے لئے' یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا

ــــہ بجا ہے ناز جتنا بھی کروں' بخت رسا پر میں

کہ اس محفل میں ملتا ہے بڑی قسمت سے پیمانہ

ہندوستان میں مصری قرأت سے طبیعت بڑی متاثر تھی اور اس میں شبہ بھی نہیں کہ مصری لہجے اور قرأت میں بڑی دلکشی ہے مگر لحن حجازی میں جو سادگی، اثر آفرینی اور دلآویزی پائی جاتی ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے!

اب اللّٰہ کے گھر سے جدائی کی گھڑی بالکل قریب آگئی ہے۔ ۲۱ر جنوری ۱۹۷۳ء کو نماز فجر سے پہلے طواف وداع کیا پھر فجر کی آخری نماز مسجد حرام میں پڑھی' زمزم پیا حسرت بھری آنکھوں سے خانہ کعبہ' حطیم' حجر اسود' مقام ابراہیم' اور میزاب رحمت کو دیکھا' خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ خوش بختی کا یہ موقعہ اور زندگی کی یہ مبارک ساعتیں پھر نصیب ہونگی یا نہیں احکم الحاکمین کے دربار میں آخری سلام عرض کیا اور جب تک بس حرم کے قریب سے گزرتی رہی بار بار اس کی طرف نگاہیں اٹھتی رہیں'

ں جب آگے بڑھی تو بیساختہ زبان پر دداعیہ الفاظ جاری ہوگئے

الوداع اے فضائے کیف وسرور
الوداع اے ہوائے دامن نور
الفراق اے مقام ابراہیم
الوداع اے مطاف ورکن وحطیم
الوداع اے جار بیت اللہ
بکیوں غمزدوں کی جائے پناہ

مجموعی حیثیت سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ۶۳ دن قیام
ا، ۱۹ ر نومبر کو ظہر کے وقت مکہ مکرمہ میں حاضری نصیب ہوئی
ر ۲۱ ر جنوری کو جدائی سے دوچار ہونا پڑا اس مدت میں ۵۲ دن
مکہ مکرمہ اور ۱۱ دن مدینہ منورہ میں گذرے، سوچتا ہوں کہ سال
ردن کے فرق سے عمر نبوی کی تقسیم بھی کچھ اسی طرح سے ہے
۵۲ سال مکہ مکرمہ کے ہیں اور ۱۱ سال مدینہ منورہ کو نصیب ہوئے
ہیں۔ ـــہ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

مجھے اپنی اہلیہ کی صحت کی طرف سے بڑی تشویش تھی یہ سفر حجاز کے دوران بیمار تو کئی مرتبہ ہوئیں مگر جلد ہی صحت بھی ہوگئی اور مناسک حج کے دوران تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بیمار سے صحت مند ہیں یہ صرف ارض مقدس کی برکت ہے۔

مکہ مکرمہ میں حکومت ہند کی طرف سے ہندوستانی حجاج کے علاج معالجے کے لئے معقول انتظام کیا جاتا ہے حج کے زمانہ میں حکومت ہند متعدد ڈاکٹروں کی ایک ٹیم وہاں بھیجتی ہے، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ اور منیٰ و عرفات وغیرہ میں جگہ جگہ ڈسپنسریاں کھل جاتی ہیں جن میں دوائیں مفت دی جاتی ہیں، مکہ مکرمہ میں حرم کے قریب ہندوستان کا شفاخانہ ایک شاندار عمارت میں واقع ہے اس شفاخانے کے انچارج ڈاکٹر اسلام اللہ خاں صاحب بس لائق اور شریف ڈاکٹر ہیں، مریضوں کے ساتھ موصوف اور ان کا ماتحت عملہ نہایت اخلاق اور شرافت سے پیش آتا ہے،

زمانۂ حج میں حکومت ہند کا یہ کارنامہ یقیناً لائق تحسین وستائش ہے، مجھے اہلیہ کے سلسلے میں اس شفاخانے سے بڑی مدد ملی شفاخانہ کی دوسری منزل میں اردو کتابوں کی ایک مختصر سی لائبریری بھی ہے جس میں ہندوستان سے اردو اور انگریزی اخبارات و رسائل مہیا کئے جاتے ہیں، روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی اور روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ پابندی سے لائبریری میں آتے ہیں۔

۲۳ ر جنوری ۱۹۷۳ء کو اسی جہاز ایم وی اکبر میں جو بمبئی سے ۱۱ ر نومبر ۱۹۷۲ء کو حجاج کو لے کر گیا تھا سوار ہوا واپسی میں تقریباً دس دن لگے۔

جاتے ہوئے نومبر کے مہینہ میں سمندر کی سطح ساکن اور موسم میں کسی قدر گرمی تھی مگر واپسی میں موسم بہت خوشگوار اور خنک رہا، البتہ ہوا کی شدت سے سمندر میں قدرے تلاطم ضرور تھا اس کی وجہ سے بعض لوگوں کو دوران سر اور چکر کی شکایتیں پیش آئیں ایم وی اکبر کے ہسپتال کا عملہ خاصہ مستعد ہے، ڈاکٹر اور نرسس سب ہی فرض شناس اور لائق ہیں، ہسپتال میں مردوں اور عورتوں کے وارڈ الگ الگ ہیں۔

سمندر کی فضا اپنی دلکشی کے لئے مشہور ہے، نیچے صاف شفاف نیلگوں پانی اور اوپر نیلے آسمان کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا، حتیٰ کہ سمندر میں پرندے بھی نظر نہیں آتے سمندر پر آسمان اتنا ہی صاف ہوتا ہے جتنا ہمارے یہاں بارش کے بعد صاف شفاف دکھائی دیتا ہے، وہاں آفتاب کے طلوع وغروب کا منظر بھی بڑا دلکش ہوتا ہے، ایسا نظر آتا ہے کہ سورج سمندر کی تہ سے ابھر رہا ہے اور یہی کیفیت ڈوبنے کے وقت معلوم ہوتی ہے یوں لگتا ہے کہ سورج گویا پانی میں اتر رہا ہے، صبح شام لوگ بکثرت اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے جہاز کے عرشے پر چلے جاتے ہیں۔

بچپن میں جغرافیہ کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ زمین گول ہے اس کا مشاہدہ جہاز میں ہوا، آپ جہاز کے اوپر چڑھ کر چاروں طرف نظر ڈالئے تو یوں نظر آئیگا کہ گویا سمندر گول ہے اور ایک

بہت بڑے پیالے سے ڈھکا ہوا ہے۔ اور پیالے کے ٹھیک وسط میں آپ کھڑے ہوئے ہیں۔

یکم فروری کو جب بمبئی پہونچا تو وہاں اپنے مخدوم و معظم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی مدظلہم کو اپنا منتظر پایا، حضرات ممدوحین اسی ناکارہ کی عزت افزائی کے لئے بندرگاہ پر تشریف لیجانے کی تیاری کر رہے تھے، بندرگاہ کے لئے پاس بھی منگوائے گئے تھے کہ اتنے میں میں نے خود حاضر ہوکر شرف قدم بوسی حاصل کیا۔ اپنے ان بزرگوں نے اس وقت جس گرم جوشی سے بزرگانہ شفقت کا اظہار فرمایا وہ میرے لئے بڑا سرمایۂ سعادت ہے، میں ان بزرگوں کی خدمت میں بصمیم قلب سراپا تشکر و امتنان ہوں، اللہ تبارک تعالےٰ دونوں حضرات کے ظل عاطفت کو تادیر قائم ودائم رکھے۔

بمبئی میں عزیزی محمد اسلام صدیقی سلمہٗ کو بھی میرے بمبئی پہنچنے کا پتہ چل گیا تھا۔ وہ تلاش کرتے ہوئے پہونچ گئے اور باصرار اپنے مکان پر لے گئے بمبئی کے قیام میں ان سے بڑی راحت ملی، اللہ تعالےٰ عزیز موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

۴ر فروری کو بمبئی سے بذریعہ دہرہ دون اکسپریس روانہ ہوکر ۶ر کو دیوبند واپسی ہوئی۔ اسٹیشن پر اپنے بزرگوں اور احباب کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، خصوصاً حضرت مولانا سید فخرالحسن صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اپنے ضعف و نقاہت کے باوجود اسٹیشن پر تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، حضرت مولانا معراج الحق صاحب، حضرت مولانا نصیر احمد صاحب نائبین اہتمام محب مکرم مولانا عبدالحق صاحب، حکیم عبدالقدوس صاحب، مولوی شوکت علی صاحب مالک آزاد پریس اور شیخ اقبال حسن صاحب صوفی سعید حسن صاحب نتھانی، ظہیر صدیقی صاحب، منشی افضل الٰہی صاحب، عزیزی طیب رضوی وغیرہم اور دوسرے بہت سے حضرات کی تکلیف فرمائی اور ذرہ نوازی کا تہ دل سے ممنون اور شکر گذار ہوں حق تعالےٰ ان کو اجر عظیم اور فلاح دارین عطا فرمائے۔ عزیزی محمد انیس سلمہٗ اور عزیزی عبدالمتین سلمہٗ نے سامان سفر سنبھال کر مجھے اسباب کی دیکھ بھال کی پریشانی سے بچا دیا، جزاہم اللہ خیر الجزاء

مجموعی طور پر تین مہینے اور تین دن اس مقدس سفر میں بسر ہوئے، مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ سفر نہیں کوئی مبارک خواب تھا جو خوش قسمتی سے نظر آگیا تھا ؎

وَكُنْتُ أَظُنُّ قُرْبُ الدَّارِ يُطْفِي
لَهِيبَ الشَّوْقِ فَازْدَادَ اللَّهِيبُ

(میں تو سمجھتا تھا کہ میری آتش شوق وہاں کا قرب حاصل کرنے سے فرو ہو جائے گی، مگر کچھ الٹا اثر ہوا کہ وہ اور بھڑک اٹھی)

آخر میں صدیق مکرم مولانا سید ازہر شاہ صاحب قیصر کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے، موصوف ہی کے پیہم اصرار کا نتیجہ ہے کہ یہ خطوط لکھ سکا ہوں، اگر ان کا شدید تقاضا مجھے مجبور نہ کر دیتا تو غالباً یہ حج خطوط کبھی نہ لکھ سکتا۔

اب بارگاہ خداوندی میں دعاگو ہوں کہ اے اللہ ہمیں سچا اور پکا مسلمان بنادے۔ ہمارے گناہوں سے درگذر فرما ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام ہی پر موت دینا، ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی عطا فرما تاکہ ہم اپنی جانوں اور مالوں سے تیری راہ میں جدوجہد کرتے رہیں یہانتک کہ تو ہم سے راضی ہوجائے۔

خدایا! تو نے اپنے پیغمبروں کی زبانی ہمارے لئے دنیا کی پیشوائی اور سرداری کا جو وعدہ فرمایا ہے ہمیں اس کا مستحق بنادے۔

خداوندا! تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو حج بیت اللہ اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت نصیب فرمادے یا ارحم الراحمین! تو ہمیں دنیا و آخرت کے عذاب اور ذلت سے بچالے۔

یارب کریم! ہمارے اوپر آسمان اور زمین کی برکتیں نازل فرما ہمیں اپنے علوم عطا فرمادے اور کتاب و حکمت کی سمجھ عنایت کردے اور ہمیں اپنا فرماں بردار بندہ بنالے!!۔ خدایا!

تو رحیم ہے، تو کریم ہے، میری لغزشوں پہ نہ کر نظر
تیری خو عطا، میری خو خطا، نہ وہ تجھ میں کم نہ یہ مجھ میں کم

(راقم: سید محبوب رضوی)

غیر اسلامی حکومت کی تائید و حمایت

از ——— حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب ممبر شوریٰ دارالعلوم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر اسلامی حکومت کی تائید و حمایت کرنا اور ان کی عدالتوں میں متنازع مسئلوں کا حل تلاش کرنا از روئے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں ساتھ ہی ساتھ درج ذیل آیات کریمہ کے معنی و منشا انتہائی واضح اور تشفی بخش انداز میں تحریر فرمائیں۔

(۱) ان الحکم الا للہ (۲) من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون (۳) فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول (۴) فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فی ما شجر بینھم

"المستفتی"

ایس اے خاں ٹانڈہ - ایم اے خاں ٹانڈہ

الجواب:-

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

قرآن پاک کے ترجمے اور تفاسیر اردو زبان میں بکثرت موجود ہیں۔ آیات مندرجہ سوال کا ترجمہ ان میں مطالعہ فرمائیے احقر ان میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا۔ ترجمہ اور تفسیر قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا جائز بھی نہیں ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ ان آیات سے تذکیر اور تنبیہ ان کو ہونی چاہئے جو مسلمانوں کی ریاستوں کے سربراہ ہیں جو قانون گو بھی ہیں اور قانون ساز بھی مگر ان کی جد و جہد ان آیات کے برخلاف ہے، پوری مملکت کا دستور اساسی "ما انزل اللہ" کے مطابق کیا ہوتا وہ عائلی قوانین میں بھی کتر بیونت کر رہے ہیں جن کا تعلق افراد سے ہوتا ہے مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی زندگی سے ان کا تعلق نہیں ہوتا، بڑا اکرم کیا پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے کہ طے کر دیا کہ کوئی قانون اسلام کے خلاف وضع نہیں ہوگا یعنی حکم بما انزل اللہ کی ہمت نہیں صرف مخالفت اور انکار سے اجتناب منتہائے نظر ہے۔ باقی جہاں تک ہمارا تعلق ہے پہلی آیت یعنی "ان الحکم الا للہ" لامحالہ واجب العمل ہے دوسری آیت کے متعلق یہ ہے کہ جب حکم کی طاقت ہی نہیں

تو حکم "بما انزل اللہ" کا خطاب بھی ہم پر عائد نہیں ہوگا تکلیف مالا یطاق سے دامنِ شریعت پاک ہے اس بنا پر آیت ... وسکہ کی ذمہ داری بھی اسی حد تک ہوگی جس حد تک طاقت ہے یہ اجمالی جوابات ہیں۔ اب کچھ تشریح ملاحظہ فرمائیے

ہندوستان کو دارالاسلام وہی کہہ سکتا ہے جو شب تاریک کو روز روشن کہنے کی ہمت رکھتا ہو۔ کھلی ہوئی بات ہے مسلمانوں کو ہندوستان میں اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں ہے یعنی وہ اپنی آزادانہ رائے سے نہ کوئی قانون بنا سکتے ہیں نہ کسی قانون کو منسوخ کر سکتے ہیں یعنی الحکم کی طاقت ان میں نہیں ہے۔ تو کیا وہ فرائض اور ذمہ داریاں ان پر عائد ہونگی جو اقتدار اعلیٰ کی مالک قوم پر عائد ہوتی ہیں۔

"ان الحکم الا للہ" یقیناً واجب التسلیم ہے مگر سوال یہ ہے کہ ایسی مملکت کے مسلمانوں کے لئے "حکم اللہ" کیا ہے جو ایسی اکثریت میں محصور ہیں جس کو نہ وہ اقلیت بنا سکتے ہیں نہ اس کو محکوم بنا سکتے ہیں۔ واقعہ یہی ہے حکم شریعت واقعات کی بنا پر ہوتا ہے موہوم امکانات کی بنا پر کوئی فرض عائد نہیں کیا جا سکتا، ورنہ غریب سے غریب مسلمان پر بھی زکوٰۃ فرض ہونی چاہئیے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے، اور فلسطین سے اسرائیل کے اخراج کا فرض ہندوستان کے مسلمانوں پر عائد ہونا چاہئیے اور جب تک اسرائیل فلسطین پر قابض رہیں یہاں کے مسلمانوں پر ترک فرض کا گناہ لازم ہونا چاہئیے کیونکہ یہ بات امکان سے خارج نہیں ہے کہ مسلمانان ہندوستان وہ طاقت فراہم کریں کہ فلسطین سے اسرائیل کو خارج کر سکیں۔ بہرحال موہوم امکانات پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ حقیقت اور واقعہ کے مونڈھوں پر فرض لادا جاتا ہے۔

بیشک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کو ایسے ملک میں رہنا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو وہ کس طرح رہیں محارب بن کر یا مصالح کی حیثیت سے۔

جن بے سہارا مسلمانوں پر مکہ معظمہ میں زندگی گذارنی دو بھر ہو گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حبشہ بھیج دیا۔ جو اگرچہ فقہی اصطلاح کے لحاظ سے دارالحرب تھا مگر وہاں کا بادشاہ انصاف پسند تھا۔ کیا اس سے مسلمانوں کے دارالحرب میں رہنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

ابوطالب کی وفات کے بعد جب رسمی پناہ کی شکل باقی نہ رہی (جو اس زمانہ میں تحفظ کے لئے نہایت ضروری تھی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے کہ وہاں کے سرداروں سے رسمی پناہ حاصل کریں اس کے بعد جب حج کا زمانہ آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیرون مکہ سے آنے والے قبیلوں کے کیمپوں میں تشریف لیجاتے ان کو دعوت اسلام دیتے اور پیش کش کرتے کہ وہ اس کی ذمہ داری لے لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں قیام فرما کر سلسلہ دعوت جاری رکھ سکیں

(ابن سعد ص۱۴۲)

ان صورتوں میں اگر یہ قبائل پناہ دیدیتے تو ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام غیر دارالاسلام میں ایسے قبیلہ میں ہوتا جس میں اقتدار دوسروں کا تھا اور غور فرمائیے جب تک ہجرت کا حکم نہیں ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا جو کھلا ہوا دارالحرب تھا۔ کیا یہ قیام ناجائز تھا۔

بعثت مبارکہ کے مقاصد میں سے یہ بھی تھا کہ حرم کعبہ کو شرک کی آلودگی سے پاک کریں۔ صلح و آشتی سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا، تو اس کے لئے قوت کی ضرورت تھی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ مرکز اسلام ہو گیا جہاں بھی کوئی مسلمان ہوتا اس پر فرض تھا کہ وہ اس مرکز میں آکر مسلمانوں کی قوت میں اضافہ کرے قوت فراہم ہوئی مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو ہجرت کی فرضیت بھی ختم ہو گئی

لاھجرۃ بعد الفتح (بخاری شریف ص۴۳۳)

قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیتوں میں غور و فکر سے کام لیجئے یہ ایسے علاقہ میں مسلمان کے وجود کا پتہ دے رہی ہیں اور اس وجود کے جواز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جہاں اقتدار اور اختیار دوسروں کو حاصل ہے۔ یہ دوسرے وہ بھی ہیں جو اسلامی مملکت سے معاہدہ کئے ہوئے ہیں اور وہ بھی ہیں

جو اسلامی مملکت کے مخالف اور قرآن حکیم کے الفاظ میں "عدو" ہیں اور لطف یہ ہے کہ یہ آیتیں اختلاف مذہب کے باوجود اتحاد قومیت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

۱۔ قتل خطا کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے۔

فان کان من قوم عدو لکم	ترجمہ۔ اور اگر وہ (مقتول) ایسی
وھو مومن فتحریر رقبۃ	قوم کا فرد تھا جو تمہاری
مومنۃ وان کان من قوم	(دارالاسلام کے مسلمانوں کی)
بینکم وبینھم میثاق	دشمن ہے اور وہ خود مسلمان
فدیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ	تھا تو قاتل پر ایک
وتحریر رقبۃ مومنۃ	مسلمان غلام کا آزاد کرنا واجب
(سورہ نساء، ع ۱۳)	ہوگا۔ اور اگر وہ مقتول
	ایسی قوم کا فرد تھا کہ تمہارے

(مسلمانان دارالاسلام کے) اور انکے درمیان معاہدہ ہے تو دیت لازم ہوگی جو مقتول سے تعلق رکھنے والوں کو ادا کی جائیگی اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا واجب ہوگا۔

عاصی اور مجرم کے ساتھ رعایت نہیں کی جاتی چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسافر کو نماز میں قصر کرنے کی اجازت نہیں دیتے جو کسی معصیت کے لئے سفر کر رہا ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ شراب سے بدمست انسان کی طلاق نافذ قرار دیتے ہیں اور مدہوشی اور بدحواسی کا عذر قابل سماعت نہیں سمجھتے۔ بس اگر ایسے ملک میں رہائش ناجائز ہوتی جو دارالاسلام نہیں ہے تو یہاں کے کسی مسلمان کے قتل کو یہ اہمیت نہ دی جاتی کہ قتل خطا کی صورت میں اس کے قاتل پر دارالاسلام میں دیت لازم کی جارہی ہے۔ اس ملک کے ذی اقتدار اگر مسلمانوں سے (اسلامی حکومت سے) معاہدہ کئے ہوئے ہیں تو دیت کے علاوہ قاتل پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ مسلم غلام آزاد کرے اور اگر معاہدہ کئے ہوئے نہیں بلکہ دشمن ہیں اور یہ ملک صرف اصطلاحی الفاظ میں دارالحرب نہیں (اصطلاح فقہاء میں ہر ایسے ملک کو دارالحرب کہہ دیا جاتا ہے جہاں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل نہ ہو خواہ وہاں کے مسلمان باشندے پوری طرح مامون و محفوظ ہوں اور خواہ وہاں کے ذی اقتدار غیر مسلم مسلمانوں کی حکومت سے معاہدۂ امن و صلح کئے ہوئے ہوں) بلکہ حقیقت کے لحاظ سے دارالحرب ہے کہ وہاں کے ذی اقتدار مسلم حکومت کے عدو (دشمن) ہیں تب بھی دیت تو لامحالہ لازم ہے البتہ مسلم غلام کا آزاد کرنا لازم نہیں ہوگا۔

۲۔ سورۂ انفال کے رکوع ۱۰ کی آیت ہے۔

والذین آمنوا ولم	ترجمہ۔ اور جو لوگ ایمان تو
یھاجروا مالکم من	لے آئے مگر انھوں نے ہجرت
ولایتھم من شیٔ	نہیں کی (اپنے وطن میں رہے)
۔۔ تا ۔۔ میثاق	تمہارا ان سے کوئی تعلق میراث
	کا نہیں ہے اور اگر وہ تم سے

مدد چاہیں دین کے کام میں تو تم پر واجب ہے مدد کرنا بجز اس کے کہ (یہ مدد) اس قوم کے مقابلہ میں ہو کہ اس قوم کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔ (سورۂ انفال)

مثلاً جاپان کا باشندہ جو مسلمان ہوگیا اگر وہ پاکستان کے مسلمانوں سے مدد مانگتا ہے تو پاکستان کے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس کی مدد کریں لیکن اگر پاکستان جاپان سے معاہدہ کئے ہوئے ہو تو ان کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ معاہدہ کو توڑ ڈالیں اور اس مسلمان کی مدد کریں۔

اس آیت سے جیسے امداد کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے جائز ہے کہ ایسے ملک میں رہائش رکھے جہاں اقتدار غیر مسلمانوں کا ہے۔

سورہ نساء کی ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیے

ان الذین توفاھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم (ع ۱۴)

اس آیت میں ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے یہ ہے کہ جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے (یعنی دارالکفر میں رہ کر دین کے کس کام میں

مشغول تھے کہ ہجرت نہ کرسکے) وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم بے بس تھے فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں ہے کہ تم اس میں کہیں بھی ہجرت کر جاتے۔ مگر وہ مرد، عورتیں اور بچے فی الواقع بے بس ہیں نہ کوئی تدبیر ہی کر سکتے ہیں نہ کوئی راہ پاتے ہیں تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا اللہ تو ہے ہی بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا۔

(سورہ نساء آیت ۹۷ تا ۹۹)

ان بے بس مسلمانوں سے خواہ وہ کتنے ہی ہوں مواخذہ نہیں ہوگا۔

اس آیت کے منشاء اور مفہوم پر نظر کرتے ہوئے یہ بات ضرور ملحوظ رکھیئے کہ تنہا آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا سوال نہیں ہے بلکہ سوال ہے ان تمام مسلمانوں کا جو بھارت کی کشتی میں سوار ہیں جن کی تعداد کم سے کم چھ کروڑ ہے، کوئی دارالاسلام تو در کنار، کیا دنیا کا کوئی ملک ہے جو ان چھ کروڑ کے لئے اپنا سینہ چوڑا کر سکے۔ کیا ان کے لئے ہندوستان میں رہنا ناجائز ہوگا۔ منشاء آیت کیا ہے؟ غور فرمائیے!

بیشک ناجائز اور حرام ہے کہ دارالاسلام کو چھوڑ کر آپ دشمن کے کیمپ دارالحرب میں جائیں لَاتَرَاءٰى نَارَاهُمَا ان دونوں (کے خیموں) کی آگ ساتھ ساتھ نظر نہ آنی چاہئیں۔

(ترمذی شریف کراہیۃ المقام بین اظہر المشرکین ص۱۹۳ ج ۱)

مگر ہند یونین کے مسلمان کسی دارالاسلام کو چھوڑ کر نہیں آئے، یہیں پیدا ہوئے یہیں رہے، یہیں بڑھے، یہاں ان کی سکونت ہے یہاں ان کی جائدادیں ہیں، یہاں ان کے آثار وروایات ہیں، وہ یہاں کے باشندے ہیں، ملک کے حصہ دار ہیں، یہ ان کا وطن ہے۔

بہرحال یہ کہیئے کہ روایات اور آیات بالا کی بناء پر اصولاً ان کے لئے جائز ہے کہ وہ ہندوستان میں ایک متوطن کی حیثیت سے رہیں۔ یہ کہیئے کہ جائز اس بناء پر ہے کہ جائز قرار دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو کس طرح رہنا چاہیئے محارب کی حیثیت سے؟ مصالح کی حیثیت سے؟ یا متوطن کی حیثیت سے؟

ہندوستان آپ کا وطن ہے یہ حقیقت ہے اب غور فرمائیے پڑوسیوں کے ساتھ نہ صرف حسنِ اخلاق بلکہ مکارم اخلاق کی جو تاکید قرآن پاک کی آیات (مثلاً آیت ۳۶ سورۂ نساء واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئًا (الآیۃ) میں) اور بے شمار احادیث میں وارد ہے کیا وہ ان پڑوسیوں کے ساتھ مخصوص ہے جو دارالاسلام میں آپ کے محلہ میں رہتے ہوں۔ تاریخی روایات سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے تو تاریخ کی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ تیر و تلوار کی جھنکار کے ساتھ مسلمان تقریباً چوتھی صدی میں سرزمین ہند میں داخل ہوئے لیکن تسبیح وتہلیل کے پرکیف زمزمہ اور مکارم اخلاق کے لباس فاخرہ کے ساتھ مسلمان پہلی ہی صدی میں داخل ہو چکے تھے اور گجرات و مالابار وغیرہ میں تبلیغ وارشاد کے مرکز قائم کر چکے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن اخلاق کی تعلیم پر ان بزرگوں نے عمل کیا۔ محمود غزنوی کی تلوار نے سروں کو جھکایا مگر یہ حضرات اپنی اخلاقی قوت سے بہت پہلے اپنے پڑوسیوں اور اہل شہر کے دلوں کو رام کر چکے تھے۔ ان حضرات نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن اخلاق سے کام لیا تو کوئی بدعت نہیں پھیلائی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر عمل کیا۔

چند سال پہلے تک پنچ شیل کا بڑا شور تھا ارباب حکومت نے ان کی تشہیر اس طرح کی کہ اس کے دیوتا سمجھے جانے لگے لیکن سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت رکھنے والا شخص ان اصول کو درسگاہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک درس بتا سکتا ہے۔

حلف الفضول ایک مشہور معاہدہ تھا آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم ان کے حلیف تھے اس معاہدہ کی دفعات یہ ہوتی تھیں (۱) ہم اپنے وطن سے بے امنی دور کریں گے (۲) مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے (۳) غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے (۴) طاقتوروں کو کمزوروں پر، بڑوں کو چھوٹوں پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے (سیرۃ ابن ہشام ص۸۲ وص۸۳ ج ۱)

یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے مگر نبوت کے بعد جب ایک مضبوط نظام مسلمانوں کا قائم ہوگیا تھا تب بھی سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے قریش اگر حلف الفضول کو زندہ کریں تو میں سب سے پہلا شخص ہونگا جو اس میں حصہ لونگا۔ (سیرۃ ابن ہشام ص۸۴ ج ۱)

اشاعت اور استحکام اسلام کے بعد بھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے معاہدہ میں شرکت پر آمادگی ظاہر فرمائی تو آپ نے مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ وہ جہاں بھی رہیں اس طرح کی انجمنوں میں شرکت کر سکتے ہیں اور اپنے وطن کے امن و اطمینان کو تقویت دے سکتے ہیں یہ لامحالہ نیک کام ہے اور ارشاد ربانی ہے

تعاونوا علی البر والتقویٰ

نیکی خدا ترسی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

انہیں سطور میں پہلے گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم اور بے سہارا صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو حبشہ جانے کی اجازت دی تھی یہ حضرات حبشہ میں تھے کہ اس پر کسی دشمن نے حملہ کر دیا۔ سوال یہ تھا کہ اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر غیر مسلم حکومت کی امداد کیوں کریں لیکن اس جماعت کے قائد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہی ہوا کہ بلاشبہ کفر و شرک کو سربلند کرنے کے لئے امداد جائز نہیں ہے مگر یہاں یہ صورت نہیں ہے یہاں صورت یہ ہے کہ اس دفاع میں خود اپنی حفاظت بھی ہے لہٰذا شرکت کرنی درست ہے چنانچہ ان حضرات نے حبشی فوج کی امداد فرمائی (المبسوط السرخسی ص۹۸)

ان روایات کی رہنمائی یہ ہے کہ غیر اسلامی حکومت میں جس طرح ملک کے امن و امان، غریبوں کی امداد، عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینا، ایسی انجمنوں میں جو ان مقاصد کے لئے بنائی گئی ہوں شرکت کرنا درست ہے ایسے ہی ملکی دفاع میں بھی حصہ لینا جائز اور ضروری ہے، ان حضرات مہاجرین حبشہ کے سامنے تحفظ جان کا مسئلہ تھا، ان حضرات کی جائدادیں وہاں نہیں تھیں، مسلمانانِ ہند کے سامنے اپنی جائیدادوں کے تحفظ کا مسئلہ بھی ہوتا ہے اس لئے دفاع میں شرکت ان کے لئے بدرجۂ اولیٰ ضروری اور لازم ہوگی۔

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل دون نفسه فهو شهيد ومن قتل دون ماله فهو شهيد (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحاح)

کیا حلف الفضول کی مذکورہ تصریح سے شرکت پارلیمنٹ کا جواز ثابت نہیں ہوتا اور جب انجمن ملکی (پارلیمنٹ) میں شرکت جائز ہوا تو انتخاب میں حصہ لینا بھی جائز ہوگا اور مذکورہ بالا تصریحات کی بنا پر یہی کہا جا سکے گا کہ مسلمانان ہند کے لئے حکم اللہ یہی ہے ان الحکم الا للہ

اور جب حکم اللہ یہی ہے تو فیصلہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی یہی ہوگا۔ تو پارلیمنٹ کی شرکت آیتہ ۳ ۔ ۱ کے مخالف بھی نہیں ہوگی۔ البتہ جب پارلیمنٹ میں کوئی کارروائی ایسی ہو جو سراسر خلاف شریعت ہے تو اس میں شرکت جائز نہیں ہوگی قال الله تعالیٰ (ترجمہ) بلاشبہ (اللہ تعالیٰ) نازل کر چکا

وقد نزل عليك في الكتاب ان اذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزء بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره (الآیۃ ۱۴۰ سورہ نساء)

ہے (یہ فرمان) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی نشانیوں کے ساتھ (مذہبی مسائل بھی ان میں داخل ہیں کیونکہ وہ بھی آیات اللہ ہیں) کفر اور تمسخر ہوتا ہوا تو نہ بیٹھو ان لوگوں

کے ساتھ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔

ایسی صورت میں آپ باقاعدہ یادداشت پیش کر کے — (وارننگ) دے کر مجلس سے خارج بھی ہو سکتے ہیں، واک آؤٹ بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ فرمان خداوندی ہے

واذا رایت الذین	اور جب تم ان کو دیکھو جو ہماری ..
یخوضون فی آیاتنا	نشانیوں کو مشغلہ بنائے ہوتے
فاعرض عنھم حتی	ہیں (غیر معقول دخل اندازی کر
یخوضوا فی حدیث	رہے ہیں) تو ان سے کنارہ کش
غیرہ واما یُنسِیَنَّکَ	ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور
الشیطانُ فلاتقعد	بات میں لگ جائیں اور شیطان
بَعْدَ الذکریٰ	تمہیں بھلا دے تو بعد یاد
مَعَ القومِ الظالمین	آجانے کے ایسے ظالم لوگوں
(سورہ الانعام آیت ۶۸)	کے پاس مت بیٹھو

رہا عدالتوں کی طرف رجوع تو جس قانون کو آپ زندگی کے تمام شعبوں میں مانے ہوئے ہیں اس کے متعلق اگرچہ نصوص شریعت نہیں ہیں مگر وہ قانون خلاف شریعت بھی نہیں ہیں یعنی اگرچہ حکم بما انزل اللہ نہیں ہے مگر عصیان اور تعدی عن حدود اللہ بھی نہیں ہے تو ایسے قانون کے تسلیم کر لینے اور اس کے ماتحت فیصلہ کرانے میں کوئی قباحت نہیں ہے تو ریت موجود تھی اور اس کی یہ عظمت بھی نظر انداز نہیں تھی کہ "من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون"

(سورہ مائدہ)

لیکن اس کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کے بارے میں دین ملک پر عمل کیا (سورۂ یوسف)

البتہ اگر قانون خلاف شریعت ہے تو اس سے اپنے حق میں فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر آپ کے برخلاف اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو آپ مجبور و معذور ہونگے، مثلاً قرض کا دعوی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اصل رقم کے ساتھ سود ملا کر دعوی کیا جائے اگر آپ اپنا مطالبہ حاصل کرنے کے لئے دعوی کرنے پر مجبور ہیں تو اگر ڈگری آپ کے حق میں ہو جائے تو سود کی رقم آپ کے لئے جائز نہیں ہوگی وہ آپ مدعا علیہ کو واپس کرینگے۔ اور اگر دعویٰ آپ کے خلاف ہے اور سود کی رقم آپ کو ادا کرنی پڑ رہی ہے تو آپ اس میں مجبور ہیں۔

بہرحال جن متنازعہ امور میں حکم شریعت موجود ہے وہاں حکم شریعت پر عمل کرنا لازم اور فرض ہے اس شرعی حکم کے خلاف قانون سے فائدہ اٹھانا قطعاً حرام۔

مثلاً ترکہ کی تقسیم میں آپ کو فرائض شرعی پر عمل کرنا ہوگا قانون اگر اس کے برخلاف تقسیم کرتا ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا حرام ہے اور جہاں حکم شریعت موجود نہیں ہے اور اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے عدالتی کاروائی ضروری ہے اس صورت میں تحفظ حق کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع کرنا جائز ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ العبد الضعیف

"محمد میاں"

۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ ۱۰ جون سنہ ۱۹۷۳ء

⁂ ⁂ ⁂

اوقاف اور ان کا تحفظ

قسط ۲

★ مولانا ظفیر الدین صاحب دارالعلوم دیوبند

صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رح کا قول اس باب میں بہتر ہے کہ اس میں سہولت بھی زیادہ ہے اور احتیاط بھی، اور ابن الہمام نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے

الاخذ بقول الثانی	امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کرنے میں
احوط واسھل بحر...	زیادہ احتیاط اور سہولت ہے اور
وفی الفتح ان قول	فتح القدیر میں ہے کہ محققین کے نزدیک
ابی یوسف اوجہ	یہ قول زیادہ موجہ ہے
عند المحققین (شامی ج۳ ص۵۰۶)	

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ وقف ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے خواہ اس کی تمام شرطیں صراحت سے بیان کی جائیں یا نہیں، جب کوئی چیز وقف قرار پا گئی تو وہ لازم ہو گئی اور اس میں کوئی ایسا تصرف ہرگز جائز نہیں ہے جو وقف کی دوامی حیثیت اور منشار واقف کے خلاف ہو۔

فاذا تم ولزم لا یملک	وقف جب اجتماع شرائط اور
ولا یُملک ولا یعار	ارتفاع موانع کے باعث تام
ولا یرھن ولا یقسم	ہو جائیگا اور لازم قرار پا جائیگا تو پھر
(شامی)	نہ کوئی اس کا مالک ہوگا، نہ کوئی
	مالک بنا سکے گا، نہ عاریت میں

دیا جائیگا نہ رہن رکھا جا سکے گا اور نہ وہ تقسیم کیا جائے گا

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ آپ اچھی طرح جان لیں کہ وقف ایک ایسی شے ہے جس کے اندر کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی ہے جو چیزیں اختلاف کی ہو سکتی تھیں ان تمام کو پہلے ہی طے کر دیا جاتا ہے تاکہ بعد میں کوئی اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرے۔ اور جن مقاصد کے لئے وقف ہوا ہے ان کی تکمیل اس کے ذریعہ پابندی سے ہوتی رہے۔

شریعت نے اس وقف میں جہاں ان لوگوں کا لحاظ و پاس کیا ہے جن پر وقف ہوا ہے، وہیں خود وقف کرنے والے کے منشار کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا ہے کہ دراصل شے موقوفہ کا وہی مالک تھا اور اس میں جائز تصرف کا اسی کو پورا اختیار تھا، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے

شرط الواقف کنص	وقف کرنے والے کی شرط
الشارع ای فی الفھم	شارع کی صراحت کے درجہ
والدلالة ووجوب	میں ہے فہم و دلالت کے اندر
العمل (شامی ج۳ ص۵۴۰)	بھی اور عمل کے واجب ہونے میں بھی

مگر اسی کے ساتھ واقف کو مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ ایسی کوئی شرط ہرگز نہ لگائے جو شریعت کے خلاف ہو، کیونکہ انکی کوئی ایسی شرط ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی جو دائرہ شریعت سے باہر ہوگی یا جس سے کوئی معصیت پیدا ہوتی ہو یا اسکو تقویت حاصل

ہوتی ہو اور یا اس کی وجہ سے نفس وقف کا وجود اور اس کا تحفظ خطرہ میں پڑ جائے۔

فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية (شامی ص ۴۹۹ ج ۳)

واقف کی وہ تمام شرطیں معتبر ہیں جو شریعت کے مخالف نہ ہوں۔ واقف مالک ہے لہذا اسکو ان تمام شرائط لگانے کا اختیار ہے جو معصیت نہیں۔

واقف اپنی زمین وجائداد مساجد پر بھی وقف کرسکتا ہے، اور قبرستانوں پر بھی، علاج ومعالجہ پر بھی اور غریبوں کی تعلیم وتربیت پر بھی، خود اپنی ذات پر بھی، اور اپنی اولاد در اولاد پر بھی، عام فقراء ومساکین کی امداد پر بھی اور مخصوص افراد و خاندان پر بھی۔

واقف چونکہ مال وقف کا مالک تھا، اسلئے قدرتی طور پر اسے اس کے ساتھ تعلق خاطر ہوتا ہے، اسکی حفاظت اور اسکے صحیح مصرف کا جو دھیان اسکو ہوسکتا ہے دوسروں کو نہیں ہوسکتا پھر واقف کی حیثیت سے اس کو جو حق حاصل ہے، دوسروں کو نہیں، اس لئے شریعت نے متولی کے تقرر کا اولی حق اسی کو دیا ہے پھر جسکو وہ اختیار دے پھر اس افسر اعلیٰ کو جو سلطان کا مقرر کردہ ہے جسکو شریعت کی اصطلاح میں قاضی کہتے ہیں

ولاية نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه لقيامه مقامه ثم للقاضي (شامی ص ۵۶۲ ج ۳)

متولی کا تقرر واقف کا حق ہے پھر جس کو اُسنے ذمہ دار بنایا ہے کہ وہ اس کے قائم مقام ہے پھر قاضی کا حق ہے۔

اسی کے ساتھ قاضی کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ حتی الوسع واقف کی اولاد میں سے کسی لائق کو متولی مقرر کرے اس کے رہتے ہوئے وقف کا انتظام کسی اجنبی کے سپرد نہ کرے، اسلئے کہ وقف کے تحفظ وبقا اور اس کے مقاصد کی تکمیل سے جو لگاؤ اسکو ہوتا ہے، اجنبی کو نہیں ہوتا، اور تاکہ وقف کی نسبت اسکی طرف باقی رہے۔

وما دام احد يصلح للتولية من اقارب الواقف لا يجعل المتولي من الاجانب لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف اليهم (ایضاً ص ۵۶۸ ج ۳)

اور واقف کے قرابت داروں میں سے جب تک کوئی شخص تولیت کی صلاحیت رکھتا ہو اس وقت تک بیگانوں میں سے کسی کو متولی نہ بنایا جائے اس لئے کہ واقف کے قرابتدار وقف سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں اور یہ بھی مقصد ہے کہ وقف کی نسبت اسکے خاندان سے قائم اور باقی رہے

واقف کے ساتھ اس رعایت کے باوجود اسکی ناجائز شرط کو ایک لمحہ کے لئے قبول نہیں کیا جائیگا بلکہ اسے پوری قوت سے رد کردیا جائے گا، جیسے واقف نے ایک شخص کو متولی بنایا اور یہ بھی تاکید کردی کہ اسے معزول نہ کیا جائے یا کسی کو اس کے علیحدہ کردینے کا اختیار نہیں ہوگا، لیکن وہ نامزد متولی فرض کیجئے خائن یا نااہل یا فسق وفجور میں مبتلا ثابت ہوا تو اس کی یہ نامزدگی ہرگز قابل تسلیم نہیں ہوگی تاکہ وقف بربادی سے محفوظ رہ سکے، حدیہ کہ اگر خود واقف متولی ہو اور اس میں یہ عیوب پیدا ہوجائیں تو اسے بھی تولیت سے معزول کردیا جائے گا۔

وينزع وجوباً لو الواقف فغيره بالاولى غير مأمون او عاجزاً او ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه او كان يصرف ماله في الكيمياء وان شرط عدم نزعه او ان لا ينزعه قاض ولا سلطان لمخالفته لحكم الشرع فيبطل (ص ۵۳۱ ج ۳)

وقف کو ضروری طور پر ان لوگوں کے ہاتھوں سے نکال لیا جائے جن پر اطمینان نہ ہو یا وہ وقف کے انتظام سے عاجز ہوں یا اسکا فاسق ہونا ظاہر ہوگیا ہو جیسے شراب کا پینا یا اسطرح کوئی اور بات، یا وہ اپنا مال کیمیا سازی پر صرف کرتا ہو، اگرچہ منتظم خود واقف ہی کیوں نہ

اور گو اس نے یہ شرط لگائی ہو کہ اسکو نکالا نہیں جائے، یا قاضی اور بادشاہ اسکو علیحدہ نہ کرے تو بھی نکالنا واجب ہے اس لئے کہ اس طرح کی شرط شرع کے خلاف ہے لہذا وہ باطل قرار پائیگی،

اگر اس موقع سے قاضی شریعت چشم پوشی یا ناجائز مروت سے کام لیگا تو وہ اسلام کی نظر میں گنہ گار ہوگا اسلئے کہ وقف کا تحفظ، اسکی بقا اور اسی کے ساتھ اس کے مقاصد کی تکمیل اس کے فرائض میں داخل ہے

اثم القاضی بترکہ	اس کو باقی رکھنے میں قاضی گنہگار
والاثم بتولیتہ	ہوگا اور خائن کے متولی بنانے
الخائن (ایضاً)	میں بھی گناہ ہے

اسلام نے اوقاف کے تحفظ وبقا اور اس کے مقاصد کی تکمیل پر پوری نظر رکھی ہے، کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا ہے، جس سے غلط لوگ آکر اس میں ناجائز تصرف کر سکیں، خلاف ورزی اور دھاندلی کا البتہ کوئی علاج نہیں،

جہاں وقف کی دیکھ بھال اور انتظام کے لئے کسی منتظم اور نگراں کا مقرر کرنا ضروری قرار دیا ہے وہیں یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ تولیت اور انتظام ایسے شخص کے سپرد کی جائے جو دیانت وامانت میں قابل اعتماد، انتظام پر قادر اور حریص نہ ہو ساتھ ہی متقی اور خوف خدا سے متصف ہو کہ انسان میں ساری خوبیاں یہیں سے پیدا ہوتی ہیں۔

قال فی الاسعاف ولا یولی	اسعاف نامی کتاب میں ہے
الا امین قادر بنفسہ او	کہ متولی صرف اسکو بنایا جائے
بنائبہ لان الولایۃ	جو امانت دار اور انتظام پر
مقیدۃ بشرط النظر	بطور خود یا بذریعہ نائب
ولیس من النظر	پورے طور پر قادر ہو، اس
تولیۃ الخائن	لئے کہ متولی بنانا دیکھ بھال
لانہ یخل بالمقصود و	کی شرط کے ساتھ مقید ہے
کذا تولیۃ العاجز	اور یہ دیکھ بھال نہیں ہے کہ
لان المقصود لا یحصل	خیانت کرنے والے کو متولی بنا
بہ	دیا جائے اس لئے کہ اس سے
(شامی ج ۳ ص ۴۳۲)	مقصود ہی فوت ہوجائے گا
	اور اسی طرح مجبور کا متولی بنانا
	بھی جائز نہیں کہ اس سے جو
	مقصد ہے وہ حاصل نہ ہوسکیگا۔

یہی وجہ ہے کہ جو شخص اوقاف کا متولی یا منتظم بننا چاہے اس کو منتظم نہیں بنایا جائیگا۔

ومن طلب التولیۃ	جو متولی بننا چاہے اُسے
لا یعطی لہ (ایضاً)	تولیت نہیں سونپی جائیگی۔

اوقاف کے منتظم اور نگراں کا فرض ہے کہ وہ مفوضہ خدمات پوری دیانت داری سے انجام دے، ایک طرف وہ وقف کے مصالح پر نظر رکھے اور دوسری طرف اس پر بھی نگاہ رہے کہ اسکی آمدنی جہاں صرف ہو رہی ہے وہ شریعت کے دائرہ کے اندر ہے یا نہیں۔

وظیفۃ ناظر الوقف	وقف کے منتظم کا فرض یہ ہے
ھی القیام بمصالحہ و	کہ اس کی مصلحتوں پر نگاہ رکھے
الاعتناء بامورہ من	اور اسکے معاملات پر پوری توجہ دے
اجارۃ مستغلاتہ و	جیسے اس کے ذریعہ آمدنی کا
تحصیل اجور غلاتہ	اجارہ پر دینا اس کی آمدنی
وصرف ما اجتمع منہا	کا وصول کرنا، اور جمع شدہ
فی مصارفہ الشرعیۃ	رقم کا شرعی مصرف میں
علی ما شرطہ الواقف	اس طرح خرچ کرنا جیسا کہ
(قانون العدل ص ۲۵)	واقف نے صراحت کی ہے

اگر اس سے وقف کے سلسلہ میں کوئی کمزوری ظاہر ہوگی اور وہ تحقیق سے صحیح ثابت ہوگی تو تقرر کے باوجود فوراً علیحدہ کر دیا جائے گا، مثلاً اگر وہ کسی وقف کو یا اس کی کوئی چیز بیچ دے، یا اس میں ناجائز تصرف کرنے لگے یا اوقاف کی آمدنی غلط کاموں پر خرچ کرنے لگے تو اسے معاف نہیں کیا جائیگا

القیم اذا لم یراع الوقف یعزلہ القاضی (شامی ج ۳ ص ۵۳۲)

متولی جب وقف کی رعایت نہ کریگا تو قاضی اسے معزول کردیگا۔ اسے اسوقت بھی علیحدہ کردے گا جب وہ پورے وقف یا اس کے کسی حصہ کو بھید سے یا جانتے ہوئے کوئی ناجائز تصرف کرے،

÷ ÷

قاضی شریعت جسکو اس باب میں سب سے زیادہ اختیار ہے اس کو بھی چھوٹ نہیں ہے کہ جو چاہے کرے اور وقف کی آمدنی جہاں چاہے خرچ کرے اور جسکو چاہے دے بلکہ وہ بھی قانون اوقاف کا پابند ہے، جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے چنانچہ فقہار لکھتے ہیں

تصرف القاضی فی الوقف مقید بالمصلحۃ فلیس لہ ان یخالف شرط الواقف الا لمصلحۃ ظاھرۃ (قانون العدل ص ۶۳)

قاضی کا وقف میں تصرف اس کی مصلحت کے ساتھ مقید ہے لہذا اس کو بھی واقف کی شرط کی مخالفت کا حق نہیں ہوگا ہاں کھلی ہوئی کوئی مصلحت ہو تو علیحدہ بات ہے۔

اسی طرح فقہار نے لکھا ہے کہ اگر کوئی متولی شریعت کے مطابق اوقاف کا نظم کرتا ہے اور اس میں کوئی کمزوری نہیں ہے تو اس وقت قاضی شریعت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بطور خود تصرف کرنا شروع کردے، اور زبردستی اس کے کام میں دخیل بن جائے

ولا یملک التصرف فی امور الوقف مع وجود ناظر منصوب ولو من قبلہ اذا تصرف الناظر علی وفق الشرع (ایضا)

وقف کے معاملہ میں قاضی، تصرف کا اس وقت مالک نہیں ہے جب منتظم مقرر ہو گو اسی نے مقرر کیا ہو بشرطیکہ متولی شریعت کے مطابق تصرف کرتا ہو،

واقف کی شرطیں جب تک شریعت کے دائرہ میں ہیں، قاضی شریعت کو اس کی مخالفت کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اسکے مطابق اسکا انتظام کرے اور کرائے، زمانہ اور دباؤ سے متاثر ہوکر اس کی خلاف ورزی کی جرأت نہ کرے البتہ اگر کوئی شرط خلاف شرع ہوگی تو اسے اسکی مخالفت کا حق حاصل ہوگا

للقاضی مخالفۃ شرط الواقف ان کان مخالفا للشرع (ایضا)

اگر واقف کی کوئی شرط مخالف شرع ہے تو قاضی کو اس کی مخالفت کا حق حاصل ہے،

اسی طرح ایک وقف کی زائد آمدنی دوسرے وقف پر، یا جس کام کے لئے وقف ہے اس کے سوا پر وہ اپنے اختیار سے خرچ نہیں کرسکتے، اگر کوئی قاضی شریعت ایسا کرتا ہے تو یہ اس کی زیادتی ہے

لا یجوز للناظر ولا للقاضی فاضل غلۃ احد الواقفین المختلفین جھۃ فی عمارۃ اماکن الوقف الآخر ولا فی مصالحہ سواء اختلف واقفھما او اتحد (قانون العدل ص ۵۹)

ناظر اور قاضی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ دو مختلف الجہۃ وقف میں سے ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرے خواہ دونوں کا واقف الگ الگ ہو یا ایک ہی ہو۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اوقاف میں قاضی شریعت سے کون مراد ہے، جسکو سب سے زیادہ اختیار اس باب میں حاصل ہوتا ہے۔

فقہار نے صراحت کی ہے کہ قاضی سے مراد وہ شخصیت ہے جسکو صاحب حکومت یا اس کے نائب نے اوقاف وغیرہ کی ذمہ داری سونپ دی ہو اور مختار کل بنا دیا ہو۔

والمراد بالقاضی من ذکر لہ السلطان او نائبہ فی منشورہ نصب القوام والاوصیاء وفوض

قاضی سے مراد وہ شخص ہے جس کے لئے سلطان یا اس کے نائب نے اپنے فرمان میں صراحت کی ہو کہ یہ اوقاف

(ل) امور الاوقاف کے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے (ایضاً)

اسلامی حکومت میں آج کل وہ وزیر اوقاف کہا جاتا ہے، پارلیمنٹ اوقاف وغیرہ کا شعبہ اس کے اختیار میں دیدیتی ہے، اور اسے اسلامی قانون کا پابند قرار دیتی ہے، مگر غیر اسلامی حکومت یا غیر مذہبی حکومت جسے سیکولر کہتے ہیں، جیسے ہندوستان یہاں ان شعبہ جات کے لئے کوئی خاص آدمی وزیر نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس نے وقف کونسل کے نام سے ایک سرکاری ادارہ بنادیا ہے، اس کے اراکین کو یہ اختیارات سونپے گئے ہیں، اور جہاں تک معلوم ہے ہماری حکومت نے بھی اس وقف کونسل کو قانونِ شریعت کا ہی پابند قرار دیا ہے، مگر اس میں بڑی کمی یہ ہے کہ بنیادی عہدہ ان لوگوں کے سپرد ہے جو اسلامی قوانین سے قطعاً واقف نہیں ہیں اور نہ فقہ اسلامی پر انہیں عبور حاصل ہے، اسلئے اوقاف کی آمدنی اور اس کے مصالح کا تحفظ جیسا چاہئے نہیں ہوسکتا ہے، ضرورت اس کی تھی کہ حکومت اس طرح کی چیز معتمد اور مستند علماء کے ایک بورڈ کو سپرد کردیتی، افسوس یہ ہے کہ آزادی سے پہلے زعمائے ملک وقوم نے جو وعدے کئے تھے وہ سب فراموش کردئے گئے اور خود مسلمان رہنما وزعمار احساس کمتری کا شکار ہوگئے اور اسلامی چیزوں کے لئے انہوں نے اپنی حکومت سے کوئی مطالبہ کرنے میں خوف محسوس کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزادی سے اس ملک میں اسلامی شعار کو فائدہ پہونچنے کے بجائے نقصان پہونچا کوئی فائدہ اس کے حصہ میں نہیں آیا۔

گفتگو اس میں ہورہی تھی کہ قاضی شریعت جو اوقاف کا سب سے بڑا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس باب میں آخری شخصیت کی حیثیت رکھتا ہے وہ بھی خود مختار نہیں ہے بلکہ قانون اسلام کا پابند ہے، اسلئے کہ خود اوقاف ایک اسلامی چیز ہے جو تفصیل اوپر گذری اس سے اس کا اندازہ لگالینا مشکل نہیں ہے کہ اس کے لئے اسلام میں مستقل قوانین اور ضابطے ہیں جن کی پابندی ہر ذمہ دار کا فریضہ ہے۔

اسی قانون اسلام کی برکت ہے کہ آج روئے زمین پر لاکھوں اوقاف ہیں، دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان بستے ہیں اور وہاں کوئی نہ کوئی وقف نہ ہو، سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے لیکر اس وقت تک مسلمانوں کے جتنے اوقاف ہیں اگر اُن کی چھان بین کی جائے تو ایک دفتر تیار ہوسکتا ہے اور ان اوقاف کے ذریعہ ملک و ملت کی جو عظیم خدمات انجام پائی ہیں اور کائنات انسانی کو جو فائدہ پہونچا ہے، اور پہونچ رہا ہے۔ اعداد وشمار جمع کئے جائیں تو یقیناً دنیا کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ وقف کی خدمت بہت سی حکومتوں کی خدمت سے زیادہ ہے۔

پھر ان اوقاف کے نتیجے میں کتنے خاندان فقر وفاقہ کی مصیبت سے محفوظ رہے، ملک کی دولت کا ایک قابل ذکر حصہ ناجائز مصرف میں برباد ہونے سے بچا رہا پھر اس کی آمدنی کے ذریعہ کتنے بے کسوں کے بچوں نے تعلیم حاصل کی اور تعلیم حاصل کرکے ملک وملت کو چار چاند لگائے۔

خود اس ملک میں لاکھوں مساجد، ہزاروں قبرستان سیکڑوں مدارس دینیہ، اور بہت سارے ادارے قائم ہیں اور ملت اور ملک دونوں کی خدمات میں منہمک ہیں، کوئی دواسازی کا فریضہ انجام دے رہا ہے، کوئی تصنیف وتالیف کی خدمت میں مصروف ہے، اور کسی سے یتامیٰ اور بیوائیں وظیفہ پاتی ہیں، بہت سے فقراء ومساکین، تنگدست، ضرورت مند اور مفلسوں کی ضرورت اسی طرح کے اوقاف سے پوری ہوتی ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی ساری مشترکہ چیزیں برباد ہوگئیں صرف وہی چیزیں باقی رہ گئیں ہیں جنکا تعلق اوقاف سے ہے، اور یہ بھی اسکے باوجود کہ اوقاف کے تحفظ کا کوئی شرعی نظام قائم نہیں ہے، کبھی یہ متولیوں کے ہاتھوں برباد ہوئے اور کبھی سرکاری لوگوں کے غلط انتظام کی وجہ سے، عموماً اوقاف ہر دور میں ان لوگوں کے ماتحت میں رہا جن میں دینداری کا

شائبہ بھی نہیں، جنہیں حرام حلال کی تمیز نہیں، جو نہیں جانتے کہ اسلامی اوقاف کی کیا حیثیت ہے اور اس کی آمدنی کی حفاظت اور صحیح مصرف میں خرچ کرنا کس قدر ضروری ہے حد یہ ہے کہ کبھی متولیوں نے سمجھا کہ اس میں تصرف کا ہمیں پورا حق ہے، کبھی انجمنوں اور کمیٹیوں نے اپنے کو مالک سمجھ لیا اور کبھی وقف بورڈ اور وقف کونسل والوں نے جیسے چاہا تصرف کیا، حالانکہ جیسا کہ پہلے حوالے سے ثابت کیا گیا کہ اس کی ملکیت بندوں کے ہاتھوں سے نکل کر خدائی احکام کے تحت چلی جاتی ہے۔

حیرت ہے کہ اب کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ اوقاف شرعی قوانین کے تحت رہنے کے بجائے انسانی قانون کے سپرد ہو جائیں اور وہ جس طرح اور جیسے چاہیں استعمال کریں، خواہ وہ واقفین کے منشار کے مطابق ہو یا نہ ہو، حالانکہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اسلام نے اوقاف کے لئے مرتب اور مستقل آئین و دستور وضع کئے ہیں جو فتاویٰ اور فقہ کی کتابوں میں مدون ہیں۔ حالات زمانہ کی رعایت سے ان گوشوں کو اجاگر کیا جا سکتا ہے جو دبے ہوئے ہیں۔

متولی، ناظر، قاضی شریعت، اور حکومت وقت یہ سب اوقاف کے محافظ ہیں مالک نہیں۔ ان سب کا فرض اوقاف کا تحفظ ہے، کہ وہ صرف باقی ہی نہ رہیں بلکہ اس کی آمدنی میں اضافہ ہو، اس کی آمدنی سے مزید جائداد خریدی جائے تاکہ اس کے ذریعہ عوام و خواص، عبادت گاہوں، اور تعلیم گاہوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت ہو سکے۔ وہ تمام قوانین، شرائط اور رائیں لغو و باطل ہیں جو شریعت کے خلاف دی جاتی ہیں۔

لما تقرر ان الشرائط	یہ طے شدہ ہے کہ وہ تمام شرائط
المخالفة للشرع جميعها	لغو باطل ہیں جو شریعت کے
لغو و باطل	خلاف ہوں۔

(درمختار کتاب الوقف)

جب واقف کی خلاف شریعت شرائط قابل رد ہوتی ہیں جو مالک رہا ہے اور جس نے وقف کیا ہے، تو سو[illegible] کی خلاف شریعت رائے کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے جن کو ان اوقاف پر کبھی ملکیت حاصل نہیں رہی ہے۔

يجب على ناظر الوقف	متولی پر واجب [illegible] ہے کہ
مراعاة شرط الواقف	واقف کی شرائط کی رعایت
وليس له مخالفته	کرے اس کی مخالفت کا
اصلا	اسے حق حاصل نہیں ہے

(قانون العدل ص۲۵)

اس کو اس کا بھی اختیار نہیں ہے کہ اوقاف کی زمین اجارہ پر لے، یا کرایہ دیکر اس کے مکان میں رہے یا اپنے اصول و فروع یعنی اولاد اور خاندان کو بطور خود اجارہ کے نام پر دے۔

لا يجوز للقيم ان يوجر	متولی کے لئے جائز نہیں
عقارا لنفسه ولا ان	ہے کہ وہ اپنے لئے وقف
يسكنه ولو باجر المثل	کی جائداد اجارہ پہ لے اور
ولا يسوغ له ان	نہ یہ درست ہے کہ وہ اس کے
يباشر بنفسه اجارة	مکان میں رہے گو متعین
الوقف لاحد	کرایہ دے اور یہ بھی جائز
من اصوله او	نہیں کہ وہ بطور خود اپنے
فروعه الا	اصول و فروع میں سے کسی
اذا كان خيراً	کو اجارہ پر دے البتہ جب
للوقف (ايضاً ص۵۸)	اسی میں فائدہ ہو تو اجازت ہوگی

یہ تو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ اوقاف کے بیچنے، رہن رکھنے، میراث میں دینے لینے، ہبہ کرنے یا جن پر وقف کیا گیا ہے ان میں تقسیم کرنے کی شریعت میں قطعًا اجازت نہیں، خواہ وہ واقف کی اولاد ہی پر وقف کیوں نہ ہو،

(باقی آئندہ)

تذکرہ

(قسط ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

مولوی محمد ارشد فاضل جامعہ وصیۃ العلوم۔ الہ آباد

(۵) حضرت عبیدہ بن عمرو السلمان رضؓ معلّم اور مفتی ہیں

(۶) حضرت اسود بن یزید نخعی رضؓ حضرت علقمہ رضؓ کے بھتیجے ہیں اور سرزمین کوفہ کے عالم ہیں۔

(۷) حضرت شریح الحارث الکندی رضؓ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوئے اور حضرت عمر رضؓ کے دور میں کوفہ کے جسٹس ہوئے اور مسلسل ساٹھ برس جسٹس رہے۔

(۸) حضرت ابراہیم نخعی رضؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم کے زبردست حامل اور سرزمین عراق کے فقیہ ہیں[۱] اس کے علاوہ فن حدیث کے امام ہیں اور اس قدر کمال و تبحر حاصل کیا تھا کہ "صیرفی الحدیث" کے خطاب سے مشہور ہوئے، ان کے علمی عظمت و جلال کا رعب سلاطین عبیا تھا حالانکہ شہرت سے بہت بچتے تھے درس میں بھی ممتاز جگہ نہ بیٹھتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آپ سے روایت بھی فرمائی ہے[۲]

(۹) حضرت ابومیسرہ رضؓ عمر بن شرحبیل ہمدانی قرآن پاک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے تلمیذ ہیں۔

(۱۰) حضرت ابویزید ربیع بن خثیم کوفی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے فن قرأت حاصل کیا اور حروف قرآن کے راوی ہیں[۳] ایک عالم محقق اور مورخ کا بیان ہے کہ:

حضرت علقمہ رضؓ اور حضرت اسود رضؓ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے اخص تلامذہ میں سے ہیں۔ فقہ میں خاص شہرت حاصل کی۔ پھر ان کے بعد حضرت ابراہیم نخعی رضؓ نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہاں تک کہ ان کو "فقیہ العراق" کا لقب ملا۔[۴]

اور یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے بارے میں ہے کہ ان کی درسگاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لے کر نکلے[۵] کوفہ والوں نے ایک دفعہ فاروق اعظمؓ سے شکایت کی کہ اہل شام کے وظائف میں ترقی کی گئی اور ہم محروم رہے تو انھوں نے فرمایا۔۔۔۔ اہل شام کے تو وظائف میں ترقی کی گئی لیکن تمہارے علوم میں ترقی کی گئی ہے کیونکہ تمہاری تعلیم کے لئے ابن مسعود رضؓ کو بھیجا گیا ہے جن کے فضل و کمال کا اندازہ اس سے کرو کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

---

[۱] تاریخ علم فقہ ص ۳۹ [۲] انوار الباری ص ۳۹ [۳] ظفر المحصلین ص ۶۶ [۴] مہاجرین ص ۲۸۲ ج ۱
[۵] ایضاً ص ۲۸۳ ج ۱

میں اس وقت بھی حاضر رہتے تھے جب ہم لوگ پردہ کیوجہ سے
اندر نہیں جا سکتے تھے اور وہ اندر ہوتے تھے [۱]

یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رض جب حضرت
عبداللہ بن مسعود رض کو دیکھتے تو چہرہ ہشاش بشاش ہو جاتا اور
فرماتے کہ " ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہے [۲] اور جب
حضرت عبداللہ بن مسعود رض کی بات کی کسی نے تردید کی تو حضرت
عمر رض نے اس کو سزا دی کہ " تو ابن مسعود رض کی تردید کرتا ہے [۳]

(۱۸) وزارت خزانہ

مولانا حاجی معین الدین صاحب لکھتے ہیں کہ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رض منصب قضاء کے ساتھ
خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے کوفہ کی عظمت وسعت
کثرت محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت
رکھتا تھا اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری تھے،
فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی تنخواہیں
مقرر تھیں، اور خراسان و ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً
جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی اس کے مصارف ادا کئے جاتے
تھے اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی
اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی اِدھر کا اُدھر نہ ہونے پائے
درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعود رض کی انتظامی قابلیت بیدار
مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے [۴]

(۱۹) عہد عثمانی

حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے کامل دس سال تک
نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض
انجام دئے اس طویل عرصہ میں حضرت سیدنا فاروق اعظم رض
کا وصال ہوا اور حضرت سیدنا عثمان غنی رض تخت خلافت پر
متمکن ہوئے اور خصوصیت سے کوفہ کی عنان حکومت اہل ک
کی شکایت واحتجاج پر یکے بعد دیگرے مختلف والیوں
ہاتھ میں آئی لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس احتیاط اور ا
کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے کہ ان سے کسی کو عذر
پیدا نہیں ہوئی [۵]

فطری رحم دلی نرمی اور تلطف کے باعث عفو ودرگذر
اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا لیکن اسی کے ساتھ
وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہ عدالت میں جب کسی
کوئی جرم ثابت ہوجائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگذر سے
پیش آنا درحقیقت نظام حکومت کے ارکان واساطین کو متزلزل
کردینا ہے اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی
وشفقت کے باوجود قانون معدلت کے اجراء میں کبھی دریغ نہ
فرماتے تھے [۶]

جیسے ایک محقق کا بیان ہے کہ " ایک دفعہ ایک شخص
نے اپنے برادرزادہ کو شراب نوشی کے جرم میں پیش کیا حضرت
عبداللہ رض نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دید
لیکن جب دُرّے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم وشفقت سے
بھر آیا اور منت وسماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا انہوں
نے غضبناک ہوکر فرمایا۔

تو نہایت ظالم چچا ہے اس کو حد شرعی کا مستحق
ثابت کرکے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جو
اب ممکن نہیں۔ اسلام میں سب سے پہلے۔
ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری
کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے
ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اعراض

---

۱ انوار الباری ص ۳۷ ج ۱ ۲ مہاجرین ص ۲۸۷ ج ۱ ۳ اصح السیر ص ۶۱ ۴ مہاجرین ص ۲ ج ۱
۵ ۶ ایضاً ملخصاً ص ۲۶۸ ج ۱۔

وچشم پوشی سے کام لینا چاہیئے کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں بخشدے لہ

(۲۰) احترام خلافت

منصب خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے اور اگر کبھی خلیفۂ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنت ماضیہ کے خلاف نظر آتا تھا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امت میں انتشار و تفریق کا اندیشہ تھا جیسا کہ ایک سال حج کے موقعہ پر حضرت سیدنا عثمان غنی رضہ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں حضرت عبد اللہ رضہ کو خبر ملی تو افسوس کا اظہار کیا مگر عملاً آپ نے بھی چار ہی ادا کیں ٢ه

اس احترام خلافت اور حکم خلیفہ کی تعمیل کے سلسلے میں عصر حاضر کے ایک مشہور مورخ نے لکھا ہے کہ:۔

(حضرت) عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کو جو کوفہ کے سرکاری معلم قرآن تھے معلوم ہوا کہ بنو حنیفہ کی ایک جماعت مسیلمہ (کذاب کے مناقب بیان کرتی ہے اور اس کی نبوت کی معترف ہے، انہوں نے اس گروہ کو گرفتار کر لیا اور مرکز سے ان کی شکایت کی تو یہ فرمان آیا:۔

"ان لوگوں کو دین اسلام اور کلمۂ شہادت کی دعوت دو جو اس دعوت کو مان لے اور مسیلمہ کی نبوت سے توبہ کرے اس کو چھوڑ دو اور جو ایسا نہ کرے اور مسیلمہ کا قائل رہے اس کو قتل کر دو ٣ه

اسی طرح مشہور محقق اور تذکرہ نگار جناب مولانا معین الدین صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضہ کو ایک دفعہ اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسول خدا کہتے ہیں حضرت عبد اللہ رضہ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کرایا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لئے قتل کی سزا تجویز کی لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بنکر گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو، انھوں نے کہا "ہاں!" تو اللہ کے رسول ؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا" اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے باطل عقیدے سے باز نہیں آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا ٤ه

ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دور امارت میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نامی ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ صریحاً معاملات حکومت میں مداخلت بیجا تھی اس لئے انھوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دیکر دربار خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا۔ وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہہ و تعزیر کے بعد اسکو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھا دو کہ پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے۔

حضرت عبد اللہ رضہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا۔

صاحبو! صرف شک وشبہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لو مجرموں اور خطا کاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے تم کو اس میں مداخلت کی کوئی ضرورت نہیں ٥ه

(۲۱) معزولی

خلافت عثمانی کے آخری دور میں شہر کوفہ کی فضا ناسازگار ہو گئی حکومت کے خلاف ... پروپیگنڈا اور مخفی

له ٢ه ایضاً صفحات ٢٦٨ و ٢٦٩ و ٢٩٠ ٣ه حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ١٢٦ ٤ه ٥ه ص ٢٦٩ و ص ٢٧٠ ج ١

ریشہ دوانیاں ہونے لگیں تو حضرت عبداللہ رضؓ بھی اپنے عہدہ پر برقرار نہ رہے اور ہٹا دیے گئے اس خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا احبابؓ معتقدینؓ و تلامذہ اور اعیان شہر نے ناپسند کیا اور یہ اصرار بڑھا کہ آپ یہیں پر اقامت گزیں رہیں مگر حضرت عبداللہ رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ

"امیر المومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے میں
نہیں چاہتا کہ فتنۂ فساد جو عنقریب ہونے والا
ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو۔"

غرض عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے[1] مکہ معظمہ سے پھر مدینہ چلے گئے اور بقیہ زندگی یہیں رہ کر عبادت الٰہی میں بسر کر دی[2]

(۲۲) سفر حجاز کے دوران "ربذہ" میں وقوف

سفر حجاز کے دوران جب حضرت عبداللہ رضؓ مقام "ربذہ" میں پہونچے تو وسط راہ میں ایک عورت کو سرگرداں و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز و تکفین کیجیے۔

پوچھا کون!

کہا... ابوذر رضؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ رضؓ "فدایتہا بابی دامی" کہہ کر اتر پڑے اور پھر آپ نے حضرت ابوذر رضؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کر سپرد خاک کیا[3]

انا للہ و انا الیہ راجعون

یہاں پر ایک بات عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت ابوذر رضؓ بہت ہی مشہور صحابی ہیں اور صحابہ کرام میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

آپ کی سوانح حیات حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحؒ نے اپنے مخصوص ترین والہانہ انداز میں لکھی جو بہت ہی مشہور و مقبول ہے اس کے مطالعہ سے عشق و محبت کے جذبات بیدار ہوتے ہیں جن حضرات نے اس کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی اس سے واقف ہونگے۔ حضرت ابوذر رضؓ کے حالات زندگی حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً) کے قلم سے لکھے ہوئے مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۲۳) وصال

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ مدینہ طیبہ چلے آئے اور بقیہ زندگی یاد الٰہی میں بسر کر دی۔ چنانچہ ۳۲ھ میں ۶۰ برس سے کچھ زائد سن میں آپ علیل ہوئے حضرت زبیر رضؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو بلا کر اپنے مال و اسباب اولاد اور اپنی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں وصیت فرمائی اور آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ الخ

حضرت عثمان غنی رضؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعون رضؓ کے پہلو میں مدفون ہوئے[4]

حضرت ابو درداء رضؓ کو جب آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی تو انھوں نے حسرت و افسوس سے فرمایا کہ:-

عبداللہ ابن مسعود رضؓ نے اپنے بعد اپنا مثل نہیں چھوڑا[5]

---

[1] ایضاً ص ۲۷۲ ج ۱ [2] استیعاب ص ۳۶۱
[3] مہاجرین ص ۲۷۲ ج ۱ [4] استیعاب ص ۳۶۱
[5] ایضاً ص ۳۶۱

انگلینڈ میں ذبح خانہ کا طریقہ

اور ذبیحہ کے متعلق سوال و جواب

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:-

کہ یہاں انگلینڈ میں گائے بکری بھیڑ وغیرہ کو مذبح خانہ کے علاوہ دوسری جگہ ذبح کرنا قانوناً ممنوع ہے یہاں مذبح خانہ کے مالک مذہب کی رو سے عیسائی ہوتے ہیں مذبح خانہ کا دستور ہے کہ جانور ذبح کر کے کھال اُدھیڑ کر نسر او جھڑی آنتیں وغیرہ نکال کر اچھی طرح پانی سے دھو کر ذبح کیا ہوا جانور "خریز" یعنی ٹھنڈے کمرہ میں لٹکا دیا جاتا ہے تاکہ ٹھنڈک کی وجہ سے گوشت سخت ہو جائے اور ٹکڑے کرنے میں سہولت ہو اور گوشت میں صفائی اچھی آئے خریز میں رکھنے کی اس وجہ سے ضرورت پڑتی ہے کہ یہاں کے جانوروں میں چربی بہت زیادہ ہوتی ہے اگر گوشت خریز میں نہ رکھا جائے تو چربی کی وجہ سے ٹکڑے کرنے اور چھوٹی بوٹیاں بنانے میں بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ بکری بھیڑ کو تقریباً چھ سات گھنٹے اور گائے بیل کے گوشت کو تقریباً دس بارہ گھنٹے خریز میں رکھتے ہیں خریز مذبح خانہ ہی میں ہوتا ہے۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ یہاں مسلمان قربانی کا جانور مذبح خانہ میں اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے نیز مسلمان دوکاندار اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے بعد کھال ادھیڑنے اور آلائش وغیرہ نکال کر پانی سے اچھی طرح دھونے کے بعد اپنا مخصوص نشان لگا کر یا اپنا نام گوشت پر لکھ کر اسی مذبح خانہ کے خریز میں چھوڑ آتے ہیں۔ نیز مذبح خانہ والا بھی اپنی طرف سے ایک لیبل لگا کر اس پر "کوشر" لکھ دیتا ہے یعنی اسلامی طریقے پر ذبح کیا ہوا۔ تاکہ عیسائیوں کے ذبح کئے ہوئے اور مسلمانوں کے ذبح کئے ہوئے جانور خلط ملط نہ ہونے پائے۔ نیز مذبح خانہ والے ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ چونکہ یہ مذہبی معاملہ ہے اس وجہ سے ہم اس میں پوری احتیاط برتتے ہیں اب یہ گوشت جو چھ سات گھنٹے یا دس بارہ گھنٹے مسلمانوں کی نظروں سے غائب رہا تو اس صورت میں یہ گوشت مسلمانوں کو کھانا از روئے شریعت مطہرہ جائز ہوگا یا نہیں۔

(۲) مذبح خانہ میں محکمہ حفظان صحت کی طرف سے ایک انسپکٹر بھی متعین ہوتا ہے جو جانور ذبح ہونے کے بعد اس کی کھال ادھیڑنے اور اس کی آلائش وغیرہ نکال دینے کے بعد اس گوشت کی طبی طور پر جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ اگر انسپکٹر کو گوشت میں طبی طور پر کوئی خرابی معلوم ہوتی ہے تو پورے جانور کا گوشت فیل کر کے ردّی میں

پھینک دیتا ہے اور قربانی کرنے والے کو ایک بوٹی بھی نہیں ملتی. اب اگر محکمۂ ہیلتھ والے پورا جانور فیل کرکے اس کا گوشت فیل کرکے ردی میں پھینک دیں تو مذبح خانہ والا کبھی دوسرا جانور دیتا ہے اور کبھی کچھ کم وبیش قیمت واپس کردیتا ہے اور کبھی کچھ بھی نہیں دیتا ہے، مذبح خانہ والا... دوسرا جانور یا قیمت اس وجہ سے دیتا ہے کہ جانور اسی سے خریدا ہوا ہوتا ہے، بدلے میں دوسرا جانور یا قیمت دینا نہ دینا اس کی مرضی کی بات ہے ہمیں جبراً مانگنے کا کوئی حق نہیں ہوتا کیونکہ خریدتے وقت کوئی شرط نہیں ہوتی اور گوشت کو فیل کرنے والا بھی محکمہ ہیلتھ کا آدمی ہوتا ہے نہ کہ مذبح خانہ والا کہ جس سے ہم نے جانور خریدا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ فیل شدہ گوشت کے بدلے میں مذبح خانہ والا دوسرا جانور یا قیمت واپس دیدے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں. کیونکہ جانور خریدتے وقت نیز ذبح کرتے وقت اس جانور میں کوئی شرعی نقص نہیں تھا اسلئے قربانی تو صحیح ہوگئی اب جو جانور یا قیمت واپس دیتا ہے تو اس کا گوشت کھانا یا اس کی قیمت کو اپنے خرچ میں لینا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کیوں اور اگر ناجائز ہے تو پھر اس کا مصرف کیا ہوگا؟

(۳) قربانی کا جانور خریدتے وقت یہ شرط کرنا کہ اگر اس جانور کا گوشت محکمۂ ہیلتھ والا فیل کردے تو تجھے دوسرا جانور یا قیمت واپس کرنی ہوگی۔ یہ شرط جائز ہوگی یا نہیں.

بینوا بالکتاب و توجروا بیوم الحساب

(نوٹ) جس جانور کا گوشت محکمۂ ہیلتھ انسپکٹر فیل کرتا ہے اس کے بدلے میں مذبح خانہ کا مالک قربانی کرنے والے کو دوسرا جانور یا قیمت دیتا ہے یہ اس لئے دیتا ہے کہ دوسری دفعہ بھی یہ ہم سے جانور خریدتے رہیں نیز اس نے جس سے یہ جانور خریدے ہوتے ہیں انکو اتنی رقم جبراً کم دیتا ہے اس طرح جبر کرکے اگلے جانور کے مالک کو جبراً قیمت کم کرکے وہ اتنی رقم قربانی کرنے والوں کو دیدے تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں بینوا و توجروا

(سیکریٹری مسلم سوسائٹی نیو ٹن۔ یو۔ کے)

الجواب

(۱) قطعاً جائز ہے. نگاہوں سے غائب ہونے کی صورت میں ناجائز اس وقت ہوتا ہے جب یہ خدشہ ہو کہ اصل ذبیحہ نہیں رہا اس کی جگہ ناجائز ذبیحہ بدل گیا ہے۔ اور اس خدشہ کی موجودگی میں ہندو یا مجوسی کا قول معتبر نہیں ہوگا کیونکہ دیانات (حلال وحرام) کے بارے میں کافر کا قول معتبر نہیں ہوتا۔ فی ردالمحتار

من اشتریٰ لحمًا فعلم انہ مجوسی واراد الرد فقال ذبحہ مسلم کرہ اکلہ (تحت قول صاحب الدار اوقال اشتریتہ من مجوسی فیحرم (ص۳۰۱ ج ۱ کتاب الحظر والاباحۃ)

(ترجمہ) جس نے گوشت خریدا پھر اسے معلوم ہوا کہ فروخت کرنے والا مجوسی (غیر کتابی کافر) ہے اور واپس کردینے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔

مگر صورت مسئولہ میں یہ خدشہ اس لئے نہیں کہ خود آپ کی علامت موجود ہے جس کی بنا پر آپ کو یقین ہے کہ ذبیحہ وہی ہے بدلا نہیں ہے علاوہ ازیں مذبح والا ہندو یا مجوسی نہیں جس کا ذبیحہ حرام ہوتا ہے بلکہ کتابی ہے جس کا ذبیحہ جائز ہوتا ہے ایسی صورت میں اگر کوئی وہم ہو تو وہ قابل اعتبار نہیں ہے لان الیقین لایزول بالشك چنانچہ ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی نے تحریر فرمایا ہے "ہرگاہ یہ امر یقیناً معلوم ہے کہ اس

مقام پر بجز مسلمان کے کوئی ذبح نہیں کرتا ایسی حالت میں کافر کی دوکان سے گوشت خریدنا اور اس کا کھانا حلال ہے۔

الاشباہ وغیرہ میں ہے **الیقین لایزول بالشک**

(ص۱۲۱ ج ۲ فتاوی مولانا عبدالحی رح)

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ (مفتی اعظم ہند) کا فتوی جو اُن کے خلف رشید مولانا حفیظ الرحمن صاحب واصف مہتمم مدرسہ امینیہ کے ذریعہ حاصل ہوا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ فتوی یہ ہے:

"جبکہ گمان غالب اس بات کا ہو کہ ذبیحہ مسلمان کا ہی ہے اور غیر مسلم کو ذبح کرنا قانوناً ناجائز ہو اور ذابح صرف مسلمان مقرر ہو تو ایسے گمان غالب کی صورت میں غیر مسلم بیچنے والے سے گوشت خرید لینا جائز ہے۔ بہر حال ان دونوں بزرگوں کے فتوے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جو صورت آپ کے یہاں ہے کہ مسلمان نے ذبح کیا ہے اور آپ کو اپنی علامت اور مذبح کے مقررہ قاعدوں وغیرہ کی بنا پر یقین ہے کہ اس میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے تو اس صورت میں اس گوشت کا کھانا جائز ہے۔ دوسرے احتمالات کی بنا پر اس کے کھانے کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

---

(۲) خرید لینے قیمت ادا کر دینے اور اپنے قبضہ میں لے لینے کے بعد یہ جانور آپ کی ملک ہو چکا بائع سے اس کا تعلق نہیں رہا۔ اس میں کوئی شرعی نقص بھی نہیں ہے جس کی بنا پر رد بالعیب کی شکل نہیں نکل سکتی اور اگر بالفرض کوئی نقص یا عیب اس میں تھا تو جب آپ اس کو ذبح کر چکے تو رد بالعیب کا حق بھی ختم کر چکے اب محکمہ بلدیہ کا جو کچھ فعل ہے وہ آپ کی ملک پر آپ کے حق میں ہے۔ آپ کوئی مطالبہ اگر کر سکتے ہیں تو اس فیل کرنے والے سے بائع سے مطالبہ کرنا شرعاً بے محل ہے اس مطالبہ کی بنا پر اگر کچھ حاصل ہوتا ہے تو وہ بھی غلط ہے اس کو واپس کر دینا چاہیئے۔

اگر بلا آپ کی کسی قسم کی طلب کے وہ بائع از خود آپ کی دلداری کے لئے دیتا ہے تو اگرچہ احتیاط یہی ہے کہ اس کو نہ لیا جائے لیکن اگر بطور عطیہ لے لیا جائے تو عطیہ کو آپ کسی بھی مصرف میں صرف کر سکتے ہیں

(۳) جائز نہیں ہوگا!

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط

(نوٹ)

مذبح خانہ کا مالک ایسے جانور کی قیمت جس کے گوشت کو انسپکٹر نے فیل کر دیا ہے بیچنے والے سے وصول کرتا ہے یا کچھ کم کرتا ہے تو اس کا یہ جبر شرعی اصول کی بنا پر ناجائز ہے

اس طرح حاصل کردہ رقم غصب کا درجہ رکھتی ہے مسلمان خریدار کو جب مطالبہ ہی کا حق نہیں رہا تھا تو اس جبری رقم کا وصول کرنا یا اس میں حصہ دار بننا بھی اس کے لئے جائز نہیں

واللہ اعلم بالصواب

العبد الضعیف

محمد میاں غفرلہ

جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ

کشمیر

> ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید
> گر مرغ کباب است پر و بال برآید

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی پچھلے ماہ جون میں ایک مختصر قیام کے لئے کشمیر تشریف لے گئے تھے۔
اس سفر کی جو تفصیل حضرت موصوف نے خود اپنے خطوں میں تحریر فرمائی وہ درج ذیل ہے۔

عزیز برخوردار سالم میاں سلمہٗ

سلام مسنون دعا مقرون

ہم الحمدللہ بہمہ وجوہ خیریت سے ہیں۔ ۱۵ ر جون ۱۹۷۳ء کو سہارنپور سے روانہ ہوئے۔ پون گھنٹہ میں جگادھری پہنچے جمعہ وہاں پڑھا نماز جمعہ سے فارغ ہوکر روانہ ہوگئے۔ عصر چنڈی گڑھ کی نوتعمیر عظیم الشان مسجد میں پڑھی جو ابھی تک تین برس سے زیر تعمیر ہے اور بالکل نئے ڈیزائن سے تیار ہورہی ہے۔ شہر دیکھا جسے نئے انداز سے بسایا گیا ہے یعنی اتنا پھیلایا گیا کہ وہ شہر ہی نہیں معلوم ہوتا بلکہ آباد شدہ جنگل نظر آتا ہے اس شہر کے ایک شاندار ہوٹل میں چائے پی اور روانہ ہوئے مغرب تک سرہند شریف پہونچے وہیں نماز مغرب پڑھی اور حضرت مجدد صاحبؒ کے مزار پر حاضری کی سعادت ملی۔ رات سرہند شریف میں غیر معمولی آرام و راحت کے ساتھ گزاری سجادہ نشین سلطان احمد صاحب بہت مدارات اور محبت سے پیش آئے۔ صبح کی چائے پی کر ۱۶ ر کو تقریباً ۷ بجے روانہ ہوئے ۸½ بجے لدھیانہ پہونچے صرف آدھ گھنٹہ ٹھہر کر چلنے کا پروگرام تھا مگر مولانا سعید الرحمٰن صاحب اور انکے عزیز جمع ہوگئے اور یہاں ۶ گھنٹے لگ گئے کھانا کھائے بغیر انہوں نے جانے نہیں دیا ظہر کی نماز ادا کرکے تقریباً دو بجے یہاں سے روانہ ہوئے عصر کی نماز مکیریان میں ادا کی۔ راوی سے نکلی ہوئی کئی نہروں کا یہ مجمع ہے پانی نہایت کالا کوئلہ ملا ہوا! ریتہ سیاہ ہے جو پانی میں ملا ہوا بہہ رہا ہے عصر کے بعد چلے تو مغرب کی نماز راستہ میں پڑھی اور شب کو تقریباً ساڑھے نو بجے پٹھان کوٹ پہنچے مگر قیام نہیں ہوا یہاں سے چل کر تقریباً ۱۱ بجے جموں پہنچے یہاں کے ایک ہوٹل میں جو ایرکنڈیشن تھا قیام ہوا جامع مسجد کے خطیب دارالعلوم کے فاضل مولوی صدر الحسن صاحب آگئے کھانا بھی ساتھ لائے ہوٹل میں سوائے پاؤ اور مکھن کے کچھ نہ تھا رات بھر قیام ہوا ۱۷ ر کو جموں سے آٹھ بجے کے قریب روانگی ہوئی اور سرینگر کا نشانہ باندھا گیا راستہ میں ظہر، عصر، مغرب پڑھنے کے لئے مختلف پہاڑی مقامات

پر اُترنا پڑا۔ دیوبند سے جو موسم ٹھنڈا ملا تھا تو برابر ٹھنڈا ہی رہا مگر عجیب بات یہ ہے کہ جموں سے چلکر جب کہ یہ خیال تھا کہ اب ٹھنڈ بڑھتی جائے گی راستہ میں رام بان سے جو شدید گرمی شروع ہوئی تو حیرت ہوئی کہ پہاڑ سربفلک ہیں نیچے دریا بہہ رہا ہے جو میلوں میل ساتھ رہا مگر حبس اور گرمی کی شدت بڑی ہی رہی راستے میں چائے وغیرہ پینے میں تاخیریں بھی ہوتی رہیں پھر بھی سرینگر جوں جوں قریب آنے لگا ہوا بدل گئی پورے راستے باوجود ہوا ٹھنڈی ہونے کے کہا کل آسمان اور فضا میں اس قدر چڑھتی رہی کہ بعض جگہ نصف فرلانگ کی شے بھی امتیاز کے ساتھ نظر نہیں آتی تھی۔ سری نگر جب آٹھ میل رہ گیا تو چھوٹی گاڑی جس میں حافظ صاحب کے بچے سوار تھے اس کا پنکچر ہوگیا فوراً پہیہ بدلا گیا اور پچھلے ٹائر کو بھی درست کرایا گیا تین چار میل چلے تھے کہ پھر دوبارہ پنکچر ہوگیا اس کی مرمت میں دو ڈھائی گھنٹے صرف ہوئے اور پھر احتیاط سے بہت دھیمی رفتار سے گاڑی چلائی گئی جس کے نتیجے میں سرینگر بجائے ۷ بجے پہونچنے کے رات کو ۱۱ بجے پہنچے شیخ صاحب کو فون کیا گیا تو انہوں نے تاج ہوٹل جو اُن کی ذاتی جائداد ہے فون کیا جو مجاہد منزل سے تین میل کے فاصلہ پر وسط شہر میں ہے وہاں تقریباً بارہ بجے پہونچے، نماز عشاء اور کھانے سے فارغ ہوکر آرام کیا کمرہ آرام دہ ہیں۔ تاج ہوٹل نہایت وسیع بلڈنگ ہے اور شیخ صاحب کی ذاتی جائداد ہے اس میں دو کمرے اسی وقت ہمارے لئے کھول دیے گئے رات آرام سے گذر گئی اگلے دن اچانک شیخ صاحب خود ملنے کے لئے تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اتنا طویل سفر تھا تو پہلے سے کوئی اطلاع دی جاتی تو میں خاطر خواہ انتظامات کرتا بہرحال اسی وقت انہوں نے خود انتظام فرمایا چشمہ شاہی پر اور ڈل جھیل کے کنارے پر نہایت پرفضا سبزہ زار اور عالیشان بنگلے بنے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے سکریٹری کو بھیجا جو ہمیں لیکر چشمہ شاہی پہونچے اور ایک نہایت وسیع اور پرفضا بنگلہ عنایت فرمادیا جس میں نہایت راحت پہونچی، وسیع ہال کئی کمرے، سامنے ڈل جھیل، پشت پر سربفلک پہاڑ اور سبزہ زار، سکون تام اسی میں قیام ہے۔ حافظ انوار صاحب نے مدارات کی حد کردی ہے کھانے ناشتے انتہائی فراخدلی سے سامنے آتے رہتے ہیں

۲۰ جون سے تفریحی پروگرام بنے سب سے اول حضرت بل میں پہنچے جس کی عمارت پہلے سے بھی عالیشان تھی اور اب ۲۵ - ۳۰ لاکھ کی عمارت انتہائی رفعت و سربلندی کے ساتھ تیار کی جارہی ہے وہیں مدرسہ "مدینۃ العلوم" واقع ہے جھیل کا کنارہ ہے اور **جنات تجری من تحتہا الانہار** کا منظر پیش کررہا ہے۔

مولانا عبدالکبیر صاحب اکرم دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ اچانک آپ لوگ، کہاں نہ خبر نہ اطلاع، معلوم ہوا کہ نہ ہمارا تار انہیں ملا نہ اطلاع، انہوں نے مدرسہ کے کئی کمرے پیش فرمائے مگر وہ طلبہ کی جگہ مدرسین کی آمد و رفت اور حافظ صاحب کے ساتھ مستورات اور بچے تھے تو وہ جگہ مناسب نہ تھی اور اُدھر چشمہ شاہی میں عالیشان وسیع بنگلہ مل چکا تھا اس لئے ادب کے ساتھ معذرت کردی گئی

۲۰ جون کو چشمہ شاہی کا مغل باغ اور وہ چشمہ دیکھا جو صحت کے لئے معروف ہے اس گارڈن کی خوبصورتی اور چھ سات درجوں میں اوپر نیچے باغات اور تختہ ہائے چمن کی خوبصورتی مغل سلیقہ کی یادگار ہیں۔ آگے چند میل کے فاصلے پر "نشاط باغ" ہے جو مغلوں کی یادگار ہے یہ بھی پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور ڈل جھیل پر آکر ختم ہوتا ہے، ایک سمت سربفلک پہاڑ دوسری سمت سمندر نما جھیل جس میں کشتیاں ہاؤس بوٹ ہر وقت تیرتے رہتے ہیں اس میں بھی دارالعلوم کے نصاب کی طرح درجہ بندی ہے اور چھ سات منزلہ باغ ہے، ہر درجہ فردوس بریں بنا ہوا ہے اس سے آگے شالیمار باغ ہے جو مغل امپائر کی سب سے بڑی نشانی ہے یہ دن انہی باغات کی سیر میں بسر ہوا۔ ۲۱ جون کو گلمرگ

کی پہاڑیوں کا سفر ہوا۔ یہ عجیب وغریب پرفضا مقام ہے پہاڑوں کے اوپر مسطح سرسبز میدان، پہاڑوں کی چوٹیاں برف پوش، ہرچہار طرف خوشنما بنگلے، ایک طرف سرکاری کلب گھر جہاں سیاح آکر بیٹھتے اور چائے نوشی کرتے ہیں چونکہ یہ تمام جائدادیں شیخ صاحب کے تحت ہیں انہوں نے بطور خاص اپنے سیکریٹری صاحب کو ہماری ساتھ کیا جنہوں نے تمام سیریں کرائیں، تیسرے دن ایک بزرگ کی درگاہ میں پہونچے جو ایک عظیم پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اُن ہی کی بدولت کشمیر میں اسلام کی روشنی آئی عرس ہوتا ہے اور ہزارہا انسان جمع ہوتے ہیں وہاں سے واپسی پھر سری نگر ہوئی۔

شب میں شیخ عبداللہ صاحب خود چشمہ شاہی پر ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اور پرسوں شام کو کھانے کی دعوت دیگئے ہیں۔

آج صبح جمعہ میں مولوی فاروق صاحب آئے اور انتہائی اصرار ہے کہ میں تین چار دن اور ٹھیروں، وہ کہتے ہیں کہ پبلک کو تو یہاں آپ کے آنے کی اطلاع ہی نہیں تھی۔ اب اخبارات میں آیا تو اطلاع ہوئی، پوری پبلک کا میں نمائندہ ہوں اور شدت سے مُصر ہوں کہ آپ ٹھیریں، میں پبلک کو کیا جواب دونگا۔ بمشکل عذر معذرت کی اس شرط پر انہوں نے بادل ناخواستہ تسلیم کیا کہ بعد چندے میں پھر آؤں اور چند دن قیام کروں

آج جمعہ حضرت بل میں ہوگا تقریر کا اعلان ہے اور کھانا مولانا عبدالکبیر صاحب کے یہاں ہے

کل ایک شب کے لئے بعض اور سیرگاہوں میں جانا ہے شب کو وہاں قیام ہوگا۔

یہ دعوت چودہری محمد شفیع صاحب سابق منسٹر کے یہاں ہے، بہت ہی گرویدگی اور محبت سے پیش آئے۔

بہرحال ۲۶ رجون کو انشاءاللہ یہاں سے روانگی طے شدہ ہے۔ لوگ اس میں حارج ہیں ابھی تک تو ہم ہی غالب ہیں۔ لوگوں کا اصرار ہے کہ یہ دو دن جو کار کے سفر میں صرف ہونگی یہاں کے لئے دی جائیں ہم ہوائی جہاز سے وقت مقررہ پر پہونچا دیں گے مگر راستہ میں جموں اور لدھیانہ کے پروگرام ہیں اس لئے معذرت کردی گئی

عزیزی مولوی ازہر شاہ صاحب قیصر کو سلام مسنون اور یہ خط ان کو دکھلا دیا جائے وہ چاہیں تو اس خط اور اس سے پہلے خط کا خلاصہ جتنا مناسب سمجھیں "دارالعلوم" میں زیر عنوان کوائف دارالعلوم شائع کرسکتے ہیں۔

کل صبح بطور خاص میں مولانا مسعودی صاحب سے ملنے کے لئے اُن کے مکان پر گیا جو سری نگر سے بائیس میل ہے بہت ہی خوش ہوئے آج جلسہ میں بھی آئیں گے

مولانا معراج الحق صاحب اور مولوی عبدالحق مدنی کا خط آج موصول ہوا۔

سب سے سلام مسنون ——————

والسلام

"محمد طیب"

از سری نگر چشمہ شاہی

بنگلہ ۱۲ ۲۲ رجون

۶۳ء ……

جنوب کی چند یادگار مخلص شخصیتیں

مولوی ابو صالح محمد عبد الجمیل الخطیب وانمباڑی

شہر وانمباڑی صوبۂ مدراس بلکہ جنوبی کا ایک ایسا مسلم اکثریت والا خطہ ہے جس میں اس صدی کے اندر قدرت نے ایسے رجال کار کو جنم دیا ہے جن کے ذریعہ اس دور افتادہ شہر میں اس دور میں جبکہ ترقی کے ذرائع محدود بلکہ تقریباً ناپید تھے۔ ——— ایسے دور افتادہ علاقہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خانوادہ کے علمی اور سیاسی انقلابات رونما ہوئے شمالی ہند کے علمی اور سیاسی اثرات کو ان حضرات نے اپنی ہوشمندی اور دور اندیشی سے قبول کیا دارالعلوم دیوبند کی آواز پر مدارس دینیہ اور علی گڑھ کی تحریک پر مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا تحریک خلافت اور جہاد آزادی میں اپنی وسعت بھر حصہ لیا۔ ان مقاصد کے لئے ملک کے اندر اپنے الگ الگ جذبات کے تحت ابھرنے والے رہنماؤں کی قیادت قبول کرتے ہوئے اپنی خدمات کے نقوش و آثار کو مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑا

مدرسہ معید عام ' انجمن خیر خواہ عام ' اور اس کا مدرسہ نسواں ' مدرسہ معدن العلوم ' مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کا اسلامیہ کالج ' ہائی اسکول اور یتیم خانہ ' اہل اسلام مسلم سوسائٹی اور انجمن خدام الاسلام وغیرہ شہر کے یہ ایسے علمی اور ثقافتی ادارے ہیں جن کی خدمات کے اثرات حدود شہر سے گذر کر صوبہ اور بیرون میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چمڑے کی تجارت کی وسعت و ترقی نے ان حضرات کو یورپ اور ایشیا میں مشہور کرا دیا ہے سلطنتِ آصفیہ حیدر آباد کے فرماں روا نواب محبوب علی خاں مرحوم کے مشیر خصوصی مولانا خطیب احمد حسین مرحوم ملقب بہ امین جنگ بہادر اسی شہر کے باشندہ تھے مرحوم نے اپنے رسوخ اور سفارش سے اس کے علمی اداروں خاص کر اسلامیہ کالج کو آصفی سلطنت سے متعلق کرنا چاہا مگر اس دور کے نیک طینت مخلص خدام نے اپنی عزت نفی کے پیش نظر اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔

ہماری آنکھوں نے اس شہر کی ایک متدین باشعور شخصیت کو دیکھا ہے جس نے اپنی دولت کے ساتھ اپنی فطری شرافت کے پیش نظر اپنی دینی صلاحیت کو شہر کی علمی تہذیبی اور تمدنی ترقی کے لئے استعمال کیا تھا۔

جناب حاجی عبد السبحان صاحب سی یل مرحوم اپنے سینہ میں ایک تڑپنے والا دل رکھتے تھے، دل کی فراخی اور حمایت دینی کا اندازہ اس ایثار سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۳۶۰ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تشریف آوری کے موقعہ

پر نہ صرف حضرت والا کا دل وجان سے میزبانی کا حق ادا کیا اور دارالعلوم کے خزانہ میں ایک بہت بڑی رقم جمع کرائی بلکہ دارالعلوم کے جدید تعمیری فنڈ میں بھی بھر کر حصہ لیا۔ مرحوم ایک طرف تو شہر کے اندر سرکاری امداد سے چلنے والے علمی اداروں کے اندر دینی آثار کو نمایاں دیکھنا چاہتے تھے، دوسری طرف شہر کی معاشی ضروریات میں کفایت شعاری کی عمدہ صفت کے ذریعہ خانہ ساز رسوم ورواج کی فضولیات سے اس کے عوام کو بچانا چاہتے تھے،

اسی طرح فرض اللہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم نے شہر کے لاوارث حاجتمند یتیم اور بیواؤں کی کفالت کے لئے بیت المال کے نام سے ایک شعبہ انجمن خیر خواہ عام کے تحت قائم کر کے اسکو ہزاروں کی آمدنی کا مالک بنا دیا اسی شہر میں نیگنور آندھرا سے حضرت مولانا محمد عبدالمجید خانؒ حضرت مولانا حجۃ الاسلام رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے فیضیاب ہو کر تشریف لائے اور تعلیم رجال کے ساتھ تعلیم نسواں کی ایک مثال چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے،

جناب حاجی زین العابدین صاحب چولورم مرحوم اور اسی قبیل کے متدین تجار نے حضرت مرحوم کا ساتھ دیا، پھر انجمن خیر خواہ عام کا مدرسہ نسواں سرکاری امداد کے بغیر ترقی کر گیا پورے جنوب کی طرف سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے فیض یافتہ حضرت مولانا محمد فضل اللہ صاحب رحؒ (ناظم جامعہ دارالسلام عمرآباد) کو دارالعلوم دیوبند کی رکنیت شوریٰ کا رتبہ حاصل رہا ہے مرحوم نے اپنی خداداد صلاحیت اور علمی بصیرت کی وجہ سے جناب کاکا حاجی محمد عمر صاحب مرحوم کے دینی جذبات کو ایک مستقل علمی ادارہ جامعہ دارالسلام عمرآباد کی شکل میں منتقل کر دیا۔

غرض اس شہر کے علمی اداروں کی عظیم اور وسیع عمارتیں اور خوبصورت شاندار مسجدیں جو اپنے ذرائع آمدنی کی وجہ سے مطمئن اور اپنے بنانے والوں کی یادوں کو زندہ کر رہی ہیں۔

ان حضرات اسلاف نے اپنے پیچھے آنے والوں کو ایسا مادی اور دستوری مواد فراہم کر دیا ہے کہ اگر یہ حضرات ان اداروں کو اُن کے بنیادی مقاصد اور بانیین کے جذبات کے پیش نظر سنبھال لیں تو یہی وہ خوبی ہے جس کا اجر وثواب مرحومین کے ساتھ انکو بھی ملیگا جنہوں نے ان کی حفاظت کی تھی اور کر رہے ہیں۔

ان حضرات مرحومین کے زمرہ میں شہر کی ایک اور مخلص خادم شخصیت کو اللہ نے شامل فرما دیا۔ جناب حاجی عبدالرشید صاحب ٹی کے مرحوم (۲۹ اپریل ۱۹۷۳ء وفات) شہر کی ایک باوقار، ملت کے زوال کی تاریخی اہمیت پر اس کے عروج و اصلاح کی فکر پر بے چین رہنے والی شخصیت کی رحلت بلاشبہ اس دور قحط الرجال میں ایک عظیم حادثہ ہے۔ مرحوم کی ایک خوش حال گھرانے میں پرورش ہوئی فطرت نے کم عمری ہی میں دین و دیانت کی راہوں کو اپنانے اور انسانیت کے بلند ترین اوصاف پر زندگی گذارنے کا سلیقہ عطا کیا تھا، انگریزی تعلیم کی قابلیت کے باوجود اس کے کسی اثر کو اپنے لئے قبول نہیں کیا تجارتی ذمہ داریاں سے بڑھ کر شہر کے ملی اداروں کو ان کے بنیادی مقاصد کے تحت ارتقائی منازل پر پہنچانے کا جذبہ دل کے اندر پرورش پا رہا تھا۔ شہر کے دنیوی و دینی علوم کے اداروں نے انہیں نیک جذبات کے تحت ان کو قبول کیا اس طرح مرحوم نے اپنی جوانی کا ایک بڑا حصہ ملت کی سماجی اور دینی خدمتوں میں گذارا۔ وہ قدیم و جدید طرز زندگی میں اعتدال کی راہ کو دین کے تقاضوں کے معیار پر پرکھنے اور اس کو عام کرنے کے قائل تھے سنت رسول ﷺ کے اصول پر حضرات سلف صالحینؒ کے طرز اصلاح میں ملت کو سر بلند دیکھنا چاہتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

nCHIDIPIB Telephone 32371[illegible] / 32202[illegible]

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

کوائف دارالعلوم دیوبند

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کشمیر میں

حضرت مولانا الحاج محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند جناب مولانا فخرالحسن صاحب صدر مدرس تفریح کے لئے کشمیر سری نگر تشریف لائے، چشمۂ شاہی کوارٹر ۱۲ میں ان کا قیام رہا سری نگر کے اہل علم طبقہ نے جس میں مولوی محمد فاروق میرواعظ، مولانا محمد سعید مسعودی، مفتی محمد رشیدالدین صاحب مفتی محمد جلال الدین (خاص طور پر قابل ذکر ہیں) نے ان سے ملاقات کی

شیخ محمد عبداللہ صاحب کی استدعا پر روز جمعہ نماز سے پہلے آپ نے درگاہ حضرت بل میں عوام وخواص کو خطاب فرمایا اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ محترم شیخ صاحب صدر اوقاف اسلامیہ مرزا کمال الدین چیرمین، مفتی محمد جلال الدین، مفتی رشیدالدین حاجی محمد سبحان صاحب وغیرہ اسٹیج پر موجود تھے

۲۵ رجون ۶ر بجے شام میرواعظ منزل میں حضرت مولانا نے خطاب فرمایا، علماء وعظماء کا اچھا خاصہ اجتماع تھا، اسی شام کو صدر محترم شیخ صاحب نے حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کو عشائیہ کی دعوت دی مولانا محمد سعید مسعودی، مولانا فاروق، مولانا مفتی محمد رشیدالدین، مفتی محمد بشیرالدین صاحب، مفتی محمد جلال الدین صاحب، مولانا عبدالکبیر صدر مدرس مدینۃ العلوم مولوی محمد شعبان، مولوی خان محمد، مولوی محمد قاسم بخاری مدرسین ومعلمین کے علاوہ مرزا کمال الدین شیدا چیرمین اوقاف اسلامیہ خواجہ غلام جیلانی سکریٹری اوقاف شریک محفل تھے، شیخ صاحب کے ایماء پر عبدالاحد صاحب جامعی نے علماء کا تعارف کرایا دس بجے محفل ختم ہوئی

حضرت مولانا محمد طیب صاحب ۲۶ رجون کی صبح کو اپنے رفقاء کے ہمراہ واپس تشریف لے گئے، ان کی تشریف آوری پر متعدد خطابات سے دینی طبقہ محظوظ ہوا، بالخصوص شیخ صاحب صدر محترم بیحد متاثر ہوئے،

حضرت مولانا سید محمد انورشاہ صاحبؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند لسال ۱۹۲۳-۲۴ء کا دور یاد آگیا جبکہ حضرت مرحوم نے کشمیر آکر بصیرت افروز تقاریر سے عوام وخواص کو بیدار فرمایا تھا، عمر رسیدہ حضرات کو وہ مناظر سامنے ہیں

حضرت مولانا محمد طیب صاحب دامت برکاتہم حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ کے مقتدر تلامذہ میں ایک آخری یادگار ہیں۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

غلہ اسکیم میں دشواری اور اس کے حل کی جدوجہد

اس سال سے حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ گیہوں چاول کی تجارت وہ خود کریگی، عام پبلک کو ان غلوں کی تجارت کی اجازت نہیں ہوگی، اس کا مقصد جو بھی ہو مگر اس سے جہاں اور لوگوں کو دشواری پیش آئی دارالعلوم دیوبند کے لئے بھی ایک سخت مرحلہ پیش آگیا اس لئے کہ آزادی کے بعد سے نظم یہ چلا آرہا ہے کہ یوپی اور پنجاب کے چند اضلاع کے مسلمان اس سلسلہ میں دارالعلوم کے ساتھ خصوصی تعاون کرتے ہیں اور غلہ بطور چندہ مفت عطا کرتے ہیں، دارالعلوم ان اضلاع سے غلہ لاکر اپنے یہاں ذخیرہ کرلیتا ہے اور سال بھر اسی سے طلبہ کو دونوں وقت خوراک فراہم کرتا ہے۔

نئے قانون کے تحت گیہوں کا پبلک کے لئے لانا لیجانا ممنوع ہے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند نے اس سلسلہ میں دوڑدھوپ شروع کی، مرکز نے کہا کہ ریاستی حکومت سے اسکا تعلق ہے، چنانچہ دارالعلوم نے مولانا گل صاحب ناظم تنظیم وترقی کو لکھنؤ بھیجا وہ ذمہ داروں سے ملے اور صورت حال ان کے سامنے رکھی معلوم ہوا خیراتی اداروں کے لئے اس کی اجازت ہے، مگر اس کے لئے پرمٹ بنوانا ہوگا، حکومت یوپی نے چھ سات اضلاع کے لئے پرمٹ دیا اور ان اضلاع کے ذمہ داروں کو بھی اس کی اطلاع دی، پہلے یہ اجازت ۳۰ رجون ۱۹۷۳ء تک تھی پھر اسکی توسیع ۳۱ رجولائی ۱۹۷۳ء تک کے لئے حاصل کی گئی اور اس طرح یہ مرحلہ طے ہوا، بحمداللہ مختلف اضلاع سے عطیہ کے گیہوں بذریعہ ٹرک آرہے ہیں، بعض تحصیلوں میں پرمٹ کے باوجود مقامی حکام نے پریشان کرنیکی سعی کی، مگر کلکٹروں سے اس سلسلہ میں مدد لی گئی اور انہوں نے اپنے فرائض ادا کئے انشاء اللہ اس طرح غلہ پہلے سالوں کی طرح دارالعلوم میں آجائیگا۔ اس سلسلہ میں ریاستی حکومت کا رویہ مستحق داد وتحسین رہا۔

اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو کمی ہو گی اس کی تلافی کی کیا شکل ہوگی، اسی طرح ملازمین کے لئے غلہ کا کیا نظم ہوگا؟ ملازمین کے لئے جو پرمٹ پہلے ملا ہوا تھا حکومت نے سردست اسے منسوخ کر دیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے توقع ہے اس کی بھی کوئی سہل صورت نکل آے گی۔

بھیونڈی کا مناظرہ

آخر صفر ۱۳۹۳ھ میں بھیونڈی ضلع تھانہ سے جناب شبیر احمد صاحب انصاری راہی کا ایک طویل خط موصول ہوا جس میں اہل بدعت سے مناظرہ کی شرائط طے کرنے کے لئے دارالعلوم سے امداد اور تعاون کی درخواست کی گئی تھی۔ یہاں سے یہ جواب دیا گیا کہ مناظروں سے مسائل طے نہیں ہوتے اور نہ یہ وقت مناظروں اور آپس میں الجھنے کا ہے یہ وقت باہمی اتحاد و اتفاق کا ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں جو عام مسلمان ایک زبان اور ایک قلم ہو گئے ہیں اس اتحاد و یکجہتی کو ختم کرنے کے لئے اغیار کی طرف سے باہمی نفاق اور مناظرہ کا چکر چلایا جا رہا ہے۔ راہی صاحب نے یہ بھی لکھا کہ شہر کے تعلیم یافتہ اور سنجیدہ طبقہ کی طرف سے بارہا کوشش کی گئی کہ مناظرہ بازی کی نوبت نہ آئے مگر مخالفین بضد ہیں بالآخر عمائدین شہر کی ایک میٹنگ میں ہمیں مناظرہ کے اس چیلنج کو قبول کرنے کا اعلان کرنا پڑا۔

دارالعلوم کی طرف سے راہی صاحب کو جو خط لکھا گیا اس میں یہ بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ اس وقت ضرورت ہے کہ ایسے علماء کرام کی خدمات حاصل کی جائیں جو دین و شریعت اور نبوت وسیرت کے صحیح واقعات کسی بھی دوسرے فکر پر تعرض کئے بغیر ٹھنڈے اور موثر انداز میں بیان فرما دیں اور موجودہ حالات میں ملی اتحاد کی غیر معمولی ضرورت واہمیت کو قابل قبول انداز میں پیش فرما دیں اور یہ بھی واضح کر دیں کہ آج کا ملی انتشار وافتراق ماضی کے بمقابلہ کہیں زیادہ اس ملت کی ملی اور دینی تباہی کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔

اس حسن تدبیر کا بڑا مقصد یہ قرار دیا جائے کہ موجودہ نامساعد حالات میں مناظرہ سے سابقہ نہ پڑے اس کے بعد کامیابی میسر نہ آئے تو بنام خدا دعوت مناظرہ قبول فرمالی جاوے

اس کے بعد راہی صاحب کا خط آیا اور تحریر فرمایا کہ افسوس! ہزار کوششوں کے باوجود ہم مناظرہ کو رکوانے میں ناکام رہے اب ہم نے بھی طے کرلیا ہے کہ ان بدعتیوں کے زور کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے اور انکی فتنہ پرداز ذہنیت کو اچھی طرح سے آشکارا کیا جائے۔ شرائط مناظرہ وغیرہ طے کرنے کے لئے ۲۱ رمئی ۱۹۷۳ء مقرر ہوئی ہے، ۲۰ رمئی تک بھیونڈی پہونچ جانا چاہیئے۔ تار آیا اور خود راہی صاحب دیوبند پہونچے مولانا محمود حسن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند اور

مولوی ارشاد احمد صاحب کو ساتھ لے گئے۔ لکھنو سے مولانا عبدالسلام وغیرہ پہونچے، ۲۷ مئی سے ۱۳ جون ۱۹۷۳ء تک فریقین کے علماء نے بھیونڈی میں قیام کیا مختلف نشستوں میں شرائط مناظرہ طے ہوئے۔ حَکَم نامزد کیا گیا اہل بدعت نے جسٹس ہدایت اللہ صاحب کو حَکَم بنایا ۳۱ جولائی تک اگر انہوں نے منظور نہ کیا تو دوسرا فریق دوسرا حکم منتخب کریگا اور پہلا فریق منظور کریگا یا انکار کریگا دو ماہ اس میں صرف ہونگے مناظرہ کی تاریخ ۷ نومبر ۱۹۷۳ء مقرر ہوئی ہے۔ مناظرہ اور شرائط سے پہلے مبادئ مناظرہ کے عنوان سے ۹ سوالات متعلق اہل حق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایک تحریر دیگئی ہے جس کا جواب ... انکار کیا ہے موضوع مناظرہ کوئی مسئلہ نہیں ہے صرف حقانی صاحب کی تقریریں ہیں جو حقانی صاحب صوبہ گجرات کے ایک ... وعظ میں وہ دیوبند اور علماء دیوبند کی تعریف کرتے تھے یہ جیراجپوری ... کو پسند نہیں انہوں نے ان کی تقریروں کے چند جملوں کو چیلنج کیا اور انہیں موضوع مناظرہ قرار دیا ہے۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے دینی مواعظ کا ذخیرہ
علم ہدایت کے شائقین کے لئے ایک خوشخبری

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں حضرت ممدوح عالم اسلام میں ایک ممتاز و منفرد شخصیت کے مالک ہیں

حضرت کا تقریباً پچاس سال سے دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس اور اہتمام کی ذمہ داریوں کے ساتھ عام اجتماعات اور عوام و خواص کی مجالس میں شریک ہوکر پند و موعظت کا بھی سلسلہ جاری رہا ہے، جن میں عقائد عبادات، معاملات، اقتصادیات، معاشرت، ثقافت، سائنس اور علوم حاضرہ کے مباحث کو کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

ان مواعظ کا مرتب ذخیرہ بلاشبہ ایک دینی یونیورسٹی کا کام دیگا۔

نہایت خوشی کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے جواں سال وجواں ہمت فاضل مولانا شفیق احمد قاسمی نے ان مواعظ کی ترتیب واشاعت کا بیڑا.... اٹھایا ہے اور انہوں نے طیب اکیڈمی جلال پور ضلع فیض آباد کی جانب سے ہر تین ماہ بعد حضرت مدظلہ کے مواعظ کی ایک جلد پیش کرنے کا عزم کیا ہے۔

پروگرام کی پہلی کتاب اگست ۱۹۷۳ء میں شائع ہورہی ہے۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اکیڈمی سے .... براہ راست رابطہ قائم کرکے اسے اپنے ہمہ جہت تعاون سے نوازیں۔

بالخصوص وہ حضرات۔ جن کے پاس حضرت مدظلہ کے مواعظ ٹیپ میں یا تحریری طور پر موجود ہیں وہ درج ذیل پتہ پر روانہ فرمادیں یا کم ازکم اپنے پاس ہونے کی اطلاع دیدیں۔

(پتہ ...)

مولانا شفیق احمد قاسمی جنرل سیکریٹری
طیب اکیڈمی، جلال پور ضلع فیض آباد
(یوپی)

ra. .CHIDPIR

Telephone 323718 / 32202

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

دار العلوم دیوبند کا علمی، دینی، اصلاحی ماہنامہ

ماہنامہ

دار العلوم

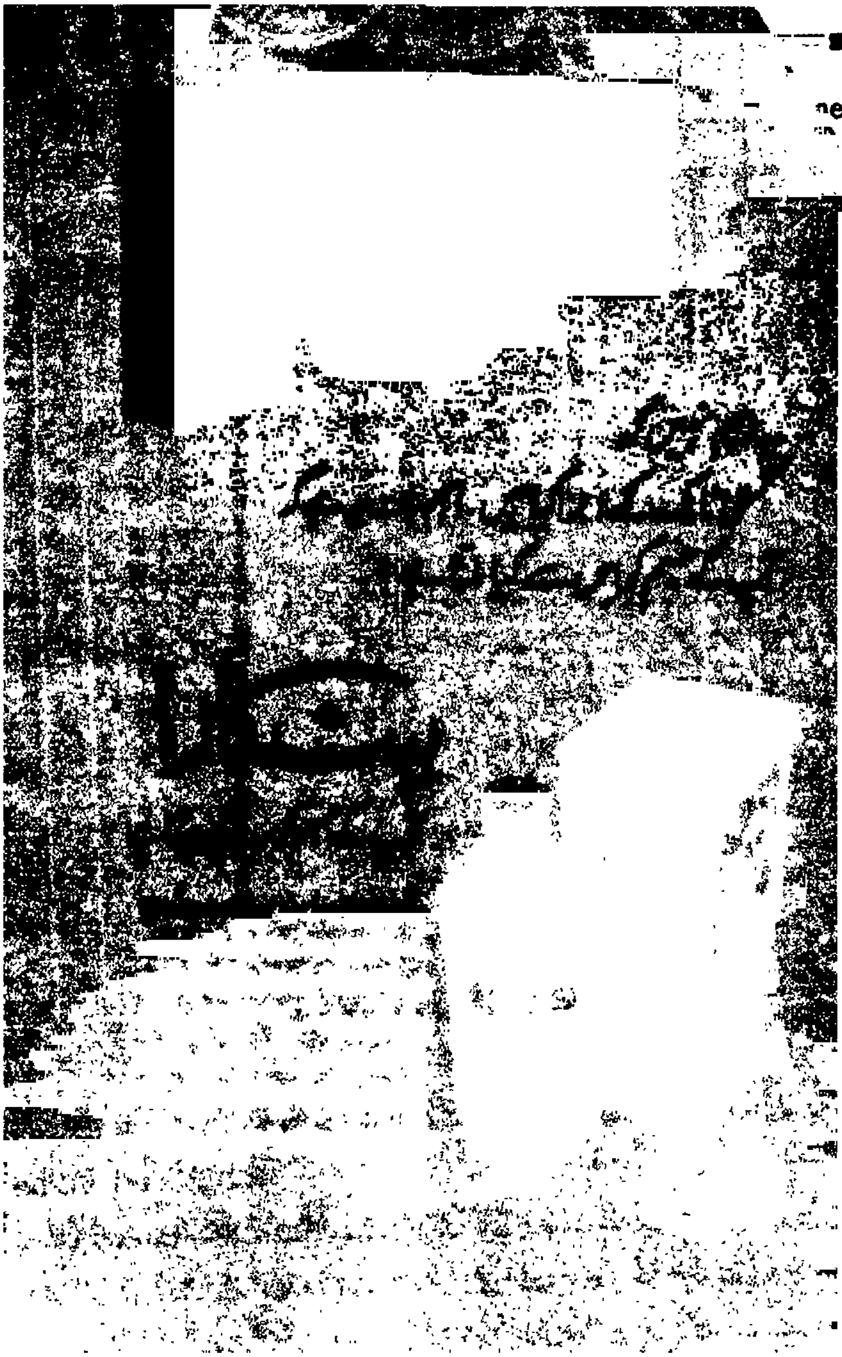
نگرانِ اعلیٰ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مُدیر

مولانا سید ازہر شاہ قیصر

سید احمد



جلد ۴۵ | دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اور اصلاحی | شمارہ ۶

ماہنامہ

دارالعلوم

ستمبر ۱۹۷۳ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحب
مد ظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ
قیصر

یہ انگریزی مہینے
کی
۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دارالعلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے
آٹھ روپے

پاکستان سے
آٹھ روپے

ممالک غیر سے
۲۲ شلنگ

فی پرچہ
اسّی پیسے ‎80/

فہرست مضامین

○ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپ کا چندہ ختم ہو گیا ہے، ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر کو بھیجدیں وی پی کا انتظار نہ کریں اسلئے کہ وی پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مخلصین دارالعلوم سے ضروری گذارش

بنگلہ دیش اور پاکستان سے ڈاک کے تعلقات منقطع ہو جانے کی وجہ سے رسالہ دارالعلوم کے تقریباً دو ہزار خریدار ۔۔۔ ۔۔۔ اپنی دعوت و فکر کے ایک انداز پر قائم رہنے کی وجہ سے یہ رسالہ پہلے ہی سے مالی ۔۔۔ ۔۔۔ ن دارالعلوم "دارالعلوم" کی اس آواز کو باقی رکھنے کے لئے رسالہ کی توسیع اشاعت ۔۔۔ ال کریں، ہر شخص کم از کم دو خریدار رسالہ کے لئے مزید فراہم کرے۔

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اسلامی مملکتوں کی تعداد گو اس دور میں بھی کافی ہے، مگر ان کی داخلی اور خارجی حالت کچھ زیادہ الم‌ناک ہے، یہ ساری مسلمان حکومتیں دوسری طاقتوں کے سہارے جی رہی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن ان میں انقلاب آتا رہتا ہے، اور افسوسناک بات یہ ہے کہ اس طرح کے انقلاب میں سیکڑوں دانشور مسلمان قتل کر دئے جاتے ہیں، برسرِ اقتدار آنے والی پارٹی اپنے مخالفوں کو معاف کرنا جانتی ہی نہیں ان ممالک میں ہمارا پڑوسی ملک افغانستان ایک عرصہ سے ایسے فتنے سے محفوظ تھا، نادر شاہ کے بعد انکے فرزند ارجمند ظاہر شاہ مسلسل چالیس سال سے سربراہ کی حیثیت سے حکومت کو سنبھالے ہوئے تھے اور بظاہر وہاں کی پبلک ان سے خوش تھی اسلئے کہ کبھی کوئی بات نہیں سُنی گئی، جس سے تشویش پیدا ہوا کرتی ہے. مگر ۱۷ جولائی ۱۹۷۳ء کو دفعتہً یہ خبر سنکر دنیا دنگ رہ گئی کہ افغانستان میں فوجی انقلاب آگیا جس کا پہلے سے کسی کو قطعاً کوئی وہم بھی نہیں تھا. اور انقلاب بھی ایسی حالت میں آیا کہ خود ظاہر شاہ اور اُن کے ولی عہد فرزند افغانستان سے باہر تھے، اس فوجی انقلاب میں سربراہ مملکت کے لئے شاہ ظاہر شاہ کے چچازاد بھائی اور برادر نسبتی داؤد خاں کا انتخاب عمل میں آیا اور آج کل انہیں کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے، وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے کیسے ہیں اور کیا ہیں مستقبل بتائے گا،

کہا جاتا ہے کہ یہ انقلاب روس کے ایما سے ہوا ہے، ظاہر شاہ کے دور حکومت میں انیس ہزار روسی فوجی افسران پہلے سے موجود تھے، جو افغانستان کی فوج کی تربیت کے لئے بلائے گئے تھے، ظاہر شاہ کا تعلق بھی روس سے ہی تھا، مگر وہ ایک تجربہ کار حکمراں تھے، آنکھیں بند کر کے غالباً روس کی ہر بات پر لبیک نہیں کہتے ہونگے، اور اس وقت ضرورت ایسے حکمراں کی تھی جو سارا کاروبار روس کے ایما پر انجام دے غالباً اسی وجہ سے انقلاب لانا ضروری سمجھا گیا ہوگا. واللہ اعلم۔

اس انقلاب میں اب تک یہ خبر باعث مسرت ہے کہ قتل وخونریزی نہیں ہوئی ہے، اور ہوئی بھی ہوگی تو برائے نام یا نہ ہونے کے درجہ میں، اس نئی حکومت کو سب سے پہلے روس اور ہندوستان نے تسلیم کرنے کا اعلان کیا، پھر اور ملکوں نے، اندرونی حالات کا اب تک صحیح علم کسی کو نہیں ہے، خدا کرے یہ انقلاب ملت اسلامیہ کے لئے مضر ہونے کے بجائے مفید ثابت ہو، اور وہاں کے عوام کے لئے دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے قابل اطمینان ہو۔

افغانستان کا تعلق دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر واسلاف سے گہرا رہا ہے، کہنا چاہیے شاہی خاندان کو اسلاف دارالعلوم دیوبند سے گہری عقیدت ومحبت تھی، انگریزی دور حکومت میں مولانا منصور انصاری، مولانا عبیداللہ سندھی اور بہت سے علماء جلاوطن ہوکر افغانستان میں رہے، موجودہ مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم بھی ایک دفعہ افغانستان کے دورہ پر جا چکے ہیں اور ارباب حکومت نے انکی شایان شان پذیرائی کی، خود ظاہر شاہ بھی مہمان دارالعلوم میں آچکے ہیں. جب وہ ہندوستان آئے تھے یہاں انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار فرمایا تھا، اور دارالعلوم نے بھی انکے شایان شان استقبال کیا تھا، افغانستان کی ایکتا [illegible]

علمد جسے ہم "باب الظاہر" کے نام سے یاد کرتے ہیں،
...تعلقات کی وجہ سے بھی دار العلوم دیوبند کو افغانستان کی حکومت اور اس کے عوام سے دلچسپی ہے، بالخصوص
...نگوان کا رشتہ افغانستان سے ہمیشہ مضبوط رہا ہے، اس انقلاب کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ روس کے راستے سے معرکی طرح
...رت مولانا ن بھی کمیونزم کی لپیٹ میں آجائے اور وہاں اسلام اور اسلامی احکام و اعمال خطرے میں پڑ جائیں،
موجودہ سربراہ اور با اقتدار حضرات خدا کرے کہ وہ دین و مذہب کی پاسبانی کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ تاکہ عقاید و اعمال
پیش اخلاق و انسانیت کی صورت بگڑنے نہ پائے، موجودہ ملکی سیاست میں اسلام اور اسلامی قانون مظلوم نہ بننے پائے، بلکہ پہلے
سے زیادہ وہاں کے عوام و خواص میں دینی زندگی ابھر آئے، ہمیں پوری توقع ہے کہ افغانستان کے خواص و عوام کی نظر
اس بات پر ضرور مرکوز رہے گی۔

ادھر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا مسئلہ بہت دنوں سے الجھا ہوا ہے، اب یہ خبر آئی ہے کہ وزیر تعلیم نے موجودہ ایکٹ میں نظر ثانی کا اعلان کیا ہے، تاکہ مسلمانوں میں جو برہمی اور غیظ و غضب ہے وہ ٹھنڈا کیا جا سکے، ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نظر ثانی میں کیا کیا اصلاحی قدم اٹھایا جائیگا۔ اس سے دلچسپی رکھنے والی مسلمان پارٹیاں حکومت کو برابر متوجہ کر رہی ہیں ساتھ ہی خامیوں کی نشاندہی بھی کر رہی ہیں

خدا کرے حکومت ضد سے ہٹ کر مسئلہ پر تعلیمی نقطۂ نظر سے غور کرے اور مسلمانوں کے [illegible] جذبات کو نظر انداز کرنے کی غلطی نہ کرے، تاکہ جس تعصب سے حکومت کو شدید نقصان پہونچا ہے اس سے وہ محفوظ ہو جائے۔

یہ خوب یاد رکھا جائے کہ علی گڈھ نے ہر دور میں ملک کی بڑی اہم خدمتیں انجام دی ہیں اور اس کی وجہ سے ملک کا نام دنیا میں روشن ہوا ہے، ایسے تعلیمی ادارہ کو نظر انداز کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہوگی۔ پھر یہاں کی اقلیت کو اس تعلیمی ادارے سے ایک گہرا تعلق ہے اس لئے اس کے اقلیتی کردار کی بحالی حکومت کے فرائض میں داخل ہے،

اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس سال وہاں یونیورسٹی کو دفعتًا بند کر دینے کی وجہ سے طلبہ کا کافی نقصان ہوا ہے۔ اور وہ وطن آنے جانے میں کافی پریشان بھی ہوئے ہیں۔ پھر ذرا ذرا سی بات پر بعض طلبہ کا اخراج، انہیں نظر بند کرنا، یا یہ حکم دینا کہ وہ ضلع علیگڈھ کے اندر داخل نہ ہوں۔ کوئی اچھا اقدام نہیں ہے، بلکہ اس سے جبر و تشدد کی بو آتی ہے، بچے خواہ کسی یونیورسٹی اور کسی بھی تعلیمی ادارے کے ہوں قوم و ملک کی امانت ہیں، انکے حوصلے پست کرنا یا انہیں تعلیم سے محروم کر دینا کسی حال میں مناسب نہیں ہے، موجودہ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کے پرانے فیض یافتہ اور وہاں کے بھی خواہ رہ چکے ہیں، بحیثیت ملازم اور استاذ ان کا تعلق یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ سے برادرانہ رہا ہے، اسلئے حاکمانہ اقتدار کا انداز اختیار کرنا انہیں کسی طرح زیب بھی نہیں دیگا اور نہ وہ اس مزاج کے آدمی ہیں۔

اس ملک میں آزادی کے بعد اردو کا مسئلہ ہمیشہ ہی توجہ کا محتاج رہا ہے، قانونی حیثیت سے اسے ہمیشہ محروم رکھا گیا، البتہ حکومت نے اپنی صوابدید کے مطابق جب مناسب سمجھا تھوڑی بہت سہولت کا اعلان کر دیا، یہ سہولتیں کچھ دن حاصل رہیں، پھر ختم ہو گئیں۔ درحقیقت یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، بلکہ اس زبان سے

دل چسپی رکھنے والوں کو کھلونے دیکر بہلانا ہے، چنانچہ پہلے بھی ایک مرتبہ رعایت کا اعلان کیا گیا تھا اب پھر بعض صوبوں میں اردو اکیڈمی کے نام سے سرکاری ادارہ قائم کر کے کچھ ادیبوں اور شاعروں کو کچھ رقمیں تقسیم کرنے کا سامان کر دیا گیا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک نیا اعلان حکومت یوپی سے یہ آیا ہے کہ چار ہزار اردو کے ٹیچر بحال کئے جائیں گے جو پرائمری اسکولوں میں بچوں کو اردو کی تعلیم دینگے۔ بعض اردو دوست حضرات اس اعلان سے بہت خوش تھے، مگر اب تک جو اطلاعات آئی ہیں وہ اطمینان بخش نہیں ہیں، اردو ٹیچروں کے تقرریات کو ناکام بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے، ایسا کیا گیا ہے کہ باہر سے اردو کے ٹیچر لینے کی نوبت ہی نہیں آئے، پرانے ٹیچروں میں جو اردو کی تھوڑی بہت شد مد رکھتے ہیں اردو کا استاذ انہیں کو قرار دیدیا جائے۔

یقیناً یہ صورت حال اردو دوستوں کے لئے مایوس کن ہے، وہ اس کے خلاف لکھ رہے ہیں، رپورٹ تیار کر رہے ہیں اور اپنی حد تک سب کچھ کر رہے ہیں جو انہیں اس سلسلہ میں کرنا چاہئے، مگر اس کا نتیجہ کیا سامنے آتا ہے، کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے،

ذمہ داروں کا فرض ہے کہ وہ ان حالات کا جائزہ لیں اور اردو کے سلسلے میں جو دھاندلی ہو رہی ہے اُسے بند کرائیں، اور اردو کے لئے جس سہولت کا اعلان کیا گیا ہے اس پر عمل درآمد کرانے کی کوشش کی جائے!

اردو کتابوں پر انعام کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے وہ بھی نظر ثانی کا محتاج ہے ایسا طریقہ جس سے اہل علم کی خودداری پر ضرب کاری لگتی ہو کسی طرح مناسب نہیں اور نہ حکومت کے شایانِ شان، اس کا حاصل یہ ہوگا کہ جو لوگ دن رات حکومت اور ارباب حکومت کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں اور اسی کو انہوں نے اپنا طریقہ بنا لیا ہے۔

بس یہ سارے انعام ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آئیں گے اور اردو کے سچے خادم اور دوست محروم کے محروم باقی رہیں گے؛ اور اردو اکیڈمی کے قیام کا جو مقصد ہے وہ پورا نہیں ہو سکے گا۔

اردو کے اہل قلم بڑی مشکلات میں زندگی گذار رہے ہیں حکومت اگر اردو کی ترقی کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے تو اردو کے پریشان حال اہل قلم کی ماہانہ پنشن یا یکمشت امداد کی شکل میں مزید مدد کرے۔ اب تک اردو کے جن اہل قلم کو کچھ مدد دی گئی ہے یہ سب وہ حضرات ہیں جن کا تعلق مذہبی لٹریچر سے بالکل نہیں حالانکہ اردو میں مذہبی لٹریچر اور اس موضوع پر کام کرنے والے حضرات کی بڑی تعداد ہے یہ لوگ کیوں حکومت کی خبر گیری سے محروم رکھے گئے۔؟

(ظفیر صدیقی)

اسلام میں رفاہ عام اور خدمت خلق

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

ہمسایہ اور پڑوسی کی خدمت

پڑوسی ایک جگہ رہتے بستے آدمی کو کہتے ہیں پڑوسی کا درجہ اسلام میں بہت بڑا ہے، اس کا حق بھی بہت زیادہ ہے۔

پڑوسی ہی ہے جو سب سے پہلے دکھ تکلیف میں کام آسکتا ہے۔ ہر آدمی آواز پر گھر کے اندر پہونچ سکتا ہے۔

دو پڑوسیوں کے درمیان اگر محبت رفاقت اور اعتماد کے تعلقات قائم ہوں تو زندگی خوشحالی سے بسر ہو جاتی ہے اور اگر دو پڑوسی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں تو وہ زندگی "زندگی" نہیں۔ اس سے موت کو بہتر سمجھئے

اسلام نے ایک خوش حال سماج کی اس فطری ضرورت کو پوری طرح سمجھا ہے اور تاکید کی ہے کہ ہر پڑوسی دوسرے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے اگر کوئی تکلیف پہنچ جائے تو برداشت کرے، جھگڑا ہو جائے تو اسے شرافت کے ساتھ رفع کرے اور بات کو زیادہ بڑھنے نہ دے، پڑوسی مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام کی نظر میں ہر قسم کے پڑوسی کا بڑا درجہ ہے۔

قرآن کریم نے ہدایت فرمائی

وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی	خدا نے نیکی کرنے کا حکم
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ	دیا ہے۔ رشتہ دار ہمسایہ
بِالْجَنْبِ (سورہ نساء - ۶)	کے ساتھ، غیر رشتہ دار
	ہمسایہ کے ساتھ اور پہلو
	کے رفیق کے ساتھ

اس آیت میں تین قسم کے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی

(۲) پڑوسی ہو، مگر اس کے ساتھ کسی قسم کی خاندانی رشتہ داری نہ ہو

(۳) سفر، کاروبار، سیر و تفریح یا کسی موقعہ پر کسی کے ساتھ رفاقت قائم ہو جائے، وہ بھی رفیق اور پڑوسی کا درجہ رکھتا ہے۔

اسلام کی نظر میں یہ تینوں ہی پڑوسی ہیں، کوئی مستقل پڑوسی ہے کوئی عارضی اور وقتی پڑوسی اور رفیق ہے، کوئی صرف پڑوسی ہے اور کوئی پڑوسی کے ساتھ عزیز اور رشتہ دار بھی۔

ان تمام ہمسایوں اور رفیقوں کے ساتھ ہمدردی

کرنا، ان کی مدد کرنا، اُن کے کام آنا، ان کے جذبات کا پاس رکھنا، ان کی تکلیف اور دل آزاری سے بچنا اسلام کا تاکیدی حکم ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اور کیا زیادہ سخت تاکیدی انداز میں نصیحت فرما سکتے تھے؟

ارشاد فرمایا۔

لا یدخل الجنۃ — وہ انسان جنت میں داخل
من لا یا من — نہیں ہوگا جس کا پڑوسی
جارہ بوائقہا — اس کی برائیوں سے محفوظ
نہ رہتا ہو۔

دوسری حدیث میں فرمایا۔

لیس المومن — وہ مومن نہیں جو خود پیٹ
من یشبع و — بھر کر کھانا کھائے اور
جارہٗ جائع — اس کا پڑوسی بھوکا رہے

(متفق علیہ)

اسلام نے پڑوسی کے ساتھ، مستقل پڑوسی ہو یا سفر، کاروبار اور راستہ کا رفیق و ساتھی ہو ہر قسم کا شریفانہ برتاؤ کرنے کا حکم دے کر شہری زندگی کا جو صالح اور اونچا نمونہ پیش کیا ہے وہ اسلامی تعلیم کی ان خصوصیات میں سے ہے جو اسے دینِ فطرت قرار دیتی ہیں۔

خاص طور پر ایک ایسے پڑوسی اور رفیقِ کار کیساتھ جو نہ خاندانی رشتہ رکھتا ہو اور نہ مذہبی رشتہ بلکہ مذہب اور خاندان کے لحاظ سے بالکل غیر ہو، ایسے غیر مسلم پڑوسی کے ساتھ ایک مسلمان کو محبت، رواداری، پاسداری اور خدمت کا جو تعلق رکھنا ضروری ہے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے جو نمونہ عمل چھوڑا ہے وہ دوسرے مذاہب میں ملنا ممکن نہیں۔ ایک کامل ہادی اور عالمگیر مذہب ہی اس نازک معاملہ میں ایسی صاف اور بے لاگ ہدایت دے سکتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یہودی پڑوسی کے بغیر اچھا کھانا تناول نہیں فرماتے، گھر میں جب کوئی چیز پکتی تو گھر والوں کو ہدایت کی جاتی کہ پہلے یہودی پڑوسی کو ہدیہ بھیجا جائے۔

شہر مدینہ میں بسنے والے یہودیوں کو مذہب کی مکمل آزادی بخشی جاتی ہے، اگر کوئی مسلمان کسی یہودی کے اعتقاد پر بگڑ کر اس کے ساتھ زیادتی کر بیٹھتا ہے تو سرورِ عالم اس کے خلاف ایکشن لیتے ہیں اور شہر میں بسنے والے غیر مسلموں کے مذہبی جذبات کا پاس رکھنے کی ہدایت فرماتے ہیں

امام بخاریؒ نے کتاب المظالم میں ابوہریرہ رضؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ اگر کسی پڑوسی کو اپنے پڑوس کے مکان کی دیوار میں لکڑی گاڑنے کی ضرورت ہو تو دوسرا پڑوسی اس کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی اجازت دے دے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ یہ روایت بیان کر کے فرمایا کرتے تھے

مالی اراکم — یہ کیا بات ہے کہ میں
عنہا معرضین — تمہیں حضور کی اس
واللہ لارمین — ہدایت سے منہ پھیرنے
بہا بین اکتافکم — والا پاتا ہوں، خدا کی
قسم میں اس حکم کو تمہارے دونوں مونڈھوں کے درمیان ضرور پھینکتا رہوں گا۔

یعنی تم کو سناتا رہونگا اور پڑوسی کے حقوق کا اعلان کرتا رہوں گا۔

معلوم ہوا کہ کچھ لوگ پڑوسی کو اس طرح کی سہولت دینے پر ناک بھوں چڑھاتے ہونگے اور حضرت ابوہریرہ اس حکم رسالت کو ان کے سامنے تاکید کے ساتھ

پیش کرتے رہتے ہوں گے۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے یعنی پڑوسی کے لئے مستحب اور افضل یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کی اس رہائشی ضرورت کو پورا کرے لیکن احمد بن حنبلؒ اور اسحق بن راہویہ اور علماء اہل حدیث کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے یعنی اجازت دینا واجب ہے اگر اجازت نہ دے گا تو گناہ گار ہوگا

(بخاری کتاب المظالم پ)

پڑوسن کو خدمت اور اخلاق کی ہدایت

پڑوسی کو آرام پہنچانے کی ہدایت مرد سے زیادہ عورت کے لئے ہے، کیونکہ مرد تو صبح کا نکلا شام ہی کو گھر واپس آتا ہے، لیکن عورت چوبیس گھنٹہ پڑوس میں رہتی ہے

مرد کتنا ہی اخلاق کا اچھا ہو، اگر عورت برے اخلاق والی ہے تو اس کے پڑوس کو کبھی چین نصیب نہیں ہو سکتا۔

اس لئے عورت کو پڑوس کے مردوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کی سخت ہدایت کی گئی ہے

دو مسلمان عورتیں تھیں ایک رات بھر نمازیں پڑھا کرتیں، دن کو روزے رکھتیں، صدقہ و خیرات کرتیں، مگر ان تمام عبادتوں کے باوجود زبان کی بہت تیز اور اخلاق کی خراب تھیں۔ اور اس کے پڑوسی اس سے تنگ رہا کرتے تھے۔

حضورؐ کے رفیقوں نے اس عورت کا حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا آپ نے سُن کر فرمایا "اس میں کوئی نیکی نہیں، اسے دوزخ کی سزا ملے گی"

صحابہ کرامؓ نے پھر ایک دوسری عورت کا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، یہ خاتون صرف روزہ نماز کے فرائض ادا کرتیں، نوافل و شب بیداری کے اعمال ان کے ہاں موجود نہ تھے، مگر کسی کو ستانے اور پریشان کرنے سے ہمیشہ گریز کرتیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا حال سُن کر فرمایا "یہ خاتون جنتی ہے"۔

یہ واقعہ امام بخاریؒ نے ادب المفرد پڑوسی کے احکام کے باب میں نقل کیا ہے۔

ہمسایہ کے حقوق کی اہمیت اس سے زیادہ اور کیا ظاہر ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

مازال جبریل	جبریل امین مجھے ہمیشہ پڑوسی
یوصینی بالجار حتیٰ	کے ساتھ اچھا برتاؤ
ظننت انہ	کرنے کی نصیحت کرتے
سیورثہ	یہاں تک کہ مجھے یہ گمان
(ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵)	ہونے لگا کہ وہ پڑوسی
	کو میراث میں شریک کرنے
	کا حکم سنا دیں گے۔

یتیموں کی خدمت

اسلام کے تکمیلی کارناموں میں ایک نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ اس نے یتیم بچے اور بچیوں کی خبرگیری، خدمت اور امداد پر پوری توجہ دی اور اس کام کے لئے مکمل ضابطے اور ہدایات جاری کیں۔

آج اس واجب الرحم معصوم گروہ کی خبرگیری اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے دنیا کے پاس جو کچھ موجود ہے وہ سب اسلام کی پیروی اور رسول

پاکؐ کی تقلید ہے۔

قرآن پاک میں جگہ جگہ یتیموں کی امداد و سرپرستی کی تاکید آئی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ ایک ارشاد گرامی یتیموں کی خدمت کے کاموں کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے ارشاد فرمایا:۔

انا وکافل	حضورؐ نے دونوں انگلیوں
الیتیم کھاتین	کو ملا کر فرمایا' میں اور
فی الجنۃ	یتیم کی دیکھ بھال کرنے
(ابوداؤد ج ۲ ص۳۵۲)	والا جنت میں پاس پاس ہوں گے۔

دنیا کے دانش مندوں نے تسلیم کیا ہے کہ عرب پہلی سرزمین ہے جہاں یتیموں کی باقاعدہ پرورش کے لئے یتیم خانہ کی بنیاد پڑی اور اسلام کی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے یتیم بچوں کے متعلق اپنی صحیح ذمہ داری کو محسوس کیا ان کے وظیفے مقرر کئے مکتب قائم کئے جائدادیں وقف کیں، قاضیوں کا فرض قرار دیا کہ وہ یتیموں کے سرپرست بنیں اور ان کے جملہ معاملات کی نگرانی کریں۔

پس مسلمانوں کا فرض قرار پاتا ہے کہ وہ یتیموں اور لاوارث بچوں کی پرورش اور سرپرستی کے کاموں میں آگے آگے رہیں اور اس کام کو دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں بڑے درجہ کا ذریعہ سمجھیں۔

حضرت صدیقہ عائشہ رضؓ اپنے خاندان اور مدینہ کی دوسری یتیم بچیوں کو اپنے گھر لا کر ان کی پرورش کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضؓ یتیم بچے یا بچی کو دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

مسافروں کی خدمت

قرآن کریم نے مسافروں کی امداد و خدمت کے لئے مستقل طور پر حکم دیا ہے

وَاٰتَی الْمَالَ	اصل نیکی یہ ہے کہ مال
عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی	کے ساتھ محبت رکھنے
الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی	کے باوجود قرابت داروں
وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ	کی مدد کرے اور مسافروں
السَّبِیْلِ	کی اعانت کرے۔

ایک شخص اپنے گھر میں صاحب حیثیت ہوتا ہے وہ خود دوسروں کی مدد کرتا ہے لیکن کبھی کسی حادثہ کا شکار ہو کر ہزار غریبوں سے زیادہ غریب ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے مسکینوں' یتیموں اور غرباء کی مدد کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ مسافروں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

اگرچہ آج آمد و رفت کی آسانیوں نے مسافرت کی ان دشواریوں کو ختم کر دیا ہے جو اونٹ گھوڑے اور گدھے پر سفر کے دور میں موجود تھیں مگر پھر بھی مسافر مسافر ہی ہے اور وہ ہر طرح کی امداد اور خدمت کا مستحق ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضؓ نے سرکاری طور پر ایسے آدمی مقرر کر رکھے تھے جو راستہ بھول جانے والے مسافروں کو راستہ بتایا کرتے تھے اور ان راستوں پر ڈالا کرتے تھے جو پانی اور سایہ کی سہولتیں رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضؓ ہی نے سب سے پہلے کوفہ میں ایک مسافر خانہ قائم کیا ان کے بعد اسی شہر میں حضرت عثمان غنی رضؓ نے مسافر خانہ بنوایا۔ اس سے پہلے اس تجارتی شہر میں آنے والے مسافروں کو لوگ اپنے گھروں میں ٹھہرایا کرتے تھے۔

صلح صفائی کرانے کی خدمت

خاندان علاقہ یا شہر میں اگر کسی قسم کا جھگڑا کھڑا ہو جائے تو اس جھگڑے کو ختم کرانا اور آپس میں صلح صفائی کرانا اسلام میں نماز روزہ سے بڑے درجہ کی نیکی ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معمولی جھگڑا بڑے فساد کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور بستی اور شہر کے امن وامان کو جلاکر خاکستر کر دیتا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

الا انبئکم	کیا میں تمہیں وہ نیکی نہ بتاؤں
بدرجة افضل	جو نماز روزہ اور صدقہ
من الصلوٰة والصیام	سے افضل ہے، لوگوں
والصدقة قالوا	نے کہا ضرور بتائیے!
بلیٰ، قال اصلاحُ	آپ نے فرمایا "آپس
ذات بینٍ و	میں صلح صفائی کرانا"
فساد ذات البین	اور آپس میں جھگڑا کرنا
هی الحالقة	ایمان کو مٹانے والی
	برائی ہے

جو لوگ اپنی ذاتی نجات کی فکر میں رہ کر صرف روزہ نماز اور نفلی عبادت میں اس درجہ مشغول رہتے ہیں کہ وہ خاندان اور سماج کے اندر پھیلنے والے جھگڑوں کو دور کرنے کے بجائے ان سے دور اور علیحدہ رہنے کو نیکی سمجھتے ہیں وہ کتنی بڑی سعادت سے محروم رہتے ہیں، اس حدیث سے اس کا جواب مل رہا ہے

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے یا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے ہیں اور مسلمانوں کے آپسی اختلاف کو ہوا دیتے ہیں وہ ایمان اور اسلام کے دشمن ہیں اور اچھے لوگوں کا اسلام اور ایمان کے دشمنوں اور تفرقہ پھیلانے والوں سے ڈر کر گھروں میں بیٹھ جانا ایمان اور اسلام کی خدمت سے بھاگنے کے برابر ہے۔

تم اگر اپنا اسلامی فرض ادا کرنا چاہتے ہو تو مسلمانوں کے اندر سے اختلاف دور کرنے کی کوشش کرتے رہو اور تفرقہ انگیز لوگوں سے ڈرنے کے بجائے ان کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔

تمدن اور شہریت کی خدمت

اسلام تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کے ذریعہ تمدنی ترقی میں حصہ لینے کی سخت تاکید کرتا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کسب الحلال	فرضی عبادات کے بعد
فریضة بعد الفریضة	حلال روزی پیدا کرنا
	فرض ہے

ایک حدیث میں فرمایا،

"جو شخص اپنی جدوجہد سے روزی حاصل کرتا ہے تاکہ اپنے اہل وعیال کی پرورش کرے اور بھیک مانگنے سے بچے تو

لقی اللہ و	وہ اپنے خدا سے اس
وجهه کالقمر	حال میں ملے گا کہ اس کا
لیلة البدر	چہرہ چودھویں رات کے
	چاند کی طرح روشن ہوگا۔

ایک حدیث میں فرمایا۔

رحم اللہ رجلا	خدا تعالے اس شخص پر
سمحا اذا باع	رحم فرماتا ہے جو بیچنے فروخت
واذا اشتریٰ واذا	کرنے اور تقاضا کرنے
اقتضیٰ	میں نرمی اختیار کرتا ہے۔

اس حدیث میں حضور نے اپنے مخصوص انداز میں

باقی صفحہ ۱۲ پر دیکھئے

آئندہ پنجسالہ منصوبے میں ہماری سرکاری تعلیم کے خدوخال

اسحاق جلیس ندوی

ہفت روزہ تعمیر حیات لکھنؤ کا ذیل کا اداریہ اہل نظر و فکر کے لئے ایک لمحۂ فکریہ فراہم کرتا ہے۔ ارباب دانش کو اس مضمون کو غور کے ساتھ پڑھنا اور ہندوستان کے مستقبل کو اس آئینہ میں دیکھنا چاہیئے۔

"تعمیر حیات" کے اس سنجیدہ مضمون کو نقل کرنے کے ساتھ ہم اس سے دوستانہ طریقہ پر اس کا شکایت کریں گے کہ اس کے صفحات پر "رسالہ دارالعلوم" کے متعلق اس مراسلہ کی اشاعت کی گنجائش کیسے نکلی جو صرف ذاتی ناراضگی کے جذبہ سے لکھا گیا ہے۔ تعمیر حیات جیسے پرچہ کو اپنی ہر ہر سطر کو سنجیدگی کے معیار سے ناپ لینا ضروری ہے۔ —— (ادارہ)

"عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں"

چند مہینوں بعد ہمارے ملک میں چھٹے پنجسالہ منصوبے پر عمل شروع ہوگا۔ یہ منصوبہ تمام تر تعلیمی اصلاحات اور اس میں انقلاب انگیز اور دور رس تبدیلیوں پر مشتمل ہوگا۔ اس پانچسالہ منصوبہ کا تعلق چونکہ تعلیم سے ہے جس سے اس ملک کے ہر شہری کا ہر طبقہ اور مختلف تہذیبی مذہبی اور لسانی اکائیوں کا متاثر ہونا لازمی ہے لہذا ہمیں اس منصوبہ اور اس کے مضمرات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

منصوبہ کی تفصیلات تو ابھی سامنے نہیں آئیں مگر حکومت اور خاص طور پر وزیر تعلیم کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ حکومت جس مخصوص نظریہ کو اس ملک پر مسلط کرنا چاہتی ہے اس کی راہ ہموار کرنے کے لئے آئندہ پنجسالہ منصوبہ کا خوب خوب استعمال ہوگا۔

یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں کہ جس سوشلسٹ پیٹرن کی طرف ہمارا ملک تیزی سے گامزن ہے وہ سوشلزم پنڈت نہرو کی زندگی میں کانگریس کے آواڈی سیشن میں منظور کردہ سوشلسٹ نظام سے کوئی میل نہیں رکھتا بلکہ یہ نظام خالص روس سے درآمد کردہ اور روس کی نگرانی اور

رہنمائی میں اس دیس میں لایا جا رہا ہے۔

آئندہ پنجسالہ منصوبہ کا یہ پہلو خاصا تشویشناک ہے کہ اس کا خاکہ روسی ماہرین تعلیم تیار کر رہے ہیں اور ہماری حکومت اس خاکہ میں رنگ آمیزی کا عزم کئے ہوئے ہے۔ روس کے مجوزہ اس منصوبہ کے حسن و قبح کو جانچنے کے لئے ہمارے پاس پیمانہ موجود ہے اور وہ ہے روس کا موجودہ نظام تعلیم اور ۱۹۲۰ء میں روس میں پیش کردہ ان پنجسالہ منصوبہ کا تجزیہ جو صرف تعلیم سے تعلق رکھتا ہے اس نظام تعلیم کے مطالعہ کے بعد غیر جانبدار مبصرین تعلیمی ماہرین نے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱)۔۔۔ روسی حکومت کی پالیسی اور عمل کی بنیاد انکار خدا کے بیباکانہ نظریہ پر رکھی گئی۔ اس لئے پہلے ۲۶ر اکتوبر ۱۹۱۷ء کے لونا چارسکی ( ) کے اعلان کے مطابق فوراً ہی مدارس سے مذہبی تعلیم بند کر کے ان کو بے دین بنا دیا گیا اور پھر جن اصولوں پر اشتراکی کارکن تیار کرائے گئے تھے وہ یہ تھے۔ (الف) اشتراکیت پر ایمان (ب) خدا کا انکار۔ (ج) خدا کی مقرر کردہ اخلاقی اقدار کی تبدیلی۔ چونکہ انقلابی جماعت کا ہر رکن ان جذبات کے نشہ میں چور تھا لہٰذا مذہبی طبقہ کے خلاف اور عبادت گاہوں پر اسی شدت سے سختی کی گئی جس شدت سے سرمایہ داروں پر کی گئی، خانقاہوں اور عبادت گاہوں کے اوقاف کو ضبط کر کے لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ مذہبی قسم کے لوگوں کو نامعلوم تعداد میں مار دیا گیا۔

(۲) بقول سوویت ماہرین تعلیم "سوویت درسگاہیں محض تعلیم برائے تعلیم کے اصولوں پر مطمئن نہیں بلکہ ان کا عین منشا یہ ہے کہ وہ نئی نسل کے دماغوں میں کمیونزم کے اصول اتار دیں۔ کارل مارکس اور لینن کے متحدہ انداز فکر پر ایک عالمگیر رجحان پیدا کریں۔

(۳)۔۔۔ کمیونسٹ روسی نظام تعلیم اپنے عوام کو غیر ملکیوں کے خلاف بھڑکاتا ہے اور برسراقتدار طبقے کی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا ہے۔ یہ دونوں طریقے بین الاقوامیت اور وسیع النظری کے خلاف ہیں۔

(۴)۔۔۔ برسراقتدار پارٹی کی سیاسی اغراض کے مطابق ماہرین خصوصی کی تیاری اور جارحانہ قوم پرستی کی خاطر اشتعال انگیزی۔

(۵)۔۔۔ تمام پرانے ماہرین تعلیم اور اساتذہ کا صفایا اور ایسے اسٹاف کا تقرر جن کے ذریعہ تعلیمی ادارے کے طلباء کو نئے سیاسی رجحانات یعنی بالشویک نظریات کے مطابق تیار کریں۔ چنانچہ اس انوکھے طریقہ تعلیم کا نتیجہ ۱۹۲۰ء تک یہ برآمد ہوا کہ نئی نسل کی کثیر تعداد پرانے اصولوں سے بے بہرہ ہوگئی قدیم اخلاقی قدریں مٹ گئیں۔ اور تعلیم دینے والوں کا ایک ایسا گروہ تیار ہوگیا جو برسراقتدار پارٹی کا "مومن" اور "حقیقی بندہ" تھا۔

(۶)۔۔۔ ادب اور فنون لطیفہ کی تعلیم کے علاوہ سائنس کی تعلیم تک قوم پرستانہ نقطۂ نظر سے دی جانے لگی اس غرض کے لئے تاریخ کو نئے قومی نقطۂ نظر کے مطابق دوبارہ لکھا گیا تاکہ بالشویزم کی داخلی پالیسی کو کامیاب بنایا جائے

(۷)۔۔۔ سوویٹ نوجوانوں کو باہر کی دنیا سے یکسر بے خبر کر دیا گیا یا ان کو اس نقطۂ نظر سے تعلیم دی گئی جیسے روس کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ عالمگیر جنگ کے بارے میں یہ جھوٹ گھڑا گیا کہ "سوویٹ یونین نے فاشسٹ اور امپیریلسٹ لٹیروں کے خلاف تن تنہا مشرق و مغرب میں جنگ جیتی حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ روس اتحادی محاذ کا ا[illegible]

(۸)ـــــ سوویٹ یونین روس میں صرف ۴۲ فیصد طالب علم ہی ایسے ہوتے ہیں جو چہارم جماعت سے اوپر کی تعلیم حاصل کرتے ہیں روس میں اعلیٰ تعلیم پانے والوں کی شدید کمی ہے۔ روس کی بڑھتی ہوئی آبادی کے تناسب سے اس کی تعلیمی ترقی کو تنزل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے

(۹)ـــــ اکثر نوجوان اپنی عمر کے ابتدائی حصہ میں ہی صنعتی اور زراعتی تربیت گاہوں میں ٹھونس دئے جاتے ہیں خاص طور پر وسط ایشیا کی مسلم اکثریت کے علاقوں کے طلباء کے لئے اعلیٰ تعلیم تقریباً حرام ہو چکی ہے۔

(۱۰)ـــــ روسی نظام تعلیم میں طلباء میں نظریاتی علم بالکل محدود رہتا ہے۔ اور ارتقاء و ترقی کے تمام جذبات اُن کے سینوں میں دفن ہو جاتے ہیں۔ اس اصول اور نظریۂ تعلیم کی تہہ میں دراصل سوویٹ حکومت اور کمیونسٹ پارٹی کی مخصوص اغراض کارفرما ہیں، یہ لوگ یوں تو دوسروں کو رجعت پسندی کا طعنہ دیتے ہیں اور اپنے ہر کام پر "ترقی پسندی" اور "انقلابیت" کا لیبل لگاتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ خود سب سے بڑے رجعت پسند اور فرسودہ خیال لوگ ہیں یہ اپنی ذاتی اغراض اور مخصوص شخصیتوں میں اقتدارِ اعلیٰ کو محفوظ رکھنے کی خاطر ایسا انتظام کرتے ہیں کہ محکوم طبقات سے کوئی فرد اعلیٰ صلاحیت کا نہ نکل سکے۔

(۱۱)ـــــ روس میں تو اب وہ دور پلٹ آیا ہے جو کبھی زار روس کے زمانہ میں تھا وہاں اعلیٰ تعلیم کی سہولتیں زیادہ تر انہی لوگوں کو ملتی ہیں جو کمیونسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں یا پارٹی کے سفارشی ہوتے ہیں۔ کمیونسٹ لارڈ حکومت کی گدیوں پر بیٹھے عوام کے جسموں سے اس طرح کھیل رہے ہیں جس طرح فرانسیسی نواب انقلاب فرانس سے قبل مینڈکوں کے ٹرّانے پر نیند میں خلل پڑ جانے کی وجہ سے اپنے ملازموں اور نوکروں کو زد و کوب کیا کرتے تھے کہ وہ ان مینڈکوں کو چپ کیوں نہیں کراتے۔

(۱۲)ـــــ سوویٹ روس میں استادوں اور تعلیم دینے والوں کی سخت کمی ہے۔ اس کا ایک سبب تو قلیل تنخواہیں ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اساتذہ کو طویل معاہدوں اور جبری قوانین کی پابندیوں میں جکڑ کر کسی ایسے مقام پر جس کے انتخاب میں انکی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اس طرح باندھ دیا جاتا ہے جیسے جانور کے گلے میں رسی ڈال کر کھونٹے سے باندھ دیا جاتا ہے۔

(۱۳)ـــــ آج کل مغرب میں تجارتی اور صنعتی تعلیم کا بڑا زور ہے لیکن اس کے باوجود یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوتی ہے کہ جتنے طلباء اس وقت روس میں اس قسم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان سے دوگنی تعداد امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔

بہ حیثیت مجموعی امریکہ میں استادوں اور طلباء کی تعداد روس سے کہیں زیادہ ہے۔

(۱۴) اپنے اس جبری نظام تعلیم کو فروغ دینے کے لئے "کوڑوں" اور "توڑوں" کا بے محابا استعمال کیا گیا بخارا، تاشقند، سمرقند وغیرہ مسلم اکثریتی علاقوں کے دینی مدارس سے حکومت روس خائف تھی، اس علاقہ پر تسلط کے بعد نئی تعلیم پھیلانے کے لئے حکومت نے ہر طرح کے انعامات و مراعات جاری کئے جو والدین اپنے بچوں کو سوویٹ اسکول میں بھیجنے پر راضی ہوتے ہیں حکومت ان کی مالی امداد کرتی ہے۔

ملی نقطۂ نظر سے کمیونسٹ نظام حکومت اور طریقۂ تعلیم کے تلخ ثمرات کا اندازہ روس کے ایک سیاح کے قلم سے۔

" جلد جلد کھانا کھانے کے بعد ہم وسط ایشیا اور ازبکستان کے مسلمانوں کا دینی مرکز دیکھنے گئے وہ بالکل خالی تھا۔ یوں نظر آتا تھا جیسے اس کا ہال طویل مدت سے غیر مستعمل پڑا ہے۔ بخارا کے ۹ سو سالہ قدیم مدرسہ میں اب سرکاری ملاّ ڈھلتے ہیں اس مدرسہ کے ریکٹر سے ہم نے سوال کیا کہ بخارا

کی کتنی فیصد آبادی مسجد میں نماز پڑھنے آتی ہے ؟

وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر اس سوال کو ٹال گیا اور کہنے لگا کہ بہت سے لوگ گھر پر نماز پڑھ لیتے ہیں" میں نے پوچھا کہ کیا نمازیوں میں کمیونسٹ پارٹی کا کوئی ممبر بھی ہوتا ہے؟ نہیں۔ ! مگر ہو سکتا ہے کہ وہ بھی گھر پر نماز پڑھتے ہوں

ہم خیوا کے مشہور مدرسے مادامن منا کے خالی حجروں کی دیر تک سیر کرنے کے بعد ایک تنگ گلی میں ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے .. اچانک فضا میں ایک لمبی تان کی آواز بلند ہوئی" موذن لوگوں کو نماز کی طرف بلا رہا تھا مگر نمازی بہت کم جمع ہوئے۔ ہم نے موذن سے پوچھا ! کیا کوئی دن ایسا بھی آسکتا ہے جب موذن کی پکار پر ایک شخص بھی مسجد میں نہیں آئے گا ؟

ایسا تو کبھی کبھار اب بھی ہوتا ہے" ملا نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

تمہارا کیا خیال ہے نوجوان مسجد میں کیوں نہیں آتے۔" ؟

کاش مجھے معلوم ہوتا' میں تو اپنے بیٹے کو بھی سمجھا نہیں سکا۔ جب اس نے دسویں جماعت پاس کیا تو میں بہت خوش ہوا۔ میں نے اس سے کہا بیٹے' تم پر خدا کی برکت ہو بخارا جاکر مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرو اور میرے کام کو جاری رکھو۔ مگر وہ گھر سے بھاگ گیا اور بخارا کے بجائے تاشقند چلا گیا۔ وہاں ایک کالج میں داخل ہو گیا۔

موذن کی بیٹی ایک مقامی اسکول میں تاریخ پڑھاتی ہے مذہب کی تاریخ' وہ خود ملحد ہے حالانکہ اس کے باپ کی آواز خیوا کی فضا میں گونجتی ہے اور مسلمانوں کو خدا کی طرف توجہ ہونے کی دعوت دیتی ہے"

روس کے نظام تعلیم اور اس کے اثرات و نتائج کا ان ذیل اقتباسات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہی کچھ صورت حال خدانخواستہ ہندوستان میں پیش آنے والی ہے

قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے اور حالات کا دھارا ہمیں بے بس کر دے اور اقتدار کے رحم و کرم پر زندہ رہنے پر مجبور کرے ہمیں اس کے تدارک کی تدبیروں میں لگ جانا چاہیئے۔ ملت اپنے اکثر مسائل میں عین وقت پر چونکنے اور ہاتھ پیر مارنے کی عادی ہو چکی ہے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مسئلہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے زمانہ وائس چانسلری میں جو دستوری تبدیلیاں ہوئیں اس کے دور رس اثرات و نتائج کو اس بحرانی دور میں محسوس نہیں کیا گیا ۱۹۵۱ء کا ایکٹ دراصل ۱۹۷۲ء کے لئے راہ ہموار کر لیا گیا تھا

مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں آج سے دس سال پہلے اگست ۱۹۶۳ء کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے ندوۃ العلماء کی طرف سے اس مسئلہ پر غور و خوض کے لئے مختلف مسلک و مکاتب فکر کے علماء کو مدعو کر کے "مجلس تحقیقات شرعیہ" کی بنیاد ڈالی تھی مگر اس دور میں اس مسئلہ کی سنگینی کو محسوس نہیں کیا گیا اور بے اعتنائی' بے توجہی اور سرد مہری نے ایک مفید عزم و ارادہ کو بے نتیجہ بنا کر رکھ دیا گیا

ملی مسائل کے سلسلہ میں ماضی کے ان واقعات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اکابر ملت کا بروقت اقدام ناگزیر ہے

ہمارے ملک میں دینی اقدار اور جارح لادینیت میں آنے والے دور میں جو معرکہ برپا ہوگا اسمیں علماء کو ایک موثر اور ذمہ دارانہ رول ادا کرنا ہے

"خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی"

اس امتیاز و حقیقت کے بقا و تحفظ کے اعتبار سے بھی اور اس ملک کے قدیم مذہبی مزاج اور روحانی اقدار کے مرکز ہونے کی حیثیت سے بھی۔

خدا بیزار کمیونسٹ دہریت کے خلاف ہمیں اپنی جدوجہد میں نہ صرف مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں کو متحد کرنا ہوگا بلکہ اس ملک کے موجودہ حالات اور سیاسی

رجحانات کے پیش نظر یہ عین حکمت ودانشمندی کی بات ہوگی کہ ہم ان غیر مسلموں کو بھی اپنی اس جدوجہد میں شریک کریں جو دہریت سے بیزار اور دھارمک شردھا رکھتے ہیں۔ یہ بارہا کا تجربہ ہے کہ ہم نے جب بھی اپنے کسی جائز مطالبہ میں تنہا جدوجہد کی تو ہمیں فرقہ پرست رجعت پسند اور دقیانوسی کہا گیا، قومی یکجہتی اور ملکی دھارے سے علیحدگی اور بغاوت کا الزام دیا گیا لہٰذا مصلحت ودوربینی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے ان مسائل میں جن کی زد اس ملک کی دوسری قوموں پر بھی پڑنے والی ہو انہیں دعوت جدوجہد دیں، ہماری یہ پالیسی دین وشریعت کے منافی قطعًا نہ ہوگی۔ اس ملک کی جدوجہد آزادی میں ہمارے اکابر علماء غیر مسلموں کے ساتھ مل کر انگریز سامراج کے خلاف لڑتے رہے، جیلوں میں ساتھ رہے، سیاسی پلیٹ فارم اور سماجی میدان میں شانہ بشانہ کام کرتے رہے یہ تو ابھی کل کی بات ہے کہ مسلم مجلس مشاورت کے پلیٹ فارم سے غیر مسلموں نے بھی ہمارے ساتھ عوام کو خطاب کیا اور نفرت کی دیوار کمزور کرنے میں معاون بنے۔

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے مسئلہ میں جن مسلم رہنماؤں اور جماعتوں نے اسے "کامن کاز" بنا کر غیر مسلموں کو بھی اپنی جدوجہد میں شریک کیا وہ اپنی بصیرت، حکمت عملی، ملت کی بہی خواہی اور ملک کی خیر خواہی کے اعتبار سے قابل مبارکباد اور مستحق ستائش ہیں۔

ملک کے ان اکابر کے سامنے جو سیاست کی خارزار سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں خدمت کا ایک وسیع میدان ہے کہ وہ اس ملک میں تعلیم وتہذیب کے نام سے حکومت کی سرپرستی میں رائے عامہ کو نظر انداز کرتے ہوئے دہریت و لادینیت کا جو سیلاب آرہا ہے اس کے مقابل سینہ سپر ہوجائیں اور اپنے اس مقصد میں اپنے اسلاف کی مثال کو زندہ کرتے ہوئے برادران وطن کو بھی دعوت دیں عین ممکن ہے کہ آنے والے دور میں ہمارا یہ عمل ہمیں اس ملک کی ذہنی اور فکری قیادت کا مقام عطا کردے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

صفحہ ۹ کا بقیہ

(اسلام میں رفاہ عام)

"نرمی" اختیار کرنے کی ترغیب فرمائی، کیونکہ نرمی کامیاب تجارت کی کنجی ہے۔

ذخیرہ اندوزی سے مہنگائی بڑھتی ہے اور عوام مشکلات میں مبتلا ہوجاتے ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو ملعون فرمایا۔

المحتکر ملعون — غلہ کو روک کر رکھنے والا لعنتی ہے

اس کے مقابلہ میں امانت دار اور سچے تاجر کا درجہ بلند کرتے ہوئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء — سچا اور امانت دار تاجر آخرت میں رسولوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا

امانت دار تاجر سے مراد وہ تاجر ہے جو معمولی نفع پر تجارت کرتا ہے اور سچے تاجر سے وہ تاجر مراد ہے جو عمدہ اور اصلی مال فروخت کرتا ہے نقلی مال بازار میں لاکر دھوکہ دہی نہیں کرتا۔

تیسری اور آخری قسط

اوقاف اور اُن کا تحفظ

(مولانا ظفیر الدین صاحب مفتاحی)

اَب لے دے کر یہ بحث رہ جاتی ہے کہ مساجد و مقابر کے علاوہ جہاں اوقاف کی جائداد ناقابل انتفاع ہو یا خطرہ میں گھر چکی ہو۔ یعنی اگر کچھ انتظام نہ کیا جائے تو اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا گمان غالب ہے۔

شریعت میں ایسے موقع کے لئے استبدال (بدلنے) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ جب کبھی ایسی مجبوری پیش آ جائے تو واقف شریعت یا مستند و معتمد علماء کی اجازت کے بعد ایسا کرنا درست ہے کہ اس کو دوسری جائداد سے بدل لیا جائے وہ اس کے بعد خود بخود وقف کے حکم میں ہو جائے گی اور جو شرائط واقف نے پہلی جائداد میں لگائی تھیں وہ سب اس میں بھی نافذ ہو جائیں گی:

اس کی تین صورت بتائی گئی ہیں دو صورت میں تبادلہ جائز ہے تیسری میں جائز نہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ نفس وقف نامہ میں واقف نے بدلنے کی شرط رکھی ہو، خواہ اپنے لئے خواہ دوسرے کے لئے،

دوسری صورت یہ ہے کہ وقف نامہ میں اسکی شرط موجود نہ ہو، مگر وقف اس درجہ میں پہونچ چکا ہو کہ اس سے انتفاع کی قطعاً کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی ہو اور اس کا وجود خطرہ میں ہو، ان دونوں صورتوں میں فقہاء نے جائز کہا ہے

تیسری صورت یہ ہے کہ بدلنے کی شرط وقف نامہ میں نہ ہو مگر بدلنے میں فی الجملہ وقف کا نفع ہو، اس صورت میں تبادلہ جائز نہیں ہے

لا یجوز لان الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادۃ لانہ لا موجب لتجویزہ لان الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورۃ ولا ضرورۃ فی ھذا اذ لا تجب الزیادۃ بل نبقیہ کما کان (شامی ج۳ ص۵۳۹)

تبادلہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے واجب یہ ہے کہ وقف کو اس حال پر باقی رکھے جس پر تھا، زیادہ کرنا فرض نہیں ہے پہلی صورت میں جواز کی وجہ شرط ہے اور دوسری میں ضرورت، اور اس تیسری صورت میں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ زیادہ کرنا واجب نہیں بلکہ صرف یہ ضروری ہے کہ ہم اس کو اس کے حال پر باقی رکھیں۔

مگر موجودہ حالات میں بدلنے کے اندر بھی بڑی

احتیاط کی ضرورت ہے چنانچہ فقہاء امت نے اسکے لئے مزید شرطیں لگائی ہیں، مثلاً ایک قید یہ ہے کہ تبادلہ نقد سے نہ ہو، بلکہ زمین اور جائداد ہو، اور یہ شرطیں حالات زمانہ سے مجبور ہوکر لگائی گئی ہیں۔ چنانچہ اس شرط کی وجہ یہ لکھتے ہیں۔

فانا قد شاهدنا النظار یاکلونها وقل ان یشتروا بها بدلا ولم نرا احدا من القضاة فتش علی ذلک (شامی ج۳ ص۵۳۷)

ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ اوقاف کے نگراں وقف کی جائداد بیچ کر نقد رقم کھا لیتے ہیں اور شاید و باید ہی اس کا بدل خریدتے ہیں اور ہم نے کسی ذمہ دار کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس کی تفتیش کی ہو کہ ایسا کیوں ہوا۔

ان شرائط استبدال کا ذکر یہاں مناسب ہوگا

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بالکلیہ قابل انتفاع باقی نہیں رہی ہو۔

وشرطه فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة (ج۳ ص۵۳۷)

بحرالرائق میں اس کی شرط یہ بتائی ہے کہ وہ سرے سے قابل انتفاع باقی نہ رہے

دوسری شرط یہ ہے کہ تبادلہ زمین سے ہو نقد سے نہ ہو اور تیسری شرط یہ ہے کہ قاضی شریعت عالم باعمل اور خدا ترس ہو

وکون البدل عقاراً لا بدراهم ودنانیر والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل (ص۵۳۷)

بدلہ میں جائداد و زمین ہو، دراہم و دنانیر کے بدلے جائز نہیں اور اس تبادلے کی اجازت دینے والا ذی علم اور باعمل قاضی ہو۔

اس تبادلہ میں وقف کا کوئی خسارہ نہ ہو۔

وان لا یکون بغبن فاحش (ایضاً)

غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو

ان لوگوں سے تبادلہ نہ ہو جس سے نگراں یا متولی کی قریبی رشتہ داری ہے یا جس کا اس پر کوئی دَین ہو

ان لا یبیعه ممن لا تقبل شهادته ولا ممن له علیه دین (ایضا)

اس سے نہ فروخت کرے جس کی گواہی قابل قبول نہیں اور نہ اس سے جس کا اس پر دَین ہو۔

تبادلہ اسی شہر اور محلہ میں درست ہے جہاں وقفی جائداد ہے یا پھر اس سے بہتر جگہ میں بدل واقع ہو

مبادلة دار الوقف بدار اخری انما یجوز اذا کانتا فی محلة واحدة او محلة اخری خیراً، وبالعکس لا یجوز وان کانت المملوکة اکثر مساحة وقیمة واجرة۔ (ایضاً)

وقف کے گھر کا دوسرے گھر سے بدلنا اس وقت درست ہے جب وہ دونوں ایک محلہ میں ہوں یا اس سے بہتر جگہ میں ہو، اس کے برعکس میں جائز نہیں گو بدلے والا گھر رقبہ قیمت اور اجرت میں زیادہ ہو۔

⁂

وهو ان یکون البدل والمبدل منه من جنس واحد

بدل اور مبدل منہ دونوں ایک جنس سے ہوں

مختصر یہ کہ اس تبادلہ کی اجازت اس وقت ہے

جب واقف نے اس کی صراحت کی ہو یا وقف بالکلیہ قابل انتفاع نہ باقی رہ گیا ہو۔ اور نہ کوئی دوسرا وقف ہو جسکے ذریعہ اس کو نفع بخش بنایا جا سکتا ہو' اور یہ بھی صرف اس قاضی کو اختیار ہے جس کی تعبیر فقہاء نے قاضی الجنۃ سے کی ہے کہ متقی، باخدا، حق شناس اور کتاب و سنت پر گہری نظر رکھنے والا ہو اور اسی کے ساتھ اپنے ہر عمل پر خدا کے نزدیک جوابدہی کا یقین رکھتا ہو'

باقی ذاتی منافع اور نام و نمود کے لئے وقف میں کسی تصرف یا استبدال کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ اسی طرح زیادہ منافع کے لالچ میں بھی ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد کی مصلحت کی خاطر مسجد کی زمین کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، خواہ قاضی شریعت کی اجازت سے ہی کیوں نہ ہو۔

بیع عقار المسجد	مسجد کی جائداد کا مسجد
لمصلحۃ المسجد	کی مصلحت کے نام پر
لا یجوز و ان	فروخت کرنا جائز نہیں
کان بامر القاضی	ہوتا ہے گو قاضی کی اجازت
وان کان خرابًا	ہو اور گو وہ جائداد
(بحر ص ۲۲۳ ج ۵)	ویران ہو۔

ان احکام و مسائل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی قوانین میں اوقاف کے تحفظ کی کس کس طرح جد و جہد کی گئی ہے اور اسے اس کے جائز مصرف میں خرچ کرنے کی کیسی تاکید آئی ہے، اور اس سلسلہ میں ناظر متولی اور قاضی شریعت یا شرعی بورڈ کے کتنے اہم فرائض ہیں اور ان پر عمل کرنا ان کے لئے کس قدر ضروری ہے'

اگر کسی وقف کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہو اور اچانک ملت اسلامیہ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئی جیسے مسلمان مغلوب ہو گئے اور دشمن چڑھ آئے اور ایسے نازک وقت میں مال کی ضرورت پڑی' تو ایسے صبر آزما وقت میں فقہاء نے اجازت دی ہے کہ وقف کا مال دیا جائے مگر یونہی نہیں بلکہ بطور قرض، تاکہ پھر اس کی ادائیگی ہو جائے' بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ ادائیگی واجب ہوگی

جاز للحاکم ان	اس مصیبت میں حاکم
یصرفہ علیٰ وجہ	کے لئے بطور قرض خرچ
القرض فی دفع	کرنا جائز ہے مگر یہ وقف
المِلۃ ویکون	کا قرض رہے گا جس
دَینًا للوقت یجب	کی ادائیگی بعد میں
اداءہ بعد	ضروری ہوگی۔
انفراج الازمۃ	
(قانون العدل ص ۵۰)	

بس اس ایک جزئیہ سے اندازہ لگائیے کہ مال وقف کی حفاظت اور اس کے خرچ کرنے میں اسلام میں کس قدر احتیاط برتی گئی ہے جو لوگ مال وقف میں من مانی تصرف کا مشورہ دیتے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ وہ اوقاف پر کتنا بڑا ظلم کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

اسی جزئیہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اوقاف کی زیادہ یا بچی ہوئی آمدنی بھی واقف کی شرط کے خلاف صرف نہیں ہوگی' البتہ وقف کرتے وقت ہی شرائط ایسی ہوں جن میں عموم ہو' اس کی طرف دھیان رکھنا چاہیئے اور بتانا چاہیئے کہ زندگی کے ان شعبہ جات کے لئے زمین وقف کی جائیں، اور شرائط میں زیادہ سے زیادہ توسع کا خیال رکھا جائے' لیکن جو اوقاف ہو چکے ہیں اور ان کی جہتیں متعین ہو چکی ہیں' ان میں رد و بدل کی گنجائش نہیں ہے۔

اعمال خیر جن کے لئے اوقاف ہوتے ہیں یا ہوتے

باقی ص ۲۴ پر دیکھئے

شیخ شرف الدین بوعلی قلندر

از
فاضلِ گرامی مولانا سعید احمد اکبرآبادی رکن شوریٰ دارالعلوم کی ایک ریڈیائی تقریر

حضرت شیخ شرف الدین جنہیں دنیا بوعلی قلندر کے نام سے جانتی ہے اور جن کا مزار مبارک بلاتفریق مذہب وملت عوام وخواص کی امیدگاہ ہے ۱۲۰۶ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام سالار فخر الدین تھا جو خود بہت بڑے درویش اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے بیعت تھے، والدہ کا نام جمال بی تھا یہ قرآن مجید کی حافظ اور بڑی عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں۔

مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے روتا ہوا ہوتا ہے، لیکن حضرت بوعلی قلندر کی بات کچھ دوسری ہی تھی۔ انھوں نے دنیا میں قدم رکھا تو برابر روتے ہی رہے، تیسرے دن مکان پر ایک چرم پوش درویش آیا اور اس نے شیخ فخر الدین سے کہا "مبارک ہو لڑکا ہوا ہے" میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں شیخ درویش کو گھر میں لے آئے، اب درویش نے بچہ کو دیکھا تو اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر دونوں کانوں میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ کر دم کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ رُخ جدھر بھی کرو خدا ادھر ہی ملیگا، اس آیت کا دم ہونا تھا کہ بچہ کا رونا بند ہوگیا، آنکھیں کھل گئیں اور ہونٹوں کی جنبش شروع کردی، درویش نے شیخ فخر الدین کو خوشخبری دی کہ یہ بچہ خدا کا عاشق زار ہوگا درویش اتنا کہہ نظروں سے اوجھل ہوگیا اور پھر کبھی نظر نہ آیا۔

حضرت قلندر صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی پائی اور اپنے زمانہ کے مروجہ علوم وفنون میں کمال پیدا کیا فارسی آپ کی مادری زبان تھی شعر وشاعری سے لگاؤ فطری تھا۔ محبوب حقیقی کے عشق ومحبت نے اس شراب کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ کردیا تھا۔ آپ نے عمر کے چالیس برس اپنے وطن میں گذارے اس کے بعد دہلی پہونچ کر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں حاضر ہوئے اور مسجد میں پہونچ کر دوگانہ شکر ادا کیا۔ اب آپ نے قطب مینا کے اسی علاقہ میں مستقل سکونت اختیار فرماکر مسجد قوۃ الاسلام میں درس وتدریس اور افتاء کا مشغلہ شروع کردیا، آپ کے علم وفضل کی شہرت پہلے سے تھی اب یہاں درس کا سلسلہ جاری فرمایا تو ارباب علم ودانش کے حلقوں میں دھوم مچ گئی اور آپ ان سب کے مقتدا اور پیشوا بن گئے، حکومت وقت نے آپ کی عظمت علم اور

وسعتِ نظر کا اعتراف اس طرح کیا کہ آپ کو منصب قضا پیش کیا اور آپ نے خلق خدا کی خدمت اور عدل وانصاف کی روایات کو قائم کرنے کی غرض سے اسے قبول فرمالیا اور کم وبیش بیس برس تک اس منصب پر فائز رہے۔

لیکن اب حضرت شیخ کی طبیعت میں اچانک ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا، عشق ومحبتِ خداوندی کی آگ قلب وجگر میں اس زور سے بھڑکی کہ جی دنیا کی ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا، علم وفن، شہرت ومقبولیت، جاہ ومنصب دولت وامارت ہر چیز بے حقیقت اور فریب چشم وحواس نظر آنے لگی، عقیدتمندوں نے ہزار روکا لیکن آپ ہر چیز چھوڑ چھاڑ اور غیر اللہ سے دامن جھاڑ یکایک دہلی سے نکل پڑے اور جنگل کی راہ لی، شب جمنا کے کنارہ پر بسر کی اور جب صبح ہوئی تو جتنی کتابیں ساتھ تھیں سب دریا برد..... کردیں کہ

اس دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

اور اب پانی پت پہونچ کر یہاں مستقل طور پر قیام پزیر ہوگئے۔

حضرت قلندر صاحب علم ظاہر کے ساتھ علم باطن شریعت کے ساتھ طریقت ومعرفت کے آشنا اور شناس شروع ہی سے تھے چنانچہ حکمنامہ میں خود آپنے ن کے مطابق جب وہ دہلی میں تھے تو ایک دن تمام علماء اور مشائخ نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر کہا کہ ہم سب سے زیادہ بزرگ اور افضل آپ ہیں، اسی طرح شاہان وقت بھی آپ کے قیام گاہ پر حاضر ہوکر آستاں بوسی کرتے تھے لیکن اب آپ دار السلطنت دہلی کو خیرآباد کہہ کر پانی پت تشریف لائے تو عالم ہی دوسرا تھا، اب عشق ومحبت الٰہی اور اس کے باعث جذب وشوق اور محویت وفنائیت کا اس درجہ شدید غلبہ تھا کہ ایک محبوب حقیقی کے سوا ہر چیز فراموش ہوگئی تھی۔ آپ کی یہی وہ صفت تھی جس کی وجہ سے دنیا آپ کو قلندر کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔

غم زندگی، سم زندگی، رم زندگی، دم زندگی
غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شانِ قلندری

جب عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے تو قدرت کی پیدا کی ہوئی ہر چیز میں اسے اپنے محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے اور وہ مذہب وقومیت اور رنگ ونسل سے بلند وبالا ہوکر ہر انسان سے محبت کرتا ہے اور انسان نہیں جانوروں اور پرندوں تک سے محبت کرتا ہے کیونکہ یہ سب بھی تو آخر بنائے ہوئے اسی ایک دست محبوب کے ہیں اور اگر محبت دل سے ہو اور سچی ہو تو اس کا عمل کبھی یک طرفہ نہیں ہوتا بلکہ دو طرفہ ہوتا ہے اس بنا پر حضرت قلندر صاحب ہر ایک کے لئے سراپا محبت تھے تو اسی طرح سب لوگ مذہب وملت کے امتیاز کے بغیر ان پر فدا تھے، بلکہ واقعات بتاتے ہیں کہ چرند وپرند بھی آپ کے نام کے عاشق تھے

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت قلندر صاحب فارسی زبان کے بلند پایہ اور صاحب دیوان شاعر بھی تھے آپ کا پورا دیوان پڑھ جائیے قدم قدم پر آپ کو سرشاری ومستی، بےخودی وخود فراموشی محویت واستغراق کے مناظر نظر آئینگے خود عشق بذات خود ایک طریق زندگی ہے اس کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوتا

پروانہ چراغ حرم ودیر نداند

حضرت قلندر صاحب کا اصل مسلک حیات عشق تھا اور وہ اسی کی دعوت دیتے اور اسی کا پرچار کرتے تھے۔ مثنوی میں ایک جگہ فرماتے ہیں

تا توئی کے یار گردد یار تو
چوں نباشی یار باشد یار تو
تو نباشی اصل کار اینست وبس
تو درو گم شو وصال اینست وبس

یعنی جب تک تم اپنی ہستی کو فنا نہیں کر دو گے تمہارا محبوب تمہارا نہیں ہوگا۔ حضرت قلندر صاحب کے نزدیک جس کو مذہب جنت دوزخ کہتا ہے اس کی حقیقت بھی محبوب کے وصال اور فراق سے زیادہ نہیں ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

بہشت مقام وصال ست با دوستان
دوزخ مقام فراق ست بر دشمنان

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

اے بھائی! عاشق ہوجا، دونوں جہانوں کو معشوق کا حسن سمجھو اور خود اپنے آپ کو بھی معشوق کا حسن جانو معشوق نے یہ سارا عالم اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کا آئینہ بنیں وہ اپنے حسن وجمال کا نظارہ کرے۔

حضرت قلندر صاحب کے نزدیک یہ سارا کارخانہ وجود و عدم بجز راز و نیاز حسن و عشق کے اور کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا اور پھر حسن و عشق بھی دو چیزیں الگ الگ نہیں ہیں بلکہ جو حسن ہے وہی عشق بھی ہے اور جو عشق ہے اسی کا دوسرا نام حسن ہے۔ چنانچہ قلندر صاحب صانع عالم یعنی خدا کو معشوق کہتے ہیں تو ساتھ ہی اسی کو عاشق بھی مانتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

اے بھائی! دل کی آنکھ کھول اور غور سے دیکھ عاشق (یعنی خدا) نے تمہارے لئے کیسی کیسی چیزیں پیدا کیں اور کیسے کیسے حسین مناظر سے تمہاری نگاہوں کو تازگی اور دلوں کو فرحت بخشی اپنے حسن کا پرتو ہر درخت پر ڈالا طرح طرح کے میوے پیدا کئے اور ہر میوہ کا الگ مزہ رکھا۔

حضرت قلندر صاحب کی ایک غزل ہے عشق و محبت کی آگ میں جلے ہوئے دل و جگر کی امانت دار اور ترجمان! چند اشعار آپ بھی سنئے

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم
گر شبے دست دہد وصل تو از غایت شوق
تا قیامت نشود صبح دمیدن ندہم
گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد
تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم

یعنی مجھے اپنی آنکھوں پر غیرت آتی ہے اس لئے اپنی آنکھوں کو بھی تیرا حسن دیکھنے نہیں دونگا۔ اگر کسی شب میں تمہارا وصال نصیب ہوگیا تو غایت شوق کے باعث قیامت تک صبح کو طلوع نہیں ہونے دونگا اور اگر فرشتہ موت میری روح قبض کرنے کے لئے آیا بھی تو جب تک تمہارا رخ نہیں دیکھ لونگا روح کو پرواز نہیں کرنے دونگا۔

غور کیجئے ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص عشق و محبت حقیقی کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے وہ ساری کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ چنانچہ خود قلندر صاحب کو دیکھ لیجئے عشق کی آگ میں جل بھسم ہوئے، مر مٹے اور فنا ہوگئے اور ۷۲۴ھ میں وہ اس دنیا سے رخصت بھی ہوگئے لیکن کروڑوں انسانوں کے دل پر ان کی محبت اور عقیدت کا سکہ آج بھی چل رہا ہے اور پانی پت میں ان کا مزار مرجع عوام و خواص ہے ہندو، مسلمان اور سکھ اپنی اپنی مرادیں اور تمنا بر لے کر آتے ہیں اور دامن بھر بھر کے واپس ہوتے ہیں

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی)

"روشن چراغ"

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی کی ریڈیو تقریر

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تصوف وسلوک کے سلسلہ چشتیہ کے مرکزی نظام کو جس شخص نے وسیع پیمانہ پر چلا کر اس کو موثر و ہمہ گیر بنایا وہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات تھی۔

۴۳ برس کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے شروع زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت روشن چراغ حضرت سلطان المشائخ کی قیامگاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے حیران، پریشان کھڑے تھے، حضرت سلطان المشائخ بالاخانے سے نیچے اتر رہے تھے کہ شیخ نصیر الدین پر ان کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعے خلوت میں بلا کر کیفیت دریافت کی عرض کیا "درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں"

یہ جواب سن کر حضرت سلطان المشائخ نے ان کی جانب خاص توجہ فرمائی اور ان کی طلب صادق کو اسی کے ساتھ فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا "تمہارا یہ کیا حال ہے اگر اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی تمہیں فارغ البالی میسر ہو جاتی" میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا نظام الدین! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے؟ تو اس کا کیا جواب دو گے، میں نے عرض کیا جو ارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا

نہ ہمراہی تو مرا راہ خویش گیر و برو
ترا سعادتے بادا مرا نگوں ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا اور مجھ سے کہا کہ اس کو سر پر رکھ کر جہاں تمہارا دوست ہے وہاں لے جاؤ میں نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا "تمہیں یہ صحبت اور یہ حال مبارک ہو"

حضرت روشن چراغ نے یہ واقعہ اپنے مرشد سے سنا تو قلب میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہو گئی اور دل وجان سے شب و روز مرشد کی خدمت کرتے رہے، حضرت

شیخ نصیر الدین کو اپنے مرشد سے جو والہانہ تعلق تھا اس کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت محبوب الہیٰ کی خانقاہ میں خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید خواجہ محمد گاذرونی آکر مقیم ہوئے وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو جماعت خانے میں کپڑے رکھ کر وضو کرنے چلے گئے واپس آئے تو کپڑے غائب تھے، ان کی تلاش میں شور کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے ایک گوشے میں ذکر الہیٰ میں مشغول تھے انہیں خیال ہوا کہ اس شور و غوغا سے مرشد کی عبادت میں خلل آئے گا، فوراً خواجہ محمد گاذرونی کے پاس پہونچے اور اپنے کپڑے اتار کر ان کو دیدئے، صبح کو جب یہ واقعہ حضرت محبوب الہیٰ کو معلوم ہوا تو حضرت روشن چراغ رحمۃ اللہ علیہ کو بالا خانے پر طلب کر کے اپنی خاص پوشاک مرحمت فرمائی اور ان کے لئے دعائے خیر و برکت کی کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے لیکن یہاں لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے یاد الہیٰ میں سکونِ خاطر میسر نہ آیا اس لئے امیر خسرو کے واسطے سے مرشد سے درخواست کی کہ ان کو جنگل کی تنہائی میں عبادت کرنے کی اجازت دی جائے حضرت محبوب الہیٰ نے فرمایا "نصیر سے کہو کہ عام لوگوں میں رہو اور مخلوق کی جفاؤں اور ظلم و زیادتی کو برداشت کرو اس ایثار کا بدلہ ملے گا"

چنانچہ آخیر دم تک پیر و مرشد کے اس فرمان پر عمل پیرا رہے کوئی جفا اور قفا ایسی نہ تھی جس سے انہیں واسطہ نہ پڑا ہو لیکن ان کی زبان پر کبھی کوئی حرف شکایت نہیں آیا۔

حضرت چراغ دہلوی کو ارشاد و اصلاح حق کا کام انتہائی نامساعد حالات میں کرنا پڑا۔ دہلی اب علاؤ الدین خلجی کی دہلی نہ رہی تھی اب یہ شہر ایک مطلق العنان بادشاہ کے بدلتے ہوئے افکار تصورات کا بازیچہ بنا ہوا تھا ایسے بحرانی دور میں ایک مرکزی روحانی نظام کو چلانے کے لئے زبردست فکری اور عملی صلاحیتیں درکار تھیں، روشن چراغ ایک مضبوط و مستحکم چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور صبر و ہمت سے کام کرتے رہے باد مخالف کے تیز و تند جھونکے بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکے۔ وقت کے اقتدار اعلیٰ سلطان محمد تغلق نے انہیں طرح طرح سے پریشان کیا لیکن انہوں نے اپنے مرشد کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کیا اور شب و روز اصلاح و تربیت اور خدمت خلق کے کام میں لگے رہے۔

حضرت روشن چراغ دردمندیٔ خلق اور مہر و محبت کی نورانی تصویر تھے، ان کے کردار و اخلاق کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک ہی واقعہ کافی ہے۔

خیر المجالس جو حضرت کے ملفوظات و فرمودات کا نہایت مستند مجموعہ ہے اس کے تکملہ میں درج ہے کہ ایک روز ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جماعت خانہ سے حجرۂ خاص میں تشریف لے گئے حضرت کے یہاں کوئی دربان نہیں رہتا تھا ان کے خادم خاص ان کے بھانجے شیخ زین الدین علی تھے وہ بھی کبھی خلوت میں موجود ہوتے تھے کبھی نہ ہوتے تھے۔ شیخ مشغول اور مراقبے کی حالت میں تھے کہ دفعتاً ایک بے باک قلندر جس کا نام تراب تھا خلوت میں آ پہونچا اس کے پاس ایک چاقو تھا اس نے شیخ پر چاقو سے وار کرنے شروع کر دئے، شیخ کے جسم مبارک پر اس نے گیارہ وار کئے حضرت استغراق کی حالت میں تھے مطلقاً بچاؤ نہیں کیا وہاں ایک نالی تھی جس سے خون مبارک باہر نکلنا شروع ہو گیا بعض مریدوں نے دیکھا تو اندر آئے کیا دیکھتے ہیں کہ قلندر چاقو کے مسلسل وار کر رہا ہے اور حضرت جنبش

تک نہیں کرتے ارادت مندوں نے چاہا کہ اس بدبخت کو سخت ایذا پہونچائیں مگر حضرت نے گوارا نہ کیا اور قلندر کو نہ چھوڑا کہ ایسا نہ ہو اس کو کوئی کسی طرح کی تکلیف پہونچائے، عبدالمقتدر تھانیسری کہ مریدانِ خاص میں تھے اور شیخ صدرالدین طبیب اور خادم خاص زین الدین علی کو اپنے پاس بلایا اور قسم دی کہ کوئی شخص قلندر کو ضرر نہ پہونچائے اس کو خاص انعام دیا اور فرمایا شاید چاقو مارنے میں اس کے ہاتھ کو تکلیف پہونچی ہو، سبحان اللہ اہل بصیرت کو ان کے حسن سیرت اور اعلیٰ کردار کا اندازہ ہونا چاہئے کہ زندگی میں تسلیم ورضا کا کتنا اعلیٰ مقام اور درجہ رکھتے تھے اس حادثہ کے تین سال بعد ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۵۶ء کو حضرت روشن چراغ نے وصال فرمایا، ان کا وصال درحقیقت چشتیہ سلسلے کے دور اول کا خاتمہ تھا اور اس کی تاریخ کا وہ دور جو خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے شروع ہوا تھا اپنی غیر معمولی خصوصیات کے ساتھ ختم ہو گیا

تاریخ کا یہ عجیب واقعہ ہے کہ جس وقت چشتیہ سلسلے کا دور اول ختم ہوا اسی وقت سلطنت دہلی نے بھی دم توڑا اگر ایک طرف حضرت چراغ دہلی کے وصال کے بعد سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام ختم ہو گیا تو دوسری طرف فیروز شاہ کے انتقال ۱۳۸۸ء کے بعد سلطنت دہلی کی مرکزی حیثیت بھی فنا ہو گئی صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں اور دہلی کی امتیازی شان جاتی رہی حضرت روشن چراغؒ کے ملفوظات و ارشادات کے مجموعے خیر المجالس کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے اور جو نہایت قابل توجہ ہے کہ اس میں اس وقت کے حالات کا جائزہ امیروں کے نقطۂ نظر سے نہیں غریبوں کے زاویۂ نگاہ سے لیا گیا ہے اس دور میں مشترکہ تہذیب کی داغ بیل جس طرح پڑی اور سماج کے جن حلقوں سے اس کو تقویت پہونچی اس کی تفصیل بھی ان ملفوظات میں ملتی ہے اس زمانہ میں ہندوستان میں اگر کوئی جگہ ایسی تھی جہاں سماج کے ہر طبقے اور ہر مذہب کے لوگ بے جھجک اور بے روک ٹوک جمع ہو سکتے تھے تو وہ انہیں صوفیائے کرام کی خانقاہیں تھیں ان بزرگوں نے سماج کے صحتمند عناصر کو ابھارنے اور اخلاقی قدروں کی فضیلت واہمیت دل نشین کرنے کے لئے جو جدوجہد کی تھی اس کی پوری تفصیل "فوائد الفواد" اور "خیر المجالس" وغیرہ ملفوظات میں ملتی ہے۔ احترام انسانیت کی تلقین، اخوت ومساوات کی تعلیم، خدمت خلق کے لئے ایک جذبۂ بے تاب ذخیرہ اندوزی کی مذمت اور اسی طرح کی دوسری تعلیمات سے ان ملفوظات کے صفحات مزین ہیں۔

آخر میں یہ بھی سنتے جائیے کہ حضرت شاہ نصیر الدین کا لقب چراغ دہلی کیوں ہوا۔ تاریخوں میں مذکور ہے کہ رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کی اصلاح وتربیت اور رشد وہدایت کی شہرت دور دور پھیل گئی جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے ایک موقعہ پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے پھر بھی ان کی برکات کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں موجود ہے ان کی ذات بابرکات نہایت مغتنم ہے وہ "چراغ دہلی" ہیں حضرت سید جلال الدین بخاری نے یہ سنا تو ان کو حضرت شاہ نصیر الدین سے ملنے کا اشتیاق ہوا وہ مکہ معظمہ سے آئے اور حضرت کی قدم بوسی کرکے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اسکو بیان کیا اس کے بعد سے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب

چراغ دہلی" ہوگیا۔

عام لوگوں میں اس کے متعلق ایک اور روایت بھی مشہور چلی آرہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود نے اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل میں باؤلی کی تعمیر کی نگرانی کا کام سنبھالا تو اس کی تمام ذمہ داریاں مثلاً معماروں اور مزدوروں کی فراہمی ان پر کام تقسیم کرنا اور ان سے کام لینا بھی شامل تھا سلطان محمد تغلق بادشاہ کو چونکہ آپ سے خلش تھی اس نے اہل کار طل کی معرفت خاص حکمت عملی سے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور مختلف تعمیری منصوبوں کے تحت تمام معماروں اور مزدوروں کو شاہی تعمیرات پر کام کرنے کے لیے متعین کردیا ادھر شاہ نصیرالدین کے ساتھ عوام کے جوش عقیدت کا یہ عالم تھا کہ تمام کاریگروں نے اپنے اوپر محنت شاقہ برداشت کی اور شیخ سے عرض کیا کہ ہم سب رات میں کام کرکے باؤلی کی تعمیر مکمل کرینگے چنانچہ رات میں تعمیر کا کام شروع ہوگیا شہنشاہ وقت کو یہ خبر ہوئی تو اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑگئیں اور دوکانداروں کو اس پر آمادہ کردیا گیا کہ تیل کی فروخت بند کردیں مزدور اور معمار معمول کے مطابق کام پر آئے لیکن اندھیرے کی وجہ سے کام شروع نہیں کرسکے اس کی خبر حضرت سلطان نظام الدین کو ہوئی تو آپ نے شیخ نصیرالدین کو کہلا بھیجا کہ چراغوں میں پانی بھر کر جلائیں، چراغوں میں پانی بھرا گیا اور حضرت شیخ نصیرالدینؒ کے جلانے پر تمام چراغ روشن ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد سے آپ روشن چراغ مشہور ہوگئے۔

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو)

صفحہ ۱۷ کا بقیہ

(اوقاف اور ان کا تحفظ)

رہے ہیں یا ہونے چاہیئے یہ ہیں :-

مسافروں کے لئے سرائے بنوانا، مکہ مکرمہ میں حاجیوں کے ٹھہرنے کے لئے رباط بنانا، مجاہدین کے لئے سرحد پر چوکیاں بنوانی، کنواں کھودوانا نل لگانا، دینی مدارس کی تعمیر تاکہ غریب طلباء علم دین حاصل کرسکیں، پیاسوں کے لئے پانی پینے پلانے کا معقول نظم کرنا، چوپائے کے پانی پینے پلانے کے لئے حوض بنوانا، طلبۂ دین کے وظائف جاری کرنا، پل سڑکیں بنوانا، راستہ چلنے والوں کے لئے پانی کا نظم کرنا، طبیہ کالج اور میڈیکل بنوانا، شفاخانہ کھولنا جہاں بیماروں کے علاج کا انتظام ہو اور آمدنی ان سب عمارتوں اور ضرورتمندوں پر وقف کرنا، نگران تمام اوقاف کے آخر میں فقراء کی شرط کا رکھنا بھی ضروری ہوگا تاکہ دوام کی شرط پوری ہوسکے۔

یہ چند چیزیں ہیں جو اس وقت زبان قلم پر آگئی ہیں اور بھی ضرورتیں ہیں کہ ان کے لئے بھی وقف ہوسکتا ہے عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ جو لوگ دوسری ضرورتیں پیش کرتے ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ خود یا اپنے حلقہ اثر سے وہ ان ضرورتوں پر وقف کرائیں اسلئے کہ پہلے وقف شدہ اوقاف میں ناجائز تصرف کا کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے

موجودہ حالات میں اوقاف کی حفاظت بذریعہ بیمہ کرنے کی بھی گنجائش ہے کیونکہ بعض علاقوں میں اس کے سوا حفاظت کی کوئی متیقن صورت باقی نہیں رہ جاتی ہے، چنانچہ گذشتہ دلوں میں مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ نے اپنے ایک اجتماع میں جان و مال کی حفاظت کے لئے بیمہ کی صراحتاً اجازت دی

انگلینڈ میں مشتبہ اموات کے متعلق

طریقہ اور مسئولہ حال

چند سوالات اور اُن کے جوابات

(از حضرت مولانا محمد میاں صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع مسائل ذیل میں کہ یہاں انگلینڈ میں جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اگر اس پر پولیس والوں کو شبہ ہو جائے کہ یہ اپنی قدرتی موت سے نہیں مرا ہے بلکہ اسکو کسی نے مار ڈالا ہے یا اس نے خودکشی کی ہے ان صورتوں میں پولیس لاش کو اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے اور اس لاش کو فریز میں یعنی برف جیسی ٹھنڈی جگہ میں رکھ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس میت کے بارے میں پولیس والے اپنی تفتیش پوری نہ کرلیں اور اس تفتیش میں کبھی ایک مہینہ اور کبھی دو تین مہینے بھی گذر جاتے ہیں اور اس دو تین مہینہ کے طویل عرصہ کے دوران یہ لاش بلا غسل اور بلا نماز جنازہ کے اس فریز میں برف کے مانند پڑی رہتی ہے اگر فریز میں نہ رکھی جائے تو اتنے عرصہ میں لاش پھول جائے اور پھٹ جائے۔ اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب لاش پھول جائے یا پھٹ جائے تو اس پر نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔ اور باوجود فریز میں رکھنے کے لاش خراب اور بوسیدہ تو ہو ہی جاتی ہے لیکن فریز میں ٹھنڈک کی وجہ سے برف کی طرح جمی رہتی ہے اور یہ تجربہ ہوگیا ہے کہ جب تین مہینے کے بعد فریز میں سے نکالی گئی تو اتنی بوسیدہ ہوگئی کہ پانچ منٹ بعد اس لاش کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے اس وجہ سے اسے غسل دینا تو کسی صورت میں ممکن ہی نہیں ہاں تیمم کرا سکتے ہیں لیکن وہ بھی صحیح طور سے نہیں کیونکہ اگر ہاتھ ذرا دبا کر پھیرا جائے تو کھال مع گوشت کے چورا چورا ہو جائے۔ ایسے واقعات یہاں دو تین ہو چکے ہیں؛ تو مذکورہ صورت میں اتنی طویل مدت کے بعد اس لاش پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے میت کی لاش کے بارے میں پولیس والوں سے یہ کہہ کر کہ ہمارے مذہب میں میت کو غسل دینا اور نماز جنازہ پڑھنا ہم پر ضروری ہے اگر غسل نہ دیا جائے اور نماز جنازہ نہ پڑھی جائے تو بستی کے سارے مسلمان گنہگار ہوتے ہیں اور دو تین مہینے کے بعد نماز جنازہ پڑھنا مذہب کی رو سے جائز نہیں ہے لہٰذا لاش ہمیں دیدو ہم اسلامی طور پر غسل دیکر نماز جنازہ پڑھ

کہ لاش تمہارے سپرد کر دینگے اس پر پولیس والے راضی ہو کر لاش اس شرط پر ہمیں دیدیں اور ہم لوگ اسکو غسل دے کر اور نماز جنازہ پڑھ کر لاش پھر پولیس والوں کے سپرد کر دیں اور پھر تفتیش پوری ہونے کے بعد جب لاش ہمیں دیدیں تو ہم اسے دفن کر دیں تو ایسا کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں۔

(۳) یہاں بیشتر لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، اس پوسٹ مارٹم کے بعد اس لاش میں سے خون نکلتا رہتا ہے اور بعد غسل کے کفن بھی خون آلود ہو جاتا ہے جس سے کفن ناپاک ہو جاتا ہے اور میت پر نماز صحیح ہونے کے لئے کفن کا پاک ہونا بھی شرط ہے تو ایسے خون آلود کفن والے میت پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہ ہو تو کیا خون بند ہونے کا انتظار کیا جائے یا نہیں کیونکہ انتظار کرنے کی صورت میں میت کے دفن کرنے میں ایک دو روز کی تاخیر ہو جاتی ہے تو کیا دفن کرنے میں ایک دو روز کی تاخیر کی جائے؟ — بینوا و توجروا

العارض

ناظم مسلم سوسائٹی ٹنی ٹن۔ وار ویک شائر (یو۔ کے)

جوابات

(۱)

جس مردہ کو نماز پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہے اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ جب تک غالب گمان یہ ہے کہ لاش پھٹی نہیں ہے اور اس کے اعضاء الگ الگ نہیں ہوئے ہیں اس وقت تک اس کی قبر پر نماز پڑھی جا سکتی ہے اور جب غالب گمان یہ ہو جائے کہ اس کی لاش پھٹ کر اس کے اعضاء بکھر گئے ہیں تو اس پر نماز جنازہ جائز نہیں رہتی اسکے لئے کسی مدت کی حد نہیں ہے۔ اگر آب و ہوا اور زمین کی نوعیت ایسی ہے کہ ایک ماہ بعد بھی غالب گمان یہی ہے کہ لاش پھٹی نہیں ہے تو ایک ماہ بعد بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے، یہاں لاش سامنے ہے۔ اور پھٹی نہیں تو اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں خواہ کتنے ہی دن گذر جائیں

وان دفن بغیر صلوٰۃ صلی علی قبرہ ما لم یغلب علی الظن تفسخہ (تنویر الابصار) ردالمحتار ج ۱ ص ۸۲۸ من غیر تقدیر ھو الاصح (الدر المختار) لانہ یختلف باختلاف الاوقات حراً وبرداً والمیت سمنا وھزالاً۔ والامکنۃ (بحر) وقیل یقدر بثلاثۃ ایام وقیل عشرۃ وقیل شہراً (ردالمحتار ج ۱ ص ۸۲۸)

وتفسخہ ای تفرقت اعضاءہ عضوا عضوا

ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۵ (فصل فی البیر)

یہاں جب لاش سامنے ہے اور ظن غالب نہیں بلکہ مشاہدہ ہے کہ وہ پھٹی نہیں ہے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے خواہ کتنے ہی دن گذر گئے ہوں۔

واللہ اعلم بالصواب

(۲) جائز ہے! اھون البلیتین یہی ہے کہ جہاں تک امکان میں ہے اپنے فرض سے جلد سے جلد فراغت ہو جائے قال فی الدر المختار۔ (ویسرع فی جہازہ) ردالمحتار ج ۱ ص ۸۹۹

(۳) غسل دینا اور پاک کفن پر کفنانا ضروری ہے غسل دینے اور کفنانے کے بعد نجاست خارج ہوئی یا خون بہے جس سے کفن ناپاک ہو جائے تو مجبوری ہے اسی حالت میں اس پر نماز پڑھی جائیگی

اذا تنجس الکفن بنجاسۃ المیت لا یضر دفعا للحرج بخلاف الکفن المتنجس ابتداءً وکذا لو تنجس بدنہ بما خرج منہ ان کان قبل ان یکفن غسل وبعدہ لا۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۲۱۲)

کتبہ العبد الضعیف (محمد میاں)

قسط ۳

تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

مولوی محمد احمد سنبلی فاضل جامعہ وصیۃ العلوم الہ آباد

فضائل ، مناقب ، کمالات

(۲۴) قرآن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-
قرآن چار حضرات سے حاصل کرو (۱) عبداللہ بن مسعود رضؓ (۲) سالم رضؓ (۳) معاذ بن جبلؓ (۴) اُبی ابن کعب رضؓ ، [1]

حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کا معمول تھا کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بار قرآن مجید کا دور کرتے تھے لیکن وفات کے سال اُسی ماہ میں دو بار دور کیا اور ان دونوں دوروں میں حضرت (عبداللہ) ابن مسعود رضؓ موجود تھے [2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ستر سورتیں خاص مہبط وحی و الہام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دہن مبارک سے سُن کر یاد کی تھیں ۔ [3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب اور کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے فرمایا کرتے تھے کہ :-

" اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا "

ایک دفعہ مجمع عام میں فرمایا کہ " تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں گو سب سے بہتر نہیں ہوں "

حضرت شقیق رضؓ اس مجمع عام میں موجود تھے وہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہؓ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود رضؓ کے دعوی کا منکر نہیں پایا [4]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے ۔ [5]

(۲۵) قرأتِ قرآن

قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا صحاح

میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرأت میں "ابن ام عبدؓ" یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کی پیروی کی جائے، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ رضؓ نماز میں سورۂ نساء کی تلاوت فرما رہے تھے کہ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے ساتھ مسجد تشریف لائے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا

"(جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائیگا (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا۔"

پھر ارشاد فرمایا:۔

جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اس طرح تروتازہ پڑھنا سیکھے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس کو قرأۃ ابن ام عبدؓ کا اتباع کرنا چاہیئے۔

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اُن کے پاس تشریف لائے کہ بشارت اور تہنیت دیں تو پوچھا کہ:۔

"رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟"

فرمایا میں نے کہا:۔

اے خدا! مجھے ایسا ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو اور خُلد بریں میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی رفاقت نصیب کر سے

عبداللہ بن مسعود رضؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سناؤ میں نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی پر نازل ہوا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو سناؤں! حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں، میں نے امتثال حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۂ نساء پڑھنا شروع کی، میں جب اس آیت پر پہونچا فکیف اذا جئنا الخ تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں سے

بخاری کے شارح محقق علامہ عینی رح نے لکھا ہے:

اس میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ کی کھلی ہوئی فضیلت ہے (نیز ایک بصیرت افروز بات یہ بھی ہے کہ) جب حضرت عبداللہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی تو ہمارے آقا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ قرآن کریم جیسا نازل ہوا ہے اُسی طرح پڑھے، تو چاہیئے کہ حضرت عبداللہ رضؓ کے طرز پر قرأت کرے سے

(۲۶) تلاوت کلام اللہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ تلاوت کلام اللہ کا بہت ہی شوق رکھتے تھے اور تنہائی کے موقعہ میں عموماً تلاوت کلام اللہ میں مصروف رہا کرتے تھے ۵

(۲۷) تفسیر کلام اللہ

قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب مواقع پر برجستہ آیات قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے ۵

---

۱ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تین کنیت ہیں اپنے والد کے لحاظ سے یہ "ابن مسعودؓ" ہیں اور اپنی والدہ کے لحاظ سے "ابن ام عبدؓ" ہیں کیونکہ ام عبد انکی والدہ کی کنیت اور صاحبزادہ کی نسبت سے "ابوعبدالرحمان" ہیں ۲ مسند امام اعظم بزار دو ایڈیشن ص ۳۱۹ ۳ ایضاً ص ۳۲۲ ایضاً مہاجرین ج ۱ ص ۲۸ ۴ شمائل ترمذی اردو ص ۲۲۶ ۵ عمدۃ القاری ص ۱۴۳ ج ۱۸ ۶ ۷ مہاجرین ص ۲۸۰ و ص ۲۷۸ ج ۱

(۲۸) روایت حدیث میں خوف واحتیاط

الفاظ کی کمی بیشی کے ڈر سے روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے اور بہت کم روایت کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی روایت حدیث میں بہت زیادہ احتیاط کی تاکید فرمایا کرتے تھے حضرت ابوعمرو شیبانی رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعود رض کی خدمت میں حاضر رہا دیکھا کہ شاذ ونادر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے حدیث بیان کرتے تو ان پر خوف وخشیت کے باعث کپکپی طاری ہوجاتی تھی اور فرماتے تھے کہ "ایسا ہی یا اسی جیسا یا اسی کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا [1] آپ جب "قال رسول اللہ" کہتے تو بدن کانپنے لگتا [2]

حضرت عمرو بن میمون رض کا بیان ہے کہ میں ہر جمعرات کو حضرت عبداللہ بن مسعود رض کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا میں نے کبھی ان کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے، ایک دن ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے تو دفعتاً سر جھکا لیا پھر میری نظر ان پر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہیں قمیص کی گھنڈیاں کھلی ہیں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں، گلے کی رگیں پھولی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم یا مثل اس کے [3]

لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خوف واحتیاط کے باوجود صحاح ومسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں چنانچہ آپ کی جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ان میں سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں (بلکہ) خوف کا سبب یہ تھا کہ مبادا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کسی جھوٹ یا غلط بات کی نسبت ہوجائے اور وہ پھیل جائے [4]

(۲۹) آداب روایت

حضرت عبداللہ رض حدیث روایت کرتے وقت نہایت مودب متین اور سنجیدہ بنجاتے تھے اور اسطرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت، اور مومنین، وسبحان رب العزت کے سوال وجواب کا تذکرہ تھا حدیث ختم کرکے متبسم ہوئے اور فرمایا تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں! ؟ لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنستے ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تبسم فرمایا تھا [5]

(۳۰) فقہ

حضرت ابراہیم نخعی رح کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رض کے فتاویٰ کا نہایت کافی ذخیرہ تھا جو اُن کو تمام تر زبانی یاد تھا، اُن سے حماد رح نے حاصل کیا اور حماد رح سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کے

---

[1] انوار الباری ص۲۰ ج۱ [2] معارف المشکوٰۃ ص۱۶ [3] انوار الباری ص۲۲ ج۱ [4] مہاجرین ص۲۸۱ ج۱
[5] انوار الباری ص۲۰ ج۱ [6] مہاجرین ص۱۸۲ ج۱

حصہ میں آیا جنھوں نے اپنے علم و اجتہاد سے اس قدر اسکو وسعت دی کہ آج اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض برکات سے مالامال ہے [1]

(یہی وجہ ہے کہ) حضرت امام اعظم رح نے بعد خلفاء اربعہ رض کے آپ کی روایات کو تمام صحابہ رض میں معیار جانا اور اپنے مذہب کی زیادہ تر بنیاد انہی کے کلام پر رکھی کیونکہ فقاہت و علم کے میدان میں آپ کا قدم مضبوط ہے، عالمانہ درک میں آپ سب سے زیادہ سربلند ہیں [2]

حضرت مولانا محترم محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے تو بہت ہی صاف طور سے لکھا ہے کہ:۔

> حضرت عبداللہ بن مسعود رض ارباب نصوص اور اہل کمال میں سے تھے اسی لئے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رح آپ کے قول کو خلفائے راشدین کے علاوہ تمام صحابہ رض پر مقدم فرماتے تھے [3]

(۲۱) اجماع

اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکر صدیق رض و حضرت عمر فاروق رض کا خاص طغرائے امتیاز ہے تاہم اصولی حیثیت سے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا کہ

جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو بُرا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بُری ہے [4]

(۲۲) قیاس

اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کردی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کردئے جو آج ہمارے اصول فقہ کی بنیاد ہیں [5]

(۲۳) نامعلوم مسائل میں خموشی

ایک طرف تو انکی قوت اجتہاد و جلالت شان کا یہ حال تھا لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہیں لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے بلکہ صاف کہدیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔

حضرت مسروق رح جو آپ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض اکثر حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جب کہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے قیاس کرلیں گے [6]

---

[1] ایضاً ص۲۸۳ ج ۱ [2] مسند امام اعظم رح اردو ایڈیشن ص۲۱۸ [3] تعلیق الصبیح ص۱۵۲ ج ۲
[4] [5] مہاجرین ص۲۸۳ و ص۲۸۴ ج ۱ [6] ایضاً ملخصاً ص۲۸۸ ج ۱

تلخیص و ترجمہ

ایک عالمی طبّی کانفرنس

بعض مسائل حاضرہ پر بحث

از ڈاکٹر محمد حسن محمود سعید — ترجمہ مولوی محمد ایوب صاحب اصلاحی

دُنیا چاند تک پہونچ جانے کے خواب کی تکمیل پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی اور اپنی اس عظیم فتح کے نشہ میں مستقل سرشار رہے گی،

دل کے مشہور سرجن ڈاکٹر وادا نے ایک اخبار میں لکھا کہ "اس صدی میں انسان کی سب سے بڑی کامیاب علمی تحقیقات دو ہیں' (۱) چاند تک پہونچنا (۲) ایک شخص کا دل دوسرے شخص کے سینے میں لگا دینا"۔ میں یہاں چاند تک پہونچنے کے بارے میں کوئی گفتگو نہ کرونگا کیونکہ دنیا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے اور اس کے اسپشلسٹ مجھ سے بہتر اس موضوع پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ البتہ میں دوسرے جز یعنی "دل کی قلم کاری" کو اپنی گفتگو کا موضوع بنانا چاہتا ہوں۔

اولاً تو ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میں نے اُسے بہت قریب سے دیکھا ہے، بلکہ بہت سے کامیاب آپریشنوں میں حسن کا تجربہ (میڈریڈ) کے .... (concepcion) اسپتال میں کنتول پر کیا گیا شریک رہا ہوں، دوسرے یہ کہ مجھے اس اولین عالمی کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا ہے جس میں ستترہ ملکوں کے نمائندے شریک تھے اور جس کا موضوع بحث صرف دل کا بدلنا نہ تھا بلکہ دیگر اعضاء مثلاً پھیپھڑے، گردے، آلات ہضم، نظام اعصاب وغیرہ کا بدلنا بھی زیر بحث تھا، اس کانفرنس میں دنیا کے ممتاز ماہرین کے ساتھ علمائے شریعت ماہرین قانون اور شریعت کے مزاج آشنا ڈاکٹر اور مذہبی لوگ بھی موجود تھے

یہ کانفرنس اسپین کی حکومت کی طرف سے طلب کی گئی تھی اور اس کے منتظم صدر مملکت فرانکو کے عزیز ڈاکٹر مارٹینز (Martinez) تھے جنھوں نے اسپین میں سب سے پہلے دل بدلنے کی خدمت انجام دی، کانفرنس کا آغاز حکومت اسپین کے صدر وزراء، افسران اور سربراہان کلیسا کی موجودگی میں ہوا، اس کانفرنس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں دو سو سرکاری نمائندوں کے علاوہ اس سے کئی گنا زیادہ سامعین و مشاہدین تھے اور اسپین

کی پوری صحافت کانفرنس کی تجاویز اور اس کی کارروائیوں کی رپورٹ لینے میں مشغول رہتی ہے، اس سادہ سی رپورٹ میں وہاں جو کچھ ہوا اس کا خلاصہ پیش کروں گا اور ان باتوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے مجھے ایک عرب مسلمان ہونے کی حیثیت سے آمادہ کیا کہ میں اس معاملہ کو اہمیت دوں اور اس کانفرنس کی روداد لکھوں

کانفرنس کو آٹھ گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا ان میں ایک گروپ قانونی تشریح کا بھی تھا اس کے نمائندوں کی تعداد بارہ تھی ان میں زیادہ تر جج اور بیرسٹر تھے، جو وزارت انصاف کی طرف سے اس لئے مقرر کئے گئے تھے کہ وہ اعضاء کی قلم کاری کے مسئلہ پر قانونی حیثیت سے غور کریں اور ارباب مذاہب کی رایوں کی روشنی میں اس کے مسائل کا استنباط کریں چنانچہ اس غرض کے لیے مختلف مذاہب کے نمائندوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، کیتھولک فرقہ کی طرف سے علماء کی ایک تعداد آئی تھی جس کے سربراہ روم کے [illegible] اور فرانس کا وہ راہب تھا جس کے دل کی پیوندکاری کی گئی تھی، اسی طرح آرتھوڈکس اور پروٹسٹنٹ کے بھی بہت سے نمائندے آئے تھے یہودی مذہب کی طرف سے حاخام میڈرڈ اور تل ابیب کے حاخام اکبر بھی تھے، حکومت اسپین نے مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے مراکش دعوت نامہ بھیجا کہ وہاں سے اسلام کے نقطۂ نظر کی نمائندگی کرنے والے علماء بھیجے جائیں، چنانچہ وہاں سے شریعت کالج کے دو پروفیسر آئے، اس کانفرنس میں نگاہیں مذہبی شخصیات اور ان عام مشاہدین کی طرف لگی ہوئیں تھیں جو دل کی پیوندکاری جیسے پیچیدہ مسائل کو تو نہیں سمجھ سکتے تھے لیکن اس بارے میں مذہب کی رائے جاننا چاہتے تھے اس سے اسپین کے عوام کی مذہب سے عقیدت اور کلیسا کی تعلیمات کی پابندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اس کے لئے یہ مثال کافی ہوگی کہ جیسے ہی پوپ نے مانع حمل گولیوں کے خلاف اپنی رائے شائع کی تو بازاروں اور کارخانوں سے اس کی گولیاں اس طرح غائب ہوگئیں کہ تلاش کرنے پر بھی نہ مل سکتی تھیں، حالانکہ اس سے پہلے وہ بہت عام تھیں۔ عوام کی طرح ڈاکٹروں کو بھی مذہب کے فیصلے معلوم کرنے سے بڑی دلچسپی تھی تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔

اس مسئلہ میں ارباب مذاہب کے فیصلوں کی بڑی اہمیت تھی اس لئے ضروری تھا کہ میں کانفرنس سے پہلے بحیثیت ایک مسلمان کے مسلم مندوبین سے ملاقات کرکے کانفرنس میں زیر بحث موضوعات کے بارے میں ان کی رائے معلوم کروں کیونکہ یہ جو کچھ کہیں گے اخبارات میں شائع ہوگا، کانفرنس میں پیش ہوگا مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہونگے، لیکن مجھے یہ معلوم کرکے سخت تعجب ہوا کہ ایک صاحب نے کانفرنس شروع ہونے سے دو تین روز پہلے اپنی آمد کی اطلاع دی ہے اور دوسرے صاحب کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوسکا حالانکہ دعوت نامے کانفرنس شروع ہونے سے دو مہینے پہلے بھیج دئے گئے تھے، یہ لوگ اگرچہ اسلامی شریعت کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے مگر کچھ ایسے دقیق طبی مسائل بھی درپیش تھے جن سے واقف ہونا ضروری تھا تاکہ ایک مسلمان عالم ان کے بارے میں اپنے مذہب کا صحیح فیصلہ بتا سکے،

بلشیا کی حالیہ کانفرنس میں دل کی پیوندکاری کے متعلق مجمل طریقہ سے بحث ہوئی تھی لیکن اس کانفرنس میں نمائندگان مذاہب کو زیر بحث سوالات کا معقول اور مفصل جواب دینا تھا، حسن اتفاق سے اس وفد میں مجھے بھی شریک ہونے کا موقع ملا، چنانچہ

میں نے تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے اپنے خیالات رکھے اور طبی امور کی وضاحت کی اور کل مباحثوں میں حصہ لیا،

سوالات یہ تھے،

(۱) زندہ آدمی کے دوہرے اعضاء مثلاً گردے اور پھیپھڑے میں سے کسی ایک عضو کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچنا یا ہدیہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) کسی مردہ آدمی کے اکہرے اعضاء (مثلاً دل اور جگر) کو کسی دوسرے زندہ آدمی کے حوالہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) اگر مرنے والے نے اپنی لاش کے متعلق کوئی وصیت کی ہو تو اس کی حیثیت کیا ہوگی؟

(۴) ڈاکٹروں کی طرف سے موت کے اعلان پر اتفاق یا عدم اتفاق؟

(۵) ان مذہبی رایوں کا احترام جو اعضا کی پیوند کاری کے خلاف ہیں،

(۶) تجربہ کے لئے زندہ آدمیوں کے اندر جزئی یا کلی طور پر اعضاء کی پیوند کاری ممکن ہے یا نہیں؟

(۷) ایسے اشخاص سے معاملہ کی نوعیت کیا ہوگی جو ([illegible]) ہیں یعنی ان کا دماغی مرکز اعصاب بے جان ہو چکا ہے، اور دوسرے اعضا مثلاً دل اور پھیپھڑے وغیرہ زندہ ہیں، طبعی طور پر ایسے لوگوں کے اچھے ہونے کی کوئی توقع نہیں ہوتی اسلئے کہ ان کا مرکزی نظام اعصاب بے جان ہو چکا ہوتا ہے،

(۸) دماغ کو جزئی یا کلی طور سے انسان کے ملد لگانے کے امکان پر غور و خوض، عورت کے غینۃ الرحم اور مردوں کے خصیتین کی پیوند کاری کے عنوانات پر بحث،

مختلف مذاہب کے نمائندوں نے مذکورہ بالا مسائل کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا انکا خلاصہ حسب ذیل ہے

(۱) مسیحی اور یہودی علماء نے زندہ اشخاص کے دوہرے اعضاء میں سے ایک عضو کو کسی دوسرے زندہ شخص کو بلاقید و شرط ہدیہ کر دینے کی اجازت دے دی اور بیع کے متعلق یہود نے کہا کہ وہ ہو سکتی ہے کیونکہ بائع کا شخصی معاملہ ہے، البتہ عیسائیوں میں اختلاف ہو گیا مگر بیع کو جائز ٹھہرانے والی رائے بعض تحفظات کے ساتھ غالب رہی ان کے اکابر علماء میں سے کسی نے کہا کہ جو چیز دی جا سکتی ہے وہ بیچی بھی جا سکتی ہے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ اعلانیہ بیع کی اجازت نہ ہوگی تو خفیہ خرید و فروخت ہونے لگے گی، اس کی انھوں نے یہ مثال دی کہ جہاں فحاشی کے گھروں کے قیام کی اجازت نہیں ہے وہاں خفیہ طور سے کاروبار جاری ہے۔

اس مسئلہ میں ہم لوگوں کی رائے بالکل واضح اور کھلی ہوئی تھی کہ انسان کی زندگی تنہا اس کی ملکیت نہیں بلکہ وہ خدا اور سماج کی ملک ہے اس لئے کسی شخص کو اپنی خواہش کے مطابق اپنے جسم پر کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہے ایسا کرنے میں ضرر عظیم بھی ہے، ہم نے اس مسئلہ میں خودکشی کی مثال دی کہ خودکشی کرنے والا اسلام کی نگاہ میں مجرم ہے، اسے دنیا میں بھی سزا ملی اور آخرت میں بھی وہ جہنم میں جائے گا۔

بیع کے متعلق ہمارا جواب یہ تھا کہ اسلام کی نگاہ میں انسان کے جسم کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی، اسلامی شریعت اسے قطعی ناپسند کرتی ہے اور ہم نے اس پادری کی تردید کی جس نے خفیہ کاروبار کے اندیشے سے بیع کی اجازت کا مطالبہ کیا تھا، ہم نے کہا اسلام شر کا مقابلہ شر سے نہیں کرتا، وہ زنا کی خفیہ اشاعت کے ڈر سے فسق و فجور کے گھروں کی اجازت نہیں دے

سکتا جو مرچکا ہو حرام ہے، عدم جواز بیع کے متعلق ہماری اس رائے پر بڑا ہنگامہ ہوا، کانفرنس کے اکثر لوگوں نے ہماری تائید کی جن میں عالمی شہرت کے ملک ڈاکٹر [illegible] فرانسیسی ایوسان کی بیگم تھیں، انہوں نے توخون کے بیع کی ممانعت کا بھی مطالبہ کیا اور بتایا کہ وہ فرانس میں ممنوع ہے، البتہ خون کا ہدیہ کرنا صحت مند لوگوں کے لئے اختیاری بات ہے،

بیع کی ممانعت اس احتیاط کی وجہ سے ہے کہ لوگ مادی منافع کی خاطر اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں، کچھ لوگوں نے ان کی رائے مسترد کردی اس پر وہ اس قدر ناخوش ہو گئے کہ کانفرنس چھوڑ کر چلا جانا چاہتے تھے۔ انھوں نے مجھے تاکید کی کہ میں عدم بیع کی پوری قوت سے حمایت کروں، بیع کی اجازت کی قرار داد ایک ایسا المیہ ہوگی جس کے نتائج بڑے خطرناک ہونگے

(۲) دوسرے سوال پر کہ مردہ شخص کے اعضاء کو کسی زندہ شخص میں منتقل کیا جائے یا نہیں تو ہر نقطۂ نظر کے لوگ متفق تھے، بشرطیکہ یہ بات قطعی طور [illegible] ہو چکی ہو کہ وہ شخص مرچکا ہے، ہم لوگوں نے یہ ترمیم پیش کی کہ اس کے لئے کسی شخص کا مرجانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری قرار دیا جائے کہ بیمار کے لئے [illegible] علاج کی کوئی اور صورت نہ رہ گئی ہو اور اس [illegible] کی رائے بھی ضرور لی جائے اور [illegible] عضو [illegible] ذمہ دار [illegible] اس کا اسپشلسٹ اور [illegible] تمام آلات و وسائل بھی مہیا ہوں

(۳) لاش کے بارے میں [illegible] وہ مقدس ہے، اس لئے کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی، مگر ان کے [illegible] اکابر نے خاص حالات [illegible] رائے دی مگر [illegible] قرار دی کہ لاش متوفی کے ورثاء اور اقرباء [illegible] حاصل کی جائے، عیسائی علماء کا فیصلہ بھی یہی تھا کہ لاش کسی کی ملکیت نہیں ہے لیکن اگر میت کی کوئی وصیت ہو تو اس کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اور وصیت نہ ہو تو خاندان اور قرابت داروں کی رائے لینا ضروری ہے، اس سلسلے میں ہم اُن سے متفق تھے، مگر اس کی قانونی [illegible] اجازت بھی کردی کہ اسلام میں قرآن، سنت، اجماع، قیاس اور اجتہاد کے ساتھ ایک اور چیز ہے جسے مصالح مرسلہ یا استحسان کہتے ہیں [illegible] تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس پر کوئی عمومی [illegible] اور اس کا قرآن و سنت کے ساتھ کوئی تعارض نہ ہو [illegible] قانونی حیثیت حاصل ہوگی اس بنیاد پر مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ کو یہ حق ہے کہ وہ علمی [illegible] کے لئے ناگزیر لاشوں کو تصرف میں لانے کی اجازت دے سکتا ہے، اس [illegible] ضروری اعضاء کو کاٹ کر محفوظ کرلینے اور بوقت ضرورت انسانی فائدے کے لئے ان کو استعمال کرنے کی بھی اجازت دے سکتا ہے، اس سے مستقبل میں اعضاء کی قلم کاری عام ہوسکتی ہے جس سے صرف دولتمند ہی نہیں بلکہ غریب بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے، اسی طرح زندہ شخص کے دوسرے اعضاء میں سے ایک عضو کو دوسرے زندہ شخص کو دیدینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ہماری اس رائے کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی اور [illegible] دنیا میں فی الواقع یہ ایک انقلابی نظریہ تھا کیونکہ دوسرے مذاہب اس کی اجازت نہیں دیتے ہم نے ثابت کیا کہ اسلام میں مفاد عام کو اولین اہمیت حاصل ہے، مغربی [illegible] نے اس پر احتجاج کیا مگر جب میں نے اس کے جواز کے بارے میں وضاحت کی تو وہ لوگ مطمئن ہوئے، مگر انھوں نے کہا کہ اس معاملہ کو فلاں حاکم یا فلاں بادشاہ کے حوالہ کرنا ممکن نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ ہم لوگ یہاں سب سے پہلے ایک خالص مذہبی معاملہ پر باہم گفتگو اور مذاکرہ کر رہے ہیں، رہا فلاں یا فلاں تو وہ ہمارے سوچنے اور طے کرنے کی چیز ہے، بہت سے خصوصی [illegible] والے

اس قرارداد کو پاس کرنے کی اہمیت محسوس کی۔

(۴) اعلان مرگ کے بارے میں ہمارا اور دیگر مذاہب کا نقطۂ نظر ایک تھا کہ اس کا تعلق ڈاکٹروں سے ہے البتہ یہود، اطباء کی رائے کے ساتھ ذاتی حیثیت سے انقطاع تنفس کو ایک دینی و روحانی حیثیت دیتے رہے جیسا کہ ان کے لاہوت میں مذکور ہے۔

(۵) پانچویں مسئلہ میں سب متفق الرائے تھے کہ ان مذہبی رایوں کا پورا احترام کیا جائے جو اعضاء کی قلم کاری کے خلاف ہیں۔

(۶) چھٹا مسئلہ دیگر مذاہب کے درمیان مختلف فیہ رہا، مگر ہماری رائے طے شدہ تھی کہ اسلام میں علاج کے سوا کسی اور غرض سے اعضاء کی قلم کاری حرام ہے، قلم کاری کا مقصد وحید علاج ہے اور اس کا تعلق تمام تر اس ڈاکٹر کے ضمیر پر ہے جو اس کام ذمہ دار ہے۔

(۷) ساتویں مسئلے یعنی ایسے گم صم لوگوں کو جن کی شفایابی کی کوئی امید نہیں، دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا، ایک وہ جنہیں مخصوص آلات کی ضرورت نہیں، وہ سانس لے سکتے ہیں، کھانا کھا سکتے ہیں، اور اکیلے اپنے حوائج ضروریہ سے فارغ ہو سکتے ہیں ایسے لوگوں کو آدمی سمجھا جائے گا جنہیں زندہ رہنے کا حق ہے، دوسرے وہ ہیں جو کھانے اور سانس لینے کے لئے آلات کے محتاج ہیں، ان کے بغیر وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتے اس لئے ان کا شمار زندہ آدمیوں میں نہیں ہوگا، کیتھولک فرقہ کے لوگ اس کی زندگی کی حفاظت کو ضروری نہیں سمجھتے، یہود نے بتایا کہ ایسے شخص کو جس سے کوئی فائدہ ہی نہ ہو تلمود زندہ رہنے کی اجازت نہیں دیتا، ہم لوگوں نے کہا کہ ایسا معذور شخص اگرچہ انسانی حیثیت سے مردہ ہے لیکن دوسرے اعتبارات سے زندہ ہے اور یہ تقسیم ایک کی حفاظت کرتی ہے اور دوسرے کی حفاظت کو ضروری نہیں سمجھتی اسلئے ہم لوگوں نے کہا کہ اسلام بقدر استطاعت تمام وسائل کے ساتھ انسانی زندگی کا تحفظ چاہتا ہے، نطفہ قرار پانے سے لے کر زندگی کے خاتمے یعنی اس کے تمام اعضاء کے مردہ ہو جانے تک۔ اس لئے ہمارے نزدیک یہ اپاہج بھی ایک زندہ انسان ہے؛ اس کی دو قسمیں نہیں کی جا سکتیں، اگر افراد اس کی سرپرستی نہ کر سکیں تو اسلامی حکومت کفالت کرے گی اور اس کی زندگی کے تحفظ کی ذمہ دار ہوگی، ہماری اس رائے پر اچھا خاصا ہنگامہ رہا اگر عوام کے سامنے یہ بات عیاں ہو گئی کہ اسلام انسانیت سے محبت کرنے والا مذہب ہے۔

میں بڑی صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ میں اس بارہ میں برابر متردد رہا کیونکہ ایسا مریض نئی تعریف کی رو سے مردہ ہے کیونکہ اس کے مرکزی اعصابی نظام میں کوئی زندگی باقی نہیں ایسی حالت میں ہمارے علماء کرام کے نزدیک ہماری یہ رائے اسلام کے مطابق تھی۔

آخر میں اعضائے تناسل، آلۂ عصبی اور خصوصاً دماغ کی قلم کاری کے امکان پر بحث ہوئی، بعض عیسائیوں نے اس کی اجازت دیدی اور کہا کہ اس پیوند کاری کا اور دیگر اعضاء کی پیوند کاری میں کوئی فرق نہیں لیکن یہود نے کہا کہ یہ مسئلہ نیا ہے اور وہ اس بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں دے سکتے، ہماری رائے نہایت واضح تھی کہ یہ عمل قطعاً ممنوع ہے۔ اس وقت جبکہ اس کارروائی کے نتیجے میں آدمی کی شخصیت تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ دماغ کی قلمکاری میں ہوا کرتا ہے، اسی طرح اعضائے تناسل اور خصیتین کی قلمکاری اس شخص کو جس پر اس قلمکاری کا عمل ہوا ہے ایسا کر دیگی کہ اس سے جو نسل وجود میں آئے گی اس کی جانب منسوب ہوگی بلکہ اسکی طرف منسوب ہوگی جس سے یہ اعضاء لئے گئے ہیں اسلئے ہمارے نزدیک یہ عمل مصنوعی تلقیح کے مشابہ ہے اور وہ اسلام میں حرام ہے۔ (الوعی الاسلامی کویت)

ابن خلدون

پیدائش ۷۳۲ھ وفات ۸۰۸ھ

★ ــــــــ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی

ابن خلدون کا نام عبدالرحمٰن بن محمد ہے خلدون ان کے مورث اعلیٰ تھے جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں موسیٰ ابن نصیر اور طارق ابن زیاد کی سرکردگی میں اسپین آئے اور یہیں رہ گئے تھے۔

وطن کے اعتبار سے اصلاً یمنی اور نسلاً قحطانی ہیں۔ خلدون وائل بن حجر کی اولاد میں ہیں، یہ یمن کے رئیس اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نامور صحابی ہیں، حدیث وفقہ سے واقفیت رکھنے والے حضرت وائل کی اہمیت اچھی طرح سمجھتے ہیں خالد بن ان کی چھٹی پشت سے تھے یہی خالد اندلس جاکر خلدون کہلائے

فتوحات کا سلسلہ مکمل ہو چکا اور اسپین نے اسلامی مملکت کی شکل اختیار کی تو فوج کے کچھ لوگ بھی ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے۔ خلدون کو اشبیلیا کے مناظر اور آب وہوا پسند آئی اور یہیں رہنے لگے۔ خلدون کے بعد ان کی اولاد بھی یہیں آباد رہی اور جب تک اشبیلیا اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہا۔ انھوں نے کہیں اور کا رخ نہیں کیا اور عزت وتکریم کی نظر سے دیکھے گئے بلکہ خاندان خلدون نے ایک زمانہ میں چھوٹی سی ریاست بھی بنالی تھی لیکن یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جس وقت اسپین میں بنی امیہ کی مرکزی حکومت ختم ہو گئی تھی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ جب عیسائی حکومتوں کی تاخت وتاراج بڑھ گئی اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اسپین مسلمانوں سے خالی ہو جائے گا تو یہاں کے ارباب حل وعقد نے مراکش کے نامور فرماں روا یوسف بن تاشفین کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور وہ اہم معرکہ پیش آیا جو تاریخ میں جنگ زلاقہ کے نام سے مشہور ہے اس جنگ نے حالات بدل دیئے اور کئی سو برس تک مسلمانوں کو اسپین میں حکومت کرنے کا موقع مل گیا۔ اس جنگ میں خلدونی خاندان معتمد کے پہلو بہ پہلو شریک تھا۔ بنو عباد کے زوال کے بعد مرابطین اور موحدین کے زمانہ میں بھی یہ لوگ عزت وسرفرازی کیساتھ رہے۔ جب موحدین کی طاقت میں کمی آئی اور اسپین میں پھر طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا تو بنی خلدون نے حالات کو سنبھالنے کے لئے پوری جد وجہد کی لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اشبیلیا عیسائی حکمرانوں کے قبضہ میں آگیا تو مجبوراً یہ لوگ وہاں سے نکل کر پہلے سبتہ اور پھر وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد تیونس چلے گئے۔ اشبیلیا سے آنے والے ابن خلدون کے پردادا حسن ابن محمد تھے۔ ان کے بعد ابوبکر

بھی سلطان ابویحییٰ کے بڑے معتمد لوگوں میں تھے یہاں تک کہ جب وہ کسی مہم کے سلسلہ میں ملک سے باہر جاتے تھے تو اُن کو اپنے بعد جانشین مقرر کر جاتے تھے۔

۷۳۷ھ میں انھوں نے وفات پائی اس وقت عبدالرحمٰن ۵ سال کے تھے ان کے والد محمد بن ابوبکر کو سیاسی کاموں سے دلچسپی نہ تھی زیادہ وقت علمی مطالعے اور صوفیانہ مشاغل میں گذرتا یہ ولی وقت فقیہہ ابوعبداللہ رندی سے فیض حاصل کرتے تھے تصوف کے علاوہ عربی زبان اور ادب و شعر میں انہیں دستگاہ حاصل تھی ۷۴۹ھ میں طاعون میں فوت ہوئے اس وقت عبدالرحمٰن کا سترہواں سال تھا اور ضروری تعلیم و تربیت حاصل کر چکے تھے۔ ان کے والد نے تعلیم و تربیت میں خاص دلچسپی لی تھی اور بڑے باکمال اساتذہ سے انہیں تعلیم دلائی تھی۔ اس مختصر صحبت میں زمانۂ تعلیم کی ساری سرگزشت بیان کرنا، درسی کتابوں کا تذکرہ اور اساتذہ کا تعارف پورے طور پر کرانے کا کوئی موقعہ نہیں ہے لیکن یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ ابن خلدون کو کس درجہ کی تعلیم دی گئی ہے چند سطروں میں ان کی تعلیمی زندگی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اور حفظ کے بعد تیونس کے بے مثال قاری ابوعبداللہ انصاری سے فن قرأت حاصل کیا شاطبی کا قصیدۂ لامیہ اور قصیدۂ رائیہ ازبر کیا اور قرأت سبعہ میں ایسا کمال حاصل کیا کہ بیک وقت تمام قرأتوں کے ساتھ قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ اسی طرح حدیث، تفسیر، فقہ، ادب معقولات وغیرہ تمام علوم مشاہیر اہل علم سے پڑھے جن میں عبدالمہیمن حضرمی، محمد بن بحر، احمد ابن قصار، شارح قصیدہ بردہ، احمد زواوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

والد کی وفات کے بعد نوعمری ہی میں سرکاری ملازمت سے منسلک ہو گئے کچھ دن امیر تیونس کے یہاں صیغۂ مراسلات میں رہے۔ ان کا کام یہ تھا کہ فرامین پر شاہی مہر ثبت کرتے تھے اس کے بعد صاحب تلمسان سلطان ابوعنان کے یہاں اس سے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے لیکن وہاں ایسا اتفاق ہوا کہ خاندان موحدین کے ایک رئیس سے تعلقات کی وجہ سے سلطان ابوعنان کو آزردگی پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں گرفتاری تک نوبت آئی۔ بعد کو بے قصور سمجھ کر رہائی کا حکم ہوا۔ سلطان ابوعنان کی اسی اثنا میں وفات ہو گئی وزیر حسن ابن عمر نے انہیں رہا کر کے بڑی عزت افزائی کی

یہ زمانہ شمالی افریقہ میں سخت اضطراب کا تھا مراکش اور تیونس میں چھوٹے چھوٹے متعدد بادشاہ تھے۔ جو باہم دست بگریباں رہتے تھے۔ ابن خلدون کو اپنی اہمیت کی بنا پر ان جھگڑوں میں مبتلا ہونا پڑتا تھا اور اپنے آپ کو بچانے کے لئے راہیں نکالنی پڑتی تھیں ان تاریخی واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے ابن خلدون کو داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے کس طرح ایسے پریشان کن اور انتشار انگیز وقت میں اپنے آپ کو ذلت و خواری سے بچایا۔ افریقہ کے حالات نے جب بہت پریشان کیا تو اس نے غرناطہ کا رُخ کیا وہاں بادشاہ عام اہل علم اور وزیر لسان الدین سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اسی زمانہ میں بعض معاملات طے کرانے کے لئے امیر وفد کی حیثیت سے اشبیلیا بھی جانا ہوا، وہاں ان کی لیاقت دیکھ کر عیسائی بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اس نے خواہش کی کہ آپ یہیں رہ جائیں۔ اس نے کہا کہ آپ کے بزرگوں کی جائداد آپ کو دلا دی جائے گی لیکن انھوں نے وہاں رہنا پسند نہیں کیا۔ بادشاہ نے انہیں بہت سے قیمتی تحفے دیئے جنہیں لے کر وہ غرناطہ آئے اور اپنی طرف سے سلطان غرناطہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سلطان نے انہیں شہر کے قریب ایک وسیع قطعۂ اراضی عطا کیا اور وہ وہیں رہنے لگے لیکن پوری احتیاط کے باوجود محض بادشاہ کی نظر عنایت کو دیکھ کر وزیر کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی، بالآخر ہنگاموں سے تنگ آ کر آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ۷۷۶ھ سے اپنی تاریخ کی ترتیب میں مصروف

(باقی ص ۴۴ پر دیکھئے)

تعمیر ملّت میں علماء کرام کا حصّہ

(مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی)

مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی نے پچھلے دنوں ایک کانفرنس میں ایک خطبۂ صدارت پڑھا تھا جسمیں مسائل حاضرہ پر واضح اور نتیجہ خیز بحث کرنے کے ساتھ اس ملک میں مسلمانوں کی اور خاص طور پر علماء کرام کی اصلاحی اور تجدیدی جدوجہد کی مختصر داستان بھی بیان کی تھی. چونکہ اس زمانہ کے مورخ اور اہل قلم تہ در تہ تعصبات کی وجہ سے تاریخ کے اس حصہ کو یکسر طاق نسیان کے سپرد کر رہے ہیں اسلئے مولانا موصوف کے یہ اشارات بھی پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں

(اِدَارَہْ)

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان کے افق پر جب مغل حکومت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا تو علم دین کے بہت سے ستارے اپنی پوری تابانی کے ساتھ جگمگا رہے تھے. علامہ ابن خلدون نے فلسفیانہ انداز میں تاریخ کے اس اعجوبہ کی وضاحت کی ہے کہ کسی قوم کے سیاسی زوال کے زمانہ میں اس کے علوم و فنون اور اس کا تہذیب و تمدن کیوں بام عروج پر ہوتا؟ میرے نزدیک اس سنت الٰہیہ میں یہ نکتہ ہے کہ جب رب العٰلمین کسی قوم کو اس کے کرتوتوں کی وجہ سے زوال آشنا کرتا ہے، تو عین اسی زمانہ میں اُسے وہ وسائل بھی مہیا کرتا ہے جن سے کام لے کر وہ دوبارہ بام عروج پر پہنچ سکتی ہے بشرطیکہ اس کی چشم عبرت وا ہو، اور احساس زیاں جسے شاعر مشرق نے "متاع کارواں" کہا ہے، اس کا کیسۂ دل خالی نہ ہوگیا ہو.

بہر حال دہلی کے لال قلعہ کے آخری حقیقی فرمانروا عالمگیر اعظم کی وفات (۱۷۰۷ء) کے چند سال بعد جب اس کے نااہل جانشین ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرنگی تاجروں سے مغل حکومت نہیں بلکہ ہندوستان کی عزت کا سودا کر رہے تھے تو مدرسہ رحیمیہ کے فرش پر بیٹھ کر حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے عطا فرمودہ قلم سے مسلمانان ہند کے لئے وہ لائحہ عمل مدوّن فرما رہے تھے جس پر گامزن ہوکر وہ اپنی بگڑی ہوئی تقدیر کو سنوار سکیں یہ لائحہ عمل آج بھی حجۃ اللہ البالغہ کی صورت میں موجود ہے

جس کی علمی عظمت کی گونج عرب وعجم میں ہے۔

۹ محرم ۱۱۷۶ھ (مطابق ۱۷۶۳ء) کو جب یہ آفتاب علم وعمل غروب ہوا تو ان کے لائق فرزندوں نے ان کے بنائے ہوئے نقشہ میں رنگ بھرا۔ حضرت کے جانشین اور فرزند اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۲۳۹ھ) نے اس نور فراست سے کام لیتے ہوئے جو مرد مومن کیلئے اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوتا ہے ایک طرف یورپین علوم اور انگریزی زبان کی تعلیم کے جواز کا فتویٰ دیا تو دوسری طرف ان کے مقبوضہ علاقہ کو دارالحرب قرار دیا اور اپنے تلامذہ خاص حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت مولانا عبدالحی رحمہم اللہ تعالیٰ کو انگریزی اقتدار سے ہندوستان کو پاک کرنے کے لئے

سرحدی علاقوں میں نئی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے مامور فرمایا۔ پانچ سال کے معرکوں کے بعد ۱۸۳۱ء میں خود اپنوں کی بے وفائی سے بالاکوٹ کے میدان میں حضرت سید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رفقاء نے جام شہادت نوش کیا۔

ادھر واقعۂ بالاکوٹ سے پہلے ہی بلکہ آغاز جہاد سے قبل ۱۲۳۹ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خود راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد اُن کے شہرۂ آفاق نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی وعملی کام کو جاری رکھا ایک طرف وہ سرحدی علاقوں میں حضرت سید صاحب اور ان کے بعد ان کے رفقاء کی، جو مجاہدین

سہانہ کے نام سے مشہور ہیں فوجی ومالی امداد فرماتے رہے دوسری طرف مدرسہ عزیزیہ میں درس قرآن وحدیث کے چشمے بہاتے رہے مگر ۱۸۴۱ء میں جب دہلی کے حالات مساعد نہ رہے اور انگریزی حکومت نے علماء وامراء کو ذرا ذرا سے بہانہ پر تختہ دار پر لٹکا کر خوف وہراس کی فضا پیدا کر دی تو انھوں نے مکہ معظمہ کو ہجرت کی۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمہ کے بعد دہلی کی علمی مسند پر ان کے لائق شاگرد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ فائز ہوئے۔ دوسری طرف دہلی کالج میں استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی رحمہ نے جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد مولانا رشید الدین خاں کے شاگرد تھے ولی اللہی

چراغ کو روشن رکھا مگر حضرت شاہ صاحب رحمہ کی روحانی سیاسی وراثت ایک ایسے بزرگ کے حصہ میں آئی جو اگرچہ رسمی عالم نہ تھے، مگر عمل کے میدان میں وقت کے چوٹی کے علماء نے ان کو اپنا مقتدا تسلیم کیا

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحب کے داماد اور حضرت سید احمد شہید رحمہ کے بعد سرحد میں تحریک جہاد کے امیر مولانا نصیر الدین دہلوی رحمہ سے ظاہری وباطنی علوم کی تحصیل کی پھر سید صاحب کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت شیخ نور محمد جھنجھانویؒ سے تکمیل سلوک کی۔

اس کے بعد ۱۲۶۱ھ میں حجاز تشریف لے گئے اور حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمہ سے جو ابھی بقید حیات تھے فیوض باطنی حاصل کئے، حضرت شاہ صاحب رحمہ نے حضرت حاجی صاحب

- تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد رہنمایان ملت نے محسوس کیا کہ یورپ میں سائنسی علوم کی ترقی کی وجہ سے انگریزوں کو جو برتری حاصل ہوگئی ہے اس کا مقابلہ قوت کے ذریعہ فی الحال ممکن نہیں ہے دوسری طرف قوم میں وہ اعلیٰ دینی اخلاقی روحانی قوت بھی موجود نہیں جس کے نتیجہ میں کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً کے مناظر قرون اولیٰ میں دیکھے گئے تھے

کو ہندوستان جاکر کام کرنے کا حکم دیا حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے روحانی اثر سے ہندوستان کے بہترین علمی نابغوں کو جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ شامل ہیں اپنے گرد جمع کر لیا۔

۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کی تحریک نے جس کے شعلے اندر ہی اندر بھڑک رہے تھے آتش فشاں کی شکل اختیار کی تو حضرت حاجی صاحب اپنی خانقاہ سے نکل کر میدان جہاد میں گامزن ہوئے اور اپنے علاقہ میں تحریک جہاد کی عملی راہنمائی فرمائی چنانچہ معرکۂ شاملی میں ان کے رفقاء میں حضرت نانوتوی زخمی ہوئے اور حضرت حافظ محمد ضامن رحمۃ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ مگر مشیت الٰہی کو ابھی انگریز کا اقتدار کچھ اور دن باقی رکھنا تھا۔

۱۸۵۷ء کا ہنگامہ فرو ہوا اور عام دار و گیر شروع ہوئی تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تو گرفتار ہوئے اور چھ مہینے قید میں رکھکر رہا ہوئے اور حضرت حاجی صاحب چھپتے چھپاتے ہندوستان سے نکل گئے اور مکہ معظمہ میں جوار بیت اللہ میں پناہ لی۔

تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد مفکرین ملت نے محسوس کیا کہ یورپ میں سائنسی علوم کی ترقی کی وجہ سے انگریزوں کو جو حربی برتری حاصل ہوگئی ہے اس کا مقابلہ قوت کے ذریعہ فی الحال ممکن نہیں ہے، دوسری طرف قوم میں وہ اعلیٰ دینی، اخلاقی و روحانی قوت بھی موجود نہیں ہے جس کے نتیجہ میں کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ کے مناظر قرون اولیٰ میں دیکھے گئے تھے'۔ اس لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اسلامی پروگرام کے روحانی و تعلیمی حصے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور معرکہ ۱۸۵۷ء کے دس سال بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کے رفقاء عالی مقام نے دیوبند میں دار العلوم کا تعلیمی پودا لگایا جو آج بحمد اللہ ایک تناور درخت ہے جس کی شاخیں شاخ طوبیٰ کی طرح نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کو اپنے سایہ میں لئے ہوئے ہیں اسی کے چند ماہ بعد سہارنپور میں حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ نے مظاہر العلوم قائم کیا۔

دار العلوم کے قیام کا مقصد ایسے علماء تیار کرنا تھا جن کے سینے علوم نبوت کی روشنی سے جگمگا رہے ہوں، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی روشنی غلامی کی تاریکی کو معدوم کر دیتی ہے اس لئے بیشتر علماء اسلام نے فرنگی اقتدار کی علمی و عملی میدانوں میں مخالفت کی اور یہاں کے ہزاروں فضلاء نے فرنگی جیلخانوں کو اپنا مسکن بنایا اور بعض اوقات آگے بڑھ کر دار و رسن کو بوسے دیئے۔ حضرت مولانا نانوتوی کے ممتاز جانشین اور حضرت حاجی صاحب کے مسترشد نوجوان حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے چالیس سال تک دار العلوم دیوبند کے مسند درس کو رونق بخشی اور سینکڑوں فضلائے ملت کو دئے مگر جب وقت آیا اور انگریزوں نے اپنے دوسرے اتحادیوں کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا اور ہندوستان میں تحریک آزادی کے سپاہیوں کو خاک و خون میں تڑپایا گیا تو اس جواں ہمت شیخ نے مسند درس کو خیر باد کہا اور حرمین شریفین پہنچ کر ہندوستان کو انگریزوں کی گرفت سے نجات دلانے کے لئے جرمن ترکی، اور افغانی اثرات سے کام لینے کی تدبیریں کیں آخر آپ اپنے قابل فخر شاگرد اور جانشین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے رفقاء کے ساتھ جزیرہ مالٹا میں قید کئے گئے۔ جنگ عظیم اول کے خاتمہ پر پانچ سال کی جلاوطنی کے بعد ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ واپس ہوئے تو قید و بند کی تکلیفوں نے ان کی صحت کو برباد کر دیا تھا وہ دق کے مریض تھے اور ہڈیوں کا ایک پنجر بن گئے تھے۔ آزادئ وطن اور خدمت ملت کا جذبہ بے قرار

آپ کو سیماب وار ادھر سے اُدھر لئے پھرتا تھا۔ آپ کی واپسی سے ایک سال قبل آپ کے شاگردوں اور رفیقوں نے جن میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ پیش پیش تھے علماء ہند کی خدمات کو جماعتی حیثیت سے منظم کرنے اور ان کی آواز میں قوت پیدا کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند قائم کی آپ نے اس کے دوسرے جلسۂ عام منعقدہ دہلی کی صدارت فرمائی اور علماء ہند کو خطبہ کی صورت میں وہ پیغام دیا جس نے انگریزی حکومت کے ایوان میں زلزلہ ڈالدیا۔ افسوس ہے کہ جلد ہی علم و تقویٰ اور جذبۂ قربانی و وفاداری کا یہ آفتاب غروب ہوگیا مگر جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے آپ کا کام برابر جاری رہا اور ہزاروں علماء اور ان کے عقیدت مندوں نے کانگریس کے لیڈروں کے دوش بدوش آزادیٔ ہند کی تحریک میں حصہ لے کر ہندوستان کو برطانوی غلامی سے نجات دلائی

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ جو آپ کے بعد ولی اللّٰہی تحریک کے قافلہ سالار منتخب ہوئے) کے مجاہدانہ کارناموں کو کون بھلا سکتا ہے، اسارت مالٹا کے علاوہ مشہور مقدمہ کراچی میں جس میں آپ پر باغیانہ تقریر کا الزام لگایا تھا آپ کا بیان تاریخ آزادیٔ ہند کا ایک جلی عنوان ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھی، حضرت مولانا سید انورشاہ کشمیری رحؒ حضرت مولانا ثناءُ اللہ امرتسری، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی، حضرت مولانا سید فخرالدین مرادآبادی، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہم اللہ تعالیٰ جو آپ کے یا آپ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ ان مجاہدینِ حریت کی آواز کی گرج سے آج بھی ہندوستان کی فضا گونج رہی ہے۔

میں نے یہ تفصیل اس لئے بیان کی کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے جد و جہد کرنے والے بزرگوں کے مجاہدانہ کارناموں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے، تاریخ ہندوستان میں آزادیٔ ہند کے باب میں ان بزرگوں کے کارناموں کو یا تو بالکل نظر انداز کردیا جاتا ہے یا ان کا ذکر آتا ہے تو ضمنی طور پر، یہی عمل پاکستان میں جاری ہے وہاں حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ اور مولانا سید احمد شہید کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے سرسید احمد خاں (مرحوم) نظر آتے ہیں اور ان کے بعد نواب محسن الملک وقار الملک سر آغا خاں، اور پھر مسٹر محمد علی جناح پر اس سلسلہ کو ختم کردیا جاتا ہے۔ خیر مجھے ان سے تو کوئی شکوہ نہیں، کیونکہ انھوں نے تو تحریک آزادی کے زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند اور علماء کرام کو مستقل اپنا حریف سمجھا اور ان کا ایسا سمجھنا کچھ غلط بھی نہ تھا کیونکہ جمعیۃ علماء ہند کے راہنماؤں نے نظریۂ پاکستان کو اس وقت بھی رد کیا جب کانگریس اپنے مصالح کی بناء پر اسے قبول کرنے پر رضامند ہوگئی۔ لیکن ہندوستانی لیڈروں اور مصنفوں نے جن میں سے اکثر کو ہندوستان کی قومی حکومت کا تعاون بھی حاصل ہے یہ توقع نہیں کیجا سکتی تھی، مجھے امید ہے کہ اس سلسلہ میں حقیقت کی پردہ پوشی نہیں کیجائیگی۔

صفحہ ۳۰ کا بقیہ

(ابن خلدون)

ہوگئے چار سال تک اسی میں منہمک رہے اور مقدمہ کا پہلا مسودہ تیار ہوا ۷۸۰ھ میں تونس گئے بادشاہ نے بڑی عزت کی لیکن سیاست سے علیحدہ رہے اور درس و تدریس اور تاریخ کی تدوین میں مصروف رہے اس احتیاط کے باوجود مفتی یونس محمد بن عرفہ کو حسد پیدا ہوا اور انھوں نے ان کے خلاف بادشاہ کو متاثر کرنا شروع کیا مقصد یہ تھا کہ ملک بدر کردئے جائیں لیکن بادشاہ نے شہر سے باہر رکھنے پر اکتفا کیا بعد کو بادشاہ کچھ مہربان ہوا لیکن اس نے چاہا کہ انھیں اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے جائے ایک بار تو وہ اس پر راضی ہوگئے لیکن آئندہ اس سلسلہ کو جاری رکھنا پسند نہ کیا مگر ان حالات میں وہاں رہنا بھی آسان نہ تھا اسلئے چاہا کہ مشرقی ممالک کی طرف رُخ کریں مگر نقل وطن کی اجازت بھی آسان نہ تھی

تنقید و تبصرہ

گلدستہ :-

مصنف : محمد ثانی حسنی

ناشر : مکتبۂ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ

قیمت - ۷۵ پیسے

یہ ایک منظوم کتابچہ ہے جس میں حمد، سلام، مناجات کے تحت شاعر نے پوری پوری سلامتیٔ فکر کے ساتھ طبع رسا کے جوہر دکھائے ہیں۔ فنی پختگی کے ساتھ معنوی حسن بھی تمام اشعار میں موجود ہے، روانی اور تسلسل کی خوبی بھی شاعر نے جانے نہیں دی، شعری محاسن میں اگر یہ بھی کوئی خوبی ہو کہ اشعار میں شاعر کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہو اور پڑھنے والا اس کے تاثر میں ڈوبتا چلا جائے تو یہ خوبی بھی ان اشعار میں ہے بشکل مسدس یہ منظوم مختصر سا کتابچہ ایسا ہے کہ اس کی قدر کی جائے اس سے محظوظ ہوا جائے، ہم دعا گو ہیں حق تعالیٰ مصنف کو اس پاکیزہ پیشکش پر اجر عطا فرمائے۔ آمین

"مولانا قمر عثمانی"

ماہنامہ "تعمیرِ فکر بنگلور"

مسلم پرسنل لا نمبر

مدیر :- محمد شہاب الدین ندوی

اس اشاعت کی قیمت ایک روپیہ، سالانہ چندہ آٹھ روپے

یہ ایک ماہنامہ ہے جو اصلاحی اور تعمیری دینی اور علمی مضامین کے ساتھ بنگلور سے شائع ہوتا ہے، زیر نظر شمارہ ایک خصوصی موضوع مسلم پرسنل لا اور اسی عنوان پر منعقدہ بمبئی کنونشن پر [illegible] ۲ میں ہندوستان کی تمام مسلم جماعتوں نے متفقہ طور پر مسلم پرسنل لا کے نازک موضوع پر اپنے بھرپور جذبات کا اظہار کیا ہے اور حکومت ہند کو متنبہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں سے متعلق اس مسئلہ پر وہ کسی ایسے اقدام سے گریز کرے جو اُن کے لئے ناقابل برداشت تشویش کا باعث ہو۔

کنونشن میں جو تقریریں ہوئیں جو مقالات پڑھے گئے جو تجویزیں پاس ہوئیں لاکھوں کی جن سر برآوردہ شخصیتوں نے شرکت کی ان سب کی جامع تفصیل اس اشاعت میں مذکور ہے

ہم ادارہ کی اس محنت اور کاوش کا جو انہوں نے اس کی ترتیب و تہذیب میں اٹھائی ہے تحسین کرتے ہیں اور ملی اور قومی فکر رکھنے والے حضرات سے اس کے پڑھنے کی سفارش بھی۔

"مولانا قمر عثمانی"

کینسر وارڈ

نام مصنف :- الکزنڈر سولژنتین

مترجم :- گوپال متل جلیس عابدی

ناشر :- نیشنل اکاڈمی - ۹ انصاری مارکیٹ

دریا گنج دہلی ملے

یہ ایک ترجمہ شدہ کہانی ہے جو سینکڑوں صفحات کی ضخامت پر پھیلی ہوئی ہے اس کہانی کا مرکزی نقطۂ نظر یہ ہے کہ کمیونسٹ ممالک میں جو ایک جبری نظامِ سیاست "سرخ جنت" کے حسین دھوکے کے عنوان پر جاری و ساری ہے اس کے خد و خال ابھار کر کمیونزم کی صحیح تصویر سامنے لائی جائے، تاکہ جن لوگوں کو اللہ نے بصیرت اور فکرِ صحیح سے نوازا ہے وہ "کمیونزم" کے حقیقی روپ کو پہچان سکیں اور دینے والے "تریاق" کے نام پر جو "زہر" دنیا کو دینے چلے ہیں اس سے بچ سکیں۔

کمیونزم فرد کی عظمت کو جس طرح کھا جاتا ہے اور شخصی آزادی کو جبراً طریقہ ذہنی غلامی میں تبدیل کر دیتا ہے حیرت ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ناسخ کھوکھلے پن کے باوجود کمیونزم کو تمام دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ سوشلزم ہو یا کمیونزم، امپریلزم ہو یا فاشزم یہ سب دلفریب اصطلاحوں سے زیادہ کچھ نہیں اور ان میں سب سے زیادہ خطرناک کمیونزم ہے۔

ہم زیر تبصرہ کہانی کو جتنا پڑھ سکے اس کا لب لباب یہ ہے کہ روانی اور دل کشی، اس میں چاہے نام کو نہ ہو، اکتا دینے والی طوالت بھی کچھ کم صبر آزما نہیں پھر اس پر مزید یہ کہ یہ ترجمہ ہے اور اصل اور ترجمہ میں جو فرق ہوتا ہے وہ سب جانتے ہیں پھر بھی اپنے مقصد کی طرف رہنمائی کرنے والا ضرور ہے۔

نیشنل اکاڈمی جو اس کتاب کا ناشر ہے اس موضوع پر کتابیں شائع کرتا رہتا ہے وہ لائق قدر ہے، ہم کمیونزم کے دفاع میں شائع ہونے والے لٹریچر میں اس کتاب کو مفید اضافہ اور اس کے دفاعی محاذ کے لئے باعث تقویت سمجھتے ہیں۔

——مولانا قمر عثمانی——

قرآن مجید اور انجیل مقدس

مولانا محمد عثمان فارقلیط

اڑتالیس صفحات

کتابت و طباعت مجلی

قیمت:۔ نوّے پیسے

ملنے کا پتہ: الجمعیۃ بکڈپو۔ گلی قاسم جان۔ دہلی ۶

عیسائی تبلیغی ادارے ہمیشہ سے اسلام پر حملہ اس کے خلاف صف آرا رہے ہیں مستشرقین نے قلم سے، عیسائی مناظرین و مبلغین نے اپنی زبان سے اب تک اسلام پر جو گرد و غبار اڑائی اس کی داستان المناک ہے۔ پھر یہ ساری کوششیں مکر و فن، تلبیس تزویر اور مغالطوں کی بنیاد پر قائم ہیں، سادہ لوح کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اسلام عیسائیت کے لئے یا قرآن انجیل کے لئے ناسخ نہیں بلکہ قرآن انجیل کا مصدق ہے۔ اور اپنے اس مقصد کے لئے خود قرآن مجید کی آیات کو غلط طور پر استعمال کیا جاتا ہے گویا کہ اپنی مذہبی کتابوں کی تحریف کے عادی قرآن مجید کے مطالب میں بھی تحریف کی جد و جہد کر رہے ہیں

فارقلیط صاحب سابق مدیر الجمعیۃ جنہیں ردِ تردید تثلیث سے خصوصی شغف اور مشنریوں کے دجل و فریب پر اطلاع ہے۔ آپ کے قلم نے ان مغالطوں کا ایک مختصر جواب ترتیب دیا ہے۔ جس میں دلائل کی قوت بھی ہے اور استدلال کی تابانی بھی۔ نیز مکر و فن کا بھرپور جواب بھی

یہ مختصر رسالہ "دریا بحباب اندر" کا مصداق ہے اور اس کا واقعی مستحق کہ ہر مسلمان کے مطالعہ سے گزرے۔

شریعت

ارشد القادری صاحب

ضخامت (۸۰)
کتابت وطباعت متوسط
قیمت ایک روپیہ
ملنے کا پتہ: مکتبہ جام نور جمشید پور (بہار)

مشہور واعظ حقانی صاحب کی کتاب "تحریر یہ بہائیت" کا بریلوی حلقہ کی جانب سے یہ جواب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حقانی صاحب کی کتاب گستاخیوں سے لبریز گستاخیوں سے لبالب، توہین خدا و توہین رسول کا مرقع وغیرہ ہے، حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ حقانی صاحب ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہیں، رد بدعات سے انہیں پورا شغف ہے لیکن ان کی تحریر وتقریر یاوہ گوئی سے پاک اور زبان درازی سے بری ہے۔ لیکن صدیوں اہل سنت والجماعت کو سب وشتم کرنے ان پر کفر کے فتوے تھوپنے تفریق بین المسلمین کی مذموم حرکت کا ارتکاب اور اپنی ساری زبان زوری کے باوجود حقانی صاحب کے لب ولہجہ پر بریلوی فرقہ کی اس بے چینی کو دیکھ کر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کڑوی حقائق سننے کے لئے بڑا وسیع الظرف ہونے کی ضرورت ہے۔

نام کتاب: ایک مجاہد معمار
(۲) اقوال الصالحین
(۳) مناجات عرفات
(۴) دعاء مسعیٰ
(۵) طواف وداع
(۶) طواف، دعار اور التجائیں
(۷) حج کے پانچ دن

ملنے کا پتہ: مدرسہ صولتیہ محلہ حارۃ الباب مکہ معظمہ:
ہندوستان میں: حاجی عبدالرشید صاحب
محلہ شادی آباد ڈاکخانہ نمبر۲ الہ آباد (یوپی)

ٹھیک ایک صدی پہلے ہندوستان کے مردم خیز خطہ ضلع مظفر نگر سے ایک مرد مجاہد مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ہندوستان کے عالم آشوب فتنہ میں مامن عالم، البلد الامین، مکہ مکرمہ میں وارد ہوئے۔ موصوف نے ہندوستان میں عیسائی مبلغین کے دجل وفریب کا مقابلہ زبان وقلم سے کیا اور پادری فونڈر کو پیہم شکستیں دیتے ہوئے قسطنطنیہ تک اس کا کامیاب تعاقب کیا، رد عیسائیت پر آپ کے فاضلانہ قلم نے جو قلمی اثاثہ بہم پہونچایا آج اسلام کا متاع گرانمایہ ہے۔ پھر مکہ معظمہ میں ایک مخیرہ مرحومہ صولۃ النساء بیگم کے فیاضانہ تعاون سے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد ڈالی۔ جس کے موجودہ مولانا محمد سلیم صاحب کا مہتمم ہیں۔

مربوط وعمدہ وشستہ اردو میں یہ داستان نہ صرف ایک مجاہد کی یادگار بلکہ علوم نبوت کا شارح ترجمان بھی ہے۔

پمفلٹ ۱ میں آپ ہی کی سوانح اور نمبر ۲ میں مدرسہ صولتیہ سے متعلق اکابر ومشائخ کے تاثرات جمع کئے گئے ہیں "بتوفیق قسام ازل" تبصرہ نگار کو بھی اس سال زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی اور مدرسہ صولتیہ ہی میں قیام رہا لیکن تعطیلات کی وجہ سے نظام تعلیم وتربیت سے قریبی واقفیت نہ ہوسکی باقی رسائل میں حج کے اہم ارکان سے متعلق مسائل وخصوصی دعاؤں کو جمع کیا گیا ہے جو عازمین حج کیلئے سرمۂ نور بصر و بادۂ جانفزا سے کم نہیں۔

کتابت وطباعت نہایت اعلیٰ اور ہدیۃً انکی تقسیم کی جارہی ہے۔

کوائف دارالعلوم دیوبند

جلسہ سالانہ تقسیم انعامات

دارالعلوم ۱۷ جولائی آج دارالحدیث کے ہال میں دارالعلوم کا سالانہ جلسۂ انعامی زیر صدارت حضرت حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحب مدظلہ منعقد ہوا، ابتدا میں (تلاوت کلام پاک کے بعد) جناب مولانا اختر الحسن صاحب نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے علم دین کی اہمیت اور دارالعلوم کی عظمت و شہرت کے سلسلہ میں جامع کلام فرمایا، اور تحریک صدارت پیش فرمائی جس کی تائید مولانا معراج الحق صاحب نائب مہتمم و مولانا عبدالاحد صاحب استاد حدیث و تفسیر نے فرمائی۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اپنی صدارتی تقریر میں علم، فضیلت علم اور فرائض علماء پر سیر حاصل اور بصیرت افروز انداز میں روشنی ڈالی۔ اور فرمایا کہ آج جو انعام آپ کو دیا جا رہا ہے اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ ایک علمی جماعت اور ادارہ کی طرف سے آپ کو مل رہا ہے اس بات کی یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے کہ انعام میں کیا ملا ہے، اور کیا نہیں ملا، کر کتنی قیمت کی کتابیں ہیں:

آپ نے فرمایا کہ میرے ایک قابل احترام اور انتہائی شفیق استاذ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ نے مجھے ایک بار انعام کے طور پر ایک پیسہ عطا فرمایا تھا جس کو میں نے آج تک محفوظ کر رکھا ہے، اور یہ انعام تو ایک نسبت کی عظمت لیے ہوئے ہے اس لئے یہ اور بھی زیادہ قابل حفاظت ہے، امید ہے کہ آپ اس انعام کی بھی حفاظت کریں گے اور جس نسبت علم کی وجہ سے یہ انعام پیش کیا جا رہا ہے اس نسبت علم و فن کی بھی حفاظت کریں گے۔

حضرت حکیم الاسلام نے طلبائے عزیز کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے یہاں سے جو علم دین حاصل کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مقدسہ سے اپنے سینوں کو منور کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ آپ اپنی پوری زندگی میں حضور کے اخلاق و اسوۂ حسنہ کو اپنائیں اور احادیث نبوی کی روشنی سے فکر و عمل کو جلا بخشیں، آپ کا کردار و عمل ایک کسوٹی ہوگا، خدا کرے آپ اس کسوٹی پر ہمیشہ پورے اتریں۔

اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب ناظم مجلس تعلیمی کی رپورٹ پڑھ کر سنائی جس میں کامیاب ہونے والے طلباء کی تعداد اور اول آنے والے طلباء کی تفصیل بھی تھی اور طلبائے عزیز کو گراں مایہ نصائح اور مشورے بھی تھے، رپورٹ کے بعد دو افریقی طلباء کی دستار بندی کی گئی اور کامیاب طلباء کو انعامات کی تقسیم شروع ہوئی۔

ممالک اسلامیہ کے مہمانان عزیز

۲۳ جولائی ۱۹۶۳ء کو دارالعلوم دیوبند کے معائنہ کے لئے دو عربی وفد وارد ہوئے ایک سعودی عربیہ کا سرکاری ثقافتی وفد جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی

کی طرف سے ہندوستان کے مختلف مقامات کے دورہ پر آیا ہوا ہے دارالعلوم میں پہونچا جناب سید ابراہیم ثقاف رئیس الوفد اور مسٹر محمد احمد شہاب سکریٹری اور تیسرے رکن جناب سید المنتصر الکتانی تھے، دارالعلوم میں ان کا شایان شان استقبال کیا گیا۔ بعد ظہر ۲½ بجے دن جلسۂ خیر مقدم منعقد ہوا جس میں حضرات اساتذہ کرام اور طلباء دارالعلوم شریک ہوئے، دار الحدیث ہال بھرا ہوا تھا قرأت قرآن کریم سے جلسہ کا آغاز ہوا۔

مولانا محمد سالم صاحب قاسمی استاد دارالعلوم نے اپنی عربی تقریر میں وفد کا خیر مقدم کیا، سید محمد المنتصر صاحب نے جوابی تقریر فرمائی جس میں اپنی سند حدیث بیان کرتے ہوئے دارالعلوم کی پذیرائی اور خیر مقدم کا بہترین الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور آخر میں رئیس الوفد سید ابراہیم ثقاف نے مختصر سی تقریر میں خدام دارالعلوم کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ شکریہ و دعا پر ختم ہوا۔

دوسرا وفد مصر کے ہندوستانی سفارت خانہ کے اخبار صوت الشرق قاہرہ (مصر) کے ایڈیٹر جناب محترم خلیل جرجس خلیل اور چند رفقاء پر مشتمل تھا چونکہ موصوف حکومت ہند کے مہمان تھے اس لئے انکے اعزاز میں پولیس کی کافی تعداد سڑکوں پر جگہ جگہ تعینات تھی، افسران پولیس جناب ڈی، ایس پی صاحب اور جناب ایس ڈی او صاحب سہارن پور وفد کے ہمراہ تھے، ایڈیٹر صاحب خوش مزاج، ملنسار اور عربی انگریزی زبان کے ماہر ہیں دارالعلوم کا تفصیلی معائنہ کیا، بالخصوص دارالعلوم کے کتب خانہ اور لائبریری سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے اور دارالعلوم کے بارہ میں متعدد امور نوٹ کئے۔

انگریزی زبان میں دارالعلوم کے احوال و کوائف کی ترجمانی محترم مولانا محمد اسلم صاحب ابن حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم نے بلاغت بیان کے ساتھ کی جس سے وہ دارالعلوم کے تعلیمی اور انتظامی موقف سے باخبر اور متاثر ہوئے۔

۲ بجے موصوف نے طلباء دارالعلوم کے سامنے اس ورود کے سلسلہ میں اپنی غیر معمولی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ممنونیت آمیز تقریر کی، نیز معائنہ بک میں اپنے اُن تاثرات کو ظاہر فرمایا، موصوف ۳ بجے دارالعلوم سے رخصت ہوئے۔

علماء دارالعلوم دیوبند کا ایک اہم اور ضروری بیان

ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۴۸۸ میں ترمیم مداخلت فی الدین ہے

مسلم پرسنل لاکنونشن (بمبئی) اور پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے واضح طور پر اعلان کر دیا ہے کہ مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم اور تغیر و تبدل یا متوازی قانون سازی شریعت اسلامی میں کھلی ہوئی مداخلت ہے اس لئے مسلمانان ہند اسے کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے ہیں، بلکہ وہ قوانین شرعیہ کے تحفظ و بقا کی ہر ممکن جدوجہد کو اپنا فرض سمجھتے ہیں چنانچہ اب معلوم ہوا ہے کہ حکومت ضابطہ فوجداری دفعہ ۴۸۸ میں ترمیم کرنا چاہتی ہے اور یہ قانون بنانا چاہتی ہے کہ طلاق شدہ یا خلع یافتہ بیوی کا اسوقت تک نان و نفقہ برداشت کرنا پہلے شوہر پر ضروری ہوگا جب تک اس طلاق اور خلع پانے والی عورت کی دوسری شادی نہیں ہو جاتی۔

یہ مجوزہ ترمیم شریعت اسلامی کے سراسر خلاف ہے اس لئے ہم خدام دارالعلوم دیوبند حکومت ہند کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اس کو ختم کرے یا کم از کم مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دے۔

اسی طرح حکومت یوپی کا وہ اعلان بھی نظر ثانی کا محتاج ہے جس میں خیراتی اوقاف کو حد بندی کی حد سے مستثنیٰ قرار دیا۔

ِقف علی الاولاد کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا ہے حالانکہ شرعاً
ی اوقاف اور وقف علی الاولاد دونوں ہی برابر ہیں ان
ینی نقطۂ نظر سے کوئی فرق نہیں، لہٰذا حکومت یوپی کا
ہے کہ وہ وقف علی الاولاد کو بھی خیراتی اوقاف کی طرح
والے قانون سے مستثنیٰ قرار دے، اور مسلمانوں کے
ذبات کا لحاظ و پاس کرے۔

ہم خدام دارالعلوم دیوبند تمام مسلمانانِ ہند سے
است کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنی اپنی جگہ ان دونوں
نوں کے خلاف احتجاج کریں اور مرکزی و ریاستی
مت کو اپنے دینی جذبات و احساسات سے آگاہ
یں اور مطالبہ کریں کوئی ایسا قانون ہرگز نہ بنایا جائے
سے مسلمانوں کے مسلم پرسنل لا میں مداخلت لازم آئے

رت مولانا) محمد طیب صاحب　مہتمم دارالعلوم دیوبند
〃　فخر الحسن صاحب　صدر المدرسین　〃　〃
〃　محمود حسن　〃　مفتی　〃　〃
〃　سید اختر حسین　〃　ناظم تعلیمی　〃　〃
〃　محمد شریف حسن　〃　استاذ　〃　〃
〃　عبد الاحد　〃　〃　〃　〃
〃　نظام الدین　〃　مفتی　〃　〃
〃　معراج الحق　〃　نائب مہتمم　〃　〃
〃　نصیر احمد　〃　〃　〃　〃
〃　محمد سالم　〃　استاذ　〃　〃
〃　سید احمد علی سعید　〃　نائب مفتی　〃　〃
〃　محمد نعیم　〃　استاذ　〃　〃
〃　ظفیر الدین　〃　مدیر کتب خانہ　〃　〃
〃　عبد اللہ سلیم　〃　استاذ　〃　〃

مجلس عاملہ

۲۰ رجمادی الثانی ۱۳۹۳ھ کو حضرت مولانا محمد طیب صاحب

مہتمم دارالعلوم کی صدارت میں عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، مولانا منت اللہ صاحب، مولانا محمد منظور صاحب، مولانا سید فخر الحسن صاحب، مولانا قاضی زین العابدین صاحب اور مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی نے شرکت فرمائی۔

۱۳۹۱ھ میں جو نصاب جاری کیا گیا تھا اور درجہ بندی کی گئی تھی اس کی سہ سالہ مدت ختم ہونے کے بعد نظرثانی کی گئی۔ دارالعلوم کے اساتذہ نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے نصاب کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور نصاب مرتب کیا مجلس عاملہ نے حضرات اساتذہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ نصاب منظور کیا اور کچھ ہدایات دیں، نیز طے کیا کہ آئندہ تعلیمی سال کے آغاز سے ابتداءً نئے نقشہ کے مطابق ابتدائی پانچ درجات اول تا پنجم میں نافذ کیا جائے اس کے بعد ہر سال اگلے درجہ کا نصاب جاری سالوں میں جاری کیا جائے۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ دورۂ حدیث میں جدید داخل ہونے والے طلبہ کا امتحان داخلہ درجہ ہشتم کی کتابوں کے علاوہ مقامات حریری، ملاحسن یا ملامبین، میبذی، ہدایہ اخیرین اور حسامی میں بھی لیا جائے (مزید تفصیل آئندہ پرچہ میں)

حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب ناظم شعبۂ خوشنویسی نے عربی رسم خط کی تکمیل کے لئے ایک مفصل رپورٹ پیش کی مگر مجلس عاملہ نے طے کیا کہ بنیادی طور پر اس شعبہ کا مقصد تصحیح خط ہے کہ طلبائے دارالعلوم بدخطی سے محفوظ رہیں،

وہ الحمدللہ جاری ہے اور اسی کے ساتھ اردو رسم خط کی تکمیل کی بھی اجازت موجود ہے شعبہ کی عمومیت اور ہمہ گیری اس وقت پیش نظر تھی نہ اب ہے اس لئے مجلس نے مولانا کے جذبہ کی قدر کرتے ہوئے اس درخواست کے قبول کرنے سے معذرت کردی۔

مطبخ میں جو خدمہ کھانا پکانے کا کام کرتے ہیں وہ مدرسہ سے غیر مستقل ملازمین کے زمرہ میں چل رہے تھے

ان کی درخواست اور دائرۂ اہتمام کی سفارش پر ان کے ناموں کو مستقل ملازمین کے رجسٹر میں درج کرنے کی اجازت دیدی گئی۔

بجلی کا بحران چونکہ عام ہے اور توقع نہیں ہے کہ یہ نظام درست ہو سکے گا اس لئے دارالعلوم نے جنریٹر کے انتظام کرنے کی منظوری دیدی ہے اور ناظم صاحب برقیات کو ہدایت کی ہے کہ اس کا تفصیلی تخمینہ آئندہ مجلس شوریٰ میں پیش کریں۔

حضرت مہتمم صاحب کے اسفار

جولائی ۱۹۷۳ء میں حضرت مہتمم صاحب نے صرف ایک طویل سفر الہ آباد کا کیا۔ الہ آباد میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی عاملہ کا اجلاس تھا۔ حضرت مدظلہ ۳ جولائی ۱۹۷۳ء کو الہ آباد پہونچے ۴، ۵ جولائی میں مجلس عاملہ کی صدارت فرمائی، ۶ جولائی کو بنارس تشریف لے گئے۔ ۸، ۹ جولائی کو کانپور میں قیام فرمایا ۱۰ جولائی کو کانپور سے خورجہ تشریف لائے۔ خورجہ میں مولانا محمد واسع صاحب فاضل دارالعلوم کے قائم کردہ دارالافتاء ودارالقضاء کا افتتاح فرمایا۔ مسلمانوں کے عائلی معاملات اور نکاح وطلاق کے نزاعات کا اس ادارہ (یعنی شرعی کمیٹی) میں فیصلہ ہوگا۔ مسلم پرسنل لا سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے گا اور شرعی حدود میں رہنے اور احکام شریعت کی پابندی کی ہدایت کیجائے گی۔

۱۰ جولائی کو خورجہ سے دہلی تشریف لے گئے اور الحاج ...... صاحب کی طرف سے منعقد کئے گئے بستی نظام الدین کی ایک مسجد میں تقریر فرمائی ۱۱ جولائی کو دیوبند واپسی ہوئی۔

۱۹ جولائی کو منشی شہزادے حسین کی شادی میں شرکت کے لئے انبہٹہ تشریف لے گئے

دیوبند میں بجلی کی بدانتظامی

دیوبند میں بجلی کی بدانتظامی کی شکایت عرصہ سے چل رہی تھی جس سے پورا شہر سخت تکلیف میں مبتلا تھا، کارخانوں فیکٹریوں بینکوں اور تعلیمی اداروں کو سخت نقصان اور تکلیف تھی اس سلسلہ میں اہل شہر اور خود دارالعلوم کی طرف سے بار بار محکمۂ بجلی کو میمورنڈم پیش کئے گئے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی اب تنگ آکر شہر کے چار معزز حضرات نے بھوک ہڑتال اور عوام نے احتجاجی مظاہرے کئے اس موقعہ پر دارالعلوم میں بھی کارکنوں کی ایک احتجاجی میٹنگ ہوئی جس میں بھوک ہڑتال کرنے والے اصحاب سے شہری رابطہ اور شہری مفاد کے لئے اظہار ہمدردی کیا گیا۔ (اور ایک ریزولیشن میں محکمہ بجلی سے بجلی کی باقاعدہ سپلائی کا مطالبہ کیا گیا پھر دارالعلوم میں بڑے پیمانہ پر ایک جلسہ ہوا جس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اپنی تقریر میں بجلی کی بدانتظامی اور اس سے پیدا شدہ دارالعلوم اور دیوبند کی شہری زندگی کے لئے مالی اور جانی نقصانات کا ذکر فرمایا۔ اس جلسہ میں حاضرین بہت زائد تھے ہمیں خوشی ہے کہ دارالعلوم اور اہل شہر کے مسلسل مطالبات اور بھوک ہڑتال کرنے والے اصحاب کے ایثار وقربانی نے اثر کیا اور محکمۂ بجلی نے دیوبند کو دیہاتی حلقہ سے نکال کر شہری حلقہ میں داخل کرنے اور بجلی سپلائی کو زیادہ بہتر بنانے کی مانگ منظور کی۔ یہ مانگ منظور ہونے پر بھوک ہڑتال پر بیٹھنے والوں نے اپنی ہڑتال ختم کی اور دیوبند کے شہری حلقوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

---

gram: nCHIDIPIR Telephone 32271 / 3226

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اصلاحی ماہنامہ

ماہنامہ

دارالعلوم

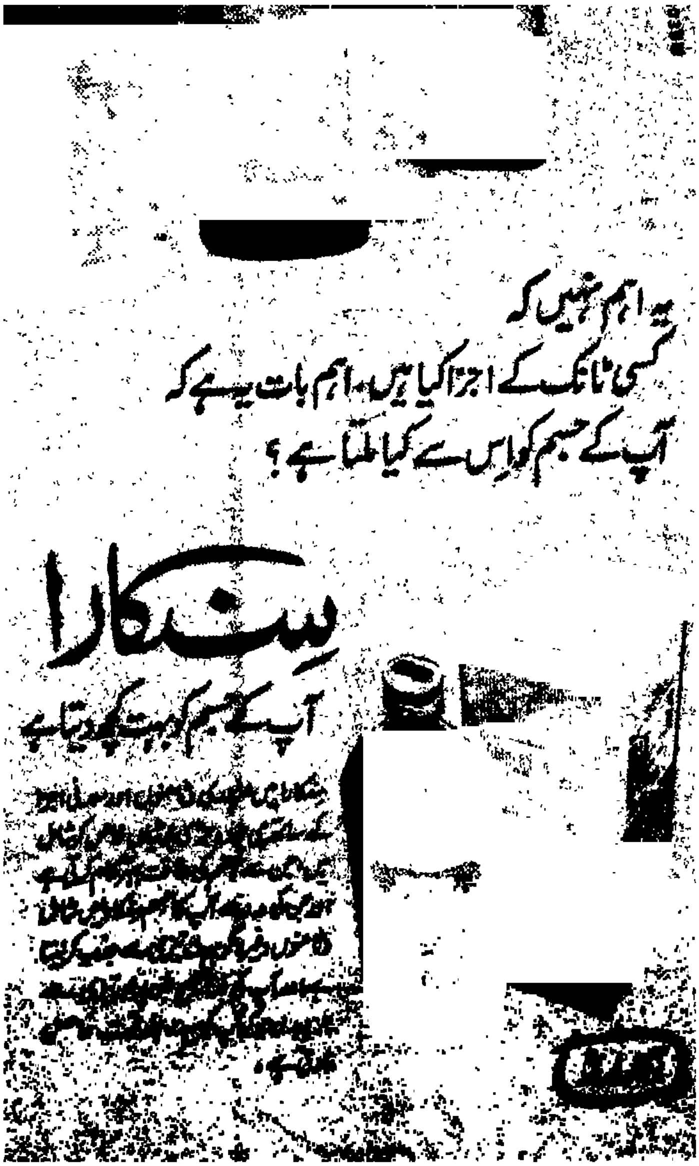
ان الحق

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

محمد ازہر شاہ قیصر — المنان الانور

سید احمد


یہ اہم نہیں کہ
کسی ٹانک کے اجزا کیا ہیں، اہم بات یہ ہے کہ
آپ کے جسم کو اِس سے کیا ملتا ہے؟
سِنکارا
آپ کے جسم کو بہت کچھ دیتا ہے

جلد ۴۶ | دار العلوم دیوبند کا علمی دینی اور اصلاحی | شمارہ

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحب
مدظلہ

ماہنامہ دار العلوم

اکتوبر ۱۹۷۳ء مطابق رمضان ۱۳۹۳ھ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ
قیصر

فہرست مضامین

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دار العلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان
ساڑھے نو روپے

ممالک غیر سے
سادہ ڈاک سے
۲۵ روپے

ممالک غیر سے
ہوائی ڈاک سے
۵۲ روپے

فی پرچہ
نوے ۹۰ پیسے

○ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپکا چندہ ختم ہوگیا ہے، ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر کو بھیجدیں، وی۔ پی کا انتظار نہ کریں۔ اسلئے کہ وی' پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مخلصین دار العلوم سے ضروری گذارش

بنگلہ دیش اور پاکستان سے ڈاک کے تعلقات منقطع ہوجانے کی وجہ سے رسالہ دار العلوم کے تقریباً دو ہزار خریدار ٹوٹ گئے ہیں۔ اپنی دعوت و فکر کے ایک انداز پر قائم رہنے کی وجہ سے یہ رسالہ پہلے ہی سے مالی طور پر زیر بار ہے مخلصین دار العلوم "دار العلوم" کی اس آواز کو باقی رکھنے کے لئے رسالہ کی توسیع اشاعت کی کوشش کو اپنا ضروری فریضہ خیال کریں۔ ہر شخص کم از کم دو خریدار رسالہ کے لئے ضرور فراہم کرے۔

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اس میں قطعاً شبہ نہیں ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں کا باہمی اتحاد اور اخلاص کارآمد اور مفید ثابت ہوا ہے، اور اس سے اسلام اور ملت اسلامیہ کے بہت سارے بگڑے ہوئے کام بنے ہیں، پچھلے دنوں دارالعلوم دیوبند کی آواز پر مسلم پرسنل لا کے مسئلہ پر ملک کے سارے مسلمان جاگ اٹھے، اور بمبئی کنونشن میں مسلمانوں کی مختلف جماعتوں، تنظیموں، اور مختلف مسلک و خیال کے افراد و اشخاص جس طرح سر جوڑ کر بیٹھے اسکی مثال ادھر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی، اور جس ہوش و خرد اور جوش و خروش سے مسلمانوں نے اس میں حصہ لیا اس کے دینی جذبہ اور اسلامی غیرت و حمیت کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔

اس اتحاد اور یکجہتی کا اعتراف ناگزیر طور پر ملک میں دیکھا گیا، مخالف و موافق سب نے اس کو سراہا، حتیٰ کہ حکومت وقت نے بھی مسلمانوں کے دینی شعور کو محسوس کیا، اور اس کا رُخ بھی پہلے کے اعتبار سے بدلا، یہ اتحاد آزاد ہندوستان کی تاریخ کا نمایاں باب ثابت ہوگا، مگر اب ایسا نظر آتا ہے کہ کچھ لوگ اس اتحاد کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اور انہیں پرسنل لا بورڈ کے اسٹیج پر مختلف نظریات رکھنے والے مسلمانوں کا اجتماع کا نا گوار ہے، ——— ادھر وزیر اعظم ہند نے بھی مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں ایک بیان دیا ہے، جسے اتحاد دشمن اخبار اور لیڈر غلط طور استعمال کر کے مسلم پرسنل لا بورڈ کو نقصان پہونچانا چاہتے ہیں، یہ درست ہے کہ اس وقت وزیر اعظم نے اپنا ایک وقتی فریضہ ادا کیا ہے، مگر جب تک دستور کی تمہید میں دفعہ ۴۴ موجود ہے جس کا منشا یہ ہے کہ یکساں سول کوڈ کی سعی کی جائے اس وقت تک اُن کے اطمینان دہانی کا مطلب صحیح نہیں ہے۔ پھر آزادی کے بعد بالواسطہ جو قوانین مسلم پرسنل لا کے خلاف بنے ہیں یا بن رہے ہیں، وہ ختم نہیں ہوتے مسلمان مطمئن ہونا بھی چاہیں تو کیسے مطمئن ہو سکتے ہیں!

مسلم پرسنل لا بورڈ کے کچھ ذمہ داروں سے بھی وزیر اعظم نے ملاقات کر کے گفتگو کی ہے یہ ایک اچھی ابتدا ہے اور اسلامی مسلم پرسنل لا کے بعض پہلو جو وزیر اعظم سے اوجھل تھے وہ ان کے سامنے آئے ہیں اس طرح انہیں بھی اصل مسئلہ پر غور کرنے کا موقع ملا ہے، توقع ہے کہ اگر وزیر اعظم نے اسی طرح مسائل پر نظر رکھی تو بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب مسلم پرسنل لا بورڈ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اسے مضبوط کیا جائے اور باقی رکھا جائے، اور ان سیاسی لوگوں پر گہری نظر رکھی جائے جو اس وقت وزیر اعظم کے بیان اور گفتگو سے فائدہ اٹھا کر بورڈ یا بورڈ کے ذمہ داروں کے خلاف زبان کھولنے لگے ہیں۔

مسلم پرسنل لا کا کام بہ جہتی اور پھیلا ہوا ہے، ابھی اس کی ایک مرکزی قانونی کمیٹی کا دہلی میں اجلاس ہو رہا ہے جس میں ان تمام قوانین کا جائزہ لیا جائے گا جو اب تک پارلیمنٹ، ریاستی اسمبلیوں یا قانونی اداروں کی طرف سے سامنے آئے ہیں، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں کیا خامی ہے اور کس کس قانون کا مسلم پرسنل لا سے بظاہر ٹکراؤ ہے، یہ ایک لمبا کام ہے اور ساتھ ہی محنت طلب بھی، اس میں قانون دانوں دانشوروں اور علماء سبھوں کو غور و فکر کرنا ہے، اسی طرح اسلامی احکام و مسائل کو آج کے انداز میں اس طرح پیش کرنا ہے کہ موجودہ ذہن جلد سے جلد قبول کر لے، اور اس کے فوائد اس کی حکمتیں اور فضیلتیں کے مطابق ہونے پر روشنی پڑے، اور جدید سانچے میں ڈھلے ہوئے ذہن و فکر کو اپیل کر سکے، انکے شکوک و شبہات اور توہمات کو دماغوں سے نکال ڈالے، تاکہ انہیں ان اسلامی قوانین پر یقین محکم حاصل ہو سکے۔

یہ کام کسی طرح آسان نہیں ہے، اور نہ ایسا کہ دو چار مہینے میں ہو جائے، اس پر ایک بیدار دماغ پوری جماعت مسلسل کام کرے تب ہی جاکر یہ انجام پا سکتا ہے۔ پھر کام کرنے والوں کا مخلص، ذہین، کتاب و سنت پر گہری نظر رکھنا اور اسی کے ساتھ موجودہ نفسیات سے واقف ہونا ضروری ہوگا، ایسے افراد کا فراہم کرنا ایک مستقل کام ہے۔

اسی کے ساتھ قانون داں جیسے بیرسٹر وکیل اور جج صاحبان کے لیے مسلم پرسنل لا، پر ایک ایسی جاندار کتاب کی ترتیب بھی ضروری ہے جس سے بوقت ضرورت انکو رہنمائی مل سکے اور وہ اس سے استفادہ کر سکیں، اور اس طرح دوسرے علمی کام اس سلسلہ کے بہت سارے ہیں اور جہاں تک خاکسار کو معلوم ہے بورڈ کے ذمہ دار اس سے غافل نہیں ہیں اور انشاء اللہ وہ بتدریج یہ سارے کام انجام دینے کی سعی کرینگے اور انہیں کامیابی بھی حاصل ہوگی۔

اسی کے ساتھ خود مسلمان معاشرہ کی اصلاح کا کام بھی بیحد ضروری ہے، موجودہ سیاست نے جہاں علم و عمل کو نقصان پہونچایا ہے وہاں یہ بھی ایک عظیم نقصان ہوا ہے کہ مسلم معاشرہ کی اصلاح پر بہت کم توجہ دی گئی ہے، اب تک سارا زور ملکی سیاست پر دیا گیا ہے، کہ یہ سب سے آسان اور نام و نمود کا سب سے بہتر ذریعہ ہے، اس میں تخریب زیادہ ہے تعمیر بہت کم، مسلم معاشرہ کی اصلاح کٹھن بھی ہے اور محنت طلب بھی، اور شہرت اور نام و نمود سے بہت دور بھی، اس لئے اس طرف توجہ جیسی دینی چاہیئے اب تک کسی جماعت نے نہیں دی، اسکا اندازہ مختلف جماعتوں کے اخبارات اور رسائل سے بآسانی ہو سکتا ہے، حد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کے سلسلہ کا کوئی مضمون چھاپا نہیں جاتا۔ اور اگر کہیں چھپتا ہے تو کوئی پڑھنے کی زحمت برداشت نہیں کرتا ہے، بلکہ کہنا چاہیئے کہ موجودہ حالات نے مسلم ذہنوں کو بھی ماؤف کر ڈالا ہے یہ وہی مضمون اور مقالے پسند کرتے ہیں جسمیں مناظرانہ رنگ ہو اور موجودہ ملکی سیاست پر بحث کی گئی ہو، تخریب کا پہلو غالب ہو اور تعمیر کا نام و نشان تک نہ ہو۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ اسوقت مسلم معاشرہ میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، مسلم پرسنل لا کو اس سے بھی نقصان پہونچ رہا ہے، کہیں شوہر بیوی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، کہیں بیوی شوہر کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہ واقع ہوئی ہے، اسلامی اخلاق سے عام طور پر موجودہ معاشرہ دور ہوتا جا رہا ہے، اور نئے رسم و رواج میں بری طرح مبتلا، اسکی وجہ سے بہت سارے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے، غلو اور کوتاہی دونوں سے علیحدہ ہو کر اعتدال کی راہ اختیار کرنا بہت ضروری ہے موجودہ کمیونزم کے دور میں مذہب کو باقی رکھنا اور مسلم معاشرہ میں دینی ذوق پیدا کرنا ایک اہم فریضہ ہے جو تمام دور اندیش مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے، اور اس سلسلہ میں تعاون ہر عاقل بالغ مسلمان پر ضروری ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں سے پوری توقع ہے کہ وہ ان عناصر سے ہوشیار رہیں گے، جو اس کے شیرازہ کو بکھیرنے کی سعی کر سکتے ہیں، یا جن لوگوں کے دل تنگ ہیں اور وہ اپنے سوا دوسروں کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ حکومت وقت سے ہمیں امید ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں بورڈ کے ذمہ داروں کی طرف رجوع کریگی، اور انشاء اللہ یہ بورڈ ملک کے لئے اور مسلم عوام کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

اس وقت بورڈ کی تشکیل بڑے اچھے انداز میں ہوئی ہے اور اس کے ذمہ دار بڑے باحوصلہ، وسیع النظر اور دور اندیش واقع ہوئے ہیں۔ اور اسکی پہلی تحریک دار العلوم دیوبند جیسے مرکزی علمی ادارہ سے ہوئی ہے، اس بورڈ میں اکثریت اہل علم اور دانشوروں کی ہے، جن کو مروجہ سیاست سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے، مگر اس کا یہ منشا بھی نہیں ہے کہ وہ حالات زمانہ اور سیاسی لوگوں سے بے خبر ہیں۔

یہ معلوم ہوکر پوری دنیا میں مسرت کی لہر دوڑ گئی کہ ہندوپاک میں شملہ سمجھوتے کے بعد ایک دوسرا سمجھوتہ راولپنڈی اور دہلی کی گفتگو کے بعد پھر ہوا، اس سمجھوتے سے جنگی قیدیوں کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو چکا ہے اور دونوں ملک ایک دوسرے کے بہت قریب آچکے ہیں، بنگلہ دیش سے بھی پاکستان کی وہ دوری باقی نہیں رہی جو کبھی تھی، اب بہت جلد جنگی قیدی اپنے گھروں میں پہونچ جائیں گے۔ اور اسی کے ساتھ پاکستان میں گھرے ہوئے بنگالی اور بنگلہ دیش میں گرفتار بہاری مسلمانوں کا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا، یہ سب بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہونچا دیئے جائیں گے، لاکھوں بنگالی جو پاکستان میں گھرے ہوئے تھے بنگلہ دیش آجائیں گے اور بنگلہ دیش کے غیر بنگالی جو پاکستان جانا چاہتے تھے، پاکستان پہونچ جائیں گے۔

اس سمجھوتے سے برصغیر کی اس کش مکش میں بڑی کمی آجائے گی، جو دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد پیدا ہو گئی تھی اور دونوں ملکوں کو اندرونی خلفشار، پریشان حالی، اور انتشار کو ختم کرنے کا موقع میسر آئیگا، دونوں ملکوں میں عوام و خواص حالات سے سخت پریشان ہیں، بالخصوص ہندوستان میں گرانی اور غلہ کی نایابی نے عوام میں بے چینی پیدا کر رکھی ہے، ضروریات زندگی کی چیزیں بڑی تیزی سے نایاب اور گراں ہوتی جارہی ہیں۔

حکومت جس چیز پر کنٹرول کرتی ہے تجربہ شاہد ہے کہ وہ یقینی طور پر نایاب بھی ہو جاتی ہیں، اور بہت گراں بھی، مگر اس کے باوجود نہ معلوم حکومت کی کیا مصلحت ہے کہ وہ کنٹرول قائم کرکے عوام کو پریشانی میں ڈالتی ہے اور خود بھی پریشانی مول لیتی ہے

ہندوستان کو ادھر سے مطمئن ہوکر اب ساری توجہ اندرونی حالات پر دینی چاہیئے، تاکہ یہاں سدھار پیدا ہو، خود کانگریس میں گروپ بندی، اسکے ارباب حل و عقد میں تنگ نظری، اور باہمی کشمکش نے ملک کو تباہی کے کنارے پہونچا دیا ہے، ملک میں جو خلفشار چل رہا ہے، پتہ نہیں کہاں جاکر ختم ہوتا ہے جب سے حکومت نے غلہ کی تجارت اپنے ہاتھ لی ہے غلہ اور کمیاب ہو گیا ہے اور غلہ کا بازار سنسان نظر آنے لگا ہے حکومت کو اس تجارت کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے تھا، اس راستے سے حکومت جس قدر نفع کمائے گی اس سے زیادہ اسکا نقصان ہوگا۔

حکومت میں اگر خود ایماندار اور دیانت دار لوگوں کی اکثریت ہوتی، تو شاید ملک کو اس تجارت سے فائدہ ہوتا، مگر دنیا جانتی ہے کہ حکومت اور برسر اقتدار اکثریت پارٹی کے بیشتر افراد بے پرواہ، نفع و نقصان سے بے نیاز، اور عوام کے درد و دکھ سے بیگانہ ہیں، انکے یہاں ذاتی مفاد مقدم ہوتا ہے، اور پر کے کچھ لوگ ایمان دار اور منصف ہیں بھی، تو انکی نہیں چلتی، کاغذات سے وہ صرف اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں، حکومت اور عوام دونوں سے ہمیں ہمدردی ہے، اسلئے ہمارا فرض ہے کہ ہم صحیح مشورہ دیں

(ظفیر صدیقی)

اسلام میں رفاہ عام اور خدمت خلق

مولانا اخلاق حسین قاسمی

محنت کے مطابق مزدوری

ملک کی صنعتی ترقی کا راز یہ ہے کہ ملک کے مزدور اور کاریگر مطمئن اور خوش حال ہوں اور وفا داری کے ساتھ محنت کریں اسلئے اسلام تاکید کرتا ہے کہ مزدوروں کو اُن کی محنت کے مطابق مزدوری دیجائے۔

حضرت ابوہریرہ رضہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ثلٰثۃٌ انا خصمھم یوم القیٰمۃ .... — میں تین آدمیوں کا قیامت کے دن مدعی بنونگا۔

ورجل استاجر فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہٗ — جن میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے پورا پورا کام لیتا ہے مگر اُس کی محنت کے مطابق مزدوری نہیں دیتا۔

(بخاری کتاب الاجارہ پ۹)

خادم کے کاموں میں شرکت

اسلام تاکید کرتا ہے کہ اپنے خادموں اور کام کرنے والے مزدوروں کے کام میں خود بھی شرکت کرنی چاہیئے اور ان کے کام کا بوجھ بٹانا چاہیئے اس سے خدمت گذار لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور اُن کے دل میں وفا داری کا جذبہ پیدا ہوگا

ارشاد فرمایا

اعینوا العامل فی عملہ فان عامل اللہ لا یخیب — کام کرنے والے کے کام میں تعاون کیا کرو (اس وقت تم خدا کے مزدور ہوگئے) اور خدا کا مزدور کبھی ناکام نہیں رہتا

(اخلاق محمدی دوم صـ۱۲)

خادم کے کام میں تعاون کرنے والے کو "خدا کا خادم" قرار دیا کیونکہ وہ بغیر کسی لالچ کے اپنے خادم کا ہاتھ بٹاتا ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خادموں اور کام کرنے والوں کے ساتھ حد درجہ درگذر اور معافی کی تلقین فرمائی

ایک سائل نے پوچھا، حضور! ہم خادم کو کتنی دفعہ معاف کیا کریں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) خاموش رہے، سائل نے پھر پوچھا، تیسری دفعہ آپ نے فرمایا:-

کل یوم سبعین مرۃ (ایضاً ص ۲۵۴) — مزدور اور خادم کو روزانہ ستر دفعہ معاف کیا کرو۔

مطلب یہ کہ کام کرنے والے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درگذر کا برتاؤ کیا جائے تاکہ اس کے دل میں کارخانہ دار اور صنعت کار کے لئے اخلاص اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو اور وہ اپنے آپ کو محض ایک غلام تصور نہ کرے۔ غلامی کے تصور سے کارکردگی کا معیار بھی گریگا اور مقدار بھی کم ہوگی: عربی میں ستر (۷۰) کا عدد مبالغہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ یعنی خادم کو زیادہ سے زیادہ معاف کیا جائے۔

کارکنوں اور خادموں کو خیر خواہی کا حکم

اسلام نے جس طرح کام لینے والوں کو اپنے خادموں کے ساتھ حد درجہ حسن سلوک اور اعلیٰ برتاؤ کی ہدایت کی اسی طرح خدمت اور محنت کرنے والوں کو بشارت دی کہ اگر وہ اپنے مالکوں اور کام لینے والوں کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کے جذبہ سے پیش آئیں گے تو اُن کا درجہ خدا کے ہاں بہت بڑا ہوگا ارشاد فرمایا۔

ان العبد اذا نصح لسیدہ واحسن عبادۃ اللہ فلہ اجرہ مرتین — خادم جب اپنے مالک کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے حقیقی مالک کی بندگی بھی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اسے ہر نیکی کا دوہرا اجر عطا فرماتا ہے

مالک اور کارکن کے درمیان شرارت نہ پھیلاؤ

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا،

من خبب زوجۃ امرءۃ او مملوکہ فلیس منا — جو شخص میاں بیوی یا خادم اور مالک کے درمیان فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ جو لوگ عورتوں کی ہمدردی یا مزدوروں کی ہمدردی کے نام پر عورتوں کو شوہروں کے خلاف اور خادموں، اور مزدوروں اور کاریگروں کو مالکوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں خدا کے پیارے رسولؐ ان لوگوں سے بیزار اور ناراض ہیں دونوں حدیثوں کو امام ابوداؤد نے کتاب الادب ج ۲ ص ۳۵۶ پر روایت کیا ہے۔

حضرت علیؓ نے یہودی عورت کا پانی کھینچا

مگر دوستوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا

احادیث میں آتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک روز شدت بھوک سے تنگ آکر کام کاج کی تلاش میں نکلے، آپ جب مدینہ کے اطراف میں پہنچے تو ایک یہودی عورت کو دیکھا جو مٹی کے ایک ڈھیر کو پانی ڈال کر گارا بنانا چاہتی تھی، حضرت علی رضؓ نے اس سے ایک ڈول پر ایک کھجور کی مزدوری طے کرلی۔

حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں۔

فمددت ستۃ عشر ذنوبا حتی مجلت یدای — .... میں نے سولہ ڈول کھینچے یہاں تک کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔

حضرت علی رضؓ اس سے سولہ کھجوریں لے کر اپنے گھر آئے اور رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سارا واقعہ سنایا، حضورؐ نے ان کھجوروں میں حضرت

علی رضہ کے ساتھ شرکت کی اور دونوں نے مل کر کھجوریں کھائیں۔

محدثین نے اس واقعہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت بڑے سے بڑے آدمی کو محنت مزدوری کرنے میں شرم محسوس نہ کرنی چاہئے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کی ذلت سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ غیر مسلم کے ہاں مزدوری کرنا اور اجرت پر کام کرنا قطعی معیوب نہیں ہے (المہذب ج ۱۴ صفحہ ۲۹)

حضرت علی رضہ بھوک کی اس شدت میں اپنے دولت مند ساتھیوں سے مدد حاصل کر سکتے تھے مگر آپ نے دست سوال دراز کرنے سے محنت مزدوری کرنے کو افضل سمجھا اور ایک یہودی عورت کی مزدوری کی۔

امانت دار خزانچی کا درجہ

حکومت کا خزانچی ہو یا کسی کارخانہ یا فیکٹری کا، اگر اس عہدہ پر کام کرنے والا امانت دار ہو اور خوش دلی کے ساتھ اصل مالک کے حکم کے مطابق حقداروں مزدوروں، اور کاریگروں کو ان کا حق ادا کر دیتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کا درجہ صدقہ کرنے والوں کے برابر ہوگا:

حدیث کے الفاظ یہ ہیں

قال صلی اللہ علیہ	ارشاد فرمایا، جو خزانچی
وسلم الخازن الامین	امانت دار ہو اور جو حکم
الذی یودی ما	اسے اصل مالک کی طرف سے
أمر به طيبة	دیا گیا ہو وہ خوش دلی کے
نفسه احد	ساتھ پورا کر دے تو وہ صدقہ
المتصدقین	کرنے والوں میں سے ایک ہے۔

(بخاری کتاب الاجارہ)

سرکاری خزانچی اور فیکٹریوں کے اکاونٹینٹ، مزدوروں اور لین داروں کو پریشان کرتے ہیں اور بلوں کی ادائگی میں طرح طرح کی رکاوٹ ڈالتے ہیں تاکہ انہیں رشوت دی جائے۔

سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس عہدہ کو رشوت خواری سے پاک کرنے کے لئے یہ خوش خبری دی۔

مظلوموں کی خدمت، سچی گواہی دینے کا حکم

مظلوم اور کمزور آدمی کے حق میں ظالم کے خلاف گواہی دینا، مخلوق کی بڑی اہم خدمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت تاکید کی ہے اور فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اے مسلمانو! سچی گواہی دینے
آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ	کے لئے تیار رہا کرو اگرچہ
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ	وہ گواہی تمہاری ذات
وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ	کے خلاف ہو یا ماں باپ
الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ	اور رشتہ داروں کے
(سورۂ نساء)	خلاف

گاہکوں کی خدمت۔ نرمی سے دوکانداری کرنے والے کا مرتبہ

کامیاب تجارت کا اصول یہ ہے کہ دوکان دار گاہکوں کے ساتھ نرمی اختیار کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نرم دوکان دار کے حق میں رحمت اور برکت کی دعا فرمائی

رَحِمَ اللهُ رَجُلاً	خدا تعالیٰ اس شخص پر رحم
سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا	فرمائے جو خرید و فروخت

اشْتَرٰی وَاِذَا اقْتَضٰی اور قرضے کے تقاضے میں نرمی اختیار کرے۔

بیماروں کی خدمت

اسلام میں بیماروں کی "عیادت" کرنے کی پُرزور تاکید آئی ہے۔

عیادتِ مریض کا حکم دیتے ہوئے سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) بار بار فرمایا کرتے تھے

عودوا المریض بیماروں کی عیادت کیا کرو اور جنازوں کے
واتبعوا الجنائز ساتھ جایا کرو

اسلام میں عیادت کے معنیٰ صرف مزاج پرسی کرنے کے نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیمار کی ہر ممکن خدمت کرو، مزاج پرسی کرو، خبر گیری کرو اور اس کی خدمت کرو علاج وغیرہ میں حصہ لو۔

حدیث میں آتا ہے

"جب کوئی کسی مریض کی عیادت کو جاتا ہے تو واپسی تک وہ جنت کے میوے چُنتا رہتا ہے۔"

(مسلم شریف باب عیادۃ المریض)

فقہاءِ اسلام نے وضاحت کی ہے کہ مریض کی عیادت کے لئے اسلام نے جو تاکید کی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک ہیں کیونکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی عیادت کی ہے اور منافقین کی عیادت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہیں حالانکہ منافقین اسلام کو سخت نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

ایک حدیث قدسی ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن سوال کریگا۔

"اے میرے بندے! میں بیمار پڑا اگر تو میری عیادت کو نہیں آیا"

بندہ کہے گا، خداوندا! تو تو تمام جہاں کا پروردگار ہے میں تیری عیادت کیا کرتا؟

خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ "کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا، مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔"

(مسلم شریف باب عیادۃ المریض)

مہمانوں کی خدمت

مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"جو شخص خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔"

مہمانی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن مقرر فرمائے اور واضح کیا کہ مہمانی تین دن کی ہے اس کے بعد مہمان کے لئے صدقہ ہوگا۔

مطلب یہ کہ مہمان کو کسی کے ہاں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرنا چاہیئے کیونکہ اس سے میزبان کو زحمت ہوگی تین دن سے زیادہ کی مہمانی صدقہ ہو جائے گی جسے ایک غیرت دار مہمان خود ہی پسند نہیں کرے گا۔

ایک مسلمان پر مسلمان کا حق!

مذہبی رشتہ کی وجہ سے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا جو حق واجب ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حق المسلم علی المسلم ست، قیل ما ھی؟ یا رسول اللّٰہ
مسلمان پر مسلمان کے چھ حق واجب ہیں۔ سائل نے پوچھا، وہ کون سے ہیں؟

قال اذا لقیتہ فسلم	فرمایا جب تو اس سے ملے
علیہ واذا دعاک	تو اسے سلام کرے جب
فاجبہ واذا استنصحک	وہ تجھے کسی ضرورت سے
فانصح لہٗ واذا عطس	بلائے تو تو اس کی بات
فحمد اللہ فشمتہٗ	قبول کرے، جب وہ
واذا مرض فعدہٗ	تجھ سے نصیحت چاہے
واذا مات فاتبعہ	تو اس کے ساتھ خیرخواہی
	کرے جب وہ چھینک لے

اور الحمدللہ کہے تو تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے جب وہ بیمار پڑے تو تو اس کی عیادت کرے اور جب وہ مرجائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے۔

جانوروں کے حقوق

اسلام خدا کی تمام مخلوق پر رحم کرنے کی تعلیم دیتا ہے اسلئے مخلوق خدا میں ہر جاندار کے حقوق الگ الگ تفصیل سے بیان کرتا ہے، خدا کی مخلوق میں جانور بھی شامل ہیں، اسلام نے جانوروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنے اور ان کے خدمت کرنے کی بڑی وضاحت سے ہدایت فرمائی ہے

اسلام کے آنے سے پہلے حیوانات کے ساتھ بڑی بڑی زیادتیاں کی جاتی تھیں، عرب کے جاہل بھی حیوانات پر بڑا ظلم کرتے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم و زیادتی کی اُن تمام صورتوں کو ممنوع قرار دیکر حیوانات پر رحم کرنے کی جو ہدایات جاری کیں وہ حسب ذیل ہیں

(۱) کسی جاندار کو شکار بازی کے لئے نشانہ کے طور پر استعمال نہ کیا جائے جب کہ اسے کھانا مقصود نہ ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ مرغی کو باندھ کر اُس پر نشانہ بازی کر رہا ہے آپ نے اُسے منع کردیا کہ حضورؐ اس کی ممانعت فرمایا کرتے تھے۔

(ترمذی، ابواب العبد ص۲۵۵)

(۲) زندہ جانور کے جسم میں سے گوشت کا کچھ حصہ نہ کاٹا جائے، وہ حرام ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دیکھا کہ لوگ زندہ اونٹ کا کوہان اور زندہ دنبہ کی چکتی کاٹ کر کھاتے ہیں تو آپؐ نے یہ حکم جاری فرمایا۔

(۳) جس حلال جانور کو کھانے کی نیت نہ ہو اسے مارا نہ جائے کیونکہ یہ اسے ضائع کرنا ہے

(۴) جو جانور نہ موذی ہوں اور نہ انہیں کھایا جاتا ہو انہیں ہلاک نہ کیا جائے جیسے چیونٹیاں، شہد کی مکھیاں، ہدہد وغیرہ

(۵) ذبح ہونے والے جانوروں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے،

(۶) جانوروں کے آرام، چارہ اور پانی کا خیال رکھنے کی سخت ہدایت فرمائی۔

ایک روز فرمایا۔ لوگو! جب تم شادابی کے موسم میں سفر کیا کرو تو جانوروں کو گھاس پھونس سے فائدہ اٹھانے دیا کرو، اور جب خشکی اور گرمی کے موسم میں سفر کیا کرو تو سفر کی مسافت جلد طے کرلیا کرو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ایک باغ میں قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے یہ باغ ایک انصاری کا تھا،

اس باغ میں ایک اونٹ تھا، یہ اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بلبلایا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری

ہو گئے

فاذا جمل فلما	وہ اونٹ حضور کو دیکھ کر
رای النبی صلی اللہ	چیخنے لگا اور اس کی آنکھوں
علیہ وسلم حن	سے آنسو جاری ہو گئے
وذرفت عیناہ	حضورؐ اس اونٹ کے پاس
فاتاہ النبیؐ فمسح	آئے اور اس کی کنپٹیوں پر ہاتھ
ذفراہ فسکت فقال	پھیرا، وہ چپ ہو گیا
من رب ھذا	آپ نے فرمایا، اس کا مالک
الجمل ؟	کون ہے ؟

اس کا مالک حضورؐ کے پاس آیا آپ نے اس سے فرمایا

افلا تتق اللہ فی	کیا تم ان جانوروں کے
ھذہ البھیمۃ التی	بارے میں خدا کا خوف
ملکک اللہ ایاھا	نہیں کرتے جن کا خدا نے
فانہ شکا الیّ انک	تمہیں مالک بنایا ہے
تجیعہ وتدئبہ	اس اونٹ نے مجھ سے
(ابوداؤد ج ۲ ص۳۵۲)	شکایت کی ہے کہ تم اسے
	بھوکا رکھتے ہو اور تھکا
	دیتے ہو

ایک اونٹ کا سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر چیخنا اور آنسوؤں سے رونا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رحمت کا کھلا نشان تھا جو آپ کی صداقت کو واضح کرنے کے لئے سامنے آیا

سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی بھی ممانعت فرمائی کہ چوپایوں اور جانوروں کو بازی گری کے طور پر آپس میں لڑایا جائے یہ بھی ان بے زبانوں پر ظلم و زیادتی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالے نے حیوانات کو انسانوں کی جس خدمت کے لئے پیدا کیا ہے اُن سے وہی خدمت لینی چاہیئے

صفحہ ۱۷ کا بقیہ

اسلام کا نظام سیاست

اہم پارٹ ادا کرتا ہے اس کا مقصود عالمی امن و فوائد ہیں نہ کہ ذاتی مصلحت و منفعت اور نہ قومیت و وطنیت کے خاطر عالمی امن و سکون کا خاتمہ کرتا ہے بلکہ معاہدہ کا احترام، ناگزیر صورت میں فریق آخر کو مطلع کر دینا، صداقت و حقانیت کا ثبوت دینا، ملکی حدود کا احترام کرنا فساد سے اجتناب، بہتر سلوک کرنا، اور حسن اخلاق سے غیر ممالک کے ساتھ پیش آنا اسلامی نظام سیاست کا مابہ الامتیاز ہے۔

(۱۱) شہریت

اسلامی ریاست میں دو قسم کے شہری ہوتے ہیں جن میں پہلا مرتبہ مسلمانوں کو حاصل ہے جنکی شہریت تمام اسلامی ریاستوں میں مشترک ہوتی ہے، سارے اسلامی ممالک میں سیاسی و معاشرتی لحاظ سے تمام حقوق کا حقدار ہوتا ہے دوسرے وہ شہری جو غیر مسلم ہیں اور مسلم ریاست میں رہتے ہیں، معمولی ٹیکس کے عوض حکومت اُن کے جان و مال کے حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے جس کو "ذمی" کہتے ہیں اس کے پرسنل لا میں اسلامی حکومت دخیل نہیں ہوتی، مذہبی تبلیغ کا حق عطا کرتی ہے اور وہ سارے حقوق دیتی ہے جو مسلمانوں کو دیتی ہے اس طرح کوئی خاص فرق شہری ہونے کی حیثیت سے نہیں رہ جاتا ــــ اسطرح اسلامی حکومت، جان و مال عزت و عصمت کی حفاظت کرتی ہے ظلم کے خلاف آواز کا حق شخصی آزادی، اجتماع کی اجتماعی، اقلیت کی حفاظت و کیھ عدل و انصاف کا مثالی نمونہ پیش کرتی ہے ــــ اس مختصر جائزہ سے بات واضح ہوگئی کہ کامیاب جمہوری حکومت کا خاکہ اور صحیح کردار کیا ہونا چاہیئے۔ ●

اسلام کا نظامِ سیاست

محمد اقبال

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس نظام کے تحت انسانی زندگی کے باعتبار انفرادی و اجتماعی معاشرتی، معاشی، اخلاقی، روحانی، مذہبی اور سیاسی نظام آجاتے ہیں۔ مقصد مبحث سیاسی نظام ہے

اسلامی نظام سیاست کو سمجھنے کے لئے اسلام کے مبادی اور اصول پر غور کرنے اور قرآن واحادیث پر غائرانہ نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نظام سیاست کی خشتِ اول توحید ہے۔

(۱) توحید :- توحید کا مطلب یہ ہے کہ اس سارے عالم کا خالق ایک خدا ہے جو ہر چیز پر قادر مطلق ہے، ہر شے اسی کے حکم کے مطابق اپنے افعال میں مصروف و مشغول ہے، ساری کائنات اور اس کے ذرہ ذرہ پر اس کی حاکمیت ہے، حتیٰ کہ انسانی معاملات میں بھی حاکمیت کا حق اسی کو پہنچتا ہے، البتہ فرق صرف یہ ہے کہ نظام کائنات میں تو اللہ کی حاکمیت اپنے زور پر آپ قائم ہے، خود انسان بھی اپنی زندگی کے غیر اختیاری حصے میں طبعاً اس کی حاکمیت و فرمانروائی کا مطیع ہے لیکن انسان کی زندگی کے اختیاری حصے میں وہ اپنی اس حاکمیت کو بزور مسلط نہیں کرتا بلکہ الہامی کتابوں کے ذریعہ سے جن میں آخری کتاب قرآن کریم ہے

اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور بندوں کی خلافت کے اساسی نظریات کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست (ایک جمہوری حکومت Democracy) کا مقصد وجود، اس کے حقوق و فرائض، امارت کا معیار انتخاب، شورائیت، سمع وطاعت کے نظام، حدود اللہ کی اہمیت، عدلیہ کے اصول، صلح و جنگ کے ضوابط معاہدانہ تعلقات کے قواعد، غرض جہانبانی کے تمام اصول و فروع کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲) اسلامی نظام سیاست کی دوسری بنیاد سنت رسول اللہ ہے

نبی کریمؐ کی ذات ایسی جامع ہے جس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے، جنھوں نے انسان کو انسانیت کی تعلیم اور بلند اخلاق عطا کیا۔

خدا بہ حیثیت حاکم کائنات ہر قسم کے تصرف

کرنے کے لئے مستقل قواعد وضوابط بنا رکھے ہیں،
اصول وقوانین کو رسول ﷺ کے ذریعہ انسانوں پر نافذ
کیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی
زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت
ز)
کے نمائندہ ہیں۔ اس طرح قرآن کے اصول کی سنت
رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ "آپ کی رہنمائی میں ظہور اسلام کے ساتھ ہی جو مسلم معاشرہ وجود میں آیا اور پھر ہجرت کے بعد سیاسی طاقت حاصل کر کے جس ریاست کی شکل اس نے اختیار کی اس کی بنا ان ہی تعلیمات پر رکھی گئی تھی"
(خلافت وملوکیت) اسلام کے جہانبانی کے طریقہ کار کا ذکر کرتے ہوئے مشہور یورپین مصنف رائیڈن لکھتا ہے کہ "پہلی حقیقی جمہوریت جس کا تصور ذہن انسانی میں پیدا ہوا اس کا اعلان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب ہی نے کیا۔"

اور باسوا سمتھ (Bosworth Smith) نے کہا کہ "آپ ایک سہ گانہ موسس تھے، آپ نے ایک مذہب، ایک تہذیب اور ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی۔"

(۳) اسلام کے نظام سیاست کی تیسری بنیاد خلافت ہے

(جس کے ذریعہ جمہوری حکومت کا وجود مکمل ہوتا ہے)

خلافت کے معنی نیابت ہے، اسلامی نقطہ نظر سے دنیا میں انسان خدا کے نائب کی حیثیت سے ہے، بقول مولانا مودودی "ریاست خدا اور رسول کی قانونی بالادستی تسلیم کرکے اس کے حق میں حاکمیت سے دستبردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت "خلافت (نیابت) کی حیثیت قبول کرلے ۔۔۔ خدا نے خود انسان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے اسلئے انسان یہاں خود مختار مالک نہیں ہے بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " واذقال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفه"
(خلافت وملوکیت)

اسلامی نظام سیاست کسی ایک فرد یا خاندان یا جماعت کو خلافت نہیں سونپتا، بلکہ پوری سوسائٹی کو خلافت کا حق عطا کرتا ہے جس کی نمائندگی ایک فرد کرتا ہے، وہ توحید ورسالت، ایمان واسلام کے اصول کا پابند ہوتا ہے۔ اور جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

" واضح ہو کہ خلیفہ کے اندر عاقل، بالغ، آزاد مرد شجاع، رائے سننے والا اور دیکھنے والا، اور گویا ہونا شرط ہے اور اس کا ایسا شخص ہونا شرط ہے۔۔۔ لوگ اس کی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں اور اس کی فرماں برداری سے عادی کرتے ہوں اور اس سے یہ بات بھی ہوتی ہو کہ وہ سیاست مدنیہ میں حق کا اتباع کریگا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن پر عقل دلالت کرتی ہے اور باوجود ملکوں کے دینوں کے اختلاف کے تمام بنی آدم کے خلیفہ کے اندر ان تمام باتوں کی شرط ہونے کا اتفاق ہے اس لئے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں

ہوسکتی، اور ان امور میں جب کبھی کوئی امر رہ گیا ہے تو انھوں نے اس کو نامناسب خیال کیا ہے اور اس کا خلیفہ ہونا ان کے دلوں کو ناگوار گذرا ہے اور غصہ کی حالت میں بظاہر سکوت کیا ہے چنانچہ جب اہل فارس نے ایک عورت کو اپنا بادشاہ بنایا تو نبی نے فرمایا کہ

" جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا
اس کو ہرگز فلاح نہ ہوگی "

اور ملت مصطفویہ کے خلیفہ ہونے میں ان امور کے علاوہ اور باتیں بھی معتبر ہیں،

وہ نمائندہ یا خلیفہ محض موجودہ جمہوری حکومت کی طرح قوانین کا اجراء یا سیاسی بازیگری کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ بہتر با اخلاق اور حق پرست معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے۔

جو امور اسلامی نظام سیاست کو دوسری جمہوری نظام حکومت سے متمیز کرتے ہیں اختصار کے ساتھ چند کا ذکر کر رہا ہوں۔

(۱) جمہوری خلافت

بقول مولنا مودودی " جو چیز اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کا نظریہ سیاسی "جمہوری حاکمیت" کا قائل ہے اور اسلام "جمہوری خلافت" کا۔ وہاں جمہور خود بادشاہ ہیں اور یہاں بادشاہی خدا کی ہے اور جمہور اس کے خلیفہ ہیں، وہاں اپنی شریعت جمہور آپ بناتے ہیں یہاں ان کو اس شریعت کی پابندی کرنی پڑتی ہے جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ دی ہے، وہاں حکومت کا کام جمہور کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے یہاں حکومت اور اس کے بنانے والے جمہور سب کا کام خدا کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے۔"

(۲) اصولی

(Ideological) مغربی جمہوریت مطلق العنان ہوتی ہے۔ گرچہ دعوی کرتی ہے کہ دستور کے تحت چلتی ہے لیکن موجودہ حکومتیں واضح مثال ہیں کہ کس حد تک بنیادی اصول ( ) کا خیال رکھتی ہیں، اس کے بہ نسبت جمہوری خلافت پابند آئین ہوتی ہے اور خدا داد ہدایت کے مطابق عمل کرتی ہے جس کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص اصولی طور پر اپنے حق کا مصرف لیتا ہے۔ خلافت راشدہ اس کی روشن دلیل ہے اور کسی کو اصول میں تبدیلی و تحریف کا حق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اپنے اندر وہ صفات رکھتا ہے کہ ہر دور میں فرد و حکومت کی ضرورت کو پوری کرے

(۳) مساوات

(Equality) کے سبب ہی سوسائٹی کا ہر فرد خلافت کا حقدار ہوتا ہے کسی کو رنگ و نسل، قومیت و وطنیت، سیاہ و سفید، عرب و عجم کے اعتبار سے ترجیح حاصل نہیں ہوتی اور نہ یہ حق پہونچتا ہے کہ حقوق و اختیارات سے محروم کر سکے۔ اس کی واضح تصویر ہے کہ جس مجلس شوری کے ممبر حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ تھے انہی کے مشیر اور کیبنٹ (Cabinet) کے ممبر سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ بلال حبشیؓ اور سالمؓ بھی تھے

(۴) حقوق کی حفاظت

یہ نظام سیاست و حکومت، اقلیت و اکثریت کے حقوق کی مکمل حفاظت کرتا ہے۔ کسی کو ظلم و زیادتی

اور بے انصافی کا موقع نہیں دیتا، جس کی وجہ سے ہر شخص فرحت وانبساط، اور امن وسکون کی زندگی گزارتا ہے حکام ورعایا سبھی قانون کے پابند ہوتے ہیں۔

(۵) عدل وانصاف

اسلامی سیاست کی خاص خوبی عدل انصاف جس کی بنیاد پر سارا نظام قائم رہتا ہے اور آپس میں خلفشار، تنازع اور آئے دن حکومت میں تبدیلی نہیں ہوتی، عدل کے بغیر ملک وقوم میں ظلم وسفاکی عام ہو جاتی ہے، حکومت کا نظام درہم وبرہم ہو جاتا ہے۔ اسلئے اسلامی نظام سیاست، سلطنت وحکومت کے مقتدر اعلیٰ سے ادنیٰ رعایا تک پر یکساں قانون نافذ کرتا ہے اس میں کسی کی وجاہت، یا غربت کا خیال نہیں کیا جاتا حکومت وسیاست کو دباؤ سے آزاد رکھنے کے لئے مجلس مقننہ کو الگ رکھا جاتا ہے۔ قاضی شریعت کے سامنے خلیفہ اور رعایا کی ایک حیثیت ہوتی ہے، عدلیہ ایک مستقل اور جدا شعبہ ہونے کے باعث کسی حاکم کا اثر فیصلہ صادر کرنے میں نہیں پڑتا۔

اسلام نظام سیاست کی خاص خوبی یہ ہے کہ قانون الٰہی کی پابندی ججوں پر ضروری ہوتی ہے وہ کسی حاکم کی ماتحتی نہیں قبول کرتے۔ بلکہ بے لوث سچائی اور ایمانداری کے ساتھ حق وناحق، جائز وناجائز کی ترازو پر سب کا فیصلہ کرتے ہیں یہ اسلامی نظام سیاست کی امتیازی شان ہے کہ دوسرے نظام سیاست نے اس سے سبق لیا۔ اس کو علامہ سید سلیمان ندوی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

"آج بھی جہاں عدل ومیزان کا وجود ہے وہ کسی یونانی حکیم یا یورپین فلاسفر کی تعلیم وتصنیف اور تقریر وخطبہ کا اثر نہیں ہے بلکہ طبقہ انبیاء ہی کی بے واسطہ یا بالواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے (سیرت النبیؐ ۴)"

(۶) اخلاق

ہمہ گیر نظام سیاست کے لئے لازمی عنصر ہے کہ اس میں اخلاقی معیار بھی بہت بلند ہو، اس کے بغیر وہ نظام سیاست ناقص رہتا ہے جس میں ہمدردی وسلامتی کا فقدان ہو، کیونکہ اخلاق ہی ایک ایسا امر ہے کہ انسان کے روح وقلب پر بھی حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، علی الخصوص اسلامی اخلاق کی وہ خوبیاں جو دوسروں سے بالاتر ہیں اور لوگوں کے دل ودماغ پر حکمرانی کرتی ہیں۔ ان کو ڈاکٹر آصف قدوائی صاحب نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا کہ

"نظام اخلاق کے متوازن اور معتدل ہونے میں اسلام کو جو فوقیت باعتبار نرم وگرم، جمال وجلال کے حاصل ہے، دوسرے نظاموں میں نہیں، اور وہ نظام اخلاق ہے

جس اخلاق میں کوہ گراں بھی ہے اور آب رواں بھی شعلہ بھی اور شبنم بھی، نہ وہ شروع سے آخر تک مسیحیت کی انفعالیت اور عاجزی ہی کی تشریح ہو، اور نہ شریعت موسوی کی قانونیت اور سختی ہی کی توضیح، بلکہ ان دونوں کو اپنے آغوش میں لے کر ایک ایسا توسط اور توازن پیدا کرے کہ امن وعدل، بلند ہمتی واستقلال، قوت وحرکت، آزادی وحق گوئی، عزم ووقار، عاجزی وفروتنی رحم وعفو، حلم وبردباری، صبر وسکون، رفاقت ومحبت استغناء، قناعت، توکل، سخاوت، عصمت، حیا شجاعت، مردانگی، سیر چشمی، بلند نظری غرض تمام اوصاف انسانی اس میں نمایاں ہوں، جو غضب وشہوت کا استعمال نہ کرے کیونکہ اس طرح یہ دنیا ایک وسیع

قبرستان ہو کر رہ جائے گی، اور نہ انکو ہوا ہی دے کر ہم سب درندوں کی سطح پر اُتر آئیں بلکہ ان کی صحیح تربیت کا انتظام کرے" اسلامی نظام سیاست میں اخلاق کو منجملہ خوبیوں کے یہ بھی حاصل ہیں یہی اخلاق حاکم و رعایا، قوم و ملت میں محبت و رفاقت کو برقرار رکھتا ہے، انسان کو انسانی سانچہ سے باہر نہیں ہونے دیتا، اور اخلاق ہی دنیا کے امن و سلامتی اور مقصد حقیقی کے حصول کے لئے کامیاب نسخہ ہے۔

اور یہی اخلاق جس کے اثرات اسلامی نظام سیاست کو پایۂ تکمیل تک پہونچاتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان کے قلوب بھی مسحور ہو جاتے ہیں، اس کا اعتراف ڈاکٹر جانسن نے واضح الفاظ میں کیا کہ

" ان کا خالص تاریخی کردار، انکی سادگی اور بے ریا انسانیت کہ میں انسانوں میں سے ایک انسان ہوں ــــ اُن کی وہ پرجوش حقیقت پسندی جو سارے پراسرار قسم کے دوراز کار تخیلات کو نظر انداز اور مافوق العادت چیزوں کو رد کر دینے والی ہے وہ مکمل جمہوری اور آفاقی تصور جس کے تحت ان کا آسمانی بادشاہت کا تصور رد نما ہوا تھا جس پر انھوں نے انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد رکھی، وہ قوت جس کا انحصار اخلاقیات پر تھا، ان کا وہ اعتماد جو انہیں زبان اور قلم پر تھا، یہ ساری چیزیں محمد کو رشتہ عہد جدید سے جوڑنے والی ہیں۔"

(۷) جہاد

جہاد کے معنی جنگ و قتال غلط ہے، محنت و کوشش بسل ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ان الفاظ میں تعریف کی "حق کی بلندی اور اس کی اشاعت رحفاظت کے لئے ہر قسم کی جد و جہد، قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور تمام جسمانی و مالی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالٰی کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں اس راہ میں صرف کرنا"

بہتر نظام سیاست کے لئے جہاد کو کیوں جائز قرار دیا ہے؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے الفاظ میں اس کا جواب حاضر ہے۔

واضح ہو کہ تمام شریعتوں میں سب سے زیادہ تام اور کامل شریعت وہ ہے جس میں جہاد کا حکم پایا جائے، کیونکہ اللہ تعالٰی کو اپنے بندوں کا اوامر و نواہی کے ساتھ مکلف کرنا ایسا ہے کہ جیسے کسی شخص کے غلام مریض ہو جائیں تب وہ اپنے کسی خاص آدمی کو اس بات کا حکم دے کہ وہ ان کو کوئی دوا پلا دے پس اگر وہ شخص دوا پلانے میں ان پر سختی کرے اور اس کو ان کے منہ میں ڈالے تو ایسا کرنا درست ہوگا مگر رحمت کا مقتضیٰ ہے کہ ان کے سامنے دوا کے فوائد بیان کر دے تاکہ خوشی کے ساتھ اس دوا کو پی لیں اور نیز اس دوا میں شہد شامل کر دے تاکہ رغبت عقلیہ کے ساتھ رغبت طبعیہ بھی پائی جائے پھر اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر ریاستوں کی نسبت میں شہوات دنیا اور اخلاق سبعیہ اور شیطانی امور غالب ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں ان کے آباء کے رسوم از حد پیوست ہوتے ہیں پس وہ اُن فوائد کو نہیں سنتے اور نبی کے حکم پر یقین نہیں کرتے اور اس کی خوبی میں غور نہیں کرتے تو اُن کے حق میں یہ رحمت نہیں ہے کہ ان پر اثبات حجت میں ہی اکتفا کیا جائے بلکہ ان کے حق میں رحمت یہی ہے کہ اُن پر جبر کیا جائے تاکہ خواہ مخواہ ان کے دلوں میں ایمان اس طرح سے داخل کیا جائے جس طرح زبردستی سے تلخ دوا پلائی جاتی ہے اور یہ جبر اور سختی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ جو مقابلہ میں قوت شدیدہ اور سامان قوی

رکھتا ہے اس کو قتل کیا جائے یا ان کی قوت و شوکت کو توڑ دیا جائے"

اور ڈاکٹر آصف قدوائی صاحب نے یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ نظام حکومت و سیاست کے لئے جہاد اہم کیوں ہے؟ اور اسلامی نظام سیاست میں کیا مقصد ہے؟ اور آج کی موجودہ جمہوریت اُن ہی اغراض کے لئے جنگ و جدال کرتی ہے یا ایک حکومت دوسری حکومت کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہے؟ ان کا جواب یہ دیا کہ "اسلام نے حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لئے جنگ کرنا جائز قرار دیا ہے اور آنحضرت ؐ کو بھی مجبور ہو کر تلوار سے کام لینا پڑا اگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسلام کی کامیابی کی کہانی درحقیقت جنگ و جبر کی کہانی ہے...... محض بہتان اور تاریخ کو جھٹلانے کی ایک گندی سازش ہے..

قلب و روح کو بزور شمشیر تسخیر نہیں کیا جا سکتا ایمان دراصل یقین کا دوسرا نام ہے اور دنیا کی زبردست سے زبردست طاقت جبراً کسی کمزور سے کمزور انسان کے دل میں بھی یقین کا ایک ذرہ نہیں پیدا کر سکتی اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہے مگر ایک عمل جراحت کے طور پر یعنی ایک ایسی رکاوٹ کو دور کرنے کی غرض سے جو معمولی تدابیر سے دفع نہ ہو سکے گویا جنگ ایک ناپسندہ ضرورت ہے ایک بلند اور مستحسن مقصد کے حصول کی آخری تدبیر اس طرح اسلام جنگ کو ہیمانہ کشت و خون کی سطح سے اٹھا کر عبادت کے مقام پر پہونچا دیتا ہے جو جنگ اس عظیم اور ارفع معیار پر نہ آسکے وہ سراسر قابل نفرت اور رسوائی کا باعث ہے"

اب میں آج کی جمہوریت پسند حکومت اور امن پسند قائدین ملت سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آج بھی جنگ و جدال ان ہی اغراض کے لئے کیا جاتا ہے، یا مشرقی وسطیٰ و ویٹ نام و کمبوڈیا اور دیگر مقامات میں خوں ریزی، یا تسلط قائم کرنے کے لئے اور دوسری قوموں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے،

ہر صاحب عقل و دانش یہی جواب دیگا کہ خود غرضی و ذاتی منفعت کے سوا کچھ نہیں اور مطلب پرستی ہی کے لئے سیاست کو جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملے گی کہ اسلامی حکومتوں نے اپنے ذاتی اغراض کے حصول کے لئے جنگ کی ہو، اسی طرح اسلامی نظام سیاست میں جہاد کو بہتر اور متوسط مقام حاصل ہے جو ایک ضروری عنصر ہے اور جس کے بغیر دنیا کی کوئی سیاست کامیابی حاصل نہیں کر سکتی

(۸) حدود

اسلامی نظام سیاست چونکہ جمہوری نظام کا حامل ہے اس وجہ سے اپنے اندر تمام امتیازی خصوصیات کے ساتھ حدود کو نظام حکومت کے لئے قائم رکھتا ہے اور کن مقاصد کے پیش نظر اور کن اسباب کی وجہ سے مقرر کیا جاتا ہے؟ مختصراً شاہ ولی اللہ رح کی زبان سے سنئے، "بعض معاصی ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حد مقرر فرمائی ہے اور وہ معاصی ایسے ہیں جن میں فساد کی بہت سی صورتیں ہیں کہ ان سے زمین میں فساد ہوتا ہے اور دنیا کے امن و اطمینان کو ختم کرتا ہوتا ہے، اور ان کے لئے بنی آدم کے نفوس کے اندر داعیہ ہوتا ہے جو ہمیشہ ان کے اندر جوش مارتا رہتا ہے اور ان کی عادت ہو جاتی ہے کہ جب وہ معاصی دل میں پیوست ہو جاتے ہیں تو لوگ ان سے باز نہیں آسکتے، اور ان میں ضرر عظیم ہوتا ہے جن کو اکثر اوقات مظلوم اپنے نفس سے دفع کرنے کی طاقت نہیں

رکھتا اور یہ بات لوگوں کے درمیان اکثر واقع ہوتی رہتی ہے، اپنے گناہوں میں عذاب آخرت سے ڈرانا کافی نہیں بلکہ اس قسم کے معاصی پر نہایت درجہ ملامت اور تکلیف کا پہنچانا ضروری ہے تاکہ ہر وقت وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے رہے اور جس گناہ کا وہ ارادہ کرتے تھے اس سے وہ باز رہیں جیسے زنا، چوری، قتل و غارتگری وغیرہ

(حجۃ اللہ البالغہ)

حدود یا سزائیں اس دور کی جمہوری حکومتیں بھی نافذ کرتی ہیں لیکن اسلامی نظام سیاست میں حدود کو جو فوقیت باعتبار اصلاح حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ جرائم کی مناسبت سے حدود کو نافذ کرتا ہے اور موجودہ جمہوریت میں غیر مناسب سزائیں مقرر کیجاتی ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ برائیاں، فساد، ظلم و سفاکی سارے عالم میں عام ہو رہی ہے، انسان خوف و دہشت کی زندگی گذار رہے ہیں جب حدود اسلامی رائج تھیں امن و سکون، عدل و انصاف نیک صفات، اخلاق و انسانیت اپنے اعلیٰ درجہ میں تھی آج انتہائی انحطاط میں پہنچے۔

(۹) اسلامی نظام سیاست میں اقتصادی مساوات ایک اہم جزء ہے

جس کے بغیر کوئی حکومت یا سلطنت، جماعت یا سوسائٹی یا معاشرہ خوشحالی اور عیش و عشرت کی زندگی نہیں گذار سکتا اقتصادی مساوات کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام نے مختلف قوانین بنائے ہیں تاکہ سرمایہ داری یا اشتراکیت کے پردہ میں یا دوسرے نظام کے ذریعہ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے افلاس و غربت عام نہ ہوجائے، شاہ ولی اللہؒ نے ان الفاظ میں اقتصادی مساوات کو بیان کیا ہے کہ "اگر فقراء اور حاجتمندوں کے ساتھ ہمدردی کا طریقہ لوگوں میں نہ ہو تو وہ ہلاک ہوجائیں اور بھوکے مرجائیں، اور نیز شہر کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ ایک مال مجتمع رہے جس سے ان لوگوں کی پرورش کی جائے جو شہر کی حفاظت میں مصروف رہتے ہیں اور اسکی تدابیر اور سیاست میں رہتے ہیں اور چونکہ وہ لوگ۔ رفاہ عام کے کاموں میں مشغول ہوکر اپنے اکتساب معاش سے باز رہتے ہیں۔ ان کی پرورش بھی شہر کے ذمہ ہونا چاہئے، اور مشترکہ اخراجات کے بعض تو بسہولت کفیل نہیں ہوسکتے، یا بعض ان کو برداشت ہی نہیں کرسکتے اس واسطے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال میں سے کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے" (حجۃ اللہ البالغہ)

موجودہ جمہوریت ہو یا مارکس لینن کے اصول، سبھوں نے فقر و محتاجی اور ذخیرہ اندوزی کے خاتمہ کے لئے مختلف راہیں اختیار کیں لیکن کوئی بھی اس پر قابو نہ پاسکا کیونکہ وہ سارے نظام سوائے اسلام کے غیر فطری ہیں جس کو انسانیت نے کچھ وقت کے لئے قبول بھی کیا تو غیر فطری ہونے کے سبب اقتصادی مساوات کو برقرار نہیں رکھ سکا کیونکہ ہر شخص آزاد ہوکر زیادہ سے زیادہ مال کو اپنے تصرف میں لانے کی کوشش کرتا ہے اور عقل کہہ رہی ہے کہ دوسرے لوگ مفلسی میں بھی مبتلا نہ ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسا فطری نظام ہو جو امیر و غریب اور مالداری و محتاجی کا فرق باقی نہ رکھے اور مال چند افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہوکر پوری سوسائٹی میں چکر لگاتا ہے، ہر فرد کو ملتا رہے، اسلئے اسلام نے زکوۃ صدقہ، میراث، جزیہ (ٹیکس) وغیرہ قوانین نافذ کیا، منہ دیگر ذرائع سے مال و دولت چند افراد کے قبضہ میں نہیں رہتا بلکہ ہر فرد کو ملتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے اس طرح معاشرہ میں امراء اور غرباء کے درمیان تصادم نہیں ہوتا اور نظام سیاست بہتر شکل میں باقی رہتا ہے۔

(۱۰) خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی میں بھی اسلامی نظام سیاست (باقی صفحہ ۱۹ پر)

بد دینی اور بے دینی بداخلاقی کی جڑ ہے

(مولانا عبد السبحان اعظمی عمری جامعہ دار السلام عمر آباد)

یہ مادی اور تمدنی ترقی کا زمانہ ہے، سائنسی ارتقا نے انسان کو اس بلند مقام پر پہونچادیا ہے جس کا آج سے سو سال پیشتر کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا سمندر کی تہ میں ہزاروں میل کا سفر کرنا اور ہواؤں میں پرواز کرنا پرانی بات ہوگئی اب تو انسان نے آسمان پر کمندیں پھینکنی شروع کردیں اسے اس دھرتی پر رہنا پسند نہیں ہے اسے چندر نگر میں آباد ہونے کا شوق ہے، چاند کی دنیا میں پہونچ کر اس نے اپنا جھنڈا بھی گاڑ دیا لیکن اس کو اپنا مسکن اب تک نہ بنا سکا، آج دنیا کے محیر العقول آلات واسلحہ جات کی ایجادات نے عسکری طاقت کو بھی بے معنی کردیا ہے۔ دشمن قوم کو مغلوب کرنے اور اس پر اپنا اقتدار جمانے کے لئے فوج کی کثرت اور سامان جنگ کی فراوانی کی ضرورت نہیں بلکہ اسے مہلک ہتھیاروں کی ضرورت ہے جو چشم زدن میں جنگ کا نقشہ بدل دیں۔ آج کے دور میں طاقتور اسی کو کہا جائے گا جس کے پاس سائنسی مہلک آلات واسلحہ جات ہوں۔ آج دنیا کی دو بڑی طاقتیں امریکہ اور روس دونوں ایک دوسرے کے حریف ہیں اور ان دونوں کو اپنے جدید تباہ کن ہتھیاروں پر ناز ہے اور معاملہ نزاکت کی اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ان دونوں میں کسی ایک نے اگر چند منٹ اپنے حریف سے پیشتر اپنے سائنسی آلوں کو حرکت دیدی تو دوسرے کی تباہی و بربادی میں چند گھنٹے تو درکنار چند منٹ ہی شاید لگیں گے۔

مادی ترقی کی منزل میں انسان جتنا آگے نکل گیا ہے اور جس بلند و بالا مقام پر پہنچ گیا ہے اسی نسبت سے وہ روحانیت کے لحاظ سے عمیق غار میں گرتا جارہا ہے اور اپنی اس پستی کا اسے احساس وشعور بھی نہیں ہے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ انسان کی ترکیب دو جزء سے ہوئی ہے ایک کا نام جسم اور دوسرے کا نام روح ہے اور صحیح انسانیت کا ظہور ان ہی دونوں اجزاء کی نشوونما اور تکمیل سے ہوگا۔

جو لوگ روح کے تقاضوں سے غافل ہوکر صرف جسم کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے خواہش نفس کے پیچھے بگٹٹ بھاگے جارہے ہیں وہ درحقیقت انسانیت کے مقابلے میں حیوانیت کو اجاگر کررہے ہیں، انسانی شرافت اور اس کا نکھار، اخلاقی اقدار، بدی اور نیکی کا احساس خوب و ناخوب کا فرق و امتیاز ان سب کا تعلق روح سے ہے۔ روح کا جتنا تزکیہ ہوگا اتنا ہی انسانیت کا حسن و جمال نمایاں ہوگا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا بلکہ اس کے جنم دینے والی ایک ایسی بلند ہستی ہے جو انسان کے ادراک سے بالاتر ہے اس کی طاقت اتنی ہمہ گیر ہے کہ کائنات کا ذرہ بھی اس کے قبضۂ اقتدار سے باہر نہیں اس ہستی نے انسان کو جنم دیا اور تمام مخلوقات میں اس کو شرف و امتیاز بخشا، اس علم و تصور کے ساتھ لازمی طور پر یہ بات ذہن میں آجاتی ہے کہ ہم کو اس شرف و امتیاز کے ساتھ جو زندگی عطا ہوئی ہے وہ بے مقصد تو نہیں ہو سکتی اور پھر زندگی کو بامقصد بنانے کے لئے ہر شخص کی رائے و فکر کو معیار نہیں بنایا جا سکتا اس کی تعلیم کے لئے دنیا میں انسانی گروہ میں سے ایک ایسا گروہ ایک زمانہ دراز تک آتا رہا جو انسانیت کے اتنے اونچے مقام پر فائز رہا جس سے اونچا مقام انسانیت کی تکمیل کے لئے ہو ہی نہیں سکتا انسانوں کے اسی گروہ کو فرستادۂ خدا کہا جاتا ہے۔ انہوں نے دنیا کو بتایا کہ خالق حیات نے انسان کی زندگی کا ایک مقصد بتایا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا ضروری ہے انہوں نے یہ بھی بتایا کہ انسان ایک ذمہ دار ہستی ہے اس کے ہر گفتار و کردار کا احتساب ہوگا اور اس کا حساب لینے والی وہی ہستی ہے جس نے نہ صرف انسان کو بلکہ پوری کائنات کو وجود بخشا، وہ ہستی دانا و بینا ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے علم کی گرفت میں ہے اور اسی کے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ آدمی کیسے ہی پوشیدہ مقام پر کوئی کام کرے وہ اپنے جیسے انسانوں سے تو مخفی رکھ سکتا ہے لیکن اس ہستی سے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ اسی تصور و عقیدہ کی بدولت انسانوں کا ایک صالح معاشرہ قائم ہوا جس میں کسی پر ناحق ظلم و ستم نہیں، کوئی کسی کا حق مارنے دبانے والا نہیں۔ طبیعتوں میں حرص و آز نہیں خود غرضی و خود ستائی نہیں، کسی کا تمسخر و استہزاء نہیں معاشرہ کا ہر فرد مجسم شرافت ہے اس کا دل غیروں کی ہمدردی اور رواداری سے لبریز ہے وہ فساد و بدامنی پھیلانے سے نہ صرف گریز کرتا ہے بلکہ اسے نہایت ہی سنگین جرم تصور کرتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ جو سب کو جنم دینے والا ہے وہی سب کا پالنہار ہے اسی کی عبادت و بندگی کرنا چاہیئے جن لوگوں نے اس پاکباز گروہ کا کہا نہیں مانا اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو نہیں اپنایا اور خدائے واحد پر عقیدہ نہیں رکھا ایسے لوگوں کا معاشرہ نہایت ہی گندا اور مردم آزار رہا۔ انکے پاس شرافت و مروت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں، نفسانیت اور غرض پرستی ان کا سب سے بڑا اور دل چسپ مشغلہ رہا۔ ایسے لوگوں کا وجود ہر دور میں رہا اور اہل ایمان کے ساتھ ان کا برتاؤ ظالمانہ اور معاندانہ رہا۔

دیکھئے آج دنیا مادی ترقی کے لحاظ سے انتہائی بلندی پر پہونچ گئی ہے لیکن انسانیت کے لحاظ سے وہ حیوانیت کی سطح پر بلکہ اس سے بھی نیچے آگئی ہے آج کسی کی عزت و آبرو کا کوئی لحاظ و پاس نہیں لوگوں کی بے عزتی اور بے آبروئی کرنا آج کی دنیا کا پسندیدہ مشغلہ ہے، بات بات میں مارنے اور قتل کرنے کی دھمکی دینا، بدامنی پھیلانا، اور توڑ پھوڑ کرنا معمول ہو گیا ہے اور یہ سب نتیجہ ہے دین و مذہب سے نفرت اور بیزاری کا، خدا پرستی سے دشمنی کا، اور قیامت سے انکار کا اور یہ خصوصیت اسی دور کی نہیں ہے بلکہ جب سے دنیا علم و معرفت سے آشنا ہوئی اسی وقت سے ایسے ہوا پرست اور خود غرض طبقہ کا وجود بھی ہوا اور اس طبقہ نے ہمیشہ صالح اور خدا ترس لوگوں کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا اور مختلف طریقوں سے ان کو دق کرنا اور ستانا شروع کیا، اللہ کے فرستادہ پیغمبروں نے نہایت

ہی محنت اور ہمدردی کے ساتھ ان کو معاشرے کی برائیوں سے آگاہ کیا اور اُن کو بندگی رب کی دعوت دی لیکن انہوں نے ان کی بات نہ مانی بلکہ الٹے ان کی تکذیب کی اور عوام کو یہ کہہ کر اُن کے خلاف ابھارا کہ یہ تمہاری طرح بشر ہیں ان کو کیا سرخاب کا پَر لگ گیا ہے کہ ہم ان کی بات مانیں یہ اصل میں تم کو تمہارے آباء واجداد کے طریقے سے ہٹا کر خود تم پر اپنا اقتدار جمانا چاہتے ہیں

قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تريدون ان تصدونا عما كان يعبد اباؤنا (ابراہیم ع ۲)	تم تو ہم جیسے ہی آدمی ہو تم چاہتے ہو کہ روک دو ہم کو ان چیزوں سے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔
وقال الملاء من قومه الذين كفروا وكذبوا بلقاء الاخرة واترفناهم في الحيوة الدنيا ما هذا الا بشر مثلكم ياكل مما تاكلون منه ويشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشرا مثلكم انكم اذا لخاسرون ايعدكم انكم اذا متم وكنتم ترابا وعظاما انكم مخرجون (مومنون ع ۳)	اور بولے سردار اس کی قوم کے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے تم جیسا کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو اور اگر کہیں چلنے لگے تم کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بے شک خراب ہوئے۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور ہڈیاں ہوجاؤ گے اور مٹی تو تم کو نکلنا ہے
هيهات هيهات لما توعدون ان هي الا حياتنا الدنيا نموت ونحي وما نحن بمبعوثين۔	کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے اور کچھ نہیں یہ جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو پھر اٹھنا نہیں ہے

یعنی بے دین مادہ پرستوں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ مرنے کے بعد اُن کو خدا سے ملنا ہے وہ کہتے تھے کہاں کی آخرت کہاں کا حساب کتاب ہم تو جانیں یہی ایک دُنیا کا سلسلہ اور یہی ایک مرنا جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہوگیا آگے کچھ نہیں۔

بس دنیا کی زندگی کا عیش و آرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور اللہ کا پیغمبر جب ان کو قیامت سے ڈراتا تھا تو کہتے تھے کہ کس قدر بعید از عقل بات کہتا ہے' ہڈیوں کے ریزے مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا' اور اس سے بڑھ کر خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم و مطاع ٹھہرا لیا جائے

حضرت نوح ؑ کی دعوت کے جواب میں کہا

ما نراك الا بشرا مثلنا وما نراك اتبعك الا الذين هم اراذلنا بادي الراي وما نرى لكم علينا من فضل بل نظنكم كاذبين (ھود ع ۳)	ہم نہیں دیکھتے تجھ کو مگر ہمارے جیسا آدمی اور نہیں دیکھتے تابع ہوا ہو کوئی تیرے مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی بڑائی بلکہ ہم کو تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام سے کہا گیا

اجئتنا لنعبد الله
وحده ونذر ما
كان يعبد اٰباؤنا
(اعراف ع ۱۶)

کیا تو اس واسطے ہمارے
پاس آیا ہے کہ ہم بندگی
کریں اللہ کی جو اکیلا ہے
اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے
ہمارے باپ دادا

⁂

قوم شعیبؑ نے کہا

وقال الملأ
الذين كفروا من
قومه لئن
اتبعتم شعيبا
انكم اذا
لخاسرون
(اعراف ع ۱۸)

اور بولے سردار جو کافر تھے
اس کی قوم میں اگر پیروی
کرو گے تم شعیب کی تو
یقیناً خراب ہو گے

⁂

فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت
ہارون علیہا السلام کو جواب دیا

قالوا اجئتنا
لتلفتنا عما
وجدنا عليه
اٰباءنا وتكون
لكما الكبرياء
في الارض
(یونس ع ۱۳)

بولے کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے
اس راستے سے جس پر
پایا ہم نے اپنے باپ دادوں
کو اور تم دونوں کو اقتدار
مل جائے اس ملک میں

⁂

حضرت صالحؑ سے لوگوں نے کہا

قالوا يا صالح
قد كنت فينا
مرجوا قبل
هذا اتنهانا
ان نعبد ما
يعبد اٰباؤنا
واننا لفي شك
مما تدعونا
اليه مريب
(ہود ع ۶)

بولے اے صالح تجھ سے
تو ہم کو امید تھی اس سے پہلے
کیا تو ہم کو منع کرتا ہے
کہ پرستش کریں جن کی پرستش
کرتے رہے ہمارے باپ
دادے اور ہم کو تو شبہ
ہے اس میں جس کی طرف
تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں
مانتا۔

⁂

یعنی تجھ سے امید تھی کہ آگے چل کر بڑا فاضل اور نیک مرد ہوگا کہ باپ دادے کی راہ روشن کریگا لیکن تو نے ہمارے آباء و اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علانیہ جہاد کر کے سب توقعات خاک میں ملا دیں ہمارے نزدیک بزرگوں کی روش کے خلاف ایسا مسلک اختیار کرنا سخت شبہ کی چیز ہے جسے ہمارا دل کسی طرح نہیں مانتا۔

انبیائے کرام کی تکذیب بے دینوں کا عام شیوہ تھا

كلما جاء امة
رسولها كذبوه
(مومنون ع ۳)

جہاں پہونچا کسی امت کے
پاس ان کا رسول اس کو
جھٹلا دیا

كذبت قبلهم
قوم نوح
فكذبوا عبدنا
(قمر رکوع ۱)

جھٹلا چکی ہے ان سے پہلے
نوح کی قوم، اس نے
جھوٹا کہا ہمارے بندے کو

كذبت عاد
فكيف كان عذابي
ونذر (قمر ع ۱)

جھٹلا دیا عاد نے، پھر کیسا رہا
میرا عذاب اور ڈرانا

كذبت ثمود

جھٹلا دیا ثمود نے ڈرانے

بالنذر (قمر ع ۱) — والوں کو

کذبت قوم لوط بالنذر (قمر ع ۱) — جھٹلایا قوم لوط نے ڈر سنانے والوں کو

ولقد جاء آل فرعون النذر کذبوا بآیاتنا کلھا (قمر رکوع ۳) — اور پہنچے فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے جھٹلا دیا انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو۔

کذبت قبلھم قوم نوح واصحاب الرس وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط واصحاب الایکة وقوم تبع کل کذب الرسل فحق وعید (ق ع ۱) — جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنویں والے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم۔ ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو پھر ٹھیک پڑا میرا ڈرانا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے

وان یکذبوک فقد کذبت قبلھم قوم نوح وعاد وثمود وقوم ابراھیم وقوم لوط واصحاب مدین وکذب موسیٰ (حج ع ۱۳) — اگر تجھ کو جھٹلائیں تو اُن سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین کے لوگ اور موسیٰ کو جھٹلا دیا۔

حضرت الیاس ؑ نے بھی جب اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو اس نے تکذیب کی

فکذبوہ فانھم لمحضرون (صافات ع ۴) — پھر اس کو جھٹلا دیا سو وہ آنے والے ہیں پکڑے ہوئے

تکذیب کی مختلف صورتیں تھیں عام طور پر انبیائے کرام کی مقدس ہستیوں کو ساحر اور مجنون کہہ کر لوگوں کو ان کی باتیں سننے سے برگشتہ کرتے تھے اور یہ بات ہر دور میں اس طرح رہی گویا ہر ایک جانے والا دوسروں کو کہہ کر جاتا تھا کہ جو بندگئ رب کی دعوت دینے آئے اُسے ساحر اور مجنون کہا جائے

کذلک ما اتی الذین من قبلھم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون اتواصوا بہ بل ھم قوم طاغون (ذاریات ع ۳) — اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا اس کو یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ کیا یہی وصیت کر رہے ہیں ایک دوسرے کو، نہیں، بلکہ یہ لوگ شریر ہیں۔

یعنی ہر زمانے کے کافر اس بات میں ایسے متفق رہے کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر کے مرے ہیں کہ جو رسول آئے اسے ساحر یا مجنون کہہ کر چھوڑو۔ واقع میں وصیت تو کہاں کرتے البتہ شرارت میں سب شریک ہیں اور یہی اشتراک پچھلے شریروں سے وہ الفاظ کہلواتا ہے جو اگلے شریروں نے کہے تھے۔

حضرت نوح ؑ کے متعلق کہا

ان ھو الا رجل بہ جنة فتربصوا — کچھ نہیں یہ ایک شخص ہے جس کو جنون ہے بس

بہ حتیٰ حین راہ دیکھو اس کی ایک
(مومنون ع ۲) وقت تک

حضرت ہود ؑ کے متعلق کفار نے کہا

قال الملأ الذین بولے سردار جو کافر تھے اس
کفروا من قومہ کی قوم میں ہم تو دیکھتے ہیں
انا لنرٰک فی تجھ کو عقل نہیں اور ہم تو
سفاھۃ و انا تجھ کو جھوٹا گمان کرتے
لنظنک من ہیں
الکاذبین ÷ ÷ ÷
(اعراف رکوع ۱۸) ÷

حضرت صالح ؑ کو جواب دیا گیا

قالوا انما انت بولے تجھ پر تو کسی نے
من المسحرین جادو کر دیا ہے
(شعراء ع ۱۰)

فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰؑ کی تقریر
کے جواب میں کہا

قالوا ان ھٰذان بولے یہ دونوں جادوگر
لساحران ہیں چاہتے ہیں کہ نکال
یریدان ان دیں تجھ کو تمہارے ملک
یخرجاکم من سے اپنے جادو کے زور
ارضکم بسحرھما سے اور موقوف کرادیں
و یذھبا بطریقتکم تمہارے اچھے خاصے
المثلیٰ چلن کو۔
(طہٰ ع ۳)

یعنی تمہارا جو دین اور رسوم پہلے سے چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا دین اور طور طریق رائج کردیں اور جادو کے فن کو بھی جس سے ملک میں تمہاری عزت اور کمائی ہے چاہتے ہیں کہ دونوں بھائی تم سے لے اڑیں اور تن تنہا خود اس پر قابض ہو جائیں

فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا۔

قال ان رسولکم بولا تمہارا پیغام لانے والا
الذی ارسل جو تمہاری طرف بھیجا
الیکم لمجنون گیا ہے ضرور دیوانہ
(شعراء ع ۲) ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کفار نے یہ گستاخانہ کلمات کہے

وَ قالوا یا ایھا اور لوگ کہتے ہیں کہ اے
الذی نزل وہ شخص کہ تجھ پر اترا ہے
علیہ الذکر انک قرآن تو بے شک دیوانہ
لمجنون ہے
(حجر ع ۱)

و قال الظالمون اور کہنے لگے ظالم تم پیروی
ان تتبعون الا کرتے ہو ایک مرد کی
رجلا مسحورا جس پر جادو کر دیا گیا
(فرقان ع ۱) ہے۔

ان بے دینوں نے اس مقدس گروہ کی نہ صرف تکذیب کی بلکہ اپنی رذالت کا ثبوت یوں دیا کہ اُن کا ٹھٹھا اڑانے لگے، ان کو دیکھ کر ہنسی مذاق کرتے اور ہر نبی کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا

و ما یاتیھم اور نہیں آیا ان کے پاس
من رسول الا کوئی رسول مگر کرتے رہے
کانوا بہ یستھزءون اس سے ہنسی۔
(حجر ع ۱)

یا حسرۃ علی
العباد ما یاتیھم کیا افسوس ہے بندوں پر
من رسول الا کوئی رسول نہیں آیا ان
کانوا بہ یستھزءون کے پاس جس سے ٹھٹھا نہ
(یٰس ع ۲) کریں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے

ولقد استھزئ — اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں رسولوں
برسل من قبلک — سے تجھ سے پہلے پھر الٹ
فحاق بالذین — پڑی ٹھٹھا کرنے والوں
سخروا منھم ما — پر ان میں سے وہ چیز
کانوا بہ یستھزؤن — جس کا ٹھٹھا کرتے
(انبیاء ع ۳) — تھے

ولقد استھزئ — اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے
برسل من قبلک — رسولوں سے تجھ سے پہلے
فاملیت للذین — سو ڈھیل دی میں نے
کفروا ثم اخذتھم — منکروں کو پھر ان کو
(رعد ع ۱۱) — پکڑ لیا۔

حضرت نوح علیہ السلام جب فرمان الٰہی سے کشتی تیار کرنے لگے تو بے دین اور بے وقوف ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے

وکلما مر علیہ — جب گذرتے اس پر
ملا من قومہ — سردار اس کی قوم
سخروا منہ — کے مذاق کرتے اس
(ہود ع ۴) — سے

یعنی نوح علیہ السلام جب کشتی بنانے لگے تو ان سے پوچھتے کیا بناتے ہو۔ آپ فرماتے ایک گھر بناتا ہوں جو پانی پر چلے گا اور ڈوبنے سے بچائے گا وہ سن کر ہنسی اڑاتے کہ خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کرتے ہیں۔

یہ بے دین خود تو رذیل تھے لیکن پاکباز انبیاء اور اُن کے ماننے والوں کو ہی رذیل مانتے تھے

قالوا انؤمن لک — بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں
واتبعک الارذلون — اور تیرے پیرو ہو رہے ہیں
(شعراء ع ۶) — کمینے۔

یعنی نوح علیہ السلام نے جب توحید کی دعوت دی اور کچھ لوگ ایمان لاکر اُن کے ساتھ ہو گئے اس سلسلے میں وہ لوگ اپنی شرافت کا بے معنی دعویٰ کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ تھوڑے سے کمینے اور نیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہو گئے ہیں بھلا یہ کیا اونچے کام کرینگے؟ اور ہمارا فضل وشرف کب اجازت دے سکتا ہے کہ ان کمینوں کے دوش بدوش تمہاری مجلس میں بیٹھا کریں۔

قوم عاد کے متعلق کہا گیا

وحاق بہم — الٹ پڑی ان پر وہ
ما کانوا بہ — بات جس کا ٹھٹھا
یستھزؤن — کرتے تھے۔
(احقاف ع ۳)

یعنی جس عذاب الٰہی کی ہنسی اڑایا کرتے وہ ان پر واقع ہوا۔

قوم فرعون کی حالت بیان ہوتی ہے۔

فلما جاء ھم — پھر جب لایا وہ ان کے
بایاتنا اذا ھم — پاس ہماری نشانیاں
منھا یضحکون — تو ان پر ہنسنے لگے
(زخرف ع ۵)

یعنی حضرت موسیٰ ؑ نے جب معجزات دکھائے تو ان کا مذاق اڑانے لگے

حضرت صالح ؑ کے متعلق بدبختوں نے کہا

أألقی الذکر — کیا اسی پر اتری نصیحت
علیہ من بیننا — ہم سب میں سے، کچھ
بل ھو کذاب — نہیں، یہ تو جھوٹا ہے
اشر — بڑائی مارتا ہے
(قمر ع ۲)

یعنی یہ سب جھوٹ ہے خواہ مخواہ بڑائی مارتا ہے کہ خدانے مجھے رسول بنایا ہے اور ساری قوم کو میری اطاعت کا حکم دیا ہے ۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا یوں استہزاء کیا گیا

یا شعیب اصلوٰتك	اے شعیب کیا تیری نماز
تامرك ان نترك	یہ سکھاتی ہے کہ ہم چھوڑدیں
مایعبد آباؤنا	جن کو پوجتے تھے ہمارے
اوان نفعل فی اموالنا	باپ دادا یا چھوڑدیں
مانشاء انك	کرنا جو کچھ کہ کرتے ہیں اپنے
لانت الحلیم الرشید	مالوں میں تو ہی بڑا باوقار
(ھود ع ۸)	ہے نیک چلن

یعنی بطور استہزاء و تمسخر کہہ رہے تھے کہ بس زیادہ بزرگ نہ بنئے کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے بڑے عقل مند اور باوقار نیک چلن رہ گئے ہیں باقی ہم اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کفار مکہ ٹھٹھا کرتے

واذا راك الذین	اور جہاں دیکھا تجھ کو منکروں
کفروا ان یتخذونك	نے تو کوئی کام نہیں ان
الا ھزوا اھذا	کو تجھ سے مگر ٹھٹھا کرتے
الذی یذکر	کیا یہی شخص ہے جو نام لیتا
الھتکم (انبیاء ع ۳)	ہے تمہارے معبودوں کا

یعنی یہ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی ہنسی اڑاتے اور ان سے ٹھٹھا کرتے ۔ اور استہزاء و تحقیر سے کہتے کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے

ایک تجویز

رسالہ دارالعلوم کے چندہ میں اضافہ ||| جو بڑی مجبوری کی حالت میں اختیار کی گئی

یہ حقیقت ہے کہ دارالعلوم نے زائد سے زائد مالی نقصان برداشت کیا مگر رسالہ دارالعلوم کے چندہ میں اسلئے کوئی اضافہ نہیں کیا کہ علماء طلباء اور عوام کے لئے اسکا خریدنا مشکل ہوگا، پاکستان اور بنگلہ دیش کے ہزاروں خریداروں کے ختم ہوجانے کے ساتھ مصارف کی زیادتی اور قیمت رسالہ میں اضافہ نہ کرنے کی وجہ سے یہ مستقل مالی نقصان بھی کئی سال سے ہمارے لئے مشکلات پیدا کررہا ہے، اب گرانی کا یہ عالم ہے کہ کاغذ گراں، چھپائی گراں، کتابت کی اجرت پہلے سے زائد، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئیے کہ رسالہ دارالعلوم کی ضخامت، اور سائز کے رسالے اس وقت اپنی قیمت ۱۰ روپے اور ۱۲ روپے سالانہ وصول کررہے ہیں۔ اب مجبوراً ہم چندہ میں ڈیڑھ روپے کا اضافہ کرتے ہیں آئندہ رسالہ کی قیمت کی شرح یہ ہوگی ۔ (۱) غیر ممالک میں ہوائی ڈاک سے ۵۲ روپے" (۲) غیر ممالک میں سادہ ڈاک سے ۲۴ روپے (۳) ہندوستان میں ۹ روپے ۵۰ پیسے، (۴) ایک پرچہ کی قیمت ۹۰ پیسے،

جو لوگ ہمیں سالانہ قیمت میں تخفیف کے لئے لکھتے رہتے ہیں براہ کرم وہ آئندہ ایسی فرمائش نہ کریں اسطرح کی کسی فرمائش کا پورا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں، نئے اور پرانے خریدار پوری کوشش کریں کہ قیمت رسالہ منی آرڈر سے بھیجدیں، وی پی منگانے میں ہر خریدار پر ایک روپیہ ۳۰ پیسے کا زائد بار پڑتا ہے، خریدار اکثر منی آرڈر اور خطوط پر اپنا نمبر خریداری نہیں لکھتے جسکی وجہ سے انکی فرمائشات کی تعمیل ممکن نہیں ہوتی، اور پھر خریدار شکایت کرتے ہیں، سب خریداروں کو دفتر سے مراسلت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئیے۔

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

اسلام میں

مرد و عورت کے حقوق و فرائض

مولانا اخلاق حسین قاسمی فاضل دیوبند

خطبۂ نکاح

بعد حمد و صلوٰۃ، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا ــــــ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح کے رشتہ کا قول و قرار کرانے سے پہلے خطبہ فرمایا کرتے تھے، اس خطبہ میں خدا کی حمد و ثنا اور رسالتِ محمدی ؐ کا اقرار ہوتا ہے اور سورۂ نساء کی پہلی آیت پڑھی جاتی ہے۔

یہ آیت پاک اس سورت کی تمہید ہے جس میں مرد و عورت کے باہمی تعلقات کا قانون بیان کیا گیا ہے، سرور عالم ؐ یہ ایک آیت تلاوت کرکے دراصل پورے اسلامی پرسنل لا کی طرف دولہا دولہن اور ان کے تمام عزیزوں کو توجہ دلایا کرتے تھے۔

اس تمہیدی آیت پاک میں اسلامی معاشرت کے دو اصول بیان کئے گئے ہیں،

پہلا اصول "انسانی وحدت"

دوسرا اصول۔ "معاشرتی اور خاندانی حقوق کا احترام"

خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ــــ لوگو! اس پروردگار سے ڈرتے رہا کرو جس نے تمہیں ایک نفس (آدم) سے پیدا کیا اور اس سے اس کے جوڑے (عورت) کی تخلیق فرمائی اور پھر ان دونوں (مرد و عورت) سے بہت سے مرد و عورت پھیلائے۔ اور ڈرو اس خدا سے جس کے قانون کا حوالہ دے کر تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور پورا پورا خیال رکھو آپس کی رشتہ داریوں کا، بے شک خدا تعالیٰ تمہاری پوری پوری خبر رکھتا ہے۔

اسلامی معاشرت کا پہلا اصول

سماجی مساوات

وحدت انسانی اور سماجی برابری اسلامی معاشرت کا پہلا اور بنیادی اصول ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے تمام انسانوں کو جب ایک باپ اور ایک ماں سے بنایا ہے تو پھر ذات پات کی اونچ نیچ کیوں ہو، ؟

دوسری آیت پاک میں اس حقیقت کو زیادہ واضح کرتے ہوئے فرمایا

یاایہاالناس انا	اے لوگو! ہم نے تمہیں
خلقناکم من ذکر	ایک مرد وعورت سے
وانثیٰ وجعلناکم	پیدا کیا اور تمہارے اندر
شعوباوقبائل	مختلف خاندان اور برادریاں
لتعارفوا ان	بنا دیں تاکہ تم ان خاندانوں
اکرمکم عنداللّٰہ	کو تعارف اور پہچان کا
اتقاکم۔	ذریعہ بنالو۔ بیشک زیادہ

بزرگ تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگاری رکھتا ہے

اس آیت پاک نے صاف طور پر بتا دیا کہ برادریوں پیشوں اور قبیلوں کی بنیاد پر اونچ نیچ اور شریف ورذیل کی تقسیم قطعی طور پر خدا کے نزدیک بے حقیقت بات ہے اور جو اس قسم کا تصور رکھتا ہے وہ اسلام کا مجرم ہے

سماجی انصاف کا انقلابی اعلان

اسلام سے پہلے تمام دنیا نسل ونسب اور خاندان کو برادری کے غرور میں مبتلا تھی، طاقت وروں نے اپنے آپکو اونچا اور کمزوروں کو نیچا قرار دے رکھا تھا، اس مصنوعی اونچ نیچ کی دیواروں کو منہدم کرنے اور کمزوروں کو زبردستی کی ذلت اور حقارت سے نجات دلانے کے لئے ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے موقعہ پر سماجی انصاف کا اعلان دوہرایا۔

حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے وداعی خطبہ دیتے ہوئے فرمایا

یاایہاالناس ان	لوگو! بیشک تم سب کا پروردگار
ربکم واحد وان	ایک ہے اور تم سب کا باپ
اباکم واحدٌ، الا	(آدم) بھی ایک ہے، خبردار
لا فضل لعربی	رہو، کسی عربی کو کسی عجمی (عرب
علیٰ عجمیٍ ولا	سے باہر والے) پر کوئی فضیلت
لعجمی علیٰ عربی	نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی
ولا لاحمر علیٰ	عربی پر فضیلت ہے اور نہ
اسود ولا لاسود	کسی سُرخ کو کسی کالے پر
علیٰ احمر الا	کوئی فضیلت حاصل ہے اور
بالتقویٰ، انَّ	نہ کسی کالے کو کسی گورے
اکرمکم عند اللّٰہ	پر کوئی بزرگی حاصل ہے
اتقاکم	مگر تقویٰ اور پرہیزگاری سے
اَلَاھَلْ بَلَّغْتُ؟	بلاشبہ سب سے زیادہ بزرگ وہ
قالوابلیٰ یارسول اللّٰہ!	ہے جو اپنے پروردگار سے
قال فَلْیُبَلِّغِ الشاھدُ	زیادہ ڈرتا ہے۔
الغائبَ (ترغیب)	خبردار! کیا میں نے خدا کا
	پیغام پہنچادیا، لوگوں نے

کہا، ہاں! یارسول اللہ! آپ نے پیغام حق پہنچا دیا، آپ نے فرمایا، پس حاضرین دوسرے لوگوں کو یہ پیغام پہونچادیں

اسلام کا یہی وہ انقلابی پیغام تھا جس نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا، دبے اور پسے ہوئے عوام

اسلام کا پرچم لے کر کھڑے ہوگئے اور دیکھتے دیکھتے عرب، شام، مصر، عراق، ایران اور یورپ اور ایشیاء کے اہم علاقے اسلام کا گن گانے لگے۔

دوسرا اصول، باہمی حقوق کا احترام

سورۂ نساء کی اس آیت میں دوسرا اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ باہمی حقوق کا احترام کیا جائے، اس سورت میں خدا تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے حقوق کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور اسی لئے اس سورۃ کا نام سورۂ النساء رکھا گیا ہے

قرآن کریم نے عورتوں کے حقوق کی خصوصی اہمیت بیان کرنے کے لئے ایک سورۃ کا نام سورۂ نساء رکھا جبکہ مردوں کے نام پر قرآن میں کوئی سورت موجود نہیں ہے۔

اسلام جس وقت دنیا میں آیا اس وقت عورت کو ہر قسم کے تمدنی حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا، یہ غریب معاشرہ میں صرف مرد کی محکوم اور غلام بن کر اپنا وقت گزارتی تھی اس وقت اسلام نے اعلان کیا

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف	اور ان عورتوں کے مردوں پر وہی حقوق ہیں جو مردوں کے عورتوں پر ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو وسیع تمدنی اور معاشی حقوق عطا کئے، معاشرہ میں انسانی عزت و شرف کے تمام مراتب عطا فرمائے اور ان حقوق و مراتب کی حفاظت کے لئے اخلاقی اور قانونی ہدایات میں پائیدار ضمانتیں مہیا کیں۔

مرد و عورت میں فطری امتیاز

البتہ اسلام نے مرد و عورت کے درمیان فطرت کی طرف سے پیدا کئے ہوئے فرق کو ملحوظ رکھا اور وہ فرق یہ ہے کہ مرد کے اندر فطری طور پر فعل و تاثیر کی قوت ہے اور عورت کے اندر انفعال اور اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔

قدرت کا یہ سارا نظام اسی اصول پر چل رہا ہے یہاں ہر شئے کا ایک جوڑا ہے **ومن کل شئ خلقنا زوجین** — اس جوڑے میں ایک فاعل ہے اور ایک منفعل، ایک اثر ڈالتا ہے، دوسرا اثر قبول کرتا ہے، ایک شی میں سختی ہے اور ایک میں نرمی، ایک میں گرمی ہے، ایک میں سردی — یہی قانونِ زوج اس نظام کو چلا رہا ہے۔ اگر کدال میں سختی اور زمین میں نرمی نہ ہو تو کھیتی کا کام نہیں ہو سکتا، لیکن قدرت کے اس نظام میں نرمی اور سختی دونوں کی ایک حیثیت ہے یہ بات نہیں ہے کہ سختی اور گرمی کو فضیلت حاصل ہو اور اس کے مقابلہ میں نرمی کا درجہ کمتر ہو۔ قرآن نے عورت کی اس فطری حیثیت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے

نساءکم حرث لکم	عورتیں تمہاری کھیتاں ہیں

مرد کی برتر حیثیت کا اظہار کرتے ہوئے قرآن نے کہا۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم۔	مرد عورتوں پر نگراں ہیں اس فضیلت کی بناء پر جو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر عطا کی ہے اور اس بناء پر کہ وہ ان پر (مہر اور نفقہ کی صورت میں) اپنا مال صرف کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا۔

وللرجال علیھن درجۃ — اور عورتوں پر مردوں کو بڑائی کا درجہ حاصل ہے۔

اس سرداری کا مطلب یہ ہوا کہ مرد اپنے خاندان میں غالب اور عورت مغلوب ہے، مرد خاندان کا محافظ ہے، اخلاق اور معاملات کا نگراں ہے اس کے بیوی بچوں پر قانون الٰہی کے اندر اس کی اطاعت فرض ہے اس پر خاندان کے لئے روزی کمانے اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ذمہ داری ہے۔

بعض قوموں نے عورت کو مرد پر سرداری کا درجہ دیا ہے، مگر یہ فطرت الٰہی کے بالکل خلاف تھا اس لئے ایسی قومیں تہذیب و تمدن کے میدان میں کسی اعلیٰ مرتبہ پر نہیں پہونچ سکیں۔

اکثر قوموں نے مرد کی سرداری کا اصول تسلیم کیا مگر اس سرداری میں اعتدال قائم نہ رہ سکا اور مرد حاکم مطلق اور آقا بن بیٹھا، اور عورت ایک لونڈی اور مظلوم باندی بن کر رہ گئی جو مرد کی خدمت کرتی اور اس کے لئے حیوانی خواہش کی تسکین کا سامان بنی ہوئی اور بس۔

یہ طریقہ بھی فطرت الٰہی سے بغاوت ہے، اس پر بھی جو قومیں چلیں وہ نقصان میں رہیں

مغربی تمدن نے تیسرا طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان برابری اور مساوات قائم کی جائے، یورپ ابھی اپنے اس عمل میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا ہے اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بھی مرد اور عورت دونوں کی فطرت کے مطابق نہیں ہے، لیکن یورپ نے عورت کو عورت کے فطری دائرہ سے تھوڑا بہت جو اوپر اٹھایا ہے اس کا نتیجہ بھی یورپ کے معاشرہ میں نہایت تباہ کن نکل رہا ہے۔

اسلام نے افراط و تفریط کے ان تمام طریقوں سے ہٹ کر وہ راستہ اختیار کیا جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مرد میں فعل کی قوت ہے اس کو اسی کے مطابق خاندان کا نگراں، کمانے والا، کھلانے والا اور حفاظت کرنے والا قرار دیا جائے اور عورت میں قبول و انفعال کی صلاحیت ہے اُسے اچھی ماں، اچھی بیوی اور امور خانہ کا ذمہ دار قرار دیکر ملکۂ خانہ بنا یا جائے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک طاقت اور فضیلت مرد کے اندر ہے جو عورت کے اندر نہیں ہے اور ایک طاقت اور فضیلت عورت کے اندر ہے جس سے مرد کو محروم رکھا گیا ہے اور اس لحاظ سے مرد اور عورت زندگی کے نظام کی دو اہم اور ضروری کڑیاں ہیں۔

محبت اور رحمت کا رشتہ!

قرآن کریم نے اسی لئے شوہر اور بیوی کے رشتہ کو محبت اور رحمت کا رشتہ کہا ہے غلام اور آقا کا رشتہ نہیں قرار دیا۔

خلقکم من انفسکم	خدا تعالیٰ نے تمہارے
ازواجا لتسکنوا	لئے خود تمہیں میں سے جوڑے بنائے
الیھا وجعل بینکم	تاکہ تم ان کے پاس سکون
مودۃ ورحمۃ	حاصل کرو اور اس نے تمہارے
(سورۂ روم)	درمیان محبت اور رحمت رکھدی ہے

دوسرے موقعہ پر اس رشتہ کو لباس سے تشبیہ دی

ھن لباس لکم و	وہ بیویاں تمہارے لئے لباس
انتم لباس لھن	ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو

مطلب یہ کہ میاں بیوی کا رشتہ محض شہوانی تعلق نہ رہے بلکہ محبت اور انس کا ایسا رشتہ بن جائے کہ جس میں میاں بیوی جسم و جان کی طرح رہیں، ہر ایک

دوسرے کے رازدار اور شریک رنج وراحت نہیں۔

نکاح کے رشتہ کا یہی اصل مقصد ہے اور نظام تمدن کو اچھے ڈھنگ سے قائم رکھنے کے لئے میاں بیوی کے درمیان اسی جذبہ کی ضرورت ہے۔

محبت قائم رکھنے کی تدبیریں

اسلام نے میاں بیوی کے درمیان محبت قائم رکھنے کی تمام فطری تدبیروں کو عورت کے لئے عبادت میں شامل کیا ہے۔ شوہر کے لئے زینت اور سنگار کرنے پر عورت کے لئے اجروثواب کا وعدہ کیا ہے اور جو عورتیں مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتی ہیں اُن پر شریعت نے لعنت بھیجی ہے۔

امام بخاری رح نے کتاب النکاح میں یہ حدیث بیان کی ہے جو عورت اپنے شوہر سے الگ رہ کر رات گذارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں جب تک کہ وہ رجوع نہ کرے۔

بہترین عورت کی تعریف میں حضور رہ نے فرمایا۔

اذا نظر الیھا سرتہ — بہترین عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اُسے دیکھے تو وہ اُسے خوش کردے

منافرت پھیلانے کی مذمت

میاں بیوی کے درمیان نفرت پھیلانے کی شریعت نے سخت ترین مذمت کی ہے، ایک حدیث میں فرمایا

من افسد امراۃ علی زوجھا فلیس منا — جو شخص میاں بیوی کے درمیان فساد پھیلاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک مثال دے کر حضور رہ نے سمجھایا کہ شیطان سب سے زیادہ اپنے اس چیلے سے خوش ہوتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کراتا ہے۔

بعض صحابہ کرام نے عورتوں سے کنارہ کش رہنے کا عہد کر لیا اس پر ان کی بیویاں میلے کچیلے احوال حضرت عائشہ رہ کے پاس آئیں، حضرت عائشہ بہت متاثر ہوئیں اور حضور رہ سے اُن کے مردوں کی شکایت کی، آپ نے ان صحابیوں کو بلا کر سخت تنبیہ کی اور فرمایا

انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہٗ الخ — میں تم سے زیادہ متقی ہوں لیکن سوتا بھی ہوں اور بیویوں کا حق بھی ادا کرتا ہوں، میری سنت تمہارے لئے کافی ہے۔

صالح بیوی کی تعریف

حدیث میں آتا ہے۔

خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ — دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔

اس تعلیم نے عورتوں کے بارے میں پرانے خیالات کو یکسر بدل دیا، اب عورت مرد کے لئے لعنت اور بوجھ نہیں رہی بلکہ مرد کی زندگی کا حسن وجمال اور آرام وراحت بن گئی۔

ایک حدیث میں تو میاں بیوی کے درمیان محبت کے جذبہ کو بڑھانے کے لئے خدا تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی کا عجیب انداز سے ذکر فرمایا

اذا نظر الی امرأتہ ونظرت الیہ نظر اللہ تعالیٰ الیھما نظرۃ رحمۃ — جب محبت اور پیار سے شوہر بیوی کی طرف اور بیوی شوہر کی طرف دیکھتی ہے تو خدا تعالیٰ ان دونوں کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

(بہشتی زیور فضیلت نکاح)

اہل وعیال والی زندگی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رکعتان من المتاهل عیال دار آدمی کی دو رکعتیں
خیر من اثنین مجرد آدمی کی ۸۲ رکعتوں سے
وثمانین رکعۃ افضل اور بہتر ہیں

جسمانی صحت کا لحاظ ضروری ہے

اسلام نے نکاح کے رشتہ میں نسب، پیشہ اور رنگ و نسل کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں قرار دیا، ہاں جسمانی تندرستی اور اخلاقی برتری کی دونوں صفتوں کو پیش نظر رکھنے کی ہدایت ضرور فرمائی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آنکھوں والی لڑکی کا کفو اور جوڑ ایک اندھا لڑکا نہیں ہو سکتا، اسی طرح ایک شائستہ اور بااخلاق لڑکی کا کفو ایک آوارہ مزاج لڑکا نہیں ہو سکتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا تم اس عورت کو پہلے دیکھ لو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۷۵)

اسی طرح ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں ایک ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں جو خاندان والی ہے، مرتبہ والی ہے، اور صاحب جمال ہے، مگر وہ بانجھ ہے، حضور نے اسے اس عورت کے ساتھ شادی کرنے سے روک دیا۔ وہ شخص پھر حضورؐ کے پاس آیا، آپ نے فرمایا

تزوجوا الولود تم جننے والی اور محبت
الودود الخ کرنے والی عورتوں سے
شادی کیا کرو، کیونکہ میں آخرت میں
اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جو عیب اور نقص میاں بیوی کے درمیان نفرت پیدا کرے اور ایسے نقص کو چھپا کر لڑکے اور لڑکی کی شادی کر دی جائے تو اس میں مرد کو خیار عیب حاصل ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ثابت ابن قیس ایک بدشکل کالے رنگ والے اور پستہ قد کے آدمی تھے ان کی بیوی نے آکر حضورؐ سے شکایت کی اور کہا کہ میں ثابت کو پسند نہیں کرتی، آپ نے فرمایا، تم ثابت کا باغ جو اس نے مہر میں دیا ہے واپس کر دو، اس عورت نے واپس کر دیا اور آپ نے ثابت سے اس عورت کو طلاق دلوا دی۔ اس عورت کا نام زینب اور لقب جمیلہ تھا، (فتح الباری ۲۲ ص ۱۸۳)

اسلام نے اسی مصلحت کے تحت لڑکے اور لڑکی کو آپس میں دیکھنے کی اجازت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو پسند کر لے اور بعد میں آپس میں کوئی ناچاقی نہ ہو

مرد کی مالی حالت کو بھی دیکھا جائے

اسلام نے رشتہ نکاح میں لڑکے کی مالی حالت کو بھی سامنے رکھنے کی ہدایت کی ہے، کیونکہ مرد پر عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، چنانچہ حضرت معاویہؓ کی ناداری کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم کے ساتھ ان کے پیغام کو واپس کرنے کا مشورہ دیا۔

ایمان کے تقاضے

قرآن کی روشنی میں

مولانا امام علی قاسمی

ایمان کے لغوی معنی ہیں "یقین کرنا" اور شریعت کی اصطلاح میں علمائے متکلمین نے ایمان کی یہ تعریف کی ہے:۔

الایمان ھو تصدیق اللہ تعالیٰ فیما اخبر من اوامرہ و نواھیہ

"اللہ تعالیٰ نے جن اوامر و نواہی کی خبر دی ہے ان کی تصدیق کرنا ایمان ہے"

جو شخص بھی اس قسم کی تصدیق کر دے وہ مومن ہے خواہ اس کے اعمال کیسے بھی ہوں، کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ ایسے شخص کو کافر اور اسلام سے خارج قرار دے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس قسم کی تصدیق کے کچھ لازمی تقاضے بھی ہیں، کچھ مطالبات بھی ہیں جن کے پورا کئے جانے ہی پر ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے اور اہل ایمان کے لئے دنیا و آخرت کی جن نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان کا استحقاق ثابت ہوتا ہے، ایمان کے یہ تقاضے اور مطالبات قرآن و حدیث سے ثابت ہیں آج امت مسلمہ میں انہیں تقاضوں اور مطالبات سے غفلت آگئی ہے جس کے نتیجے سامنے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ایمان کے تقاضے سمجھیں اور ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی انفرادی و اجتماعی جدوجہد کریں۔

چند آیات کا ترجمہ اسی مقصد کے تحت لکھا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم" (سے تا) لھم درجٰت عند ربھم ومغفرۃ ورزق کریم (پ۹ الانفال آیت ۲)

بس ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے اُن کے دل ڈر جاتے ہیں۔ اور جب ان پر اسکی آیتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے رہتے ہیں، جو نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجے ہیں اور مغفرت ہے اور عزت والی روزی ہے۔

(۲) انما المومنون

الذین آمنوا (سے) ایمان والے وہی ہیں کہ
اولئک هم الصادقون" جو یقین لائے اللہ اور اس
تک) (پ۲۶ الحجرات) کے رسول پر پھر شبہ نہ
کیا اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہ خدا
میں جہاد کیا، وہی سچے مومن ہیں

(۳) والذین آمنوا — اور جو لوگ ایمان لائے اور
وجاھدوا — ہجرت کی، اور اللہ کی راہ
(سے تا) — میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے
ورزق کریم — جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں
(پ۹ الانفال) — سچے مومن، ان کے لئے ہے
بخشش اور عزت والی روزی"

کامیاب مومن

(۴) قد افلح — بے شک ان ایمان والوں
المومنون — نے فلاح پائی جو اپنی نماز
(سے تا) — میں خشوع کرنے والے ہیں
هم فیها خالدون — جو لغو باتوں سے الگ رہنے
(پ۱۸ المومنون) — والے ہیں، اور جو زکوٰۃ ادا
کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں
کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی
باندیوں اور بیویوں کے کیونکہ اس میں
ان پر کچھ ملامت نہیں پھر جو طلب کرے
اس کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے گذر جانے
والے ہیں۔
اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے
ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرنیوالے
ہیں۔ یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔ جو
وارث ہوں گے فردوس کے وہ اس میں
ہمیشہ رہیں گے

مومن ہونے کی شرط

(۵) فلا وربک — اے پیغمبر! تیرے رب کی قسم
(سے تا) — وہ مومن نہ ہونگے جب تک آپس کے
ویسلموا تسلیما — جھگڑے میں تجھکو فیصلہ کرنے والا نہ
(پ۵ نساء ع ۵) — مانیں پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دل
میں کوئی حرج نہ پائیں اور پورے طور پر تسلیم کریں

(۶) وما کان — اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار
لمؤمن ولا مؤمنة — عورت کو گنجائش نہیں ہے جبکہ اللہ
(سے تا) — اور اسکا رسول کسی کام کا حکم دیدیں
فقد ضل ضلالا — کہ پھر انکو ان مومنین کے کام میں
مبینا — کوئی اختیار باقی رہے اور جو
(پ۲۲ احزاب) — شخص اللہ اور اس کے رسول کا
کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی
میں پڑا"

(۷) انما کان — مسلمان کا قول تو جب کہ انکو
قول المومنین — کسی مقدمہ میں اللہ اور اس کے
(سے تا) — رسول کی طرف بلایا جاتا ہے
فاولئک هم — تاکہ وہ اس کے درمیان فیصلہ
الفائزون — کردیں یہ ہے کہ وہ (خوشی
(پ۱۸ النور ع ۶) — خوشی) کہدیتے ہیں کہ ہم نے
سنا اور مانا اور ایسے لوگ فلاح پائیں گے اور
جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور
اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے
بس ایسے لوگ بامراد ہونگے

رحمٰن کے خاص بندے

(۸) وعباد الرحمٰن — رحمٰن کے بندے (خاص)
(سے تا) — بس وہ ہیں جو زمین پر فروتنی

حسنت مستقراً ومقاما — کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل اُن سے جہالت کی بات کرنے لگیں تو (انکو) سلام کرکے (الگ ہو جائیں)
اور جو راتوں کو اپنے رب کے سامنے سجدہ و قیام کریں (نماز پڑھیں)، اور جو مانگیں کہ اے ہمارے رب ہم سے عذاب جہنم دور رکھیئے بیشک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔ اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ زیادتی کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ اعتدال پر ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ہیں۔ اور اللہ نے جس کا قتل حرام کیا ہے اسکو قتل نہیں کرتے مگر حق پر، اور وہ زنا نہیں کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑیگا اسکے لئے قیامت کے دن عذاب بڑھا دیا جائیگا مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو ایسوں کے گناہ اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیگا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور بیہودہ باتوں میں شریک نہیں ہوتے۔ اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشاغل کے پاس سے گذرتے ہیں تو سنجیدگی سے گزر جاتے ہیں اور جب ان کو ان کے رب کی آیات کے ذریعہ نصیحت کیجاتی ہے تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور وہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے رب ہمارے، ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا، ایسے لوگوں کو بہشت میں بالا خانے ملینگے انکے صبر کرنیکے سبب اور اس میں انکا استقبال دعائے خیر اور سلام سے کیا جائیگا ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہینگے اور کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔"

خوشخبری کے مستحق

(۹) انما یؤمن بایاتنا (سے ، ۱۰) جزاءً بما کانوا یعملون (پ ۲۱ سجدہ ع ۱۵)

بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں، کہ جب انکو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے ہیں ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانۂ غیب میں موجود ہے۔ یہ اُن کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔"

(۱۰) التائبون (سے ، تا) وبشر المومنین (پ ۱۱ التوبہ ع ۱۴)

وہ ایسے ہیں جو گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، حمد کرنیوالے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں سجدہ کرنیوالے ہیں، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدود (یعنی احکام) کا خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مومنوں کو آپ خوشخبری سنا دیجئے۔"

اللہ تعالیٰ کی جماعت

(۱۱) لا تجد قوما یؤمنون باللہ (سے ، تا) الا ان حزب اللہ هم المفلحون

جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس

(پ ۲۸ المجادلہ ع ۳) کے رسول سے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دی ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں خوب سن لو اللہ تعالیٰ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے"

رحمت خداوندی کے مستحق

(۱۲) والمؤمنون والمؤمنٰت (۔ ، تا) اولٰئک سیرحمھم اللہ (پ۱۰ التوبہ ع ۹)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا۔"

مسلمان مرد و عورت کی صفات

(۱۳) ان المسلمین والمسلمات (۔ ، تا) اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما (پ۲۲ احزاب ع ۲)

بیشک اسلام کا کام کرنے والے مرد اور اسلام کا کام کرنے والی عورتیں، اور ایمان لانے والے مرد، اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں، اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

خدا سے ڈرنے والے

(۱۴) انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (۔ ، تا) انہ غفور شکورا (پ ۱۲ الفاطر ع ۲)

اور خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں واقعی اللہ زبردست بخشنے والا ہے جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تاکہ انکو انکی پوری اجرتیں دیں اور اپنے فضل سے بڑھاویں بیشک وہ بڑے بخشنے والے قدرداں ہیں۔

سمجھدار لوگ

(۱۵) انما یتذکر اولوا الالباب (۔ ، تا) فنعم عقبی الدار (پ ۱۳ رعد ع ۳)

بس نصیحت تو سمجھدار لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو انہوں نے عہد کیا ہے اسکو پورا کرتے ہیں اور اس عہد کو توڑتے نہیں۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ نے

جن تعلقات کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور سخت عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے رب کی رضامندی کے جویاں رہ کر مضبوط رہتے ہیں۔ اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔ اور ہم نے جو انہیں روزی دی ہے اس میں سے چھپکے بھی اور ظاہر کرکے بھی خرچ کرتے ہیں اور بد سلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں اس جہان میں نیک انجام ان لوگوں کے واسطے ہے یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتیں جن میں وہ لوگ بھی داخل ہونگے اور ان کے ماں باپ بیویوں اولادمیں جو جنت کے لائق ہونگے وہ بھی داخل ہونگے اور فرشتے اُن کے پاس ہر دروازے سے داخل ہونگے یہ کہتے ہوئے کہ تم پر سلام ہو اس کی بدولت کہ تم دین حق پر مضبوط رہتے تھے۔"

مسجد والوں کی حالت

(۱۶) یسبح لہ فیہا (سے، تا) واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب (پ ۱۸ر النور)

اُن (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی (نمازوں میں) بیان کرتے ہیں جنکو اللہ کی یاد اور نماز کی پابندی سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے نہ فروخت، وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی انجام ان کا یہ ہوگا اللہ ان کو انکے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیگا اور ان کو اپنے فضل سے مزید دیگا اور اللہ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے۔"

÷ ÷ ÷

نکوکار بندے

(۱۷) ان الابرار یشربون (سے، تا) یوما عبوسا قمطریرا (پ ۲۹ الدھر ع ۱)

بیشک نیک لوگ ایسے جام شراب سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی ایسے چشمے سے جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے جسکو وہ جہاں چاہیں گے بہاکر لے جائیں گے وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور وہ لوگ محض خدا کی محبت میں غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تم کو محض رضائے خدا کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں

ایمان والوں کے اوصاف

(۱۸) فما اوتیتم من شیٔ (سے، تا) ھم ینتصرون (پ ۲۵ شوریٰ ع ۴)

سو جو تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے (اور آخرت میں) جو اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار ہے۔ وہ ان کے لئے ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، اور جو کہ کبیرہ گناہوں سے اور (انمیں) بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب انکو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں، اور جنہوں نے کہ اپنے رب کا حکم مانا، اور وہ نماز کے

پابندہیں، اور ان کا ہر کام (جس میں تعین نص نہ ہو) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے، اور ہم نے جو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔

حقیقی نیکیاں

(۱۹) لیس البر ... وہ کچھ سارا کمال اسی میں نہیں
(سے ، تا) آگیا ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کو
... اولئک ھم کرلو یا مغرب کو لیکن اصل
المتقون کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص
(پ۲ البقرہ ع۷) اللہ پر یقین رکھے اور قیامت

کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب آسمانی کتابوں پر اور پیغمبروں پر، اور مال دیتا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں، اور نماز کی پابندی رکھتا ہو، اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو، اپنے عہدوں کو پورا کرنیوالے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور جنگ میں یہی لوگ ہیں جو سچے مومن ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں

پرہیزگار بندے

(۲۱) الذین ینفقون ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے
(سے ، تا) ہیں فراغت اور تنگی میں اور
نعم اجر العاملین غصہ کے ضبط کرنے والے
(پ۴ آل عمران ع۱۴) اور لوگوں سے درگزر کرنیوالے

ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے اور ایسے لوگ جب کبھی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں کسی پر زیادتی ہو یا اپنے پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرلیتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں ان لوگوں کی جزا بخشش ہے انکے رب کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں کہ انکے نیچے نہریں چلتی ہیں اور یہ ان کام کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے۔“

قابل غور باتیں

یہاں تک قرآن مجید کے ۲۱ مقامات کی ان آیتوں کا ترجمہ لکھا گیا جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نیک اور پاکباز بندوں کی صفتیں بیان کی ہیں یہ سب ایک سو چودہ صفات ہیں مکرر ذکر کیے گئے اوصاف کو حذف کردیا جائے پھر بھی تقریباً چالیس اوصاف باقی رہ جاتے ہیں جو مسلمان اپنے اندر انہیں پیدا کرلینگے ان سے دنیوی و اخروی ہر قسم کی کامرانی دینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے ان کو دنیا میں سکون و اطمینان اور خلافت و امامت کی دولت بخشی جاتی ہے اور آخرت میں وہ عذاب سے محفوظ رہینگے اور جنت کی ایسی ایسی نعمتیں پائیں گے جن کو نہ کسی کان نے سنا نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی قلب پر ان کا گذر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا جہاں کہیں تھوڑا سا تذکرہ فرمایا ہے اسے دیکھ کر طبیعت جھوم جھوم جاتی ہے اور سننے میں لذت و دلکشی حاصل ہوتی ہے۔ پھر جن کو وہ نعمتیں ملیں گی ان کے کیف و سرور کا عالم ہی نرالا ہوگا۔

اب آئیے ہم غور کریں کہ ہم میں یہ اوصاف کہاں تک پائے جاتے ہیں اور پھر سوچیں کہ ہماری پستی اور ہمارے زوال کا سبب کیا ہے اور صرف یہی نہیں ہے کہ ہم نے خیر امت

کے خصائل واوصاف سے اپنے کو خالی کر دیا ہے ؎

خصائل خیر امت جو کہ امت کو بناتے ہیں
مسلمان اُن خصائل سے مبرا ہوتے جاتے ہیں

(۱) ــــ اوپر کے اوصاف میں جگہ جگہ اقامت نماز کا ذکر آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے

(ا) نماز کو فرائض و واجبات اور سنن کی پوری رعایت کرتے ہوئے پڑھیں۔

(ب) نماز کو مستحب وقتوں میں جماعت کے ساتھ پڑھیں نماز کے بلا عذر شرعی تنہا پڑھنے سے اقامت صلوٰۃ کا حق ادا نہیں ہوتا۔

(ج) نماز میں خشوع پیدا کریں کوئی مشغلہ چاہے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو نماز سے نہ روکے۔

(د) نماز کا مسلم معاشرہ میں اتنا رواج ہو کہ اس کو ترک کرنے والا اپنے کو ملامت کا مستحق سمجھے شرم محسوس کرے، مسلمانوں میں بیٹھتے ہوئے جھجکے غور کیجئے کیا یہ اقامت صلوٰۃ ہم میں موجود ہے؟

(۲) ــــ اقامت نماز کے بعد سب سے زیادہ اہتمام زکوٰۃ کا تذکرہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد جب بعض قبیلوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی اور فرضیت کا انکار کیا خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ نے اُنکے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور فرمایا تھا "جو شخص ایک رسی بھی جسے دور رسالت میں دیتا تھا دینے سے انکار کریگا میں اس سے لڑونگا، یہ نہیں ہو سکتا کہ میرے ہوتے ہوئے دین میں کمی کیجائے"

آج ہم کتنے لوگ زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی کے پابند ہیں اور کتنے ہیں جن کے دل مسلمانوں کی ادائیگی زکوٰۃ میں غفلت برتنے سے بے چین ہیں ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

(۳) ــــ شرم گاہوں کی حفاظت کا ذکر آیا ہے جس میں غلط نگاہ ڈالنے اور شہوت ابھارنے والے افعال سے پرہیز کرنا بھی داخل ہے۔ زنا منہ کالا کرنا ہی حرام نہیں ہے بلکہ بدنظری، بدخیالی، بدچلنی، بدگوئی اسباب زنا بن سکتے ہیں وہ سب حرام ہیں۔ اب ہم کتنے ہیں جو بے حیائی و فحاشی کے موجودہ سیلاب سے اپنا دامن بچائے ہوئے ہیں یا بچنے کی جدوجہد کرتے ہیں

(۴) ــــ ایمان کی شرط یہ فرمائی گئی ہے " ثم لم یرتابوا " کہ ایمان و یقین میں ریب و شک اور تذبذب نہ ہو۔ شریعت کے کسی حکم کو ناقص سمجھنا، بدلنے کے قابل جاننا، شریعت کے مقابلہ میں خاندانی رسم و رواج، ملکی و قومی رسوم، پیر و بزرگ کے فرمان کو ترجیح دینا، کسی دباؤ کسی لالچ کسی مصلحت کو سے شریعت کی توہین قولی یا عملی طور پر کرنا کیا یہ سب شک و ریب کی علامتیں نہیں ہیں؟

کیا آج ہمارے بعض مسلمان بھائیوں کا یہ رویہ نہیں ہے کہ انہیں قرآنی احکام سنائے جاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں اب زمانہ دوسرا ہے حالات کے مطابق علماء کو اسلام پر غور کرنا چاہئے یہ قدامت پرستی ہے، یہ جمود ہے، یہ سب کیا ایمان کی باتیں ہیں اور ایسے نام نہاد "آزاد نقطۂ نظر" رکھنے والے حضرات کا اسلام پر کیا مکمل اعتماد ہے کہ وہ اپنے کو مجرم سمجھنے کے بجائے علماء کو مجرم کہہ کر درحقیقت قرآن و حدیث کی رہنمائی موجودہ دور کے قابل نہیں سمجھتے ہیں

(۵) ــــ ان آیات میں نیک رفتاری و گفتاری، صلہ رحمی، قیدی و مسکین و یتیم کی خبر گیری، فضول بحثوں سے اعراض کا بھی ذکر ہے، اور اپنی عبادت پر ناز نہ کرے، توبہ

استغفار، اور ہر وقت خدا سے ڈرنے، دعا کرنے کا بھی ذکر ہے، مگر ہم میں نہ تواضع ہے نہ ہمدردی نہ حقوق اللہ کی فکر ہے، نہ حقوق العباد کی، اور اپنی بربادیوں پر تقدیر کا شکوہ کر رہے ہیں تباہی اپنی ہی لائی ہوئی؛ اگر ہم ایمان والوں کے اوصاف نہ پیدا کریں تو رحمت الٰہی کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں؟۔

سچ ہے!

"جو بھی تمہیں مصیبت پہونچ رہی ہے وہ تمہاری بدعملیوں کا نتیجہ ہے اور بہت سے گناہوں کو تو خدا درگذر کر دیتا ہے۔"

ایک عالم ومدرس کی ضرورت

مالابار کے قریب ضلع کورگ میں، ایک ایسے عالم ومدرس کی ضرورت ہے جن کی دینی اور درس نظامی کی تعلیم پختہ ہو، امامت کر سکیں، تحریر تقریر سے دلچسپی اور حنفی مسلک کی اشاعت سے شغف ہو، تنخواہ تقریباً ۲۰۰ ماہانہ معہ جائے رہائش، تنخواہ میں اچھی استعداد کا آدمی ملنے پر اضافہ کی بھی گنجائش ہے مدیر رسالہ "دار العلوم" کی سفارش ہے کہ خدمت دین کا جذبہ اور اچھی استعداد رکھنے والے اصحاب فوری توجہ کریں اور اے غوث شریف، شریف ورکس ویراج پیٹ "کورگ"، ساؤتھ انڈیا سے اس سلسلہ میں خط وکتابت کریں۔

غزل

مولانا حکیم عزیز الرحمن صاحب معتمد طبیہ
دار العلوم دیوبند

چہ گویمت چہ عنایات آں مہرباں است
بہ سینہ گلشن خنداں ز تیر مژگان است
ز نرگسم چہ بیاں کردہ کہ گریاں است
بہ زخمِ دل چہ سخن گفتہ کہ خندان است
ز روئے تو ہمہ تقدیرِ صبح تابان است
ز زلفِ تو ہمہ تارِ شبانِ ہجران است
بیا کہ موسمِ باداں بہار عنوان است
نشاطِ بادۂ الفت بہ ہر رگِ جان است
عروسِ وصل کہ بینذ کنارِ محروماں
دعائے عاشقِ مہجور صرفِ دربان است
بروں زِ حلقۂ مشکینِ تو نمی خواہم
مقامِ واعظِ بیچارہ کفر وایمان است
بجز زِ ربِ جلیل است بلبلت دلشاد
ہزار برق بریں کنجِ عیش لرزاں است

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

مولانا ظفیر مفتاحی

حال میں رسالہ دارالعلوم کے ایک خریدار نے دارالعلوم کے قواعد داخلہ اور نصاب تعلیم وغیرہ کے متعلق چند سوالات کئے، اس قسم کے سوالات اکثر کئے جاتے ہیں اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ ہم ایک مختصر تحریر میں دارالعلوم کے نصاب اور قواعد داخلہ پر روشنی ڈالیں۔ دارالعلوم کا اردو، فارسی، عربی نصاب تعلیم مطبوعہ شکل میں موجود ہے مگر اس نصاب میں اس وقت چند ترمیمات پیش نظر ہیں، ترمیمات سے فراغت کے بعد یہ نصاب دوبارہ پمفلٹ کی شکل میں چھپیں گے جو لوگ موجودہ یا آئندہ جاری ہونے والے نصاب تعلیم کو دیکھنا چاہیں وہ اس سلسلہ میں دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند سے رجوع کریں۔ دارالعلوم میں داخلہ اور رہائش وخوراک کے متعلق قواعد ناظم صاحب شعبۂ تعلیمات دارالعلوم سے طلب کئے جانے چاہئیں۔

(ادارہ)

دارالعلوم دیوبند ایک تعلیمی اور دینی درسگاہ ہے جو ایک سو دس سال سے علم وفن کی خدمت انجام دے رہا ہے، یہاں ملک اور بیرون ملک کے کوئی پندرہ سولہ سو طلبہ کتاب وسنت کی تعلیم میں ہر سال منہمک رہتے ہیں، اسکا نصاب تعلیم خود اس کا مرتب کردہ ہے، یہاں دارالعلوم دیوبند میں بھی اسی نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی ہے اور دوسرے مدارس اسلامیہ میں بھی، ملک کے اندر یہی نصاب تعلیم جاری ہے۔

اس دینی درسگاہ میں ان تمام بالغ طلبہ کا داخلہ ہوتا ہے جو تحصیل علم کی غرض سے یہاں آتے ہیں اور اس ادارہ سے محبت وعقیدت رکھتے ہیں، البتہ نابالغ بچوں کے داخلے میں دارالعلوم کو سوچنا پڑتا ہے، جن بچوں کے سرپرست دیوبند میں رہتے ہیں، ان کا داخلہ بلا تامل کرلیا جاتا ہے، البتہ جن بچوں کے سرپرست یہاں نہیں رہتے، اس میں دارالعلوم کے لئے دشواری پیش آتی ہے اور سردست ان کا داخلہ روک دیا گیا ہے، جب تک اس کا کوئی معقول نظم نہ ہوجائے،

دارالعلوم میں تعلیم مختلف حصوں میں تقسیم ہے:

اردو، اور ابتدائی کتابیں پڑھنے والے طلبہ کے لئے "اردو دینیات" کے نام سے ایک شعبہ قائم ہے، جہاں اردو، حساب، اور ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے یہ شعبہ چار سال پر منقسم ہے۔

دوسرا تعلیمی شعبہ فارسی ہے، یہاں فارسی، حساب جغرافیہ، ابتدائی عربی اور ہندی کی تعلیم ہوتی ہے، یہ بھی

چار درجوں پر منقسم ہے اور چار سال میں اس شعبہ کا نصاب پورا ہوتا ہے،

تیسرا شعبہ درجہ حفظ قرآن پاک ہے، جہاں حفظ قرآن کے بچوں اور جوانوں کا داخلہ ہوتا ہے، اسکے لئے سال کی تعیین نہیں ہے۔

چوتھا شعبہ تجوید اردو حفص کا ہے، اس درجہ میں ایسے حافظ بچے داخل کئے جاتے ہیں جو تجوید کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور عربی نہیں جانتے، یہ دو سال کا نصاب ہے۔ اس شعبہ میں ۱۸ سالہ حافظ داخل ہوتے ہیں۔

پانچواں شعبہ عربی درجات کا ہے، یہ پہلے آٹھ سالہ تھا اس سال سے نو سالہ ہوگیا ہے یعنی درجہ اول سے عربی شروع ہوتی ہے اور درجہ نہم دورۂ حدیث کا سال ہوتا ہے، دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد طلبہ کو "سندِ فراغ" دی جاتی ہے،

فراغت کے بعد چار درجے تکمیل کے ہیں، تکمیل تفسیر، تکمیل دینیات، تکمیل معقولات، اور تکمیل عربی ادب، یہ چاروں درجے ایک ایک سال کے ہیں، اور ہر درجہ کا الگ نصاب ہے۔

فارغ شدہ طلبہ کا داخلہ دارالافتاء میں بھی ہوتا ہے، جو افتاء کی مشق بہم پہونچانا چاہتے ہیں، یہ داخلہ ایک سال کے لئے ہوتا ہے۔ فارغ شدہ طلبہ شعبہ کتابت میں داخلہ لے سکتے ہیں، چنانچہ جو طلبہ کاتب بننا چاہتے ہیں وہ اس درجہ میں داخلہ لیتے ہیں، اسمیں داخلہ دو سال کے لئے ہوتا ہے،

دارالعلوم دیوبند کا ایک مستقل شعبہ جامعہ طبیہ بھی ہے، یہاں کے قواعد مستقل ہیں جو اس شعبہ سے منگوائے جا سکتے ہیں، یہ چار سالہ نصاب تعلیم ہے، اس سے فارغ ہو کر طلبہ طبیب ...... بنتے ہیں اور حکومت سے مجاز مطب ہوتے ہیں

دارالعلوم دیوبند صرف ان طلبہ کی امداد بشرط گنجائش کرتا ہے، جو نادار اور غیر مستطیع ہوتے ہیں مگر امداد کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرح جامی بحث اسم یا اس سے اوپر کی کتابیں پڑھتے ہوں، اس سے نیچے درجوں کے طلبہ کو عمومی طور پر امداد نہیں ملتی ہے، درجہ فارسی، درجہ حفظ درجہ تجوید میں بشرط گنجائش صرف چند گنے چنے طلبہ کی امداد کی جاتی ہے، جامعہ طبیہ، خوشخطی اور دارالافتاء کے طلبہ کو بھی امداد دی جاتی ہے، اس کے لئے شعبہ کے مطابق کچھ شرائط ہیں۔

ہر درجہ میں داخلہ کے لئے مستقل فارم چھپے ہوئے ہیں انہیں پر کرنا پڑتا ہے اور مطلوبہ کتابیں یا درجہ لینے کیلئے نیچے کے درجہ کی کتابوں کا امتحان دینا اور ان میں کامیابی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے، داخلہ امتحان میں کامیابی کے بغیر امداد نہیں ملتی، امداد طعام کے ساتھ مستحقین طلبہ کو وظیفہ تیل، پارچہ، پاپوش وغیرہ بھی ملتا ہے۔

داخلہ ۱۱ر شوال سے ۳۰ر ذی الحجہ تک ہوتا ہے اسکے بعد داخلہ عموماً نہیں ہوتا، دارالعلوم میں سال میں تین امتحان ہوتے ہیں، داخلہ کے بعد پہلا امتحان شروع ماہ صفر میں ہوتا ہے اور اس کا نام سہ ماہی امتحان ہے، دوسرا امتحان جمادی الاولیٰ کے پہلے ہفتہ میں ہوتا ہے اس کا نام ششماہی امتحان ہے، اور تیسرا امتحان سالانہ ہے جو ابتدا رشعبان سے شروع ہو کر ۲۰ر شعبان تک ختم ہوتا ہے، اور اس کی کامیابی کے بعد ہی آئندہ سال ترقی ملتی ہے، مگر اگلے سال پھر ایسے طلبہ کو فارم داخلہ قدیم پُر کرنا پڑتا ہے، دارالاقامہ میں کمرے عمومی طور پر تمام طلبہ کو دئے جاتے ہیں اور اسکی کوئی فیس نہیں لی جاتی، مگر دارالاقامہ میں رہنے والے طلبہ کا فرض ہوتا ہے کہ قوانین دارالاقامہ کی پابندی کریں، طلبہ کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے چار اساتذہ مقرر ہیں جنہیں اس خدمت کا الاؤنس الگ سے دیا جاتا ہے طلبہ کے مقدمات کے فیصلے بھی کرتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند اپنے داخل شدہ طلبہ کو بیماری کی حالت میں دوا بھی مفت دیتا ہے، یونانی طبی علاج کی اجازت حاصل ہوتی ہے، دارالعلوم کی ۔ ۲ جو مفت علاج ہوتا ہے وہ مطب یونانی کے مطابق ہوتا ہے۔ یہاں درجات عربی کا نصاب درج کیا جاتا ہے۔

تاریخ اسلام کا ایک عظیم مجاہد

سلطان صلاح الدین ایوبی

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی، ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی

جس طرح آج فلسطین کی پاک زمین پر عرب دشمن کی آزمائش سے دوچار ہیں اسی طرح اس سے قبل انہیں عیسائی مغربیوں کی فتنہ پردازی غیر معمولی جنگوں اور مسلسل جارحانہ ضربوں سے گذرنا پڑا تھا، تاریخ کے صفحات ان جنگوں کو صلیبی جنگوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مغربی ملکوں کی اس سیاہ تاریخ میں ملت بیضا کا ایک روشن ستارہ پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ سامان نظر آتا ہے، جس کو ہم "سلطان صلاح الدین ایوبی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس مرد مومن کو خدا نے قیصر کا دل اور شاہین کا عزم عطا کیا تھا جس کے سامنے یورپی ملکوں کی متحدہ کوششیں بھی بار بار ناکام ہوگئیں۔

عہد متوسط میں عیسائی مذہب میں اصل اہمیت پادریوں کو حاصل تھی، پاپائے روم امیروں اور بادشاہوں پر بادشاہی کرتا تھا، اور اس کے احکام تمام یورپ کے حکمرانوں کے لئے واجب العمل ہوتے تھے چنانچہ اس نے ۱۰۹۵ء میں چرچ کے ایک جلسہ میں مسلمانوں پر جہاد کا اعلان کر دیا اس نے کہا کہ ان کے ہاتھ سے مقدس زمین واپس لینی ضروری ہے تاکہ بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو سکے اس اعلان کو سن کر تمام شاہان یورپ جمع ہوگئے اور لشکر جرار تیار ہوا جس کی چار بادشاہ رہنمائی کر رہے تھے۔ وہ دعا کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے حتی کہ شام میں داخل ہوگئے۔ اور عربوں میں چار حکومتیں قائم کیں یعنی رہا، انطاکیہ طرابلس، اور بیت المقدس۔

اس وقت عالم اسلامی کا ضمیر مردہ نہ ہوا تھا، عربوں میں ایک عظیم جوش و حمیت پیدا ہوگئی ...... لیکن اس وقت تمام مسلمانوں میں باہمی افتراق و انشقاق عام تھا مصر میں فاطمیوں کی حکومت تھی، عباسیوں کی حکومت طوائف الملوکی کا شکار تھی ایک حکومت کے بجائے بیسیوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں صلیبی جنگوں نے امت کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا۔ اس وقت حکمراں طبقہ سے زیادہ عوام کے اندر دینی احساس اور غیرت تھی۔ اس وقت اتحاد کے جذبات دلوں میں موج زن ہوگئے اس عام تحریک نے دو عظیم رہنماؤں کو امت اسلامیہ کی قیادت کے لئے ابھارا ان میں ایک نور الدین زنگی تھے جو والی حلب و دمشق تھے اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر ان

کا مجسمہ تھا ، دوسرا عظیم قائد صلاح الدین ایوبی تھا جس نے غوریوں میں وحدت و طاقت کا ایسا جادو بھرا کہ تاریخ متحیر رہ گئی، دشمن پر اوس پڑ گئی اور ملتِ بیضاء پھر عظمت و شوکت کا گہوارہ بن گئی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اتحاد و اتفاق تیاری اور تجربہ کے بعد اس موضوع پر کافی غور کیا کہ وہ جنگ ایک محاذ پر لڑیں یا مختلف محاذوں پر ایک ساتھ، انہوں نے کافی غور و خوض کے بعد یہ طے کیا کہ وہ یورپی حملہ آوروں کا مقابلہ ایک ہی محاذ پر جم کر کریں گے چنانچہ یہ جنگ شروع ہوئی اور یہ جنگ حطین کے نام سے معروف ہے۔ سلطان نے دشمنوں کو مقابلہ کے لئے طبریہ کے قریب بہ مقام حطین جمع کر لیا تمام یورپی بادشاہوں نے اس محاذ پر شرکت کی۔ دونوں طرف عجیب جوش و خروش تھا، مذہبی امیدیں اور آرزوئیں دلوں کو مضطرب کر رہی تھیں کثرت افواج اور کثرت آلات نے عجیب سماں پیدا کر دیا تھا عیسائیوں میں دو فرقے نہایت جانباز اور بہادر مشہور تھے ان کا نام داویہ اور استباریہ تھا، وہ خود بھی جوش عیسائیت میں آگے تھے اور دوسروں کو بھی لڑنے پر آمادہ کرتے تھے

اِدھر سلطان صلاح الدین نے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا مسلمانوں کے اندر بھی قوت ایمان بھڑک اٹھی، جذبات میں طوفانی .. جوش پیدا ہوا اور دلوں میں شعلۂ جوالہ تھا جو ہاتھوں کے ذریعہ عیسائیوں کو فنا کے گھاٹ اتار رہا تھا اس موقع پر مسلمانوں نے ہمت و جوانمردی کے عجب عجب معجزے دکھائے حتیٰ کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے ان کی صفوں میں ماتم و ایوسی کی فضا طاری ہوگئی سارے حوصلے خاک میں مل گئے دوسروں کو قتل و غارت کرنے والے خود مقتول و مقید بن گئے۔ بڑے بڑے صاحب شوکت گرفتار کر لئے گئے حتیٰ کہ بادشاہ تک گرفتار ہوئے اس موقع کا بیان ایک صاحب نظر نے یوں کیا ہے:۔

فکان من یری الأسریٰ لکثرتھم لاتظن ھناك قتلیٰ، فاذا رأی القتلیٰ حسب انہ لایکن ھناك أسریٰ"

جو قیدیوں کو دیکھتا تو ان کی کثرت تعداد کے باعث سمجھتا کہ کوئی شخص قتل نہیں ہوا ہے اور جو مقتولوں کی لاشوں کو دیکھتا تو سمجھتا کہ شاید کوئی بھی زندہ نہیں بچا اور قید نہیں ہوا ۔

اس کیفیت کو جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے دیکھا تو شکر و سرور سے رو پڑے اور اپنا سر مبارک اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز کر دیا۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِين

چونکہ حطین میں سلطان نے عیسائیوں کی مجموعی طاقت کو شکست دی تھی اس لئے اُن کا رعب صلیبیوں کے دلوں پر قائم ہوگیا کچھ ہی دنوں میں طبریہ کا قلعہ اُن کے ہاتھ آیا پھر سلطان عکا کی طرف بڑھے اور اس کو فتح کیا پھر یافا سے بیروت تک ساحلی علاقوں کو صلیبیوں (کی نجاست) سے پاک کیا پھر بیت المقدس پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا سلطان نے صلح کا پیغام دیا اور اس کے بدلے میں اُن سے قابل زراعت زمین طلب کی جس کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا، لہٰذا ان سے جنگ کی سلطان نے پوری تیاری کی انہوں نے تلاش کیا کہ شہر کی فصیل سب سے زیادہ کمزور کہاں ہے دیکھا تو یہودیوں کی عبادت گاہ کے قریب دیوار کمزور تھی، وہیں سلطان نے منجنیق نصب کروا دی، تیر اندازوں کو متعین کر دیا، جب عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ اُن کی شکست یقینی ہے تو انہوں نے صلح کی درخواست کی اس موقع پر سلطان نے صلح سے انکار کیا اور اعلان کیا کہ وہ قلعہ پر طاقت سے قابض ہو جائیں گے تاکہ اس طرح رعایا کے ساتھ سلوک کریں جو یورپین

نے اس وقت مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا جب شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔

لیکن سلطان کی رحم دلی اور طبعی شرافت نے انتقام لینا پسند نہ کیا اور انہوں نے آخر میں اس شرط پر صلح قبول کرلی کہ جو شخص شہر سے باہر نکلنا چاہتا ہو وہ دس دینار ادا کرے مگر عورتوں سے صرف تین دینار لیے جائیں گے، بچوں سے صرف دو دینار،

اکتوبر ۱۱۸۷ء میں یہ یورپی شہری بیت المقدس سے نکلنے لگے اس وقت سلطان مع اپنے فاتح لشکر کے شہر میں داخل ہوا اور سارے غیر ملکی عیسائی (یورپی) وہاں سے بھاگ نکلے[1]۔

یہ شاندار فتح بڑی اہمیت کی حامل ہے، ۹۰ برس کے قریب یہ اس شہر پر قابض و متصرف رہے... سلطان صلاح الدین ایوبی کی جرات ایمانی اور ہمت مردانہ نے مسلمانوں کے دلوں میں عزائم کو بیدار کر دیا اور نگاہوں کو تلوار بنا دیا جس کے باعث وہ سلطان کی قیادت میں تاریخ عالم کا رخ موڑنے اور عیسائیوں کو نامراد و رسوا کرکے بیت المقدس سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

آج صورت حال کچھ اس نوعیت کی ہے کہ دشمن متحد ہیں، یورپ اور امریکہ کے علاوہ خود روس بھی دل سے عربوں کا دوست نہیں ہے دوسرے الفاظ میں دنیا کی عظیم ترین فوجی طاقتیں یہودیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں اُن کے مقابلہ میں عرب باہم اختلاف و افتراق میں مبتلا ہیں ان کی جانب دل سے اور خلوص سے کوئی بھی نہیں حتی کہ اسلامی ممالک ایران و ترکی تک پورے طور پر۔ حالیہ جنگ ایسی شکل میں اب معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہے عربوں کو پٹرول سے اب تک ۷۰ ملین ڈالر سے زائد دولت حاصل ہو چکی ہے مگر اُن کی دولت اسلحہ بنانے اور فوجی تیاری کے بجائے تعیشات میں صرف ہو رہی ہے اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہیں اُن کے اندر دولت ہے ہم ان کے مقابلہ کی سکت نہیں۔ ۷۰ ملین ڈالر کی رقم وہ عظیم رقم ہے جتنے میں امریکہ نے آدمی کو چاند پر پہنچا دیا۔ عربوں نے اس دولت سے جو خدا نے ان کو عطا کی ہے کوئی کام نہیں لیا۔ انہیں اس کا اندازہ نہیں کہ اتنے طاقتور دشمن کا مقابلہ خریدے ہوئے فوجی ساز اور اسلحہ سے ناممکن ہے بلکہ عربوں کو خود اسلحہ کے کارخانے قائم کرنے چاہئیں، بجائے دشمنوں کی منڈی آباد کرنے کے، عالم یہ ہے کہ عرب خود آپس میں ہی دست بہ گریباں ہیں، جو طاقت اسرائیل کے مقابلہ میں صرف ہونی چاہئے تھی وہ طاقت گذشتہ سال اردن نے اُن مصیبت زدہ فلسطینی گوریلوں کو فنا کرنے پر صرف کی جو پہلے ہی سے یہودیوں کے ہاتھوں جلاوطنی کی زندگی گذار رہے تھے،

— افسوس یہ ہے کہ آج مسلمان جہاں بھی ہیں غیر متحد ہیں۔ اسلام کی محبت، خلوص اور خوف خدا کہیں بھی نہیں۔

آج سلطان صلاح الدین کی سیرت عربوں کو بلکہ تمام مسلمانوں کو عمل جہاد دے رہی ہے، صلیبی دور میں بھی چھوٹی چھوٹی مسلم حکومتیں تھیں، آج بھی عرب یورپ کی سازشوں سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بانٹے دیئے گئے ہیں تاکہ کبھی طاقتور نہ ہو سکیں جس طرح سلطان نے عربوں کی صف بندی کی اور عظیم طاقت بن کر سامنے آئے اور تاریخ کا رخ بدل دیا آج بھی ملت اسلامیہ کو ایک صلاح الدین کی ضرورت ہے جو پھر بیت المقدس صحرائے سینا اور غازہ پر اسلام کا جھنڈا نصب کرے

آج بھی گر ہو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

⟵⟶

[1] فیض الخاطر از احمد امین سنہ ۱۹۵۲ء ج ۱۰ ص ۹۳

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک

از
مولٰنا عبد الکافی
کافیؔ مرادآبادی
شہید ۱۸۵۷ء بسلسلہ
جہاد حریت ۱۸۵۷ء

کہوں کیا مجلس خیر الورٰی کی
بالطافِ شفیعِ روزِ محشر
بیاں صبر و متانت کا کروں کیا
یہ تھا بزمِ فراغت کا تقاضا
حرام و فحش سے زنہار زنہار
اگر اس اہلِ بزمِ باصفا سے
تو اُس تقصیر کا چرچا زباں پر
برابر تھے سبھی واں پیش حضرت
کہ جو پرہیز و تقویٰ میں اہم تھے
بزرگ و نامور تھے پیش حضرت
بزرگوں کی وہاں ہوتی تھی عزت
وہاں کے لوگ ہر اہلِ غرض کی
اگر ہوتا وہاں وارد مسافر
وہاں جس چیز کا آتا تھا سائل
سنو اِک اور اعجازِ پیمبر
کہ کرتا ہر بشر ایسا گماں تھا
بہ نزدیکِ قسیمِ حوضِ کوثر
جو کوئی بیٹھتا تھا پاس اُن کے
نہ پہلے اُس سے اُٹھتے تھے پیمبر
غرض پھرتا بمطلب آنے والا
جو کوئی چاہتا تھا اُن سے حاجت
نہیں تو اس سے کہہ کر بات اچھی
کشادہ روئی و خلقِ حسن سے
سبھوں کے ساتھ یوں تھے مہرباں آپ
اگر حضرت کسی محفل میں آتے
صفِ آخر میں وہ لیتے تھے آرام
کیا کرتے تھے اُمت کو یہی ارشاد
شریفِ قوم جو ہوتے تھے اشخاص
شریفِ قوم کو کرتے تھے والی
تفقد آپؐ کا اصحاب پر تھا

مقامِ علمِ دیں جائے حیا تھی
سبھی آپس میں تھے یکساں برابر
بلند آواز واں کوئی نہ کرتا
کسی کا عیب واں ظاہر نہ ہوتا
نہ اس مجلس میں کرتا کوئی گفتار
کوئی تقصیر کرتا تھا خطا سے
نہ لاتا تھا کوئی باہر نکل کر
مگر وہ شخص رکھتے تھے فضیلت
جو فیضِ عام میں سب سے اتم تھے
جو لوگوں کو بہت کرتے نصیحت
ضعیفوں اور بچوں سے محبت
تمنائے دلی کرتے تھے پوری
کیا کرتے تھے اُس کا پاسِ خاطر
نہ ہوتی نااُمیدی اس کو حاصل
کہ یہ لطف و کرم تھا ہر کسی پر
کہ مجھ پر خاص ہے اکرام اُن کا
گرامی کون ہے میرے برابر
بیاں کرتا تھا یا مطلب کو اپنے
جو کچھ کہتا وہ سنتے کان دھر کر
رہا کرتے تھے بیٹھے شاہِ والا
ادا کرتے تھے تا مقدور حضرتؐ
کیا کرتے تھے اس کے دل کو راضی
جہاں کے آدمی جتنے تھے گھیرے
کہ ہو بیٹے پہ جیسے مہرباں باپ
جہاں پاتے جگہ واں بیٹھ جاتے
نشستِ صدرِ محفل سے نہ تھا کام
رکھو تم بیٹھنے میں یہ ادب یاد
باکرام رسول اللہؐ سے تھے خاص
نبیؐ نے تھی یہ عادت اپنی ڈالی
بہت لطف و کرم احباب پر تھا

تنقید و تبصرہ

مکاتیب گیلانی جلد اول

مرتب : مولانا منت اللہ رحمانی
کتابت، طباعت اور کاغذ : بہتر
قیمت : درج نہیں ہے۔
ضخامت : ۳۰۰ صفحات
پتہ : دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رہ اپنے علم و فضل اور فہم و ذکاوت کے اعتبار سے جماعت علماء میں ممتاز تھے اور آپ میں عبقریت کی شان نمایاں تھی، آپ نے اپنے پیچھے ان مکاتیب کا بڑا ذخیرہ چھوڑا تھا جو آپ نے اہل علم اور احباب کو اپنی زندگی میں لکھا تھا، آپ کے یہ مکاتیب علوم و معارف کا ایک بیش بہا خزینہ کی حیثیت رکھتے تھے یہ سب بکھرے ہوئے تھے۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نے جو خود بھی خدا داد غیر معمولی ذکاوت و فہم اور علم و عمل سے سرفراز ہیں، مولانا گیلانی کے مکاتیب کی جمع و ترتیب کی ذمہ داری قبول فرمائی اور کام شروع کر دیا، خوشی کی بات ہے کہ "مکاتیب گیلانی" کی جلد اول طبع ہو کر سامنے آگئی ہے اسکے مطالعہ کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ نے بڑے ذوق اور محنت سے یہ خدمت انجام دی ہے، اور تمام اسماء و اماکن اور کتابوں کے نام پر فٹ نوٹ لکھ کر اسکی افادیت کو چار چاند لگا دیا ہے،

شروع میں مولانا عبدالباری ندوی کے قلم سے ایک وقیع اور جاندار مقدمہ ہے، مولانا ندوی کو مولانا گیلانی کے ساتھ چوتھائی صدی ایک ساتھ رہنے اور ایک یونیورسٹی میں کام کرنا موقع تھا، یہ مقدمہ کوئی ۴۰ صفحات میں پھیلا ہوا ہے، اس کے بعد مکاتیب کا سلسلہ ہے اس جلد میں جن لوگوں کے نام خطوط ہیں ان میں چار قریبی عزیز رشتہ دار ہیں ان کے نام آغاز جوانی کے خطوط ہیں اور بقیہ مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ، اور حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے نام، ان مکاتیب کی مجموعی تعداد ۸۷ ہے

اسمیں قطعاً شبہ نہیں کہ مرتب موصوف نے اس کے فٹ نوٹ پر بڑی محنت کی ہے اور ان مکاتیب میں جس قدر اشخاص کتابوں، رسالوں اور مقامات کے نام آئے ہیں ان سب پر بہت جامع اور معلومات افزا نوٹ دیا ہے اسطرح سیکڑوں کتابوں شخصیتوں اور مقامات سے متعلق معلومات فراہم ہو گئی ہیں، یہ خود ایک بڑے فائدے کی چیز ہے،

شروع میں مفصل فہرست مضامین بھی دیدی گئی ہے جن شخصیتوں کتابوں اور مقامات پر نوٹ دیئے گئے ہیں اگر ان کی الگ سے ایک فہرست دیدی جاتی تو بہت بہتر ہوتا، مرتب نے اس فہرست کا تذکرہ کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فہرست درج ہونے سے رہ گئی ہے، مکاتیب گیلانی کی کچھ اور جلدیں بھی انشاء اللہ سامنے آئیں گی ان میں اس طرح کی فہرست کا التزام ضرور کیا جائے۔ ——— (ظفیر صدیقی)

رحمۃ للعالمین اور سیرت کے مختلف گوشے

مرتب : مولوی ریاض الدین قاسمی چمپارنی
ناشر : ریاض بکڈپو کمرہ ۱۲ مسجد دارالعلوم دیوبند
ضخامت : ۲۰۸ صفحات مع ٹائیٹل کور
کتابت طباعت متوسط، قیمت ۱/۳۰

(صفحہ ۲۸۰ پر دیکھئے)

کوائف دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عبدالسلام صاحب فاروقیؒ کے لئے ختم اور ایصال ثواب

دارالعلوم دیوبند ۱۹ر اگست - مولانا عبدالسلام صاحب کے انتقال کی اچانک اطلاع پہلے مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ کی زبانی اور پھر بذریعہ تار معلوم ہوئی، اطلاع ملتے ہی حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ مولانا معراج الحق صاحب نائب مہتمم، مولانا نصیر احمد صاحب نائب مہتمم اور اس وقت موجود حضرات اساتذہ نے "انا للہ" پڑھا اور مولانا مرحوم کیلئے دعائے مغفرت فرمائی، مولانا کے صاحبزادہ مولانا عبدالعلیم صاحب کے نام حضرت مہتمم صاحب نے تعزیت اور اظہار ہمدردی کا تار روانہ فرمایا اور دارالعلوم دیوبند میں ختم قرآن اور ایصال ثواب کا انتظام کیا گیا، تعزیتی تار میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے مولانا کے انتقال کو ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے مولانا عبدالعلیم صاحب سے تعزیت اور اظہار ہمدردی فرمایا، اور ختم و ایصال ثواب کی اطلاع دی، مولانا مرحوم امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کے بڑے صاحبزادے اور ان کے بعد ان کے مشن کے نگراں اور بڑے عالم دین تھے، حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت میں مقام بلند عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمادیں۔ (آمین)

دارالقضا مالیگاوٴں کی ششماہی رپورٹ

از دفتر دارالقضا مالیگاوٴں

مالیگاوٴں کے تمام مسلمان اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ۳ر جون ۱۹۷۳ء کو نورانی مسجد کے پاس ایک عظیم الشان جلسہ عام میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے دارالقضاء مالیگاوٴں کے قیام اور منصب قضاء پر مولانا عبدالاحد صاحب ازہری کے تقرر کا اعلان فرمایا۔

۴ر جون ۱۹۷۳ء دارالقضا مالیگاوٴں میں باضابطہ کام کا آغاز ہوگیا اور مقدمات دائر نمبر ہونا شروع ہوگئے ۴ر جون ۱۹۷۳ء سے اب تک ۲۹ر مقدمات دائر نمبر ہوچکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دعویٰ	۶	وراثت	۲
مطالبۂ رخصتی	۴	فسخ نکاح	۱۲
خلع	۲	مطالبۂ نفقہ حضانت	۱
حرمت مصاہرت و دعویٰ طلاق	۱	طلاق	۱

ان دائرشدہ مقدمات میں ضابطہ کی تکمیل کے بعد ۶ مقدمات کا فیصلہ ہوچکا ہے جو متعلقہ افراد کو سنادیا گیا عام مسلمانوں کی معلومات کے لئے یہ رپورٹ شائع کیجارہی ہے

نہال احمد لی - کارکن دارالقضاء

مالیگاوٴں - ناسک

سعودی عرب کے ایک تعلیمی اور ثقافتی وفد کی دارالعلوم دیوبند میں تشریف آوری

دارالعلوم دیوبند (۲ ستمبر) آج ۱۰½ بجے دن اچانک سعودی عرب کا ایک تعلیمی وفد بذریعہ کار دارالعلوم میں پہونچا، اس وفد میں الاستاذ محمد ابراہیم، الاستاذ ابن عبداللہ، الاستاذ عبدالمحسن آل الشیخ، اور الاستاذ عبدالمحسن بن علی باہمیل شریک تھے جو سعودی عرب کی مختلف وزارتوں اور اسلامی تنظیموں سے متعلق ہیں، دارالاہتمام

میں موجود مولانا حامد الانصاری غازی صاحب، مولانا نصیر احمد صاحب نائب مہتمم، مولانا شریف الحسن صاحب نے دار الاہتمام کے دروازے پر خیر مقدم کیا، اور دار العلوم کے مقاصد اور اس کی عالم گیر خدمات پر گفتگو کی، وفد کے ارکان نے اس امر کو بطور خاص ظاہر کیا کہ ہند و پاک میں جہاں جہاں ہمیں اہل فضل و کمال سے گفتگو کا موقعہ ملا وہاں دار العلوم دیوبند کے علماء اور فضلاء ہی ملے، سعودی عرب میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور لاہور میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سے گفتگو کا تذکرہ کیا اور بھرپور الفاظ میں انکے فضل و کمال کا اعتراف کیا، دار العلوم کی دینی خدمات کا اعتراف بار بار کیا اور مزید ترقی کی دعا کی۔

دار العلوم کے مقاصد اور اس کے طریق کار نیز نصاب تعلیم کے سلسلہ میں عربی میں مختصر جائزہ کا مسودہ دیکھا اور اس سے یادداشت مرتب کی دار العلوم کی آئندہ ضروریات اور تعلیمی و تعمیری ترقیات کی اسکیموں کو دریافت کیا۔ اور انہیں نوٹ کیا، ... اور ... کہا کہ دار العلوم کو رابطۂ عالم اسلامی سے ربط و ضبط اور خط و کتابت جاری رکھنی چاہیئے، دار العلوم کے لٹریچر وہاں بھیجے جاویں اور وہاں کے لٹریچر یہاں منگائے جاویں ہم بھی وہاں سے لٹریچر اور بہت سی جدید و قدیم مطبوعات روانہ کریں گے

ایک بجے دار الامتحان، کتب خانہ، محاسبی کے معائنہ سے فارغ ہو کر مہمان خانہ میں کچھ دیر آرام کیا، کھانا کھایا اور ۳ بجے یہ وفد واپس ہو گیا بوجہ سفر حضرت مہتمم صاحب سے نہ ملنے پر اظہار افسوس کیا۔

صفحہ ۴۶ کا بقیہ

(تنقید و تبصرہ)

رسالہ دار العلوم کا حلقہ مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری استاذ دار العلوم دیوبند سے بخوبی واقف ہوگا جو فرید العصر حضرت العلامہ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں، اور ان کے مضامین اور تبصرے اس رسالہ میں بکثرت شائع ہوتے رہتے ہیں، بلاشبہ موصوف ایک خوش بیان مقرر اور شگفتہ اسلوب مضمون نگار ہیں، تقریر و تحریر دونوں میں طبیعت رواں دواں ہے

موصوف ہی کی تین تقریروں کا یہ مجموعہ ہے جس پر یہ سطور بطور تبصرہ تحریر ہیں، تقریر اور تحریر میں جو فرق ہوتا ہے وہ فرق اس میں موجود ہے، پھر تقریر عوام کے لئے ہوتی ہے اس لئے اس کی زبان و بیان وہی ہے جس کے پڑھنے اور سمجھنے میں کسی کو بھی دقت نہ ہو تاہم سیرت پر یہ تین تقریریں بہت اچھی اور بہت مفید ہیں درمیان میں کچھ علمی نکتے بھی ہیں جن میں مولانا موصوف کی یہ خصوصیت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ اگرچہ علمی نکتے اہل علم کے لئے ہوتے ہیں لیکن اتنے سادہ طریقہ سے ان کو بیان کیا ہے کہ عوام کے لئے بھی وہ یکساں طور پر مفید ہو گئے۔

مرتب کی یہ کوشش جو اُن ہی کے اعتراف کے مطابق پہلی کوشش ہے قابل قدر اور لائق تقلید ہے۔

nCHIDIPIR

Telephone 323715 / 322027

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

دار العلوم دیوبند کا علمی دینی، اصلاحی ماہنامہ

ماہنامہ

دار العلوم

نگرانِ اعلیٰ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند

مُدیر

ابن الانور سید محمد ازہر شاہ قیصر

سید احمد

جلد ۲۶ | دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی اور اصلاحی | شمارہ ۲

ماہنامہ دارالعلوم

نومبر ۱۹۷۲ء
شوال ۱۳۹۲ھ

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحب مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ
قیصر

فہرست مضامین

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ
قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دارالعلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے
ساڑھے نو روپے

ممالک غیر سے
سادہ ڈاک سے
۲۴ روپے

ممالک غیر سے
ہوائی ڈاک سے
۵۲ روپے

قیمت فی پرچہ
نوّے ۹۰ پیسے

○ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپ کا چندہ ختم ہوگیا ہے، ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر کو بھیجدیں۔ وی۔ پی کا انتظار نہ کریں اسلئے کہ وی۔ پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مخلصین دارالعلوم سے ضروری گذارش

بنگلہ دیش اور پاکستان سے ڈاک کے تعلقات منقطع ہوجانے کی وجہ سے رسالہ "دارالعلوم" کے تقریباً دو ہزار خریدار ٹوٹ گئے ہیں۔ اپنی دعوت و فکر کے ایک انداز پر قائم رہنے کیوجہ سے یہ رسالہ پہلے ہی سے مالی طور پر زیر بار ہے مخلصین دارالعلوم "دارالعلوم" کی اس آواز کو باقی رکھنے کے لئے رسالہ کی توسیع اشاعت کی کوشش کو اپنا ضروری فریضہ خیال کریں، ہر شخص کم از کم دو خریدار رسالہ کے لئے ضرور فراہم کرے۔

(سیّد محمد ازہر شاہ قیصر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

ایسا معلوم ہوتا ہے دنیائے اسلام موجودہ حالات سے دوچار ہونے کے باوجود اپنے آپ میں عملاً تبدیلی لانے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ مسلمان جہاں بھی ہیں ان پر غفلت سی طاری ہے، یہ نہیں ہے کہ ان کی آنکھیں بند اور کان بہرے ہیں، دیکھتے بھی ہیں اور سنتے بھی، مگر حالات کے ساتھ دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے چلنے کے لئے تیار نہیں، زمانے نے ان کو جھنجوڑا، حالات نے ان کے شانے ہلائے اور انقلاب نے خون کی بارش برسائی، مگر ہمارے مسلمان ممالک ہیں کہ ٹس سے مس ہونے اور آگے جانے کا نام نہیں لیتے، تعمیری ذہن ایسا معلوم ہوتا ہے سلب ہوگیا ہے، نہ تنظیم ہے اور نہ ترقی کی راہ پر آنے کا نام ونشان، ادھر دس سال میں مسلمانوں پر جو آفتیں، ذلتیں اور افتادیں آئیں اگر کسی اور قوم پر آتیں تو اس کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹ مٹا گیا ہوتا، مگر یہ غریب مٹے تو نہیں مگر نیم جان ضرور نظر آتے ہیں، ان میں باہم اتحاد اور یکجہتی جب ہونے لگتی ہے، کوئی دشمن پھر انہیں باہم دست وگریباں کر دیتا ہے اور یہ بڑی آسانی سے دست وگریباں ہو جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں ممالک اسلامیہ کے پاس دولت کی کمی نہیں بلکہ بڑی فراوانی ہے، ان کی دولت سے دوسرے ممالک فائدہ اٹھا رہے ہیں، مگر خود انہیں دولت استعمال کرنے کا شعور پیدا نہیں ہوا، راحت وعیش میں مگن رہنا بیشک جانتے ہیں۔ مگر خدا کی اس دی ہوئی دولت سے تعمیری کام انجام دیں ایسا کہیں نظر نہیں آتا، نہ دین کا کام کرتے ہیں اور نہ دنیا کا، نہ ان میں دینی حمیت کا کوئی خاص جذبہ دیکھنے میں آتا ہے اور نہ دنیاوی عروج وترقی کا جوش وولولہ۔

دینی اعتبار سے جب ہم ان ممالک کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے، حد ہے عراق، شام اور مصر جیسے خطے کمیونزم کی لپیٹ میں آچکے ہیں، اسلام کے بجائے یہاں کمیونزم کا دور ہے، اور نئی نسل بے دینی اور الحاد میں تیزی سے گرفتار ہوتی جارہی ہے اور جس دنیا کے نام پر انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر اسلام دشمن گروپ کا روپ دھارا ہے، افسوس یہ ہے کہ انکی وہ دنیا بھی ذلت ورسوائی اور نکبت کے سوا کچھ نہیں۔ حد یہ ہے کہ دنیاوی تعلیم میں بھی یہ ممالک بہت پیچھے ہیں، اسرائیل نے ان کے سینوں کو چھلنی بنا رکھا ہے، مگر کسی میں جرأت نہیں کہ کچھ کر سکیں، واقعہ یہ ہے کہ ان کے حالات حیرت خیز ہونے کے ساتھ حد درجہ عبرت انگیز بھی ہیں۔

ان ممالک کے وفود وقتاً فوقتاً ہندوستان میں آتے رہتے ہیں اور انہیں قریب سے دیکھنے کا جب کبھی موقع ہوتا ہے تو خوشی اور امید کے بجائے مایوسی اور حسرت ہوتی ہے، دور اندیشی، غور وفکر اور حالات کا تجزیہ کرنے کے بجائے ان میں عجلت، آدمیوں سے وحشت اور صرف وقار کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے، موجودہ دور میں زندگی کس طرح ملتی ہے، کہاں سے ملتی ہے اور اس کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے ان کی نگاہیں ان چیزوں کی طرف نہیں جاتیں۔

یہی وجہ ہے کہ ممالک اسلامیہ اسلحہ کے کارخانوں، فیکٹریوں، اور صنعتی کاروبار سے قطعاً خالی ہیں، یہ ہر چیز میں دوسروں کے دست نگر ہیں، اپنے ملک کی بنی ہوئی شاید ان کے پاس کوئی چیز نہیں، ان کے جسموں پر کپڑے دیکھئے تو غیر ملکوں کے بنے ہوئے ان کے پاؤں میں جوتے دیکھئے تو دوسرے ملکوں کے بنے ہوئے، اور ان کے ہاتھوں پہ گھڑیاں دیکھئے وہ بھی غیر ملکی، ایک قلم بھی ان

کی تہذیب میں شاید اپنے ملک کا نظر نہیں آتا ہے، ان ملکوں کے بازاروں میں گھوم جائیے ساری دکانیں غیر ملکی مالوں سے بھری ہوئی نظر آئیں گی، اور بایں ہمہ ان ملکوں کے ذمہ داروں لیڈروں اور رہنماؤں کو ذرا بھی اس کا احساس نہیں، بغل میں اسرائیل ہے وہاں جاکر دیکھئے پورا ملک سرسبز و شاداب اور لہلہاتا نظر آئیگا، وہاں ہر طرح کے کارخانے بھی نظر آئیں گے اور وہاں کے رہنے والے محنتی اور جفاکش بھی ہونگے لیکن اس کے برعکس مصر، شام، عراق اور اردن وغیرہ میں جاکر دیکھئے ایک سناٹا سا نظر آئیگا یہ دوسروں کی نقالی میں مشغول نظر آئینگے، یا کسی باہمی کشمکش میں گرفتار، کاش ان ممالک اسلامیہ کے حکمرانوں اور رہنماؤں کے سیاسی اور دینی شعور کو ٹھیس لگتی اور یہ خواب غفلت سے چونکتے۔

مصر وغیرہ کے لمبے لمبے بیانات ہم اخبارات میں کب سے پڑھ رہے ہیں مگر ان کی بربادی پر اتنے سال گذر جانے کے بعد بھی کوئی حقیقی زندگی نظر آتی ہے؟ جو جا چکا ہے اس کی واپسی کی توقع تو کیا ہوتی، ہر آن یہ خطرہ ہوتا ہے کہ جو رہ گیا ہے کہیں وہ بھی نہیں چھن جائے۔ اسرائیل جب چاہتا ہے ان ملکوں پر بمباری کر کے ایک تباہی مچا دیتا ہے اور یہ رو پیٹ کر بیٹھ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ جمال عبدالناصر کو معاف کرے اس نے مصر کو جس الحاد کی راہ پر لگا دیا تھا وہ رد کے نہیں ٹک رہا ہے، دین و مذہب کو بھی کھو یا اور ملک و ملت کو بھی۔ ہمارا یقین ہے کہ مسلمان مذہب کے راستے سے ہی اپنا کھو یا ہوا عروج حاصل کر سکتا ہے، دین و شریعت کا دامن چھوڑ کر ہزار چاہے اس کی ترقی ممکن نہیں، گذشتہ تاریخ اس کی شاہد ہے، ان ممالک میں یقیناً مذہب دوست طبقہ ہوگا، مگر وہ جیسا مضبوط ہونا چاہئے نہیں ہے۔ ان کو پچھلے برسوں میں اس طرح مٹایا گیا ہے کہ کچھ نوجوان اب مذہب کا نام لیتے ہوئے بھی گھبراتے ہونگے۔

ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے نقشے میں جو چھوٹی بڑی ۴۲ مسلم حکومتیں ہیں، وہ بیدار ہوں، وہاں کے عوام و خواص خواب غفلت سے چونکیں اور ان میں مذہبی جذبہ، اسلام پر یقین اور باہمی اتحاد عود کر آئے، یہ ہمارے لئے نمونہ بنیں اور ان کا عمل سارے عالم کے مسلمانوں کے لئے اسوہ کی حیثیت اختیار کر لے، ان میں تخریب سے زیادہ تعمیری ذہن ہو، لفاظی اور زبان درازی کی جگہ عمل اور جوش عمل ہو، دولت سے مصرف لینا سیکھیں، کارخانے قائم کریں، جینے کا سامان فراہم کریں، کاہلی سستی اور عیش و آرام سے ہٹ کر جوانمردی، جفاکشی، اور اولوالعزمی کے جوہر تلاش کریں۔

کون نہیں جانتا ہے کہ عرصہ ہوا عالمی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے بلکہ اس قیادت میں ان کا قطعاً کوئی حصہ باقی نہیں رہا، یہ دوسروں کے دست نگر ہیں، ضرورت ہے کہ یہ ممالک اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنے کی عملی جدوجہد کریں۔ ہر حکمران کم از کم قذافی جیسا مرد مسلمان بننے کی سعی کرے، یہ مایوسی کے بادل تو چھٹیں، امید کا سورج طلوع ہو اور نوجوان نسل محسوس کرے کہ وہ کیا تھے اور کیا ہوگئے۔ اور کس بلندی سے کس پستی میں آگئے ہیں۔

مگر کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ انقلاب جدوجہد اور ایثار و قربانی سے آئے گا، یہ ممالک اور یہاں کے حکمران اور رہنما اپنا منصب اور مقام پہچانیں۔ ان کی تبدیلی سے عوام و خواص میں تبدیلی آئے گی، یہ دور عمل کا ہے باتیں بنانے کا ہرگز نہیں ہے۔

ممالک اسلامیہ کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دلی کرب و اضطراب کا نتیجہ ہے، ورنہ سب جانتے ہیں کہ ہمیں

ان ممالک سے اسلام کے رشتے سے بڑی محبت ہے اور گہرا تعلق بھی ان کا احترام ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں اور ہمیشہ کرتے آئے ہیں، اور آج بھی ان کی عظمت کا ڈنکا بجانے میں کوتاہ نہیں ہیں۔

اس موقع سے ہندوستانی مسلمانوں سے بھی یہ عرض کرنے کی جرأت کرونگا کہ تعمیری کاموں میں یہاں کے مسلمان بھی بہت پیچھے ہیں، یہاں بھی باہم صرف سیاست بازی اور جاہ ووقار کی لڑائی ہے، تعمیر میں یہاں کا مسلمان بھی بہت غفلت برت رہا ہے، ملک کی آزادی پر ۲۶ سال گذر گئے، مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیجئے تو سیاسی لحاظ سے اور تعمیری اعتبار سے افسوس کے سواحصہ میں کچھ نہیں آئیگا۔

اس ۲۶ سال میں مسلمانوں نے نہ تو دوچار ایسے کارخانے کھولے جہاں دس بیس ہزار مسلمان کام پر لگ جاتے یا کوئی تجارت ان کے ہاتھ میں آجاتی، یا مالی اعتبار سے ان کا کوئی مقام ہوتا، میری سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ پارلیمنٹ یا اسمبلی میں دس بیس مسلمانوں کے چلے جانے سے کیا ہوگا، اور اب تک کیا ہوا، ہندوستان میں متعدد جماعتیں ہیں مگر سب سیاسی یا نیم سیاسی، مسلمانوں کے لئے تعمیری جدوجہد کسی کے پروگرام میں داخل نہیں ہے، موجودہ حکومت کے تعاون سے مختلف شہروں میں چھوٹے بڑے کتنے کارخانے کھل رہے ہیں، مگر حساب وکتاب سے دیکھئے تو مسلمان لفاظی اور بات بنانے میں مشغول ہیں یا رونے پیٹنے اور مرثیہ خوانی میں، جس سے قوائے عمل مضمحل ہوتے ہیں، مضبوط نہیں ہوتے۔

ساری مسلم جماعتوں کے تعاون سے دوچار بڑے کارخانے کھل گئے ہوتے تو مسلمانوں کا کتنا بھلا ہوتا، معاشی پریشانی جو مسلمانوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے کچھ تو دور ہوتی۔ ان جماعتوں نے لاکھوں روپے وصول کئے مگر تعمیری کام ایک پیسہ کا بھی نہیں کیا، اللہ تعالیٰ انہیں بھی دور اندیشی عطا فرمائیں۔

یہ دارالعلوم دیوبند اور اس جیسے دوسرے مدارس دینیہ ہی سب سے اچھے ہیں کہ انہوں نے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھا، ایمان ویقین کی دولت جس خطہ میں جائیے آپ کو بڑی آسانی سے ملے گی، چھوٹے مدارس ومکاتب اور مسجدوں کے حلقے آباد نظر آئیں گے، ہزاروں چھوٹی بڑی اسلامی درسگاہیں تعمیری کام میں لگی ہوئی ہیں۔

اور اس کے مقابلے ساری مسلم جماعتوں نے مل کر اتنا بھی نہیں کیا کہ یہاں مسلمانوں کی جان، ان کی عزت وآبرو اور ان کے مال محفوظ رہتے اور اس کی حکومت کی طرف سے کوئی خاص گارنٹی ہوتی۔

میرا اپنا تجزیہ یہ ہے کہ مسلمان لیڈروں نے ممکن ہے خود اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے کچھ کیا ہو یا کچھ ذاتی طور پر حاصل کرلیا ہو مگر عام مسلمانوں کو انہوں نے کچھ نہیں دیا، اور ان کے لئے کچھ نہیں کیا، اس تلخ گوئی کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔!

(ظفیر صدیقی)

اسلام میں رفاہ عام اور خدمت خلق

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

ضرورت مندوں کی سفارش کرنے کی تاکید

قرآن کریم نے اعلان فرمایا کہ جو مسلمان کسی ضرورتمند کی سفارش کرتا ہے اسے وہی ثواب ملتا ہے جو ضرورت پوری کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔

من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منہا (سورۃ نساء ۱۱) — جو شخص اچھی سفارش کرے گا تو اسے اس میں سے اجر ملے گا۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا

من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ (بخاری مسلم) — جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول رہے گا تو خدا تعالیٰ اُس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا۔

واللہ فی عون عبدہ ما کان العبد فی عون اخیہ (ترمذی) — خدا تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی حاجت مند حاضر ہوتا تو آپ اپنے رفیقوں سے فرماتے تم بھی اس کی سفارش مجھ سے کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا۔ (بخاری کتاب الادب)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِشفَعُوا تُوجَرُوا — سفارش کرو اور ثواب حاصل کرو

(ابن کثیر بحوالہ صحیحین ج ۱ ص ۵۳۱)

مسکین اور بیوہ کی مدد کرنا جہاد کے برابر ہے

شریعت کی نظر میں جہاد فی سبیل اللہ سب سے بڑی سعادت اور نیکی ہے، لیکن شریعت نے یہ بھی بتایا کہ مسکین اور بیوہ عورت کی مدد کرنا جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاہد فی سبیل اللہ

جنگی قیدیوں کی خدمت کرنا

جنگی قیدی وہ لوگ ہیں جو حق کو مٹانے کے لئے ظلم کی تلواریں لے کر اسلام کے خلاف میدان میں نکل ...... آئیں یہ لوگ ظلم وستم کے آتشیں پتلے ہوتے ہیں، لیکن شریعت نے بتایا کہ جو لوگ میدان جہاد کر قیدی بن کر آجائیں تو اُن کے ساتھ انسانی سلوک کرنے سے دریغ نہ کیا جائے

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب بدر کے قیدی لائے گئے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ اِن ستر قیدیوں کے ساتھ شریفانہ سلوک کیا جائے صحابہ کرام رضہ دو دو چار چار کو اپنے ساتھ لے گئے، ایک قیدی مصعب ابن عمیر کے بھائی ابو عزیز بھی تھے ان کا بیان ہے کہ میں جن انصاریوں کے پاس تھا وہ میرے پاس کھانا لاتے، اور خود صرف کھجور کے چند دانوں پر قناعت کر لیتے، مجھے شرم آتی، میں اُن کے ہاتھ میں روٹی دیدیتا، مگر وہ واپس کر دیتے کیونکہ ہادئ برحق کی یہ تاکید تھی کہ ہم قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے (سیرت النبی ج ۱ صفحہ ۳۰۰)

ان قیدیوں کے کپڑے پُرانے ہوگئے تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے کپڑے منگائے اور انہیں پہنائے۔

جنگی مجرموں کے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ، انکی خدمت، اور ان پر رحم، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، ورنہ اُس وقت دنیا کی دوسری قومیں جنگی قیدیوں کو کسی رحم وکرم کا مستحق نہیں سمجھتی تھیں۔

مجلس اور بازار کا حق

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس اور بازار کے آداب بھی وضاحت سے بیان فرمائے

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

تفسحوا و توسعوا — مجلسوں میں کشادگی اور وسعت کے ساتھ بیٹھا کرو۔

حضرت جابر رضہ فرماتے ہیں:

ہم لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تھے تو جہاں مجلس ختم ہوتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضہ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص تعظیم کے طور پر ان کے لئے کھڑا ہوتا تھا تو ابن عمرؓ اس کی خالی جگہ پر ہرگز نہیں بیٹھتے تھے۔

ایک روز حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو بازار میں بیٹھا دیکھا تو انہیں بازار میں بیٹھنے سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔

حضور! ہمارے گھر تنگ ہیں اس لئے ہم باہر نکل کر بیٹھ جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

اچھا اگر بازار میں بیٹھا کرو تو بازار کا حق بھی ادا کیا کرو۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

فاعطوا الطريق	بازار کا حق ادا کیا کرو۔
حقها قالوا وما	صحابہ کرام نے عرض کیا، بازار
حق الطريق	کا حق کیا ہے؟
قالَ، غض البصر	آپ نے فرمایا! نظروں
وكف الاذیٰ ورد	کو نیچا رکھنا، اذیت وتکلیف
السلامِ وامر	سے بچنا، سلام کا جواب دینا
با لمعروف ونهی	بھلی باتوں کا حکم دینا، بری
عن المنكر	باتوں سے روکنا۔

(بخاری کتاب المظالم پ ۹)

بخاری کے شارح حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے بحر طویل میں راستے میں بیٹھنے کے آداب کو اس طرح نظم فرمایا ہے۔

جمعت آداب من رام الجلوس على الطريق من قول خير

اخلاق انسانا
الفث السلام واحسن فی الکلام اسمعت عاطسا وسلما
رد احسانا
فی الحمل عاون ومظلوما اعن واغث لهفان و
واهد سبیلا واهد حیرانا
بالعرف مروانه من الکرو کف اذی وغض طرفا
واکثر ذکر مولانا

ترجمہ۔ میں نے راستہ میں بیٹھنے کے آداب کو بہترین انسان (حضور اکرمؐ) کے ارشادات کے مطابق جمع کیا ہے، سلام کا جواب دینا، اچھی باتیں کرنا چھینکنے والے کا جواب دینا، احسان کا بدلہ احسان سے دینا بوجھ اٹھانے میں مدد کرنا، مظلوم کی اعانت کرنا، پریشان حال کی فریاد کو سننا، بھولے بھٹکے کو راستہ بتانا، حیران پریشان کو راستہ بتانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اذیت اور تکلیف سے بچنا، نگاہوں کو نیچا رکھنا، اپنے مولیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے رہنا۔

جو شخص ان باتوں کی پابندی نہ کر سکے اُسے راستوں میں بیٹھنے کا حق نہیں پہونچتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سڑکوں اور بازاروں میں چیخنے چلانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے راہ چلتوں کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ طریقہ بازاری لوگوں کا ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا۔

ان اللہ لیکرہ الرجل الرفیع الصوت	خدا تعالیٰ بلند آواز آدمی کو پسند نہیں کرتا بلکہ
ویحب الرجل الخفیض من الصوت	نیچی آواز سے بات کرنے والے کو پسند کرتا
(اخلاق محمدی ج ا صلل)	ہے۔

* * * *

حکمرانی عوام کی خدمت ہے

اسلام میں حکومت اور حکمرانی کا مطلب "خدمت" کرنا ہے، آقائی کرنا نہیں ہے

قرآن کریم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

یہ وہ لوگ ہیں، اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار
عطا کریں تو یہ لوگ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں
اچھی باتوں کا حکم دیں اور بُری باتوں سے روکیں
(سورۂ حج)

مطلب یہ کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر اقتدار حاصل کر کے دوسروں کی طرح ظلم وستم کرنے لوٹ کھسوٹ کرنے اور کمزوروں کا حق چھیننے کے بجائے ان کی خدمت کرینگے خود بھی نیک زندگی گذاریں گے اور دوسروں کو بھی نیک زندگی گذارنے کی تلقین کرینگے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

سید القوم خادمھم — قوم کا سرداران کا خدمت گذار ہوتا ہے۔

جو انسان حکومت کا منصب حاصل کر کے کمزوروں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور اپنے آپ کو عوام کا خادم سمجھتا ہے اُس کا درجہ خدا تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند ہوتا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

آخرت میں جن سات خوش قسمت انسانوں کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا اُن میں سب سے پہلا انسان اِمَامٌ عَادِلٌ " انصاف کرنے والا حاکم ہوگا "

یہی حاکم عادل ہے جسے حدیث میں زمین پر خدا کا سایہ کہا گیا ہے جس میں خدا کے مظلوم بندوں کو پناہ نصیب ہوتی ہے۔

السلطان ظل اللہ — حاکم خدا کا سایہ ہوتا ہے،

یادی کل مظلوم   مظلوم اس کے دامن میں پناہ
لیتا ہے۔

اس کے برخلاف جو حاکم اپنے آپ کو عوام کا مالک اور آقا سمجھتا ہے اور عوام کی خدمت کرنے کے بجائے کمزوروں کا خون چوس کر اپنے عیش و آرام کے محل تعمیر کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں

وھو غاشّ لھم   جو حاکم عوام کے ساتھ خیانت
الاحرم اللہ علیہ   کرتا ہے، خدا تعالیٰ جنت کو
الجنۃ (مشکوۃ)   اس پر حرام کر دیتا ہے۔

سیاسی اقتدار کا کوئی منصب ہو، فرماں روائی کا اعلیٰ عہدہ یا ایک سپاہی کا معمولی منصب، جمہوری پارلیمنٹ کی ممبری یا کسی میونسپل بورڈ کی کرسی، ان عہدوں میں سے کسی عہدہ پر فائز ہو کر انسان عوام کی خدمت کرتا ہے، خدمت کرنے کے جذبہ سے حکومت میں شریک ہوتا ہے، ظلم سے دور رہتا ہے، ظالموں کی اعانت سے پرہیز کرتا ہے اور کمزوروں کی امداد کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے تو وہ سیاسی عہدہ دار اسی اجر و ثواب کا حق دار ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے "امام عادل" کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اگر اس کا مقصد حکمرانوں کی خوشامد یا اپنی ذات کے لئے استحصال ہو تو وہ ظلم کا معاون اور گناہ گار ہے

آخر زمانہ میں دولت مندی بہتر ہے

دور اوّل، نبوت سے قریب تھا، اس کی برکت سے مسلمانوں کے اندر ایمان کا جوش کار فرما تھا، بھوک اور پیاس کے اندر بھی اُن کا ایمان و اسلام اپنی جگہ قائم رہتا تھا لیکن اب نبوت کی برکتوں سے ہم بہت دور ہو چکے ہیں۔ اس دور میں افلاس اور غریبی کے ساتھ اسلامی اصولوں پر قائم رہنا غیر معمولی استقامت اور مضبوطی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان الفاقۃ لاصحابی   فاقہ میرے رفقاء کے
سعادۃ وان الغناء   لئے خوش نصیبی ہے اور آخر
للمومن فی آخر   زمانہ میں مال داری مومن
الزمان سعادۃ   کے لئے خوش نصیبی کی بات
(کنز العمال ابن مسعود)   ہوگی

ان ارشادات گرامی سے معلوم ہوا کہ ہم مسلمان اس دور سے گذر رہے ہیں جس دور میں ایمان و اسلام پر اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کسی کے محتاج نہ ہوں، روپے پیسے اور معاش کے معاملات میں اپنے قدموں پر کھڑے ہوں تاکہ ایک طرف ہماری باعزت زندگی سے ہمارے مذہب کا وقار بلند ہو اور دوسری طرف ہم اپنے ضرورت مند بھائیوں کی مدد کر کے ان کے اسلام کو خطرات سے بچا سکیں

اسی کی طرف سرکارؐ نے اشارہ فرمایا

نعم العون علی   تقویٰ اور پرہیزگاری کا بہترین
تقوی اللہ المال   مددگار مال اور پیسہ ہے

(کنز العمال عن جابرؓ)

پس جو شخص تعیش اور غلط کاری کے لئے نہیں، بلکہ اپنی، اپنے گھر کی، اور پھر اپنے بھائیوں اور خلق خدا کی خدمت کے لئے جائز طریقوں سے دولت کماتا ہے اور روپیہ پیسہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ آخرت اور جنت کا بڑا کام انجام دیتا ہے۔

جسمانی قوّت اور تن درستی خدا کو پسند ہے

اسلام سے پہلے دنیا کے خدا پرستوں میں یہ غلط خیال پھیلا ہوا تھا کہ خدا کا پیارا بندہ وہ ہے جو

اپنے آپ کو بُرے حال، بُرے احوال رکھے، اچھا کھانا، اچھا پہننا اور اچھی طرح رہنا، اللہ والوں کا کام نہیں ہے، یہ تو دنیا داروں کا کام ہے

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط خیال کی اصلاح فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

ان اللہ جمیل و	خدا تعالیٰ جمال والا ہے اور
یحب الجمال.....	وہ جمال ہی کو پسند کرتا ہے

(مسلم و ترمذی)

امام مسلم نے کتاب القدر میں حضرت ابوہریرۃ رضہ سے یہ حدیث نقل کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

المومن القوی	کمزور مسلمان سے طاقت
خیر واحبُّ الی	ور مسلمان بہتر ہے اور
اللہ من المومن	خدا کا پسندیدہ ہے ویسے
الضعیف و فی	ہر ایک میں بھلائی ہے
کل خیر احرص	تو ہر اس چیز کی خواہش
علی ماینفعك	کیا کر جبکہ تیرے لئے فائدہ ہو

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشاداتِ گرامی سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے پیار کا خواہش مند ہوتا ہے تو وہ روحانی سعادت، ایمان، روزہ، نماز وغیرہ کے ساتھ ساتھ ظاہری اور جسمانی جمال، لباس اور رہن سہن کی صفائی اور ستھرائی کا بھی خیال رکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے، بیماری کا علاج نہ کرانا، تن درستی کا خیال نہ رکھنا، اپنے آپ کو میلا کچیلا رکھنا، میلے کچیلے اور بھدے پن کے ساتھ رہنا خدا تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں ہے،

عورتوں کیلئے "خدمتِ خلق" کا دائرہ

"خدمتِ خلق" کے لئے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں ان میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔

بندگانِ خدا کی خدمت جس طرح مردوں کے لئے ضروری ہے اسی طرح عورتوں کے لئے ضروری ہے۔

البتہ اسلام کہتا ہے کہ عورتوں کا اصلی دائرۂ خدمت اُن کا گھر ہے۔ عورتوں کو بیرونِ خانہ کی ذمہ داریوں سے اسلام نے اسی لئے سبک دوش کیا ہے کہ وہ سکون اور وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ کر خانگی زندگی کے فرائض ادا کریں۔

لیکن اسی کے ساتھ اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ جب ضرورت پیش آئے تو عورت گھر کے دائرہ سے باہر آسکتی ہے، بلکہ لازماً اسے انجام دینے چاہئیں۔

ہاں اُسے ہر حال میں اپنی عصمت مآبی کا خیال رکھنا ہوگا گھر سے باہر اسے بھڑک دار لباس سے پرہیز کرنا ہوگا تاکہ لوگوں کی نظریں اس کی طرف مائل نہ ہوں، چال ڈھال بھی سنجیدہ رکھنی ہوگی کیونکہ ناز و انداز کے ساتھ چلنے سے مردوں کی نگاہیں خود بخود عورت کی طرف اٹھنے لگتی ہیں۔

لوچ دار آواز سے بھی پرہیز کرنا ہوگا اور اس قسم کے زیور سے بھی تاکہ وہ آواز مردوں کے کانوں کے لئے فتنہ کا سامان نہ بن جائے

اسلام نے عورت کے لئے پردہ کے حدود قائم رکھنے کی سخت تاکید کی ہے، لیکن اسی کے ساتھ اگر عام مصیبت کا وقت آجائے اور مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لئے کاموں میں شریک ہونا ضروری ہو تو اس وقت اسلام پردہ کے احکام میں نرمی کر دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خواتین اسلام میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، پیاسوں کو پانی پلاتیں، مجاہدین کے لئے کھانا پکاتیں، کیمپوں کی حفاظت کرتیں۔

غزوۂ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لاد لاد کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس حال میں انھیں اپنے پائنچے اٹھائے دوڑ دوڑ کر آتے جاتے دیکھا

اسی جنگ میں ربیع بنت معوذ اور خواتین کی ایک جماعت زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر مدینہ لے جا رہی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں پردہ اور حجاب کی نوعیت کسی "جاہلانہ رسم" کی سی نہیں ہے جس میں انسانی ضرورتوں کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔

اسلام کے ارکان خمسہ اور خدمت خلق

اسلام نے عبادۃ کے پانچ رکن مقرر کیے ہیں۔

توحید الٰہی کا عقیدہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ — ان پانچ ارکان میں توحید کے تصور سے وحدت انسانی کا جذبہ ابھرتا ہے، اور انسانی وحدت و یکتائی کا جذبہ اخلاقِ حسنہ اور خدمت کے لیے بنیادی محرک ہے، اسی جذبہ سے انسان کے اندر اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

نماز انسان کے اندر وقت کی پابندی، ستر پوشی، صبح خیزی، صفائی ستھرائی، اور آپسی میل جول کے جذبات ابھارتی ہے اور یہ تمام باتیں شہری زندگی کے معیار کو اونچا کرتی ہیں اور ان سے سماج کا وقار بلند ہوتا ہے۔

روزہ سے انسان کے اندر بھوک پیاس کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ بھوک پیاس کے مارے انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پرورش پاتا ہے۔

زکوٰۃ براہِ راست غریبوں کی مالی امداد کرتا ہے زکوٰۃ اپنے سرمایہ میں سے ڈھائی روپیہ سینکڑہ کے حساب سے غریبوں اور مسکینوں کو لازمی طور پر ادا کی جاتی ہے جو واجب اور نفلی صدقات زکوٰۃ کے علاوہ ہیں۔

حج بیت اللہ کی عبادت ملت اسلامیہ کی مرکزی تنظیم کو مستحکم اور مضبوط کرتی ہے۔ یہ ہیں وہ رفاہی اور ملی مصلحتیں جو خدا کی عبادت اور اسکی بندگی کے ان پانچ ارکان سے وابستہ ہیں

انہی عبادات نے عرب جیسی وحشی قوم کو چند سال میں ادب و تہذیب کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا تھا اور یہ عبادات جب کسی قوم میں صحیح اسپرٹ کے ساتھ رائج ہو جاتی ہیں تو اس کے خیالات کو بلند سے بلند تر اور اس کی معاشرت کو پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنا دیتی ہیں۔ ؎

خدمتِ خلق خدا ہے بندگی در بندگی
ہے یہی انسانیت خلاق انسانکی قسم
اس عبادت سے مجھے ملتا ہے کچھ ایسا سکوں
جیسے پیشانی میں ضم ہو جائے سیمائے حرم
(احسان الحق)

بھوک اور قحط میں عوام کی خدمت

اسلام بھوک اور قحط میں عام بندگانِ خدا کی مدد کرنے اور انہیں بھوکا مرنے سے بچانے کے لئے کتنا درد اپنے اندر رکھتا ہے اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مدینہ منورہ میں قحط پڑا تو آپ نے سربراہ امت ہونے کی حیثیت سے اپنے اوپر دودھ اور گھی کی پابندی لگالی اور یہ بتایا کہ عام مصیبت کے وقت بڑے لوگوں کو کس درجہ ایثار کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ عوام کو موت سے بچایا جا سکے۔

غیر مسلم بیکسوں اور بیماروں کی خدمت

حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کرتے ہوئے ایک مقام الجابیہ پر چند عیسائیوں کو جذام جیسے موذی مرض میں مبتلا دیکھا اور واپس آکر حکم جاری کیا کہ ان مصیبت زدوں کا بیت المال سے

(باقی صـ۱۲ پر دیکھئے)

قسط ۲

بددینی اور بے دینی بداخلاقی کی جڑ ہے

مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ — اور جب یہ لوگ تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں
یَتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا — ان کو تجھ سے مگر ٹھٹھا کرتے
هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ — اور استہزاء کے طور پر کہتے کیا
بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا — یہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے
(فرقان ع ۴) — رسول بناکر بھیجا ہے ؟

بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت ؟ کیا ساری خدائی میں سے یہی اکیلے رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ — اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا یہ
هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی — قرآن کسی بڑے سردار
رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ — دونوں بستیوں کے۔
عَظِیْمٍ (زخرف ع ۳)

یعنی اگر قرآن اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار پر اترا ہوتا۔ یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ بڑے بڑے دولت مند سرداروں کو چھوڑکر خدا نے منصب رسالت کے لئے ایک ایسے شخص کو چن لیا جو ریاست و دولت کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔

یہ بدبخت قیامت کا ذکر سنتے ہی ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ اور مذاق سے کہتے وہ کب آئے گی ؟

فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا — پھر اب کہیں گے کون لوٹائے گا
قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ — ہم کو ؟ کہہ جس نے پیدا کیا
اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَیُنْغِضُوْنَ — تم کو پہلی بار پھر اب مٹکائیں
اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ — گے تیری طرف اپنے سر اور
مَتٰی هُوَ (بنی اسرائیل ع ۵) — کہیں گے کب ہوگا یہ ؟

یعنی استہزاء اور تمسخر سے سر ہلا ہلا کر کہنے لگا کہ ہاں صاحب ! بوسیدہ ہڈیوں کے ریزوں میں کب جان پڑے گی اور کب مردے قبروں سے حساب کے لئے اٹھائے جائیں گے۔

جب انبیاء کرام اُن کے سامنے ہدایت ربانی پیش کرتے تو محض ایک کھیل تماشے کی حیثیت سے سنتے اور ان کے دلوں پہ اس کا اثر نہیں ہوتا۔

مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ — کوئی نئی نصیحت نہیں پہنچی
مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ — ان کے رب سے مگر اس
اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ — کو سنتے ہیں اور
یَلْعَبُوْنَ لَاهِیَةً — کھیل میں لگے ہوئے۔
قُلُوْبُهُمْ — کھیل میں پڑے ہیں
(انبیاء ع ۱) — ان کے دل۔

باپ دادا کی اندھی تقلید پر اس طرح جمے ہوئے تھے کہ اس روش سے کسی طرح ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے اور جب انبیاء کرام اُن کو سمجھاتے تو صاف کہہ دیتے کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہی اندھی تقلید ان کی سب سے بڑی دلیل تھی۔

وکذالک ما ارسلنا	اور اسی طرح جس کسی کو ہم نے
من قبلک فی قریۃ	بھیجا ڈر سنانے والا کسی
من نذیر الا قال	بستی میں تو کہنے لگے وہاں
مترفوھا انا وجدنا	کے خوش حال لوگ ہم نے
اباءنا علی امۃ وانا	تو پایا اپنے باپ دادوں کو
علی اثارھم مقتدون	ایک راہ پر اور ہم ان ہی کے
قال اولو جئتکم	قدموں پر چلتے ہیں (ڈر سنانے
باھدی مما وجدتم	والا) بولا اور جو میں لادوں
علیہ اباءکم قالوا	تم کو اس سے زیادہ ہدایت
انا بما ارسلتم بہ	کی راہ جس پر پایا تم نے اپنے
کافرون۔ (زخرف ع ۲)	باپ دادوں کو تو یہی کہنے لگے

ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانیں گے۔

یعنی جب پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے اچھی راہ تم کو بتا دوں تو کیا پھر بھی تم اس پرانی لکیر کے فقیر بنے رہو گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ اور پرانا آبائی طریقہ ترک نہیں کر سکتے۔

ہدایت ربانی کو بجائے قبول کرنے کے اس کو جھوٹ سے تعبیر کرتے تھے

واذ لم یھتدوا	اور جب راہ پر نہیں آئے
بہ فسیقولون ھذا	اس کے بتانے سے تو اب
افک قدیم	کہیں گے یہ جھوٹ ہے
(احقاف ع ۲)	بہت پرانا

انبیاء کرام کی دعوت کے مقابلے میں بے دینوں کہ یہ چلتے ہوئے فقرے تھے جو ہر زمانے میں بولے جاتے تھے، یہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا دین ہے، یہ خود ساختہ کلام ہے، یہ داستان پارینہ ہے، یہ پرانا جھوٹ ہے یہ شاعرانہ تخیلات ہیں، یہ پریشان خواب ہیں۔

بل قالوا اضغاث	کہتے ہیں یہ پریشان خواب
احلام بل افترٰہ	ہیں، نہیں بلکہ جھوٹ باندھ
بل ھو شاعر	لیا ہے، نہیں بلکہ شاعر ہے
(انبیاء ع ۱)	....

یعنی قرآن سُنکر کفار ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے بد حواس ہو جاتے تھے کہ کسی ایک رائے پر قرار نہ ہوتا، کبھی اسے جادو بتاتے کبھی پریشان خواب کہتے، کبھی کہتے آپ اپنے جی سے کچھ باتیں گھڑ لائے ہیں، کبھی یہ کہتے کہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مسجع عبارت میں کرتے ہیں۔

وقال الذین کفروا	اور کہنے لگے جو منکر ہیں کچھ
ان ھذا الا افک	نہیں ہے یہ مگر بہتان باندھ
افترٰہ واعانہ علیہ	لیا ہے اور ساتھ دیا اس

صفحہ ۱۰ کا بقیہ

(اسلام میں رفاہ عام)

وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔

اسیطرح ایک بوڑھے عیسائی کو بھیک مانگتے دیکھا اسکے پاس تشریف لیگئے اور اپنے ساتھ اسے گھر پر لے آئے اور جو کچھ ہو سکا اس کی مدد فرمائی۔ اس کے بعد بیت المال کے خزانچی کو لکھا کہ اس قسم کے لوگوں کا خیال رکھا جائے کیونکہ قرآن کریم میں فقراء سے مراد مسلمان ضرورت مند ہیں اور مساکین سے اہل کتاب ضرورت مند" (اسوہ صحابہ دوم ص ۱۵۱)

قوم اٰخرون — کا اس میں اور لوگوں نے
(فرقان ع ۱)

وقالوا اساطیر الاولین — اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں
اکتتبہا فہی تملیٰ — کی جنکو اس نے لکھ رکھا ہے
علیہ بکرۃ و — وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے
اصیلا (فرقان ع ۱) — پاس صبح شام

یعنی محمد (صلعم) نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سُن کر نوٹ کرلی ہیں یا کسی سے نوٹ کرالی ہیں وہی شب و روز ان کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں

واذا قیل لہم ماذا — اور جب کہا جائے ان سے
انزل ربکم قالوا — کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب
اساطیر الاولین — نے تو کہیں، پہلوں کی کہانیاں
(نحل رکوع ۳) — ہیں

ہر دور میں جب انبیاء کرام نے ان کو قیامت کے حساب وکتاب سے ڈرایا تو ان کے جواب میں یہی کہا گیا کہ یہ تو پرانی کہانی ہے جو باپ دادا کے زمانے سے چلی آتی ہے

لقد وعدنا ھذا — وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو
نحن واٰباؤنا من — اور ہمارے باپ دادوں
قبل ان ھذا الا — کو پہلے سے۔ کچھ بھی نہیں
اساطیر الاولین — یہ تو نقلیں ہیں اگلوں
(نمل ع ۶) — کی۔

یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے بھی یہی وعدے کئے گئے تھے، جو پہلے کہہ گئے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہا ہے لیکن کتنے قرن گذر چکے ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو۔۔۔۔ اور اس کو سزا ملی ہو۔

کبھی یہ کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے

ولئن قلت انکم — اور اگر تو کہے کہ تم اٹھائے
مبعوثون من بعد — جاؤگے مرنے کے بعد تو البتہ
الموت لیقولن الذین — کافر کہنے لگیں کچھ نہیں مگر
کفروا ان ھٰذا الا — یہ جادو ہے کھلا ہوا
سحر مبین (ہود ع ۱)

یعنی آپ کا یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و مسحور کرلیا ہے مگر یاد رکھیئے کہ ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں۔

انبیاء کرام کا مقدس گروہ ان بے دینوں کے طعنے سنتا ان کی ہنسی مذاق کو برداشت کرتا ان کی طرف سے دی جانے والی اذیتوں پر صبر کرتا

ولقد کذبت رسل — اور جھٹلائے گئے ہیں بہت
من قبلک فصبروا — سے رسول تجھ سے پہلے پس
علیٰ ما کذبوا واوذوا — صبر کرتے رہے جھٹلانے
حتیٰ اتاھم نصرنا — پر اور ایذا پر یہاں تک
(انعام ع ۴) — کہ ان کو ہماری مدد پہنچی۔

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ انبیاء سابقین کے ساتھ بھی ان کی قوم نے تکذیب و ایذا رسانی کا برتاؤ کیا جس پر خدا کے معصوم پیغمبر نہایت اولوالعزمی سے صبر کرتے رہے حتیٰ کہ حسب وعدہ خدا کی مدد پہنچی اور بڑے زبردست متکبرین کے مقابلہ میں ان کو مظفر و منصور کیا گیا

انبیاء کرام صبر و استقامت کا پہاڑ بنکر اپنی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتے۔ ان کی شرارتوں اور بدتمیزیوں سے تنگ دل ہو کر کبھی اپنی سعی و کوشش میں کمی نہ آنے دی اور علی الاعلان ان ظالموں سے کہدیا کہ تم جتنا چاہو ہم کو ستاؤ ہم اپنی دعوت پہنچانے سے رُکنے والے نہیں ہمارا توکل اللہ پر ہے اور اسی کے حکم سے ہم دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں

ولنصبرن علیٰ ما — اور ہم صبر کرینگے ایذا پر جو
اٰذیتمونا وعلی اللہ — تم ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر

باپ دادا کی اندھی تقلید پر اس طرح جمے ہوئے تھے کہ اس روش سے کسی طرح ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے اور جب انبیاء کرام اُن کو سمجھاتے تو صاف کہہ دیتے کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہی اندھی تقلید ان کی سب سے بڑی دلیل تھی۔

وکذالک ماارسلنا	اور اسی طرح جس کسی کو ہم نے
من قبلک فی قریۃ	بھیجا ڈر سنانے والا کسی
من نذیر الا قال	بستی میں تو کہنے لگے وہاں
مترفوھا انا وجدنا	کے خوش حال لوگ ہم نے
اباءنا علیٰ امۃ وانا	تو پایا اپنے باپ دادوں کو
علیٰ اثارھم مقتدون	ایک راہ پر اور ہم ان ہی کے
قال اولو جئتکم	قدموں پر چلتے ہیں (ڈر سنانے
باھدیٰ مما وجدتم	والا) بولا اور جو میں لا دوں
علیہ اباءکم قالوا	تم کو اس سے زیادہ ہدایت
انا بما ارسلتم بہ	کی راہ جس پر پایا تم نے اپنے
کافرون۔ (زخرف ع ۲)	باپ دادوں کو تو یہی کہنے لگے

ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانیں گے۔

یعنی جب پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے اچھی راہ تم کو بتا دوں تو کیا پھر بھی تم اس پرانی لکیر کے فقیر بنے رہو گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ اور پرانا آبائی طریقہ ترک نہیں کر سکتے۔

ہدایت ربانی کو بجائے قبول کرنے کے اس کو جھوٹ سے تعبیر کرتے تھے

واذلم یھتدوا	اور جب راہ پر نہیں آئے
بہ فسیقولون ھذا	اس کے بتانے سے تو اب
افک قدیم	کہیں گے یہ جھوٹ ہے
(احقاف ع ۲)	بہت پرانا

انبیاء کرام کی دعوت کے مقابلے میں بے دینوں کے یہ چلتے ہوئے فقرے تھے جو ہر زمانے میں لیے جاتے تھے، یہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا دین ہے، یہ خود ساختہ کلام ہے، یہ داستان پارینہ ہے، یہ پرانا جھوٹ ہے یہ شاعرانہ تخیلات ہیں، یہ پریشان خواب ہیں۔

بل قالوا اضغاث	کہتے ہیں یہ پریشان خواب
احلام بل افترٰہ	ہیں، نہیں بلکہ جھوٹ باندھ
بل ھو شاعر	لیا ہے، نہیں بلکہ شاعر ہے
(انبیاء ع ۱)	...

یعنی قرآن سُنکر کفار ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے بدحواس ہو جاتے تھے کہ کسی ایک رائے پر قرار نہ ہوتا، کبھی اسے جادو بتاتے، کبھی پریشان خواب کہتے، کبھی کہتے آپ اپنے جی سے کچھ باتیں گھڑ لائے ہیں، کبھی یہ کہتے کہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مسجع عبارت میں کرتے ہیں۔

وقال الذین کفروا	اور کہنے لگے جو منکر ہیں کچھ
ان ھذا الا افک	نہیں ہے یہ مگر بہتان باندھ
افترٰہ واعانہ علیہ	لیا ہے اور ساتھ دیا اس

صفحہ ۱۰ کا بقیہ

(اسلام میں رفاہ عام)

وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔

اسطرح ایک بوڑھے عیسائی کو بھیک مانگتے دیکھا اسکے پاس تشریف لیگئے اور اپنے ساتھ اسے گھر پر لے آئے اور جو کچھ ہو سکا اس کی مدد فرمائی۔ اس کے بعد بیت المال کے خزانچی کو لکھا کہ اس قسم کے لوگوں کا خیال رکھا جائے کیونکہ قرآن کریم میں فقراء سے مراد مسلمان ضرورت مند ہیں اور مساکین سے اہل کتاب ضرورت مند" (اسوہ صحابہ دوم ص۱۰)

قوم آخرون — کا اس میں اور لوگوں نے
(فرقان ع ۱)
وقالوا اساطیر الاولین — اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں
اکتتبہا فہی تملیٰ — کی جسکو اُس نے لکھ رکھا ہے
علیہ بکرۃ و — وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے
اصیلا (فرقان ع ۱) — پاس صبح شام

یعنی محمد (صلعم) نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سُن کر نوٹ کر لی ہیں یا کسی سے نوٹ کرالی ہیں وہی شب و روز ان کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں

واذا قیل لہم ماذا — اور جب کہا جائے ان سے
انزل ربکم قالوا — کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب
اساطیر الاولین — نے تو کہیں پہلوں کی کہانیاں
(نحل رکوع ۳) — ہیں

ہر دور میں جب انبیاء کرام نے ان کو قیامت کے حساب وکتاب سے ڈرایا تو ان کے جواب میں یہی کہا گیا کہ یہ تو پرانی کہانی ہے جو باپ دادا کے زمانے سے چلی آتی ہے

لقد وعدنا ھذا — وعدہ ہو چکا ہے اس کا ہم کو
نحن وآباؤنا من — اور ہمارے باپ دادوں
قبل ان ھذا الا — کو پہلے سے۔ کچھ بھی نہیں
اساطیر الاولین — یہ تو نقلیں ہیں اگلوں
(نمل ع ۶) — کی۔

یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے بھی یہی وعدے کئے تھے تھے، جو پہلے کہہ گئے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہا ہے لیکن کتنے قرن گذر چکے ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو۔۔۔۔ اور اس کو سزا ملی ہو۔

کبھی یہ کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے

ولئن قلت انکم — اور اگر تو کہے کہ تم اٹھائے
مبعوثون من بعد — جاؤ گے مرنے کے بعد تو البتہ
الموت لیقولن الذین — کافر کہنے لگیں کچھ نہیں مگر
کفروا ان ھذا الا — یہ جادو ہے کھلا ہوا
سحر مبین (ہود ع ۱)

یعنی آپ کا یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و مسحور کر لیا ہے مگر یاد رکھیئے کہ ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں۔

انبیاء کرام کا مقدس گروہ ان بے دینوں کے طعنے سنتا ان کی ہنسی مذاق کو برداشت کرتا ان کی طرف سے دی جانے والی اذیتوں پر صبر کرتا

ولقد کذبت رسل — اور جھٹلائے گئے ہیں بہت
من قبلک فصبروا — سے رسول تجھ سے پہلے پس
علی ما کذبوا واوذوا — صبر کرتے رہے جھٹلانے
حتی اتاھم نصرنا — پر اور ایذا پر یہاں تک
(انعام ع ۴) — کہ ان کو ہماری مدد پہنچی۔

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ انبیاء سابقین کے ساتھ بھی ان کی قوم نے تکذیب وایذا رسانی کا برتاؤ کیا جس پر خدا کے معصوم پیغمبر نہایت اولوالعزمی سے صبر کرتے رہے حتیٰ کہ حسب وعدہ خدا کی مدد پہنچی اور بڑے زبردست متکبرین کے مقابلہ میں ان کو مظفر و منصور کیا گیا

انبیاء کرام صبر و استقامت کا پہاڑ بنکر اپنی دعوت وتبلیغ میں مصروف رہے ان کی شرارتوں اور بدتمیزیوں سے تنگ دل ہو کر کبھی اپنی سعی و کوشش میں کمی نہ آنے دی اور علی الاعلان ان ظالموں سے کہدیا کہ تم جتنا چاہو ہم کو ستاؤ ہم اپنی دعوت پہنچانے سے رُکنے والے نہیں ہمارا توکل اللہ پر ہے اور اسی کے حکم سے ہم دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں

ولنصبرن علی ما — اور ہم صبر کرینگے ایذا پر جو
آذیتمونا وعلی اللہ — تم ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر

فلیتوکل المتوکلون — بھروسہ چاہیے بھروسے والوں کو۔

یعنی خواہ تم کتنی ہی ایذا پہنچاؤ خدا کے فضل سے ہمارے توکل میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ متوکلین کا یہ کام نہیں کہ سختیاں دیکھ کر توکل و استقامت کی راہ سے ہٹ جائیں۔

انبیاء کرام جب بہت مجبور ہو جاتے تو بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کر کے اپنی مجبوریوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے گڑگڑاتے اور التجائیں کرتے۔

حضرت نوح نے دعا کی

فدعا ربہ انی مغلوب فانتصر (قمر ع ۱) — پھر کہا اپنے رب سے میں عاجز ہوں تو بدلہ لے

حضرت موسیٰ کو جب دھمکی دی گئی تو انھوں نے کہا

وانی عذت بربی وربکم ان ترجمون (دخان ع ۱) — اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا گیا

الیس اللہ بکاف عبدہ ویخوفونک بالذین من دونہ (زمر رکوع ۴) — کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندہ کو اور تجھ کو ڈراتے ہیں ان سے جو اس کے سوا ہیں

یعنی پیغمبر علیہ السلام کو مشرکین اپنے بتوں سے ڈراتے تھے کہ دیکھو ہمارے دیوتاؤں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلاؤ کہیں تم کو [illegible] بنا دیں۔ اس کا جواب دیا کہ جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا ہے ان عاجز اور بے بس معبودوں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ کیا اس عزیز و منتقم کی امداد و حمایت اس کو کافی نہیں جو کہ [illegible] دوسرے [illegible] ڈرتے ہو۔

جب یہ ظالم اشرار ان پیغمبروں کو دعوت و تبلیغ سے روک نہ سکے تو [illegible] بمصداق [illegible]" مار دھاڑ پر اتر آئے، کبھی ان پاکباز ہستیوں کو دیس نکالا کی دھمکی دی گئی کبھی ان کے قتل پر آمادہ ہوئے پیغمبروں نے کہا ہم تو اللہ کے فرستادہ ہیں تو ان کی بات نہ مانی اور ان کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی

قالوا انا تطیرنا بکم لئن لم تنتہوا لنرجمنکم ولیمسنکم منا عذاب الیم (یٰس ع ۲) — بولے ہم نے نامبارک دیکھا تم کو اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور تم کو ہمارے ہاتھ سے دردناک عذاب پہنچے گا

یعنی [illegible] قدم لیا [illegible] اتفاقی [illegible] بلا ہم پر ٹوٹ پڑی [illegible] نحوست [illegible] ہم اپنے وعظ و نصیحت [illegible] اگر [illegible] وعظ و نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو ہم [illegible] عذاب پہنچا کر تم کو سنگسار کر ڈالیں گے

وہمت کل امۃ برسولہم لیاخذوہ وجادلوا بالباطل لیدحضوا بہ الحق (مومن ع ۱) — اور ارادہ کیا ہر امت نے اپنے رسول پر کہ اس کو پکڑ لیں اور جھوٹے جھگڑے لانے لگے کہ اس سے ٹلا دیں سچے دین کو۔

یعنی ہر ایک امت کے شریروں نے اپنے پیغمبروں کو پکڑ کر قتل کرنے یا ستانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ جھوٹے ڈھکوسلے کھڑے کر کے سچے دین کو شکست دیں اور حق کی آواز کو دبا دیں۔

جاءتہم رسلہم بالبینات فردوا ایدیہم فی افواہہم وقالوا انا کفرنا بما ارسلتم بہ (ابراہیم ع ۲) — آئے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر پھر لوٹائے انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں اور بولے ہم نہیں مانتے اس کو جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے۔

یعنی انبیاء کی باتیں سُن کر فرطِ تعجب سے ہاتھ منھ پر رکھ لئے یا ہاتھ منھ کی طرف لیجا کر اشارہ کیا کہ بس چپ رہیے، یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منھ میں اڑا دئے کہ وہ بالکل نہ بول سکیں، یا اتنی گستاخی کی کہ انبیاء کے ہاتھ پکڑ کر ان ہی کے منھ میں ٹھونس دئے بہرحال انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی ان کے ساتھ بڑی بے رحمی اور گستاخی سے پیش آئے، حضرت نوح علیہ السلام کو مار ڈالنے کی دھمکی دی گئی

قالوا لئن لم تنتہ	بولے اگر تو باز نہ آئے گا اے
یا نوح لتکونن	نوح تو ضرور سنگسار کردیا
من المرجومین	جائے گا۔
(شعرا ع ۶)	

یعنی بس اب ہم کو اپنی نصیحت سے معاف رکھو اگر اس روش سے باز نہ آئے تو سنگسار کئے جاؤگے

حضرت صالح ؑ کے قتل کی سازش کی گئی

وکان فی المدینۃ	اور اس شہر میں نو شخص
تسعۃ رھط یفسدون	تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے
فی الارض ولا یصلحون	اور اصلاح نہ کرتے بولے
قالوا تقاسموا باللہ	آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ
لنبیتنہ واھلہ ثم	البتہ رات کو ہم جا پڑیں اس پر
لنقولن لولیہ ما	اور اس کے گھر پر پھر کہہ دینگے
شھدنا مھلک	اس کے دعوی کرنے والے کو ہم
اھلہ وانا	اس کی ہلاکت کے وقت حاضر نہ تھے
لصادقون (نمل ع ۴)	اور ہم اس بیان میں بالکل سچے ہیں

یعنی آپس میں معاہدہ ہوا کہ رات کو سب مل کر حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو پھر جب کوئی ان کے خون کا دعوی کرنے والا کھڑا ہو تو صاف کہدینا کہ ہمیں خبر نہیں ہم سچ کہتے ہیں کہ اس کے گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی یعنی اس وقت موقعہ پر ہم موجود بھی نہ تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے باپ کے سامنے شرک کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس کو توحید کی دعوت دی تو سخت برہم ہو کر اس نے ان کو مار ڈالنے کی دھمکی دی

قال اراغب انت	بولا کیا تو پھرا ہوا ہے اے
عن الھتی یا ابراھیم	ابراہیم میرے معبودوں سے
لئن لم تنتہ لارجمنک	اگر تو باز نہ آئے گا تو تجھ کو سنگسار
واھجرنی ملیا	کردونگا اور دور ہوجا میرے
(مریم ع ۳)	پاس سے ایک مدت۔

یعنی تو اپنے وعظ و نصیحت کو رہنے دے ورنہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے ایک مدت (عمر بھر) کے لئے دور ہوجا میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔

ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی جب توحید کے دلائل و براہین سُن کر جواب سے عاجز آگئی تو قوت کے استعمال پر اتر آئی اور آپس میں مشورہ کیا کہ یا تو قتل کرکے ایک دم ان کا قصہ ہی تمام کردو یا آگ میں جلاؤ شاید تکلیف محسوس کرکے باز آجائے تو نکال لیں گے ورنہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا

فما کان جواب	پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی
قومہ الا ان قالوا	قوم کا مگر یہی کہ بولے کہ اس
اقتلوہ او حرقوہ	کو مار ڈالو یا جلادو۔
(عنکبوت ع ۳)	

حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکی دی گئی

قالوا یا شعیب ما	بولے اے شعیب ! ہم نہیں
نفقہ کثیرا مما تقول	سمجھتے بہت باتیں جو تو کہتا
وانا لنرٰک فینا	ہے اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ

حنیفا ولولا رهطك لرجمناك (هود ع ۸) — تو ہم میں کمزور ہے۔ اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھ کو ہم سنگسار کر ڈالتے۔

یعنی تیرے کنبہ کے جو لوگ ہمارے ساتھ ہیں ان کا خیال آتا ہے ورنہ اب تک تجھے سنگسار کر ڈالتے؛ کبھی ان پاکباز ہستیوں کو دیس نکالا کی دھمکی دی گئی

وقال الذین کفروا لرسلہم لنخرجنکم من ارضنا اولتعودن فی ملتنا (ابراہیم ع ۵) — اور کافروں نے کہا اپنے رسولوں سے ہم نکال دیں گے تم کو اپنے ملک سے یا لوٹ کر آجاؤ ہمارے دین میں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قید، قتل اور ملک بدر کرنے کی تجویز کی گئی

واذ یمکربك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك اویخرجوك (انفال ع ۴) — اور جب تدبیر کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں۔

یعنی کفار نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دار الندوہ میں مشورہ کیا کسی کی رائے ہوئی کہ ان کو قید کر کے خوب سزا دی جائے، کسی نے یہ رائے دی کہ ان کو وطن سے نکال دیا جائے، ابوجہل کی یہ رائے ہوئی کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو وہ سب مل کر آن واحد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑ دیں تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کر سکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے

یہ بداخلاق و بدکردار نالائق جس طرح انبیاء کرام کا ہنسی مذاق اڑاتے اور ان کو دق کیا کرتے اسی طرح ان کے ماننے والوں کو بھی دق کرتے ان کی ہنسی اڑاتے اور ان کو دین توحید سے برگشتہ کرنے کے لئے خطرناک اذیتیں پہونچاتے، حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کو دھمکی دی گئی۔

فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اخرجوہم من قریتکم انہم اناس یتطہرون (اعراف ع ۱۰) — اور کچھ جواب نہ دیا اس کی قوم نے مگر یہی کہا کہ نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ بہت ہی پاکباز رہنا چاہتے ہیں۔

یعنی ہم سب کو یہ گندہ سمجھتے ہیں اور آپ پاک رہنا چاہتے ہیں تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام انہیں اپنی بستی سے نکال دینا چاہیئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو دیس نکالا کی دھمکی دی گئی

قال الملأ الذین استکبروا من قومہ لنخرجنك یاشعیب والذین آمنوا معك من قریتنا اولتعودن فی ملتنا (اعراف ع ۱۱) — بولے سردار جو متکبر تھے اس کی قوم میں اے شعیب! ہم ضرور نکال دینگے تجھ کو اپنے شہر سے اور ان کو جو ایمان لائے ہیں تیرے ساتھ یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔

ان الذین اجرموا کانوا من الذین آمنوا یضحکون واذا مروا بہم یتغامزون واذا انقلبوا الی اہلہم انقلبوا فکہین (تطفیف) — یہ مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے اور جب ان کے پاس سے گذرتے تو آپس میں آنکھیں مارتے اور جب پھر کر گھر جاتے تو جاتے باتیں بناتے ہوئے

یعنی بداطوار لوگ مسلمانوں پر ہنستے کہ ان بے وقوفوں کو کیا خیال فاسد دامنگیر ہوا ہے کہ محسوس اور موجود لذتوں کو جنت کی خیالی لذتوں پر چھوڑتے ہیں اور جب ان کے پاس سے گذرتے تو آنکھیں مارتے کہ دیکھو یہی بے عقل اور احمق لوگ ہیں جنھوں نے اپنے کو جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم کر رکھا ہے، اور گھر پہونچ کر خوش طبعی کرتے اور

مسلمانوں پر پھبتیاں کستے۔

قتل اصحاب الاخدود	غارت ہوں آگ کے ایندھن
النار ذات الوقود	بھرے خندقوں والے جب وہ
اذ هم عليها قعود	اس پر بیٹھے اور جو کچھ وہ
وهم على ما يفعلون	مسلمانوں کے ساتھ کرتے
بالمومنين شهود و	تھے اس کو دیکھ رہے تھے
ما نقموا منهم الا ان	اور ان سے بدلا نہ لے رہے
يومنوا بالله العزيز	تھے مگر اسی بات کا کہ وہ
الحميد الذي له	ایمان لائے اللہ پر جو
ملك السموات و	زبردست ہے تعریفوں
الارض (بروج)	والا ہے جسکا راج ہے آسمانوں

میں اور زمین میں۔

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا جو توحید والوں کا دشمن تھا، ایمان والوں کو اذیت پہونچانے کی ایک شیطانی تدبیر اس کے دماغ میں آئی اس نے بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھریگا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا۔ مسلمان صبر و استقامت کے ساتھ اپنے دین پر قائم تھے، آگ میں ڈالے جارہے تھے لیکن اسلام سے نہ پھرتے تھے۔ بادشاہ اور اس کے وزیر و مشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے ان مسلمانوں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں

فرعون کے ساحروں نے جب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو ان پر حقیقت واضح ہوگئی اور بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور "آمنا برب العلمین رب موسیٰ وهارون" کا نعرۂ مستانہ بلند کیا، فرعون کو سخت طیش آیا اس نے جلا کر کہا "تم سب جادوگروں کی ملی بھگت ہے، یہ ایک گہری سازش ہے جس سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندوں کو نکال کر باہر کردو اور خود مصر کی سلطنت پر قبضہ کرلو، میں ضرور تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور پھر تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

ساحرین جو اب شراب توحید سے مخمور ہو چکے تھے ان دھمکیوں کی کیا پرواہ کرسکتے تھے انہوں نے صاف کہدیا

فاقض ما انت قاض	کر گذر جو تجھ کو کرنا ہے تو
انما تقضي هذه الحيوة	یہی کرے گا اس دنیا کی
الدنيا (طه ع ۳)	زندگانی میں

پھر قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا کہ تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا کہ وہ ملک میں فساد مچاتے رہیں اس کے جواب میں فرعون نے کہا۔

سنقتل ابناءهم و	بولا اب ہم مار ڈالیں گے ان
نستحي نساءهم وانا	کے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں
فوقهم قاهرون	گے ان کی عورتوں کو اور ہم
(اعراف ع ۱۴)	ان پر زور آور ہیں
انه كان فريق من	ایک فرقہ تھا میرے بندوں
عبادي يقولون ربنا	میں جو کہتے تھے اے رب
آمنا فاغفر لنا	ہمارے ہم یقین لائے سو معاف
وارحمنا وانت خير	کر ہم کو اور رحم کر ہم پر اور
الراحمين فاتخذتموهم	تو سب رحم والوں سے بہتر ہے
سخريا حتى انسوكم	پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں
ذكري وكنتم منهم	میں پکڑا یہاں تک کہ بھول
تضحكون	گئے ان کے پیچھے میری یاد
(مومنون ع ۶)	اور تم ان سے ہنستے رہے

یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے

معاند ما ستغفار کرتے تو تم کو ہی سوجھتی تھی [illegible]

اور ان کی نیک خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو اس قدر دق اور تنگ کیا گیا کہ وہ اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے

اذن للذین یقاتلون	حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے
بانھم ظلموا وان	کافر لڑتے ہیں اس واسطے
اللہ علیٰ نصرھم	کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ
لقدیر الذین	ان کی مدد کرنے پر قادر ہے
اخرجوا من دیارھم	وہ لوگ جن کو نکالا گیا
بغیر حق الا ان	ان کے گھروں سے اور دعویٰ
یقولوا ربنا اللہ	کچھ نہیں سوائے اس کے
(پ ع ۲)	کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب

اللہ ہے۔

یعنی مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا بجز اس کے کہ وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب

بقیہ صفحہ ۲۱ کا

حضرت شاہ صاحب حضرت شیخ الہند رح کے خلیفہ تھے کسی مجذوب نے ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر آپ کے شاگردوں سے کہا تھا کہ تمہارے استاذ بہت بلند پایہ کے انسان ہیں۔

مشہور خطیب امت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کا قول ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب جیسی ہستی کا اسلام میں موجود رہنا حقانیت اسلام کی دلیل ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲ر صفر المظفر ۱۳۵۲ھ کی آخر رات کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دار فانی سے ہمیشہ کے لئے دار آخرت کی طرف رخصت ہو گئے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

اسلام میں مرد و عورت کے حقوق و فرائض

صفحہ ۲۹ کا بقیہ

انسانیت تباہ ہو رہی تھی۔

شادی بیاہ کی رسمیں، موت و غمی کی رسمیں، ہر قوم اور ہر ملک کے لئے ناقابل برداشت بنی ہوئی تھیں، اسلام نے ان تمام اعتقادی عملی اور معاشرتی رسموں کی خود ساختہ مذہبی عظمت کو ختم کر دیا، انسانی معاشرت کو سادگی کی آسان اور فطری فضا میں لا کھڑا کیا

ہندوستانی مسلمانوں کے اندر شادی بیاہ کی بیسیوں رسمیں رائج ہیں اور ان ملکی رسموں کو لوگوں نے مذہبی اعمال کے برابر اہمیت دیدی ہے۔ کوئی غریب مسلمان گراں رواجوں اور رسموں کی پابندی نہ کر سکے تو اسے بیٹے اور بیٹی کی شادی کرنی مشکل ہو جاتی ہے

قومی رسموں کو محض ایک رسم ہی سمجھنا چاہیئے انہیں پورے معاشرہ کے لئے بوجھ بنا لینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ شریعت میں شادی کے موقعہ پر ایک ولیمہ کی دعوت کو مستحب قرار دیا گیا ہے لیکن اسے بھی ضروریات میں داخل نہیں کیا گیا بلکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نکاح کی تقریب میں بھی تمام دوستوں کو جمع کرنا ضروری نہ تھا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنے نکاح میں سرور عالم ﷺ کو بھی شریک نہیں کیا حضور ﷺ نے دوسرے دن ان کے کپڑوں پر زعفرانی نشان دیکھ کر یہ معلوم کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن کی شادی ہو گئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب نکاح اور ولیمہ کی تقریبات میں اتنی آسانی رکھی گئی ہے تو پھر شادی بیاہ کے دیگر قومی رواجوں میں سختی کرنا کہاں تک اسلامی اسپرٹ کے مطابق ہو سکتا ہے۔ ■

حضرت العلامہ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ

از ...... مولانا کفیل الدین قاسمی۔ بے نگر آسام

مولانا کفیل الدین کا یہ مضمون اسامی زبان کے ایک علمی رسالہ میں شائع ہوا ہے۔ موصوف نے اس کا ترجمہ رسالہ دارالعلوم کے لئے فراہم کیا ہے۔ (ادارہ)

آج سے ایک سو سال قبل کشمیر کے وادی لولاب کے موضع ودوہ وان میں ماہ شوال کی ۲۷ تاریخ ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو علمی دنیا کے مایۂ ناز مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی تھی۔

شروع ہی سے خداداد علمی استعداد، قابل رشک صلاحیت اور عجیب وغریب قابلیت لیکر دنیا ئے علم کا یہ آفتاب افق کشمیر سے آفتاب نصف النہار کیطرح جگمگاتا ہوا طلوع ہوا تھا۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں آپنے اپنے والد محترم مولانا سید محمد معظم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قرآن کریم کی قراۃ شروع کی تھی اور چھ سال کی عمر تک فارسی کی دوسری بہت سی کتابوں کے ساتھ قرآن کی حصول تعلیم سے فارغ ہو گئے اور اس کے بعد مولانا غلام محمد نامی ایک معتبر عالم کے ساعربی کی ابتدائی تعلیم شروع فرمائی اور تیرہ چودہ سال کی عمر تک علوم دینیہ کے اندر ایک معتدبہ حد تک استعداد حاصل کر چکے تھے۔

آپکے والد محترم کا بیان ہے کہ محمد انور شاہ جب میرے پاس قدوری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا تو مجھ سے ایسے سوالات کرتا تھا کہ اچھے خاصے شروحات کے دیکھے بغیر ان کے جوابات دینا مشکل ہوتا تھا۔ اخیر میں میں نے مجبور ہو کر ایسے سوالات کرنے سے منع کر دیا تھا لیکن اس کی غیر معمولی استعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ذی استعداد عالم کے پاس درس کا بندوبست کر دیا تھا لیکن چندہی روز کے بعد وہاں بھی یہی حالت پیدا ہو گئی تھی۔

آپ کے والد محترم ایک مرتبہ آپکو اور آپکے بڑے بھائی سید یاسین شاہ صاحب کو ساتھ لے کر کشمیر کی کسی پہاڑی میں معتکف کسی عارف باللہ کی خدمت میں دعا کی غرض سے لے گئے۔ اس عارف باللہ نے آپکو دیکھتے ہی کہا کہ یہ لڑکا ایک معتبر عالم ہوگا اور اس کا علم سب کو مسلّم ہوگا۔

ایک مرتبہ آپ طالب علمی کے زمانہ میں علم منطق اور علم نحو کی کچھ کتابیں کہیں بیٹھ کر مطالعہ کر رہے تھے اور جگہ جگہ پر

حاشیہ میں کچھ اپنی رائے بھی تحریر فرما رہے تھے کہ کہیں سے ایک عالم صاحب تشریف لائے اور شاہ صاحب کی تحریر کردہ عبارتوں کو بغور دیکھا اور دیکھ کر حیرت زدہ ہوکر کہنے لگے کہ یہ طالب علم مستقبل میں علامہ رازی اور امام غزالی کا درجہ حاصل کر لیگا۔

آپ کی علمی صلاحیت اور اخلاقی پاکیزگی کو دیکھ کر کشمیر کے بہت سے عوام آپ کو مہدیٔ موعود علیہ السلام گمان کرنے لگے تھے جس کی وجہ سے بہت سے موقعوں سے اندر آپکے اہل خاندان کو اس کی تردید کی ضرورت پیش آتی تھی۔

حضرت شاہ صاحب اس قدر ذی استعداد اور محنت کش تھے کہ خود آپ ہی کا بیان ہے کہ میں نے نو سال کی عمر میں فقہ اور نحو کی اعلیٰ درجہ کی کتابیں پڑھ لی تھیں اور بارہ سال کی عمر میں دین کے مختلف موضوعات پر فتویٰ لکھنا شروع کر دیا تھا، زیادتی عمر کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی اعلیٰ تعلیم کی خواہش بھی بڑھتی جا رہی تھی لہٰذا تین سال تک اپنے علاقہ کشمیر کے علماء کرام سے حصول تعلیم کے بعد [illegible] ھ یا [illegible] ھ میں ۱۶-۱۷ سال کی عمر میں ہندوستان کی [illegible] علمی درسگاہ "دارالعلوم دیوبند" کی غیر معمولی شہرت نے آپکو مجبور کر دیا کہ ہندوستان کی راجدھانی دہلی سے تقریباً ۹۰ میل کے فاصلہ پر واقع اس مادر علمی کی طرف ہجرت کریں۔ چار سال تک یہاں حصول تعلیم میں مشغول رہکر علماء عصر کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے ہوئے ۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں بہت ہی شہرت کے ساتھ امتیازی طور پر آخری امتحان میں کامیاب ہوئے اس کے بعد علم معرفت کے حصول کی غرض سے قطب عالم الحاج حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد مدرسۂ امینیہ دہلی کے صدر المدرسین کی حیثیت سے وہاں تشریف لے گئے۔

۱۲، ۱۳ سال تک وہاں اسی تعلیمی سلسلہ میں مقیم رہنے کے بعد کسی مجبوری کی بنا پر وطن مالوف کی طرف واپس تشریف لے گئے، اور ۱۳۲۳ھ میں کشمیری علماء کرام کی ایک جماعت کے ساتھ زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے اور اس مبارک سفر ہی میں طرابلس، بیروت، مصر، شام، وغیرہ کے مشہور علمائے کرام سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی اور ... اُن سے متعدد علمی مسائل پر گفتگو ہوئی اور ان اسلامی ممالک کے مشائخ حدیث نے آپ کو سند حدیث سے بھی نوازا تھا اور سب نے آپ کے نام پر لکھا تھا الفاضل الشیخ السید محمد انور شاہ ابن مولانا محمد معظم شاہ الکشمیری...

جس سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی علمی استعداد بیرون ہند کے علماء کرام کی نظر میں بھی مسلم تھی جس کی اُسی عارف باللہ نے پہلے ہی پیشین گوئی کی تھی کہ اس لڑکے کا علم سب کو مسلم ہوگا۔

زیارت حرمین شریفین سے واپسی کے بعد آپنے کشمیر کی "بارہ مولا" نامی جگہ پر وہاں کے کسی رئیس کے اصرار پر "مدرسہ فیض عام" کی بنیاد ڈالی اور کشمیری مسلمانوں کو وہاں تین سال تک اپنے فیوض سے سیراب کرتے رہے اسی زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب اور اساتذۂ کرام نے آپ کو دارالعلوم میں مدعو کیا اور ایک ممتاز فاضل کی حیثیت سے آپ کو سند فراغت سے نوازتے ہوئے حدیث نبوی کی اعلیٰ درجہ کی کتاب ابوداؤد شریف، مسلم شریف، وغیرہ کی درس خدمت سپرد کی۔

آپکے مایۂ ناز استاذ حضرت شیخ الہند رح ہمیشہ اسی کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان کو دیوبند میں ہمیشہ کے لئے اقامت پذیر کیا جا سکے، حتی کہ حضرت شاہ صاحب کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔ آپ علمی زندگی میں اس انہماک کے ساتھ مشغول تھے کہ شادی کی فکر بھی نہیں تھی کہ شادی سے

علمی مشاغل کو نقصان پہونچیگا اسلئے تجرد کی زندگی کو ترجیح دیئے ہوئے تھے لیکن حضرت شیخ الہند رہ نے اس خوف سے کہ کہیں علم کا یہ چشمۂ نایاب کسی اور ملک میں بہہ نہ جائے .....

.....۱۳۳۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ گنگوہ کے کسی سادات خاندان میں نکاح کا عقد مسنون کرادیا تھا اور انہی بیوی سے آپکے تین فرزند ارجمند پیدا ہوئے تھے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی. بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید ازہر شاہ قیصر صاحب مدظلہ ہیں جو بحمد اللہ ایک عرصے سے اپنی امتیازی صلاحیت کے ساتھ ماہنامہ دارالعلوم، جو دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اور اصلاحی ترجمان ہے کی ادارت کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور اپنی فہانت اور ذکاوت میں مشہور ہیں...! اور چھوٹے صاحبزادے حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہ ہیں جو اپنی درسی خصوصیات کے اعتبار سے ممتاز ترین اساتذۂ دارالعلوم میں شمار ہوتے ہیں۔

۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین شیخ الہند رح کے قائم مقام کی حیثیت سے دارالعلوم ہی میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دیتے رہے. اور اسی زمانہ میں ذمہ داران دارالعلوم سے انتظامی امور میں اختلاف پیدا ہوجانے کی بنا پر آپ دارالعلوم سے تقریباً اٹھ سو طلبہ اور اساتذہ دارالعلوم کی ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) تشریف لے گئے اور بقول حضرۃ الاستاذ مولانا سید انظر شاہ صاحب مدظلہ" دارالعلوم سے جدا ہونے کے سال بھر بعد تک آپ نے درس شروع نہیں فرمایا جب آپکو یقین ہوگیا کہ آپکے چلے جانے کے بعد دارالعلوم کو کوئی نقصان آئندہ نہیں ہوگا تب درس شروع فرمایا. اور زندگی کے آخری وقت تک وہیں خدمت حدیث میں مشغول رہکر تشنگانِ علوم نبوی کو سیراب کرتے رہے۔

آپ عصر حاضر کے نئے پیش آمدہ مسائل پر ایسی سیر حاصل اور اطمینان بخش بحث فرماتے تھے کہ لوگ حیران رہتے اور یہی سمجھتے تھے کہ غالباً شاہ صاحب نے انکو پہلے سے مطالعہ کرکے ذہن میں مرتب کرکے رکھا تھا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سالانہ اجلاس عام کے موقعہ پر جسوقت مصر کے جامعہ ازہر کے شیخ ازہر علامہ رشید رضا مصری لکھنؤ آئے تھے تو واپسی کے وقت دارالعلوم دیوبند دیکھنے کے لئے تشریف لائے تھے، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے انہوں نے فقہ حنفی پر چند مسائل کے بارے میں سوالات بھی کئے تھے شاہ صاحب نے ان کے استقبالیہ میں جو عربی بیان دیا تھا اور جسمیں آپنے شیخ ازہر کے سوالات کا جواب بھی دیا تھا. اس تقریر کے جواب میں شیخ ازہر نے اپنے بیان میں کہا تھا "اگر میں ہندوستان کے سفر میں آکر دارالعلوم دیوبند بغیر دیکھے واپس چلا جاتا تو میرا یہ سفر غیر مکمل رہتا" اور اس کے بعد بڑے پر کیف انداز میں انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم کھا کر اگر میں کہوں کہ یہ شخص امام ابوحنیفہ رہ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو میں حانث نہیں ہونگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی سوانح حیات "نفحۃ العنبر" میں ہے کہ آپنے ۱۳۲۱ھ میں فتح القدیر کی آٹھ جلدوں کے تین ہزار صفحات کو صرف ۲۰ روز میں مکمل طور پر مطالعہ کرلیا تھا.

اس زمانہ کے ایک معتبر عالم مولانا سراج احمد رشیدی رہ نے فرمایا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ایک اللہ کے بندے کو دیکھا کہ بیت اللہ کے غلاف پکڑتا ہوا اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے ابن حجر عسقلانی جیسا علم عنایت فرما۔ ہمیں بعد کو معلوم ہوا کہ یہ شخص خود حضرت شاہ صاحب ہیں. حضرت مولانا مدنی رہ نے فرمایا تھا کہ میں نے ہندوستان حجاز عراق اور شام کے علمائے کرام سے دینی مسائل کے بارے میں گفتگو کی مگر شاہ صاحب جیسا کسی کو نہیں پایا.

(باقی صـ۱۸ پر ملاحظہ ہو)

اسلام میں مرد و عورت کے حقوق و فرائض

مولانا اخلاق حسین قاسمی

طلاق دینے کی مذمت

تعلق نکاح کو توڑنے (طلاق) کا اختیار اگرچہ مرد کو دیا گیا ہے لیکن اسلام نے ہدایت کی ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ آخری حد تک نبھاؤ کرنا چاہیئے، حدیث میں آتا ہے

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق — جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ کے نزدیک طلاق دینا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے "عورت کو طلاق دینے سے خدا کا عرش ہل جاتا ہے"، ایک حدیث میں فرمایا جو عورت بے ضرورت طلاق طلب کرتی ہے اس پر جنت کی خوشبو حرام کر دی جاتی ہے۔

مارپیٹ کی ممانعت

اسلام میں عورت کے ساتھ مارپیٹ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے، عورت پسلی کی ہڈی کی مانند ٹیڑھی ہے اگر تم اسے مردوں کی طرح سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی، وہ جیسی ہے اس حالت میں اس سے فائدہ اٹھایا کرو

حدیث کے الفاظ یہ ہیں

المرأۃ کالضلع ان
اقمتہا کسرتہا وان
استمتعت بہا
استمتعت بہا وفیہا
عوج (بخاری باب مداراۃ النساء)

یہ وجہ ہے کہ عورت کو طلاق کا حق نہیں دیا گیا، بلکہ رشتہ نکاح کے بعد اسکو نبھانا، پابند رہنا عورت کی اخلاقی ذمہ داری قرار دی گئی۔ ہاں اگر عورت شوہر کے ظلم سے تنگ آجائے تو قانون اس کی مدد کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور وہ عدالت سے نکاح فسخ کرا سکتی ہے

سسرال والوں سے محبت

مرد کے مقابلے میں عورت کو اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے اسلیئے اسلام نے مردوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی بیویوں کے ماں باپ یعنی اپنے ساس سسرے، سالے سالیوں کا اتنا ہی خیال کیا کرے جتنا اپنے ماں باپ اور عزیزوں کا کرتا ہے

تاکہ بیوی کے دل میں شوہر کے لئے جگہ پیدا ہو۔

قرآن کریم نے اسی ہدایت کے لئے نسبی رشتوں کے ساتھ سسرالی رشتوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا:
فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا خدا تعالٰے نے نسب اور سسرال کے رشتے بنائے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سالی یعنی حضرت خدیجہ کی بہن سے اتنی محبت تھی کہ آپ ایک دفعہ ان کی آواز سن کر چونک پڑے اور "خولہ ہونگی، خولہ ہونگی" بار بار فرمانے لگے، وہ واقعی خولہ تھیں، آپ نے انہیں اندر بلالیا۔

عورت کے معاشی حقوق

ہر انسان کو سماج میں اس کی معاشی اور اقتصادی حیثیت کے مطابق مقام ملتا ہے چونکہ اسلام کے سوا دنیا کے دوسرے قوانین میں عورت کو معاشی حیثیت سے کمزور کیا گیا ہے اس لئے اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عورت سماج میں غلام بن کر رہ گئی ہے، یورپ نے عورت کی اس حالت کو بدلنا چاہا مگر اس طرح کہ اسے مرد کی طرح ایک کمانے والا فرد بنا دیا، اس سے انسانی سماج میں دوسری خرابیاں پیدا ہوگئیں، اسلام نے درمیانی راستہ اختیار کیا، اسلام عورت کو ملکیت کے مکمل حقوق عطا کرتا ہے، عورت اپنے باپ، شوہر، اولاد اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے وراثت اور ترکہ پاتی ہے، شوہر سے مہر حاصل کرتی ہے وہ تجارت کر کے اور محنت کر کے خود کماتی ہے اور ان تمام راستوں سے جو دولت عورت کے پاس آتی ہے وہ عورت کی ملک ہوتی ہے اس دولت میں عورت کو پورے پورے مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ شوہر کو ان حقوق میں دخل دینے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

اور بیوی کتنی ہی مالدار کیوں نہ ہو اس کا نان میں شوہر کے اوپر لازم ہوتا ہے، اسی طرح چھوٹی کی پرورش کا بوجھ بھی قانونی طور پر مرد کے ذمہ ہوتا ہے اس طرح عورت کی معاشی حالت اسلام میں اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ اکثر اوقات وہ شوہر سے زیادہ خوش حال ہو جاتی ہے۔

مہر کا حق

اسلام نے عورت کو مہر کا حق دیا ہے، وہ اپنی مرضی سے جس قدر مہر مقرر کرانا چاہے کرا سکتی ہے، قانونی طور پر اس کے لئے کوئی پابندی نہیں، ہاں! اخلاقی طور پر حدیث میں کم مہر کی تعریف کی گئی ہے اور ایسے رشتہ کو جس میں مہر کی مقدار کم مقرر کی گئی ہو بابرکت فرمایا گیا ہے۔

مہر عورت کا ایسا حق ہے جس میں بادشاہ وقت کو بھی مداخلت کا حق نہیں۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ نے مہر کی مقدار کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کا جو مہر مقرر کیا تھا اس سے زیادہ مقرر نہ کیا جائے، اس ہدایت پر مجمع میں سے ایک عورت کھڑی ہوگئی اور اس نے حضرت عمر رضؓ کو للکارا کہ جو حق قرآن نے ہم عورتوں کو دیا ہے وہ تم چھیننے والے کون ہو؟ اور قرآن کی آیت تلاوت کی۔ "وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا" حضرت عمر رضؓ ایک بڑھیا کی للکار سن کر خاموش ہوگئے اور فرمایا، خدا تیرا بھلا کرے، تو نے مجھے گمراہی سے بچالیا۔

مہر عورت کا ایسا حق ہے کہ اگر کسی مرد نے نکاح کے وقت یہ شرط مقرر کرلی کہ میں مہر کچھ نہیں دونگا تب بھی مہر واجب رہے گا اور اس صورت میں اس کی مقدار مہر مثل یعنی اس خاندان کی لڑکیوں کا جو مہر مقرر ہوتا چلا آیا

ہے وہ مقرر ہوجائے گا' پھر مہر کے واجب ہونے کے لئے مرد اور عورت کے درمیان اتصال حقیقی بھی ضروری نہیں بلکہ اگر دونوں تنہائی میں ایک جگہ ہوگئے تب بھی مہر واجب ہوجاتا ہے۔

مولانا تھانوی رہ نے لکھا ہے کہ مہر کی مقدار کم از کم تین روپے بھر چاندی ہونا چاہیئے' اس سے کم نہیں ہاں زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں، عورت اپنی رضامندی سے اپنا یہ دَین معاف کرسکتی ہے لیکن اگر عورت کو ڈرا دھمکا کر معاف کرالیا جائے تو اس طرح معاف نہیں ہوتا۔

بعض لوگ مہر فاطمی پر اصرار کرتے ہیں یہانتک کہ براتیں اٹھ جاتی ہیں' یہ اصرار غلط ہے اور آج کل کے حالات میں مہر ہی ایک دباؤ ہے جو مردوں کو عورتوں کے حقوق کا خیال رکھنے پر آمادہ رکھتا ہے، مولانا محمد طیب صاحب فرماتے تھے کہ آج کل کی مالیت کے لحاظ سے مہر فاطمی کے تقریباً ایک ہزار روپے بنتے ہیں' یہ جو ۳۲ روپے اور ۳۲ ٹکے کی بات چلی آرہی ہے ایک فضول سی بات ہے

نان نفقہ کا حق

مرد کے ذمہ عورت کا کپڑا روٹی اور مکان واجب ہے اور یہ حق صرف نکاح ہوجانے سے واجب ہوجاتا ہے رخصت ہو یا نہ ہو، ہاں شوہر کے مطالبہ کے باوجود اگر لڑکی کے ماں باپ لڑکی کو رخصت نہ کریں تب عورت کا یہ حق ختم ہوجاتا ہے۔

عورت گھر کا کام کاج خود کرنے کی ذمہ دار ہے، ہاں اگر لڑکی بڑے گھر کی ہے جہاں ہاتھ سے کھانا پکانا عیب سمجھا جاتا ہے تو ایسے گھر کی لڑکی کو کھانا پکا پکایا دیا جانا ضروری ہوگا، روٹی کپڑے میں حیثیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے مکان کے معاملے میں مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کو ایسا مکان دے جہاں میاں بیوی کی بے تکلفی میں ساس، سسرے اور کوئی رشتہ دار حارج نہ ہو، عورت کو مشترک مکان میں رہنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا وہ خود پسند کرلے تو الگ بات ہے

عورت کے تمدنی حقوق

شوہر کے انتخاب کا حق

اسلام نے عورت کو اپنے لئے رفیق حیات چننے کا آزادانہ حق دیا ہے، کسی شخص کے ساتھ عورت کی مرضی کے بغیر نہ کوئی نکاح کرسکتا ہے اور نہ ماں باپ لڑکی کو مجبور کرسکتے ہیں ہاں، شوہر کے انتخاب میں عورت کو اپنی خاندانی حیثیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ اس عورت کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔

فسخ نکاح کا حق

عورت کو اگر کوئی ظالم یا ناکارہ مرد مل جائے تو اسلام نے قانون کے ذریعہ عورت کو رشتۂ نکاح ختم کرانے کے لئے بھی وسیع حقوق عطا کئے ہیں' اسلام میں عورت کو کسی ظالم شوہر کے پنجۂ ظلم میں زندگی گذارنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں! طلاق دینے یعنی اپنی آزادانہ مرضی سے نکاح کے رشتہ کو توڑنے کا اختیار صرف مرد کو حاصل ہوتا ہے' یہ اختیار عورت کو نہیں دیا گیا۔

طلاق کا حق کیوں نہیں؟

اس کا سبب ظاہر ہے' ابھی حال میں امریکہ کے دانش وروں نے امریکن عورتوں کی طرف سے مردوں کو طلاق دینے کے واقعات کی کثرت پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امریکن عورت کو چونکہ مکمل طور پر معاشی

مساوات کا درجہ حاصل ہے اس لئے وہ مرد کے برابر اور کہیں اس سے زیادہ مالدار ہو جاتی ہے اور اس مالداری کی وجہ سے شوہر سے بے نیاز ہو جاتی ہے اور معمولی معمولی باتوں پر ناراض ہو کر مرد کو طلاق دیدیتی ہے اس کے امریکی سماج میں انتشار بڑھتا جا رہا ہے

ان دانشوروں نے اس کا علاج یہ تجویز کیا ہے کہ عورت کی معاشی آزادی پر پابندی لگائی جائے تاکہ وہ مرد سے بے نیاز نہ ہو سکے

یہ علاج عورت سے بنیادی حق کو ختم کر دیتا ہے اس لئے اسلام کے نزدیک اس کا علاج یہ ہے کہ عورت کے پاس طلاق کا اختیار نہ ہو، اور عورت چاہے کتنی ہی مالدار ہو جائے مگر وہ ہر حال میں یہ محسوس کرے کہ وہ مرد کی تابع ہے اور اس نے نکاح کا عہد و پیمان کر کے اپنے شوہر کے ساتھ زندگی بھر رفاقت اور ہمدردی کا اعلان کیا ہے۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ قدرت نے عورت کے اندر اثر قبول کرنے کی صفت رکھی ہے، عورت میں جمنے اور ٹھہرنے کے بجائے جھکنے اور ڈھل جانے کی صلاحیت ہے، عورت میں استقلال نہیں ہے، جذباتیت ہے اس کے پاس عقل ہے لیکن جذبات کی رو میں بہہ جانے والی عقل ہے۔

سوال یہ ہے کہ عورت کی یہ صفت اس کا قیمتی جوہر ہے یا اس کے لئے عیب اور نقص ہے، اگر قیمتی جوہر ہے تو اسی وقت جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ تابع اور پابند زندگی گذارے، اور اگر وہ تابع اور پابند زندگی نہ گذارے گی تو پھر وہ "تسکین خواہش" کا ایک کھلونا بن کر رہ جائیگی اور وہ آزاد زندگی عورت کے لئے لعنت ہوگی۔

عورت کی زندگی کو خواہش پرستوں کا کھلونا بننے سے روکنے کے لئے شریعت نے عورت کو ایک دفعہ رشتہ جوڑ کر اُسے توڑنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ یہ اختیار مرد کی طرف منتقل کر دیا،

عورت کو تعدّد ازدواج سے کیوں روکا؟

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام نے مرد کو تو ضرورت کے وقت تعدد ازدواج کی اجازت دی لیکن عورت کے لئے جائز نہ رکھا کہ وہ ایک وقت میں کئی شوہر رکھے، ظاہر ہے کہ عورت کے اندر قدرت نے جذبات کی فراوانی، احساسات کی نزاکت، اور جھکاؤ کی جو صفتیں رکھی ہیں ان صفتوں کے ساتھ اگر عورت کو اجازت دیدی جاتی کہ ایک وقت میں کئی شوہر رکھ سکتی ہے تو اس سے عورت عورت پنے سے گر کر حیوان بن جاتی اور مردوں کی نفس پرستی عورت کے تقدس کو برباد کر دیتی

عورت کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے تو شریعت نے اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے مرد کی طرف بے ضرورت دیکھنا بھی جائز نہیں رکھا۔

اس کے علاوہ فطرت نے مرد کے اندر جو مردانہ غیرت رکھی ہے وہ بھی اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کی بیوی دوسرے مرد کے ساتھ وابستہ رہے۔ مرد کی وہ غیرت جو عورت کے ناموس کی حفاظت کرتی ہے مرد کو محنت اور جفاکشی پر آمادہ کر کے عورت کے نان و نفقہ اور آرام و راحت کا انتظام کرتی ہے وہ غیرت مردہ ہو جاتی اگر اس کی رفیقۂ حیات کو دوسرے شوہر کے پاس جانے کی اجازت دیدی جاتی۔

ملنے جلنے کا حق!

عورت کو اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں سے ملنے کا حق حاصل رہے گا، شوہر اس پر پابندی نہیں لگا سکتا فقہاء نے اسکی اتنی تفصیل کی ہے کہ لڑکی اپنے ماں باپ

کے ہاں ہفتہ میں ایک دفعہ اور بہن بھائی اور دوسرے محرم رشتہ داروں کے ہاں سال بھر میں ایک دفعہ جانے کا حق رکھتی ہے، اس پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو سکتی، ہاں شوہر کی رضامندی سے عورت کو اختیار ہے جتنی بار چاہے جائے۔

ماں باپ، بہن بھائی اگر بیمار ہوں تو لڑکی ان کے گھر روزانہ جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ خون کے رشتہ دار غیر مسلم بھی ہوں تب بھی لڑکی کا فرض ہے کہ وہ ان کی خدمت کرے، شوہر کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔

صنفی خواہش کا حق اور مرد کی ذمہ داری

صنفی خواہش مرد اور عورت کی مشترک فطری ضرورت ہے، یہ عورت کا حق ہے مرد کے اوپر، اور مرد کا حق ہے عورت کے اوپر، اسلام نے عورت کو اجازت دی ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر کو صنفی ضرورت میں ناکارہ پائے تو اس سے چھٹکارا پانے کے لئے قانون کی مدد حاصل کرے قانون اسے اس ناکارہ شوہر سے نجات دلوائے گا۔

یہی سبب ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے تو چار مہینے گذر جانے پر بیوی کے اوپر طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اسے فقہ کی اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں۔ شریعت گوارا نہیں کرتی کہ مرد اس طرح اپنی عورت کو چھوڑے رکھے، اسے طلاق اور علیحدگی سے بچنے کے لئے اپنی بیوی کے پاس جا کر اپنی قسم توڑنی ہوگی اور قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا، یہ ایک طرح سے مرد کے لئے سزا ہے کہ اس نے عورت کو اس کے حق سے محروم کرنے کی قسم کیوں کھائی

صنفی خواہش کا حق اور عورت کی ذمہ داری

عورت کا بھی یہ فرض ہے کہ صنفی خواہش کے سلسلہ میں مرد کے ساتھ مکمل تعاون کرے جو عورت رات کو مرد سے علیحدہ رہتی ہے اس پر خدا کے فرشتے پھٹکار بھیجتے ہیں۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔!

اسی طرح کسی عورت کو اپنے شوہر کی رضامندی کے بغیر نفلی روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی، امام بخاری ؒ نے اس عنوان پر باب باندھا ہے اور یہ حدیث نقل کی ہے

لا تصوم المرأۃ وبعلها شاهد الا باذنه

کیونکہ ایک صحابی نے حضور ؐ سے شکایت کی تھی کہ میں جوان آدمی ہوں اور میری بیوی میری ضرورت سے بے پرواہ ہو کر نفلی روزوں کا سلسلہ جاری رکھتی ہے جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، آپ نے مذکورہ بالا ہدایت عام عورتوں کے نام جاری فرمائی۔

عقد ثانی کا حق

اسلام نے عورت کو عقد ثانی کا بھی اختیار دیا ہے تاکہ طلاق اور شوہر کی موت کے بعد وہ اپنا گھر آباد کر سکے یہ وہ حق ہے جو دنیا کی قومیں عورت کو دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، بیوہ کے عقد کو عیب سمجھا جاتا ہے، عورت پر احسان کرنے کا دعویدار یورپ بھی آج تک عورت کو یہ حق نہیں دے سکا۔

اسلام کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے چھنے ہوئے اس حق کو واپس دلانے کے لئے سب سے پہلے خود ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہ کبریٰؓ سے شادی کی اور اسی طرح طلاق شدہ عورت حضرت زینبؓ سے شادی کی، اور اس طرح اپنے عمل سے اس بات کا اعلان کیا کہ بیوگی اور طلاق سے عورت کے اندر کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا

دیوانی اور فوجداری حقوق

دیوانی اور فوجداری قوانین میں بھی اسلام نے عورت کو وہ مکمل حقوق دیئے جو ایک مرد کو حاصل ہوتے ہیں، جان مال، آبرو اور عزت کی حفاظت میں اسلامی شریعت مرد اور عورت کے درمیان کسی قسم کا فرق جائز نہیں سمجھتی

وراثت کا حق

وراثت میں عورت کا حصہ مرد سے آدھا رکھا گیا ہے لیکن اسے بے انصافی نہ سمجھنا چاہیئے اسلام نے اس معاملہ میں عین انصاف سے کام لیا ہے، مرد پر عورت اور بال بچوں کے نان نفقہ کا بوجھ پڑتا ہے اس کے ذمہ مہر کی ادائیگی کا بار ہوتا ہے، اس کا تقاضا تھا کہ مرد کو وراثت میں سے عورت کے حصہ سے دُگنا دلوایا جائے، عورت مالدار ہو تب بھی اس کے کھانے پینے اور رہن سہن کا بوجھ مرد کے اوپر ڈالدیا گیا ہے، اگر شوہر موجود نہ ہو تو ماں باپ اور بھائی عورت کی کفالت کرتے ہیں۔

ایسی صورت میں عین انصاف یہ تھا کہ مرد کو اسکی مالی ذمہ داریوں کے مطابق عورت کے مقابلہ میں دُگنی میراث دلوائی جائے

عورت کے فرائض

اسلام نے عورت کو جو وسیع حقوق دئے ان کا اجمالی خاکہ اوپر بیان کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اسلام نے جس معاشرہ سے عورت کو اتنے وسیع حقوق دلوائے اس معاشرہ کو چلانے کے لئے عورت پر کچھ ذمہ داریاں اور کچھ فرائض بھی ہونے چاہئیں، یک طرفہ حقوق سے گھر اور معاشرہ کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ اور مرد اپنے فطری فرائض کے ساتھ ساتھ عورت کے فطری فرائض بھی انجام نہیں دے سکتا

اطاعت اور خدمت

قرآن کریم نے اعلان کیا۔

فالصالحات قانتات — صالح اور نیک بیویاں فرمانبر
حافظات للغیب بما — کی اطاعت گذار اور خدا کی
حفظ اللہ — توفیق سے شوہروں کی غیر
موجودگی میں ان کے ناموس کی محافظ ہیں۔

اطاعت اور حفاظت کے دو لفظوں میں قرآن نے عورت کے تمام فرائض کو سمیٹ کر بیان کر دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا ہے۔

اذا امرھا طاعتہ — (یعنی) بہترین عورت وہ ہے کہ
واذا غاب عنھا — جب اس کا شوہر اسے حکم دے
حفظتہ واذا نظر — تو اس کا حکم مانے اور جب گھر
الیھا سرتہ — سے باہر چلا جائے تو اس کے
ناموس کی حفاظت کرے اور جب اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے

ایک مشہور حدیث میں سرکارؐ نے ارشاد فرمایا۔

"اگر اسلام میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے"

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عورت کے لئے اپنے مرد کی اطاعت گذاری کس قدر ضروری ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا

المراۃ راعیۃ علی بیت — عورت اپنے شوہر کی گھر کی
زوجھا وھی مسئولۃ — حکمران اور ذمہ دار ہے
اور وہ اپنے دائرۂ عمل کے لئے جواب دہ ہے

ناموس کی حفاظت

عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے، اس معاملہ میں اسلام نے کامل دوراندیشی اور

احتیاط کو محفوظ رکھا ہے تاکہ ہر انسان کی گھریلو زندگی، اخلاقی پاکیزگی کا بہترین نمونہ بنی رہے اور ہر مسلمان اپنی انفرادی اور معاشرتی زندگی کے حسن سے اسلام کا بہترین تعارف کراتا رہے۔

اسلام نے جس طرح شوہر پر ضروری قرار دیا (بلکہ اسے عبادت کہا) کہ شوہر اپنی بیوی کی نہ صرف کھانے پینے کی ضروریات کا ذمہ دار ہے بلکہ اس کی صنفی خواہشات کی تسکین بھی اس کا قانونی اور مذہبی فریضہ ہے اسی طرح دوسری طرف اس نے عورت کو خبردار کیا کہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے اجنبی شخص کی جانب اس کا میلان اور جھکاؤ بھی بدکاری کے برابر گناہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو آنکھ اجنبی کے حسن سے لطف اندوز ہوتی ہے وہ آنکھ بدکار (زانی) ہے، عورت کی جو آواز اجنبی مرد کے ساتھ لوچ اور نزاکت سے پیش آتی ہے وہ بھی بدکاری کی مجرم ہے، عورت کے جو کان غیر مردوں کی آواز سے محظوظ ہوتے ہیں وہ بھی بدکار ہیں اور جو ہاتھ بہر دوسرے مردوں کی صحبت میں حرکت کرتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں، کیونکہ یہ تمام باتیں زنا کے مقدمات اور بدکاری کی تمہید بنتی ہیں، اسی پیش بندی کے لئے اسلام نے عورتوں کے لئے پردہ کو ضروری قرار دیا ہے، اور بدکاری کی سزا اتنی سخت قرار دیتا ہے کہ بدکار مرد اور عورت دونوں پر سو سو کوڑے مارنے کا حکم دیتا ہے اور تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے

ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ

ان دونوں بدکاروں پر رحم ہرگز نہ کھایا کرو اگر تم خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو

عورت کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ وہ اپنے باپ بھائی اور تمام رشتہ داروں کے سامنے ہاتھوں اور چہرے کے سوا جسم کا کوئی حصہ نہ کھولے، ہاں شوہر کے سامنے اجازت ہے۔

اس حکم سے صرف وہ بوڑھی عورتیں مستثنیٰ ہیں جن پر احترام کی نظروں کے سوا کسی قسم کی نظریں پڑنے کا امکان نہیں رہتا۔

عورت کیلئے گھریلو فرائض کی اہمیت

اسلام نے عورت کے فرائض کا دائرہ گھریلو اور معاشرتی زندگی تک محدود کر دیا ہے، بیرونی ذمہ داریاں مرد کے لئے خاص کر دی گئی ہیں تاکہ دونوں اپنے اپنے میدانوں میں اپنی سرگرمیاں پوری توجہ کے ساتھ جاری رکھ سکیں

گھر سے باہر نکلنے کی اجازت

اسلام نے عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ، ایک پردہ کی شرط اور دوسری یہ کہ جن ضرورتوں کے لئے باہر نکلنا لازمی ہو ان کے لئے باہر نکلا جائے، بلا ضرورت مردوں کے ساتھ گھلنا ملنا اور مردوں کے فرائض میں قدم رکھنا اسلامی تعلیمات کے قطعاً خلاف ہے۔

مسجد میں عورتوں کا آنا

نماز اسلام میں اہم ترین عبادت ہے اور نماز جماعت کے ساتھ بہت بڑی فضیلت رکھتی ہے لیکن عورت کے لئے زیادہ اہم یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ نماز کا فریضہ اپنے گھر میں ادا کرے۔

حضرت ام حمیدؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی اجازت مانگی، مگر حضورؐ نے فرمایا:

"عورت کے لئے گھر میں نماز ادا کرنا مسجد میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے"

عورت کے لئے گھر کے گوشہ میں نماز کی فضیلت بڑی گہری مصلحت رکھتی ہے، عورت پر کچھ دن ایسے بھی آتے ہیں جنہیں وہ دوسروں پر ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی اور ان دنوں میں ان کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا اس وجہ سے خلوت کے ایک گوشے میں نماز پڑھنا افضل قرار دیا تاکہ کسی کو معلوم بھی نہ ہو کہ عورت کب نماز پڑھتی ہے اور کب چھوڑ دیتی ہے۔

عورتیں اگر باجماعت نماز پڑھنا چاہیں تو اپنے گھر میں جماعت کر سکتی ہیں اور ایک عورت صف کے درمیان کھڑی ہو کر امامت کر سکتی ہے۔

جمعہ کی نماز عورتوں پر فرض قرار نہیں دی گئی اور گھر ہی میں نماز ظہر ادا کرنے کی اجازت دی گئی

حج کی فرضیت عورت پر

حج مردوں کی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنے محرم کے ہمراہ جائیں، اگر کوئی محرم اس قابل نہ ہو تو ان پر حج فرض نہیں ہوتا

عیدین میں عورتوں کی شرکت

عیدین مسلمانوں کے عظیم تہوار ہیں، ان دونوں موقعوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اپنے گھر کی عورتوں کو نماز میں اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے مگر اس شرکت کے لئے یہ شرط قائم رہے گی کہ عورتیں نہایت سادگی کے ساتھ گھروں سے نکلیں، بناؤ سنگار، خوشبو اور دوسرے فتنوں کے ساتھ نہ نکلیں۔

امام ابن ماجہؒ نے "باب فتنۃ النساء" میں حضورؐ کی یہ ہدایت نقل کی ہے کہ لوگو! اپنی عورتوں کو زینت اور ناز و نمائش کے ساتھ مسجد میں آنے سے روکو۔

جنازہ اور مقابر میں حاضری

مردوں کے لئے جنازہ میں شرکت اور قبرستانوں میں حاضری سنت ہے لیکن عورتوں کو ان میں شریک ہونے سے روکا گیا ہے۔

جنگ میں شرکت

عورتوں کو تلوار لے کر جہاد کے لئے نکلنے کی فرضیت سے الگ رکھا گیا ہے۔ البتہ عورتیں اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھا سکتی ہیں، زخمیوں کی مرہم پٹی، پیاسوں کو پانی، اور کھانا پکانے کی ضرورتوں کے لئے میدان جہاد میں جا سکتی ہیں۔

اور ان ذمہ داریوں سے عورت کو سبکدوش رکھنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ عورت کو گھریلو اور معاشرتی فرائض کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کا موقع ملے۔

شادی بیاہ کی غیر شرعی رسمیں

اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک آسان اور سہل مذہب ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت قرآن کریم نے یہ بیان کی ہے

ویضع عنہم اصرہم	وہ رسول ان سے بوجھ اتارتا
والاغلال التی کانت	ہے اور جو طوق ان کے
علیہم	اوپر ہیں وہ ہٹاتا ہے

یہ بوجھ اور طوق کیا تھے جنہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیائے انسانیت سے عام طور پر اور عربوں سے خاص طور پر دور کرنے آئے تھے؟

یہ طوق قومی رسم و رواج کے تھے جن کے بوجھ سے

(باقی صفحہ ۱۸ پر دیکھئے)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

پٹنہ (بہار)

شعبہ نشر و اشاعت مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

ریاست بہار کے نمائندہ حضرات کی تائید و حمایت سے پٹنہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ سبھی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد یہ طے کیا گیا ہے کہ یہ سہ روزہ کانفرنس اس سال ۱۶ر ۱۷ر اور ۱۸ر نومبر ۱۹۷۳ء بروز جمعہ، سنیچر اور اتوار منعقد کی جائے جیسا کہ قبل واضح کیا جا چکا ہے۔

اس کانفرنس کی نوعیت آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے چوتھے سالانہ اجلاس کی ہوگی۔ یہ سوسائٹی کیرل مدراس اور مہاراشٹر میں اپنے اجلاس منعقد کر چکی ہے، اور جنوبی ہند میں مختلف تعلیمی اور رفاہی منصوبوں پر کامیابی کے ساتھ عمل کر رہی ہے اب اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ سوسائٹی نے گذشتہ برسوں میں جو تجربات کئے ہیں اور جو کامیابیاں حاصل کی ہیں ان سے شمالی مشرقی ہندوستان کے مسلمان بھی فائدہ اٹھائیں۔

ہمیں مسرت ہے کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی نے اپنا چوتھا سالانہ اجلاس پٹنہ میں منعقد کرنے کی منظوری دیدی ہے اور کانفرنس کی تیاری کے لئے مجلس استقبالیہ کا دفتر انجمن اسلامیہ ہال، مرادپور پٹنہ ۴ کے بالائی کمرہ میں باضابطہ طور سے کام شروع کر چکا ہے۔

اس سلسلے میں ۲۵ر فروری ۱۹۷۳ء کو دفتر مجلس استقبالیہ میں ایک مشاورتی جلسہ طلب کیا گیا تھا جس میں پٹنہ کے علاوہ ریاست بہار کے دوسرے اضلاع سے بھی بڑی تعداد میں نمائندہ حضرات نے شرکت کی۔ صدر جلسہ محترمہ بیگم صاحبہ انیس امام صاحبہ نے مختصر مگر پُر اثر تقریر میں ایجوکیشنل کانفرنس کے انعقاد کے فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ ملک کی آزادی کے ۲۵ر سال بعد ریاست بہار میں یہ پہلا موقع ہے کہ تعلیم کے بنیادی مسئلہ کی طرف ہماری توجہ اجتماعی طور پر مبذول ہوئی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم متحد و منظم ہو کر اس کانفرنس کو کامیاب بنائیں اور اس کے ذریعہ ملک و ملت کی خدمات صحیح طور پر انجام دیں۔

اس کے بعد پٹنہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے انعقاد کے محرک جناب جسٹس خلیل احمد صاحب نے جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کیرل کے نائب صدر بھی ہیں۔ کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کس طرح کیرل، مدراس، آندھرا پردیش مہاراشٹر اور میسور کی ریاستوں میں کاموں کو انجام دے رہی ہے اور کس طرح اس سوسائٹی نے جنوبی ہند

کے مسلمانوں میں ایک نئی اور ہمہ گیر تعلیمی تحریک کی بنیاد ڈال دی ہے۔ سوسائٹی اس بات کی خواہاں ہے کہ جسطرح جنوبی ہند میں تعلیمی منصوبوں پر عمل درآمد کے ذریعہ مسلمانوں میں خود کفالتی کا جذبہ پیدا کیا جارہا ہے اسیطرح شمالی ہند میں بھی ایک نئی بیداری پیدا کی جائے اور مسلمان منظم اور منصوبہ بند طور پر تعلیمی اور رفاہی منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے جدوجہد کا آغاز کریں۔ ان امور کی وضاحت کرتے ہوئے موصوف نے مزید فرمایا کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کو اپنی چوتھی سالانہ کانفرنس پٹنہ میں منعقد کرنے کی دعوت دیگئی جو اس نے منظور کرلی ہے اب ہم لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کانفرنس کو پوری طرح کامیاب بنائیں اور اس کے اغراض ومقاصد کو اپنی ریاست میں ریاست کے مسلمانوں کی ضروریات اور ان کے وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے بروئے کار لائیں۔ یہ ہماری خواہش ہے کہ کانفرنس کے نتیجے میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کی ریاستی شاخ قائم کی جائے اور اس کے تحت بہار اسٹیٹ مسلم ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں لایا جائے یوں تو یہ فاؤنڈیشن آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے اغراض ومقاصد اور پروگرام کے تابع ہوگا۔ لیکن وسائل اور ریاست کے مسلمانوں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے فی الحال اس کے ذریعہ مندرجہ ذیل کاموں کو انجام دینے کا خیال ہے۔

(ا)۔ (الف) باصلاحیت اور مستحق طلباء کو وظائف

ب) اردو میڈیم اقلیتی گرلس کالج کا قیام

(ج) دینی تعلیمی اردو پرائمری اسکولوں کا قیام

(د) اردو میڈیم اقلیتی اسکولوں کا قیام

(ہ) ٹیکنیکل اسکولوں اور دستکاری و صناعی کے مراکز کا قیام

(و) شفاخانے، ڈسپنسریاں اور زچہ خانوں کا قیام

۲۔ نوجوانوں میں جذبۂ حریت، خدمت خلق، اور خدمت ملک وملت اور اپنے اوپر خود بھروسہ کرنے اور زندگی کے اقتصادی مسئلوں کو خود حل کرنے کی کوششوں اور جذبوں کو بڑھاوا دینا،

۳۔ بہار میں اقلیتی اداروں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم کا قیام۔

اس کے علاوہ بھی کرنے کے بہت سے کام ہیں لیکن تعمیری کاموں کی انجام دہی کا انحصار بڑی حد تک وسائل اور ایثار پیشہ کارکنوں پر ہے جس کی بہت کمی ہے اس لئے فی الحال جو کام پیش نظر ہیں اگر ہم انکو انجام دے سکے تو یہ بھی بہت بڑا کام ہوگا۔

جناب خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کرکے ہم نے ایک بڑی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔

اس سہ روزہ کانفرنس میں ریاست بہار اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے کم وبیش ۵۰۰ مندوبین کی شرکت متوقع ہے اتنے سارے لوگوں کے لئے قیام وطعام اور دیگر سہولتوں کا انتظام بہت بڑا کام ہے۔ اس کے لئے مالیات کی فراہمی کے علاوہ کارکنوں کی بھی بہت بڑی تعداد درکار ہوگی۔

جناب خلیل احمد صاحب کے بعد حاضرین جلسہ نے مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے اغراض ومقاصد کو سراہتے ہوئے پٹنہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے انعقاد کا جوش وخروش کے ساتھ خیرمقدم کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

حاضرین نے اتفاق رائے سے محترمہ بیگم صاحبہ انیس امام صاحبہ کو مجلس استقبالیہ کا صدر اور جناب خلیل احمد صاحب کو ورکنگ صدر منتخب کیا اور انہیں باہمی مشورہ سے مجلس استقبالیہ کے دیگر عہدیداروں اور ایکزیکیوٹو (مجلس عاملہ) کو نامزد کرنے کا اختیار دیا۔ مجلس استقبالیہ کی رکنیت فیس دس

روپے طے پائی۔ جلسہ میں شریک سبھی حضرات نے مجلس استقبالیہ کی رکنیت قبول کرنے کی منظوری دیدی۔

مشاورتی جلسہ کے بعد فیصلوں کے مطابق پوری سرگرمی کے ساتھ دفتری امور انتظامی کارروائیوں کو انجام دیا جارہا ہے مجلس استقبالیہ کی رسیدیں اکثر اضلاع میں تقسیم کردی گئی ہیں اور ممبر سازی کا کام جاری ہے خاصی تعداد میں سربرآوردہ حضرات مجلس استقبالیہ کی رکنیت قبول کرچکے ہیں، نشرواشاعت کے کاموں کا سلسلہ بھی جاری ہے، اخبارات کا تعاون بھی حاصل ہورہا ہے اور کانفرنس سے متعلق خبریں برابر شائع ہورہی ہیں۔

جناب جسٹس خلیل احمد صاحب نے صدر صاحبہ کی منظوری سے جناب سید منظہر امام سابق ایم پی کو مجلس استقبالیہ کا جنرل سکریٹری اور جناب حسام الدین انظار ایڈوکیٹ کو جوائنٹ سکریٹری نامزد کرنے کا اعلان کیا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ جناب پروفیسر سید موسیٰ رضا چیرمین شیعہ وقف بورڈ نے ہم لوگوں کی درخواست پر سیمینار کمیٹی کے سکریٹری کی ذمہ داری قبول کرلی ہے۔ بیگم قمرالنسار کو سیکریٹری شعبہ خواتین اور ڈاکٹر قیام الدین صاحب کو نمائش کمیٹی کا سکریٹری نامزد کیا گیا۔ جناب عابد رضا بیدار، ڈائرکٹر خدابخش خاں اورینٹل لائبریری نے نمائش کو کامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا، جناب جسٹس خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ مالیاتی کمیٹی، پبلسٹی کمیٹی، طعام کمیٹی، استقبال کمیٹی، میڈیکل کمیٹی، رضا کار کمیٹی، پروگرام کمیٹی، ڈرافٹنگ کمیٹی کے ناموں کا اعلان بعد میں کیا جائیگا

جلسہ میں فنڈ کی فراہمی کا مسئلہ بھی زیر غور آیا۔ جناب عبدالحمید خاں، جناب سید رضی الدین صاحب، اور جناب نثار احمد خاں ایڈوکیٹ نے بھی تجاویز پیش کیں جن کے مطابق طے پایا کہ کانفرنس کے لئے خصوصی چندہ کے علاوہ عمومی عطیات بھی قبول کئے جائیں گے

سیمنار

طے کیا گیا کہ اس سہ روزہ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس کے بعد متعدد سیمینار ہونگے جن میں ابتدائی تعلیم، ٹکنیکل تعلیم، اعلیٰ تعلیم، اور تعلیم نسواں جیسے اہم موضوعات پر مقالہ کے ذریعہ مقالات پیش کئے جائیں گے اور پھر غور و خوض کے بعد زیر بحث موضوعات پر سفارشات اور تجاویز مرتب شکل میں کانفرنس کی منظوری کے لئے پیش کی جائیں گی سیمنار کمیٹی کے جنرل سکریٹری پروفیسر موسیٰ رضا صاحب اس سلسلہ میں ملک کے ممتاز ماہرین تعلیم سے رابطہ قائم کررہے ہیں سیمنار سب کمیٹی کی متعدد نشستیں ہوچکی ہیں۔

سوونیر

یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے موقعہ پر ایک سوونیر شائع کیا جائے۔ یہ سوونیر اردو اور انگریزی میں ہوگا اس میں مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے متعلق فکر انگیز مقالے شائع کئے جائیں گے، ملک کے ممتاز دانشوروں اور ماہرین تعلیم سے مقالات تحریر کرنے کی درخواست کی جارہی ہے۔ جناب سہیل عظیم آبادی نے ہماری درخواست پر سوونیر کمیٹی کے سکریٹری کی ذمہ داری قبول کرلی ہے

روداد

کانفرنس کے بعد ایک سہ ماہی کے اندر کانفرنس کی جملہ کارروائیوں، تقاریر، تجاویز، اور فیصلوں پر مشتمل روداد شائع کرنے کی بھی تجویز ہے تاکہ تعلیمی امور سے دلچسپی رکھنے والے پورے ملک کے مسلم کارکن اور ادارے اس سے استفادہ کرسکیں

شعبۂ خواتین

۳ رمئی کو ایوب گرلس ہائی اسکول میں تعلیم یافتہ مسلم خواتین کی ایک نشست ہوئی جس میں خاصی تعداد پٹنہ کے مختلف کالجوں کی لکچرر خواتین نے شرکت کی۔ جناب جسٹس خلیل احمد نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ یوں تو مسلمان بہ حیثیت مجموعی تعلیم کے میدان میں پسماندہ ہیں۔ ان میں بھی خاص طور پر خواتین تو بہت زیادہ پیچھے ہیں۔ کانفرنس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ خواتین میں بیداری پیدا کی جائے اور ان کی تعلیم کے لئے ماحول کو سازگار بنایا جائے نشست میں شریک سبھی خواتین نے کانفرنس کے اغراض و مقاصد سے اتفاق کرتے ہوئے اپنے تعاون کا یقین دلایا، شعبۂ خواتین کی ذمہ داری بیگم قمر النساء صاحبہ پرنسپل ایوب گرلس ہائی اسکول کے سپرد کی گئی۔ وہ اپنی شدید مشغولیت کے باوجود بڑی دلچسپی کے ساتھ فرائض کو انجام دے رہی ہیں۔

وتھونگ

۱۶ رمئی ۸۲ء کو دفتر میں مسلم نوجوانوں اور کالجوں کے مسلم طلبا کا ایک جلسہ جناب جسٹس خلیل احمد کے زیر صدارت منعقد ہوا اس جلسہ کا اہتمام جناب شکیل حسن صاحب ایم اے نے کیا تھا۔ جناب نثار احمد خاں صاحب ایڈوکیٹ اور جناب ابو جعفر حسین صاحب ایڈوکیٹ نے کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے نوجوانوں کو سرگرم عمل ہونے کی دعوت دی۔ آخر میں یوتھ ونگ کا قیام عمل میں آیا جس کے سکریٹری جناب شکیل حسن صاحب منتخب کئے گئے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سلسلے میں مختلف کمیٹیوں کی نشست منعقد ہوتی رہتی ہے جس کے کاموں کو آگے بڑھانے پر غور و خوض کیا جاتا ہے، اب تک کی کوششوں سے سبھی حلقوں میں کانفرنس اور اس کے اغراض و مقاصد کا تعارف بڑی حد تک ہوچکا ہے اور کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے ہر جگہ جوش و خروش پایا جاتا ہے۔

صفحہ ۲۴ کا بقیہ

(عراق میں برادر کشی کی تازہ لہر)

- اردن میں نو ناکام بغاوتیں ہوئیں، آٹھ سیاسی رہنما موت کے گھاٹ اتار دئے گئے ایک ہزار سے زائد فلسطینی مارے گئے
- شام میں بارہ کامیاب انقلاب اور چھ بغاوتیں ہوئیں جنہیں بارہ سیاسی رہنما موت کے گھاٹ اتارے گئے
- سعودی عرب میں پانچ بغاوتیں ہوئیں ایک بھی قتل نہیں ہوا
- سوڈان میں چار انقلابات اور چار بغاوتیں ہوئیں
- لیبیا میں ایک کامیاب انقلاب اور دو بغاوتیں ہوئیں۔
- الجزائر میں ایک انقلاب اور دو بغاوتوں کا ظہور ہوا، دو سیاسی رہنما قتل کر دئے گئے۔
- تیونس میں تین بغاوتیں ہوئیں اور ایک سیاسی قتل ہوا۔
- مراکش میں تین ناکام بغاوتیں ہوئیں اور پچیس باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔
- عراق میں سات بغاوتیں ہوئیں جنمیں ستر بہترین فوجی میجر جنرل اور بادشاہ و وزرا مارے گئے۔
- یمن میں چار انقلابات آئے تین بغاوتیں ہوئیں چار سیاسی قتل کے علاوہ پانچ نائب وزراء وزیر خارجہ اور اعلیٰ افسران کو ہوائی جہاز کے سفر میں بم رکھکر ہوائی جہاز کے ٹکڑے کر دئے گئے۔

اس برادر کشی کی داستان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام عرب ممالک بغاوتوں کی سرزمین بن گئے ہیں ریڈیو اخبارات اور پبلک جلسوں میں عرب لیڈروں کے نزدیک اول نمبر دشمن اسرائیل ہے مگر اقتدار کی جنگ میں وہ اپنے ہی بھائیوں کو گولیوں سے بھوننا کار ثواب سمجھتے ہیں، اس برادر کشی کے بعد بھی اگر عربوں کو تمام دنیا میں ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اسرائیل ایک ماہر شکاری کی طرح جب چاہے اندر تک اطمینان سے شکار کرسکتا ہے تو اس میں حیرت و افسوس کی کوئی بات نہیں۔

ہندوستان کے معاشرتی روگ کی حقیقت

اور اس کا علاج

از ——— صوفی نذیر احمد کشمیری

ایک عام دعوتِ اتحاد

پرانی نسل کے تمام وہ لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جا رہے ہیں جنہیں کسی نہ کسی حد تک اپنے معاشرے کی کمزوریوں کا احساس تھا۔ جہاں تک نئی نسل کا تعلق ہے وہ روٹی بیٹی کی چھینا جھپٹی سے آگے اور کسی بات پر غور کرنا گناہ جانتی ہے، حالانکہ روٹی بیٹی کی چھینا جھپٹی انسان کے بجائے حیوانی زندگی کا مقصد اور طریق عمل رہا ہے، انسان کے اس دنیا میں ظاہر ہونے سے بہت پہلے مدت ہائے دراز تک حیوانات نے اس چھینا جھپٹی کے ڈرامے کو جاری رکھا۔ حیوانات کے ایک کنبہ نے دوسرے کنبے کو نیست و نابود کیا۔ پھر اس فاتح کنبے کو کسی اور چالاک و عیار کنبے نے ختم کر کے اپنا سکہ چلایا۔ پھر اس سے بھی زیادہ ہوشیار کوئی کنبہ آگے بڑھا اور اس نے سابقہ کنبے کو تہس نہس کر دیا۔ یہ ہے انسان کے ظہور سے پہلے کی حیوانی زندگی کا مذہب و آئین۔ اس

دور کو صحیح معنیٰ میں نکسلی دور کہا جا سکتا ہے۔ نکسلی سائنس نے اس دور میں اس قدر ترقی کر لی تھی کہ ہمارے دور کے انسانی نکسلی اس کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتے۔ اخلاقی احساس ہمارے نکسلیوں میں کبھی نہ کبھی وہ غلاپن پیدا کر دیتا ہوگا مگر انسان سے پہلے کے نکسلیوں میں اس کا کوئی امکان نہ تھا۔

آر، ایس، ایس اور جن سنگھ کے کارکن اس حقیقت کو اچھی طرح اپنی گرفت میں لائیں۔ اس لئے کہ ان کا اپنا پھیلایا گیا اور عالیہ عمل انسانیت عامہ اور مسلمانوں کے متعلق نکسلی طریق عمل سے بہت ملتا جلتا ہے اور اس لئے بھی کہ اگر ہندوستان کو بھی تاریخ انسانی میں کوئی تعمیری کردار کبھی ادا کرنا ہے تو پھر اس کا آج وقت ہے!

راقم کا اب بھی گمانِ غالب ہے (ہو سکتا ہے کہ وہ غلط ہو) کہ یہ تعمیری رول آر، ایس، ایس، جن سنگھ اور برہمن لیڈروں کو ادا کرنا ہوگا (اس کا خاکہ آگے دیا جاتا ہے)

صوفی صاحب اسلام اور اخلاق پر اچھا سوچنے اور عام نسل انسانی کی بہتری اور بہبودی کی فکر کرنے والے بزرگ ہیں انہوں نے نسل انسانی کو امن و تہذیب کی طرف بلانے کے لئے ہزاروں صفحات لکھ دئے ہیں۔ صوفی صاحب کا لب و لہجہ اگر اور صاف ہوتا اور وہ مفروضات سے ہٹ کر واقعات و مشاہدات کی حد تک بحث کرتے تو ہمارے نزدیک ان کا پیغام زیادہ موثر ہوتا۔ ذیل کے مقالے میں صوفی صاحب نے ایک اہم بحث چھیڑی ہے ان کا یہ مضمون غور سے پڑھنے اور سمجھنے کی چیز ہے۔ (ادارہ)

یہ تاریخ ساز تعمیری کردار جن سنگھ وغیرہ کو اس لیے ادا کرنا ہوگا کہ بظاہر وہ دور ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا ہے کہ جب کسی برہمنی گرنتھ کے حوالے سے ایک عام انسان کو اس بات کا قائل کرلیا جاتا تھا کہ "برہمن کو ایشور نے اپنے سر سے پیدا کیا ہے، لہٰذا اسے ہمیشہ سربلند رہنا چاہیئے اور برہمن سے برابری کا خیال مذہب و خدا کے خلاف جنگ ہے" دورِ جمہوری نے ایسے سب عقائد و افکار کو اخلاقی جرائم کا درجہ دیکر انہیں دنیا سے مٹانے پر کمر باندھ لی ہے۔ بلاشبہ عملی رکاوٹیں اور دھاندلیاں اب بھی ہو رہی ہیں اور پرانے شکاری نئے نئے جال تیار کرتے رہتے ہیں۔ مگر اب یہ تھوڑے عرصہ کی بات ہے وحدتِ انسانی کا خیال جس قدر بڑھتا جائے گا اسی قدر یہ دھاندلیاں بھی کمزور ہوتے ہوتے نیست و نابود ہوجائیں گی۔ ؎

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

جمہوریت کی مشکل

جمہوریت نے انسان کے سیاسی و معاشی سوال کو حل کرنے کا ذمہ اٹھالیا ہے۔ اس دائرے میں وہ مساواتِ حقوق و فرائضِ انسانی کی قائل ہوچکی ہے اور اسے بحال کرنے میں لگی ہے لیکن اس کی مشکل یہ ہے کہ وہ انسانی تعمیر کی اخلاقی بنیادوں کو تسلیم کرکے نہیں چلتی بلکہ انہیں نظر انداز کرکے چلتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کمیونزم کے نکسلی رجحان کے مقابل عوام میں وہ رجحان پیدا کرتی جارہی ہے جسے "ہپی ازم" کہا جاتا ہے۔ انسانی تاریخ کی اخلاقی بنیادوں کا انکار کرکے یا انہیں نظرانداز کرکے انسان کے سیاسی و معاشی سوال کو حل کرنے کا نتیجہ نکسلی ازم اور ہپی ازم کے سوائے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ !

حیوانات کے مقابل تاریخ انسانی کا مفہوم

اس مضمون کے پہلے ہی پیراگراف میں تاریخ حیوانات کا پورا مفہوم بیان کیا جاچکا ہے، حیوانات کی زندگی کا مقصد معاش جیتی کا حصول اور اس کا طریقہ مار دھاڑ، چیر پھاڑ، ایک دوسرے کی بیخ کنی، نفرت، حسد، انتقام، جبر و مکر، جلد بازی اور ایک دوسرے کے خلاف گھات لگانا تھا۔ اس مقصد اور اس طریق کار سے بلندتر کسی مقصد یا کسی شائستہ طریق عمل کو اختیار کرنے کی حیوانات میں کوئی صلاحیت ہی نہ تھی لیکن تاریخ حیات میں جب حیوان کے بعد انسان کا ظہور ہوا تو مندرجہ صدر حیوانی مقصد اور طریق عمل کے مقابل بے شمار اخلاقی قدروں نے جنم لینا شروع کردیا۔ نفرت کے مقابل محبت، انتقام کے مقابل عفو و معافی، حسد کے مقابل مسابقت (اچھی باتوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش) نفاق کے مقابل ظاہر و باطن کی یکسانی جبر کے مقابل گرتے کو اٹھانا، جلد بازی کے بجائے مآل اندیشی سے کام چلانے کی کوشش شروع ہوئی۔ یہ تھا تاریخ انسانی کا آغاز۔ اس کے بعد اخلاق عالیہ مثلاً سچائی، عدل، ایثار، دیانت و صبر، توکل و مساوات اور بھائی چارے وغیرہ نے جنم لیا اور انسانی زندگی توپور سے کرۂ ارضی پر محیط ہوتی چلی گئی اور حیوانی زندگی (انسان سے کہیں زیادہ مسلح ہونے کے باوجود) پسپا ہوتی چلی گئی۔ انسان کی فتح درحقیقت بے شعور قوتوں پر اخلاقی قدروں کی فتح تھی، ورنہ انسان حیوانات کے مقابل نہایت بےبسی میں پیدا ہوا تھا

اخلاقی قدرونکی عالمگیری

اوپر اخلاقی قدروں کی جو فہرست دی گئی ہے وہ بالکل عالم گیر نوعیت رکھتی ہے اور ساری کائنات کے سارے انسانوں کے لئے یکساں مفید ہے وہ نہ تو مقامی جھمیلوں کی حیثیت رکھتی ہے، نہ وہ افراد کا انفرادی معاملہ ہے وہ تو انسان کی اجتماعی تقدیر ہے !

٭   ٭   ٭

مذہب انسانی

مذہب انہیں اخلاقی قدروں کی شیرازہ بندی کرتا ہوا صرف انہیں کو حیات انسانی کا ہمہ گیر قانون بنانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ تاریخ حیات کی ارتقائی تعبیر کے مطابق ایک پائیدار آئندہ زندگی کا تصور انسان کے سامنے رکھ دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ابدی زندگی کے نصب العین کے بغیر انسان کی اخلاقی زندگی میں شیرازہ پیدا نہیں ہو سکتا اور یہ ارتقائے حیات کا عین تقاضا ہے! گویا انسان کی اخلاقی فطرت ایک پائیدار آئندہ کی زندگی کے نصب العین کے علاوہ ایک پراگندگی میں گرفتار رہتی ہے۔ زندگی کے سلسلے کے متعلق ایسا سوچنا کہ اس کا ارتقاء انسان پر ختم ہو گیا ہے، محض آگے کو دیکھنے کے بجائے پیچھے کی طرف دیکھتے رہنے کا نتیجہ ہے، جیسا کہ آگے عرض کیا جائیگا۔ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے مذہب صرف اسی شیرازہ بندی کی کوشش کا نام ہے اور یہ ہے حیوانی مفید ومضر کے بعد انسانی نیک وبد کی حقیقت۔ حیوانی زندگی محض مفید ومضر کی تمیز پر اپنا سفر ختم کر دیتی ہے جبکہ انسانی زندگی مفید ومضر سے آگے بڑھ کر نیک وبد کے اخلاقی معیار کو بھی اپنے اوپر لاگو کرتی ہے۔ وہ ہزار مفید چیزوں کو اس لئے چھوڑ دینے پر آمادہ رہتی ہے کہ اگرچہ وہ چیزیں مفید ہیں مگر اخلاقی جواز کی سند نہیں رکھتیں۔ وہ ہزار مضرتوں کو بعض اوقات اس لئے دعوت دیتی ہے کہ اس کے سوائے اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتی، وہ وقت پڑے، اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے رضا ورغبت سے پوری حیاتِ دنیا کو قربان کر دیتی ہے۔!

شہادت اور تاریخ انسانی

نیکی کی راہ میں زندگی قربان کرنے کو شہادت فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے اور یہ پوری تاریخ انسانی کا روشن ترین باب ہے

یہ ہے حیوانی طریقِ حیات ومقصدِ حیات کے مقابل انسانی مقصدِ حیات وطریقِ حیات کا واضح فرق۔

آر۔ ایس۔ ایس، اور جن سنگھ کے کارکن جو نسلی ازم اور مذہبی زندگی کے جوڑ کی حیثیت رکھتے ہیں اور کچھ ادھر سے اور کچھ اُدھر سے لے کر اپنا کام چلاتے رہتے ہیں، اوپر کے حقائق کو اچھی طرح گرفت میں لائیں۔

بہت ممکن ہے کہ جس طرح تاریخ کے ایک خطرناک موڑ پر عرب کے خوفناک بت پرست، کعبہ پرستوں نے سیدھا راستہ اختیار کرتے ہوئے حقیقی اتحادِ انسانی کے لئے ایک عظیم خدمت انجام دی تھی، آج ہندوستان کے خوفناک بت پرست وکعبہ پرست برہمن نوعِ انسانی کی ویسی ہی خدمت انجام دے، آج پورا نوعِ انسانی ایک عالم گیر اخلاقی تہذیب وتمدن اور اخلاقی قانون کا محتاج ہو رہا اس کے سوائے اس کی مادی زندگی بھی تھوڑے دنوں کی مہمان محسوس ہونے لگی ہے اس کے لئے انشاء اللہ ابھی متعین تمرین اور بالکل قابل عمل صورت عرض کی جائے گی مگر پہلے ہندوستان اور مذہب کے تعلق کو واضح کر دیا جائے!

ہندوستان اور مذہب

مذہب کے بارے میں ہندوستان قبل از تاریخ انسانی اور بعد از تاریخ انسانی کے موڑ پر کھڑا ہے وہ نسلی وخونی امتیازوں کا آج تک اسی طرح پابند رہا ہے اور آج بھی اس کی یہی کوشش معلوم ہوتی ہے کہ گویا وہ انسانی جامہ اختیار کرنے کے بعد بھی تاریخ حیوانات کے سارے ہی نسلی وخونی امتیازوں کو جوں کا توں قائم رکھنے پر تلا ہوا ہے اس نے اپنے نسلی امتیاز وفوقیت کو بحال رکھنے کے لئے اپنے ہی ابنائے جنس پر وہ مظالم کئے ہیں جو مظالم حیوانات کے ایک نوع نے دوسری نوع پر کئے ہیں۔ ذات پات کے ساتھ چھوت چھات کی ہزاروں برس کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے وہ سارے مظالم انسان

کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں کہ جو انسانیت عامہ کو غیر انسانی سطح پر گرائے رکھنے کے لئے اس ملک میں کئے گئے ہیں اور آج بھی کئے جا رہے ہیں اور وہ کسی صورت اُن مظالم سے کم نہیں جو کہ حیوانات کے انواع نے ایک دوسرے کے ساتھ کئے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آزادی کے بعد پرانے تاریخی مظلوموں کے ساتھ پانچ چھ کروڑ مسلمانوں کو بھی ملا دیا گیا ہے۔ یہ اعلانات ہندوستان کی پارلیمنٹ میں کئے جا چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ اجتماعی مظالم اور بلوے آٹھ ہزار تک پہنچ چکے ہیں اور ان مظالم کی پشت پر جو تعصب کام کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اس ملک کے تباہ کن اور تنگ نظر نقطہ نگاہ کو اختیار کرنے کے بجائے ایک وسیع اور عالمی نقطہ نگاہ رکھتے ہیں اور ایک مسلمان کی ہمدردی بعض اوقات ساری انسانیت پر پھیل جاتی ہے اس وسعت نگاہ کو "ایکسٹرا ٹیری ٹوریل الٹی" کا نام دیا جاتا ہے اور یہ بات برہمن ثقافت و مذہب میں نا قابل معافی جرم ہے اب یہ بات پورے وثوق سے عرض کر دی جائے کہ نسل و وطن اور خونی رابطے کی یہ گرفتاری ہرگز تاریخ انسانی کا حصہ نہیں ہے بلکہ وہ تاریخ حیوانات کی نمایاں خصوصیت ہے اس لئے کہ تاریخ حیوانات کے مقابل تاریخ انسانی کا آغاز اخلاقی و روحانی قدروں کے ظہور سے ہوا ہے جیسا کہ اوپر وضاحت سے عرض کیا جا چکا ہے اور یہ روحانی و اخلاقی قدریں قطعاً عالمگیر نوعیت کی ہیں وہ کسی صورت کوئی مقامی پیداوار نہیں ہیں جیسا کہ مارکس لینن اور ان کی امت کا دعویٰ ہے۔ نہ وہ فرد کا انفرادی معاملہ ہے جیسا کہ سیکولر جمہوریت کے لیڈروں کا اظہار ہے وہ تو فطرت انسانی کا اجتماعی مطالبہ اور آئین ہے ایک بددیانت انسان کے مقابل ایک دیانت دار کو، ایک جھوٹے کے مقابل ایک سچے کو، ایک خود غرض کے مقابل ایک ایثار پیشہ کو، ایک ظالم کے مقابل ایک عادل کو، ایک انتقام پسند کے مقابل ایک عفو کرنے والے کو ہر ملک، ہر قوم، اور ہر آب و ہوا میں اشرف و افضل سمجھا جاتا ہے اور ان سب اخلاقی قدروں کا نسل و خون اور وطن سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ ہے شرافت انسانی کی بنیاد، جو یکسر اخلاقی و عالمگیر نوعیت کی ہے۔ اگر ساری دنیا کے نسل پرست اور فسطائی جمع ہو کر بھی اس کا انکار کریں تو وہ قطعاً جھوٹے ہوں گے اور جھوٹے ہی سمجھے جائیں گے۔ یہ ہے شرافت انسانی کے متعلق تاریخ کا اٹل فیصلہ۔

حیوانات کی قدر و قیمت

انسانی اخلاقی شرافت کے مقابل حیوانات کی ساری قدر و قیمت صرف خون و نسل و وطن پر مبنی ہے ان کے اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کا اور کوئی معیار بن ہی نہیں سکتا، وہ گائے ہو یا بھینس، گھوڑا ہو یا گدھا، وہ بکری ہو یا بھیڑ، وہ کتا ہو یا بلی، غرضکہ سارے ہی حیوانات میں ادنیٰ و اعلیٰ ہونے کا معیار یا نسل پر ہے یا وطن پر۔ ناگور کی گائے، روہتک کی بھینس، کابل کا گدھا، عرب کا گھوڑا، تبت کی بھیڑ، بلوچ کا دنبہ، غرضکہ تمام حیوانات کی قدر و قیمت محض نسلی، خونی اور کسی حد تک وطنی ہے جس کے پاس عقل و ہوش کا ایک ذرہ بھی ہو وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ کمیونسٹ جس شدت سے اس کا انکار کرتے ہیں وہ محض ان کے انسانیت دشمن تعصب کا نتیجہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اوپر جن اخلاقی قدروں کا ذکر ہے وہ انسانی زندگی کے لئے عالمگیر شیرازے کا کام دے سکتی ہیں۔ انہیں کو بنیادی اہمیت دینے سے نوع انسانی کے سارے فساد ختم ہو کر یہ دنیا ایک دارالامن بن سکتی ہے۔ اس کے سوائے انسانی بستی کے امن و فلاح کی کوئی صورت نہیں ہے اور ہر وہ قوت اور ہر وہ گروہ یا طبقہ جو ان اخلاقی اقدار کو نسل و رنگ و وطن کے تابع رکھنے کی کوشش کرتا ہے وہ کھلا ہوا انسانیت دشمن ہے اور جو شخص، طبقہ یا گروہ اخلاقی قدروں کو بنیادی اہمیت دیتا ہوا اور انہیں کی بنیاد پر انسانی اتحاد کی کوشش کرتا ہے، اس کے لئے جان و مال کی قربانی

دیتا ہے، وہی انسانیت دوست اور حقیقی انسان ہے۔ یہ ہے انسانی دھرم کا مغز اور خلاصہ، اور یہ ہے تاریخ حیات کا اٹل محاکمہ!

اب راقم آر، ایس ایس، جن سنگھ، شنکراچاریوں اور برہمن ازم کے سارے نمایندوں سے سوال کرتا ہے کہ وہ پانچ ہزار برس سے جس نسلی اونچ نیچ کو انسانی دہرم بنائے ہوئے ہیں اور ہر موقعہ پر ہر ممکن تدبیر اور ہر حربے سے اُسے منوانے کے لئے لگاتار تیار رہتے ہیں، وہ سوائے اس کے کیا ہے کہ وہ انسانیت عامہ کو نسل و خون و وطن کے حیوانی آئین کا قیدی بنائے رکھیں اور اس کی فطرت کے اخلاقی ضابطے کو کسی صورت عالم گیر نہ ہونے دیں؟

ہندوستان کے کروڑہا باشندگانِ قدیم کو اسی ذہنیت کے علم برداروں نے انسانی سطح سے ہمیشہ کے لئے گرائے رکھنے کو ملک کا آئین بنا دیا، اسی ذہنیت نے بدھ ادم کی اخلاقیت کو سارے ملک سے نیست و نابود کیا۔ اسی ذہن نے مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے ساتھ ہی ان کے خلاف چھوت چھات کو نافذ کیا اور سیاسی اقتدار کو ہاتھ میں لیتے ہی ان کے خلاف خاتمہ کن جنگ کو شروع کر دیا ہے اور بے ضمیری کی انتہا یہ ہے کہ یہی لوگ عالمی اسمبلیوں میں جنوبی افریقہ کے نسل و خون کے امتیاز کے خلاف بولنے میں انسانیت عامہ کے سب سے بڑے وکیل بھی بن جاتے ہیں۔ اُدھر گھر میں ان کا سارا سیاسی و معاشی و معاشرتی کاروبار اور باہمی سلوک صرف اسی نسلی اونچ نیچ کے دھرم پر ہزاروں برس سے چل رہا ہے اور آج بھی چلتا ہے۔ آج بھی شنکر اچاری آف پوری کھلے بندوں اور باقی شنکراچاریے اپنے صدہا برس کے عمل سے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارے سارے گرنتھوں نے ہمیشہ سے لے کر آج تک یہ تلقین کیا ہے کہ نسلی اونچ نیچ اور چھوت چھات ان کے دھرم کی بنیاد ہے۔ گذشتہ دو ڈیڑھ سو برسوں سے برہمن ازم کی جو تجدید ہوئی ہے اسکا سنگ بنیاد گیتا کو بنایا گیا ہے۔ اس کے متعلق ہندوستان کے بڑے سے بڑے لیڈروں کا یہ اعلان ہے کہ مذہبی دنیا میں اس سے بڑی کوئی کتاب نہیں ہو سکتی اب اس کے چوتھے باب کے الفاظ ذیل سن لیجئے:- Mankind was created by me of four Castes, distinct in their Principles and duties, according to the distribution of actions and qualities

(ترجمہ) نوع انسانی کو میں نے (کرشن اوتار نے) چار ذاتوں (برہمن، کھشتری، ویش، شودر) میں پیدا کیا ہے جو اپنے اصولوں اور اپنے پیشوں، اپنے کاموں اور اپنے اوصاف کے سبب ممتاز ہیں۔

گیتا کا یہ اعلان مہاتما بدھ کی اخلاقی تعلیم کی کامل تردید پر مبنی ہے۔ بدھ نے ذات پات کی اونچ نیچ کی تردید کرتے ہوئے خود برہمن اور آریہ کے الفاظ کو اخلاقی معنی پہنائے تھے اور یہ گولی نگلنا برہمن کے لئے مشکل تھا لہذا صدیوں بعد پھر اس نے اپنی گدی کو محفوظ کرنے کے لئے کسی فرضی ہیرو اور اوتار کی زبان سے مندرجہ صدر اعلان کرا دیا اور پھر اس کی عالم گیر تشہیر کرائی (گاندھی جی نے گیتا کی تاریخی حیثیت کا انکار کرتے ہوئے اسے ایک فرضی تمثیل کا درجہ دیا ہے)

سوامی دیانند جی کو اس دور کا سب سے بڑا سوشل انقلابی بتایا جاتا ہے سادھو ٹی ایل واسوانی نے سوامی جی کی ایک مختصر سوانح عمری لکھی ہے اور اسمیں سوامی دیانند جی کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:- See the Thread of your race is not broken. (دیکھنا تمہاری نسل کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے)

گویا اس ملک کا سارا معاشرتی نظام، سارے ثقافتی و مذہبی اور تعلیمی اداروں کا سنگ بنیاد ذات پات چھوت چھات اور ایک دوسرے کے خلاف گھات لگانا

تاریخ کے دریچے سے

جامع قرطبہ

مولانا سعید الاعظمی ندوی

قرون وسطیٰ میں اسلامی اندلس کا مشہور شہر قرطبہ ایسے آثار کا مرکز تھا جہاں عقل انسانی متحیر کر دینے والے اور نگاہوں کو خیرہ بنا دینے والے فن تعمیر کے نادر نمونے موجود تھے۔ ان تعمیری نوادر میں جامع قرطبہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ آج بھی جامع قرطبہ اندلس میں اسلامی عہد کی عظمت کی شہادت دے رہی ہے اگر قرطبہ میں یہ مسجد نہ ہوتی تو شاید کوئی سیاح صرف قرطبہ کو دیکھنے کے لئے سفر کی مشقت برداشت نہ کرتا آج بھی دنیا کے گوشے گوشے سے سیاحوں کی جماعتیں قرطبہ کی اس مسجد کو دیکھنے کے لئے وہاں پہنچتی رہتی ہیں اس لئے نہیں کہ اس کے عظیم الشان مناروں سے اسلامی عہد کی عظمت رونما ہوتی ہے بلکہ اس لئے کہ وہ فن تعمیر کا ایک محیر العقول اور عجیب و غریب نمونہ ہے۔

جامع قرطبہ کا بیرونی منظر دیکھ کر کوئی خاص تاثر نہیں پیدا ہوتا اس لئے کہ اس کا بیرونی حصہ انتہائی سادہ اور غیر جاذب قلب و نظر ہے۔ لیکن اس کے اندر داخل ہوتے ہی عجائبات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ داخل ہونے والا حیران و ششدر رہ جاتا ہے اور ایک لمحہ کے لئے وہ یہ نہیں سمجھ پاتا کہ کس طرف سے مشاہدہ کا آغاز کرے کدھر جائے اور کدھر نہ جائے یا ایک ہی جگہ کھڑا ہو کر اسکی دل فریبیوں اور بے پناہ حسن کی گرمی سے اپنی آنکھیں سینکتا رہے

جب کبھی آپ کو سیاحت کا موقع نصیب ہو اور آپ اس مسجد کے ۱۹ پھاٹکوں میں سے کسی بھی پھاٹک سے اندر داخل ہوں تو اسی لمحہ یہ محسوس ہوگا کہ آپ سنگ مرمر کے درختوں کے ایک گھنے جنگل میں پہنچ گئے ہیں اس لئے کہ اس مسجد میں سفید و سبز رنگ سنگ مرمر کے ۸۶۰ پتلے ستون ہیں اس کے علاوہ موٹے موٹے ستونوں کی تعداد ایک ہزار بارہ ہے جہاں ہر طرف سبز و سفید مرمریں ستونوں کی قطاریں درختوں کے تنے کی شکل میں موجود ہیں۔

اس مسجد میں ۱۹ گیلریاں ہیں اور ہر گیلری ایک پھاٹک پر ختم ہوتی ہے اس کی چھت نسبتاً کچھ نیچی اور لکڑی کے کاموں سے ڈھکی ہوئی ہے اس پر سونے چاندی اور مختلف قیمتی دھاتوں کے نہایت ہی خوشنما نقوش اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں بڑی بڑی تقریبات کے موقعہ پر اندرون مسجد چاندی اور تانبے کے بنے ہوئے ۲۸۰ فانوس روشن کئے جاتے ہیں جن میں خوشبودار تیل جلایا جاتا ہے۔ ان فانوسوں میں ہزاروں کی تعداد میں بتیاں جگمگاتی رہتی ہیں جن کی روشنی میں رنگ و نور کا ایک عجیب عالم نظر آتا ہے اس کے سب سے بڑے فانوس کا رقبہ ۳۸ فٹ ہے جس میں ایک ہزار چار سو چون (۱۴۵۴)

بتیاں جلتی ہیں۔ اس فانوس میں ایک آئینہ لگا ہوا ہے جس میں ان بتیوں کی روشنی منعکس ہوتی ہے اور اس کی شعاعیں ۹ گنا تیز ہو جاتی ہیں اس فانوس میں ۶ ہزار چاندی کی پلیٹیں ہیں جو سونے اور سچے موتیوں سے مرصع ہیں۔

اس مسجد کی سب سے مزین اور منقش جگہ اس کی محراب ہے۔ اس محراب کا آخری حصہ سنگ مرمر کی سیپ سے مشابہ معلوم ہوتا ہے اس کے اندر داخل ہونے کے لئے جو راستہ اس میں بنا ہوا ہے وہ اپنے قیمتی اور نایاب پتھروں کی وجہ سے خالص سونے اور چمکدار ریشم کی طرح روشن ہے اس عظیم الشان تاریخی شاہکار جامع قرطبہ کے معمار یونانی کلیسے سے تعلق رکھنے والے وہ نصرانی تھے جو اس کے سارے تعمیری مراحل کی دیکھ بھال اور اس کی دیبائش و تزئین کے ذمہ دار تھے۔

عبدالرحمان اول اندلس میں اسلامی عہد کے حکمران نے قرطبہ کو دمشق کے نمونے پر تعمیر کرنے کے لئے سب سے پہلا قدم اٹھایا اس کی وجہ یہ تھی کہ عبدالرحمن نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام دمشق ہی میں گذارے تھے اور یہ شہر ان کے نزدیک بے حد محبوب اور عزیز تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں قرطبہ کی اس مسجد کا سنگ بنیاد انہوں نے رکھا لیکن اس کی تکمیل ان کے بعد آنے والے حکمرانوں کے ہاتھوں دسویں صدی ہجری میں ہوئی۔ عرب مورخین نے لکھا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر میں تیس کروڑ ڈالر صرف ہوئے۔

جامع قرطبہ کی تعمیر کا کام اس بادشاہ کی زندگی کا سب سے آخری کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس کے علاوہ بھی بہت سی مسجدیں اور ایسے محل تعمیر کر دئے تھے جو اسلامی تمدن کے نایاب نمونے شمار کئے جاتے ہیں۔

قرطبہ جب اسلامی تمدن کا مرکز تھا وہاں مسلمانوں کا طوطی بول رہا تھا اس وقت وہاں کی آبادی دس لاکھ تھی بعض مورخین نے پانچ لاکھ لکھا ہے۔ عرب مورخین نے لکھا ہے کہ اس وقت قرطبہ میں دس ہزار محل تھے جن میں اسّی شاہی محلات تھے اور ۲ لاکھ تیرہ ہزار گھر، سات سو مسجدیں اور نو سو پبلک حمام تھے اسی طرح چار ہزار تین سو بازار اور پانچ ہزار پن چکیاں تھیں دریا کے کنارے پر واقع تھیں۔ لیکن آج اس بیسویں صدی کے نئے عہد میں جہاں ہر چیز پر ترقی و تمدن کی چھاپ پڑ چکی ہے قرطبہ ایک حقیر اور بیک ورڈ شہر ہے جہاں صرف ایک لاکھ انسان آباد ہیں جن میں کوئی زندگی ہے نہ جاذبیت۔

قدیم قرطبہ کی سڑکیں بہترین پتھروں کی بچھی ہوئی دس میل کی لمبائی میں پھیلی ہوئی تھیں جن پر روشنی کا خاص اہتمام ہوتا تھا آج بھی ان سڑکوں کے بہت سے حصے موجود ہیں جو اندلس کے اسلامی تمدن کے عہد یاد دلاتے رہتے ہیں۔ ان سڑکوں پر پانی بہنے کے لئے نالیوں کا بہت اچھا انتظام تھا جو اب مفقود ہے۔ اس زمانے کے سیکڑوں مکانات آج تک موجود ہیں ان مکانات کی شکل یہ ہوتی تھی کہ سامنے لوہے کا ایک خوبصورت پھاٹک ہوتا اس کے بعد ایک چھوٹی سی دہلیز سے گذر کر گھر کے صحن میں داخلہ ہوتا تھا جس طرح آج امریکہ کے مکانات کا نقشہ ہوا کرتا ہے۔ یہ صحن گھر کا درمیانی حصہ ہوتا تھا جہاں طرح طرح کے پھولوں سے لدا ہوا ہرا بھرا چمن ہوتا اور خوبصورت پتھروں سے مزین اس صحن میں ریشمی فرش اور خوشنما قالین بچھے ہوتے تھے۔ صحن کے بالکل وسط میں سنگ مرمر سے بنا ہوا ایک حسین و جمیل فوارہ ہوتا جس سے اُبلتے ہوئے پانی کا منظر انتہائی جاذب قلب و نظر ہوتا تھا۔ پینے کے لئے دریائے بسرا کا پانی نلوں کے ذریعہ لایا جاتا تھا۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جو اسلامی اندلس کے ایک ایک گھر میں اس وقت موجود تھیں جنکے بغیر اس عہد کی زندگی میں نہ کوئی رونق اور جاذبیت تھی اور نہ زندگی خوشگوار شمار کی جا سکتی تھی۔

عراق میں برادرکشی کی تازہ لہر

نذر الحفیظ ندوی

عرصہ تک مسلمان اپنے نازک دینی و قومی احساسات میں ضرب المثل سمجھے جاتے تھے، اگر افریقہ کے بے آب وگیاہ علاقہ میں کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا تو دمشق میں بیٹھے ہوئے مسلمان اپنے دل میں اس کی چبھن محسوس کر لیتے، سندھ کے میدانوں میں کسی مسلمان عورت پر اگر کوئی ظالم ہاتھ اٹھاتا تو عراق تک اس کی بازگشت سنائی دیتی مگر جدید تہذیب و تمدن نے جہاں مسلمانوں کو مذہبی حاسہ سے محروم کر دیا ہے وہیں اس نے قومی احساسات اور ظاہری نفع و نقصان کا فرق بھی ختم کر دیا ہے، جون ۱۹۶۷ء کے المیہ کے بعد سے تو یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ مسلمان جان بوجھ کر ہوش و حواس کیسا تھ اپنا گلا خود کاٹ رہا ہے اور اپنے اس فعل پر اس کو اصرار بھی ہے، ورنہ اگر مذہبی احساس نہ سہی قومی احساس بھی اگر ہوتا تو اس طرح ذلت و نکبت کو وہ خود دعوت نہ دیتے۔

جب سے عربوں کے سینے میں اسرائیل کا خنجر پیوست کیا گیا عرب لیڈروں نے اس کے مقابلہ میں ہمیشہ لیت و لعل سے کام لیا اور بڑی طاقتوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر خود اسرائیل کے وجود کو مستحکم اور اپنی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے رہے۔

جون ۱۹۶۷ء کا المیہ عربوں کی گھناؤنی سیاست اور خانہ جنگی اس کا واضح ثبوت ہے۔ اس المیہ کے بعد بھی خونیں انقلاب اور برادرکشی سے ان کو فرصت ہی نہیں ملی عراق کی حالیہ ناکام اور خونریز بغاوت اس سلسلہ کی تازہ کڑی ہے۔ صدر مملکت حسن البکر کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی سزا ۳۶ آدمیوں کو موت کی صورت میں دیدی گئی اس طرح اس بدنصیب ملک میں ابتک ناکام بغاوتوں کی تعداد سات تک پہونچ چکی ہے جس میں بیشتر بہترین فوجی ذمہ داروں اور سیاسی لیڈروں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں، باقی عوامی درجہ کے فوجیوں، عوامی لیڈروں اور سپاہیوں کی بڑی تعداد ۱۹۶۳ء میں قتل کی جا چکی ہے ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۴ء تک صرف ایک ہی سال میں کرنل مہداوی نے قتل کا ریکارڈ قائم کر کے قصاب کا لقب حاصل کر لیا تھا۔ ہم آئندہ سطور میں برادرکشی کے اعداد و شمار دے رہے ہیں آپ اس اعداد و شمار کو دیکھ کر فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ ان نام نہاد آزاد حکومتوں سے یہ کہیں بہتر تھا کہ کوئی استعماری ملک ان کو غلام بنائے رہتا، اس طرح بہترین انسانی سرمایہ اور قومی طاقت ضائع ہونے سے محفوظ رہ جاتی

۱۹۴۸ء سے لیکر ۱۹۷۳ء تک پچیس سال کے عرصہ میں عرب ممالک میں اٹھائیس ۲۸ کامیاب اور اکتالیس ۴۱ ناکام انقلاب ہوئے یہ سب انقلابات فوج کے لائے ہوئے تھے۔ مصر میں تین کامیاب انقلاب ہوئے اور چار ناکام بغاوتیں ہوئیں آٹھ بڑے سیاسی رہنماؤں کا قتل ہوا، کئی ہزار اخوانیوں کو جیلوں میں بھر دیا گیا بڑے بڑے اخوانی رہنماؤں اور عالموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا

(باقی ص ۳۳ پر دیکھئے)

ماہوار منظور کیا گیا

(۶)۔ بڑھتی ہوئی گرانی کے پیش نظر محرم ۱۳۹۳ھ سے گریڈ میں تبدیلی منظور کی گئی، سابق میں بنیادی طور پر جو الاؤنس دیا جا رہا تھا اسے جزو تنخواہ قرار دیکر گریڈ کی اور الاؤنس گرانی کی دوسری شرح جاری ہوئی اس طرح تنخواہوں پر تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کا اضافہ ہوگیا جو حق تعالیٰ اپنی مہربانی اور کرم فرمائیوں سے پورا فرمائینگے۔

(۷)۔ منشی اشتیاق احمد مقسم ادویہ جنہیں ابتک چپراسی کا گریڈ مل رہا تھا ان کی حسن کارکردگی اور دواؤں کی نہ صرف تقسیم بلکہ رجسٹروں میں اندراج اور دوسری دفتری خدمات کے پیش نظر محرر کا گریڈ منظور کیا گیا۔

حضرت مہتمم صاحب کے اسفار

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ ۳۱ راگست ۱۹۷۳ء جناب الیاس صاحب کی درخواست پر انچولی ضلع میرٹھ تشریف لے گئے بشام کو میرٹھ پہونچے جہاں اختر مسجد میرٹھ کی طرف سے منعقد کئے گئے جلسہ عام میں تقریر فرمائی۔ یکم ستمبر ۱۹۷۳ء کو میرٹھ سے دہلی اور دہلی سے پالن پور کے لئے روانہ ہوئے مگر بوجہ سیلاب اور کثرت بارش گاڑی اجمیر سے آگے نہیں گئی، اجمیر سے ورتلام، رتلام سے بڑودہ ہوتے ہوئے تیسرے دن احمدآباد پہونچے، پالن پور اور رادھن پور تشریف نہیں لے جا سکے ۵ ر ستمبر کو احمدآباد سے راندیر تشریف لاکر ۵ ر ۶ ر ستمبر کو راندیر کے دونوں مدرسوں کے جلسہ سالانہ میں شرکت فرمائی اور ۷ ر ستمبر کو مدرسہ فلاح دارین کے جلسہ سالانہ میں شرکت فرماکر شب میں روانہ ہوئے بمبئی سے احمد نگر اور اورنگ آباد ہوتے ہوئے ۱۵ ر ستمبر مطابق ۱۷ ر شعبان ۱۳۹۳ھ کو دہلی پہونچے مولانا محمد سالم صاحب کی والدہ محترمہ کچھ علیل چل رہی ہیں علاج کے لئے دہلی گئی ہوئی تھیں۔ ۱۵ ر ستمبر کا پورا دن دہلی میں گذار کر شام کو دیوبند تشریف لائے، ۲۰ ر شعبان ۱۳۹۳ھ یوم چہارشنبہ کو دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف کا ختم فرمایا، ۲۱ شعبان کو مولانا محمد سالم صاحب کی والدہ کو علاج حکیم صدیق احمد صاحب کے پاس بریلی لے گئے۔

کمسن بچوں کے داخلہ پر پابندی

دارالعلوم دیوبند کے ذمہ دار حضرات نے بعض مصالح کے پیش نظر تجویز کیا ہے کہ کم سن بچوں کے دارالعلوم میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی جائے۔

اس لئے کم عمر بچوں کے والدین سے درخواست کی جاتی ہے کہ بارہ سال کی عمر سے کم بچوں کو داخلے کے لئے دارالعلوم میں نہ بھیجیں۔

اس اعلان کے باوجود جو بچے دارالعلوم میں آئیں گے۔ ان کا داخلہ نہیں ہو سکے گا۔

ra aCHIDIPIR Telephone 323715 / 322027

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

دارالعلوم دیوبند کا [illegible] ماہنامہ

ماہنامہ

دارالعلوم

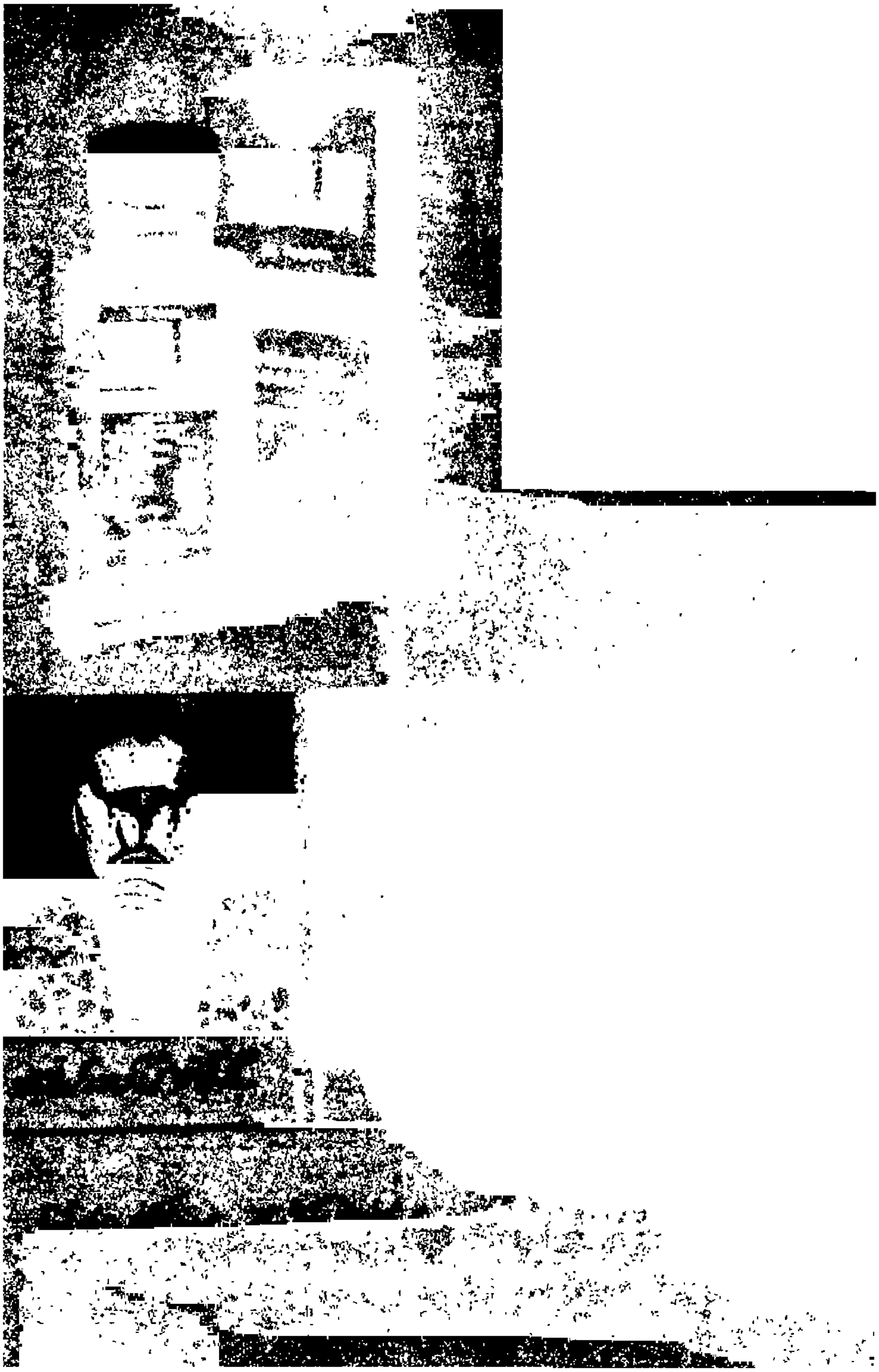
نگرانِ اعلیٰ

[illegible]

مدیر

[illegible]

سید احمد



جلد ۴۶ | شمارہ ۳

دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اور اصلاحی

ماہنامہ

دارالعلوم

دسمبر ۱۹۷۳ء | ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ قیصر

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دارالعلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے
ساڑھے نو روپے

ممالک غیر سے
سادہ ڈاک سے
۲۴ روپے

ممالک غیر سے
ہوائی ڈاک سے
۵۲ روپے

فی پرچہ
نوے ۹۰ پیسے

فہرست مضامین

دینی رسائل کو کچھ سہارا دیجئے

فلمی میگزینوں، جاسوسی ناولوں، اور ڈائجسٹ قسم کے رسالوں کی اشاعت دس پندرہ ہزار سے کم نہیں ہوتی اودھر ملک بھر میں شاید ہی کوئی مذہبی اور علمی رسالہ ایسا ہو جس کی خریداری دو ڈھائی ہزار سے آگے بڑھی ہو، دارالعلوم اپنے ملک میں اپنا سب سے بڑا حلقۂ اثر رکھتا ہے، رسالے پر اعتراض کرنے والے ہزار، مگر اس کی اشاعت کی کوشش، کرنے والے چند بھی نہیں، ۲۸ سال سے خاکسار رسالہ کے ساتھ لگاتار محنت کر رہا ہے اب صحت بھی زائد محنت کی متحمل نہیں اور ہمت بھی ٹوٹ سی گئی ہے۔ فضلاء دارالعلوم اور دینی جذبہ رکھنے والے حضرات خاص طور پر توجہ کریں اور رسالہ کا حلقۂ اشاعت بڑھائیں

سید محمد ازہر

○ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپ کا چندہ ختم ہوگیا ہے۔ ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ بھیجدیں۔ وی۔ پی کا انتظار نہ کریں۔ اسلئے کہ وی پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دس سالہ مدنی زندگی میں چھوٹی بڑی ۲۷ لڑائیاں لڑنی پڑیں، مٹھی بھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے، انہوں نے اسلام کی خاطر دنیا کی ساری مصیبتیں برداشت کیں، مگر کسی آن اسلام پر آنچ آنے نہیں دی، اسلام کی خوب اشاعت ہوئی، بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا، اور اسلام کا ننھا سا پودا عہد صحابہ میں ایک تناور درخت بن گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے اس کے خلاف بڑی سازشیں کیں، اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے میں کوئی کسر نہیں رکھی، مگر اس کے باوجود اسلام پھیلتا اور بڑھتا ہی رہا، دنیا کے مختلف حصوں میں پہونچا، بلکہ نزدیک اور دور کوئی ایسی انسانی آبادی باقی نہیں جہاں اسلام کی آواز نہ پہونچی ہو، اور اس آواز نے انسانی زندگی میں انقلاب برپا نہیں کیا ہو۔

مگر ادھر یورپ نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی مسلسل جدوجہد کی اور اس کے لئے مختلف تدبیریں کیں، مسلمانوں میں انتشار پیدا کیا، انہیں آپس میں مختلف ناموں سے تقسیم کیا، چنانچہ سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں سے عالمی قیادت چھن گئی، اور یہ یورپ، امریکہ کے ہاتھوں میں چلی گئی، اور دوسری قوموں کی طرح مسلمان بھی دوسری بڑی طاقتوں کے محتاج ہو گئے، غیر اختیاری طور پر مسلمان احساس کمتری میں مبتلا ہونے لگے، دوسری طرف باہمی جنگ و جدال نے ان کی قوت و شوکت کا خاتمہ کر دیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قوموں کا عروج و زوال ایک قدرتی نظام ہے، عروج کے بعد زوال اور زوال کے بعد عروج کوئی اجنبی چیز نہیں ہے، یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا، مگر اس انقلاب زمانہ سے عبرت و بصیرت حاصل کرنا اور حالات زمانہ کے مطابق اپنی شیرازہ بندی اصل یہ بیداری کی علامت ہے، کسی قوم کا انقلاب زمانہ سے اثر پذیر نہ ہونا اور مسلسل غافل رہنا یہ یقیناً اس کے لئے خطرناک ہے۔

مسلمان جھنجھوڑے گئے، انہیں صبر آزما حالات سے گذرنا پڑا اور دشمنوں نے بلاشبہ ان کو مٹانے میں کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا بڑا حصہ سب کچھ کے باوجود مایوس نہیں ہوا۔ اس نے جم کر حالات کا مقابلہ کیا، اور مسلمانوں میں زندگی باقی رکھنے کی جدوجہد میں مشغول رہا، اور یہی وجہ ہے کہ دشمنوں کی ساری دسیسہ کاریوں اور عیاریوں کے باوجود مسلمان عالم میں زندہ ہیں اور زندہ رہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

ابھی پچھلے دنوں برطانیہ اور امریکہ کی سازش سے قلب عرب میں اسرائیلی حکومت وجود میں آئی، یہ دراصل انہی دونوں طاقتوں کا ناجائز بچہ ہے جس کی پرورش امریکہ کر رہا ہے، ایک طرف تو ان طاقتوں نے اسرائیل کو جنم دیا، دوسری طرف عرب ممالک کو ٹکڑوں میں بانٹ کر انہیں کمزور کیا، پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی ریشہ دوانیوں سے انہیں آپس میں دست و گریباں رکھا، معاشی اعتبار سے انہیں اپنا محتاج بنائے رکھا، قدرت نے عرب پر دولت کے خزانوں کے منہ کھول دیئے، مگر بجائے اس کے کہ وہ اس کا صحیح استعمال کرتے بڑی طاقتوں کی تھپکیوں سے تعیش میں مبتلا ہو گئے، ترقی کے اس دور میں یہ ممالک ہر طرح کے کارخانوں سے محروم ہیں، پورے عرب میں نئی ترقی کے کسی قسم کے مل، کارخانے نظر نہیں آتے ہیں، یہ ساری چیزیں غیر ملکوں سے خریدتے ہیں۔

ادھر مصر کے شعور میں جب بیداری کے آثار پیدا ہونے لگے، اسلام اور مسلمانوں کی دشمن طاقتوں نے اسے گوارا نہیں کیا اور اس پر مسلسل حملے کرتے کراتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں دفعتاً اسرائیل سے حملہ کرا کے اس کا بڑا علاقہ چھنوا لیا، بلکہ مصر کے ساتھ شام اور اردن بھی وہ حصہ قبضہ میں لے لیا جو فوجی اہمیت رکھتا تھا، یہ سب آناً فاناً چند دنوں میں ہو گیا، اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جمال عبدالناصر ان بڑی طاقتوں نے دھوکہ میں رکھا اور تاکید کی کہ تم اسرائیل پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

سلامتی کونسل تجویز پاس کرتی رہی اور امریکہ و اسرائیل اسے ہضم کرتے رہے، بعض بڑی طاقتیں دکھاوے یا دھوکہ دینے کے لئے عرب ممالک کی طرف دار بن گئیں، مگر ان کی نیت بھی پاک و صاف نہیں، وہ دل سے ہرگز نہیں چاہتی ہیں کہ عرب ابھریں، یا یہ متحد ہو کر زندگی بسر کریں، ان کا منشا دراصل یہ ہے کہ عرب ممالک میں اسلام اجنبی بن جائے اور کمیونزم پھیل جائے، تاکہ مسلمان دین کی دولت سے محروم ہو جائیں، جو طاقت کا پاور ہاؤس ہے، چنانچہ ایسا ہوا بھی، نوجوان عرب کا ایک بڑا طبقہ اسلام سے بیزار ہوتا گیا اور اس کا ایمان، نسل، وطن اور کمیونزم پر ہوتا گیا، اور اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہوئی کہ عرب نوجوانوں نے اسی الحاد کو اپنی ترقی کا ضامن مانا اور پوری قوت سے اس کا پروپیگنڈہ کیا، حد یہ ہے کہ عرب کے بہت سے ملکوں میں مذہبی آدمیوں کو برداشت نہیں کیا جاتا، بلکہ بری طرح انہیں ستایا جاتا ہے، اور وہ ساری اذیتیں اسے پہونچائی گئیں جن کا اس دور میں کوئی مہذب ملک تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مگر چند سال سے شاہ فیصل مرحوم اور شاہ فیصل جیسے دور اندیش مسلمان حکمرانوں کی بدولت عرب ممالک میں زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے ہیں، اور ان کے آپس کے اختلافات بھی کم ہونے شروع ہوئے ہیں، یہ ایک اچھی علامت ہے اللہ تعالیٰ اسے نظر بد سے بچائے، چنانچہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۳ء کو جب اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا تو دنیا یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ عرب ممالک میدان میں اتر آئے، اور اسرائیل پر ٹوٹ پڑے، اور اسلامی حمیت و قوت سے بہادروں کی طرح میدان کارزار گرم کیا اور ۱۹۶۷ء کی شکست عرب کے متعلق دنیا نے جو غلط نظریہ قائم کر لیا تھا وہ فاسد قرار پایا اور دنیا ان کی بہادری کی قائل ہو گئی۔

دو ہفتے پورے اس جنگ پر گذر چکے ہیں مگر عرب برابر آگے بڑھتے جا رہے ہیں، مگر عربوں کا یہ اتحاد اور ان کی یہ بیداری بڑی طاقتیں کہاں برداشت کر سکتی تھیں، اخبارات سے معلوم ہوتا ہے بڑی طاقتوں نے عرب کے خلاف سازشیں شروع کر دی ہیں بلکہ کھل کر عرب کا مخالف اور دشمن ہے اور وہ اربوں ڈالر روپے، بے انتہا سامان جنگ اور ہزاروں فوجیوں سے اسرائیل کی مدد کر رہا ہے اور دوسری بڑی طاقتیں در پردہ عرب کی حوصلہ شکنی کی جدوجہد میں شریک ہو چکی ہیں، کل کیا ہو گا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، یہ طے ہے کہ عرب سامان جنگ کے سلسلہ میں قطعاً خود کفیل نہیں ہیں، بلکہ ان کے پاس سارا سامان دوسرے ملکوں سے خریدا ہوا ہے، اپنے ان سامان جنگ کا کوئی بھی کارخانہ نہیں ہے، اور یہ دنیا جانتی ہے کہ آج لڑائی میں آدمیوں سے زیادہ قیمت سامان جنگ اور نئے اسلحوں کی ہے۔

روئے زمین پر اس وقت کوئی مسلمان حکومت ایسی ہرگز نہیں ہے جو عرب کی سامان جنگ اور نئے ہتھیاروں سے مدد کر سکے بات بیشک ہیں، مگر سامان جنگ کے سلسلے میں وہ محتاج محض ہیں، کہا جاتا ہے کہ روس عرب کے ساتھ ہے۔ مگر دل نہیں مانتا کہ وہ ساتھ دیگا، اس کا احساس غالباً خود عرب کو بھی ہے، اور دوسری مسلمان حکومتوں کو بھی،

جب یہ تحریر آپ کے سامنے آئے گی اس وقت جنگ ختم ہو چکی ہو گی اور اس کے نتائج بھی سامنے آ چکے ہوں گے، قبل از

وقت کچھ کہا نہیں جاسکتا، عرب کے ساتھ کروڑوں کمزور مسلمانوں کی دعائیں ہیں اور ان عرب فوجیوں کے دینی جذبات جو اس رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ رکھ کر میدان جنگ میں داد شجاعت دے رہے ہیں اور اس جذبہ کے ساتھ کہ اگر ہم شہید ہوں تو روزہ کی حالت میں، اس اخلاص سے توقع ہے اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے ہمکنار کریگا۔

نتیجہ کچھ بھی ہو اس جنگ سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ مسلمانوں میں متحد ہونے اور متحد ہو کر مقابلہ کی بے پناہ طاقت ہے اگر بڑی طاقتیں اپنے ناپاک جادو سے انہیں نہ سلائیں تو یہ بیدار رہیں، اور جانباز بھی، موت و حیات کی کش مکش سے آنکھیں لڑانے کی ان میں بے پناہ جرأت ہے۔

اپنا اندازہ ہے کہ اس جنگ اور اس کے نتائج سے ساری دنیا کے مسلمان چونک اٹھیں گے اور اپنے مستقبل کی فکر میں لگ جائیں گے، وہ سوچنے پر مجبور ہونگے کہ موجودہ دور میں جینے کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے، اور عزت و وقار کیسے حاصل ہوتا ہے، یہ بھی اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ بڑی طاقتیں اسلام کی کیسی مخالف ہیں اور مسلمانوں کو کس طرح دبا کر رکھنا چاہتی ہیں، خود عرب پر بھی سارا راز منکشف ہوجائے گا۔

عرب کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے برطانیہ برباد ہو چکا ہے، اسلام دشمنی کے نتائج اس کے سامنے آچکے ہیں گو اس نے اس سے عبرت نہیں لی ہے مگر تاریخ جانتی ہے کہ برطانیہ کا زوال کیونکر ہوا، اب امریکہ اسلام دشمنی اور عرب مخالفت پر بضد ہے۔ دیکھئے قدرت اس سے کیسے انتقام لیتی ہے۔

یہ طے ہے کہ جو طاقتیں آج بڑی کہی جاتی ہیں، یہ ضروری ہرگز نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ بڑی رہیں، انہیں دیر سویر گھٹنا ہے اور وہ دن دیکھنا ہے جو برطانیہ کا ہوا،

اس جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ آج لڑائی ہتھیاروں کی ہے، نئے نئے سامانِ جنگ کی ہے، اکثریت و اقلیت کوئی چیز نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دولت کا بڑا حصہ مہلک ہتھیاروں کی ایجاد اور تیاری پر خرچ ہو رہا ہے، صرف مسلمان ہی ایسی قوم ہے جو اب تک اس طرف سے غافل ہے، حالات پر یقیناً اس کی نظر ہے، مگر عمل کے میدان میں کوتاہ واقع ہوئی ہے، لیکن اپنا یقین ہے کہ اب مسلمان ممالک بھی اپنی توجہ نئے سامانِ جنگ کی تیاری پر دیں گے اور نئے نئے کارخانے کھولیں گے۔

اخیر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس خیر الامم کو زندگی اور زندگی کی آب و تاب عطا فرمائے۔

(ظفیر صدیقی)

دارالکفر میں مسلمان

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

دارالکفر میں مسلمانوں کی سکونت اور وطنیت کے مسئلہ پر حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دامت برکاتہم نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اس مسئلہ کا تشفی بخش جواب ہے، البتہ ایک پہلو دوسرا بھی ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے رہنا ضروری ہے

قرآن اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی زندگی کا اصلی مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے.

(۱) کنتم خیر امة اخرجت للناس الخ

(۲) من رأى منكم منكراً الخ

مسلمانو! تم بہترین جماعت بنائے گئے ہو تمہیں عام انسانوں کی بھلائی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے، تم معروف کی اشاعت اور منکر کی روک تھام کروگے

حضورؐ نے اس آیت پاک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

مسلمانو! تم میں سے جو شخص کسی منکر و برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ کی طاقت سے مٹا دے اگر اس کی استطاعت رکھتا ہو، ورنہ زبان سے اس کی مذمت کرے، یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے.

اس آیت و حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اصل سوال یہ نہیں کہ وہ دارالاسلام میں سکونت اختیار کرے یا دارالحرب میں قیام کرے، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ وہ جہاں بھی رہے اپنی زندگی کے مقصد کو ساتھ لے کر رہے۔

دارالاسلام میں رہ کر ایک مسلمان دعوت حق کے فرض سے غافل رہتا ہے تو وہ مجرمانہ زندگی کے ساتھ رہتا ہے اور دارالکفر میں رہ کر وہ اپنے فرض کو اپنی طاقت و وسائل کی حد تک پورا کرتا ہے تو اس کی زندگی سعادت و فلاح کی زندگی ہوتی ہے

اسلام نے ہر مسلمان کو اس کا مکلف نہیں قرار دیا کہ وہ ایسی جگہ رہے جہاں اسے تقویٰ اور طہارت اور انفرادی و اجتماعی ہر شعبہ میں اعلیٰ درجہ کی اسلامی زندگی بسر کرنے کے لئے تمام سہولتیں اور آسانیاں مہیا ہوں،

ایک تبلیغی اور دعوتی مذہب اپنے ماننے والوں کو ایسی

عہ یہ مسئلہ مولانا موصوف کی اس تحریر سے آخری طور پر طے نہیں پاتا ضرورت ہے کہ اہل علم حضرات اس کے مختلف گوشوں پر علمی بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالیں مولانا اخلاق حسین صاحب کے اس مضمون کو اس بحث کا ابتدائیہ سمجھنا چاہیئے (ایڈیٹر)

ہدایت نہیں دے سکتا تھا، اسلام تو ہر مسلمان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ دنیا کے کسی گوشہ کو توحید الٰہی اور خاتم المرسلین ؐ کی قیادت ونبوت کی برکتوں سے محروم نہ رکھے اور ایک عالمی جماعت کے طور پر عالم کے ہر کونہ میں پہنچ جائے، اور کسی منزل پر کسی حالت میں اور کسی وقت اس بات کو نہ بھولے کہ وہ اپنے ماحول میں پھیلی ہوئی برائیوں، شرک وکفر، اور ظلم وجور کو دور کرنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔

اسی لئے اسلام کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیکی کا درجہ [illegible] کے ہاں اس نیکی وسعادت کی مقدار کے مطابق مقرر نہیں ہوتا بلکہ اس بات سے مقرر ہوتا ہے کہ نیکی وسعادت کا وہ کام نفس، شیطان اور باطل کی کس قدر رکاوٹوں اور سختیوں کے باوجود کیا گیا ہے،

ماحول جس قدر تنگ وتاریک اور صبر آزما ہوگا، اسمیں بھلائی کرنے، ایمان پر قائم رہنے کا درجہ اسی قدر بلند ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اسلام اور نیکی کے لئے دارالکفر کا ماحول تنگ وتاریک اور دارالاسلام کا ماحول کشادہ اور سازگار ہوگا۔

ایک حدیث صحیح میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

" ایک دور آئے گا جس میں دین کے صرف دسویں حصہ پر عمل کرنے سے نجات ہو جائے گی، یہ کفر وباطل کے عروج وغلبہ کے دور کی طرف اشارہ ہے "

یہ اس مسئلہ کا مثبت پہلو ہے، منفی پہلو سے غور کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دارالکفر اور لادینی اسٹیٹ میں رہ کر اپنے منصبی فرض سے غافل رہتا ہے، منکر اور برائی کو مٹانے اور دور کرنے کی عملی زبانی اور قلبی جدوجہد کو بھی چھوڑ بیٹھتا ہے بلکہ اور آگے بڑھ کر اخلاقی منکرات یا معاشی وسیاسی منکرات کو پسند کرنے لگتا ہے تو ایسے مسلمان کے ایمان و اسلام کا خدا ہی حافظ ہے

دارالکفر کی تنگیوں اور ناسازگاریوں کی آڑ لے کر کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ ایمان واسلام کی ہدایات کو نظر انداز کرکے کفر وباطل کے ہاتھ میں طاقت دیکھ کر اقتدار کی ہوس میں مبتلا ہوجائے یا کفر کی قوت سے خوف زدہ ہوجائے۔

دنیا کے کسی گوشہ میں اگر کوئی دارالاسلام ایسا نہ ہو جو دارالکفر کے مسلمانوں کو اپنے اندر جگہ دے سکے اور دارالکفر مسلمان دارالکفر میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے تب بھی یہ صورت حال اسکی اجازت نہیں دے سکتی کہ ایک مسلمان دارالکفر میں مذہبی اور سیاسی منکرات کو نظر انداز کرنے یا انہیں پسند کرنے کی زندگی اپنائے۔

دارالکفر کی زندگی کا یہی وہ شدید ابتلا ہے جس میں کامیاب ہو کر ایک معمولی مسلمان بڑے سے بڑا مقام پالیتا ہے اور جس میں ناکامی بڑے سے بڑے مسلمان کو قعر مذلت میں دھکیل دیتی ہے۔

قرآن کریم نے کہا۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار	مسلمانو! ظالموں کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہونا ورنہ تمہیں آگ پکڑ لے گی۔ (سورہ ہود)

ظلم سے مراد سیاسی تشدد ہو یا اعتقادی شرک، ہر صورت میں اس کی طرف میلان جھکاؤ، طرف داری، عذاب جہنم کی طرف اقدام کے برابر ہے۔

اسی ابتلاء سے بچنے کے لئے صوفیاء کرام اور علماء حق نے مسلمان حکمرانوں تک کی مصاحبت سے دور رہنے کی تاکید کی ہے کہ کہیں اصحاب اقتدار کی دوستی سے متاثر ہو کر ان کے غلط کاموں میں ان کی حمایت کا میلان پیدا ہونے لگے،

پھر اسی کے ساتھ دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب استقامت سیاسی حکمرانوں اور سلاطین کے پاس آتا جاتا ہے یا ایسی مجلس میں شرکت کرتا ہے اور ہر غلط بات پر کلمہ حق کا اظہار کرتا ہے تو اسے افضل ترین جہاد فی سبیل اللہ کا مقام ملتا ہے

اسی کے ساتھ اسے بھی پیش نظر رکھئے کہ کفر و باطل کے درمیان رہنے کے خطرات سے بھاگ کر سلامتی اور حفاظت کے مقامات تلاش کرنا بھی اسلام میں فرار، بھاگنے، اور فرض منصبی سے جی چرانے کے برابر قرار دیا گیا ہے، سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"جو مسلمان عوام میں رہ کر ان کی سختیوں اور شدتوں کو برداشت کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو عوامی حالات کی سختیوں سے گھبرا کر عوام سے دور رہنے لگتا ہے۔

(ترمذی کتاب الزہد ص۱۴۲)[لہ]

اب دوسرا سوال لادینی اقتدار میں براہ راست شریک ہونے کا ہے۔

لادینی اقتدار کی کتنی ہی خوبصورت تشریح کی جائے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لادینی حکومت کے اعمال پر اکثریت رکھنے والی قوم کا اثر غالب ہوتا ہے۔

لیکن اکثریت کے عملی غلبہ سے ڈر کر کسی اقلیت کا کاروبار حکومت سے کنارہ کش رہنا بہت سی مضرتوں کا حامل ہوتا ہے کنارہ کشی اقلیت میں احساس غلامی پیدا کرتی ہے، کنارہ کشی اور تماشائی حیثیت اقلیت کو مشکوک و بے وزن بنا دیتی ہے کہ اس لئے لادینی اسٹیٹ سے عملی تعاون ان مضرتوں کو دفع کرنے کے لئے ایک دینی مصلحت بن جاتی ہے۔ ہاں! یہ شرکت پہلے ابتلاء سے زیادہ شدید ابتلاء ہے اور اس ابتلاء میں مضبوط سیرت کے مسلمان ہی کامیابی کے ساتھ اپنا مذہبی ملّی اور ملکی فرض ادا کر سکتے ہیں۔

غیر اسلامی سیاسی ادارہ میں شرکت کے لئے مدینہ منورہ کے مشترک معاہدہ کو دلیل کے لئے کافی قرار دیا جاتا ہے مگر اس اہم نکتہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مدینہ منورہ کے معاہدہ میں مسلم اور غیر مسلم فریق برابر اور یکساں حیثیت کے فریق نہیں ہیں بلکہ سرور عالم ﷺ کی حیثیت ایک فریق موثر اور فریق غالب کی ہے، کیونکہ اس میں یہ دفعہ موجود ہے کہ اختلاف و نزاع کے وقت خدا اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائیگا

یہاں سوال ایک ایسے سیاسی اقتدار میں شرکت کا ہے جہاں غیر مسلم اکثریت غالب اور مؤثر رول رکھتی ہے اس کے لئے ہمارے پاس ایک ہی معقول دلیل رہ جاتی ہے اور وہ ہے قانون اسلامی کا مشہور اصول

"اھون البلیتین" یعنی دو مشکل راستوں میں سے ایک کم مشکل راہ کو اختیار کیا جائے۔

اور یہ دلیل ایسی ہے جسے اسلام جیسا عملی مذہب زندگی کے عام مسائل میں استعمال کرتا ہے اور اس سے ہدایت حاصل کرتا ہے۔

اور یہ دلیل اتنی وزنی ہے کہ آزاد ہندوستان کے سیکولر اقتدار کے ساتھ عملی تعاون کو جو اہل علم شروع میں طاغوت کی خدمت کہتے تھے اور اس سے علیحدگی کو مذہبی حکم قرار دیتے تھے ان حضرات کو بھی اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑا۔

اس سلسلہ میں ہمارے سامنے ایک عظیم کردار ہے جسے ہم بطور نمونہ علماء کرام اور عام مسلمانوں کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔

وہ کردار ہے حضرت مولانا حفظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا

مولانا مرحوم آزادی وطن کے ایک عظیم مجاہد تھے آپ کی پشت پر قربانیوں کی ایک تاریخ تھی آپ نے سیکولر ہندوستان کی حکومت میں پارلیامنٹ کے رکن کی حیثیت سے شرکت کی اور اس شرکت کو صرف ملک و ملت اور مسلمانوں اور ہندوستانیوں کی خدمت کے لئے استعمال کیا۔

مرحوم نے پارلیامنٹ کے اندر کلمۂ حق بلند کرنے کی مثال قائم کی، جب کبھی کوئی مسئلہ مسلم حقوق کی حفاظت کا آیا آپ نے کبھی اپنی زبان پر تالا نہیں ڈالا۔ اظہار حق کے معاملہ میں کبھی پارٹی ڈسپلن کو اپنے راستہ میں آڑے نہیں آنے دیا۔

مسلمانوں کے حقوق کی آواز اٹھانے کے لئے مسلم کنونشن

لہ اس حدیث سے مذکورہ بالا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا

کا فیصلہ کیا اور باوجود دیگر کردہ لیڈروں کی ناپسندیدگی کے وہ کنونشن منعقد کیا اور مسلمانوں کے لئے آواز اٹھائی اور انکے اجتماعی شعور کو بیدار کیا۔

کبھی کسی سرکاری وفد میں ہندوستان سے باہر جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے، صرف اس لئے کہ اگر باہر کے لوگ ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں سوال کریں گے تو میں کیا جواب دونگا۔

اپنی سرکاری حیثیت کو صرف مزدور تمندوں اور مظلوموں کی امداد کے لئے استعمال کیا، اس حیثیت سے اپنی ذات کو، اپنی اولاد کو اور اپنے دوستوں کو کوئی فائدہ نہ پہونچایا۔

سرکاری لوگوں کے پاس جب گئے تو کسی نہ کسی ملی مسئلہ اور مسلمانوں کی ضرورت کے لئے گئے اپنی ذات کو اعزاز پہنچانے کے لئے کبھی ان حکمرانوں کے چکر نہ کاٹے۔

پارلیامنٹ کے اندر ہمیشہ الیکشن لڑکر آئے، تاکہ کسی قسم کی احسان مندی کا جذبہ کلمہ حق بلند کرنے سے باز نہ رکھے۔

آخری اور تیسرے الیکشن میں شدید علالت کا دور تھا، مولانا سے کہا گیا کہ آپ الیکشن نہ لڑیں، الیکشن کے بغیر آپ کو ایم پی بنا دیا جائیگا مگر مرحوم کی غیرت حق نے اسے قبول نہ کیا۔

اس مضبوط سیرت و کردار کے ساتھ اگر کوئی مسلمان سیکولر اور لادینی حکومت میں شریک ہوتا ہے تو فتویٰ اور تقویٰ دونوں کی رو سے اس کی شرکت نہ صرف جائز بلکہ موجب اجر و ثواب ہونی چاہئے،

ورنہ نہیں، ______

شریعت حقہ کا مزاج ایسا ہی معلوم ہوتا ہے!

صفحہ ۱۶ کا بقیہ

تعلیمات قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کا مرقع

انگاروں پر بکھری ہوئی ہونگی اور وہ ان کو اسی طرح گھسیٹے ہونگے جیسے خراس کا گدھا خراس کو۔

(ص۴۶۳ بخاری و ص۲۸۲ و ص۱۰۵ بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روحانی سیر میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کو چت لٹا دیا گیا ہے۔ اس کے سر پر ایک بہت بڑا پتھر مارا جاتا ہے جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھک جاتا ہے۔ مارنے والا پتھر اٹھانے جاتا ہے اتنی دیر میں اس کا سر درست ہو جاتا ہے وہ دوبارہ پتھر مارتا ہے اور پھر ایسا ہی ہوتا ہے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جس کو خدا نے قرآن پاک کی دولت عطا فرمائی تھی مگر وہ عمل سے غافل رہا (ص۱۸۵ و ص۲۸۰ بخاری)

تم میں بہتر وہ ہیں جنھوں نے قرآن شریف پڑھا اور پڑھایا اور خداوند عالم جس کے لئے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ (بصیرت) عطا فرما دیتا ہے۔ ص۱۳۹ بخاری

میری طرف سے احکام پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو اور جو شخص میرے اوپر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے

(ص۴۹۱ و ص۹۱۵ و ص۱۷۲ بخاری شریف)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم اگر خداوند عالم تمہارے ذریعہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت فرما دے تو یہ خدمت تمہارے لئے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بہتر ہوگی۔

(ص۴۲۶ بخاری شریف)

تعلیمات قرآن مجید اور

احادیث مقدسہ کا مرقع

مرتبہ: حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

ذات باری تعالےٰ

اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ہر مسلمان کو عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا، نہ اس کے کوئی ہم جنس ہے نہ کوئی رشتہ دار، جگہ، مکان، شکل و صورت، زمانہ، جسم، مادہ کنارہ، آنکھ، کان، ناک، زبان، ہاتھ، پیر، نر، مادہ مؤنث مرد، حصہ، ٹکڑا جیسے تمام مادی عوارض سے پاک ہے کیونکہ اس نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا، وہ اُن کا خالق ہے، اُن کا محتاج نہیں۔ وہ ہر ایک احتیاج سے پاک اور بے نیاز ہے، حرکت کرنا، چلنا پھرنا، کھانا، بیٹھنا، اٹھنا، تھکنا، سونا وغیرہ تمام مادی جھگڑوں سے اور ہر قسم کی تبدیلی سے بالاتر، عرش پر بیٹھا ہے، نہ کرسی میں سما سکتا ہے۔ یہ سب اس کے نام کی چیزیں ہیں۔ بیت اللہ اس کی عظمت کا تجلی گاہ ہے۔

باری تعالیٰ کی صفات

وہ زندہ ہے، زندگی اصل اس کی ہی ہے، اختیار، ارادہ قدرت، علم، حکمت، سچائی اور کلام اس کی زندگی کے ساتھ ہمیشہ سے ہیں، پیدا کرنا، ہر مشکل کو آسان کرنا، رزق دینا وغیرہ صرف اس ہی کا کام ہے۔ سننا، خبر رکھنا، دیکھنا بھی اسی کی صفات ہیں مگر چونکہ وہ محتاج نہیں، ناقص نہیں اس وجہ سے آنکھ کان وغیرہ کسی آلہ کی بھی اس کو حاجت نہیں

لیس کمثلہ شئی وھو السمیع العلیم
لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار
وھو اللطیف الخبیر۔

شان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

قرآن حکیم (۱) بیشک آیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور۔ (پ ۶ ع ۳ سورہ مائدہ)

(۲) آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخر میں آنے والے ہیں۔ اللہ کو ہر چیز خوب طرح معلوم ہے۔ (پ ۲۲ ع ۵ سورہ احزاب)

(۳) اور آپ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کے جہان کے لوگوں پر۔ (پ ۱۷ ع ۷ سورہ انبیاء)

(۴) اے نبی ہم نے تم کو بھیجا بتانے والا اور خوشخبری سنانے والا۔ اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ۔ (پ ۲۲ ع ۲ سورہ احزاب)

(۵) آیا تمہارے پاس رسول تم میں کا۔ بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے۔ حریص ہے تمہاری بھلائی پر ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے (پ ۱۱ ع ۱۶ سورۂ توبہ)

(۶) نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں۔

(پ ۲۱ ع ۱ سورۂ احزاب)

(۷) تم لوگوں کے لئے مفید ہے سیکھنی رسول اللہ کی چال یعنی ایسے شخص کے لئے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا (پ ۲۱ ع ۲ سورۂ احزاب)

(یعنی عوام کے لئے تو مفید ہے ہی خصوصیت سے اولیاء اللہ کو بھی آپ کے قدم بقدم چلنا ضرور ہے)

(۸) جو کچھ آپ فرماتے ہیں منجانب اللہ ہے اپنی خواہش کی کوئی بات نہیں ہوتی (پ ۲۷ ع ۱ سورۂ نجم)

(۹) حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے اور ضائع مت کرو اپنے کئے ہوئے کام (پ ۲۶ ع ۴ سورۂ محمد)

(یعنی جہاد یا کوئی اور عبادت جب قبول ہے کہ موافق حکم ہو اپنے چاؤ پر کام نہ کرو)

(۱۰) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری راہ چلو، تاکہ خدا تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشدے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کو کافروں سے محبت نہیں (پ ۳ ع ۱۳ سورۂ آل عمران)

(۱۱) اور جس نے رسول اللہ کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا (پ ۵ ع ۱۱ سورۂ نساء)

(۱۲) جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا۔

(یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا (پ ۵ ع ۹ سورۂ نساء)

عقلی یا باہمی اختلاف اور فیصلوں پر حضور کا فیصلہ مقدم ہے

(۱۳) سو قسم ہے تیرے رب کی وہ ایماندار نہ ہونگے جب تک کہ تجھ ہی کو منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی آپ کے فیصلہ سے اور قبول کرلیں خوشی سے۔ (پ ۵ ع ۹ سورۂ نساء)

(۱۴) اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا (جبکہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام) کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی، سو وہ راہ بھولا صریح چوک (پ ۲۲ ع ۲)

(۱۵) ایمان والوں کی بات یہی ہے کہ جب بلایا جائے ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو ان میں تو کہیں کہ ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا ایسے لوگ فلاح پائیں گے (پ ۱۸ ع ۷ سورۂ نور)

(۱۶) اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اس رسول پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر (پ ۲۲ ع ۷ سورۂ احزاب)

حضور عالم کے لئے رحمت تھے حضور کی شفقت کے سامنے تمام امت اولاد کی طرح تھی جس کے مقدس باپ حضور تھے (شمائل ترمذی)

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین کی شفقت پدری سے کہیں زیادہ تھی۔ کلام الٰہی نے جب حضور کی بیویوں کو مسلمانوں کی ماؤں کا درجہ دیا تو حضور کی شفقت کا مرتبہ تو بیان کی حد سے خارج ہوگا اس کے لئے یہی کہا جا سکتا ہے۔

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم — یعنی مسلمانوں کو اپنی جان سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہے (سورہ احزاب)

اور لطف یہ ہے کہ یہ محض خوش آیند خیالات نہیں بلکہ واقعی
نت ہے چنانچہ روحانی لحاظ سے اگر آپ مقدس باپ تھے تو
رتھے تو مادی لحاظ سے بھی آپ کا تمام مال امت کے لئے تھا
انچہ ارشاد خداوندی ہے

(۷) اور جو کچھ دلا دیا اللہ نے اپنے رسول کو بستی کے
لوں سے سو (وہ) اللہ کا حق ہے اور رسول اور اُن کے قرابت
روں کا اور یتیم بچوں اور محتاجوں اور مسافروں کا تاکہ نہ بن
جائے دولت تمہارے تونگروں کے درمیان؛ اس کے بعد
س ہی رکوع میں مہاجرین انصار اور ان مسلمانوں کا حق بھی
رار دیا گیا جو بعد میں آنے والے ہیں۔ ملاحظہ ہو رکوع ۱ سورۂ
شر پ ۲۸

دوسری طرف ارشاد نبوی ہے مجھے مسلمانوں سے اُن کی
ن سے زیادہ تعلق ہے لہٰذا جو مسلمان مقروض مرے اور ادائیگی
اسامان نہ ہو یا چھوٹے بچے چھوڑ دے جن کا کوئی سرپرست
ہو تو قرض کی ادائیگی اور بچوں کی پرورش میرے ذمہ ہے اور
ں مسلمان نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے
(بخاری شریف ص ۹۹۶)

خیبر اور بنو نضیر وغیرہ کی فتح کے بعد اگرچہ آمدنی اتنی تھی
بڑے سے بڑے شاہی خاندان کو کافی ہو مگر اس کے باوجود شمار
ے زائد حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو عمر بھر ایسا
اتفاق نہیں ہوا کہ جو کی روٹی بھی دو دن متواتر سیر ہو کر تناول
ہ سکیں (صحاح) مہینوں چولہا ٹھنڈا پڑا رہتا۔ مکان دھوئیں
ے ناآشنا رہتا۔ آل محمدؐ کی خوراک صرف چند چھوارے ہوتے،

اتنی آمدنی کے بعد یہ فاقہ اور تہی دستی اس لئے تھی کہ آپ
تمام آمدنی آپ کی روحانی اولاد یعنی مسلمانوں کی انفرادی اور
اجتماعی ضرورتوں میں صرف ہوتی رہتی تھی (بخاری)

ان عبادت

یہ تھی کہ راتوں عبادت میں کھڑے رہتے حتی کہ پائے
مبارک ورم کر جاتے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ
آپ تو بخشے ہوئے ہیں پھر اس محنت کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا
کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں (بخاری شریف ص۷۱۶ وغیرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے
آپ سے محبت کرنا ایمانی فریضہ ہے۔ جب تک ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنی
جان سے بھی زیادہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو ایمان
پختہ نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، تمہارا ایمان اس
وقت تک کوئی چیز نہیں جب تک ماں باپ، بال بچوں (غرض)
سب سے زیادہ میں محبوب نہ بن جاؤں (مسلم ص۴۹)

اور محبت کا مطلب یہ ہے۔

اپنی چاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہ کے تابع ہو جائے
اپنی چاہ اور خواہش کچھ نہ ہو۔ جو کچھ سنت رسول اللہ ہو وہی دل
کی چاہ اور دل کی پسند بن جائے

ایک صحابی۔ یارسول اللہ میرے پاس بہت زیادہ نمازیں
نہیں، نہ صدقہ خیرات، صرف خدا اور رسول کی محبت ہی میری
پونجی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ تم قیامت میں اپنے محبوب کے
ساتھ ہو گے۔ (بخاری شریف ص۹۱۰)

ارشاد ہوا مجھے ایسا مت بڑھاؤ چڑھاؤ جیسا عیسائیوں
نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چڑھا دیا تھا (کہ خدا کی برابر کر دیا۔
اس کا بیٹا کہنے لگے) میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔ تم یہی کہو اللہ
کے بندے اور اس کے رسول

جانِ من فدائے محمد

یا ربِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً
علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّہم

(اس تمام مضمون میں مسلم بخاری کے علاوہ باقی
حدیثیں شمائل ترمذی سے ماخوذ ہیں) سیرت مقدسہ کے مفصل حالات
کے لئے ملاحظہ فرمائیے سیرۃ مبارکہ مصنفہ احقر

ایمان

راس الامر الاسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے تمام نبیوں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کا اور فرشتوں۔ جنت۔ دوزخ، قیامت، قیامت میں حساب و کتاب میزان، اور اچھی بری تقدیر کا دل و جان سے اقرار کرو اور دل سے مان جاؤ۔ اسلام یہ ہے کہ دلی عقیدہ کے ساتھ زبان سے کہو کہ میں سچائی سے تسلیم کرتا ہوں اور مانتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی پرستش اور عبادت کے قابل نہیں اور یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور باقاعدہ ٹھیک طور سے اطمینان و سکون اور جماعت کے ساتھ نمازیں ادا کرتے رہو روزے رکھو، زکوٰۃ اور حج اگر فرض ہوں تو ان کو ادا کرو

فرشتے

خدا کی مخلوق ہیں ان کی زندگی خداوندی احکام کی پوری فرمانبرداری ہے۔ خدا کا ذکر اُن کی غذا ہے۔ پیدائشی نورانی ہے تعداد کا اندازہ ناممکن۔

کتابیں

توریت حضرت موسیٰ پر، زبور حضرت داؤد پر، انجیل حضرت عیسیٰ پر اور قرآن حضور نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین) پر نازل ہوئیں اور چھوٹی چھوٹی کتابیں اور بہت سے انبیاء پر۔ نام اور تعداد معلوم نہیں اجمالی ایمان سب پر لازم ہے

عبادات

الصلوٰۃ نور　　نماز نور ہے

(مسلم ص ۱۱۸ ج ۱)

قرآن پاک

قائم رکھو نماز (نماز کو اس کی پوری شان یعنی جماعت و اذان وغیرہ کی پابندی کے ساتھ ادا کرو)

(سورۂ مزمل ۲۲ ج ۲۹)

جماعت

اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ　(سورۂ بقرہ ۵ ج ۱)

نماز ایک طاقت

اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے اور البتہ وہ بھاری ہے مگر ان ہی عاجزوں پر جن کو خیال ہے (دھیان رہتا ہے) کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے　(سورۂ بقرہ ۵ ج ۱)

متعلقین کو نماز کا عادی بناؤ

اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی قائم رہ اس پر ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی۔ ہم ہی روزی دیتے ہیں تجھ کو اور انجام بھلا ہے پرہیزگاری کا۔

(۱۶ ج ۸ سورۂ طٰہٰ)

نماز کی خاصیت

بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور بری بات سے اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی نعمت اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو　(ج ۲۱ ع ۵ سورۂ عنکبوت)

پھر خرابی ہے ان نمازیوں کو جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں (قضا کر دیتے ہیں یا بے وقت میں پڑھتے ہیں) وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں اور حق کے بخیلی اور خود غرضی

کی حالت میں ہے اگر تم ... اور دنیا برتنے کی چیز

(پ ۳۰ ع ۱۶ سورۂ ماعون)

اور تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو (یعنی نئی نئی نعمتیں اور عنایات تم پر ہوں) اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو۔

(پ ۲ ع ۱۸ ۲ سورۂ بقرہ)

احادیث

(نمازیں پڑھنے میں) پانچ ہیں (ثواب میں) پچاس

(ص۵ بخاری)

نماز پڑھنے والا اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے

(بخاری شریف ص۷۶ وغیرہ)

جب تک کوئی نماز کی جگہ میں رہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں کہ خداوندا اس کو بخش دے، اس پر رحم فرما جب تک وضو نہ توڑے۔ جب تک وہ نماز کی وجہ سے (مسجد میں) رکا رہے تو گویا وہ نماز ہی پڑھ رہا ہے۔

(بخاری شریف ص۹۰)

(سوال) اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کونسا عمل پسند ہے

(دربار نبوی کا جواب) ٹھیک وقت پر نماز

(ص۸۸۴ ص۱۱۲۳ بخاری شریف)

جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس گنا بڑھی ہوئی ہے

(بخاری شریف ص۷۹ و ۸۹ وغیرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا ارادہ ہوا کہ نمازیوں سے جماعت کے لئے کہہ دوں (کہ جماعت شروع کریں) اور پھر میں ان لوگوں کے گھروں پر جاؤں جو جماعت میں نہیں آتے اور آگ لگا دوں (بخاری ص۱۰۶۲ ص۱۰۶۲)

اپنی صفوں کو سیدھی کرو ورنہ خدا تمہارے اندر اختلاف پیدا کر دے گا۔ ص۱۰۰

جو شخص بھی نماز پڑھائے چاہیئے کہ اختصار سے کام لے کیونکہ جماعت میں بوڑھے اور کمزور بھی ہوتے ہیں، ضرورت مند بھی

(بخاری ص۱۰۶)

اختصار کی حد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر فرمائی کہ نماز صبح میں سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک کی سورتوں میں سے کوئی سورت ہر ایک رکعت میں پڑھے، ظہر، عصر اور عشاء میں سورہ بروج سے لے کر لم یکن تک مغرب میں سورۂ زلزلت سے والناس تک کی سورتوں میں سے کوئی سورت ہر رکعت میں پڑھے۔

(ترمذی شریف ص۴۲ ج ۱)

جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا آدھی رات کھڑا رہا اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی گویا تمام رات عبادت کرتا رہا (مسلم شریف ص۲۳۲ ج ۱)

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے) کہ حضورؐ کے زمانہ میں وہی شخص جماعت سے پیچھے رہ جاتا تھا جو خالص منافق ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ بیمار بھی دوسرے آدمیوں کے سہارے سے چل کر جماعت میں حاضر ہوتا تھا۔

(مسلم شریف ص۲۳۲ ج ۱)

روزہ

(بخاری شریف ص۲۵۵)

کلام مجید

مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن جو ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔ پس جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور ہے کہ روزے رکھے اس کے، اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیئے اور دنوں سے اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس لئے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو۔

(پ ۲ ع ۲۳ سورۂ بقرہ)

احادیث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ دار اپنا کھانا پینا اور اپنی خواہشات میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ صرف میرے لئے ہے میں ہی اس کی جزا دونگا (یعنی اس میں ریا کم چلتی ہے تو اس کا ثواب بھی عام قاعدہ سے بڑھا کر میں خود تجویز کرونگا جس کی کوئی حد مقرر نہیں اگرچہ عموماً) ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔

روزہ ڈھال ہے اور جب کوئی روزہ دار ہو تو نہ فحش بات کہے نہ شور و شغب لڑائی جھگڑا کرے۔ پس اگر کوئی اس کو گالی دے (لڑنے لگے) تو اس کو کہہ دینا چاہیئے کہ میں روزہ دار ہوں (میں لڑائی جھگڑے اور بیہودگی سے معذور ہوں۔)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو بھی اللہ کے یہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے۔ روزہ دار کے لئے دو فرحتیں ہیں جو اس کو حاصل ہونگی

(۱) جب افطار کرتا ہے تو فرحت پاتا ہے۔

(۲) اور جب اپنے خدا سے ملیگا تو اپنے روزے سے مسرور ہوگا (صـ۲۵۴ـ۲۵۵ بخاری شریف)

جو روزہ دار جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنے (یعنی برے عمل) کو نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کا کھانا پینا چھوڑنے کی بھی ضرورت نہیں (صـ۸۹۵ـ۲۵۵ بخاری شریف)

یعنی روزہ کی اصل ہے کھانا پینا چھوڑتے ہوئے تمام معاصی سے کنارہ کش ہونا۔ یہ نہیں تو روزہ اکارت

(از اربعین مولٰنا فخرالدین)

حضرت داؤد علیہ السلام کے روزہ سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں (یعنی نفل روزے) تیسرے دن رکھنا

(صـ۲۶۶ بخاری شریف)

جس نے ہر دن روزہ رکھا گویا اس کا روزہ ہی نہیں (بلکہ عادت ہے) (بخاری صـ۲۶۵)

زکوٰۃ

قرآن مبین

اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا، چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو اُن کو خوش خبری سنا دیجئے عذاب دردناک کی جس دن کہ آگ دہکائی جائے گی اس مال پر دوزخ کی پھر داغے جائیں گے اس سے اُن کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا

(پ۱۰ ع۶ سورۂ توبہ)

اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ بہت برا ہے ان کے حق میں، طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا ان کے گلے میں وہ مال کہ جس میں وہ بخل کرتے تھے قیامت کے دن اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا اور اللہ جو کرتے ہو سو جانتا ہے۔

(پ۴ ع۱۸ آل عمران)

اللہ وارث ہے۔ یعنی آخر تم مر جاؤ گے مال اُس کا ہی ہو رہے گا۔ تم اپنے ہاتھ سے دو، تا ثواب پاؤ۔

(فوائد حضرت شیخ الہند)

احادیث

اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی جو نصاب والوں سے لی جائے گی اور انہیں کے فقیروں پر خرچ کر دی جائے گی

(بخاری شریف صـ۱۹۲)

اللہ تعالیٰ کو قرض دو

تعلیم، اشاعت دین، قومی اور

ملی ضرورتوں کے مصارف۔
ادائے زکوٰۃ کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قرآن حکیم

اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا اور جو آگے بھیجو گے اپنے لئے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ، اور معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(سورہ مزمل ع ۲ ج ۲۹)

خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔ اور نہ ڈالو اپنے آپ کو ہلاکت میں (کہ قوم اور ملت کی ضرورتوں پر اپنا مال خرچ نہ کرو)

(سورہ بقرہ ع ۲۴ ج ۲)

ہاں دیکھو! تم کو بلایا جاتا ہے کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس بعض تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں (یاد رکھو) جو بخل کرتا ہے وہ بخل کرتا ہے خود اپنے سے (کیونکہ ملی اور قومی ضرورتیں خود آپ کی ضرورتیں ہیں۔ وہ پوری نہ ہونگی تو خود آپ کو نقصان پہنچے گا۔ قوم کی پستی یا بربادی خود تمہاری پستی یا بربادی ہے) اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں (بے نیاز ہے) اور تم ہی ہو محتاج (قومی اور ملی ضرورتیں خود تمہاری ضرورتیں ہیں اگر تم رُو گردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہونگے۔

(سورۂ محمد ج ۲۶، ع ۸)

حج

قرآن

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس کے گھر کا جو کوئی پا دے اس تک راہ اور جو کوئی منکر ہوا تو اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔ (اس کے حج نہ کرنے سے اسی کا نقصان پہنچے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں

(ج۴ ع ۱۰ سورہ آل عمران)

احادیث

(سوال) کونسا عمل سب سے افضل ہے؟
(حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ پر ایمان لانا، پھر راہِ خدا میں جہاد، پھر حج (صـ۷۲ ج ۱ مسلم شریف)

صدقہ

الصدقۃ برھان　　صدقہ صدق ایمان کی دلیل ہے
(مسلم شریف صـ۱۱۸ ج ۱)

نفلی صدقہ (خیرات)

اور جو کچھ تم مال خرچ کرو گے سو اپنے ہی واسطے، اور نہیں خرچ کرو گے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور جو کچھ خرچ کرو گے خیرات سو پوری ملے گی اور تم کو نقصان نہ دیا جائیگا

(ج ۳ ع ۳۰ سورۃ البقرہ)

جو کوئی نہ دے گا تو نہ دے گا آپ کو (یعنی جو کوئی بخل کرے گا سو بخل کرے گا اپنے آپ سے) اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔

(ج ۲۶ ع ۴ سورہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

ہرگز نہ حاصل کرو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو گے اپنی پیاری چیز سے کچھ اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو معلوم ہے۔

(ج۴ ع ۱۰ سورۂ آل عمران)

آداب صدقہ

اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر　(ج ۳ ع ۳۶ سورۂ بقرہ)

نرم جواب دینا اور درگذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا اور اللہ بے پرواہ ہے نہایت تحمل

والا ۔ (ج ۳ ع ۲۶ سورہ بقرہ)

احادیث

دوزخ سے بچو اگرچہ تم میں چھوارا یا چھوارے کا ٹکڑا دینے کی ہمت ہے تو چھوارے کا ٹکڑا خیرات کر کے چھوارے کا ٹکڑا بھی نہ ملے تو اچھی بات کہہ کر

(بخاری شریف صـ۱۹۰ صـ۸۹۰ وغیرہ)

یہ مال ہرا بھرا اور شیریں ہے اس مسلمان کا اچھا ساتھی ہے جو اس کو حق کے بموجب حاصل کر کے خدا کی راہ میں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کر دے اور جس شخص نے اس کو ناحق طریق پر حاصل کیا اس کی مثال اس کھانے والے کی طرح ہے جو کھاتا جاتا ہے اور پیٹ نہیں بھرتا اور قیامت کو یہ مال اس کے مخالف گواہ ہوجائیگا

(بخاری شریف صـ۳۹۸ وغیرہ)

یا رسول اللہ! کونسا صدقہ اجر میں سب سے بڑھا ہوا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس کو تم تندرستی کی حالت میں دو۔ جبکہ تم مال کے سخت محتاج ہو۔ فقر کا خوف ہو اور تونگری کی آرزو ہو اور امروز فردا پر مت رکھو۔ یہاں تک کہ جب حلق میں دم پہونچ جائے تو کہو فلاں کو اتنا فلاں کو اتنا حالانکہ وہ فلاں کا (وارثوں کا) ہوچکا

(بخاری شریف صـ۱۹۱)

اوپر کا ہاتھ (دینے والا) بہتر ہے نیچے کے ہاتھ (لینے والے) سے۔ اور اپنے عیال سے شروع کرو اور بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ کے بعد ہو (یعنی واجبی ضرورت پوری ہونے کے بعد)

اور جو شخص عفت کا طالب ہوگا خدا اسکو عفت عطا فرمائے گا (یعنی سوال سے بچائے گا) اور جو شخص مخلوق سے بے نیاز رہنے کی کوشش کریگا خدا اسکو اپنے فضل کے ذریعہ مخلوق سے بے نیاز کردے گا

(بخاری شریف صـ۱۹۲)

اے ابن آدم! جو مال ضرورت سے زائد ہو اس کا خرچ کرنا تیرے لئے بہتر ہے اور اس کا روکنا تیرے لئے برا۔ بقدر ضرورت پر کوئی ملامت نہیں۔ اپنے اہل وعیال سے شروع کر۔ اونچا ہاتھ بہتر ہے نچلے ہاتھ سے

(مسلم شریف صـ۳۳۲ ج ۱)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ ان کو غریبوں اور کمزوروں پر کچھ فضیلت حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا

تم کو ان کمزوروں ہی کے طفیل میں رزق اور فتح دی جاتی ہے۔

(صـ۴۰ وغیرہ بخاری)

تبلیغ اور تعلیم و تعلم

قرآن شریف

اور چاہیئے کہ تم میں رہے ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور وہی پہونچے اپنی مراد کو اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہونچ چکے ان کو حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے

(ج ۴ ع ۱۱ سورۂ آل عمران)

احادیث

جو لوگ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں خود عمل نہیں کرتے، قیامت کے روز اُن کی انتڑیاں دوزخ کے

باقی مضمون صـ۸ پر دیکھئے

سیرت کے چند پہلو

ایک تحقیقی نظر

مولوی ندیم الواجدی صاحب دیوبندی فاضل دیوبند

سیرت کیا ہے ؟

سیرت کے معنیٰ طریقے اور راستے کے ہیں، پھر اس استعمال لوگوں کے حالات کے لئے ہونے لگا، لیکن بعد ، اس کا اطلاق خاص طور سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ات زندگی پر ہوا [1]

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) نے سیرت ی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" آنچہ متعلق بوجود پیغمبر ما صلی اللہ علیہ وسلم وصحابۂ کرام وآل عظام است از ابتدائے تولد آنجناب تا غایت وفات آں را سیرت گویند [2] "

جو کچھ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ اور آل عظام کے مبارک وجود کے ساتھ متعلق ہو اور آنجناب کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات پر مشتمل ہو اسے سیرت کہتے ہیں۔

فقہاء اور محدثین کے یہاں لفظ سیرت مغازی اور جہاد کے معنوں میں مستعمل ہے، چنانچہ امام مسلم (۲۶۱ھ) کی جامع میں "کتاب السیر والجہاد" [3] اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری وغیرہ میں "کتاب المغازی والسیر" کے عنوانات موجود ہیں [4]۔

یہی استعمال فقہی کتابوں میں بھی موجود ہے [5] اسی وجہ سے ابن اسحاق (م ۱۵۰ھ) اور واقدی (م ۲۰۷ھ) کی کتب مغازی کو کتب سیر ہی کہتے ہیں اور غالباً اسی لئے اولین سیرت نگاروں نے سیرت پر جو کتابیں لکھیں ان میں غزوات ہی زیادہ ذکر کئے ہیں۔ لیکن بعد میں یہ فن غزوات کے ساتھ ہی خاص نہیں رہا بلکہ سیر میں غزوات کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی تفصیل سے لکھا جانے لگا۔ مثلاً ابن سعد (م ۲۳۰ھ) کی "الطبقات الکبریٰ" میں آنحضرتؐ کے دوسرے احوال بھی لکھے گئے ہیں۔

---

[1] البستانی دائرۃ المعارف (مصری) ج ۱۰ ص ۳۰۹ [2] شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) عجالۂ نافعہ ص ۱۴
[3] ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) مسلم شریف ج ۲ ص ۸۱ [4] حافظ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) فتح الباری ج ۵ ص ۲۱۷ [5] امام ابن الہمام حنفی (م ۸۶۱ھ) فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۴ ص ۲۸۶

حدیث اور سیرت کا فرق

محدثین اپنے فن میں ان تین چیزوں سے بحث کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ کیا کیا؟ اور آپ کے سامنے کیا کیا گیا؟ اسی کو قول، فعل اور تقریر کے اصطلاحی الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے [1]

ارباب سیر بھی اپنی کتابوں میں یہ تین چیزیں پیش کرتے ہیں[2] اس لحاظ سے دونوں فن حدیث اور سیرت اشتراک رکھتے ہیں، مگر ان دونوں فنون میں اس اشتراک کے باوجود بڑا فرق ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ محدثین کا مقصد احکام ومسائل کا علم اور ان کا بیان ہوتا ہے؛ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں التزامی موضوع نہیں ہے اس کے برخلاف اہل سیر ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتے ہیں احکام کی بحث ان کے یہاں ضمنی ہوتی ہے، سیرت کی کتابوں میں جسقدر تفصیل اور شرح وبسط کیساتھ واقعات ذکر کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ہی جنگ کا حال دونوں بیان کر رہے ہیں لیکن ایک کے یہاں ایجاز ہوگا دوسرے کے یہاں تفصیل، اہل سیر اس میں جنگ کے اسباب وعوامل، نتائج، اثرات، شرکار کی تعداد وغیرہ پر خاص طور سے روشنی ڈالیں گے جب کہ اہل حدیث کے یہاں یہ بات نہیں۔

حدیث اور سیرت میں یہ فرق بھی ہے کہ اس میں کمتر صحت سے کم روایات بھی اعتبار کے لائق ہوتی ہیں، حدیث میں اس کی گنجائش نہیں ہے، لیکن یہ صرف ان احادیث کے لئے ہے جن کا تعلق احکامات ومسائل سے ہوتا

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ علمار کا ایک اچھا خاصا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف سے کام لیا جاسکتا ہے جب کہ اس کا تعلق احکام وعقائد سے نہ ہو بلکہ فضائل، اعمال اور قصص وغیرہ سے ہو اس گروہ میں امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابوحنیفہؒ شافعیؒ، نوویؒ، اور ابن عتیبہ جیسے اصحاب رائے شامل ہیں [3]

حدیث وسیرت کے درمیان فرق صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ بعض واقعات میں ان دونوں فنون سے متعلق لوگوں کی آرار جدا گانہ ہوتی ہیں، اس فرق کو سمجھنے کے لئے ذیل میں کچھ واقعات درج کئے جارہے ہیں۔

غزوات میں غزوۂ ذات الرقاع مشہور غزوہ ہے اس کے بارے میں اکثر اہل سیر کی رائے یہ ہے کہ اس غزوہ کا وقوع جنگ خیبر اور غزوۂ خیبر سے قبل ہوا ہے [4] لیکن محدثین خیبر کے بعد وقوع کے قائل ہیں، چنانچہ امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے اپنی جامع میں تعلیقاً اس کی تصریح کی ہے

وهي بعد خيبر [5] اور غزوہ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہے

اسی طرح مسلم رہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضہ کی جو روایت غزوہ ذات الرقاع کے ذیل میں ذکر کی ہے اس سے بھی امام بخاریؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے [6] خود امام بخاری بھی اسی روایت سے استدلال کرتے ہیں، ابوموسیٰ اشعریؓ کی اس روایت میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں خود ابوموسیٰ اشعری شریک تھے اور سب جانتے ہیں کہ ابوموسیٰ

---

[1] علامہ شبیر احمد العثمانی (م ۱۳۶۹ھ) فتح الملہم ج ۱ ص ۱ [2] مولانا عبدالرؤف دانا پوری اصح السیر ج ۱ ص ۸

[3] فتح الملہم ج ۱ ص ۵۸ [4] مولانا شبلی (م ۱۳۳۲ھ) سیرۃ النبی ج ۱ ص ۸

[5] ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رہ (م ۲۵۶ھ) صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۹۲

[6] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۸۔

شعری رضؓ غزوۂ خیبر کے بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں اسکی تصریح امام بخاری رہ نے بھی فرمائی ہے [1] اگر ابوموسیٰ اشعری کی یہ روایت سامنے رکھی جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع غزوۂ خیبر سے پہلے ہوا ہے تو اس میں ابوموسیٰ اشعری کیسے شریک ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ امام بخاری رہ نے حضرت جابر رضؓ کی روایت بھی بیان فرمائی ہے جس میں صراحت ہے کہ اس غزوہ میں آپؐ نے صلوۃ خوف بھی ادا فرمائی تھی [2] اور مسند احمد بن حنبلؒ میں حضرت ابوعباس زرقی رضؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ صلوۃ خوف آپ نے پہلی مرتبہ غزوۂ عسفان میں پڑھی ہے [3] اور یہ ثابت ہے کہ غزوۂ عسفان، غزوۂ خندق اور غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے تو اس صورت میں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ غزوۂ ذات الرقاع غزوۂ خندق اور خیبر کے بعد ہوا ہے۔

اصحاب سیر و حدیث میں دمیاطی (م ۷۰۵ھ) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے انہوں نے سیرت کے موضوع پر ایک نہایت محققانہ تصنیف کی تھی۔ اس میں انہوں نے سیر کے اتفاق کو شیخین (بخاری و مسلم) کی روایات پر ترجیح دی تھی۔ غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر قسطلانی مولف "ارشاد الساری الی شرح البخاری" (م ۹۲۳ھ) اور عسقلانی مؤلف فتح الباری شرح البخاری (م ۸۵۲ھ) ان کا ذکر کیا ہے، خاص طور پر عسقلانی رہ نے دمیاطی کے اس نقطۂ نظر پر سخت تنقید کی ہے اور غزوۂ ذات الرقاع کے سلسلے میں دمیاطی نے جو بخاری اور دوسرے محدثین سے اختلاف کیا اسے باطل قرار دیا ہے [4]

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ زرقانیؒ نے شرح مواہب اللدنیہ میں دمیاطی سے یہ قول نقل کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اہل سیر کے اتفاق کو صحیحین کی روایات پر ترجیح دینے کی جو کوشش کی تھی وہ غلط تھی، زرقانی کے مطابق دمیاطی چاہتے تھے کہ وہ اپنی کتاب میں ترمیم کر دیں اور صحیحین کی روایات کو راجح سمجھیں مگر کتاب کے نسخے عام ہوچکے تھے اس لیے وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے [5]

اسی قسم کا اختلاف غزوۂ ذات قرد کے سلسلے میں بھی ہے اصحاب سیر کہتے ہیں کہ اس کا وقوع صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا [6] جب کہ محدثین صلح حدیبیہ کے بعد کے قائل ہیں [7] ان کا استدلال سلمہ ابن الاکوع کی اس طویل روایت سے ہے جو اُن کے بیٹے ایاس ابن سلمہ سے منقول ہے اور جس میں انہوں نے واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ غزوۂ ذی قرد کے وقت خیبر میں تین راتیں باقی تھیں [8]

حافظ ابن حجر نے اس موقع پر قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لا یختلف اهل السیر — اہل سیر کا اتفاق ہے کہ غزوۂ
ان غزوة ذی قرد — ذی قرد حدیبیہ سے پہلے
کانت قبل الحدیبیة — ہے۔

اور سلمہ ابن الاکوع کی حدیث کا جواب قرطبی نے یہ دیا ہے

فیکون ما وقع فی — حدیث سلمہ میں جو کچھ آیا ہے
حدیث سلمہ، من — وہ بعض راویوں کا وہم ہو سکتا
وهم بعض الرواة — ہے

لیکن اس جواب پر حافظ ابن حجر نے تنقید کرتے ہوئے

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۲ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۲ [3] امام احمد ابن حنبل الشیبانی (م ۲۴۱ھ) مسند احمد ج ۲ ص ۵۹ [4] فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۲ [5] علامہ عبدالباقی زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) شرح مواہب اللدنیہ للقسطلانی ج ۲ ص ۱۱ [6] علی بن برہان الدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون ج ۳ ص ۶ [7] فتح بخاری ج ۳ ص ۱۰۳ [8] جامع مسلم ج ۲ ص ۱۱۱

کہا ہے کہ سلمہ ابن الاکوع کی یہ روایت بالکل صحیح روایت ہے اس لئے اہل سیر کے مقابلہ میں راجح ہوگی۔ ؎۱

غزوۂ اوطاس کہاں واقع ہوا، اس سلسلہ میں بھی محدثین واہل سیر میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں غزوہ اوطاس کے موقع پر یہ تفصیل بیان کی ہے کہ بعض اہل سیر کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ اوطاس اس مقام پر ہوا جہاں غزوۂ حنین ہوا تھا لیکن حافظ نے اس رائے کو مرجوح قرار دیتے ہوئے محدث ابن اسحاق کا وہ بیان نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اوطاس وحنین کے الگ الگ مقامات بتلائے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین سے فراغت کے بعد فوجی صحابہ کی تین جماعتیں ترتیب دی تھیں ایک جماعت کو طائف روانہ فرمایا تھا، دوسری کی روانگی نخلہ کی طرف ہوئی تھی اور تیسری جماعت اوطاس بھیجی گئی تھی ؎۲ اوطاس جانے والے دستے کی کمان جیسا کہ بخاری میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے ابوعامر اشعریؓ فرما رہے تھے ؎۳

یہ چند واقعات بطور مثال ذکر کئے گئے ہیں، یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل سیر اور محدثین کے درمیان آخر یہ اختلاف پیدا کیوں ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، بات یہ ہے کہ جب ایک ہی واقعہ متعدد اشخاص ذکر کرتے ہیں تو کچھ نہ کچھ بیان میں یا واقعہ میں فرق ضرور پیدا ہوجاتا ہے، یہ چیز عام طور سے مشاہدے میں آتی رہتی ہے کہ بیان کرنے والوں کا تعدد خود نفس واقعہ میں اختلاف کا سبب بن جاتا ہے، حدیث میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اسی طرح چند راوی ایک روایت کرتے ہیں محدثین کو جن لوگوں سے روایت پہنچی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہی راوی اہل سیر سے بھی روایت کریں، ایک روایت کو چند راوی ذکر کرتے ہیں اور مختلف راویوں کی وجہ سے روایت میں کمی بیشی واقع ہوجاتی ہے، مقامات اور سنین کا فرق پیدا ہوجاتا ہے، اب یہ علماء کی ذمہ داری اور ان کے ذہن ودماغ کا کمال ہے کہ وہ مختلف ومتضاد روایات میں حتی الوسع مطابقت کی کوشش کریں یا صحیح وسقیم میں امتیاز پیدا کرکے ترجیح کا راستہ اختیار کریں، یا تاخیر وتقدیم کی تعیین کے بعد تنسیخ کی شکل، مختلف احادیث وروایات کے درمیان تطبیق کا کام فقہ وحدیث اور سیر کی کتابوں میں ضمناً ملتا ہے اور ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) نے تو اس سلسلے میں "تاویل مختلف الحدیث" کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ اردو میں ائمہ وفقہا کے درمیان اختلاف کے اسباب پر حضرت مولانا زکریا مدظلہم نے "اختلاف الائمہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو اگرچہ محققانہ یا حرف آخر نہیں ہے تاہم مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

اہل سیر اور محدثین کے درمیان اختلاف روایات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کسی ایک پر اعتبار کریں اور دوسری کو ضعیف قرار دیکر رد کردیں، یہ ٹھیک ہے کہ جو حدیث بخاریؒ ومسلمؒ کی شرطوں کے مطابق ہوگی وہ اہل سیر کے اتفاق کے باوجود راجح قرار دی جائے گی اور اصح احادیث میں شمار ہوگی اس کے مقابلے میں دیگر روایتیں غیر راجح تو ہو سکتی ہیں مگر انہیں صرف اسی بنیاد پر موضوع اور غیر صحیح نہیں کہا جاسکتا، چنانچہ جو اختلافی واقعات ہم نے ابھی ذکر کئے ہیں ان میں محدثین میں سے کسی نے بھی بخاریؒ ومسلمؒ کی بیان کردہ احادیث کو راجح قرار دے کر دوسری حدیث کو موضوع یا غیر صحیح نہیں کہا۔ اگر یہ صورت ہوتی تو بعد کے آنے والے اہل سیر اپنے سابقین کی روایت کو زندہ نہ رکھتے اور محدثین ہی کی رائے قبول کرتے لیکن ہم دیکھتے

؎۱ فتح الباری ج ۸ ص ۳۱ ؎۲ فتح الباری ج ۸ ص ۳۱ ؎۳ بخاری ج ۲ ص ۶۱۹

ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ بعد کے سیرت نگار اپنے سے پہلوں کی اتباع کرتے ہوئے واقعات کو اسی ترتیب وطرز کے ساتھ بیان کرتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ سیرت نگار اہل سیر کی رائے کے مقابلے میں محدثین کے بیان کو صحیح قرار دیتے ہیں لیکن واقعات کی ترتیب سابق سیر نگاروں کی ترتیب کے مطابق ہوتی ہے،

اردو میں اس کی مثال مولانا حکیم دانا پوری صاحب اصح السیر ہیں، اگرچہ اہل سیر کی رائے کو ترجیح نہیں دیتے تاہم تصنیف کا انداز اور واقعات کی ترتیب وہی ہے جو دوسروں کے یہاں ہے. مولانا دانا پوری خود بھی غزوۂ ذی قرد کے ذیل میں اس کی تصریح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں [۱]

ہم نے بخاری ومسلم کی شروط کے مطابق روایات کی ترجیح وفوقیت کی جو بات کہی اسے بھی کلیہ نہ سمجھا جائے اسلئے کہ ہمارے سامنے ایسے نظائر بھی ہیں کہ محدثین اپنی اسانید کے علو کے باوجود اہل سیر کی رائے راجح قرار دیتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ میں ام حبیبہؓ (ام المومنین) کو آپ کے عقد میں دیتا ہوں [۲] اس کے برعکس اصحاب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حبشہ میں ہوا تھا اور آپ کی جانب سے نجاشی (شاہ حبشہ م ۹ھ) کے مقرر کردہ حضرت خالد ابن سعید بن العاص نے ایجاب وقبول کیا تھا [۳] اور جن ابوسفیان کا مسلم کی روایت میں ذکر ہے وہ حضرت ام حبیبہؓ کی شادی تک اسلام بھی نہ لائے تھے بلکہ یہ فتح مکہ کے سال ۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے [۴] اس کی تائید امام بخاری کی بیان کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے [۵]

حافظ ذہبیؒ نے بھی مسلم کی روایت کے بارے میں "ما صحح" (صحیح نہیں ہے) کہا ہے اس کے بعد شارحین کی رائے ذکر کی ہے کہ وہ لوگ اس حدیث کو عقد جدید کے التماس پر محمول کرتے ہیں. ذہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ ابوسفیان رض ام حبیبہؓ سے نہیں بلکہ اپنی دوسری بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے تھے (یاد رہے کہ ام حبیبہ ابوسفیان کی صاحبزادی اور حضرت معاویہ کی ہمشیرہ ہیں) ذہبی نے اس دوسری بیٹی کا نام ذکر نہیں کیا ہے بلکہ صرف اسمہا کہہ کر... رہ گئے ہیں. ذہبی کی سیر اعلام النبلاء کے محقق اور محشی ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے حاشیے میں لکھا ہے کہ اصل نسخے میں اسی طرح ہے [۶]

نوویؒ نے ابوسفیان کی فضائل کی حدیثوں کی شرح کرتے ہوئے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو قاضی عیاضؒ نے غریب اور ابن حزمؒ نے بعض راویوں کا وہم قرار دیا ہے انہوں نے اسے موضوع بھی کہا ہے اور اس کا سبب حدیث کے ایک راوی عکرمہ بن عمار کو قرار دیتے ہیں جو ابوزمیل کے شاگردوں میں سے ہیں اگرچہ ابن حزم کی اس رائے پر عمرو بن الصلاح نے شدید نقد کیا ہے اور کہا کہ یہ بڑی جسارت کی بات ہے کہ مسلم کی اس حدیث کو موضوع قرار دیدیا جائے انہوں نے کہا کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس نے عمار پر وضع حدیث کا الزام عائد کیا ہو، وکیعؒ اور ابن معین نے ان کی توثیق بھی کی ہے اور عکرمہ مستجاب الدعوات بھی تھے (حوالہ کے لئے مسلم ج ۲ ص ۳۰۴ ملاحظہ کیجئے)

عمرو بن الصلاح کے الفاظ وکان مستجاب الدعوات کا تعلق اگر دعوی کے ساتھ دلیل کا تعلق ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عکرمہ کا مستجاب الدعوات ہونا یہ ثقاہت

---

[۱] اصح السیر ج ۱ ص ۲۰۰ [۲] مسلم شریف ج ۲ ص ۳۰۴ [۳] علامہ ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) تاریخ الطبری ج ۲ ص ۱۵۷۰ [۴] طبری ج ۳ ص ۱۶۳۲ [۵] بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ [۶] حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۰۷ امام نووی نے مسلم کی حدیث کی کچھ تاویلات بھی کی ہیں جنہیں شرح مسلم مع مسلم ج ۲ ص ۳۰۴ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

پر دلیل کس وجہ سے ہے ؟

سیرت اور تاریخ میں فرق

سیرت تاریخ کی ایک نوع ہونے کے باوجود فن تاریخ سے الگ اور ممتاز ہے اور ان دونوں میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ تاریخ کی چند تعریفیں مشہور ہیں۔

مشہور ماہر تاریخ کافیجی (م ۸۷۹ھ) نے اپنی کتاب "المختصر فی علم التاریخ" میں یہ تعریف کی ہے کہ تاریخ زمانے زمانے کے احوال اور ان احوال کے متعلقات کا یقین کے ساتھ تلاش کرنا ہے۔

سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی مشہور تصنیف "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" میں کہا ہے کہ زمانے کے واقعات کی موقت جستجو کا نام تاریخ ہے، دور وسطیٰ کے مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ تاریخ زندہ مطالعہ کا نام ہے لہ

اس فرق کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ سیرت کے مآخذ جس قدر مستند اور قابل اعتبار ہیں تاریخ کو ان کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں ہے، تاریخ کا مدار صحت مند مآخذ کے بجائے قیاس پر زیادہ ہوتا ہے لیکن سیرت میں قیاس کو دخل نہیں ہے بلکہ جس طرح روایات پہنچیں من وعن کر دینا سیرت نگار کا پہلا فرض ہے اور ان روایتوں میں جس قدر چھان پھٹک اور کاوش سے کام لیا جاتا ہے وہ الگ قابل غور ہے۔

ایک الزام کا جائزہ

لوگ جس طرح حدیث پر اعتراض کرتے ہیں اسی طرح یہ اعتراض سیرت پر بھی ہے کہ اس کا بہت کچھ دارومدار زبانی روایتوں اور سنی سنائی باتوں پر ہے اور اسی طرح وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حدیث یا سیرت سے متعلق جس قدر بھی سرمایہ موجود ہے وہ بے بنیاد اور بے اصل ہے۔

اول تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ محدثین نے روایتوں کے قبول ورد کے لئے کتنے سخت اصول وضوابط مقرر کئے ہیں اس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور صرف حدیث کی صحت یا عدم صحت کا پتہ لگانے کے لئے متعدد علوم معرض وجود میں آئے اس صورت میں احادیث وسیرت کے ذخیرے کو بے بنیاد و بے اصل کہہ دینا کوئی جاندار الزام نہیں ہے

یہ بھی پیش نظر رہے کہ آں حضورؐ سے صحابہ کو کس قدر عشق اور تعلق تھا جس کی تفصیل ہیں کتابوں میں ملتی ہے اس محبت اور عشق ولگن کا تقاضا یہ ہی ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر فعل اور قول کو یاد رکھیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا کوئی بھی پہلو اُن کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے کیونکہ سچی لگن اور عشق کا پہلا تقاضا یہی ہے، اور اس پر یہ ارشاد مبارک کہ جس نے عمداً مجھ سے متعلق کوئی کذب بیانی کی اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا ہے۔ ۲ہ یہ خود اس بات کا متقاضی ہے کہ صحابہ وغیرہ آنحضورؐ کی طرف کوئی جھوٹ بھی منسوب نہ کریں۔

پھر ان چیزوں سے قطع نظر ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ حدیث وسیرت کا مدار زبانی روایات اور سنی سنائی باتوں پر ہے کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک غلط، دراصل جن لوگوں نے یہ الزام لگایا ہے ان کے پیش نظر ایسی روایات ہیں جن میں کتابت حدیث سے روکا اور منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنی جامع میں حضرت ابوسعید خدری رضؓ کی یہ حدیث تخریج کی ہے

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تکتبوا عنی ومن	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے

لہ عبدالصاحب جعفر جمال الدین عربوں میں تاریخ کا مطالعہ ترجمہ ندیم الواجدی رگ سنگ کانپور جنوری ۱۹۸۳ء

۲ہ شیخ ابو عبداللہ خطیب تبریزی (م ۷۳۰ھ) مشکوٰۃ ص ۳۲ باب العلم۔

تکتب عنی غیر القرآن — کچھ مت لکھو، اور اگر کسی نے
فلیمحہ وحدثوا — قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ
عنی ولا حرج [1] — لکھ لیا ہو اسے مٹا دینا چاہیئے

ہاں حدیث بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے

اسی قسم کی روایات سعد بن مالکؓ، ابوہریرہ رض اور زید بن ثابتؓ سے مسند احمد بن حنبل میں بھی موجود ہیں [2]

لیکن اصل میں یہ احادیث اس وقت کی ہیں جب کہ قرآن کا نزول ہو رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اندیشہ تھا کہ صحابہ حدیث کے شوق میں قرآن پاک کی طرف بہت کم توجہ کریں گے۔ یہی توجیہ ابن قتیبہؒ نے "تاویل مختلف الحدیث" کے اندر بیان کی ہے [3] اور امام نووی رح نے یہ توجیہ کی ہے کہ مخالفت ان لوگوں کے لئے تھی جن کے حافظے اچھے تھے اور ان سے نسیان کی توقع تھی، البتہ جو لوگ سوءِ حفظ کے شکار تھے ان کے لئے کتابت کی اجازت تھی [4] بلکہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دیوبندی کی رائے تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے کتابت واجب اور ضروری ہے، ایسے لوگ اپنے حافظوں پر بھروسہ نہ کریں [5]

وہ احادیث جو مانع عن الکتابۃ ہیں ان کی بنیاد پر لوگ کہتے ہیں کہ آپ کتابت کو ناپسند فرماتے تھے حالانکہ ہمیں ایسے تاریخی شواہد ملتے ہیں جن سے اس الزام کی تردید ہوتی ہے علامہ ابن الاثیر نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ترجمے میں یہ تصریح کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہل مدینہ کو فن کتابت کی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا [6] اسی طرح شفاء بنت عبداللہ کو حضرت حفصہؓ کے لئے مقرر کیا تھا کہ انہیں کتابت سکھا دیں [7]

جو لوگ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ اسلام نے فن کتابت کو ترقی دی اور لوگوں میں اس کا رواج ہوا اسلام سے پہلے پورے مکے میں صرف سترہ آدمی کتابت جانتے تھے [8] اور مدینہ میں اس فن کے جاننے والوں کی تعداد صرف نو تھی [9] اور اس قلتِ رواج کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس فن کو شنیع تصور کرتے تھے [10] لیکن اسلام کی آمد نے اس فن کو ترقی دی اور کاتبوں کی کثرت ہو گئی کتابت کی اس قدر اہمیت ہوئی کہ جو لوگ کتابت، تیر اندازی اور تیراکی سے واقف ہوتے تھے انہیں الکامل کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا [11] اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کاتب یا کتابت کے مخالف نہ تھے اسی لئے احادیث اور سیر کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضورؐ کے زمانے میں صحابہ نے احادیث لکھی

---

[1] جامع مسلم ج ۱ ص ۴۱۴ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۰۴ و ج ۳ ص ۱۲ و ج ۵ ص ۱۸۳ [3] ابن قتیبہ الدینوری (م ۲۷۶ھ) تاویل مختلف الحدیث ص ۳۶۵ [4] امام محی الدین نووی (م ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۱۴
[5] مقدمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۹۲ (حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی جلیل القدر محدث و مفسر و معقولی تھے دارالعلوم دیوبند میں مسلم شریف کے درس کے لئے مشہور تھے، آپ کی ایک عظیم تالیف فتح الملہم شرح مسلم ہے۔ علماء اور طلباء میں اپنی خصوصیات کی وجہ سے مشہور رہے، فتح الملہم عرصے سے نایاب تھی۔ اب دیوبند کے ادارہ شرکت علمیہ نے اس کی اشاعت شروع کر دی ہے ۱۳۶۹ھ میں وفات ہوئی پاکستان میں مدفون ہیں [6] ابن الاثیر جزری م ۶۳۰ھ اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۷۵ [7] احمد بن یحییٰ البلاذری۔ فتوح البلدان ص ۴۷۷ [8] فتوح البلدان ص ۴۷۷ [9] ابن سعد رح (م ۲۳۰ھ) الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۹۱ [10] ابوالفرج الاصبہانی کتاب الاغانی ج ۱۶ ص ۱۳۰
[11] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۹۱.

ہیں چنانچہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رض کی ایک روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک خطبہ جو ایک قتل کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا ایک شخص کو لکھ کر دینے کا حکم فرمایا تھا بخاری کی اس روایت میں اس شخص کے نام کی صراحت نہیں ہے صرف لابی فلاں کے لفظ ہیں مگر دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان صحابی کا نام ابوشاہ تھا [1] حافظ ابن حجر رح نے ابورافع کے ترجمے میں لکھا ہے کہ انہوں نے آنحضور رح سے کتابت حدیث کی اجازت حاصل کی تھی [2] بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص احادیث لکھا کرتے تھے [3] غالب خیال یہ ہے کہ جو احادیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے وہ اس صحیفہ میں ہونگی جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے [4] اور جس کے بارے میں یہ تصریح موجود ہے کہ اس صحیفہ کا نام "الصادقہ" تھا اور اس میں ایک ہزار احادیث موجود تھیں [5] اس قسم کی روایتیں بھی موجود ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صحابہ کو نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقات اور دین کے احکامات املا کرادیئے تھے [6] اسیطرح آپ کی وفات کے بعد صحابہ کو ایک ایسا فرمان بھی ملا تھا جس میں صدقات کے احکامات لکھے ہوئے تھے [7] حضرت علیؓ کے پاس بھی احادیث کا ایک صحیفہ موجود تھا [8] بخاری میں ابوجحیفہ رض کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے [9] حضرت ابوہریرہ کے پاس بھی ایک صحیفہ ہمام کے نام سے موجود تھا [10] سعد ابن عبادہ ابن الصامت کے پاس بھی احادیث کا ایک مجموعہ تھا ربیعہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی اطلاع سعد کے بیٹے نے دی تھی [11] عبداللہ بن عباس کے پاس بھی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعے تھے [12] عتبان بن مالک کے پاس بھی لکھی ہوئی احادیث موجود تھیں [13] اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھی گئیں، اور یہ کہنا غلط ہے کہ احادیث و روایات کا مدار صرف حافظوں پر رہا ہے۔

اب ہم صاحب اصح السیر کی وہ تحقیق نقل کرینگے جسمیں انہوں نے لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احکام کے متعلق تحریری مواد اتنا نہ تھا جتنا کہ سیرت سے متعلق تھا اس سلسلے میں انہوں نے ابن قیم صاحب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد اور زرقانی محشی مواہب اللدنیہ للقسطلانی کے حوالے سے حسب ذیل صحابہ کے اسماء شمار کئے ہیں جنہوں نے آنحضور رح کی تحریری خدمت انجام دی ہے۔

حضرات۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، فہیرہ، عمرو بن العاص، ابی بن کعب، عبداللہ ابن ارقم، ثابت بن قیس، حنظلہ ابن الربیع الاسدی، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن رواحہ، خالد ابن ولید، خالد ابن سعید ابن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زید بن ثابت، طلحہ ابن عبیداللہ، سعید ابن العاص، خالد، ابان ابن عثمان، سعد بن ابی وقاص، شرجیل ابن حسنہ العلاء الحضرمی، دحیی، حذیفہ بن یمان، حویطب ابن عبدالعزیٰ، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین [14] یہ فہرست ان لوگوں کیلئے قابل غور ہے جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ آنحضور کو کاتب اور کتابت سے نفرت تھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آنحضور کو کاتب یا کتابت سے نفرت تھی تو ان صحابہ سے بھی ہوگی حالانکہ ان میں بہت سوں کیلئے آنحضور سے کلمات خیر منقول ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ سیرت نبوی کے متعلق روایات بیان کرنیوالے راویوں کی تعداد تیرہ ہزار ہے [15]

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۲۲ باب کتابت العلم [2] حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۴۰ [3] بخاری شریف ج ۱ ص ۲۲ [4] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۷ [5] ابو عمر یوسف بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) جامع بیان العلم وفضلہ ص ۷ واسد الغابہ و طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۷ [6] حافظ علی بن عمر الدارقطنی (م ۳۸۵ھ) سنن دارقطنی ص ۲۰۴، ص ۲۰۹ و ص ۲۸۰ و حافظ ابوالقاسم طبرانی (م ۳۶۰ھ) طبرانی ص ۲۱۱ و شیخ علاء الدین الہندی (م ۹۷۵ھ) کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال ج ۳ ص ۱۸۲ و طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۹ [7] ابوداؤد سجستانی (م ۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد باب زکوۃ السائمہ ص ۲۲۳ [8] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۷ [9] بخاری ج ۱ ص ۲۱ [10] ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) طبقات الحفاظ ج ۲ ص ۲۲ [11] ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ابن سورۃ الترمذی (م ۲۷۹ھ) جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۰۱ [12] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶ [13] بخاری ج ۱ ص ۲۲ [14] اصح السیر ص ۱۲ [15] ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

ایشیا اور یورپ کے ٢ دور

قرونِ وسطیٰ کے دو روپ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب مدظلہ

محترم مولانا ـ دام لطفکم "سلام مسنون"

گرامی نامہ صادر ہوا۔ احقر کے مشاغل میں ایک کا اور اضافہ ہو گیا یعنی اپنے مزاج ناسازکی نازبرداری علیحدہ کسی مضمون کی ترتیب کا وقت نہیں، ریشمی رومال والی کتاب یعنی تحریک شیخ الہند رہ زیر ترتیب ہے۔ دعا فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی (کما حقہٗ) توفیق بخشے .... اس کے مقدمہ کا ایک باب پیش ہے

آپ کی فرمائش ہے کہ کوئی تاریخی مضمون پیش کروں، بظاہر اس کی تعمیل بہتر اسلوب پر ہو رہی ہے اسی مقدمہ کے اور ابواب ہیں مثلاً یورپ کا مذہب، یورپ کی سیاست وغیرہ۔ اگر ارشاد ہوگا وہ بھی پیش کئے جاتے رہینگے۔ انشاء اللہ

والسلام نیازمند ـــ محتاجِ دعا

محمد میاں

(١)

ظلمت کدہ جمہوریۂ روما کا صرف نام باقی تھا، بزنطینی شاہنشاہیت یا شاہنشاہیت روما کی شوکت وحشمت کا دور تھا اس کے تعاون سے کلیسا کا نظام بھی اپنے شباب پر تھا جسکو نہ صرف فلسفہ سے نفرت تھی جو اس کی تثلیث پرستانہ عقیدہ پر سخت تنقید کیا کرتا تھا بلکہ علم کا چرچا بھی اس کے لئے دہشت انگیز تھا کیونکہ نظر و فکر اور فہم و دانش کا جو تقاضا [illegible] کو ابھار

نہیں تھی۔ اس رقابت کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف عام مکاتب و مدارس کے گلشن، حکومت اور ارباب اقتدار کی بے اتفاقی اور سرد مہری کی تیغ زدہ ہواؤں سے پژمردہ و افسردہ اور وقفِ خزاں ہو رہے تھے بلکہ بڑے بڑے علمی مرکزوں کے اعضاء مشلول اور ان کے دماغی قویٰ مضمحل و مفلوج ہوتے جا رہے تھے اس رقابت نے یہاں تک ترقی کی کہ روما کارتھیج اور [illegible] جیسے علمی مرکزوں کی تاریخی یونیورسٹیاں بند کر دی گئیں اور [illegible] ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ

قیصر جسٹینان کے حکم سے (جو ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک حکمران رہا) بند کر دیا گیا (ایم۔ ڈی۔ ولف۔ اسکالسٹزم اولڈ اینڈ نیو صفحہ ۶ وہسٹری آف فلاسفی صفحہ ۱۱۹)

یہ حالت کتنی ہی افسوسناک ہو مگر یہ آخری نہیں تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یورپ ابھی بے چینی اور بدامنی کے زینہ کے پہلے قدم پر تھا جسکے بعد وہ بالکل جہالت اور وحشیانہ حالت کو پہنچ گیا، علم وہنر اور ادب کو آنے والی صدیوں کے سیاسی میدان میں کوئی جگہ نہیں دی گئی

(تاریخ مغربی یورپ از ڈاکٹر جیمس ہارڈی راین سن ترجمہ صفحہ ۳۱)

تھیوڈاک کے زمانہ سے شارلیمین تک تین سو برس گذر گئے اس عرصہ میں کوئی مصنف ایسا پیدا نہیں ہوا جو بدترین لاطینی ہی میں اپنے زمانے کے حالات کی تاریخ لکھ دیتا، گویا ہر چیز نے تعلیم کے خلاف سازش کرلی تھی (تمدن عرب صفحہ ۳۲)

۵۲۹ء سے لے کر جبکہ قیصر جسٹینان نے یونان کے مدارس کو بند کر دیا تھا ۱۶۳۵ء تک جبکہ ڈیکارٹ کی کتاب "مقالات بر مناہج" شائع ہوئی نیند کی ماری انسانیت نے غور و فکر کرنا ہی چھوڑ دیا تھا، یا یوں کہیئے کہ علم و حکمت کے اہم مسائل کو تخیل و روایت کے حضور میں لانا ہی بند کر دیا تھا

(ایم۔ ڈی۔ ولف)

یہ منفی پہلو تھا، اور مثبت عمل کے متعلق فرانسیسی مورخ موسیو۔ لی۔ بان کی شہادت یہ ہے:

چرم جس پر لکھا جاتا تھا وہ بہت مہنگا ہو گیا تو پادریوں کی بن آئی۔ کتابوں کے حروف صاف کرکے چمڑا بیچنا شروع کر دیا۔

عرب کاغذ ایجاد نہ کرتے تو یہ پادری صاحبان تمام پرانی کتابیں ختم کر دیتے (تمدن عرب صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴)

تعلیم صرف کلیسا میں محدود

جماعت پادریان کا اثر و اقتدار تھا۔ کیونکہ صرف یہی تعلیم یافتہ تھا چھ سات صدیوں تک مغرب میں سلطنت روم کے زوال کے بعد بہت کم اشخاص پادریوں کے علاوہ مطالعہ کرنے، پڑھنے اور لکھنا سیکھنے کا خیال کرتے تھے تیرھویں صدی میں بھی ایک مجرم جو کہتا تھا کہ وہ پادری ہے تاکہ کلیسا کی عدالت اس کے مقدمہ کی سماعت کرے تو صرف ایک سطر پڑھ کر یہ ثبوت دے سکتا تھا کہ واقعی وہ پادری ہے کیونکہ جج مسلمہ طور پر یہ جانتے تھے کہ جس کا تعلق کلیسا سے نہ ہو وہ نہیں پڑھ سکتا تھا

(تاریخ مغربی یورپ از ڈاکٹر راین سن ترجمہ صفحہ ۲۱۷)

نوٹ:۔ پادریوں کے مقدمات عام عدالتوں میں پیش نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے مقدمات خاص عدالت میں پیش ہوتے تھے جو کلیسا کے ماتحت ہوتی تھی

(۲)
بقیۂ نور
مشرق میں آفتاب علم کی ضیا پاشی

یہ عجیب بات ہے کہ خاص اس دور میں کہ مغرب میں مدارس اور یونیورسٹیاں حکماً بند کر کے علم کے چراغ گل کیے جا رہے تھے۔ لکھنے پڑھنے علمی مذاکرہ اور مطالعہ سے نفرت عام تھی سرمایہ علم جو کچھ تھا وہ کلیسا کے تہہ خانوں میں بند کر دیا گیا تھا اور بارگاہ کلیسا میں صرف ایک سطر کی خواندگی علم کا معیار تھا

عوام کو تعلیم سے محروم رکھنے اور پرانی کتابوں کے حروف مٹاکر اس کے چرمی اوراق کو فروخت کر دینا مقدس کلیسا کے ان ذمہ داروں کا نفع بخش کاروبار تھا جو علم و فضل اور روحانیت کے سرپرست تھے جسکی معمولی برکت یہ تھی کہ تین سو برس (از دور تھیوڈاک ۵۳۶ء تا دور شارلیمین) ایسے گذر گئے کہ کوئی ایسا مصنف بھی پیدا نہ ہو سکا جو بدترین لاطینی ہی میں اپنے زمانہ کے حالات لکھ دیتا (تاریخ مغربی یورپ)

خاص اس دور ظلمت میں مشرق میں اس وحی ربانی کا دور شروع ہو رہا تھا جسکا سب سے پہلا لفظ تھا "اقرأ" اور جس

کی پیشانی کا جھومر تھا

علم بالقلم علم — سکھایا قلم کے ذریعہ۔ سکھایا
الانسان مالم یعلم — انسان کو وہ جس کا علم اس کو
پہلے نہیں تھا

یعنی معمولی نوشت وخواند سے لے کر جسکا آغاز قلم سے ہوتا ہے، اعلیٰ درجہ کی وہ تعلیم جس سے انسان غیر معلوم حقائق کا علم حاصل کر سکے اور اسکو جدید جدید انکشافات دینی ودنیاوی ترقیات کے بام عروج پر پہنچا سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے جس سے اس نے نوع انسان کو نوازا اس کا فراہم کرنا انعام الٰہی کے موتیوں کو سمیٹنا ہے۔ جو سراسر سعادت، خوش بختی اور فریضہ انسانیت ہے۔

یہی وحی تھی، اس کی بنیاد پر وہ امت ظہور پذیر ہوئی کہ فرانس کے حقیقت پسند مورخ موسیو۔ لی۔ بان کے قول کے مطابق اس کا کردار یہ تھا۔

ظہور پیغمبر اسلام سے ایک صدی کے اندر عربوں کا ملک دریائے سندھ سے اندلس تک پہونچ گیا۔

(تمدن عرب ص ۱۲۱)

اس پیش قدمی کا مقصد ملک گیری نہیں تھا بلکہ ان تمام شہروں میں جہاں اسلامی پرچم جلوہ فگن تھا ایک حیرت انگیز ترقی نظر آتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات کو مسائل علوم طبعی کے ساتھ پورا توافق ہے اور ان اعتقادات کا خاصہ یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں اور ہمہ تن نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کیساتھ رواداری پیدا کریں (تمدن عرب ص۱۲۲)

اشاعت مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ (تمدن عرب ص۱۴۳)

عربوں کی حکومت کے زمانہ میں بکثرت کلیسوں کا تعمیر ہونا بھی دلیل اس امر کی ہے کہ وہ اقوام مفتوحہ کی کس قدر عزت کرتے تھے۔ بہت سے نصاریٰ مسلمان ہوگئے تھے لیکن اسلام قبول کر لینے کی انہیں چنداں ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ عربوں کی حکومت میں نصاریٰ بھی جنہیں مستعرب کہتے تھے ان کے علاوہ یہودی بھی ہر طرح مسلمانوں کے برابر تھے اور انہیں کل عہدے سلطنت کے مل سکتے تھے۔ اور چونکہ کل ممالک یورپ میں اندلس ہی وہ ملک تھا جہاں یہودیوں کو امن وامان ملتا تھا تو یہودی یہاں بکثرت جمع ہو گئے تھے۔

(تمدن عرب ص ۲۵۸)

صدیاں گذر رہی تھیں اور مغرب کی تاریک وادیوں میں ظلمت جہالت کے علاوہ، تعصب، تنگ نظری، فرقہ وارانہ قتل وقتال، ظلم وستم اور وحشت وبربریت کا اضافہ ہو رہا تھا تاریخ کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح صدیوں تک چلتا رہا۔ اس میں اگر استثناء ہے تو صرف اس دور کا جب مشرق کے آفتاب رحمت کی کرنیں اس پر پڑیں اور صرف اس خطہ اور حصہ ملک کا جہاں یہ کرنیں پڑیں۔ اسی فرانسیسی مورخ کا بیان ہے کہ۔

عربوں نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو انہوں نے شام اور مصر میں کیا تھا، ان کا مال، ان کے کلیسے ان کے قوانین انہیں دیئے اور اپنے ہم قوم کے حکام کے زیر انصاف رہنے کے حقوق وآئین عطا کئے۔ ایک سالانہ جزیہ چند شرائط پر اُن پر لگایا گیا جو اُمراء کے لئے ایک دینار سرخ اور عوام کے لئے نصف دینار تھا (تمدن عرب ص۲۴۸)

چند صدیوں میں عربوں نے اندلس کے ملک کو علمی اور مالی ترقی کے لحاظ سے بالکل بدل دیا اور اس کو یورپ کا سرتاج بنا دیا۔ یہ تغیر محض علمی اور مالی نہیں تھا بلکہ اخلاقی بھی تھا انہوں نے عوام نصاریٰ کو ایک بیش بہا خصلت انسانی سکھائی یا کم از کم سکھانے کا قصد کیا (یعنی مذاہب مخالف سے رواداری) مفتوحہ اقوام کے ساتھ ان کا برتاؤ اس قدر نرم تھا کہ انہوں نے رؤسا اساقفہ کو مذہبی مجالس منعقد کرنے

کی بھی اجازت دے دی تھی (تمدن عرب صفحہ ۲۵۶)

عربوں کے اخلاقی تسلط نے یورپ کی ان وحشی اقوام کو جنہوں نے رومیوں کی سلطنت کو تہہ و بالا کر دیا تھا انسان بنایا۔ ان کے علمی اور دماغی تسلط نے یورپ کے لئے علوم و فنون اور ادب و فلسفہ کا جس سے وہ ناواقف تھے دروازہ کھول دیا اور چھ صدی تک یہی عرب ہمارے استاد اور ہمیں تمدن سکھانے والے رہے

(تمدن عرب ص ۲۴ ھ)

اسی وجہ سے انصاف پسند دانشوروں کی تمنا یہ تھی کہ کاش عرب پورے یورپ کو فتح کر لیتے تو سارا یورپ انسانیت اور شرافت سے آشنا ہو جاتا۔ اسی فرانسیسی دانشور کی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔

جبکہ اندلس نے عربوں کی حکومت میں ایسے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کا تمدن حاصل کیا جب یورپ شدید وحشیانہ حالت میں تھا۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کے تمدن کے لحاظ سے عیسائی اقوام یورپ کے اسلامی تسلط سے بہت کچھ فائدہ ہوتا اور نقصان نہ ہوتا۔ اسلام کی رحمت ان اقوام مغرب کے اخلاق میں لینت (نرمی) پیدا کر دیتی اور انہیں مذہبی خونریزی سے سینٹ برتیلیمو کے قتل عام سے، مذہبی عدالتوں کے مظالم سے جنہوں نے کئی صدیوں تک یورپ میں خون کے دریا بہائے اور جن سے مسلمان ناواقف تھے، بچا لیتی

(تمدن عرب صفحہ ۲۸۹)

وہ جذبہ جو انسانی ترقی کا باعث ہوتا ہے کسی قوم میں اس اعلیٰ درجہ پر نہیں تھا جیسا عربوں میں تھا۔

(تمدن عرب صفحہ ۲۸۹

تاریخ یورپ کے مشہور مورخ اے۔ جے گرانٹ کی شہادت ہے:

"یورپ کی تاریخ میں ہسپانی مسلمانوں کی تباہی سے زیادہ دردناک کوئی واقعہ نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے یورپ کے تمدن میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ اگر وہ تباہ نہ ہوتے تو اس میں اور اضافے کرتے۔"

(تاریخ یورپ۔ از اے۔ جے گرانٹ صفحہ ۲۴۶ (ترجمہ)

یورپ کے تمدن میں اضافہ کی ایک مثال پیرس کی یونیورسٹی ہے۔ یہ یونیورسٹی اپنے ۶۵ کالجوں کی وجہ سے اچھا خاصا شہر بن گئی تھی اور خانقاہوں کے ساتھ مل کر شہر اور مضافات کے ایک بڑے حصہ کی مالک ہو گئی تھی۔

(یورپ سولہویں صدی میں صفحہ ۲۴ (ترجمہ)

سطور بالا کے مطالعہ کے بعد یہ بھی خیال فرمائیے کہ قرون وسطیٰ (از صدی ۶ تا صدی ۱۵ عیسوی) بد ترین دور مانا جاتا ہے۔

کالج میں پڑھنے والے طلبہ یورپ اور ایشیا کا فرق نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرون وسطیٰ ایشیا میں بھی ظلمت و جہالت کے قرن تھے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے جب یورپ بحر ظلمات میں ڈوبا ہوا تھا ایشیا میں علوم و معارف کے آفتاب و ماہتاب درخشاں تھے۔ قرون وسطیٰ کے یہ دور یورپ تھے۔

⁂ ⁂ ⁂

تذکرہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

از ——— محمد ارشد فاضل الجامعۃ وصیۃ العلوم الہ آباد

(۳۴) معاصرین سے استفادہ

نامعلوم مسائل میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ فرمایا کرتے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے استفادہ فرمانے کی مثال کتابوں میں موجود ہے ۔ لہ

(۳۵) مجلس وعظ

تقریر وخطابت میں خاصی مہارت رکھتے تھے ، ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیر ان کی تقریر کی اور وعظ کی ممتاز صفت تھی ۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تعریف فرمائی ہے اور یہ بھی کتنی فراست کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کثرت وعظ سے احتراز فرماتے تھے کیونکہ اس حقیقت سے آپ بخوبی واقف تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے اس بناء پر لوگوں کے اصرار کے باوجود منبر وعظ پر کم تشریف لے جاتے تھے ۔ لہ

(۳۶) عبادات

حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضؓ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جبکہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے ۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں لہ سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا اور خود صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں معروف رہتے تھے بلکہ نمازیں کثرت سے پڑھتے تھے ۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے ؟

ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا ، میں نے کہا " پھر کیا ہے " ؟ فرمایا " والدین کے ساتھ نیکو کاری ! میں نے کہا پھر کیا ہے ؟ حکم ہوا راہ خدا میں جہاد کرنا ، اس کے بعد میں خاموش ہو گیا ، ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کچھ اضافہ فرماتے ۔ لہ

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات تو عموماً معمول کے لئے مخصوص تھے ، عاشورہ کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے ، باوجود اس کے حضرت عبدالرحمان بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ۔ چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے ؟

لہ لہ لہ لہ لہ مہاجرین ج ۱ ص ۲۹۲ و ۲۹۳ ج ۱ ص ۲۹۶ و ۲۹۷ و ۲۹۸ ج ۱

فرمایا" میں روزوں پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں اگر روزے رکھونگا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہوسکے گی [1]

(۳۷) اہل و عیال سے محبت

بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہوجائیں [2]

(۳۸) وظیفہ

حضرت عبداللہ رضہ کے لئے بیت المال سے پانچہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو اُن کی وفات سے دو برس پہلے خلیفہ ثالثؓ کے حکم سے بند کردیا گیا تھا لیکن حضرت زبیر رضہ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لئے واگذار کرادیا اس طرح انکے پسماندوں کو یکمشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے اس کے علاوہ انھوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے [3]

(۳۹) حلیہ مبارک

جسم لاغر، پستہ قد، رنگ نہایت گندم گوں، اور سر پر کانوں تک نہایت نرم وخوبصورت زلف، حضرت عبداللہ رضہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا، ٹانگیں نہایت پتلی تھیں [4]

(۴۰) پوشاک وغذا

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی جو غالباً مُہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پرتکلف نہ تھی کھانے کے بعد عموماً چھوہاروں کا شربت استعمال فرماتے تھے [5]

(۴۱) حضرت عبداللہ رضہ معاصرین ودیگر بزرگانِ دین کی نظر میں!

(۱)

حضرت حذیفہ رضہ فرماتے ہیں کہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، حسن خلق، اور طور طریقے کے پابند تھے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں میں جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد رضہ کا درجہ سب سے بلند ہے [6]

(۲) حضرت تمیم بن حرام رحہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمنشینی کا فخر حاصل ہے لیکن میں نے عبداللہ بن مسعود رضہ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہیں دیکھا [7]

(۳) حضرت علی رضہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ابن مسعود رضہ نے تمام قرآن کو پڑھا اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانا یہی کافی ہے [8]

(۴) مشہور تابعی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کے تلمیذ حضرت مسروق رحہ کا ارشاد ہے کہ:۔

میں صحابہ رضہ کی صحبت میں رہا ان کے علوم کے مجموعہ یہ چھ صحابہ تھے (۱) حضرت عمر رضہ (۲) حضرت علی رضہ (۳) حضرت ابن مسعود رضہ (۴) حضرت زید بن ثابت رضہ (۵) حضرت ابوالدرداءؓ (۶) حضرت ابی ابن کعبؓ۔ (پھر) ان چھ کے جامع حضرت علی رضہ اور حضرت ابن مسعود رضہ تھے [9]

(۵) خلیفہ منصور نے امام صاحب (ابوحنیفہ رح) سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ تو امام صاحبؒ نے جواب دیا تھا کہ:۔ اصحاب عمر رضہ سے عمر رضہ کا، اصحاب علیؓ سے علی رضہ کا

---

[1] ایضاً طبقات ص ۲۹۸ ج ۱ [2] [3] ایضاً طبقات ص ۲۹۹ و ۳۰۰ ج ۱ [4] استیعاب ص ۳۶۰ ومقدمہ تیسیر الباری ص ۳۲ [5] مہاجرین ص ۲۹۹ ج ۱ [6] [7] ایضاً ص ۲۹۵ و ۲۹۶ ج ۱ [8] [9] انوار الباری ص ۲۷ ج ۱ وتاریخ علم فقہ ص ۷۷

اور اصحاب عبداللہ بن مسعود رضہ سے عبداللہ رضہ کا،

جس پر منصور رضہ نے کہا تھا کہ خوب خوب ابو حنیفہ رہ آپنے بہت مضبوط علم حاصل کیا وہ سب طیبین طاہرین تھے سب پر خدا کی رحمت نازل ہو سلہ

(۶) فن تاریخ کے امام ابن جریر طبری رہ نے لکھا ہے کہ اسلام میں کوئی شخص ابن مسعود رضہ کے سوا ایسا نہیں ہوا جس کے درس سے نامور علماء نکلے ہوں اور اس کے مذہب وفتاوی کے ساتھ یہ اعتبار کیا گیا ہو کہ ان کو حرف بحرف لکھا ہو سلہ

(۷) علامہ بغوی رہ فرماتے ہیں کہ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ زاہد اور آخرت کے راغب تھے سلہ

(۸) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رہ نے فرمایا ہے کہ :۔ ابن مسعود رضہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں اور اپنی امت کے لئے اپنے بعد قرأۃ قرآن، اور فقہ، وتذکیر میں انھیں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور تمام اصحاب میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت کا شرف ان کو زیادہ تھا سلہ

(۴۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کی زریں نصیحت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ فرماتے ہیں کہ :۔

جو شخص کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو وفات پا چکے ہیں اور جن کی پیروی کرنی چاہیئے وہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو اس امت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل، اور وہ بہت کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب فرمایا ہے لہذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کے آداب واخلاق کو اختیار کرتے رہو اس لئے کہ وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستہ پر تھے سلہ

(۴۳) اقوال زرّیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ فرماتے ہیں کہ :۔

"علم" کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ علم تو خشیت کو کہتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ :۔ اس شخص کے لئے خرابی ہے جو عالم نہیں ہے لیکن جو شخص عالم ہے اور عمل نہیں کرتا ہے اس کے لئے سات بار خرابی ہے۔

فرماتے ہیں کہ :۔

اگر کوئی آدمی "رکن کعبہ" اور "مقام ابراہیم" میں کھڑا ہو کر ستر سال تک عبادت کرتا رہے لیکن کسی ظالم سے محبت رکھتا ہے تو قیامت کے روز وہ ظالم ہی کے ساتھ اٹھے گا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کے حالات، واقعات، کمالات، علم وکارناموں کے پیش کرنے سے مقصد کیا ہے؟

وہ مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضہ کی حیات میں بڑی کشش ہے ان کے احوال وواقعات سے زندگی میں تازگی وحرارت پیدا ہوتی ہے اور ان کے اقوال زریں مؤثر نصائح اتنے دلنشیں اور دلکش ہوتے ہیں کہ ان سے خدا پرستی، حق دوستی، اور مثالی عزیمت وتقوی کے خد وخال نکھر کر سامنے آتے ہیں دل پر اثر ہوتا ہے چشم اشکبار ہو جاتی ہے لہذا اسی مقصد کے ساتھ اُن کے حالات اور کارناموں کو پڑھنا چاہیئے اور عملی جذبہ کو بیدار کرنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ انکی عظمت ومحبت سے ہمارے قلوب کو بھر دے اور ان کے زریں اقوال

سلہ انوار الباری ص ۹۶ ج ۱ ۔ سلہ ایضاً ص ۲۸ ج ۱ سلہ ایضاً ص ۲۸ ج ۱ سلہ اسد الغابہ ص ۲۶۱ سلہ ایضاً ص ۲۸ ج ۱ ازالۃ الخفاء ص ۱۸۵ سلہ مشکوٰۃ شریف سلہ الطبقات الکبری صفحہ ۴۳ و ۳۳ ج ۲ ۔

صحابہ کرامؓ کی مالی زندگی

محمد کرد علی شامی

بعثت نبوی کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضؓ چالیس ہزار درہم کے مالک تھے جس کو وہ اپنی اور مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے چنانچہ ۹ھ میں جیش عسرت کی تیاری کے لئے دس ہزار دینار دئے اسی غزوہ میں حضرت عثمانؓ نے بھی بڑی قیمتی مدد کی تھی وہ زمانۂ جاہلیت میں دولت مندوں میں شمار کئے جاتے تھے، جیش عسرت کی امداد میں انھوں نے ۹۵۰ اونٹ اور پچاس گھوڑے مع ساز وسامان کے اور ایک ہزار دینار نقد دیئے آپ کے عہد خلافت میں مدینہ میں مال و دولت کی بڑی فراوانی ہوگئی تھی خود آپ کے پاس ایک ہزار لونڈی غلام تھے اور اس مال میں مسلمانوں کے بیت المال اور مال غنیمت کے خمس کا ایک حبہ بھی شامل نہ تھا۔

حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں اہل حجاز کی منڈی عکاظ کے دولت مند تاجروں میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم حضرت خدیجہ صدیقہ رضؓ بڑی دولت مند خاتون تھیں ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا وہ اپنا تجارتی مال شام بھیجتی تھیں، تنہا ان کا تجارتی قافلہ پورے قبیلۂ قریش کے کاروان تجارت کے برابر ہوتا تھا، وہ مردوں کے ذریعہ تجارت کراتی تھیں اور منافع کی شرکت پر لوگوں کو تجارت کے لئے روپیہ دیتی تھیں۔

ابو سفیان تجار مکہ کے شیخ تھے اور زمانہ اسلام سے پہلے دولت مندوں میں ان کا شمار تھا وہ دوسرے تاجروں کو اپنا اور قریش کا مال دے کر شام اور دوسرے عجمی ملکوں میں بھیجتے تھے کبھی کبھی خود مال لے کر جاتے تھے رومی اور عجمی ملکوں میں ان کے تعلقات تھے ان کے پاس بڑی دولت اور بڑا تجارتی سامان تھا شام میں بلقار کے مقام میں لقنس نامی ان کا اپنا مملوکہ گاؤں تھا غزوۂ بدر کے دن وہ قریش کے ایک بڑے تجارتی کارواں کے ساتھ جس میں بڑی دولت اور بہت سا تجارتی سامان تھا، شام سے واپس ہوئے تھے اور اس کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے بڑی بہادری دکھائی تھی۔ اس قافلہ میں بنو امیہ کا چار خمس مال تھا، اور کل سامان کی قیمت کا تخمینہ پچاس ہزار دینار تھا۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی قریش کے بڑے صاحب ثروت لوگوں میں تھے۔ ان کی بیوی ایک مرتبہ ازواج مطہرات کے پاس گئیں ان کو خستہ حال دیکھ کر انھوں نے کہا، تمہارے شوہر تو قریش کے سب سے بڑے دولتمند آدمی ہیں، پھر تم کیوں اس حال میں ہو؟ انھوں نے کہا ان کی ذات سے میرے مقدر میں کچھ نہیں ہے۔ ان کی راتیں [illegible]

روزوں میں بسر ہوتے ہیں (یعنی پھر بناؤ سنگار کس کے لئے کروں)

یہ واقعہ ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے حضرت عثمان رض سے فرمایا، کیا تمہارے لئے میری ذات نمونۂ عمل نہیں ہے، انھوں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، واقعہ کیا ہے؟ فرمایا تم سارے دن روزے رکھتے ہو اور ساری راتیں نمازیں پڑھتے ہو؟ عرض کیا ایسا تو ہے فرمایا ایسا نہ کیا کرو اس لئے کہ تم پر تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے بیوی کا بھی حق ہے اس لئے نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فہمائش کے بعد جب دوبارہ عثمان بن مظعون رض کی بیوی ازواج مطہرات سے ملنے گئیں تو دلہن کی طرح عطر میں بسی ہوئی تھیں، ازواج مطہرات نے پوچھا، اب یہ تغیر کیسا؟ .... انھوں نے کہا اب میں بھی دوسری عورتوں کی طرح ہو گئی،

صحابہ کرام پر دنیا اتنی وسیع ہو گئی تھی کہ ان میں سے بعض لوگ ایک ایک لاکھ میں ایک ایک گھوڑا خریدتے تھے، مدینہ میں ایک ایک باغ کی قیمت چار چار لاکھ تک پہنچ گئی تھی، مدینہ نہایت آباد ہو گیا تھا۔ آبادی، مال و دولت اور ہر قسم کے سازوسامان کی کثرت تھی، سارے ملک کا خراج مدینہ آتا تھا، وہ حکومت کا پایۂ تخت تھا اس لئے یہاں کے باشندے مال و دولت گھوڑوں اور ہر طرح کی نعمتوں کی بہتات سے مالا مال ہو گئے تھے۔

حکیم بن حزام نے اپنا ایک گھر امیر معاویہ رض کے ہاتھ ساٹھ ہزار دینار میں بیچا تھا لوگوں نے ان سے کہا کہ معاویہ نے بڑا سستا لے لیا انھوں نے کہا، میں نے اس کو زمانہ جاہلیت میں ایک مشکیزہ شراب میں خریدا تھا۔ تم لوگ گواہ رہو، اب میں اس کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں، اب دیکھو کون خسارہ میں رہا، اسی گھر کے فروخت پر حضرت زبیر رض نے ان سے کہا تھا کہ تم نے قریش کی عزت و شرف کو بیچ دیا۔ حکیم نے کہا اسلام نے ہماری مفروضہ عزت کو ختم کر دیا صرف تقویٰ باقی ہے، اور اس کی قیمت خیرات کر دی،

حضرت حکیم حضرت خدیجہ رض اور حضرت زبیر رض کے چچیرے بھائی تھے اور زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں قریش کے اشراف اور اصحاب وجاہت میں ان کا شمار ہوتا تھا ایک مرتبہ انھوں نے حج کیا تو ایک سو قربانی کے جانور ساتھ لے گئے اور ان پر بیش قیمت حبرہ (ایک قیمتی کپڑا) کی جھولیں تھیں، اور عرفہ میں ایک سو غلام خدا کی راہ میں آزاد کئے جن کی گردنوں میں چاندی کی تختیاں تھیں اور ان میں "حکیم ابن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد" نقش تھا اور ایک ہزار بکریاں خانۂ کعبہ پر چڑھائیں وہ اپنے زمانہ کے بڑے فیاض اور سیرچشم تاجر تھے، تجارت کے لئے یمن اور سال میں دو مرتبہ جاڑے اور گرمی میں شام جایا کرتے تھے انھوں نے تجارت سے بڑی دولت پیدا کی۔

حضرت عمر رض نے جب اپنے زمانۂ خلافت میں صحابہ رض کے وظائف مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا، سب نے اس کی تائید کی اس کے بعد فتح مکہ کے مسلمانوں کی رائے لی، انھوں نے بھی حمایت کی، صرف ایک حکیم بن حزام نے اختلاف کیا انھوں نے کہا " امیرالمومنین! قریش کا پیشہ تجارت ہے، جب ان کے وظیفے مقرر ہو جائیں گے تو وہ تجارت چھوڑ دیں گے، اس کے بعد جب ان کا وظیفہ کسی سبب سے بند ہو جائیگا اور وہ آپ کے پاس آئیں گے اس وقت ان کی تجارت ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہوگی۔"

حکیم کی رائے نہایت مناسب اور حکیمانہ تھی اس لئے کہ وظیفوں کے عام تقرر کے معنی یہ تھے کہ ایک ترقی یافتہ جماعت کو عمل اور جدوجہد کی عادی ہو سست اور کاہل بنا دیا جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کے عربوں کو وہی صورت حال پیش آئی جو اسپینیوں کو اس زمانہ میں پیش آئی تھی جس زمانہ میں جنوبی امریکہ فتح ہوا تھا، اس وقت اس نئی دنیا سے ہزاروں کی تعداد میں سونے کی ڈھلی ہوئی اشیاء اور نادر معدنیات اسپین آئے تھے، اس سے وہاں مال و دولت کی بڑی فراوانی ہو گئی اور لوگ تن آسانی اور تعیش کے عادی ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے

ہی عرصہ میں اسپین یورپ کا سب سے غریب ملک ہوگیا۔ ایسے ہی وظائف نے بھی مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے مسلمانوں میں بھی کچھ دیر کے لئے تھوڑی سی فراغت پیدا کردی اور چونکہ حجاز میں سارے اسلامی ملکوں سے مال غنیمت، خراج، عشور، صدقات اور جزیہ کی آمدنیاں آتی تھیں، اس لئے عربوں کا بڑا حصہ قوم کے خزانہ پر زندگی بسر کرنے کا عادی ہوگیا اور جب فتوحات کا دور ختم ہوگیا اور اس کی آمدنیاں جاتی رہیں، اس وقت قریش کے ہاتھوں سے تجارت نکل چکی تھی اس لئے حجاز فقر وفاقہ میں مبتلا ہوگیا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی مدینہ کے بڑے دولتمندوں میں تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے نقد سرمایہ کی زکوٰۃ مروان کے پاس پانچ ہزار درہم بھیجی تھی اور اپنی وفات کے وقت ڈھائی لاکھ درہم چھوڑے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی صاحب ثروت اور فیاض تھے: حضرت عباسؓ زمانۂ جاہلیت میں ہاشمی خاندان کے سب سے بڑے دولتمند آدمی تھے اور جنگ بدر کے بیشتر قیدیوں کو انہی نے کفار کیجانب سے فدیہ دے کر چھڑایا تھا اور خود اپنے فدیہ میں ایک سو اوقیہ سونا دیا تھا۔ یعلی بن امیہؓ بھی بڑے دولت مند تھے۔ عمرؓ بن ربیعہ شاعر کے والد عبداللہ بن ربیعہ اتنے دولت مند تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مرتبہ چالیس ہزار قرض لیا تھا اور اس کو ادا کرتے وقت ان کے اہل وعیال اور مال ودولت میں برکت کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا کہ "قرض کا بدلہ اس کی ادائیگی اور حمد وتشکر ہے" زمانۂ جاہلیت میں معمول تھا کہ ایک سال پورا خاندان قریش چندہ کر کے خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھاتا تھا اور ایک سال عبداللہ تنہا اپنے صرف سے یہ خدمت انجام دیتے تھے اس سے ان کا لقب "عدل" ہوگیا، کیونکہ وہ تنہا قریش کی برابری کرتے تھے وہ بڑے تاجر تھے ان کی تجارت یمن میں ہوتی تھی اسی طریقہ سے حویطبؓ بن عبدالعزیٰ بھی دولت مند تھے انھوں نے بھی ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس ہزار قرض دیا تھا اور امیر معاویہؓ سے ۴۵ ہزار دینار میں ایک مکان خریدا تھا!

حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف جو آٹھویں مسلمان تھے بڑے دولتمند اور خوش نصیب تاجر تھے ان کے پاس اتنی دولت تھی کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "مجھے خوف ہے کہ دولت کی کثرت مجھے ہلاک نہ کردے" انھوں نے فرمایا "اس کو خرچ کردو" اس پر انھوں نے اس طرح عمل کیا کہ ایک زمین چالیس ہزار دینار میں فروخت کر کے اس کی قیمت خیرات کی، ایک مرتبہ ایک بڑا تجارتی کاروان جس میں سات سو اونٹوں پر سامان تھا مع اونٹوں کے صدقہ کردیا اپنی پوری عمر میں تیس ہزار غلام آزاد کئے اور وفات کے وقت امہات المومنین کے اخراجات کے لئے ایک باغ کی وصیت کرگئے جو چار لاکھ میں فروخت کیا گیا۔ پچاس ہزار دینار خدا کی راہ میں خیرات کئے اور ہر بدری صحابی کے لئے چار چار لاکھ دینار کی وصیت کی۔ اس وقت جتنے اصحاب بدر زندہ تھے ان سب کو وصیت کے مطابق پوری رقم دی گئی اتنی دولت صرف کرنے کے بعد بھی بہت بڑا سرمایہ چھوڑ گئے، سونے کی اتنی بڑی بڑی سلیں تھیں کہ ان کو ہتھوڑوں سے کاٹا گیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے ان کے اصطبل اور مویشی خانہ میں ایک ہزار اونٹ، اسی قدر گھوڑے اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ وفات کے وقت چار بیویاں تھیں ان چاروں کو ترکہ میں آٹھویں حصہ میں اسی اسی ہزار ملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی انھوں نے کار خیر میں بہت کچھ صرف کیا تھا اور ان کی دولت جس قدر بڑھتی جاتی تھی اسی قدر صدقات وخیرات میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ چار ہزار، دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ چار کروڑ درہم خیرات کئے، اور پانچ سو اونٹ مجاہدین کی سواری کے لئے دیئے۔ پندرہ ہزار قیدیوں پر صرف کئے

حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری بھی مدینہ کے دولت مند لوگوں میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان میں اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ میں مواخات کرائی تو سعدؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ سے کہا کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ دولتمند آدمی ہوں میرے مال کا آدھا حصہ تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں، ان میں سے جس کو

پسند کرو اس کو میں طلاق دے دوں لیکن عبدالرحمٰن رضؓ نے شکریہ کے ساتھ اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و مال میں برکت دے اور خود تجارت شروع کر دی، اس میں اللہ تعالیٰ نے جتنی برکت عطا کی اس کا اندازہ اوپر کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ عرب کے گیارہ مشہور فیاض دولت مندوں میں سے تھے، ان کی فیاضی کی وجہ سے ان کو طلحۃ الفیاض، طلحۃ الجود، طلحۃ الخیر اور طلحۃ الطلحات کے القاب سے پکارا جاتا تھا، ان کی ثروت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنا ایک باغ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں بیچا اور یہ پوری رقم ایک رات میں اہل مدینہ میں تقسیم کر دی۔ روایتوں میں ہے کہ اپنے بعد انھوں نے بیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار چھوڑے

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جو نقد و جنس چھوڑا تھا اس کی مجموعی قیمت تین کروڑ تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ تین کروڑ درہم اور بائیس لاکھ دینار نقد چھوڑے اور دوسرے ساز و سامان کی قیمت اس کے علاوہ تھی، ان میں سے جو روایت بھی صحیح مان لی جائے وہ ان کی ثروت کے اندازہ کے لئے کافی ہے، ان کی عراق کی جائداد کی آمدنی چار لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ سالانہ تک تھی، اور سراۃ کی جائداد کی آمدنی پندرہ ہزار دینار سالانہ تھی۔ صرف غلہ کی پیداوار کی قیمت ایک ہزار وافی (ایک طلائی سکہ) سالانہ تھی۔ اپنے قبیلہ بنی تمیم کے تمام غربا اور اہل حاجت کی پرورش کرتے تھے ان کی بیواؤں کی شادیاں، غریبوں کی کفالت، اور مقروضوں کا قرض ادا کرتے، جب ان کی جائداد کی سالانہ آمدنی آتی تو اس میں سے دس ہزار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کرتے۔ یعلیٰ بن امیہ نے ایک مرتبہ چار لاکھ روپے سے حضرت زبیرؓ بن عوام کی مدد کی، خاندان قریش کے ستر آدمیوں کو سواریاں دیں، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ جس اونٹ پر سوار تھیں وہ ان ہی کا تھا۔

حضرت خبابؓ بن ارت بھی اغنیاء میں تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں تھا کہ میرے پاس ایک دینار بھی نہ تھا۔ اور آج میرے گھر کے ایک گوشہ میں ایک تابوت میں چالیس ہزار دانی موجود ہیں، مجھ کو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ہماری نعمتوں کا حصہ دنیا ہی میں نہ دیدیا گیا ہو۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ نے اپنے بعد سونے اور چاندی کی سلیں چھوڑی تھیں جو تھوڑے سے کاٹی جاتی تھیں۔ نقد دولت اور جائداد اس کے علاوہ تھی جس کی مجموعی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ یعلیٰ بنؓ امیہ نے اپنے بعد پندرہ ہزار دینار اور تین لاکھ قیمت کی جائداد اور دوسری چیزیں چھوڑیں، ان سب سے زیادہ دولتمند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کے پھوپھیرے بھائی حضرت زبیر بن عوامؓ تھے جو عشرہ مبشرہ میں تھے یہ بہت بڑے تاجر اور صاحب ثروت تھے ان کے ایک ہزار غلام ان کو خراج دیتے تھے جس کو وہ اکثر ایک ہی نشست میں خیرات کر دیتے تھے، اس فیاضی اور صدقات و خیرات کی وجہ سے انھوں نے اپنے بعد نقد رقم نہیں چھوڑی۔ لیکن ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار لونڈیاں، دو جائدادیں جن میں سے ایک مدینہ کے قریب ایک بڑا جنگل تھا اور گیارہ گھر مدینہ میں، دو بصرہ میں ایک کوفہ میں چھوڑے، وفات کے وقت مقروض تھے اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی دولت مندی اور امانت کی وجہ سے لوگ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھواتے تھے یہ احتیاط کی بنا پر امانت کی شکل میں نہیں رکھتے تھے بلکہ قرض کے طور پر لے لیتے تھے اس کی وجہ سے وہ بہت مقروض ہو گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں غزوات میں شرکت کے علاوہ تحصیل خراج یا امارت کا کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔ وفات کے وقت بائیس لاکھ کے مقروض تھے۔ حکیم بن حزام نے ان کے صاحبزادے عبداللہ سے پوچھا کہ بھتیجے، بھائی نے کتنا قرض چھوڑا۔ انھوں نے پہلے چھپایا۔ اور ایک لاکھ بتایا۔ حکیم نے کہا تمہارے مال میں تو اس کے ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس وقت عبداللہ نے کہا "اگر بائیس لاکھ ہو تو آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا اتنی بڑی رقم کا دینا تمہارے بس سے باہر ہے اگر تم سے ادا نہ ہو سکے تو مجھ سے مدد

لینا ۔ حضرت زبیر رضؓ نے کسی زمانے میں مدینہ کے قریب ایک بڑا جنگل ستر ہزار میں خریدا تھا عبداللہؓ نے اس کا ایک چھوٹا حصہ سولہ لاکھ میں بیچ کر اعلان عام کر دیا کہ والد کے ذمے جس کا قرض ہو وہ اس کے معاوضے میں جنگل لے لے عبداللہ بن جعفر رضؓ کا چار لاکھ قرض تھا۔ انھوں نے عبداللہؓ سے کہا، اگر تم چاہو تو میں یہ قرض چھوڑ دوں، اور اگر مہلت لینا چاہو تو مہلت دے دوں انھوں نے ان میں سے کوئی صورت منظور نہیں کی اور قرض کے بدلے میں جنگل کا ایک ٹکڑا عبداللہ بن جعفر کو دیدیا اس کو الگ کرنے کے بعد بھی ان کے پاس ۴ ۱/۲ جنگل باقی رہ گیا جس کا ایک حصہ منذر نے ایک لاکھ میں خریدا اور ۱/۴ حصہ امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ پچاس ہزار میں لیا اور عبداللہ بن زبیر رضؓ نے عبداللہ بن جعفر کے قرض کے معاوضہ میں ان کو جنگل کا جو ٹکڑا دیا تھا اس کو انھوں نے چھ لاکھ میں فروخت کیا، اس طریقہ سے ابن زبیرؓ نے اپنے والد کا کل قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد ورثاء نے باقی ماندہ ترکہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا میں چار سال تک برابر حج کے موقعہ پر اعلان کروں گا کہ جو قرض خواہ باقی رہ گیا ہو وہ آکر اپنا قرضہ لے لے اور جب کوئی قرض خواہ باقی نہ رہ جائے گا اس وقت ترکہ تقسیم کروں گا چنانچہ چار سال اعلان کرنے کے بعد جب کوئی قرض خواہ باقی نہیں رہ گیا اس وقت ترکہ تقسیم کیا، اس وقت بھی اتنی دولت باقی رہ گئی تھی کہ حضرت زبیر رضؓ کی چار بیبیوں کو آٹھویں حصہ میں گیارہ گیارہ لاکھ ملا، اس حساب سے ان کی متروکہ جائداد کی قیمت کا اندازہ تین کروڑ باون لاکھ کیا جاتا ہے بعض روایتوں میں پانچ کروڑ تک ہے

ان کے علاوہ صحابہ میں حضرت مقداد بن اسودؓ، عروہ بن جعفرؓ، انس بن مالک اور عمروؓ بن حریث مخزومی دولت مند، اور سعید بن عائذ، ابو معلق انصاری، حضرت عمر رضؓ کے صاحبزادگان عبداللہ اور عبیداللہ حاطب بن ابی بلتعہ اور سوید بن قیس عبدی بڑے تاجروں میں تھے۔

اوپر کی مثالوں سے عربوں کی ثروت کا اندازہ ہو سکتا ہے

اس دولت کے ساتھ ان میں امانت ایثار، صدقات وخیرات اور زہد بھی اسی درجہ کا تھا

ان میں سے اکثر اسلام سے پہلے بھی دولت مند تھے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے بعد اس میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا اور اس دولت کو انھوں نے بہت سے قومی و ملی کاموں میں صرف کیا اس سے فوجیں تیار کیں، مجاہدین پر صرف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ابتدائی غزوات میں بڑی مدد ملی۔ صحابہ کی دولت مسلمانوں کے مفاد و مصالح اور فقراء مساکین و غرباء پر یکساں صرف ہوتی تھی، اس دولت کا بڑا حصہ انھوں نے تجارت سے پیدا کیا تھا، اور زراعت اور صنعت وحرفت کا حصہ اس میں بہت کم تھا۔ ابوطالب عطریات اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضؓ عمر رضؓ طلحہ رضؓ اور عبدالرحمٰن رضؓ وغیرہ کپڑوں کے تاجر تھے،

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ایک زمانے میں تیر بناتے تھے اور ایک روایت کے مطابق کھجور کے درختوں کی اصلاح کرتے تھے، عتبہ رضؓ نجاری کرتے تھے، حضرت زبیرؓ کے والد عوام خیاطی کرتے تھے، عمرو بن العاص جانور ذبح کرتے تھے اور چمڑا اور خوشبویات بیچتے تھے، ابوسفیان رضؓ زیتون کے تیل اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے، عبداللہؓ بن جدعان لونڈی غلاموں کی تجارت کرتے تھے، عثمان بن طلحہ خیاطی کرتے تھے۔

(الاسلام والحضارۃ العربیۃ)

ہندوستان کے معاشرتی روگ کی حقیقت اور اس کا علاج

قسط ۲

★ —— از صوفی نذیر احمد کشمیری —— ★

ایک سوال

میں سیکولرازم کے مبلغوں سے بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آخر وہ کون سے زر و جواہر کے دفینے ہیں کہ جنہیں وہ "نیشنل کلچر" کے نام پر محفوظ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں؟ اور حتی المقدور یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسلام کے ہزار سالہ اثر کو تاریخ، ادب لٹریچر و مذہبی تاریخ میں سے اس طرح نابود کیا جائے کہ آئندہ کی نسل پر اس کا کوئی اثر نہ پڑ سکے۔ البتہ راکھشوں کی دیومالا میں ان کا کوئی ذکر آجائے تو حرج نہیں ہوگا!

ذرا انسانی ضمیر کو بیدار کرتے ہوئے تاریخ کی روشنی میں یہ معلوم کرو کہ آریاؤں کی آمد نے اس ملک کے باشندوں کو کیا دیا اور مسلمانوں کی آمد سے اس ملک کو کیا ملا؟ ان دو میں سے کون دشمنِ انساں کہلانے کا حق دار ہے اور کون محسنِ انسانی ہے؟

کیا مسز گاندھی، اسبھدرا جوشی اور سیکولر فورم کے اے' بی شاہ یہ نہیں جانتے کہ گزشتہ ۲۵ برسوں سے جو جہاد مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے جاری ہے، وہ بالکل وہی جنگ ہے جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے ہندوستان قدیم کے باشندوں کے خلاف لڑی گئی تھی جو بعد میں بدھؑ کی اخلاقی تعلیم کے خلاف لڑی گئی اور جو اَب مسلمانوں کے خلاف لڑی جا رہی ہے! اور یہ صرف اس لئے کہ ان کا ثقافتی پس منظر ایک رب العالمین کے اعتقاد سے شروع کر کے عالم گیر انسانی بھائی چارہ پر پھیلا ہوا ہے اور اگر کسی وقت اس میں حرکت پیدا ہوگئی تو نسلی فوقیت کی ساری تجارت اور کاروبار بند ہو جائے گا۔ یہ جنگ اتحادِ انسانی کے علم برداروں کے خلاف فسطائیت کی جنگ ہے! لہٰذا اے نسلی اونچ نیچ کے قیدی بہن بھائیو! اٹھو، اور اس فریب کار زنجیر کی ایک ایک کڑی کو توڑ کر اسے سب سے گہرے سمندر میں ڈبو دو، اور عالم گیر انسانی بھائی چارے کے معاشرتی نظام عالم گیر رب العٰلمین کے روحانی اعتقاد اور شرافتِ نوعِ انسانی کے دھرم کو زندہ کرنے کا عالم گیر اعلان شروع کر دو، مذہب کے نام پر تمہارا نسل و وطن کے امتیازات کو بحال کرنا اگر دینِ انسانی کو دینِ حیوانات سے بدلنے کے ہم معنیٰ ہے تو تمہارا سیکولرازم اپنے آپ کو، اور کائناتِ انسانی کو دھوکہ دینے کے ہم معنی ہے! بدی کو نیکی سے بدلنا اصل علاج ہے، باقی سب شترمرغ کی

خودفریبی ہے جس کا نتیجہ ساری دنیا جانتی ہے!

نئی خودفریبیاں

(۱) اپنی ثقافتی برتری کو ثابت کرنے اور اصل خونی ڈرامے کو چھپانے کے لئے ایک اوسط درجہ کا پڑھا لکھا برہمن عام طور پر یہ کہتا سنا جاتا ہے کہ ہمارا دھرم ہمیں کسی بات کے کرنے اور نہ کرنے کا پابند نہیں کرتا، کس درجہ منفی اندازِ فکر ہے، اور اسے کس درجہ ایک خوبی بنا کر کبھی اپنے آپ کو تسلی دی جاتی ہے اور کبھی دوسرے کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ یہی وہ نفسیاتی روگ ہے جس نے ہزاروں برس سے اس ملک میں کوئی اجتماعی ضمیر (Social mind) بننے نہیں دیا اور اجتماعی زندگی میں صرف وہ نسلی حس ...... (Caste instinct) کام کرتی ہے جو حیوانات کی رہنما قوت ہے اور جس کا انسان کے اخلاقی ضمیر سے ہر قدم پر تصادم رہتا ہے نسلی حس اور اخلاقی ضمیر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

پھر ایک سوال

جب تم لوگ جنوبی افریقہ کی نسلی تمیز و ظلم کے خلاف دنیا میں آواز بلند کرتے ہو تو کیا تمہارا اخلاقی ضمیر اس بات پر ملامت نہیں کرتا کہ یہ امتیاز تو تمہارے ہاں ہزاروں برس سے مذہب کی حیثیت سے نافذ ہے اور ہزاروں گنا زیادہ شدت کے ساتھ نافذ ہے!

دوسرا سوال

اگر تمہارا دھرم بہ حیثیت انسان کے تمہیں تمام اخلاقی اقدار سے نہیں باندھتا نہ تم پر اخلاقی بدکاریوں سے بچنے کی پابندی لگاتا تو پھر خدا کے لئے یہ بتاؤ کہ کیا وہ ہر قسم کے بے اصولے پن کے علاوہ اور کچھ ہو سکتا ہے؟ اور جب خودفریبی کے اس دخانی پردے کے پیچھے اس خوفناک نسلی اونچ نیچ کے ڈرامے پر بھی نظر رکھ لی جائے جو ہزاروں برس سے اس سرزمین پر کھیلا جارہا ہے تو پھر یہ بے اصولاپن صرف اس ظلم و ستم کے ڈرامے کو چھپانے کا ایک پردہ ہی رہ جاتا ہے۔ لہذا یہ بے اصولاپن بدترین بدی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ محض ایک عوامی مغالطہ ہے!

روحانیت

یہ دوسرا مغالطہ ہے جسے عوامی مغالطے کے بجائے خواص کا مغالطہ کہنا صحیح ہوگا اس کا مفہوم یہ ہے کہ حواس کی کھڑکیوں کو بند کر کے اندر کی دنیا میں گھس جاؤ۔ حواس کی کھڑکیاں بند کرنا اس لئے ضروری ہے کہ حواس جس خارجی کائنات سے الجھتے ہیں وہ کائنات سرتاسر ایک نمودِ محض ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے لہذا اس سے الجھنا ایک لغو اور غلط کام ہے لہذا حواس کی کھڑکیوں کو بند کرتے ہوئے اور اپنے انفرادی "انا" کا اس روحِ اعظم سے رابطہ جوڑو کہ جو ساری کائنات کے اندر جاری وساری ہے اور جسے کسی صفت سے متصف نہیں کیا جاسکتا! بلاشبہ یہ تصور انسان کی اخلاقی انفرادیت اور اس کے اجتماعی اخلاقی ضمیر کی نفی کے سوائے نہ کچھ ہے نہ ہوسکتا ہے وہ ہر ظاہری تصور و تشخص کی نفی کرتے ہوئے عدم کی وادی میں گھسنے کی ایک کوشش ہے وہ انسان کے مادی عمران کی نفی سے شروع کر کے عدمِ محض کے دروازے تک ہر تصور کی نفی ہے۔ یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں ۔۔۔ اس کا آغاز و انجام ہے۔ حالانکہ کمالِ انسانی یہ ہے کہ انسان جو اخلاقی خصوصیات لے کر پیدا ہوا ہے اور جو پیدائشی طور پر بعض بیج کی حیثیت رکھتی ہیں، ایسا طریقِ زندگی اور دھرم اختیار کیا جائے کہ وہ اخلاقی صلاحیتیں کمال کو پہنچ جائیں اور انسان کے مادی جسم کے اندر ایک مضبوط اخلاقی شخصیت تعمیر ہو جائے جو آج تک کے ارتقائے حیات کے سلسلے کا سب سے ترقی یافتہ قدم ہے مگر ہمارے ملک میں روحانیت اسی اخلاقی شخصیت کو فنا کرنے کا نام ہے۔ یہ ہے ہمارے ملک کے خواص کے مغالطے کی حقیقت

اب حقیقی مذہب انسانی کی حقیقت عرض ہے :۔

مذہب انسانی کا عالمگیر فریم ورک

(۱) اس کائنات کا ایک خالقِ مطلق ہے جو تمام اخلاقی صفاتِ کمال سے متصف ہے اور ہر نقص و زوال سے پاک ہے اب انسان کی بے شمار اخلاقی صلاحیتوں پر بھی نظر رکھیئے اور یہ بھی پیش نظر رکھیئے کہ انسان کی یہ اخلاقی صلاحیتیں پیدائشی طور پر صرف تخم کی حیثیت رکھتی ہیں اور انہیں تکمیل تک پہنچا کر انسان کی ابدی بقا اخلاقی شخصیت کی تعمیر میں اور خالق کائنات کے مندرجہ صدر تصور میں کس درجہ مطابقت ہے۔ یہ ہے انسانی مذہب کا اصولِ اول اور انسان کی اخلاقی سرشت کی تکمیل کا واحد ذریعہ! اس کے سوائے انسان کی اخلاقی سرشت کی تکمیل کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ اسے اصول توحید باری تعالیٰ کہا جاتا ہے اسے نظر انداز کر دیجئے تو پھر انسان کی اخلاقی تکمیل کا کوئی ذریعہ نہیں ہتا اور پھر دو خوفناک بھوتوں میں سے انسان کو کسی ایک کو اپنا معبود بنانا پڑتا ہے ایک ہے بے حس، بے شعور اور بے ارادہ مادہ، اس کا ادراک آپ اپنے حواس ظاہری سے کرسکتے ہیں اور دوسرا ہے ہر صفت سے خالی روح مطلق جو آپ کے باطنی تخیل کی پیدائش ہے پھر دیکھئے کہ یہ دو بے شعور و بے حس اور بے ارادہ بھوت آپ کی اخلاقی سرشت کی پیاس کو کس قدر بجھا سکتے ہیں۔ بلا شک و شبہ یہ دونوں بھوت مل کر بھی خود انسان سے ہزار درجہ گھٹیا ہیں اس لئے کہ انسان ایک ایسی ہستی ہے جو ہستی کے علاوہ بیشمار صفات بھی رکھتی ہے مگر یہ دونوں بھوت تو ان صفات سے محروم ہیں ان دو بھوتوں کی پوجا میں حیات انسانی میں کیسے کیسے انتشار آئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس اعتبار سے تاریخ انسانی کا سرسری جائزہ لے لیا جائے، پھر قرآن مجید کی اس تنبیہ پر بھی نظر رکھ لی جائے: "جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، وہ گویا آسمان سے گر پڑا پھر مختلف جانور اسے اچک لے جاتے ہیں یا اسے تیز و تند آندھی کہیں سے کہیں اڑا لے جاتی ہے"

بلاشبہ خالقِ حقیقی کے اعتقاد سے دست بردار ہونے کے ساتھ ہی انسان کو اپنی اخلاقی سرشت سے دست برداری دینی پڑتی ہے اور مختلف خواہشات و اوہام اس کی اخلاقی سرشت کو تتر بتر کر دیتے ہیں۔ یہ گراوٹ آسمان شرافت سے گر کر کائنات میں منتشر ہو جانے کے مساوی ہے!

(۲) قسم قسم کے حیوانات کے مقابل نوع انسانی ایک اخلاقی و شعوری بھائی چارہ ہے اور اس کے سب افراد کے حقوق حیات اور فرائض حیات مساوی ہیں لہٰذا اس اخلاقی بھائی چارے کے نظام میں "ایک کی بھلائی سب کی بھلائی ہے اور سب کی بھلائی ہر ایک کی بھلائی ہے" "جس کسی نے کسی ایک فرد کو بغیر کسی قصور کے ختم کیا اس نے ساری انسانیت کو ختم کیا اور جس کسی نے کسی ایک کو بچایا اس نے ساری انسانیت کو بچایا" (القرآن)۔

اخلاقی بھائی چارے کا یہ اصول، انسانی معاشرے کے مساوات، عدل، امن اور سلامتی کی واحد بنیاد ہے! اُسے نظر انداز کر دیجئے تو پھر نوع انسانی بھی حیوانات کی طرح ہزار ہا و ہزار متحارب و خونخوار کنبوں میں بٹ جاتی ہے اور اس کی اخلاقی سرشت منتشر ہو جاتی ہے۔

"اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اختلاف نہ کرو" (القرآن)

"ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اللہ کے بندو، بھائی بھائی بن کر رہو۔" (الحدیث)

(۳) چونکہ انسان وہ اخلاقی سرشت لے کر پیدا ہوا ہے۔ جو جمادات، نباتات و حیوانات میں نہیں ہے، لہٰذا اپنی اسی اخلاقی سرشت کے باعث انسان ان سب چیزوں سے اشرف و اعلیٰ ہے اور ان سب کو اپنے فائدے اور سہولت کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔ اس کی یہ شرافت سورج چاند ستاروں سے لے کر سب جمادات و نباتات و حیوانات پر مشتمل ہے اس اصول کو خلافت ارضی کا اصول کہا جاتا ہے اور وہ انسان کی معیشت کی

بنیاد ہے۔ اس کا انکار کر دو تو پھر انسانی معیشت پیٹ پوجا کا اضطراری معاملہ، حیوانات کی چھینا جھپٹی اور چوری چکاری کا معاملہ رہ جاتا ہے جس کی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہوتی!

یہ ہیں انسانی عمران عمومی کے تین مرکزی اصول اور عالم انسانی کا حقیقی امن وسلامتی انہیں کو غیر مشروط طور پر ماننے سے ہے اور انسانی فساد انہیں کو نظر انداز کرنے سے ہے۔

توحید خدا کے اقرار، انسانی بھائی چارے اور شرافت کے آثار نوع انسانی کی پوری تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ ہندوستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ "ایشور" کا لفظ اسی خالق مطلق پر بولا جاتا ہے۔ جو تمام صفات کمال سے متصف ہے مگر پھر ساتھ ہی اسے "نرگن" برہما کے تصور سے بدل دیا جاتا ہے اور انسان کو اس کی اخلاقی تکمیل کے صراط مستقیم سے ہٹا کر ہزاروں باطنی بھول بھلیوں میں منتشر کر دیا جاتا ہے۔

مذہب کی تاریخ میں محمد رسول اللہ کا مشن ہی وہ واحد مشن ہے جہاں ان تینوں اصولوں کا باہم مربوط عمل ایک تاریخی حقیقت کی حیثیت سے آج بھی موجود ہے۔ بشرطیکہ انسان اپنی نظر کو آپؐ کی زندگی کے مکی اور مدنی دور تک محدود کر دے! حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا دور بھی اسی سلسلے کو بے کم و کاست پیش کرتا ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے دور میں اگرچہ مرکز صحت پر تھا مگر شاخوں میں فساد کا عمل پوری طرح شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اس سیاسی جھگڑے کا آغاز ہوتا ہے جس کے نتیجے میں خلافت کا دور ختم ہو کر شخصی بادشاہت کا دور شروع ہوتا ہے اور وہ خلافت نبوی کے بجائے قیصر وکسریٰ کے نمونے پر معاشرے کی تنظیم کرتا ہے اور ساتھ ہی کنبہ داری رقابت بھی سر اٹھاتی ہے۔ حالانکہ محمد رسول اللہ کا صاف صاف حکم تھا کہ "وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کنبے کے نام کی دہائی دے، وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کنبے کے نام پر لڑائی چھیڑے، وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کنبہ داریت پر مرے۔"

گیتا کی مندرجہ صدر تعلیم کو اور محمدؐ کی اس تعلیم کو آمنے سامنے رکھ کر وزن کرنے کی ضرورت ہے! ملوکی دور میں اسلام کے ساتھ کنبہ داریت کو بھی جمع کر لیا جاتا ہے اور وہ دوغلا پن اب تک جاری ہے بلکہ اب تو نیشنلزم کے دہرم کو قبول کرتے ہوئے مسلمانوں نے ساری انسانیت کی ذلت وشکست کو اپنے لئے ریزرو کرا لینے کی کوششیں چاروں طرف جاری کر دی ہیں۔

بھائی چارے کا تصور خالص اخلاقی و معاشرتی تصور ہے اور جب یہ بھائی چارہ سیاست و معیشت کے سوال کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو یہ نظام نظام خلافت کہلاتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے مفاد کے لئے ساری کائنات کی تمام چیزوں اور سب قوتوں کو استعمال میں لا سکتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی اخلاقی سرشت کے باعث سب چیزوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہے اور اسی لحاظ سے وہ خدا کا خلیفہ اور نائب ہے۔ یہ ہے اصول خلافت کی حقیقت اور اس کی کامل ترین شکل اسلام نے پیش کی ہے!

پسماندہ طبقات کے متعلق قرآن مجید کا واضح اعلان

"ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جنہیں زمین میں کمزور کر دیا گیا ہے، ہم انہیں لیڈر اور اپنے وارث بنائیں، انہیں زمین میں مستحکم کریں اور (ان کے دشمنوں مثلاً) فرعون، ہامان اور ان کے حاشیہ نشینوں کو انہیں کمزور لوگوں کے ہاتھوں وہ سزا دلائیں جس سے وہ (فرعون، ہامان وغیرہ) ڈرتے تھے۔" (القرآن)

دنیا کی قریباً سبھی مذہبی کتابوں میں غریب طبقات کے لئے ہمدردی کے الفاظ تو ملیں گے مگر یہ کہ انہیں فرعون و ہامان کے بجائے وارث تخت و تاج بنایا جائے گا اس کی بھنک بھی کہیں نہ ملے گی۔ یہ اعلان صرف قرآن مجید کا ہے۔ لہٰذا شری جگ جیون رام، شری کرونانڈی اور سارے ہی ان طبقات سے جنہیں برہمن ازم کے مظالم کی شکایت ہے، گذارش ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں قرآن مجید کے ان الفاظ کو نوٹ کر لیں

اور ان کی روشنی میں اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں!

برہمن لیڈروں سے!

مسز گاندھی، ان کے برہمن رفقاء سے خاص کر اور عام برہمن لیڈروں سے عام طور پر یہ گذارش ہے کہ جس صورت میں پنڈت نہرو آنجہانی نے یدھیونتی کا اجلاس بلوایا بعد میں گورنمنٹ آف انڈیا نے ہندو وشو دھرم سمیلن کا اجلاس بلوالیا اور اسے ان کے سیکولرازم کے منافی نہیں سمجھا گیا تو کیوں اس دعوت نامے کو بنیاد بنا کر ایک عالمی انداز کی مذہبی و اسلامی کانفرنس طلب نہ کی جائے ہندوستان میں جمہوریت کے نام سے جو بیداری شروع ہوئی ہے وہ کسی صورت برہمن ازم کی گدی کو قائم نہ رہنے دیگی۔ ساتھ ہی سارے ملک میں انارکی بھی کردے گی لہٰذا اگر ہندوستان توحید خدا و اخوت انسانی کے اس مشن کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو بلاشبہ خلافت تحریک قسم کی ایک ایسی تحریک جنم لے سکتی ہے جو اشتراکیت و سرمایہ داری کے مقابل اسی طرح اپنے لئے ایک مقام پیدا کرے گی کہ جس طرح عرب نے اس دعوت کو قبول کرنے کے بعد پہلے تو رومن امپائر و پرشین امپائر کے مقابل اپنا ایک مقام پیدا کیا اور بعد میں جب تصادم ہوا تو پھر اس اخلاقی طاقت کے مقابل یہ دونوں امپائر تنکوں کے ڈھیر کی طرح بہہ گئے۔ ہندو پاک جھگڑا تو قدم اول پر ختم ہوگا۔ اس کے بعد انڈونیشیا و ملائشیا مشرق کی طرف سے اور ترکی و ایران و افغانستان مغرب کی طرف سے و عرب لیگ کے تمام ارکان مغربی و شمالی کی طرف سے اس اخلاقی تنظیم میں شامل ہو سکتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ایک مضبوط، امن پسند بلاک پیدا ہو جاتا ہے جو ساری دنیا کے لئے مرکز توازن بن جاتا ہے! ویسے ساری دنیا بھی موجودہ ظلم و جبر و مکاری سے تنگ آکر ایک متعین قسم کی اخلاقی کروٹ بدلنے کے لئے تیار محسوس ہوتی ہے۔

یک خوبی

برہمن ازم ساری ان ان گنت خرابیوں کے باوجود کہ جن کا اوپر سرسری تذکرہ کیا گیا ہے، اس بات کا ہر دور میں قائل رہا ہے کہ "مذہب کی ہر شکل کے ذریعہ نجات حاصل ہو سکتی ہے" لہٰذا مذہب کی ایسی شکل کو قبول کرنا کہ جو موجودہ عالم گیر اخلاقی انتشار کے علاوہ خود ہمارے ملک کے ہزاروں برس کے ذات پات اور چھوت چھات کے تفرقے کو بھی ختم کر سکے، کسی صورت مذہباً بھی ناجائز نہ ہوگا اور اسی کے پیش نظر تمام شنکر آچاریوں، تمام بڑے بڑے روحانی مرکزوں سے راقم کی گذارش ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں، شری اٹل بہاری واجپائی صدر جن سنگھ اور دوسرے تمام جن سنگھی اور آر ایس ایس کے لیڈروں سے گذارش ہے کہ وہ اپنے موجودہ طریق کار کو ختم کرتے ہوئے اس دعوت کو ملک کے کونے کونے تک پہنچانے میں تعاون کریں!

ایک ضروری گذارش

احقر ہندوستان کے سارے دینی مدارس سے پرزور درخواست کرتا ہے کہ وہ ہر مدرسہ میں حفظ قرآن اور تعلیم قرآن کا خاص انتظام فرمائیں۔ مسلمانوں کے لئے ہر قسم کی تعلیم بعد میں اور کلام پاک کا حفظ و ناظرہ مقدم ہے،

احقر نے نماز کے قواعد و مسائل پر ایک کتاب بیادگار حضرت علامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری مرتب کی ہے۔ جس کے کئی ایڈیشن چھپ کر مفت تقسیم ہو چکے ہیں۔

نیا ایڈیشن عنقریب تیار ہوگا

محصول ڈاک کے لئے ضروری ٹکٹ بھیج کر یہ کتاب ہم سے طلب فرمائیے۔

پیرزادہ محمد یوسف یوسفی محلہ مسلم پیر صاحب

سوپور (کشمیر)

مسودہ قانون تبنیت ۱۹۷۲ء کا

شرع اسلامی کی رو سے جائزہ

محترم مولٰنا سید منت اللہ صاحب رحمانی جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ

مسودہ قانون تبنیت (   ) ایام جاہلیت کے اس رواج کو جاری اور زندہ کرتا ہے جس کی رو سے متبنیٰ (   ) کو حقیقی اور صلبی اولاد کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور متبنیٰ کو قانونی حقوق اور مفادات ملتے ہیں۔ جاہلیت کے اس رواج کو قرآن نے منسوخ اور ختم کیا ہے۔ اور یہ مسودہ قانون حسب ذیل آیت قرآنی کے مفہوم اور اس کی تصریحات سے متعارض ہے۔

ماجعل ادعیاءکم
ابناءکم ذالکم قولکم
بافواھکم واللہ یقول
الحق وھو یھدی السبیل
ادعوھم لاٰبائھم ھو
اقسط عند اللہ فان لم
تعلموا اٰباءھم فاخوانکم
فی الدین وموالیکم
(احزاب)

(ترجمہ):- نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنے منھ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سجھاتا ہے راہ۔ پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں۔

مذکورہ بالا آیت متبنیٰ (Adapted child) کو صلبی اور حقیقی اولاد قرار دینے سے انکار کرتی ہے اس لئے مسودہ قانون تبنیت قانون خداوندی سے متعارض ہے۔

قانون تبنیت (Adoption of children Bill) اسلام کے قانون وراثت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، جبکہ قرآن سورۂ احزاب میں متبنیٰ کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کسی کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ نہیں روکتا۔ لیکن تبنیت وغیرہ کے فرضی رشتے وراثت کے باب میں مؤثر نہیں

واولوا الارحام بعضھم
اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ
من المؤمنین والمھاجرین
الا ان تفعلوا الیٰ
اولیاءکم معروفا
کان ذالک فی الکتاب
مسطورا
(احزاب)

ترجمہ:- اور قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ سب ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ کرنا چاہو اپنے رفیقوں سے احسان یہ ہے کتاب میں لکھا ہوا

* *

مسودہ قانون تبنیت ۱۹۷۲ء اسلامی نظام وراثت کی بنیادیں منہدم کر دیتا ہے اگر اس مسودہ نے قانونی شکل اختیار کر لی تو قرآن مجید کی متعدد آیات جنکا تعلق مسئلہ وراثت سے ہے مجروح اور معطل ہو جائینگی۔

باپ اور ماں کا حصہ وراثت بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ

فان لم یکن لہ — ترجمہ: اگر اس کے اولاد نہیں
ولد وورثہ ابواہ — اور وارث ہیں اس کے ماں باپ
فلامہ الثلث — تو اس کی ماں کا ہے تہائی۔

(نساء ع ۱۳)

بھائی کا حصۂ وراثت بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے

وھو یرثھا ان لم — ترجمہ: اور وہ بھائی وارث ہے
یکن لھا ولد — اس بہن کا اگر نہ ہو اس کے بیٹا

(نساء ع ۲۴)

بیویوں کا حصہ وراثت بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے

ولھن الربع مما — ترجمہ: اور عورتوں کے لئے
ترکتم ان لم یکن — چوتھائی مال ہے اس میں سے
لکم ولد — جو چھوڑ مرے مرد اگر نہ ہو تمہارے اولاد

ان تمام آیتوں میں صلبی اولاد موجود نہ ہونے کی صورت میں ماں، بھائی، اور بیوی کا حصہ اولاد کی موجودگی کی صورت کے مقابلہ میں زیادہ قرار دیا گیا ہے۔ اگر زیر بحث مسودہ کو قانونی حیثیت حاصل ہو جائے تو متبنیٰ قانوناً صلبی اولاد کی حیثیت اختیار کر لیگا اور ماں، بھائی اور بیوی کے حصے جو قرآن کے مقرر کردہ ہیں کم کرنے ہونگے اور اس طرح مذکورہ بالا آیات قرآنیہ کی صریح مخالفت ہوگی۔

یہ مسودہ قانون قرآن کے قانون نکاح کو بھی متاثر کرتا ہے۔ قرآن نے ان عورتوں کی فہرست دیدی ہے جن سے نکاح حرام ہے اور اس فہرست میں مذکورہ عورتوں کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح حلال قرار دیا گیا ہے!

احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم — ترجمہ: حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے۔

لیکن زیر بحث مسودۂ قانون کی دفعہ ۱۳ شق ۲ متبنٰی کو صلبی اولاد قرار دیکر ان رشتوں میں بھی نکاح کو ممنوع قرار دیتا ہے جن رشتوں میں صلبی اولاد کے لئے نکاح ممنوع تھا اس طرح قرآن کی رو سے جن رشتوں میں نکاح حلال تھا اس مسودہ قانون کی وجہ سے وہ رشتے حرام قرار پاتے۔

یہ مسودۂ قانون آیات قرآنی میں تبدیلی کا موجب ہے حالانکہ قرآن میں تبدیلی کا حق خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں تھا اور قرآن نے اسے رب کی نافرمانی قرار دیا ہے۔

ان ہی قرآنی تصریحات کی بنیاد پر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن منعقدہ ۲۷ و ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء بمبئی میں اپنی قرار داد نمبر ۲ میں اعلان کیا کہ یہ اجلاس مسودۂ قانون تبنیت ۱۹۷۲ء کو اپنی موجودہ شکل میں قانون شریعت میں مداخلت سمجھتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے

اور پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ منعقدہ ۵ جولائی ۱۹۷۳ء الہ آباد نے متبنیٰ بل ۱۹۷۲ء (Adoption of children Bill) سے متعلق مسلم پرسنل لاء کنونشن کی منظور شدہ قرار داد کو دہرایا۔

مذکورہ بالا بل (Bill) کے سلسلہ میں حکومت ہند کی مقرر کردہ جوائنٹ سلکٹ کمیٹی مختلف صوبوں میں گھوم گھوم کر شہادتیں قلمبند کر رہی ہے اور نمائندہ اصحاب سے گفتگو اور تبادلہ خیال کر رہی ہے

تمام اہل فکر مسلمانوں اور بالخصوص ارکان بورڈ

کا فریضہ ہے کہ وہ کوشش کریں کہ سلکٹ کمیٹی کے سامنے
پیش ہوں اور متبنیٰ بل کے سلسلہ میں اوپر ذکر کئے گئے
اسلامی جائزہ کے تحت شہادتیں دیں اور گفتگو کریں
تاکہ سلکٹ کمیٹی کے ارکان پر متبنیٰ بل کا قانون شریعت
کے خلاف ہونا پوری طرح واضح ہو جائے

فقط

سید منت اللہ رحمانی

جنرل سکریٹری

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

تنقید و تبصرہ

کمالین شرح اردو جلالین

ترجمہ و تشریح: مولانا سید انظر شاہ کشمیری استاذ تفسیر دارالعلوم۔
شائع کردہ۔ وقار علی نمبر ادارہ تھانوی دیوبند
ضخامت۔ ۱۰۸ صفحات
کتابت و طباعت اور کاغذ۔ عمدہ
ایک نسخہ کی قیمت ۳/۵۰
ایک روپیہ فیس ممبری مذکورہ ادارہ کو بھیج کر اس سلسلہ اشاعت میں باقاعدہ شامل ہوا جا سکتا ہے

خوشی کی بات ہے کہ حضرات علماء دیوبند نے اپنی درسی مشغولیات کے ساتھ تبلیغی اور تصنیفی خدمات پر بھی پوری توجہ دی ہے، جلالین شریف درس نظامی میں بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تفسیر کا یہ مختصر ذخیرہ ایک طالب علم پر فہم قرآنی کی راہ کھول سکتا ہے، جلالین کے پہلے ۱۵ پاروں کا ترجمہ و تشریح اسی ادارہ کی طرف سے دارالعلوم کے ایک اور استاذ نے فرمایا، اب وہ پندرہ پارے چھپ کر تیار ہو گئے ہیں۔ سولہویں پارہ سے ترجمہ و تشریح کی خدمت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کے سپرد کی گئی جو دارالعلوم میں تفسیر کے نہایت خوش بیان استاذ اور ملک کے ایک مشہور مقرر اور اہل قلم ہیں۔ ہم نے زیر نظر پارہ پر نظر ڈالی موصوف نے حل عبارت، تحقیق لغات، ترکیب نحوی، شان نزول اور بیان ربط کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے۔ واقعات و قصص کی ضروری تفصیل کی گئی ہے۔ حل مطالب میں دوسری اہم اور مفید تفاسیر سے مدد لی گئی ہے۔ جہاں سب سے بڑی شگفتہ بیانی اور سادہ بیان کے ساتھ ہے۔ مولانا انظر شاہ صاحب کی تقریر و تحریر کا لب و لہجہ مؤثر بھی ہوتا ہے اور دلنشین بھی۔ مضامین علمیہ کو اصطلاحات علمیہ کے ساتھ پیش کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عوام اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں مگر مولانا موصوف نے انہی گہرے حقائق علمیہ کو اتنی سلاست کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عوام کو ان کے سمجھنے میں انشاء اللہ کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

ہم شائقین سے سفارش کریں گے کہ وہ اس تفسیر کی قدر کریں اور اس کی اشاعت میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

"مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ نئے مرحلہ میں"

از حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و امیر شریعت بہار و اڑیسہ
شائع کردہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بمبئی
صفحات: ۱۵ مع حسین ڈسٹ کور
طباعت: آفسیٹ

اس پچیس سالہ دور میں مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ بتدریج جس قدر نزاکت و اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یہ بات اب کسی پر مخفی نہیں ہے۔

ایک طرف مسلمانوں کے بعض عوامی طبقوں یا افراد کی دینی نقطۂ نظر سے معاشرتی غلط کاریوں نے مسلم پرسنل لا کو ان کے حلقوں میں عمداً معطل کر دیا ہے اور دوسری طرف اس تعطل سے فائدہ اٹھا کر شریعت اسلامیہ میں مداخلت لگانے کے آرزومند بھی

نے مسلم پرسنل لا، کو سرزمین ہند سے قانوناً ہی نیست ونابود کرنے کا بیڑہ اٹھالیا ہے اور یہ سارے اقدامات ان الفاظ کے زیر سایہ ہو رہے ہیں کہ "مسلم پرسنل لا میں کسی ترمیم کا ارادہ نہیں ہے" اس پر تو وہی خالص عوامی مثل صادق آرہی ہے کہ،

"مشرہ ڈھولوں، بیجھا کھاؤں"

بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسلم دشمن عناصر نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مسلمانوں کے قول وفعل اور اخلاق وکردار میں تو کوئی جان رہ نہیں گئی ہے۔ اب صرف اپنے مذہب اور اس کے قوانین واحکام پر اکڑ فوں باقی رہ گئی ہے لہذا اس کو بھی ختم کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح مسلمانوں کی پوزیشن المناک حد تک نازک ہو گئی ہے۔ اب اگر اس مسئلہ کو حل کرنا ہے تو اس کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بلا استثنار اور بلا تفریق مسلک ومشرب اندرون ملک اپنی پوزیشن سے واقف ہو کر تحفظ دین وشریعت کے لئے متفق ومتحد جدوجہد کریں۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں میں مسلک ومشرب کے نام پر اس قدر گروہ بندیاں اور ان میں اس قدر بُعد وافتراق ہے کہ اتحاد کی راہ دیکھنا بھی کار دیوانہ سے کم نہیں رہا۔

لیکن حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند کی مخلصانہ مساعی کامیاب ہوئیں اور مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی نے مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے پرسنل لا، میں ترمیم کے آرزومندوں کو عزم وحوصلہ کے ساتھ جواب دیا کہ دین وشریعت کے تحفظ کے لئے ہم ہر قربانی کیلئے تیار ہیں مسلم پرسنل لا، میں ترمیم کو گوارا نہیں کیا جائیگا

یہ تیر نشانہ پر ضرور پہونچا مگر صرف اس حد تک اثر کیا کہ اُدھر سے یہ آواز آئی کہ "پرسنل لاز میں ترمیم نہیں کیجائے گی" گویا سمندر میں جو طوفان اٹھا تھا اس کی سطح کو پرسکون بنا دینے کی کوشش کی گئی، لیکن تہ میں ڈبکی کشتیاں اپنا کام کرتی رہیں یعنی بالواسطہ ترمیم میں کوئی بندش نہیں لگی۔

اندریں صورت اس سے انکار کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ تحفظ دین وشریعت کا مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا بلکہ ابھی تک قابل حل ہے اور ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں میں کنونشن نے اتحاد واتفاق کی جو اسپرٹ پیدا کی ہے اس کی برقراری کے ساتھ مؤثر قانونی جدوجہد بھی کی جائے اور اس راہ میں ہر قربانی اور ہر علمی اور عملی جدوجہد کے لئے خود کو تیار رکھا جائے اور دوسری طرف پرسنل لا کو عملی زندگی میں اس طرح رچا بسا لیا جائے کہ اس میں دراندازی کے لئے کسی طاغوتی عنصر کو کوئی شگاف نظر نہ آئے۔

اس مسئلہ کی تفاصیل اور آئینی وعملی جدوجہد کے خاکہ کو ہی پیش نظر پمفلٹ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس پمفلٹ سے بخوبی یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ مسلم پرسنل لا، کا مسئلہ کیوں اور کس طرح نازک تر ہو گیا ہے، ترمیم کی آرزوئیں کب سے پرورش پا رہی تھیں اور اس اعلان کی کیا حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لا، میں ترمیم نہیں کی جائے گی، نیز اب تک کیا کیا ترمیمات ہو چکی ہیں۔

پھر اسی پمفلٹ میں جدوجہد تحفظ کا پروگرام بھی پیش کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ اس پروگرام کو کس طرح عملی جامہ پہنا کر منزل مقصود تک پہونچا جاسکیگا،

ہمیں خوشی ہے کہ ہندوستانی مسلمان اب اپنی مرکزیت کی طرف لوٹ رہے ہیں اور حضرت حکیم الاسلام اور حضرت مولانا رحمانی مدظلہما اور پرسنل لا بورڈ اس جدوجہد میں تنہا نہیں ہیں بلکہ جس مسلمان کی جس تائید وحمایت بلکہ جس قربانی کی ضرورت ہوگی وہ ان کے لئے ہر وقت حاضر ہوگی۔

ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اس پمفلٹ کا مطالعہ کرے اس پمفلٹ کی تیاری پر حضرت مولانا رحمانی اور بورڈ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

مسائل رمضان

مرتب: مولانا الحاج سید محمد عبدالغنی صاحب مرحوم

ناشر: مکتبہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام، ناظر باغ کانپور

صفحات: ۳۲
ٹائیٹل کور: چسپیدہ
قیمت: ۴۰ پیسے

اس دور میں جب کہ دین سے بے رغبتی عام ہے، دینداری کو دہقانیت اور غیر مہذب لوگوں کا معاشرتی شعار قرار دے دیا گیا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس دور میں متوسط اور اعلیٰ طبقہ، عوام سے یہ توقع کرنا کہ وہ مسائل واحکام دین سے واقفیت پیدا کرنے کے لئے خود جدوجہد کریں فضول ہے، جن افراد یا جس طبقہ میں تھوڑا بہت دینی ذوق ہے بھی تو وہ فضائل دین پر مشتمل تقریریں بھی سنتا ہے اور مطالعہ بھی کرتا ہے، اس لئے کہ ایک دینی گروہ نے عملاً اسی پر زیادہ زور دیا ہے۔ ان حالات میں مسائل واحکام دین کو عوام کے گھروں تک پہنچانے کی ہر کوشش قابل تشکر اور لائق تحسین ہی ہوگی۔

پیش نظر کتابچہ میں بڑی خوبی سے مسائل رمضان اور فضائل واحکام کو بقدر ضرورت جمع کر دیا ہے، روزہ، تراویح، اعتکاف، شب قدر، زکوۃ، صدقۂ فطر اور نماز عید الفطر کے مسائل عوامی ضرورت کے مطابق اچھی ترتیب سے یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ ہر طبقۂ عوام تک اس کو پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انشاء اللہ یہ مفید بھی ہوگا اور باعث اجر بھی۔

ہدیۂ عثمانی

از مولانا عثمان احمد صاحب قاسمی

صفحات: ۱۲۰
کتابت وطباعت: صاف وبہتر کار
قیمت مجلد: دو روپے
ملنے کا پتہ: علمی کتاب گھر، شاہ گنج، جونپور

پیغمبر امی فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت وصفات پسندیدہ کے ذکر وبیان کا سلسلہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ شروع ہوا تو انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا۔ عربی میں کم، فارسی میں زیادہ اور اردو میں بڑا ذخیرہ وسرمایہ اس سلسلہ کا موجود ہے دنیا کی تمام قوموں میں مسلمانوں کا یہ بھی ایک امتیاز ہے کہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق نثر ونظم میں اس قدر لکھا گیا کہ جس کی نظیر موجود نہیں۔

بجائے خود نعت گوئی ایک سنگلاخ وادی ہے جس میں مستی وہوشیاری کے تقاضوں کی بیک وقت ادائیگی پاس ادب، حقیقت نگاری، وفور عقیدت، ذوق وشوق کی ملی جلی کیفیات مطلوب ہیں۔

اگر شاعرانہ مبالغہ آرائی ہو تو حقیقت سے دوری یا پاس ادب نہ ہو تو ایمان سے محرومی، دامن شعر کے نہ مٹنے والے داغ ہیں۔

یہاں "لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" کا انتباہ بھی ہے اور "لا تجعلوا دعاء کم الخ" کی تنبیہ بھی اس پر مستزاد "لَا يَكُوْنُ مُؤْمِنًا حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ الخ" کی دعوت شوق بھی۔

آداب عشق اور تقاضہائے ادب کے شناسا ہی اس ہفت خواں سے کچھ دار ومریز کی احتیاط کے ساتھ نکل سکتے ہیں۔

زیر نظر مجموعۂ کلام جس میں نعتوں کے علاوہ دوسری اصناف شعر پر بھی طبع آزمائی کی گئی ہے، مرقع عشق وادب ہے، جو اہل ذوق کے لئے مطبوع اور انشاء اللہ مرغوب ہوگا۔

کوائف دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اسرائیل کی جارحیت کے خلاف عربوں کی حمایت

خداوند کریم آپ کو کامیابی اور فتح عطا فرمائیں

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی بھرپور حمایت کا اعلان کرتے ہوئے مصر کے صدر جناب انور سادات، شام کے صدر حافظ الاسد، اور عرب لیگ کے صدر (دہلی) کے نام اپنے برقیہ میں فرمایا ہے کہ

آپ کی اس دفاعی جنگ میں دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر اور وسیع ترین جماعت کے علماء فضلاء اور تمام منتسبین دل اور دعا سے آپ کے ساتھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور عربوں کو فتح یاب کرے۔ ہم سب اسرائیل کی جارحیت کی مذمت کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی طرف سے عربوں کی امداد

زخمیوں کی دواؤں کے لئے چھ ہزار روپے

سفیر مصر کی طرف سے اظہار تشکر

حالیہ عرب اسرائیل جنگ میں زخمی ہونے والے سپاہیوں کے لئے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مبلغ ۶ ہزار روپے کی رقم متحدہ عرب جمہوریہ کے سفارت خانے کے قونصل صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی، سفیر مصر اور قونصل صاحب نے دارالعلوم کی اس ہمدردی کا شکریہ ادا فرمایا، اور کہا کہ ہندوستانی مسلمانوں اور ایک عظیم الشان دینی مرکز دارالعلوم دیوبند کا یہ تعاون اور جذبۂ ہمدردی عربوں کے لئے بہت اور حوصلہ افزائی کا سرچشمہ ہے، جس کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں اور گہرے جذبات تشکر پیش کرتے ہیں۔

یہ رقم جناب محمد اسلم صاحب ناظم شعبہ برقیات نے منجانب حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم، دہلی میں مصری سفارت خانہ کے قونصل صاحب کی خدمت میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے مکتوب گرامی کے ساتھ پیش کی۔

Telegrams: ...CHI ...PIR

Telephone: 323715 / ...0202...

BOMBAY ANDHRA TRANSPO...

BHANDARI STREET BOMBAY 3

TRANSPORT CONTRACTORS

دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اصلاحی ماہنامہ

ماہنامہ

دارالعلوم

نگران اعلیٰ

مدیر

سید احمد



کھانسی کو روکنے والے
نہایت مؤثر اجزا سے
ہوئی ٹکیاں
سعالین
گلے کی خراش کو دور کرتی ہیں
ہوئے بلغم کو نکالتی ہیں
جکڑن میں آرام دیتی ہیں
ہمدرد
سعالین کی ٹکیاں سب سے پہلے مرض کو بڑھنے سے روکتی ہیں، پھر فوراً
کھانسی کے تمام اثرات کو ختم کردیتی ہیں اور بلغم کو نکالتی ہیں، گلے کی خراش اور
سینے کی جکڑن کی حالت میں جلد آرام دیتی ہیں

[illegible] دیوبند کا علمی دینی اور اصلاحی

جلد [illegible] | شمارہ [illegible]

ماہنامہ

دارالعلوم

جنوری سنہ ۱۹۷۴ء | ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۳ھ

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحب مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ قیصر

فہرست مضامین

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دارالعلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ساڑھے نو روپے

ممالک غیر سے سادہ ڈاک سے ۲۴ روپے

ممالک غیر سے ہوائی ڈاک سے ۵۲ روپے

فی پرچہ ایک روپے ۹۰ پیسے

دینی رسائل کو کچھ سہارا دیجئے

فلمی میگزینوں، جاسوسی ناولوں، اور ڈائجسٹ قسم کے رسالوں کی اشاعت دس پندرہ ہزار سے کم نہیں ہوتی۔ ادہر ملک بھر میں شاید ہی کوئی مذہبی اور علمی رسالہ ایسا ہو جس کی خریداری دو ڈھائی ہزار سے آگے بڑھی ہو، دارالعلوم اپنے ملک میں اپنا سب سے بڑا حلقۂ اثر رکھتا ہے رسالہ پر اعتراض کرنے والے ہزار، مگر اسکی اشاعت کی کوشش کرنے والے چند بھی نہیں۔ ۲۸ سال سے خاکسار رسالہ کیساتھ لگاتار محنت کر رہا ہے اب صحت بھی زائد محنت کی متحمل نہیں اور ہمت بھی ٹوٹ ٹوٹ سی گئی ہے۔ فضلاء دارالعلوم اور دینی جذبہ رکھنے والے حضرات خاص طور پر توجہ کریں اور رسالہ کا حلقۂ اشاعت بڑھائیں ———— (سید محمد ازہر شاہ قیصر)

○ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپکا چندہ ختم ہو گیا ہے ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ [illegible] کے حوالہ کے ساتھ بھیجدیں وی پی کا انتظار نہ کریں۔ اسلئے کہ وی پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

عرب اسرائیل جنگ جم کر ہوئی، مگر امریکہ اور روس نے درمیان میں پڑ کر اسے بند کرا دیا، اور پھر اسرائیل نے جنگ بندی کی خلاف ورزی کر کے نہر سوئز کے مغربی محاذ پر قبضہ کر لیا۔ یہ ایک سازش تھی جس میں مصر کا کافی خسارہ ہوا، اس سازش میں صرف بڑی طاقتیں شریک تھیں یا مصر کے کچھ ذمہ دار بھی، یہ بات کھل کر سامنے نہیں آئی ہے۔ بہرحال یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ عرب میں جرأت و ہمت بھی ہے اور مقابلہ کی صلاحیت بھی، یہ بزدل اور کمزور نہیں ہیں بلکہ ان کو کمزور و بزدل بنا دیا گیا تھا۔

اسرائیل ۱۹۶۷ء کی پوزیشن پر اب تک واپس نہیں گیا ہے اور بظاہر اس کی توقع بھی نہیں ہے، عرب بحمد اللہ اب تک متحد ہیں اور آئندہ بھی انشاءاللہ متحد رہیں گے، آئندہ پھر جنگ ہوگی یا نہیں، یہ اسرائیل کے رویہ پر منحصر ہے، اگر وہ ۱۹۶۷ء کی پوزیشن پر واپس چلا جاتا ہے تو یقیناً جنگ نہیں ہوگی۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوا تو دیر سویر جنگ ہو کر رہے گی، عرب اب خاموش نہیں رہ سکتے اور نہ اسرائیل سے دب کر زندگی گذار سکتے ہیں۔

اس جنگ میں سب سے زیادہ تکلیف دہ رویہ امریکہ کا رہا، اس نے یکطرفہ امداد دی اور کھل کر اسرائیل کا ساتھ دیا، اس سے خود امریکہ کا کافی نقصان ہوا، جو عرب ممالک اب تک امریکہ کے ساتھ تھے وہ بھی اس سے کٹ گئے اور یہی نہیں بلکہ وہ روس کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی فکر میں لگ چکے ہیں، میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ جسطرح برطانیہ ممالک اسلامیہ کے ٹکڑے کرنے کی وجہ سے تباہی سے دوچار ہوا، اس جنگ کے بعد امریکہ پر زوال آ کر رہے گا اور وہ روس کے مقابلہ میں کمزور ہوگا، امریکہ کو اسکی اسرائیل نوازی ساری دنیا میں ذلیل و خوار بنا کر چھوڑیگی اور اس کی طاقت کا غرور جلد ہی ختم ہوگا۔

اس جنگ سے اپنا اندازہ ہے کہ عرب دنیا بیدار ہو چکی ہے۔ اب وہ مستقبل میں غفلت برتنا چھوڑ دیگی، اور زندہ رہنے کے لئے اسے جو کچھ کرنا چاہیئے ضرور کریگی، عرب کو اپنے سرمایہ اور اس کی طاقت کا اندازہ ہونے لگا ہے، اسے اس کا بھی تجربہ ہوا ہوگا کہ جینے کے لئے صرف دوسروں کا سہارا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا بھی ضروری ہے، اگر عرب اس جنگ کے بعد بھی بیدار نہیں ہوئے تو پھر قیامت کا ہنگامہ ہی انہیں بیدار کریگا، اس جنگ سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ عرب ممالک میں گو سب سے بڑا مصر ہے مگر دوراندیشی اور چستی میں یہ شاید بہت سے ممالک سے پیچھے ہے، خدا کرے مصر کے ذمہ دار حکمرانوں، وہاں کی فوج اور وہاں کے زعماء ملک و ملت میں جینے کا حوصلہ اور باعزت زندگی گذارنے کا سلیقہ آ جائے، تاکہ دوسرے چھوٹے عرب ملک اُن کے نقش قدم پر چل کر کچھ حاصل کر لیں۔

اس جنگ سے دنیا کے مسلمانوں کی آنکھیں بھی کھل جانی چاہیئے کہ موجودہ دور میں جینے کے لئے انسانوں کو کیا کرنا پڑتا ہے اور کمزور و غافلوں کا کیا حشر ہوا کرتا ہے، اس مادی دور میں اخلاقی قوتوں کا کوئی مقام باقی نہیں رہ گیا ہے، اسی طرح صرف اکثریت کافی نہیں ہوتی، اگر اس کے پاس جنگی ساز و سامان نہیں ہیں۔ جس ملک میں نئے نئے ہتھیاروں اور بموں کے کارخانے جتنے زیادہ ہونگے اتنا ہی وہ ملک مضبوط ہوگا، اور اُسے عزت کی زندگی نصیب ہوگی، موجودہ حالات سے بے خبری موت کے مترادف ہے، آرام طلبی اور تعیش کے لئے اس دور میں کوئی جگہ نہیں ہے، تعلیم اور صنعت کی ملک کی ترقی [illegible]

[illegible] حیات کا ایسے دور کے [illegible] ہے جن [illegible] ان کی قدر و قیمت ہو۔

عرب اسرائیل کی اس جنگ میں ہندوستان نے کھل کر عرب کا ساتھ دیا ہے اور ابھی عرب کنونشن میں وزیر خارجہ سورن سنگھ اور آل انڈیا صدر کانگریس شرما نے جو تقریریں کی ہیں وہ بہت زیادہ امید افزا ہیں، اور ان تقریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری حکومت آئندہ بھی عربوں کا ساتھ دیگی، اور مجاہدین فلسطین کی آبادکاری میں دلچسپی لے گی۔

عرب نے اپنے تیل کے مسئلے سے بھی کافی فائدہ حاصل کیا ہے، اور دنیا نے اس کا دباؤ بھی محسوس کیا، چنانچہ جاپان جیسے ملک کی پالیسی بدلی ہے اور اس نے عرب کی حمایت میں آواز بلند کی ہے، یوں بھی عرب مظلوم ہیں اور مظلوم کی حمایت ہر غیرتمند اور انصاف پسند ملک کا فریضہ ہے، ہماری دعا ہے کہ عرب اپنے مسائل کے حل میں کامیابی سے ہمکنار ہوں اور اس کے مخالفین ذلیل و خوار ہوں، عالم اسلام کے سارے مسلمان عرب کے ساتھ ہیں۔

۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۷۳ء کو پٹنہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہوئی جسمیں تقریباً سارے ملک سے چھ سو نمائندے شریک ہوئے، پٹنہ کے مسلمانوں نے سب سے آگے بڑھ کر حصہ لیا، اجلاس ہر طرح کامیاب رہا۔ اس میں عام تعلیمی مسئلہ کے ساتھ مذہبی بنیادی تعلیم کا مسئلہ بھی سامنے آیا اور اس پر بھی سیمنار منعقد ہوئے اور اہل علم نے بڑی دلچسپی لی، اس طرح کے اجلاسوں سے اندازہ ہوتا ہے، مسلمان بیدار ہو چکے ہیں۔ اور تعلیم کی اہمیت محسوس کرنے لگے ہیں، جنوبی ہند میں ماشاءاللہ تعلیمی مسئلہ پر بہت زیادہ توجہ دی جا رہی ہے، خدا کرے شمالی ہند بھی تعمیری انداز میں اس اہم مسئلہ پر توجہ دے، شمالی ہند کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ تمام مسائل ان کے یہاں سیاسی رنگ اختیار کر لیتے ہیں، اور تعمیری انداز سے ہٹ کر زعماء ملک ہنگامی انداز پر غور کرنا شروع کر دیتے ہیں اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ مسلمان خسارہ میں رہتے ہیں اور مسلمانوں کا سرمایہ اور ان کی محنت رائگاں چلی جاتی ہے، اور کوئی تعمیری کام نہیں ہو پاتا۔

موجودہ دور میں جب تک کوئی ملت اپنے مسائل کا حل تعمیری انداز میں نہیں کریگی اس کی زندگی مشکل ہو جائیگی، اور اس کی ساری توانائی لڑائی جھگڑوں میں برباد ہو جائے گی۔ شمالی ہند کے لیڈر عموماً ہنگامہ پسند، اقتدار کے خواہاں اور شہرت کے طالب ہوتے ہیں، ان میں کام کرنے کا جذبہ کم اور تقریر کرنے کا جوش زیادہ ہوتا ہے، حالات کے پیش نظر اب غور و فکر کا انداز بدلنا ضروری ہے قول سے زیادہ زور عمل پر ہونا چاہیئے، اور اسکیم بنانے سے زیادہ ذہن تعمیر پر لگنا چاہیئے۔

۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹ر نومبر ۱۹۷۳ء کو لکھنؤ میں آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس منعقد ہوئی[عہ] اس میں پورے ملک کے اردو اخبارات و رسائل کے مدیران کرام نے شرکت کی اور اردو کے مسائل پر مل جل کر غور و فکر کیا، صدر اجلاس مولانا محمد عثمان فارقلیط کا خطبہ

عہ: آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس کی حمایت کے پورے جذبہ کے باوجود افسوس ہے کہ ہم کانفرنس میں ہو نیکے دارالعلوم کی نمائندگی نہیں کر سکے وجہ یہ ہے کہ احقر تو سفر کا عادی نہیں اور مولانا ظفیر صدیقی اس زمانہ میں اپنے وطن تشریف لے گئے تھے، لیکن ہماری عدم شرکت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اردو اخبارات کی ترقی اور بہبودی کی اس تحریک سے الگ ہیں، دارالعلوم اپنے دائرہ عمل میں اردو اور اردو اخبارات کا سرگرم حامی ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی حمایت کرتا رہیگا۔ (سید ازہر شاہ قیصر)

صدارت مختصر مگر بہت پر مغز تھا۔ آپ نے اپنی برادری کو جس اچھے انداز میں جھنجوڑا ہے، اور اسی کے ساتھ حکومت وقت کو ایماء و اشارہ میں جو کچھ کہا ہے وہ اس لائق ہے کہ انشاء اللہ مولانا موصوف کے نصائح خالی نہیں جائیں گے۔ اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی شرکت کی اور آپ نے اپنا جو خطبۂ افتتاحیہ دیا ہے وہ بھی ایک خاص انداز کا ہے، جس سے لکھنؤ کے اردو اخبارات و رسائل کی یاد تازہ ہوتی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اردو کو سرکاری طور پر کوئی مقام حاصل ہوتا ہے یا نہیں، اس کانفرنس میں وزیر اعظم اندرا گاندھی نے بھی شرکت کی، اور خاصی لمبی تقریر بھی کی۔

ملک میں گرانی اور بے روزگاری نے ریکارڈ قائم کر دیا ہے، پورا ملک گرانی سے کراہ اٹھا ہے، گوشہ گوشہ سے اس کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں، مگر حکومت ہے کہ بیان دینے کے سوا وہ کچھ کر کے نہیں دیتی، یا تو وہ خود بے بس ہے، یا یہ گرانی خود اسکی لائی ہوئی ہے، اور اسے اپنے مفاد کی خاطر برداشت کرنا ہے یا اور بڑھا دینا ہے، جن لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت ہے وہ مزے کی زندگی گذار رہے ہیں، ان کے لئے نہ گرانی ہے نہ بے روزگاری، یہ صرف ملک کے عوام اور بے سہارا لوگوں کے لئے ہے۔ اس دو ماہ کے اندر اشیاء کی قیمتیں کہاں سے کہاں پہونچ چکی ہیں، مگر وزراء حکومت صبر کی تلقین کے سوا کچھ کرنے کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہیں۔ پہلے صرف غلہ کا بحران تھا مگر اب کپڑے اور ڈالڈا، تیل اور مصالحجات کی قیمتیں بھی دوگنی ہو چکی ہیں اور عوام پسے چلے جا رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے ہندوستان بھی دوسرا بنگلہ دیش بن جائیگا، لوگوں کو کھانے کے لئے نہ غلہ ملے گا اور نہ بدن چھپانے کے لئے کپڑا، اور اسی کے ساتھ امن و امان کا نام بھی حرف غلط کی طرح مٹ جائیگا۔

ادھر ایک مہینہ میں کاغذ کی قیمت میں دوگنا اضافہ ہو گیا ہے اور اسی کے ساتھ کاغذ نایاب بھی ہے۔ پتہ نہیں یہ صورت حال کیوں پیدا ہوئی اور حکومت اس صورت حال پر کیوں خاموش ہے، بعض لوگوں کو شبہ ہے کہ یہ سب خود حکومت کی لائی ہوئی مصیبت ہے، ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ حکومت توجہ دے اور کاغذ کا بازار نہ سدھر سکے، مگر اپنا خیال ہے کہ حکومت مہاجنوں اور کارخانے والوں کے ہاتھوں مجبور بھی ہو سکتی ہے۔ وہ کچھ کرنا چاہتی ہے مگر نہیں کر سکتی ہے۔

اس وقت ملک میں مجموعی طور پر جو حالات ہیں وہ بے حد تشویشناک ہیں، ہڑتالیں، حکومت کی مخالفتیں، اشیاء کی نایابی و کمیابی، قیمتوں میں دگنا اضافہ اور پھر امن و امان میں خلل، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن سے شبہ ہوتا ہے کہ حکومت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ یا حکومت کے عہدوں پر خود غرض لوگ قابض ہیں، جن کو ملک اور عوام سے قطعاً کوئی ہمدردی اور تعلق خاطر نہیں، حکومت کے اندر جو طبقہ مخلص ہے اسکو اس کی فکر کرنی چاہیئے، ورنہ اگر صورت حال یہی رہی تو زمانہ قریب میں ملک اخلاقی اعتبار سے تباہ و برباد ہو سکتا ہے، اور عوام کے دلوں میں ارباب حکومت کا کوئی وقار باقی نہ رہ جائے گا۔ اور شاید یہ ساری مصیبتیں اس لئے آ رہی ہیں کہ حکومت نے مذہب کو بے جان کر رکھا ہے، اور اسے وہ کوئی سہارا دینا نہیں چاہتی،

انسانوں کے دلوں میں جب تک مذہب گھر نہیں کرتا ہے ان کی اصلاح مشکل ہوتی ہے، چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں جس طرح سیکولرزم کا زور بڑھتا جا رہا ہے ملک کی حالت مختلف جہتوں سے رو بزوال ہے، اور عوام و خواص بے نکیل ہوتے جا رہے ہیں، ظالم زیادہ ظالم بنتا جا رہا ہے اور مظلوم زیادہ مظلوم۔ ہماری دلی خواہش ہے عوام و خواص خوش حال اور با اخلاق ہوں۔

(ظفیر صدیقی)

مراقبۂ ذاتِ بحت

تصوف و روحانیت کا ایک پیچیدہ مسئلہ

★ ——— حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مخدومی و مطاعی حضرت استاذی متعنا اللہ بطول حیاتہ و بشآبیب فیوضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از عرض سلام و تقدیم آداب . . یہ آپ کا شاگرد ہے ۱۳۶۱ھ میں دیوبند میں داخلہ لے چکا تھا اور ۱۳۶۳ھ میں فارغ ہو چکا۔ تعلیم کے دوران میں مغرب کے بعد حجۃ اللہ البالغہ کا آپ سے استفادہ کرتا رہا اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نوراللہ مرقدہ سے سلاسل اربعہ میں شرف بیعت حاصل کیا جس سال حضور والا مع اپنی اہلیہ محترمہ اور مولانا سالم حج بیت اللہ کے لئے تشریف لائے تھے مولانا عبدالعزیز زاہدانی نے آپ سے شرف بیعت حاصل کیا اس کو میں نے آپ کی طرف توجہ دلائی اور اس میں سفارش کے لئے بندہ واسطہ بنا۔ بندہ اس وقت مدرسہ عربیہ دارالعلوم عزیزیہ کا صدر مدرس ہے۔ اور سلسلہ تعلیم و تدریس میں مشغول ہوں، دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کے لئے تا آخر دم اخلاص کے ساتھ توفیق عطا فرماوے۔ عرض خدمت یہ ہے کہ مسئلہ ذیل کی حقیقت مجھے بہت محجوب اور مخفی ہے۔ اس قسم کے مسائل کے حل کے متعلق میری نظر کوتاہ، صرف آپ کی ذات گرامی تک محدود ہے اسلئے اس عرض کا استفسار آپ سے چاہتا ہوں۔

(۱)…. حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبۂ ذات بحت کی تعلیم و تلقین فرمائی تھی اب سوال یہ ہے کہ اسم سے گذر کر مسمیٰ تک پہونچنا اور ذکر سے بڑھ کر آستانۂ مذکور پر قدم رکھنا، صفات سے عبور کر کے ذات بحت میں سیر کرنا میری فکر قاصر میں یہ فقط الفاظ اور القاب ہیں اب تک وہ ملقب بہ اور موضوع لہ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آتی ہر چند ہم اس مراقبہ کو بڑھاتے ہیں ذہنی مشاہدات سے آگے نہیں جا سکتا۔ ادھر "لیس کمثلہ شیٔ" دامن گیر ہے اور "لا یُحَدُّ وَلا یتصور" خوض کرنے سے مانع ہے ——— "دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار" وہ کم وکیف سے بالاتر ہے، جسم و عرض، ہیولیٰ اور صورت، جہت و مکان سے بعید و منزہ ہے۔ آپ حضرات ہمیں اس پر تسلی دیتے ہیں

اے کہ برتر از قیاس و خیال و وہم　　　وز ہر چہ گفتہ اند شنیدہ ایم و خواندہ ایم

یا اس پر قانع کرتے ہیں

ہست رب الناس را با جان ناس اتصال بے تکیف بے قیاس

اور آخری کلام بزرگوں کا یہ ہے

دور بینان بارگاہ الست غیر ازیں پے نبردند کہ ہست

بدیہی ہے کہ مراقبہ کو تصور لازم ہے اور "لا یحُدّ و لا یتصور" تصور سے مانع ہے اب حیران ہیں کہ مراقبہ کا مصداق کس شی اور حقیقت کو قرار دیں۔ اب تک جو کچھ ہم سے ہو رہا ہے فقط از راہ تقلید ہے براہ کرم اس معمہ کی ہمارے لئے توضیح فرما دیں

میرے عیال کی طرف سے اور مولنا حاجی غلام کی طرف سے سلام مسنون حاضر خدمت ہے مولنا سالم صاحب کو سلام مسنون ابلاغ ہو۔ صدر المدرسین و شیخ الحدیث دار العلوم میں کون ہے۔

آپ کا خادم

تاج محمد از مدرسہ دار العلوم عزیزیہ۔ انزاسر باز۔ نامہان ایلات ۲۸ محرم ۱۳۹۳ھ

حضرت مہتمم صاحب کا جواب

مکرمی و محترمی زید مجدکم السامی

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ نے سرفراز فرمایا عرصہ کے بعد خط کی نصف ملاقات سے مسرت بے غایت حاصل ہوئی "الکتاب نصف الخطاب والخطاب لقاء الاحباب" والا نامہ" جس دن پہونچا میں اسی دن مدراس حیدر آباد اور دہلی وغیرہ کے سفر پر روانہ ہو رہا تھا، گرامی نامہ ساتھ رکھ لیا کہ سفروں میں جواب لکھ کر ارسال کرونگا مگر ہر جگہ اجتماعات اور لوگوں کے ہجوم نے مہلت نہ دی کہ عریضہ لکھ سکوں، بالآخر پندرہ دن کے بعد والا نامہ لوٹ کر پھر دیوبند ہی آگیا، اور اب یہیں سے جواب عرض کر رہا ہوں تاخیر جواب کی معافی چاہتا ہوں

گرامی نامہ میں مراقبۂ ذات بحت جیسا روحانیت کا پیچیدہ مسئلہ چھیڑا گیا ہے، اور دریافت کیا جا رہا ہے ہم جیسے بے بضاعتوں سے جنہیں اپنی جسمانیت تک کی بھی خبر نہیں، چہ جائیکہ وہ روحانیت کے ایسے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے کے میدان میں آئیں تاہم آپ کی طلب صادق اور حسن سوال کی برکت سے جو کچھ اپنے ذہن نارسا اور فہم ناقص میں آرہا ہے اسے عرض کئے دیتا ہوں قابل قبول ہو قبول فرما دیں ورنہ "کالائے بد بریش خاوند"

فان یکن صواباً فمن اللہ وان یک خطاءً فمنّی ومن نفسی واعوذ باللہ من شر نفسی و من شر شیطانی۔

آپ نے مراقبۂ ذات بحت کے بارہ میں استفسار فرمایا ہے کہ اس میں ما بہ التصور کیا ہونا چاہئے جبکہ ذات بابرکات بلکہ صفات علیا سمات بھی سمت وجہت اور این ومتیٰ سے پاک اور بری و بالا ہیں اور انسان جہت وتعین کے بغیر کسی چیز کا تصور نہیں کر سکتا

جواباً گذارش ہے کہ مراقبہ درحقیقت مشاہدہ کی نوعیت کے تابع ہے جو نوعیت اس جہاں میں مشاہدہ کی ہوگی وہی مراقبہ کی بھی ہوگی۔ اگر کسی چیز کا مشاہدہ یہاں ممکن ہے تو اس کا مراقبہ بھی ممکن ہے ورنہ نہیں اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ذات بحت کا ادراک و مشاہدہ اس جہان رنگ وبو اور اس عالم سمات وجہات میں ممکن نہیں کیونکہ انسان سمت وجہت کا پابند ہے اور ذات وصفاتِ حق سمت وجہت کی حد بندیوں سے بری و بالا و منزہ ہیں تو وہ حد نگاہ میں نہیں آسکتی؟ خواہ پیشانی کی آنکھ ہو یا باطن کی دونوں ہی محدود اور پابند سمت وجہت ہیں، حق تعالٰے نے خود بھی اس حقیقت کو آیۃ ذیل میں کھول دیا ہے کہ

لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو

اور جب ذات مشاہدۂ و ادراک سے بالاتر ہے تو اس کا مراقبہ دل کی آنکھ سے ہو یا چشم کی نگاہ سے ظاہر ہے کہ ادراک بشری کی گرفت میں نہیں آسکتا، اس میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تو اس جہاں میں بھی مشاہدۂ حق ہوا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو شجرہ مبارکہ پر مشاہدہ ہوا نیز موسیٰ علیہ السلام کا "رب ارنی" کی درخواست فرمانا اس جہان میں بھی مشاہدۂ حق اور رویت باری کے امکان کی دلیل ہے ورنہ موسیٰ علیہ السلام ناممکن کی درخواست کیسے فرماتے؟ اور پھر لن ترانی کے جواب صاف کے بعد ایک حد تک درخواست منظور ہو جانا اور طور پر انوار خداوندی کا اترنا اس امکان کے وقوع کی دلیل ہے۔ گو موسیٰ علیہ السلام اس کا تحمل نہ فرما سکے تو اس صورت حال سے آیت "لاتدرکہ الابصار" اور رویت موسوی کی آیت میں گونہ تعارض کا اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔

اس لئے دونوں نصوص کے جمع ہونے کی صورت کہ اس جہان میں دیدار الٰہی ہو بھی جائے اور نہ بھی ہو ایک ہی ہے جسے خود قرآن حکیم ہی نے کھول دیا ہے اور وہ صورت تجلی کی ہے جس کے معنی عکس کے ہیں۔ یعنی اس جہان میں ذات بحت کا دیدار تو نہ ہو جو مفاد ہے لاتدرکہ الابصار کا لیکن تجلی ذات کا دیدار ہو جائے جو مفاد ہے رویت موسوی کی آیت کا، اور سب جانتے ہیں کہ عکس کا دیدار بعینہ اصل ہی کا دیدار ہوتا ہے کیونکہ ذات اور تجلی ذات یعنی عکس میں غیریت کا علاقہ نہیں ہوتا بلکہ عینیت کا ہوتا ہے اسی لئے عکس دیکھ کر فوراً اصل کو پہچان لیتے ہیں ورنہ اگر عکس اپنے اصل کا غیر ہوتا تو عکس سے اصل کو کبھی نہ پہچانا جا سکتا، فوٹو دیکھتے ہی یہ کہنا کہ فلاں صاحب ہیں اس کی واضح دلیل ہے کہ فوٹو یا عکس اور اصل میں غیریت نہیں ہوتی عینیت ہوتی ہے ورنہ عکس سے معرفت اصل ناممکن ہوتی، اس لئے تجلی کا مشاہدہ بعینہ ذات کا مشاہدہ شمار ہوگا، کہ تجلی اور ذات میں غیریت نہیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب شجرۂ مبارکہ پر تجلی بصورت نار نمایاں ہوئی تو ساتھ ہی اس میں سے یہ آواز بھی آئی کہ "انی انا اللہ" جس سے صاف واضح ہے کہ تجلی اور ذات میں عینیت ہے غیریت نہیں اور تجلی کا مشاہدہ بعینہ ذات کا مشاہدہ ہے۔

حسی مثال درکار ہو تو یوں سمجھئے کہ جیسے آفتاب آئینے میں نمایاں ہوتا ہے اور اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اور سب ہی کہتے ہیں کہ ہم نے آئینہ میں آفتاب دیکھا تو کون نہیں جانتا کہ آئینہ میں عین جرم آفتاب تو آ ہی نہیں سکتا جبکہ جرم آفتاب جو زمین سے بھی لاکھوں گنا بڑا ہے وہ زمین کے اس حقیر ٹکڑہ (آئینہ) میں کیسے سما سکتا تھا لیکن اس کا عکس جسے تجلی آفتاب کہنا چاہئے آئینہ میں آجاتا ہے جس سے نمایاں ہے کہ اگر اصل اپنی عظمت و بڑائی کی وجہ سے کسی حقیر ظرف میں نہ سما سکے تو اس کا عکس چھوٹے سے چھوٹے ظرف میں سما سکتا ہے اور اصل اگر کسی جہت خاص میں مقید نہ ہو سکتی ہو تو اس کا عکس یعنی تجلی جہت خاص میں محدود ہو کر نمایاں ہو سکتی ہے اور نمایاں بھی ہوتی ہے پورے پورے جمال و کمال کے ساتھ کہ اسے دیکھنا اصل ہی کو دیکھنا ہوتا ہے۔ پھر یہ تجلی یا عکس آفتاب آئینہ میں کام بھی وہی کرتا ہے جو خود آفتاب کا ہے وہی روشنی و گرمی، وہی تنویر و احراق، اور وہی رطوبت و سوختگی اور تپس آفرینی وغیرہ اس لئے اس عکس آفتاب کے مشاہدہ ہی کو مشاہدۂ آفتاب کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب عین آفتاب آئینہ میں نہیں آسکتا حالانکہ دونوں از قسم اجسام ہیں اور دونوں میں جنسیت کا اشتراک بھی ہے تو وہ خالق جل مجدہٗ جو ہر جہت و سمت سے پاک اور تمام امارات حدوث سے منزہ اور مقدس ہے۔ پھر اس میں اور مخلوق میں کوئی بھی مابہ الاشتراک نہیں کہ وہ نور مطلق ہے یہ ظلمت محض ہے، وہ لامحدود ہے یہ محدود، وہ واجب الوجود ہے یہ زائل الوجود تو اس محدود اور ظلمت محض میں وہ لامحدود اور نور مطلق کیسے آسکتا ہے اور مخلوق کی کمزور اور ضعیف و محدود نگاہوں میں کیسے سما سکتا ہے،

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

البتہ اس پاک ذات کا عکس جسے شرعی اصطلاح میں تجلی

کہتے ہیں آدمی کے آئینۂ دل اور شیشۂ نگاہ میں اگر سکتا ہے اور جہت و سمت کے احاطہ میں محدود ہو کر بھی جلوہ گر ہو سکتا ہے، اسی لئے قلب مومن کو عرش الرحمٰن کہا گیا ہے جس میں ذات تو نہیں آسکتی مگر تجلی ذات ضرور آسکتی ہے بلکہ جہاں بھی مخلوق میں خالق کے کمالات کی جلوہ گری ہوگی تو وہ تجلی ہی کی صورت سے ہوگی جیسے عرش پر تجلی رحمت اتری بعنوائے "الرحمٰن علی العرش استویٰ" ذات نہیں اتری، یا بیت اللہ میں تجلی وجود ہی اتری کہ اسی سے بنص حدیث ارض وارضیات کو وجود ملا اور زمین جو مکان نہیں سے پھیلے، خود ذات نہیں اتری، جنتوں میں تجلی انعام واکرام اتری کہ وہاں زحمت و مصیبت کا نشان نہیں، خود ذات نہیں اتری، جہنم میں تجلی قہر و غضب اتری کہ اس میں راحت و لذت کا وجود نہیں۔ خود ذات نہیں اتری، ٹھیک اسی طرح قلب مومن میں بطفیل اتباع سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تجلی علم و حکمت اتری ہوئی ہے جس سے انسان حقیقت جامعہ بنا اور اس کا تصرف ساری کائنات پر پھیلا اور ظاہر ہے کہ ان تصرفات میں ایک ہی صفت کام نہیں کرتی بلکہ ساری صفات علم، قدرت، ارادہ، سمع و بصر اور کلام وغیرہ کام کرتی ہیں جس سے واضح ہے کہ علم کی تجلی جامع التجلیات ہے، پس انسان جامع التجلیات کا مورد بن کر حقیقت جامعہ بن گیا اور اسی لئے یہ شان کسی اور مخلوق کو نہیں ملی، اسی کو حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب مومن

ظاہر ہے کہ قلب انسانی میں یہ وسعت اور سمائی عکس ذات کی ہے عین ذات کی نہیں کہ ذات لامحدود کا ظرف قلب میں سما جانا محال ہے۔

پس جیسے آئینے میں تجلی آفتاب تنویر و احراق کا کام کرتی ہے جو اصل آفتاب کا کام ہے ایسے ہی قلب مومن کے آئینہ میں خدا کی تجلی علم و حکمت اور تدبیر و تصرف، تربیت و ہدایت، انعام و انتقام وغیرہ کا کام کرتی ہے جو علم و حکمت کے آثار میں سے ہے۔ اور اصل ذات بابرکات کا کام ہے، جس سے واضح ہے کہ ذات اور تجلی ذات میں غیریت نہیں عینیت کا علاقہ ہے فرق اگر ہے تو یہ کہ ذات جہت و سمت اور این و متیٰ کی قیود و حدود سے بری و منزہ ہے مگر تجلی ذات، سمت و جہت اور این و متیٰ کے دائرہ میں آسکتی ہے۔ جیسے اصل سورج آئینہ کی جہات میں مقید نہیں ہو سکتا، لیکن سورج کا عکس پورا کا پورا آئینہ میں محدود و مقید نظر آنے لگتا ہے، اسی لئے قلب مومن میں یہ تجلی قابل مشاہدہ ہو جاتی ہے کہ قلب مومن بھی کیف و کم، این و متیٰ اور سمت و جہت کا قیدی ہے اور تجلی کو بھی اس جہت و قید میں آنے سے عار نہیں اس لئے وہ مشاہدہ میں آجاتی ہے اور اسی کو مشاہدۂ ذات کہتے ہیں۔ ورنہ خود ذات بابرکات بوجہ غایت لطافت و تنزہ شان سمت و جہت اور تمام امارات حدوث سے بری و پاک ہے ؎

اے بری از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

حضرت جنیدؒ نے فرمایا

ما خطر ببالک فھو ھالک واللّٰہ اجل من ذلک

بہرحال ذات اقدس وراء الوریٰ اس سے مبرا ہے کہ کسی احاطہ میں آسکے جبکہ احاطیت خود اسی کی شان ہے واللّٰہ بکل شیءٍ محیط تو وہ محیط ہو کر محاط کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ اجتماع ضدین ہے۔

پس جیسے آفتاب اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا اور پھر بھی آئینہ میں جلوہ افروز ہو جاتا ہے اور اسے آفتاب ہی کہتے ہیں ایسے ہی ذات جل وعلا شانہ بھی اپنے مقام رفیع سے نیچے نہیں اترتی مگر پھر بھی اپنی تجلی کے واسطہ سے قلب مومن کے آئینہ میں جلوہ افروز ہو جاتی ہے، بہرحال قلب مومن اپنے اندر براہ تجلی سارے کمالات خداوندی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ وصول الی اللہ اور سیر فی اللہ کے یہ معنی نہیں کہ بندہ خدا میں پہنچ جائے بلکہ یہ ہیں کہ بندہ

کے قلب وروح پر انوار خداوندی متجلی ہوجائیں اور وہ اپنے ہی آپے میں آتے ہوئے اپنے اندر سب کچھ مشاہدہ کرلے، نہ یہ کہ خدا میں جا گھسے۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و چمن در آ
تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا، چمن در آ

پس سیر الی اللہ میں بندہ خود ذات وصفات تک نہیں پہونچتا کہ یہ اس کی بساط سے باہر ہے اور خدا بھی بندہ میں حلول نہیں کرتا کہ یہ محال ہے بلکہ ذات وصفات کے پرتو خود بندہ کے قلب میں اتر آتے ہیں اور وہ آئینۂ جمالِ حق ہو کر اپنے ہی اندر اُن کا مشاہدہ کرتا ہے اور مظہر کمالات خداوندی اور منظر انوار ربانی بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نہ خدا بندہ میں آتا ہے نہ بندہ خدا میں گھُستا ہے کہ حلول کا شبہ ہو جس سے بہت سی اقوام بھٹک گئی ہیں اور انہوں نے اپنے عقائد برباد کرلئے ہیں۔ بلکہ بندہ اپنے اندر اور اپنی ہی حد میں رہتے ہوئے خدا کی صفات کمال کے پرتوے اور ظلال وعکوس کا مشاہدہ کرتا ہے جو اُسے منور کر دیتے ہیں اور وہ اپنے اندر ہی سب کچھ دیکھ لیتا ہے "واشرقت الارض بنور ربھا" اس صورت میں جبکہ بندہ اور خدا کے درمیان تجلی کا واسطہ ہو ذات بے چون وچگوں کی تنزیہہ بھی اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور بندہ کا مشاہدۂ ذات بھی ٹھکانے لگ جاتا ہے،

عارف جامی نے اس حقیقت کو ایک عجیب وغریب اور بلیغ پیرایہ میں کس خوبی سے ادا کیا ہے کہ

دل را اگر تو صاف کنی ہمچو آئینہ
در وے جمال دوست بہ بینی ہر آئینہ
او در دل من است و من اندر کف ویم
چو آئینہ بدست من و من در آئینہ

(بقیہ "گرونانک جی مہاراج") ص۱۳ کا بقیہ

سخت پابندی عائد ہے مشہور ہے کہ مکہ مکرمہ پہنچکر گورو نانک جی کعبہ شریف کیطرف پیر پھیلا کر سو گئے اس پر وہاں کے قاضی نے آپکو ٹوکا تو آپنے جواب یا قاضی جی میرے پیر اُدھر کردیجئے جدھر اللہ کا گھر نہ ہو۔ نادان لوگ اسکو بے ادبی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ گوروجی کے متعلق ایسا خیال کرنا خود بے ادبی ہے اگر اس واقعہ کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس سے گوروجی کے استغراق اور عالم جذب کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے وہ بیت اللہ شریف کے دیدار سے اسقدر سرشار تھے کہ آپکو ہر طرف بیت اللہ ہی بیت اللہ نظر آرہا تھا اور خدا کے نور کا جلوہ چاروں طرف چھایا ہوا تھا ایسی حالت میں انسان پاس ادب سے بے نیاز ہوتا ہے اور شرعی گرفت سے مواخذہ سے آزاد۔ مدینہ منورہ میں واپس ہوکر آپنے اس زمانہ کے مشہور بزرگ قاضی رکن الدین صاحبؒ سے ملاقات کی اور ان سے فیض حاصل کیا۔ بغداد کے پیر شیخ مراد سے ملے تو انکی محبت وعقیدت میں اپنے کو بھول گئے فرماتے ہیں۔؎

من دیا گرو آپ نے، پایاں نرمل ناؤں (گرو گرنتھ امرکل محلہ ۱)

تاریخ شاہد ہے کہ پاک پٹن شریف کے سجادہ نشین حضرت ابراہیمؒ (فرید ثانی) آپکے مرید خلیفہ تھے ایک مرتبہ آپ اپنے مرشد شیخ فرید سے گلے مل کر بیخود ہوگئے اور بے ساختہ زبان سے نکلا ؎

آؤ سہیلی گل ملیں انگ سہیلڑیاں مل کے کریں کہانیاں سمرتھ کنت کیاں
سچے صاحب سب گن اوگن سب اساہ (دیلاتی جپ ہاکی ...)

یہ کیسا حیرت انگیز پیارا نظارہ ہے کہ گروجی بابا فرید کو "بہنیں" کہکر بغلگیر ہورہے ہیں اور کہہ رہے ہیں آؤ بہنیں ہم سب خدا کی حمد وثنا کے گیت گائیں اسلئے کہ تمام خوبیاں اور سب اعلی صفات اس سچے خدا ہی میں ہیں ہمارے اندر تو ہر قسم کی خامیاں اور نقص ہیں

(۹) گرو نانک جی کی وفات کے بعد آپکی جو یادگاریں اب تک محفوظ ہیں ان میں سے ایک قرآن مجید کا نسخہ جو حرمین شریفین کے مبارک سفر میں آپکے ہمراہ تھا اور اب گورو ہر سہائے فیروزپور کے گورودوارہ میں بجنسہ محفوظ ہے اس کے متعلق آپنے فرمایا ہے ؎

کل پرد ھان کتیب قرآن ؛ پوتھی پنڈت پڑھیں پران

یعنی اس کلجگ میں خاص طور پر کام کرنیوالی کتاب تو صرف قرآن ہے پنڈت پوتھی اور پوران تو بیکار پڑھ رہے ہیں" --●

سیرت کے چند پہلو ایک تحقیقی نظر قسط ۲

مولوی ندیم الواجدی فاضل دیوبند

۸

سیر کی ابتدا

ہم نے مستند حوالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ احکام اور سیرت سے متعلق تحریری سرمایہ موجود تھا، مگر تصنیف و تالیف کا مذاق پیدا نہیں ہوا تھا، بعد میں اُمراء اور حکام کی توجہ سے اس کا ذوق پیدا ہوا اور اہل علم تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دینے لگے، سب سے پہلے حضرت معاویہ رض نے عبید ابن شریہ کو یمن سے بلاکر قدماء کے حالات تحریر کرائے اور اس تحریری سرمایہ کا نام "اخبار الماضیین" رکھا۔[1]

اس کے بعد عبد الملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر سے قرآن پاک کی تفسیر لکھوائی جس کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے کہ وہ تفسیر عطار ابن دینار کی طرف منسوب ہے۔[2]

علماء کو اس زمانے میں تصنیف و تالیف کے لئے کتنا مجبور کیا گیا اس کا اندازہ مشہور محدث حضرت ابن شہاب زہری کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم علوم لکھنا مکروہ سمجھتے تھے لیکن اُمراء نے ہمیں لکھنے پر مجبور کیا۔[3]

لیکن علوم اسلامیہ کی صحیح معنی میں تدوین و ترتیب کا سہرا حضرت عمر ابن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) کے سر ہے۔ انہوں نے حدیث و سیر، اور فن درایت و روایت کے سلسلے میں علماء کو متوجہ کیا۔ مشہور مورخ ابونعیم اصبہانی نے اپنی تاریخ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے اپنے عہد کے محدثین کو تدوین کا حکم دیا تھا۔[4]

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے مدینہ کے قاضی اور مشہور عالم ابن شہاب کے استاذ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن الانصاری کو بھی احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا۔[5]

ابن سعد کے بیان کی تائید امام بخاری کی "باب کیف یقبض العلم" کے تحت ذکر کردہ سطور سے بھی ہوتی ہے

کتب عمر بن عبد العزیز	حضرت عمر ابن عبد العزیز
إلی أبی بکر بن حزم	نے ابوبکر بن حزم کو یہ
أنظر ما کان من	لکھا کہ جہاں کہیں بھی آپ
حدیث رسول اللہ صلی اللہ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
علیہ وسلم فاکتبہ[6]	احادیث دیکھیں انہیں لکھ کر

---

[1] ابن الندیم۔ الفہرست ص ۱۳۲ [2] حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۷ [3] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۶ [4] ابونعیم اصبہانی (م ۴۳۰ھ) تاریخ اصبہان بحوالہ اصح السیر ص ۷ [5] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۴ [6] بخاری شریف ج ۱ ص ۲۲

علامہ ابن عبدالبر نے سعد بن ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم حضورؐ کی سنن کو جمع کریں [1] اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ عہد ابن عبدالعزیز میں احادیث کی تدوین ہوئی اور ابن حجر کی تصریح کے بموجب ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے پہلی مرتبہ احادیث کو مدوّن کیا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں

اوّل من دوّن علم الحدیث	حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ
بامر عمر بن عبدالعزیز	کے حکم سے سب سے
محمد بن مسلم بن عبید اللہ	پہلے علم حدیث کے مدوّن
بن عبد اللہ بن شہاب	ابن شہاب زہری ہیں
الزہری	

چند سطروں کے بعد علامہ عثمانیؒ نے حافظ ابن حجر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ابن شہاب زہری کی تدوین بحیثیت مجموعی تھی، فقہی ترتیب یا باب وار بیان کرنے اور لکھنے میں شعبی فوقیت لے گئے [2]

اسی طرح روایت کے جانچنے اور اس کی چھان پھٹک کے لئے فن علم روایت کے نام سے وضع کیا گیا اس کے بانی بھی ابن شہاب زہری ہیں اور اس کا حکم بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دیا تھا [3]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مغازی کی طرف بھی توجہ دی اور عاصم بن عمر ابن قتادہ انصاری (م ۱۲۱ھ) کو حکم دیا کہ وہ حلقۂ درس قائم کریں اور مغازی (سیر) کا درس دیا کریں [4] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ان کوششوں کی وجہ سے علماء کا مغازی کی طرف رجحان بڑھا اور اس میں تصنیف و تالیف کی ابتدا ہوئی، محققین کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ مغازی یا سیر میں سب سے پہلی تصنیف کس شخص نے کی۔ حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون کی رائے یہ ہے۔

من صنف فیہ الامام	مغازی میں سب سے پہلے
محمد بن اسحاق	امام محمد بن اسحاق ابن یسار
بن یسار رئیس	رئیس اہل المغازی نے
اہل المغازی [5]	تصنیف کی ہے

عصر حاضر کے محقق ڈاکٹر مصطفےٰ اعظمی کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سب سے پہلے ابان ابن عثمانؓ نے لکھی ہے، موصوف نے "موقف العقل والعلم" میں لکھا ہے

"سیرت نگار بہت سے ہیں ابن ہشام (م ۲۱۸ھ) مقدم نہیں ہیں، سیرت نگاری کا آغاز حضرت ابان ابن عثمانؓ سے ہوا ہے، پھر عروہ ابن الزبیر اور شرحبیل بن سعد نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، پھر زہریؒ نے، یہ بخاریؒ کے استاد اور بڑے ائمہ میں سے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے اشارے پر قلم اٹھایا ہو [6]"

اور سہیلیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ سیرت کے موضوع پر سب سے پہلے امام زہریؒ نے قلم اٹھایا ہے۔ لکھتے ہیں۔

ھی اول سیرۃ	یہ پہلی سیرت ہے جو اسلام
الفت فی الاسلام [7]	میں تالیف کی گئی

ڈاکٹر اعظمی کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگ سیرۃ ابن ہشام کو سب سے پہلی تالیف مان رہے ہیں۔ خود اردو میں مولانا شبلی نعمانی، ابن شہاب کو سہیلی کے حوالے سے پہلا سیرت نگار قرار دیتے ہیں

ہم اپنی سہولت کے لئے تدوین حدیث کو تین ادوار میں تقسیم کر کے ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں، تدوین سیرت کا پہلا دور وہ ہے جب اس کا آغاز ہوا، لوگوں نے احادیث کے متعدد مجموعے ترتیب دئے، ان مجموعوں میں کسی خاص ترتیب کا کوئی لحاظ تو نہیں ہوتا تھا، صرف احادیث جمع کرنا مقصد ہوتا تھا، ان میں جہاں دوسرے موضوعات یا احکامات سے متعلق احادیث جمع ہوئیں وہاں آنحضورؐ کی ذات مبارک سے متعلق احادیث بھی آگئیں۔ اس دور میں عروہ بن الزبیرؒ ابن العوام

---

[1] جامع بیان العلم ص ۷۶ [2] فتح الملہم مقدمہ ج ۱ ص ۹۲ [3] شیخ ابراہیم بیجوری المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ للترمذی ص ۶ [4] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ الانصاری [5] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۹ [6] ڈاکٹر مصطفےٰ اعظمی دقتہ العقل والعلم والعالم من رب العالمین ج ص ۱۶ [7] ابوالقاسم عبدالرحمن سہیلی (م ۵۸۱ھ) الروض الانف ج ۱ ص ۱۲۲

ابان بن عثمانؓ، شرجیل بن سعد، اور وہب بن منبہ کا نام لیا جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے ڈاکٹر صبری نے حضرت ابان بن عثمانؓ کو سیرت کا پہلا قلم کار قرار دیا ہے، لیکن اسے سیرت نگاری کا نام نہیں دیا جانا چاہئے کیونکہ ان حضرات کا مقصد صرف احادیث وروایات کو جمع کرنا تھا، اس میں کسی خاص موضوع کا التزام نہیں کیا گیا، اس کے بعد دوسرا دور وہ ہے جس میں محدثین نے خاص خاص موضوعات پر احادیث جمع کیں اور ترتیب کا لحاظ کیا، اس دور میں مغازی اور سیر پر بھی توجہ کی گئی اور تالیفات ہوئیں، اس دور میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری، اور عاصم بن قتادہ انصاری، اور ابن شہاب زہری کے نام سرفہرست ہیں، خاص طور پر ابن شہاب زہری اس لئے بھی قابل ذکر ہیں کہ ان کی وجہ سے اس فن کا کافی ذوق پیدا ہوا اور علماء اس طرف بکثرت متوجہ ہوئے۔ اسی سلسلے میں امام زہری کے متعدد شاگرد ہیں جن کے ساتھ امتیازی لقب "المغازی" وابستہ ہے، ایسے شاگردوں میں موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحاق بن یسار (م ۱۵۱ھ) کافی اہمیت رکھتے ہیں، تدوین سیرت کا تیسرا دور انہی دونوں سے شروع ہوتا ہے ان حضرات نے مغازی کے سلسلے میں کتابیں لکھیں اور اسے ایک مستقل فن بنا دیا، موسیٰ بن عقبہ نے جو مغازی الرسول لکھی تھی گو آج اس کا وجود نہیں تاہم سیرت کی کتابوں میں اس کے حوالے آج بھی ملتے ہیں۔ خاص طور سے محمد بن اسحاق نے اس فن میں بے حد شہرت حاصل کی ہے، ابن اسحاق کی مغازی میں شہرت واہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب المغزوات ان ہی کے نام سے شروع کی ہے [۱]

گو امام احمد بن حنبلؒ ان کی ثقاہت کی نفی کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایات نقل کرنے میں بدنام واقع ہوتے ہیں [۲] لیکن غزوات اور قرأت خلف الامام میں امام بخاری کا ان پر اعتماد کرنا باقی صحاح ستہ کا ان سے روایات لینا اور دوسرے محدثین مثلاً یحییٰ بن معین، شعبہ، عجلی، ابو زرعہ، اور ابن مبارک کا ان کی توثیق کرنا یہ ابن اسحاق کی ثقاہت پر دال ہے، اگرچہ امام مالکؒ نے انہیں دجال کہا ہے مگر علی بن مدینی اس قول پر سخت تنقید کرتے ہیں [۳]

حافظ ذہبی جیسے متشدد انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ تصریح ابن حجر نے کی ہے کہ ابن اسحاق کی "مغازی الرسول" اگرچہ باصلہ موجود نہیں لیکن اس کی یادگار سیرت ابن ہشام ہے جسے ابن ہشام عبدالملک (م ۲۱۳ھ) نے ابن اسحاق کی مغازی الرسول کی مدد سے لکھا ہے، اور اس میں ابن اسحاق کی کتاب کے مشکل الفاظ اور اشعار کی تشریح و توضیح بھی کی ہے

ابن اسحاق کے بعد سیرت نگاروں میں جس شخص کا نام اہم ہے وہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی (م ۲۰۷ھ) ہیں، گو احکام کے باب میں متروک الحدیث ہیں، لیکن سیرت میں ان کی روایات قبول کرلی جاتی ہیں، ابن کثیرؒ کی رائے انکے متعلق یہ ہے،

" واقدی کے پاس عمدہ تفصیلات اور تحریر شدہ واقعات موجود تھے اور وہ اس فن کے بڑے ائمہ میں سے ہیں [۵]"

مولانا شبلیؒ واقدی سے سخت ناراض ہیں اور انہیں چنداں اہمیت نہیں دیتے اور ان کے متعلق متروک حدیث ہونے کی رائے لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیرت کے باب میں بھی واقدی کی کوئی اہمیت نہیں ہے، حالانکہ اہل سیر واقدی کی روایات نقل کرتے ہیں، خود مولانا شبلیؒ نے بھی

---

[۱] بخاری کتاب المغزوات ج ۲ [۲] ملا علی قاری الموضوعات ص ۸۵ [۳] مولانا رضا احمد صاحب بجنوری (لقیہ حیات) مقدمہ انوار الباری ج ۱ ص ۲۱۵
[۴] تہذیب التہذیب فی ترجمۃ محمد بن اسحاق بن یسار
[۵] حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ ج ۴ ص ۲۳۴۔

(ان) سیرت میں طبقات ابن سعد کی روایات نقل کی ہیں جس کا بڑا حصہ واقدی کی مغازی الرسول سے ماخوذ ہے، اردو میں واقدی کی مغازی الرسول کا ترجمہ ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ء) میں جناب سید عنایت حسین سیدن پوری نے کیا ہے جو مطبع نول کشور سے شائع ہوا ہے، اس کے علاوہ بھی اردو میں اس کے کچھ ترجمے ہیں۔

فن سیرت کا سلسلہ ابن اسحاق اور واقدی ہی پر جاکر ختم ہوجاتا ہے اس سے پہلے جن لوگوں نے قلم اٹھایا آج ان کی تصانیف موجود نہیں ہیں، اس لئے بعد کے آنے والے ان ہی دو بزرگوں کے خوشہ چیں ہیں۔ جس طرح ابن اسحاق کو ابن ہشام نے زندۂ جاوید بنایا اور ان کی مغازی کو نئے اور بہترین ڈھنگ سے مہذب کر کے پیش کیا حسن اتفاق سے ایسا ہی شخص واقدی کو بھی ملا۔

"محمد ابن سعد" یہ واقدی کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں حافظ ابن حجرؒ نے ان کے بارے میں مؤرخ خطیب بغدادی کی رائے نقل کی ہے کہ ابن سعد اصحاب علم و فضل و فہم و عدالت میں سے ہیں[1] انہوں نے "الطبقات الکبریٰ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کی دو جلدیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر مشتمل ہیں بقیہ جلدوں میں صحابہ اور تابعین کے حالات درج ہیں۔ مسلمانوں کو یہ کتاب بہت سی کتابوں کی طرح عیسائیوں سے حاصل ہوئی۔ شہنشاہ جرمن نے اس کتاب کی اشاعت کی طرف توجہ کی اور متعدد حضرات کی تصحیح و ترتیب کے بعد بارہ جلدوں میں ہالینڈ سے شائع ہوئی۔ ابن سعد کی طبقات میں بعض چیزیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کی اسلام میں کوئی اصل نہیں ہے، خیال یہ ہے کہ ان مواقع پر عیسائیوں نے اسلام کے خلاف اپنی پرانی تلبیس کا اظہار کیا ہے۔

ان حضرات کے بعد عربوں میں سیرت نگاری کا ذوق عام پیدا ہوگیا اور اس موضوع پر تالیفات کے سلسلے شروع ہوگئے ان میں سے بعض عظیم ضخیم تصانیف آج بھی میسر اور مشہور و متداول ہیں۔ ایسے حضرات کی ایک نامکمل فہرست مولانا شبلیؒ نے تیار کی؛ جنہوں نے اس فن میں تصانیف لکھیں، یا ان کا اس سے تعلق رہا[2]

ذیل میں چند کتابوں کے بارہ میں مختصر تذکرہ ہے۔

"سیر النبیؐ" یہ محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری (م ۶۹۴ھ) کی تالیف ہے، یہ حافظ حدیث، فقیہ حرم، اور محدث حجاز تھے اور آپ کی یہ سیرت بے حد مشہور ہے، اس میں جس قدر واقعات ہیں سب سندوں کے ساتھ مذکور ہیں۔ "کشف الظنون" جو علوم و فنون کی تاریخ اور ان کے متعلق اہم کتابوں کی فہرس پر مشتمل ہے اس میں حافظ محب الدین الطبری کی سیرت کا ذکر موجود ہے[3] اسی نام سے ابو عمرو صالح بن اسحاق الجرمی نحوی (م ۲۲۵ھ) کی تالیف بھی موجود ہے۔

سیرت کی کتابوں میں سیرت شامیہ کی شہرت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اس کا اصل نام "سبیل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" ہے اور اس کے مؤلف محمد بن یوسف الدمشقی (م ۹۴۲ھ) ہیں۔ یہ سیرت کے موضوع پر سب سے مبسوط کتاب ہے۔ تقریباً سات ضخیم جلدوں میں ہے، اس کی تالیف میں تین سو سے زائد کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور تمام صحیح روایات کی جامع ہے[4]

اس کے بعد شہرت میں "سیرت حلبیہ" کا نام ہے اس کا اصل نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" ہے۔ علی بن برہان حلبی اس کے مؤلف ہیں، اس کا اردو ترجمہ دیوبند سے شائع ہو رہا ہے

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن سعد [2] سیرت النبی (مولانا شبلی) ج ۱ ص ۸ تا ۲۸ [3] کشف الظنون ج ۲ ص [illegible]
[4] ماخوذ سید عبدالحی الکتانی فہرس الفہارس والاثبات ج ۲ ص ۳۹۲

شیخ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ) جو شہیر محدث ہیں، سیرت کے موضوع پر ان کی تالیف "المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک مؤرخ کی اس کتاب کے بارے میں یہ رائے ہے: "یہ جلیل القدر، عظیم المرتبت، کثیر النفع ہے، سیرت کے باب میں اپنی نظیر نہیں رکھتی"[1] اس پر علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) کی ایک بہترین شرح ہے جس نے اس کی افادیت میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ حافظ شمس الدین ابن القیم جوزی (م ۷۵۱ھ) مشہور محدثین میں سے ہیں اور امام ابن تیمیہؒ کے ارشد تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سیرت کے موضوع پر آپ کی عظیم کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" چار ضخیم جلدوں میں ہے، اس کا ترجمہ اردو میں پاکستان سے شائع ہوا ہے، عربی کی طرح اردو میں بھی سیکڑوں کتابیں سیرت پر شائع ہو چکی ہیں اور ان کا سلسلہ ہنوز جاری ہے،

اردو میں سیرت کی کتابیں دو طرح کی ہیں، ایسی بھی ہیں جو اردو ہی میں تالیف کی گئی ہیں، اور ایسی بھی ہیں جو عربی یا فارسی سے ترجمہ کی گئی ہیں، ایسی کتابوں میں ایک ضخیم تالیف "مدارج النبوۃ" کے نام سے ملتی ہے، اس کی اصل فارسی ہے جو شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے مدارج النبوۃ کے نام سے تصنیف فرمائی تھی، اس کا اردو ترجمہ خواجہ عبد المجید نے کیا ہے پورا ترجمہ ایک ہزار آٹھ سو بائیس (۱۸۲۲) صفحات پر مشتمل ہے اور نول کشور پریس کانپور سے شائع ہوئی "سرور المحزون" کے نام سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے فارسی میں ایک مختصر رسالہ سیرت پر لکھا تھا، اس کے متعدد ترجمے اور شروحات موجود ہیں۔ شوکت علی شاہ جہاں پوری نے "در مکنون" کے نام سے اس کا ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ بہترین حواشی سے مزین ہے، یہ ترجمہ ۱۲۵۸ھ میں مطبع رونق ہند کانپور سے شائع ہوا ہے، اسی نام سے ایک ترجمہ مولانا سراج الیقین کرنالی نے کیا ہے اور ۱۳۲۲ھ میں مجتبائی لکھنؤ سے شائع ہوا، ایک اور ترجمہ "ظہور المحزون" کے نام سے دار العلوم دیوبند کے سابق صدر شعبۂ فارسی خلیفہ محمد عاقل مرحوم نے کیا اور دیوبند ہی سے کتب خانہ عثمانیہ نے چھاپا۔ سرور المحزون کی اردو شرح "قرۃ العیون" کے نام سے چھ جلدوں میں سابق والیٔ ٹونک کے مصارف پر ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوئی تھی۔

حدیث کی مشہور کتاب سنن ترمذی کے مصنف ابو عیسیٰ ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) کی ایک کتاب شمائل نبوی ہے یہ سیرت پر نہایت عمدہ اور جامع کتاب ہے، اردو میں اسے نثر و نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے، انوار محمدی اس کا پہلا اردو ترجمہ ہے جو مولانا کرامت علی جونپوری نے کیا، یہ ترجمہ بھی ہے اور شمائل کی ایک عمدہ شرح بھی، ایک ترجمہ خصائل کے نام سے شیخ الحدیث سہارنپور مولانا زکریا صاحب کا ہے ایک ترجمہ مشہور عالم مولانا عبد الشکور لکھنوی کا ہے اور ۱۳۲۴ھ میں دفتر "النجم" لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ ایک ترجمہ جو بچوں کے لئے ہے مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہے، اردو میں سیرت نگاری کی ابتدا ترجموں سے ہوئی، بعد میں تراجم کے بجائے اسی موضوع پر لکھا جانا شروع ہو گیا چنانچہ ۱۲۷۰ھ میں حضرت مفتی کفایت احمد نے "تاریخ حبیب الٰہ" تصنیف فرمائی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف یادداشت کی بنیاد پر لکھی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اس میں تمام صحیح روایات جمع کر دی گئی ہیں، اردو میں سیرت پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ضخامت اور حسن بیان کے اعتبار سے مولانا شبلی نعمانی اور مولانا سلیمان ندوی کی مشترکہ تالیف سیرت النبی سب پر فوقیت لے گئی، یہ مشہور ادارہ دار المصنفین اعظم گڑھ سے متعدد بار شائع ہوئی ہے[2]

---

[1] عبد القادر عیدروسی (م ۱۰۳۸ھ) النور السافر ص ۱۱۴

[2] اردو میں سیرت نگاری کے موضوع پر ایک جامع مقالہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند (جنوری ۱۹۷۲ء تا نومبر ۱۹۷۲ء) شائع ہوا تھا مقالہ نگار جناب الحاج سید محبوب رضوی مصنف تاریخ دیوبند ہیں اردو میں سیرت نگاری کو موصوف نے تین ادوار پر تقسیم کرنے کے بعد سیرت پر شائع ہونے والی اہم اردو کتابوں کا معلوماتی جائزہ لیا ہے اس سلسلے میں قاموس الکتب کی پہلی جلد شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے، "ندیم"۔

سیرت نبوی کے مآخذ

ہم گذشتہ کہیں عرض کر چکے ہیں کہ سیرت نبوی یا حدیث پاک پر یہ الزام کہ ان کا مدار صرف زبانی روایات اور سنی سنائی باتوں پر ہے غلط ہے، اور ہم اپنے اس دعوی کو مدلل کر آئے ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ تحریری سرمائے کے علاوہ سیر نگاروں کے سامنے زبانی روایات بھی تھیں، اور ہمیں اس کا اعتراف بھی ہونا چاہیئے کہ تحریری سرمائے سے کہیں زیادہ زبانی ذخائر جمع ہوئے ہیں اور کتابوں کی تدوین میں ان سے بھی مدد لی گئی ہے، لیکن سیرت نبوی کے ماخذ پر اگر روایات کے اصول و ضوابط کی روشنی میں نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ کتنے صحت مند اور مستند مآخذ سے ماخوذ ہے۔

سب سے پہلے ہم شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) کا ایک گراں قدر اقتباس پیش کریں گے، اس سے اندازہ لگائیے کہ علمائے حدیث نے حدیث کی حفاظت کے لئے شروع ہی سے بڑی غیر معمولی محنت کی ہے۔

صدر اول یعنی از زمانہ تابعین تا ... صدر اول یعنی تابعین اور
تبع تابعین تا زمان بخاری و مسلم ... تبع تابعین کے دور سے امام
گروہے دیگر داشت کہ از رجال ... بخاری و امام مسلم کے دور تک
و شہر بہ شہر رفتہ بحث و تفتیش می کردند ... راویوں کے حالات کی چھان بین
پس کہ بوئے از بے دیانتی و کذب ... کا رنگ چڑھا رہا کہ وہ لوگ
و سوء حفظ می شنیدند حدیث او را قبول ... ہر دور اور ہر شہر کے راویوں کے
نمی کردند و ہمیں در احوال رجال تصانیف ... حالات کی جستجو کرتے اور جب
ضخیم و کتب مضبوط نوشتہ اند ... شخص میں ذرہ برابر بھی بے دیانتی

جھوٹ، سوء حفظ ... ہے اس کی حدیث قبول نہ کرتے۔ یہی سبب ہے راویوں کے احوال میں ضخیم ضخیم کتابیں انہوں نے لکھیں۔

اہل اسلام کو اس پر جس قدر بھی فخر ہو کم ہے کہ فن حدیث کے ماہر علماء نے اس قدر جد و جہد کی ہے کہ پانچ لاکھ افراد کے حالات پوری پوری تحقیق کے ساتھ پیش کر دیئے اور حالات بھی صرف اتنے ہی نہیں کہ وہ کون تھا، کب پیدا ہوا، کہاں تھا اور کب وفات ہوئی بلکہ اس کے اساتذہ کون تھے، تلامذہ میں کون کون لوگ شامل ہیں، حافظہ کیسا تھا، دیانت اور علم کا عالم کیا تھا، محدثین کی رائے ان کے بارے میں کیا ہے، کن کن محدثین نے ان کی آراء لی ہیں۔ ان سب راویوں کے حالات کوئی آسان اور سہل الحصول مسئلہ نہیں ہے۔ آپ خود اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ آج کے اس دور میں سیکڑوں رسائل اور ذرائع تلاش کے باوجود ایک شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کسی دشواری سے خالی نہیں ہے۔ تصور فرمایئے ان محدثین نے حدیث کی حفاظت کی خاطر کس طرح لاکھوں افراد کے حالات جمع کئے ہیں اور ان کی تیرہ سو سال کی تاریخ کو ... سے بھر دیا۔[1]

راوی کے حالات کی چھان بین کے فن کو اسی لئے رجال کے فن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب مشہور روایت یحیی بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) نے لکھی تھی۔ حافظ ذہبیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اس فن میں سب سے پہلے یحیی ابن سعید القطان نے لکھا ہے، پھر ان کے بعد ... یحیی بن معین (م ۲۳۳ھ)، امام احمد (م ۲۴۱ھ)، ابو خیثمہ (م ۲۳۴ھ) اور عمرو بن علی الفلاس (م ...) وغیرہ نے اس فن میں لکھا۔ پھر ان لوگوں کے ... وغیرہ نے ادھر توجہ کی۔[2]

لیکن یحیی بن سعید القطان اور ان کے شاگردوں یا دیگر بزرگوں نے جو کچھ اس فن کے سلسلے میں لکھا تھا وہ موجود نہیں ہے۔ بعض موجود ہیں تو مخطوطات کی شکل میں ہیں یا نایاب ہیں یا ایسی ہیں جو اس فن پر حاوی یا کامل نہیں کہی جا سکتیں۔ مثلاً امام بخاریؒ کی "التاریخ الکبیر" جو آٹھ اجزاء میں حیدر آباد سے چھپی ہے اس لئے اس فن کی سب سے پہلی کتاب جو ضخیم اور تفصیلی ہے علامہ یوسف ابن الزکی مزی (م ۷۴۲ھ) کی تصنیف "تہذیب الکمال"

[1] عجالۂ نافعہ ص ۲ [2] میزان الاعتدال (مقدمہ) ج اول

ہے۔ پوری کتاب بارہ جلدوں میں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاعتدال فی بیان احوال الرجال" کے نام سے اس پر اضافے کئے ہیں، حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے مزی کی تہذیب الکمال کی تلخیص کرکے "تہذیب التہذیب" اور "الکاشف فی اسماء الرجال" ترتیب دی ہیں۔ اس کے علاوہ رجال کے فن میں ذہبی کی دو کتابیں "میزان الاعتدال فی اسماء الرجال" تین جلدیں "تذکرۃ الحفاظ" چار جلدیں بھی ہیں جن کی اہمیت مسلم ہے۔ اس کے علاوہ "سیر اعلام النبلاء" بھی ان کی مشہور کتاب ہے جو ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی تصحیح و ترتیب کے ساتھ مصر سے شائع ہوئی ہے۔

مشہور ماہر رجال حافظ ابن حجرؒ نے ذہبیؒ کی میزان الاعتدال پر اضافات بھی کئے ہیں اور اس کا نام انہوں نے "لسان المیزان" رکھا ہے، یہ کتاب تین ضخیم جلدوں میں حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، اس کے علاوہ اس فن میں ابن حجرؒ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں سے "تہذیب التہذیب" نہایت مبسوط ہے، بارہ جلدوں میں یہ بھی حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔ "تقریب التہذیب" ایک جلد "طبقات الحفاظ" دو جلدیں وغیرہ بھی ان کی تصانیف ہیں۔ اور رجال کے فن میں بے نظیر نہیں رکھتیں۔ اس مختصر سی گفتگو سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ محدثین نے ان لوگوں کے سلسلے میں کس قدر احتیاط تلاش اور جستجو سے کام لیا ہے جن لوگوں سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی چیز منقول ہے، اگر وہ راوی محدثین کے اصول اور معیار کے مطابق ہوں تو ان کی بیان کردہ روایات قابل اعتبار ہیں، اگر ایسا نہیں ہے تو وہ روایات مسترد کردی جاتی ہیں۔

اور پھر روایات کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں بھی ان گنت درجات قائم کئے گئے ہیں، احادیث مرفوع بھی ہیں منقطع بھی، شاذ بھی ہیں، مرسل بھی، غریب بھی، منکر بھی صحیح بھی، حسن بھی، اور ان میں بھی متعدد قسمیں نکالی گئیں ہیں اور ان کے الگ الگ احکام بیان کئے گئے، پھر یہ کہ راوی نے جو روایت بیان کی ہے وہ عن فلاں کے ساتھ ہے یا اخبرنا کے ساتھ یا دوسرے لفظوں کے ساتھ ان سب صورتوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ بعض صورتیں اہم ہیں اور بعض اس سے کم درجے کی، بعض اس سے بھی کم، اس پوری کدوکاوش کو جس فن میں بیان کیا گیا اس کا نام علم درایت رکھا ؎۱

اس سلسلے میں بھی علماء نے ان گنت تصنیفات کی، حافظ ابن حجرؒ کی "نخبۃ الفکر" اور اس کی شرح اصول فن حدیث کی مشہور کتابیں ہیں اور دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو گا کہ اس کی متعدد شروح علماء نے لکھی ہیں، مثلاً ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) نے "شرح شرح النخبۃ" مولانا عبدالحی خطیب جامع رنگون نے "سلعۃ العربی فی توضیح شرح النخبۃ" اور مولانا اکرم بن عبدالرحمن السندی نے "امعان النظر" لکھی ہیں اور اسی فن پر کچھ کتابیں یہ ہیں: ابو محمد عبدالرحمن الرازی (م ۳۲۷ھ) "علل حدیث" تقی الدین ابن صلاح (م ۶۴۳ھ) "مقدمہ ابن صلاح" امام نووی (م ۶۷۶ھ) "تدریب الراوی" طاہر صالح الجزائری "توجیہ النظر" حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) "الہدی الساری مقدمہ شرح بخاری" شمس الدین السخاوی (م ۹۰۲ھ) "شرح الفیہ"

خود ہندوستانی عالموں نے بھی اس فن میں تصنیفات کی ہیں، مثال کے طور پر مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) کی "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" اور "ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی" موخر الذکر کتاب سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) کی "مختصر" کے نام سے مشہور ہے۔ مولانا عبدالحی نے اس کتاب کی بہترین شرح "ظفر الامانی" کے نام سے کی ہے۔ "المنہج" یہ شیخ نظام الدین علوی کاکوری بن سیف الدین نے مرتب کی ہے۔ اصول حدیث کا ایک رسالہ شیخ عبدالحق

؎۱ فتح الملہم مقدمہ ج اول ص ۲

محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) نے عربی میں تحریر فرمایا تھا، ایک کتاب "بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب" کے نام سے سید مرتضیٰ بن محمد حسین بلگرامی (م ۱۲۰۵ھ) کی ہے۔ ایک اہم رسالہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے "عجالۃ النافعہ" کے نام سے تحریر فرمایا تھا، فارسی زبان میں ایک کتاب "منہج الاصول الی اصطلاح احادیث الرسول" کے نام سے نواب... صدیق حسن بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) کی ہے

اس سلسلے میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) کا ذکر نہ کرنا سخت ناانصافی ہوگی، یہ مقدمہ بڑے سائز کے ۱۰۸ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے، اور اصول حدیث پر بہترین، اور مفصل دلائل سے مزین ہے، ادارہ شرکت علمیہ دیوبند کی طرف سے حال ہی میں فتح الملہم کی پہلی جلد شائع ہوئی ہے جس میں یہ مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے

روایت کے رد و قبول کے سلسلے میں کسی تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں ہے، آیئے راوی کے کذب کی چند علامات پر ایک نظر ڈالیں اس سے بھی سیرت نبوی کے صحت مند ماخذ پر روشنی پڑے گی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے "عجالہ نافعہ" میں حسب ذیل علامات بیان کی ہیں، اصل کتاب فارسی میں ہے۔ ہم یہاں ان علامات کا واضح اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں، شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"اگر ان میں سے کوئی اصل کسی روایت کے اندر پایا جائے گا، اسے رد کر دیا جائے گا، اور روایت کو موضوع قرار دیا جائے گا" (۱) مشہور و معروف تاریخ کے خلاف روایت ہو، مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ جنگ صفین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسا فرمایا، حالانکہ حضرت ابن مسعودؓ جنگ صفین سے قبل خلافت عثمانؓ میں انتقال فرما چکے تھے۔

(۲)۔ راوی رافضی ہو اور صحابہ پر طعن کے متعلق احادیث بیان کرے، یا ناصبی ہو اور اہل بیت کے طعن کے سلسلے میں حدیث بیان کرتے،

(۳) راوی ایسی بات بیان کرے جس کا جاننا اور عمل کرنا ہر مکلف پر فرض ہو اور وہ روایت میں تنہا ہو تو یہ حدیث جعلی قرار دی جائے گی۔

(۴) وقت اور حالت ہی راوی کے جھوٹے ہونے کا قرینہ ہو جیسے غیاث بن میمون کا واقعہ ہے کہ وہ مہدی خلیفہ عباسی کی مجلس میں حاضر ہوا اور وہ اس وقت کبوتر بازی میں مصروف تھا، غیاث نے مہدی کو دیکھتے ہی کہا۔

لا سبق الا فی خف او	بازی جائز نہیں مگر اونٹ
نصل او حافر او جناح	تیر، گھوڑے اور پرندے میں

اس میں جناح کا لفظ غیاث نے مہدی کی خوشامد کے لئے بڑھایا ہے۔

(۵) روایت عقل و شرع کے مقتضیٰ کے خلاف ہو اور قواعد شرعیہ اس کی تکذیب کریں، مثلاً کوئی روایت کرے

لا تاکلوا البطیخ حتی	خربوزے کو ذبح کرکے
تذبحوھا	کھاؤ۔

(۶) حدیث میں ایسا حسی واقعی قصہ مذکور ہے کہ اگر وہ فی الواقعہ پایا جاتا تو ہزاروں آدمی اس کو بیان کرتے مثال کے طور سے ایک شخص روایت کرتا ہے کہ آج بروز جمعہ خطیب کو برسر منبر قتل کر ڈالا گیا اور اس واقعہ کا راوی اپنی روایت میں منفرد ہے۔

(۷) لفظ کا رکیک ہونا، مثلاً ایسے الفاظ سے تعبیر کرنا جو بلحاظ قواعد عربیہ درست نہ ہوں یا اس کے معنی رسالت اور وقار نبوت کے منافی ہوں۔

(۸) صغیرہ گناہ سے ڈرانے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا ہو، یا تھوڑے سے عمل پر حد سے زیادہ ثواب کا مستحق قرار دیا گیا ہو۔

(۹) ذرا سے عمل اور معمولی سے کام پر [illegible] ثواب کی امید دلانا۔

(۱۰) خیر کے کام کرنے والوں کو یہ خوشخبری [illegible]

(نہیں انبیاء کا سا ثواب ملے گا، یا ستر نبیوں کا ثواب حاصل ہوگا۔

(۱۱) راوی حدیث وضع کرنے کے بعد اس کا خود اقرار کرلے لہ

ملا علی قاری ؒ نے بھی کچھ اصول بیان کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) وہ حدیث جو صریح احادیث کے خلاف ہو۔

(۲) وہ احادیث جن میں آئندہ واقعات کی بقید تاریخ پیشین گوئی کی گئی ہو۔

(۳) وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہیں مثلاً یہ کہ عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا

(۴) وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو، مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے لہ

سیرت کی ضرورت کیا ہے؟

اس عنوان کے تحت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آخر سیرت کی ضرورت کیا ہے؟ ایک ایسا شخص جس کی ذات کو چودہ سو برس کا طویل زمانہ گذر گیا، آخر اس میں ایسی کیا چیز ہے جو اس کے حالات کے مطالعے سے ہمیں حاصل ہوگی۔ ہمیں سیرت کی ضرورت پر کئی پہلوؤں سے غور کرنا ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں اس شخص کے حالاتِ زندگی اور واقعات جاننے کی ضرورت ہے اور میں کہتا ہوں کہ ہم اس کے مکلف ہیں کہ جس نے خدا کی طرف سے ہمیں پیغام ہدایت دیا اور جہالت کی تاریکیوں میں اسلام کی روشنی عطا کی آخر میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو شخص ہمارا محسنِ اعظم ہے جس کی آواز پر ہم نے لبیک کہا ہے وہ کون ہے؟ کب پیدا ہوا؟ کہاں پیدا ہوا؟ اس کا پیغام کیا ہے؟ اس نے اپنے مشن کی تکمیل میں کن مشکلات کو برداشت کیا؟ کب وفات ہوئی؟ — اور ان تمام سوالات کے جوابات ہمیں سیرت کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور پھر یہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن پاک کا ہر حکم ہمارے لئے واجب التعمیل ہے، ہمارے اندر اتنی جرأت نہیں ہے کہ اس کے احکام یا الفاظ کو جھٹلانے کی کوشش بھی کرسکیں، قرآن ہمیں حکم دیتا ہے

"مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا"

اور اس کے حکم کی تعمیل کے لئے اس وجہ سے کہا جا رہا ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

اور اس لئے بھی:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"

اسی لئے قرآن نے یہ اعلان فرمایا:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ سیرت ہمارے لئے بحیثیت ایک مسلمان ضروری امر ہے اور اس سے تعلق رکھنے کے ہم مکلف اور پابند ہیں۔

سیرت کی ضرورت انسانی حیثیت سے بھی ہے اس لئے کہ قرآن پاک میں آپ کے بارے میں یہ فرمایا گیا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ قرآن نے جو دعویٰ فرمایا ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حیات پاک میں اس دعویٰ کی صداقت کی جستجو کرے

سیرت نبوی ایک علمی ضرورت بھی ہے اس فن کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی تاکہ ان لوگوں کے حالات کو پڑھا اور ان کے تجربوں سے فائدہ یا عبرت حاصل کی جائے جنہوں نے دنیا میں کوئی امتیازی مقام حاصل کیا ہے۔ آج دنیا میں معمولی معمولی شخصیتوں کی سوانح عمریاں بھی قرطاس کی زینت بنا دی جاتی ہیں تو آخر اعظم الانسان کی زندگی کیوں لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے، جبکہ وہ،

لہ جامع الآثار ص ۵۸ تا ۶۰ لہ الموضوعات للقاری ص ۹۲

اربوں دلوں کا مالک بھی ہے اور انسانیت کا محسن اعظم بھی، جس نے ایک ایسے وقت میں روشنی دکھلائی جب جہالت کی تاریکیاں اپنے شباب پر تھیں اور پھر تاریخ شاہد ہے کہ اندھیروں کو ختم کرنے اور روشنیوں کو ان کی جگہ لانے میں اس شخص واحد کو کتنے مصائب برداشت کرنے پڑے، کتنا عظیم شخص تھا وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی زندگی کتنے تجربات، کتنے پیغامات وہدایات اور کتنی روشنیوں کی حامل تھی اور اس کا فخر بھی صرف مسلمانوں ہی کو ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کی زندگی کا ایک ایک پہلو محفوظ رکھا۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی "آج مذاہب کی تاریخ میں کتنے لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کر سکیں کہ ہمارے اوتار، ہمارے پیغمبر، ہمارے بھگوان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے۔ اگر وہ یہ دعویٰ کریں گے بھی تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی، کتابیں بتاتی ہیں کہ بعض مذاہب والے تو اپنی کتابیں بھی محفوظ نہ رکھ سکے لیکن ہمیں فخر ہے کہ ہم نے اپنا سرمایۂ مذہب محفوظ رکھا" فللہ الحمد والمنۃ علی ذلک [1]

سیرت کی ضرورت علم کلام کی حیثیت سے بھی ہے عقائد کے سلسلے میں یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ مسلمانوں کیلئے خدا کی وحدانیت اور معبودیت کے اقرار کر لینے کے بعد آنحضورؐ کی رسالت کی تصدیق اور آپ پر ایمان لانا بھی ایمان کا جز ہے اسی بنیاد پر اسلام کے بدخواہ اور دشمن بلکہ دوست بھی یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جو ذات ہمارے لئے اتنی رفیع الشان ہے جس کو تم رسول اور پیغمبر مانتے ہو آخر وہ کون تھی؟ کب تھی؟ کہاں تھی؟ اس ذات گرامی کا پیغام کیا تھا؟ یہ سب سوالات ہیں جن کے جوابات کے لئے سیرت کی طرف ہی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر اگر دیکھا جائے تو سیرت نبوی ایک ناگزیر اور ضروری مقصد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے ابن تیمیہؒ نے اس شخص کو جو مدعیان علم و مملکت کے ہاتھوں یقین و ایمان کی دولت ضائع کر چکا تھا یہ وصیت کی تھی کہ سب کچھ چھوڑ کر صرف حیات طیبہ کے مطالعے میں لگ جاؤ، اور بقول مولانا آزاد (م ۱۹۵۸ء) "انہوں نے اس طرح یہ بتلا دیا کہ علم و بصیرت کا اصل سرچشمہ صرف حیات نبوت اور منہاج مقام رسالت ہے جس کو قرآن نے "الحکمۃ" سے تعبیر فرمایا ہے" [2]

سیرت کا مقصد

اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ سیرت کا فن ایک ترقی پذیر اور وسیع فن ہے، نہ صرف یہ کہ یہ ایک فن ہے بلکہ ایک مسلمان کے لئے یہ فن تفسیر و حدیث کی طرح باعث برکت بھی ہے، اسی لئے شیخ ابراہیم حلبی (م ۹۵۶ھ) نے اپنی کتاب "السیر الکبیر" کا آغاز اس شعر سے کیا ہے۔

أَحْمَدُ مَنْ عَلَّمَنَا عِلْمَ السِّيَرْ
وَصَلٰوتُه عَلٰى خَيْرِ الْبَشَرْ

میں اس ذات پاک کی حمد کرتا ہوں جس نے ہمیں علم سیرت سکھایا ہے اور خیر البشر پر صلوٰۃ و سلام ہو،

ایک مسلمان کا سیرت نبوی کے مطالعے سے یہ مقصد ہونا چاہئے کہ وہ سیرت سے روشنی حاصل کرے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کرے۔ سیرت نبوی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو اخلاقی اور روحانی طاقت بخشتی ہے اور مختلف الخیال لوگوں کے درمیان محبت و مساوات اور ہم آہنگی قائم کرنے میں بڑی موثر ثابت ہوتی ہے، وہ دلوں سے نفرت کے غبار کو چھانٹتی ہے اس کا مطالعہ ہمیں خدا سے قریب لانے میں مدد کرتا ہے، جہالت اور گمراہی میں حق کا پیغام سنانے کے لئے نہ صرف عزائم پیدا کرتا ہے بلکہ اس کا سلیقہ بھی دیتا ہے، سیرت کا مطالعہ ایسی راہ متعین کرتا ہے جس پر چل کر ابدی نجات حاصل کی جا سکتی ہے، سیرت کی روشنی عام ہے اس سے جاہل اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو بھی روشنی ملتی ہے۔ وہ لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عالم ہیں، اس کے فائدے مسلمانوں کے لئے خاص نہیں ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ سیرت کی روشنی میں دنیا نے اپنے مقاصد متعین کئے ہیں۔!

[1] مناظر احسن گیلانی النبی الخاتم ص ۷ تا ۲۲ [2] ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) تذکرہ ص ۱۶۰

انہیں انبیاء کا سا ثواب ملے گا، یا ستر نبیوں کا ثواب حاصل ہوگا۔

(۱۱) راوی حدیث وضع کرنے کے بعد اس کا خود اقرار کرلے۔[4]

ملا علی قاری نے بھی کچھ اصول بیان کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) وہ حدیث جو صریح احادیث کے خلاف ہو۔

(۲) وہ احادیث جن میں آئندہ واقعات کی بقید تاریخ پیشین گوئی کی گئی ہو۔

(۳) وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہیں مثلاً یہ کہ عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا

(۴) وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو، مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے۔[5]

سیرت کی ضرورت کیا ہے؟

اس عنوان کے تحت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آخر سیرت کی ضرورت کیا ہے؟ ایک ایسا شخص جس کی ذات کو چودہ سو برس کا طویل زمانہ گذر گیا، آخر اس میں ایسی کیا چیز ہے جو اس کے حالات کے مطالعے سے ہمیں حاصل ہوگی۔ ہمیں سیرت کی ضرورت پر کئی پہلوؤں سے غور کرنا ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں اس شخص کے حالات زندگی اور واقعات جاننے کی ضرورت ہے اور میں کہتا ہوں کہ ہم اس کے مکلف ہیں کہ جس نے خدا کی طرف سے ہمیں پیغام ہدایت دیا اور جہالت کی تاریکیوں میں اسلام کی روشنی عطا کی آخر میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو شخص ہمارا محسن اعظم ہے جس کی آواز پر ہم نے لبیک کہا ہے وہ کون ہے؟ کب پیدا ہوا؟ کہاں پیدا ہوا؟ اس کا پیغام کیا ہے؟ اس نے اپنے مشن کی تکمیل میں کون مشکلات کو برداشت کیا؟ کب وفات ہوئی؟ — اور ان تمام سوالات کے جوابات ہمیں سیرت کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور پھر یہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن پاک کا ہر حکم ہمارے لئے واجب التعمیل ہے، ہمارے اندر اتنی جرأت نہیں ہے کہ اس کے احکام یا الفاظ کو جھٹلانے کی کوشش بھی کرسکیں، قرآن ہمیں حکم دیتا ہے

"مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا"۔

اور اس کے حکم کی تعمیل کے لئے اس وجہ سے کہا جا رہا ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

اور اس لئے بھی:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"

اسی لئے قرآن نے یہ اعلان فرمایا:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ سیرت ہمارے لئے بحیثیت ایک مسلمان ضروری امر ہے اور اس سے تعلق رکھنے کے ہم مکلف اور پابند ہیں۔

سیرت کی ضرورت انسانی حیثیت سے بھی ہے اس لئے کہ قرآن پاک میں آپ کے بارے میں یہ فرمایا گیا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ قرآن نے جو دعویٰ فرمایا ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حیات پاک میں اس دعویٰ کی صداقت کی جستجو کرے

سیرت نبوی ایک علمی ضرورت بھی ہے اس فن کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی تاکہ ان لوگوں کے حالات کو پڑھا اور ان کے تجربوں سے فائدہ یا عبرت حاصل کی جائے جنہوں نے دنیا میں کوئی امتیازی مقام حاصل کیا ہے۔ آج دنیا میں معمولی معمولی شخصیتوں کی سوانح عمریاں بھی قرطاس کی زینت بن رہی ہیں تو آخر عظیم انسان کی زندگی کیوں لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے، جو کروڑوں،

[4] حاشیہ النافعہ ص ۵۸ تا ۶۰ [5] الموضوعات للقاری ص ۹۲

اربوں دلوں کا مالک بھی ہے اور انسانیت کا محسنِ اعظم بھی، جس نے ایک ایسے وقت میں روشنی دکھلائی جب جہالت کی تاریکیاں اپنے شباب پر تھیں اور پھر تاریخ شاہد ہے کہ اندھیروں کو ختم کرنے اور روشنیوں کو ان کی جگہ لانے میں اس شخص واحد کو کتنے مصائب برداشت کرنے پڑے، کتنا عظیم شخص تھا وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی زندگی کتنے تجربات، کتنے پیغامات وہدایات اور کتنی روشنیوں کی حامل تھی اور اس کا فخر بھی صرف مسلمانوں ہی کو ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کی زندگی کا ایک ایک پہلو محفوظ رکھا۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی " آج مذاہب کی تاریخ میں کتنے لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کر سکیں کہ ہمارے اوتار ہمارے پیغمبر، ہمارے بھگوان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے۔ اگر وہ یہ دعویٰ کریں گے بھی تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی، کتابیں بتاتی ہیں کہ بعض مذاہب والے تو اپنی کتابیں بھی محفوظ نہ رکھ سکے لیکن ہمیں فخر ہے کہ ہم نے اپنا سرمایۂ مذہب محفوظ رکھا " فللہ الحمد والمنۃ علی ذلک [۱]

سیرت کی ضرورت علم کلام کی حیثیت سے بھی ہے عقائد کے سلسلے میں یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ مسلمانوں کیلئے خدا کی وحدانیت اور معبودیت کے اقرار کر لینے کے بعد آنحضورؐ کی رسالت کی تصدیق اور آپ پر ایمان لانا بھی ایمان کا جز ہے اسی بنیاد پر اسلام کے بدخواہ اور دشمن بلکہ دوست بھی یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جو ذات ہمارے لئے اتنی رفیع الشان ہے جس کو ہم رسول اور پیغمبر مانتے ہیں آخر وہ کون تھی؟ کب تھی؟ کہاں تھی؟ اس ذات گرامی کا پیغام کیا تھا؟ یہ سب سوالات ہیں جن کے جوابات کے لئے سیرت کی طرف ہی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر اگر دیکھا جائے تو سیرت نبوی ایک ناگزیر اور ضروری مقصد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے ابن تیمیہؒ نے اس شخص کو جو مدعیان علم و مملکت کے ہاتھوں یقین وایمان کی دولت ضائع کر چکا تھا یہ وصیت کی تھی کہ سب کچھ چھوڑ کر صرف حیات طیبہ کے مطالعے میں لگ جاؤ، اور بقول مولانا آزاد (م ۱۹۵۸ء) "انہوں نے اس طرح یہ بتلا دیا کہ علم و بصیرت کا اصل سرچشمہ صرف حیات نبوت اور منہاج قدم رسالت ہے جس کو قرآن نے " الحکمۃ" سے تعبیر فرمایا ہے، [۲]

سیرت کا مقصد

اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ سیرت کا فن ایک ترقی پذیر اور وسیع فن ہے، نہ صرف یہ کہ یہ ایک فن ہے بلکہ ایک مسلمان کے لئے یہ فن تفسیر وحدیث کی طرح باعث برکت بھی ہے، اسی لئے شیخ ابراہیم حلبی (م ۹۵۷ھ) نے اپنی کتاب " السیر الکبیر" کا آغاز اس شعر سے کیا ہے۔

اَحْمَدُ مَنْ عَلَّمَنَا عِلْمَ السِّیَرْ
وَصَلٰوتُہٗ عَلٰی خَیْرِ الْبَشَرْ

میں اس ذات پاک کی حمد کرتا ہوں جس نے ہمیں علم سیرت سکھایا ہے اور خیر البشر پر صلوٰۃ وسلام ہو،

ایک مسلمان کا سیرت نبوی کے مطالعے سے یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ وہ سیرت سے روشنی حاصل کرے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کرے۔ سیرت نبوی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو اخلاقی اور روحانی طاقت بخشتی ہے اور مختلف الخیال لوگوں کے درمیان محبت ومساوات اور ہم آہنگی قائم کرنے میں بڑی موثر ثابت ہوتی ہے، وہ دلوں سے نفرت کے غبار کو چھانٹتی ہے اس کا مطالعہ ہمیں خالق سے قریب لانے میں مدد کرتا ہے، جہالت اور گمراہی میں حق کا پیغام سنانے کے لئے نہ صرف عزائم پیدا کرتا ہے بلکہ اس کا سلیقہ بھی دیتا ہے، سیرت کا مطالعہ ایسی راہ متعین کرتا ہے جس پر چل کر ابدی نجات حاصل کی جا سکتی ہے، سیرت کی روشنی عام ہے اس سے جاہل اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو بھی روشنی ملتی ہے۔ وہ لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عالم ہیں، اس کے فائدے مسلمانوں کے لئے خاص نہیں ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ سیرت کی روشنی میں دنیا نے اپنے مقاصد متعین کئے ہیں۔!

[۱] مناظر احسن گیلانی النبی الخاتم ص ۷ تا ۲۲ [۲] ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) تذکرہ ص ۱۷۰

وحدتِ ادیان کی حقیقت

مولوی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

کئی برس پہلے کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ مولوی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کو دہلی میں نرنکاری بھائیوں سے ملنے اور تبادلۂ خیال کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ موصوف نے بتایا کہ یہ لوگ وحدتِ ادیان کا عقیدہ رکھتے ہیں اور تمام اہل مذاہب کو صلح و محبت سے رہنے کا پیغام دیتے ہیں۔ نرنکاری منڈل کے ایک سرگرم رکن جناب موتی رام صراف نے مجھے دہلی آنے کی دعوت دی، بہت عزت و احترام کے ساتھ نرنکاری منڈل کی نشست میں شرکت کا موقعہ دیا، مختلف مذاہب کے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے میں نے کہا:

محترم بزرگو!

کائنات میں انسان کی حیثیت یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات سے افضل ہے یہ فضیلت اس کو احساس ذمہ داری کی صلاحیت کی بنا پر دی گئی ہے کہ وہ اس صلاحیت سے کام لے کر روئے زمین کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دے اپنے مقصد تخلیق کو پہچان کر خود کو ایک خدا کے سامنے سرنگوں کر دے، مذہب انسان کے احساس ذمہ داری کو جگانے اور بیدار رکھنے کے لئے آتا ہے۔ مذہب کی گرفت صرف جسم تک نہیں قلب و روح تک ہوتی ہے۔ ایک مذہبی آدمی جانتا ہے کہ جب کوئی ظاہری طاقت اسے نہ دیکھ رہی ہو اس وقت بھی باطن کی کوئی نگاہ اسے دیکھ پاتی ہے جب سب کی آنکھیں بند ہوں جب بھی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے۔

ایک شخص دریا کے کنارے چلا جا رہا تھا، بھوک زوروں کی لگ رہی تھی اور کھانے کے لئے کچھ نہ تھا دیکھا ایک سیب پانی میں بہتا چلا آرہا ہے، اٹھا کر کھا لیا، کھانے کے بعد احساس ہوا کہ میں نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کی چیز استعمال کر لی، مالک کی تلاش میں نکلے، کچھ دور چل کر ایک باغ دیکھا جس میں لگے سیب کے درخت کی ایک شاخ پانی میں جھکی ہوئی تھی، باغ کے مالک کے پاس گئے اور ماجرا بیان کیا، باغ کے مالک سمجھ گئے کہ یہ گوہر ہے بس تھوڑی سی تراش خراش کی ضرورت ہے، جواب دیا کہ اس جرم میں تمہیں بارہ سال میری خدمت گذاری کرنی پڑیگی اور جو میں کہوں گا کرنا ہوگا۔

منظور کر لیا، خدمت کرتے رہے جب بارہ سال پورے ہونے کو تھے تو مالک باغ نے کہا۔ میری ایک لڑکی ہے، اندھی گونگی اور لنگڑی اس سے شادی کرنی ہوگی، شادی ہوگئی، جا کر دیکھا تو ایک نہایت حسین و جمیل دوشیزہ اُن کی دلہن ہے حیران و پریشان ہوئے اور مالک سے دریافت کیا، مالک نے کہا میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ وہ اندھی ہے کیونکہ اس نے کبھی غیر مرد کی صورت نہیں دیکھی، وہ گونگی ہے کیونکہ نامحرم کے سامنے اس کی زبان بند رہی، وہ لنگڑی ہے کیونکہ ان پیروں سے کبھی وہ گھر سے باہر نہیں نکلی

اس پاک طینت خاتون اور پاک باطن مرد سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح تولد ہوئے۔

یہ قوت مذہب ہی کی ہوتی ہے کہ ہر حال میں انسان پر کنٹرول کر سکتا ہے، کوئی مذہب دشمنی اور تعصب کا درس نہیں دیتا۔

آج دنیا سمجھتی ہے لڑائی مذہب کی وجہ سے ہے حالانکہ اس کا سبب مذہب سے دوری ہے۔

ہر مذہب میں پائی جانے والی کچھ مشترک باتوں سے اس کا سراغ لگتا ہے کہ تمام مذاہب کی جڑ اور اصل ایک ہی ہے یہ دھارے کسی ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہیں پھر جوں جوں دوری ہوتی گئی، صورتیں بدلتی گئیں، کبھی بدھ مذہب کے روپ میں کبھی ہندومت کے لباس میں شاخیں پھیلتی گئیں، جڑ سب کی ایک ہی تھی۔

آج کی ترقی یافتہ سائنس نے ہمارا راستہ بہت سہل کر دیا ہے، دوریاں کم ہو گئی ہیں، فاصلے مٹ گئے ہیں۔ کچھ مشکل نہیں ہے کہ ہم اس اصل کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور اس اصل کو اپنا کر "صحیح معنی میں وحدت ادیان" قائم کر دیں۔

اس مختصر سے وقت میں بات اشاروں کنایوں سے زیادہ نہ ہو سکی، وقت کی تنگ دامانی کا شکوہ مجھے رہے گا اور آپ کو تشنگی کا گلہ مگر کبھی تھوڑی بات زیادہ سے بہتر ہوتی ہے اور پھر اندھیرے میں روشنی کی تلاش زیادہ مشکل بھی تو نہیں ہوتی

آئیے اس روشنی کے دائرے میں آ جائیں اور اندھیروں کی چادر جھٹک دیں، تعصب کی زنجیروں کو توڑ دیں اور حقیقی وحدت ادیان کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔

رات گذرتی جا رہی ہے ایک نئے اجالے کے لئے، وہ اجالا ضرور ہوگا، وہ صبح ضرور آئے گی۔

آج کی شائستہ اور پر از معلومات مجلس مدتوں یاد رہے گی، آپ سب صاحبان کی عزت افزائی کا تہ دل سے شکریہ، منڈل کے لوگ دیوبند آئیں، دارالعلوم دیکھیں، دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب سے ملاقات کریں، آپ ایسے انسان کو دیکھیں گے جو شرافت و انسانیت کا پیکر ہے صداقت کا روپ ہے، رحمت و رافت کا مجسمہ ہے، جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی جس سے مل کر آپ کا دل مسرور ہوگا۔

(بشر کامل)

صفحہ ۴۵ کا بقیہ:-

سرشاریت کے درجہ تک پہونچا ہوا تھا۔ جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے الگ کوئی ہستی قرار دیتے ہیں یا وہ نہ صحیح سوچتے ہیں اور نہ اچھا کرتے ہیں۔ شاعر نے اپنے شعر ؎

ارشادِ "مثلکم" کا ہے جوہر کھلا ہوا
حسنِ بشر کو آئینہ "انما" میں دیکھ

میں انہی حقائق و لطائف کی طرف توجہ دلائی ہے۔ شاعر صرف یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و اوصاف کو ان کے آئینہ بشریت میں دیکھو کہ بشر ہوتے اور بشر رہتے ہوئے بھی انہوں نے مخلوقات میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہونے کا شرف پایا۔ اس مضمون کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ایک چھوٹی سی مثال کارآمد ہوگی، کوئی بادشاہ کسی وزیر، سپہ سالار، یا وزیر خزانہ کا تقرر کرنے سے پہلے اس کا عہد پہلے یہ دیکھتا ہے کہ یہ شخص ہماری ذات اور بادشاہت کا وفادار بھی ہے یا نہیں جب اس کا اعتبار کر لیا جاتا ہے کہ یہ ذات شاہانہ کا وفادار ہے تو پھر جس منصب پر اسے لانا ہوتا ہے وہاں کے لئے اسکی صلاحیتوں کا اندازہ کیا جاتا ہے گویا بڑے سے بڑے سرکاری اعزاز کو حاصل کرنے کیلئے پہلی شرط بادشاہ وقت سے مکمل وفاداری اور نیازمندی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بشر کامل بنکر پہلے انسانی مخلوق سے اپنے اچھے تعلقات کا اور ان کے ساتھ اچھی معاشرت کا ثبوت دیا عبد ہونے کی حیثیت میں اللہ کی وفاداری کے معیار پر پورے اترے ان دونوں امتحانوں میں انہیں کامل پا کر خاتم المرسلین، رحمۃ للعالمین وغیرہ کے آخری اعزازات عنایت فرمائے گئے۔*

* یہ سوچنا کہ بشریت آپ کی نبوت کے منافی کوئی چیز تھی صحیح نہیں بلکہ قطعاً غلط مفروضہ ہے۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی ایک تقریر

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے یہ تقریر ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ حافظ الاسلام فیروز پور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ میں فرمائی تھی اور اس مدرسہ کے ایک استاذ مولٰنا محمد عاشق الٰہی صاحب نے اُسے ضبط کر کے دارالعلوم میں بھیجا تھا۔ اب مدت دراز کے بعد رسالہ کے کاغذات سے یہ تقریر دستیاب ہوئی اور ادارہ اس ہدیہ کو قارئین رسالہ تک پہونچا رہا ہے......

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا وسندنا وحبیبنا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً ارسلہ الی کافۃ الناس بشیراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ (اے مسلمانو!) تم بہترین
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ امت ہو جو پیدا کی گئی ہے لوگوں کے
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ لئے تم حکم دیتے ہو نیکی اور منع
بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ کرتے ہو برائی سے اور ایمان
لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ لاتے ہو اللہ پر اور اگر اہل کتاب
وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ایمان لاتے تو ان کے لئے
لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى بہتر ہوتا انہیں سے کچھ لوگ مومن
وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ بھی ہیں اور اکثر ان میں فسق و فجور
الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ والے ہیں تمہیں یہ لوگ کوئی بڑا
(سورۂ آل عمران رکوع ۱۲۔ پ ۴) نقصان نہیں پہونچا سکتے مگر ہاں

بزرگان محترم! یہ قرآن مجید کی چند آیتیں ہیں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان کے متعلق چند کلمات بیان کرنا چاہتا ہوں۔

انسان کی زندگی کے دو مقصد ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اس کے سامنے پیش کئے ہیں۔ اوّل کمال۔ یعنی اپنے آپ کو مہذب اور شائستہ بنانے کی کوشش کرنا کہ انسان

تھوڑی بہت تکلیف اور اگر یہ لوگ تم سے قتال کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھائیں گے پھر بے یار و مددگار ہو جاویں گے۔

بد تہذیب اور حیوان نہ بنے

دوم اکمال جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو بھی شائستہ اور مہذب بنانے کی کوشش کرے ان آیتوں میں ان دونوں مقصدوں کا ذکر ہے۔

کمال کی دو بنیادیں ہیں (۱) ایمان یعنی باطن اور قلب کو ایمان سے آراستہ کرنا (۲) اعمال کو صحیح کرنا۔ حدیث میں آیا ہے کہ اسلام کھلی ہوئی چیز ہے اور ایمان چھپی ہوئی جیسے آپ کے سامنے یہ درخت ہیں کہ ان کا ایک کھلا ہوا حصہ ہے یعنی پھل پھول برگ و شاخ وغیرہ اور ان کا ایک حصہ مٹی میں چھپا ہوا ہے یعنی جڑ جو اندر سے کام کر رہی ہے اگر اس کو باہر نکال لیا جائے تو پھر کام نہ کر سکے گی اور درخت کا ظاہری حصہ سوکھ جائیگا۔ اسی طرح رب العلمین نے انسان کے دل میں ایمان و عقائد کا تخم بویا ہے جس کے پھول پتے اور شاخیں نماز روزہ وغیرہ ہیں اگر ایمان نہ ہو تو انسان کا کوئی عمل نہ مقبول ہو اور نہ وہ کرنے کو تیار ہو۔

ایمان کسے کہتے ہیں؟

ایمان محض اللہ کو جان لینا اور اس میں کمالات موجود ہونیکا بالیقین کر لینے کو نہیں کہتے دیکھئے قرآن حکیم میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب آپ فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو تبلیغ کی تو کہنے لگا کہ اسے موسیٰ میرے خیال میں تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ	یقیناً تو جانتا ہے کہ یہ آیتیں
إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	رب العلمین نے اتاری ہیں
بَصَائِرَ (بنی اسرائیل رکوع آخر)	بصیرت اور عبرت کیلئے

معلوم ہوا کہ اللہ کو ایک جان لینے کا نام ایمان نہیں ورنہ فرعون بھی مومن ہوتا ایک فرعون پر کیا منحصر ہے یورپ میں جا کر دیکھئے کہ قرآن و حدیث کے مدارس اور کالج وہاں ملیں گے وہاں کے مدرسین اور ماسٹر بہت سے مسلم علماء سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں مگر مومن نہیں

ایک یہودی ڈاکٹر کی شہادت

مبسوط امام محمد بیس جلدوں میں ضخیم کتاب ہے جس میں مسائل اور احکام شرعیہ کی حکمتیں لکھی ہیں اس کتاب کو دیکھ کر ایک یہودی ڈاکٹر نے یوں کہا

هٰذَا كِتَابُ مُحَمَّدِكُمُ الصَّغِيْرِ	یہ تمہارے چھوٹے محمد کی کتاب
فَكَيْفَ مُحَمَّدُكُمُ الْكَبِيْرُ	ہے تو تمہارے بڑے

محمد (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب یعنی قرآن کا کیا ٹھکانا ہوگا۔

دیکھئے کہ یہ ڈاکٹر عالم تھا قرآن حکیم کی حقانیت کو جانتا تھا مگر مومن نہ تھا، نیز جس طرح کہ علم، مومن ہونے کے لئے کافی نہیں اسی طرح معرفت حاصل ہو جانا بھی انسان کو مومن نہیں بناتا قرآن حکیم میں ارشاد ہے

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ	جن لوگوں کو ہم نے کتاب
يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ	دی ہے وہ آپ کو اس طرح
اَبْنَآءَهُمْ	پہچانتے ہیں جس طرح اپنی
(سورہ بقرہ رکوع ۱۶)	اولاد کو پہچانتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ جیسے انسان کو اپنی اولاد کے پہچاننے میں شک نہیں کہ اپنے بیٹے کو دوسرے کا بیٹا سمجھ لے یا دوسرے کے بیٹے کو اپنا سمجھ لے اسی طرح یہود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے میں شبہ نہیں، دیکھئے یہ لوگ عارف تھے مگر مومن نہ تھے، (سورہ طور میں) ارشاد ہے

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ	کیا یہ لوگ اپنے رسول کو پہچانتے
فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ	نہیں کہ انکار کرتے
(رکوع ۲ پ ۲۷)	ہیں

پس سمجھ لو انسان علم سے مومن ہوتا ہے نہ عرفان سے بلکہ محض یقین سے بھی مومن نہیں ہوتا۔

وجحدوا بہا و استیقنتہا انفسہم — آیات خداوندی کا انکار کیا حالانکہ انکے قلوب انکا یقین رکھتے ہیں

بلکہ میں یوں کہتا ہوں کہ رسول کو جان بھی لے اور سمجھ کر یقین بھی کر لے، رسول کی نصرت بھی کرے کافروں کے مقابلہ میں سینہ سپر بھی ہو تب بھی مومن نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

ابوطالب کا واقعہ

مشہور ہے کہ جب مرنے لگے تو جہاں دوسرے رشتہ داران کے پاس گئے ایسے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے چچا آپ کو وہ دولت دینا چاہتا ہوں جو آپ کو جہنم کی آگ سے بچائے گی، ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیجئے میں آپ کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے لڑوں جھگڑوں گا، ابوطالب نے یہ سنکر چند اشعار پڑھے۔

اُن کی اُس وقت کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ ابوطالب کو علم بھی تھا یقین بھی تھا، خدمت بھی کافی کی مگر مومن نہ تھے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر — بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی نصرت فاسق و فاجر سے بھی کرا لیتا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان نہ علم محض ہے نہ صرف یقین، نہ خدمت، بلکہ ایمان انقیاد یعنی دل سے جھک جانے کا نام ہے، غیر اللہ کی طرف توجہ نہ ہو اور سمجھے کہ میں اللہ کے قبضہ قدرت میں ایسے ہوں جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (سورہ نساء رکوع ۹ پ ۵) — قسم ہے آپکے پروردگار کی یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو اپنے معاملات میں حکم اور منصف نہ بنائیں اور آپ جو فیصلہ فرما دیں اسمیں کسی قسم کی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اسے پوری طرح تسلیم کریں

حضرت عمرؓ کا انصاف

ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ چاہا آپ نے اس کے مقدمہ کا فیصلہ دیدیا چونکہ وہ فیصلہ اس کو پسند نہ آیا حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپ عادل و منصف ہیں، محمدؐ کا فیصلہ مجھے پسند نہ آیا آپ فیصلہ کر دیجئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں تشریف لے گئے اور تلوار لاکر اس کو قتل کر دیا کہ جو شخص سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ مانے اس کا فیصلہ یہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ایمان انقیاد قلبی کو کہتے ہیں کہ گرویدگی رگ و پے میں سما جائے اور شفقت و محبت پیدا ہو جائے جو سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

بزرگوں نے سلطنتوں پر لاتیں ماردی ہیں اور بادشاہوں کو ٹھکرا دیا ہے اگر ان حضرات کے پاس کوئی قیمتی چیز نہ ہوتی تو دولت دنیا کو کیوں پس پشت ڈالتے اور کیوں ذلیل سمجھتے۔

حضرت سلیم چشتیؒ کا واقعہ

حضرت سلیم چشتیؒ جہانگیر بادشاہ کے پیر تھے ایک روز اپنی گدڑی خادم کو دی کہ اس میں جوئیں دیکھ! خادم جوئیں دیکھنے لگا اور آپ حجرے میں تشریف لے گئے، اچانک بادشاہ مع اپنے حشم و خدم کے پہونچ گیا، خادم گھبرا گیا اور جلدی سے کواڑ بجائے۔ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ خادم نے عرض کیا کہ بادشاہ مع حشم و خدم کے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا ارے میں تو یہ سمجھا تھا کہ کوئی موٹا سا ڈھینگرا مل گیا ہوگا۔

معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک بادشاہ کی قدر ایک ڈھینگرے کے برابر بھی نہ تھی۔

شاہ غلام علی اور نواب ٹونک

شاہ غلام علیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے معاصر تھے حبیب میر نواب ٹونک آپ سے مرید تھے انہوں نے آپ کو خط لکھا کہ آپ کے یہاں لنگر خانہ کا خرچ بہت ہے میں آپ کو ایک ضلع مدیتہ دیتا ہوں اور یہی نہیں کہ محض خط لکھا بلکہ پٹہ لکھ کر بھیجا آپ نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھ دیا

" ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم "

حاصل یہ کہ روپیہ پیسہ، مال و دولت غنا اور راحت نہیں ہے بلکہ راحت و عیش کا سبب ہے، بہت سے مالدار ایسے ہیں جن کو مال کی حفاظت کی فکر اور دیگر مصیبتوں نے پریشان کر رکھا ہے۔

ایک مالدار کا واقعہ

امریکہ میں فورڈ کمپنی کے مالک کی آمدنی فی گھنٹہ تیس ہزار روپیہ ہے۔ اب حساب کر لیجئے کہ چوبیس گھنٹہ کی کتنی آمدنی ہوگی اور پھر ہفتہ کا حساب لگائیے، پھر مہینہ بھر کی رقم جوڑئیے پھر سالانہ آمدنی جمع کیجئے، اس شخص کا اخبارات میں بیان شائع ہوا تھا کہ میں اتنا کچھ مالدار ہونے کے باوجود ایک پیالی چائے اور ایک توس سے زیادہ نہیں کھا سکتا کیونکہ میرا معدہ اس سے زیادہ ہضم نہیں کر سکتا اگر کوئی میری اس دولت کو اپنی تندرستی سے بدلنا چاہے تو میں تیار ہوں۔ معلوم ہوا کہ عیش روپیہ پیسہ کا نام نہیں بلکہ اطمینان قلبی اور سکون دلی کا نام راحت و عیش ہے حدیث میں آیا ہے۔

لیس الغنی عن کثرۃ العرض ولکن الغنی غنی النفس	سازوسامان کی کثرت کا نام غنا نہیں ہے بلکہ اصل غنا قلب اور نفس کا غنا ہے

روپیہ پیسہ سے فکر بہت بڑھ جاتی ہے، خزانچی اور چوکیدار کیفر مدت کئے اور ملازموں کی حاجت پڑتی ہے اور حاسدوں کا حسد، چوروں کا ڈر الگ پریشان کرتا ہے

حاصل یہ ہے کہ دنیا جتنی پائدار ہوگی اتنی ہی پریشانی زیادہ ہوگی اور جتنا ایمان قوی ہوگا اور ذکر اللہ کی کثرت ہوگی اتنا ہی اطمینان ہوگا اور جمعیت قلبی نصیب ہوگی۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ	یاد رکھو قلوب کو اطمینان ذکر اللہ ہی سے حاصل ہوتا ہے

مولانا تھانوی رحؒ اپنے حال میں کبھی فرمایا کرتے تھے

سہ ما ہیچ نداریم غم ہیچ نداریم
دستار نداریم غم پیچ نداریم

کہ نہ ہمارے پاس کچھ ہے نہ کسی چیز کا غم ہے، نہ ہمارے پاس پگڑی ہے نہ اس کے لپیٹنے کی پرواہ ہے

نکتہ

ذکر الٰہی سے اطمینان اور سکون حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ پیر اور دیگر اعضاء دنیا کے اعضاء ہیں اور دل آخرت کا عضو ہے چنانچہ دل برائی کا فتویٰ کبھی نہیں دیتا۔ گناہ پر کبھی مطمئن نہیں ہوتا، دل کو صدق سے اطمینان ہوتا ہے حقانیت سے سکون حاصل ہوتا ہے، نیکی پر خوش ہوتا ہے چوری کرنے سے گھبراتا ہے، برائی سے ڈرتا ہے۔ برخلاف دیگر اعضاء کے کہ ان کے نزدیک برائی بھلائی میں کوئی فرق نہیں ہوتا، حلال و حرام ان کے نزدیک یکساں ہیں، دیکھئے زبان کو جس طرح حلال مال کھانے میں مزا آتا ہے ایسے ہی حرام مال میں بھی لذت آتی ہے، اور جسطرح ہاتھ حلال مال کی طرف بڑھتا ہے اسی طرح حرام مال جمع کر لیتا ہے اور جیسے پیر نیکی کی طرف چلتے ہیں اسی طرح برائی کیطرف بڑھتے ہیں، مگر دل کو حرام میں کبھی مزا نہیں آتا، برائی کا کبھی حکم نہیں کرتا۔ وہ الگ بات ہے کہ دل کو ایسا ستیاناس کر لیا جائے کہ اچھے برے کی تمیز ہی نہ رہے یا غلط فہمی ہو

جائے کہ باطل کو حق یا حق کو باطل سمجھ لے، لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ دل جس کو باطل سمجھ لے اس پر مطمئن ہو جائے۔

آج کل بہت سے لوگ مالدار ہیں لذت کے سامان ان کے پاس ہیں، مزے اڑا رہے ہیں مگر ان کو اطمینان اور سکون حاصل نہیں۔

ایک انگریز کا قول

شملہ میں حاجی احمد حسن صاحب کی بڑی دوکان ہے بندہ وہاں موجود تھا ایک انگریز دوکان پر آیا اور چائے کا سیٹ طلب کیا اور کہا کہ لندن کا تیار کردہ ہو، حاجی صاحب نے سیٹ نکال کر دیا اور انگریزی ایجادات کی جیسا کہ تجار کی عادت ہے تعریف شروع کی اور دیر تک بیان کرتے رہے وہ انگریز حاجی صاحب کی باتیں سنتا رہا آخر میں اس نے یوں کہا کہ آپ یہ سچ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت چیزیں ایجاد کی ہیں اور ہم عالم پر وسیع سلطنت کے مالک ہیں مگر یہ سب کچھ ہم نے ایک قیمتی چیز یعنی دل کا اطمینان اور سکون قلب کھو کر حاصل کئے ہیں۔

اللہ پر بھروسہ کرو اس کے ذکر کی کثرت کرو جب یہ چیز حاصل ہو جائے گی تو کسی چیز کی ضرورت نہ ہوگی، نہ دل پریشان ہوگا، سکون قلب اور اطمینان نصیب ہوگا جو عین عیش و راحت ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اگر آپ کا وائسرائے یا کمشنر سے تعلق ہے تو آپ کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ کوئی پریشانی دہراس ہوگی آپ کا دل مطمئن ہوگا کہ جب کوئی شخص ہم کو ستائیگا تو فوراً کمشنر یا وائسرائے سے کہدینگے۔

اور لیجئے کہ ایک ڈاکیہ جس کی تنخواہ بھی زیادہ نہیں اور اس کا عہدہ بھی کوئی بڑا نہیں ہزاروں روپے اپنے تھیلے میں ڈال کر بے خوف و خطر نکلتا ہے کیونکہ اس کی پشت پر حکومت کا ہاتھ ہے جب تک وہ اپنی ڈیوٹی پر ہے بڑا دلاور اور بہادر انسان اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اور اس کا تھیلا نہیں چھین سکتا، اسی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر آپ کا اللہ سے تعلق ہو گیا اور اس پر آپ نے بھروسہ کر لیا اسکی ڈیوٹی پر جمے رہے تو آپ کو نہ کسی کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی پریشانی ہوگی۔

قرن اول کے مسلمان

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ قوت حاصل تھی وہ فقط اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے تھے نہ یہود و نصاریٰ سے ہراس تھی نہ اپنی کثرت و سطوت پر گھمنڈ تھا۔ سلطنت و طاقت کو محض اللہ کا فضل جانتے اور سمجھتے تھے اور اس کا شکر ادا کرتے تھے

جب تک مسلمان اللہ کی ڈیوٹی ادا کرتے رہے اور اسلام کی صحیح طریقہ پر حفاظت کرتے رہے دین و دنیا کی ترقی حاصل ہوتی رہی اور جب اسلام کو چھوڑ بیٹھے اور ایک محسمہ سمجھ کر اس کی حفاظت کے دعویدار ہوئے تو نعمتیں چھینی جانے لگیں اور دولتیں ہاتھ سے چلی گئیں

عجیب مثال

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک شخص سے بادشاہ نے کہا کہ تم ہر وقت ہمارے دربار میں حاضری دیا کرو اس نے کہا کہ میرے بال بچے ہیں ان کی تربیت و خدمت میرے ذمہ ہے میں اُن کو کس طرح ہمہ وقت چھوڑ سکتا ہوں، بادشاہ نے کہا ہم ان کی تربیت کرینگے اور ان کے کھانے پینے کا خرچ ہمارے ذمہ ہے۔ اس شخص نے کہا تو ضرور میں ہر وقت حاضر دربار رہونگا، بادشاہ نے بیس گاؤں جاگیر میں دیدئے اس شخص نے شکریہ ادا کیا اس پر بیس کے بجائے پچاس گاؤں ملے، پھر شکر کیا اور زیادتی ہوئی سو گاؤں ہو گئے اور جب ڈیوٹی پر حاضر رہا تو انعام بڑھتا ہی گیا حتی کہ دو سو گاؤں بادشاہ نے اس کی ملکیت کر دئے، ایک مدت اسی پر گذرتی رہی ایک روز اس شخص کو خیال ہوا کہ میرے گھر کتنا مال اور کتنی نعمت و دولت جمع ہے مگر میں نے آج تک اس کا مزا تک نہیں چکھا آج بادشاہ سے اجازت لے کر مکان پر سونا چاہیئے۔ چنانچہ بادشاہ سے

اجازت لی اور گھر جا سو یا ، رات کو خوب مزے اڑا ئے اور طرح طرح کے کھانے اور مٹھائی وغیرہ کھانے میں مشغول رہا، صبح کے قریب آنکھ لگ گئی اور سوتے سوتے دس بجے سو کر اٹھا، بادشاہ کے یہاں پہونچا، بادشاہ نے ڈانٹا کہ دیر کیوں لگائی اس پر اس شخص نے معافی مانگی اور کہا کہ جناب اب ایسا نہ ہوگا خیر! معافی ہوگئی چونکہ منہ کو مزا لگ گیا تھا اس لئے ایک روز پھر اجازت لے کر گھر گیا اس روز اور بھی زیادہ لذت اور مزے میں مشغول ہوا اور بجائے دس کے بارہ بجے سو کر اٹھا۔ اور شرماتے شرماتے دربار شاہی میں حاضری دی بادشاہ نے اس روز بھی معاف کر دیا۔

ایک روز پھر گیا، اور رات بھر مزے اُڑائے، نیند کا غلبہ ہوا اور آنکھ لگ گئی سوتے سوتے شام کو اٹھا اب تو دربار میں حاضر ہونے کو دل نہ چاہا کہ دو مرتبہ تو معافی ہوگئی ہے اب جانے میں شرم آتی ہے، بادشاہ نے طلب کیا جب بھی نہ گیا تنبیہ کی ضرورت پڑی اور بادشاہ نے دس گاؤں چھین لئے اس پر کچھ تنبہ نہ ہوا اور سوچا کہ ابھی تو ایک سو نوے گاؤں باقی ہیں جو میرے مزے اڑانے کے لئے کافی ہیں، بادشاہ نے کچھ گاؤں اور چھین لئے اس پر بھی تنبہ نہ ہوا حتیٰ کہ سب جائداد چھین گئی اور مکان وغیرہ کوئی چیز پاس نہ رہی اس پر بھی سمجھ نہ آئی اور بھیک مانگنا شروع کر دیا، تو بادشاہ نے کہا کہ سر بازار کھڑا کر کے بھنگی سے جوتے لگوائے جائیں چنانچہ جوتے لگائے گئے۔

ایسا ہی حال مسلمانوں کا ہے جب تک اللہ کی ڈیوٹی پر رہے اس کے دربار میں حاضر رہے حکومت سلطنت بڑھتی رہی اور دنیا پر چھا گئے، جب عیش اڑانے لگے اور شاہی ڈیوٹی کو انجام نہ دیا تو سلطنت ہاتھ سے جانے لگی پہلے ملک کا کچھ حصہ ہاتھ سے نکلا اس پر بھی تنبہ نہ ہوا تو دوسرا حصہ بھی چھین لیا گیا حتیٰ کہ پوری سلطنت کھو بیٹھے، دوسری قومیں ان کو ذلیل اور کمزور سمجھنے لگیں، تعجب کی بات ہے کہ جو قوم دنیا میں بھلائی اخلاق پھیلانے کو آئی تھی دوسری قومیں آج اس کو جوتے لگاتی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ رب العٰلمین کی ڈیوٹی چھوڑنے کے سبب حکومت بھی گئی عزت بھی، مال بھی چھنا دولت بھی، طاقت بھی گری شوکت بھی، غنا رخصت ہوا، قحط کے سبب اشیائے معیشت کا ملنا بھی بند ہو گیا۔

حدیث میں آیا ہے کہ قحط یہ نہیں ہے کہ پیداوار نہ ہو بلکہ قحط یہ ہے کہ پیداوار ہو مگر میسر نہ ہو اور چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب سرکاری آدمی پر مصیبت آتی ہے تو رعایا بھی تکلیف میں مبتلا ہوتی ہے اس لئے مسلمان جو کہ سرکاری آدمی تھے جب اُن کے اوپر مصیبت آئی اور کرتوتوں کی سزا ملی تو دوسری قومیں بھی ان کے ساتھ مصیبت میں مبتلا ہو گئیں۔

حاصل یہ ہے کہ مسلمان مال کے فتنہ میں پڑ کر رب العالمین کی ڈیوٹی سے ہٹ گئے جس کے بدلے میں طرح طرح کی تنگیاں اور مصیبت برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ

فو الله لا الفقر	مجھے تمہارے فقر و فاقہ کا ڈر نہیں
اخشیٰ علیکم و لکن	ہے بلکہ ڈر اس کا ہے کہ تم پر اسی طرح
اخشیٰ علیکم ان تبسط	دنیا اور مال و دولت کشادہ ہوگی جس
علیکم الدنیا کما	طرح تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی
بسطت علی من کان	اور اسی طرح تم لوگ
قبلکم	ہلاک ہو گے جیسے وہ
...... و یہلککم	لوگ ہلاک ہوئے۔
کما اھلکتھم	

(بخاری و مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز سے ڈرتے تھے وہ ہو کر رہی اور مسلمان مال و دولت میں مشغول ہو کر دین الٰہی کو چھوڑ بیٹھے اور دین محض نام کا رہ گیا۔ حدیث میں آیا ہے۔

قال رسول الله صلی الله	(ترجمہ) قریب ہے کہ [illegible]
علیہ وسلم یوشك	پر ایک ایسا وقت آئے گا [illegible]
ان یاتی علی الناس	اسلام کا صرف نام [illegible]

زمان لا یبقیٰ من الاسلام | اور قرآن شریف کے صرف حروف
الا اسمہ ولا من | باقی رہ جائیں گے۔ یعنی قرآن
القرآن الا رسمہ | شریف تلاوت کیا جائیگا اسکے
الحدیث، قال فی المشکوٰۃ | مدلولات اور احکام پر عمل
رواہ الدارمی | نہیں کیا جائیگا

اے مسلمانو! دین کو مضبوطی سے پکڑ لو، اخلاق محمدی اختیار کرلو اسلامی معیشت اور مذہبی تمدن لے کر دنیا میں نکلو پھر دیکھو کہ غیر قومیں تمہاری کیا عزت کرتی ہیں۔

سندھ کا واقعہ

ایک مرتبہ جمعیۃ العلماء کی کانفرنس میں ہمارا سندھ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں کے مقامی ہندؤں نے چائے کی دعوت دی جانے میں کچھ دیر ہوگئی اور ایسے وقت چائے دعوت پر پہنچے کہ مغرب کا وقت ہوگیا، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مسجد یہاں سے ایک میل ہے، ہمارا نماز کا اہتمام دیکھ کر ہندو بولے ہمارے مکان میں نماز پڑھ لیجئے، ہمارے لئے برکت کا باعث ہوگی چنانچہ ہم نے اس مکان میں اذان پڑھی اور نماز باجماعت ادا کی اور نماز بھی وہ جس میں قرأت جہریہ تھی۔ ہندؤں کا یہ حال تھا کہ ہم سب کو وضو کرایا، ہاتھ منھ پونچھنے کے لئے تولیے لے کر دوڑے ہم نے نماز شروع کردی، ہم اپنے معبود کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور وہ ہمارے پیچھے دست بستہ کھڑے تھے، ایسے ہی آج کل جو مبلغین گشت کرتے ہیں تو غیر قومیں ان کو دیکھ کر بہت متاثر ہوتی ہیں اور حقیقت میں دین پھیلانے کا یہی طریقہ ہے دین پر خود مضبوطی سے جم کر دین پھیلانے کے لئے نکلو پھر دیکھو کہ تمہاری دنیا میں کیسی عزت ہوتی ہے اور تمہارا دین کس طرح پھیلتا ہے۔ اگرچہ تم کو بہت تکلیفیں پہنچیں گی، پیدل بھی چلنا ہوگا، گا ہے گا ہے بھوک بھی برداشت کرنی پڑے گی معاندوں کی گالیاں بھی سننی ہونگی بلکہ بعض مرتبہ مار پٹائی تک کی بھی نوبت پہنچے گی۔ لیکن اگر آپ نے گالی کا بدلہ گالی سے دیا، یا تھپڑ کے بدلے تھپڑ استعمال کیا تو آپ شر اور بد دینی کو دور نہ کرسکیں گے کیونکہ اگر گالی کی جگہ گالی دی تو گالی دوگنی ہوگئی، تھپڑ کا بدلہ تھپڑ سے دیا تو تھپڑ ہی میں اضافہ ہوا، شر و فساد دنیا سے اسی طرح مٹایا جاسکتا ہے کہ گالی کا بدلہ خوش اخلاقی سے دیا جائے اور اسی طرح تھپڑ کھا کر اپنے تھپڑ کو قابو میں رکھا جائے۔

امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ

مشہور ہے کہ امام صاحبؒ کو کسی نے پیٹھ پیچھے گالیاں اور آپ کے اندر وہ عیب ظاہر کئے جن سے آپ بری تھے آپ کو واقعہ کا پتہ لگا تو کافی مٹھائی اور ریشمی کپڑے اور بہت سا نقد روپیہ ایک خوان میں رکھ کر اس شخص کے مکان پر پہنچے اور آواز دے کر اندر سے بلا کر وہ خوان بطور ہدیہ کے پیش فرمایا، وہ شخص حیران ہو کر کہنے لگا کہ حضرت یہ ہدیہ کیسا، میں نے تو آپ کو علی الاعلان گالیاں دی ہیں اور آپ کو بہت سے غیر واقعی عیوب کے ساتھ متہم کیا ہے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جناب یہ تو آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا کہ اپنی آخرت کو میرے لئے برباد کردیا۔ کیونکہ آخرت میں میری برائیاں آپ کو اور آپ کی نیکیاں مجھکو ملینگی تو بھلا آپ سے زیادہ میرا کون محسن ہوگا کہ اپنی آخرت مجھے دیدے یہ سنکر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور امام صاحبؒ سے معافی طلب کرنے لگا۔

بس آپ تو اللہ تعالےٰ سے اپنا تعلق کرلیجئے اور اپنے ہر فعل اور ہر قول میں اللہ تعالےٰ کیطرف انتساب کو مدنظر رکھئے کوئی آپ کو گالیاں دے یا کوئی دوسری تکلیف پہنچائے تو اللہ کے سپرد کیجئے آپ کا اللہ سے تعلق ہوگا تو وہ آپ کی طرف سے خود بدلہ لے لینگے، اور جو آپ سے کسی نے آج چھین لیا ہے کل کو آپ ہی کو مل جائیگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں؛

من عادیٰ لی ولیّا | جو کوئی میرے کسی دوست سے

فقد اٰذنتہ بالحرب — دشمنی مول لے گا میں اسے جنگ کا چیلنج دونگا۔ (مشکوٰۃ)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

من کان للہ کان اللہ لہ — جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا۔

ہارون الرشید کی باندی کا سوال

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے اپنے متعلقین و ملازمین و مملوک غلاموں سے کہا کہ جو چاہو مانگ لو سوال پورا کیا جائیگا چنانچہ سب مانگتے رہے کسی نے بلڈنگ طلب کی اور کسی نے جائداد کا سوال کیا، غرضیکہ مختلف لوگوں نے مختلف چیزیں طلب کیں، ایک باندی جو ہارون الرشید کے سرہانے کھڑی ہوئی مورچھل جھل رہی تھی اس سے ہارون الرشید نے کہا تو بھی تو کچھ مانگ لے، کہنے لگی ان سب کو مانگ لینے دو یہ اپنے پاگل پن کے طریقہ سے سوال کر چکیں گے تو میں بھی مانگ لونگی جب سب دوں کا سوال ختم ہو گیا تو باندی نے ہارون الرشید کی کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا، میں تو آپ کو مانگتی ہوں، آپ میرے ہو گئے تو سب کچھ میرا ہے، یہ سب تو پاگل ہیں کہ انہوں نے ایک ایک چیز طلب کی اور میں نے آپ کو مانگ کر ساری سلطنت اپنی کر لی

اسی طرح سمجھ لو کہ جب تم نے اللہ سے اپنا رشتہ جوڑ لیا تو سب کچھ تمہارا ہو گیا۔ تم ان کا دین پھیلانے لگ جاؤ گے وہ تمہارے فکروں کی کفایت کر لیں گے، غرض کہ دور کر دینگے احادیث میں ہے

من جعل الھموم ھما واحداً ھم اٰخرتہ کفاہ اللہ ھم دنیاہ ومن تشعبت بہ الھموم احوال الدنیا لم یبال — جس نے اپنے سارے غموں کو ختم کر کے صرف ایک غم آخرت کا باندھ لیا حق تعالیٰ اس کی دنیا کی کفالت کر لیتے اور جو دنیا کے سارے غموں میں پھنسا

اللہ فی ای وادٍ ھلک (رواہ ابن ماجہ ورواہ البیہقی فی شعب الایمان) — رہے گا پھر خدا کو پروا نہیں ہے جہاں چاہے ہلاک ہو جائے۔

بھروسہ بچے سے سیکھ لیجئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے لئے اگر کوئی جائے پناہ اور حفاظت کی جگہ ہے تو ماں کی گود ہے اسی وجہ سے ماں مارتی بھی ہے تو روتا چلاتا ماں ہی کی طرف دوڑتا ہے۔

ایسے ہی آپ اپنا ہر معاملہ اور ہر کام اللہ کو سپرد کر دیجئے کسی کی طرف سے جو تکلیف پہونچے اس پر صبر کر کے دین الٰہی کو فروغ دینے کی کوشش میں لگئے۔ آخر نبیوں نے بھی تو گالیاں سُنی ہیں، تیر بھی کھائے ہیں، لوگوں نے ان کا مذاق بھی اُڑایا ہے۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا — اور یقیناً تم (اے مسلمانو) (اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت سی تکلیف کی باتیں سنو گے۔

(سورہ آل عمران رکوع ۱۸ پ ۴)

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ جب طوفان سے بچنے کے لئے کشتی بنانے لگے تو کفر والوں نے آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اس پر آپ نے جواب دیا

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ — اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو عنقریب ہم بھی ایسے ہی مذاق اڑائیں گے جیسا تم مذاق اڑاتے ہو

(سورہ ہود رکوع ۴ پ ۱۲)

مسلمانو! جب تمہارے پاس نہ طاقت ہے نہ سلطنت، نہ دولت نہ سطوت، تو دوسری قوموں پر کیسے غلبہ حاصل کر سکو گے کہ اپنے اندر قوت ایمانی پیدا کرو گے اور مکمل بنکر دوسروں کو کامل بنانے لگو گے

ایک ہندو کی شرما دینے والی بات

گوبند سہائے سکریٹری پارلیمنٹری بورڈ نے بجنور میں ایک مرتبہ مسلمانوں سے خطاب کرکے ایک سچی بات اور شرما دینے والی بات کہی جس کو سنکر ہم کو سوائے آنکھیں نیچی کرلینے کے کچھ بن نہ پڑا۔

گوبند سہائے نے کہا کہ اے مسلمانو! پہلے اگر کسی گاؤں میں پانچ مسلمان اور پچانوے ہندو ہوتے تھے تو ان پانچ مسلمانوں سے پچانوے ہندو ڈرا کرتے تھے، حالانکہ مسلمانوں کے پاس نہ توپ تھی نہ تفنگ، نہ حکومت تھی نہ سلطنت تھی بلکہ ان میں روح ایمانی اور باطنی طاقت تھی جس سے ہندو لرزتے تھے، اور اب چونکہ مسلمان اپنی طاقت وحکومت جانے کے بعد روح ایمانی کو بھی کھو بیٹھے تو پچانوے (۹۵) مسلمان اب پانچ ہندوؤں سے ڈرتے ہیں۔

بس تمہارا قلعہ یہی ہے کہ دین پر مضبوطی سے جمے رہو اسی میں امن ہے اسی میں رضائے خداوندی اور دنیا وآخرت کی خوبی ہے۔

اگر گھربار چھوڑو گے اور دین پھیلانے کی کوشش کروگے تو برے اخلاق دور ہونگے اور اخلاق نبویہ پیدا ہوں گے۔

جیسے مولانا محمد الیاس صاحب قدس اللہ سرہٗ نے اس زمانہ میں تبلیغ کا طریقہ جاری فرمایا۔ مسلمانوں کو صحیح راہ عمل بتائی ہے۔

غور کیجئے کہ آپ گھر چھوڑ کر مسلمانوں کو دین الٰہی بتانے کے لئے نکلے تو شفقت علی المسلم آپ کے اندر پیدا ہوگی بھوک اور دیگر تکالیف سے صبر وتحمل نصیب ہوگا زہد وقناعت کی برکتوں سے مالا مال ہونگے، دوسرے مبلغین کو دیکھ کر عمل کی حرص پیدا ہوگی۔ کثرت ذکر اور دیگر فوائد حاصل ہوں گے۔

آخر کلام

بس مجھے یہ عرض کرنا تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے لئے کمال وتکمیل ضروری ہے۔ یہ کافی نہیں کہ خود نماز روزہ میں لگا رہے اور دوسرے مسلمان دین سے دور وغافل رہیں اور ان کی طرف توجہ ہی نہ ہو اگر بد دینوں کو دیندار بنانے کی کوشش کروگے تو جہاں وہ ہدایت یافتہ ہوں گے وہاں تمہارا کمال بھی اور زیادہ مکمل ہوگا اور ترقی نصیب ہوگی۔!

واخر دعونا ان الحمد للہ
رب العلمین والصلوٰۃ علی
سیدنا ومولانا محمد وآلہ و
صحبہ اجمعین
ربنا لاتزغ قلوبنا بعد
اذ ھدیتنا وھب لنا من
لدنك رحمۃ انك انت
الوھاب۔
برحمتك یا ارحم الرحمین

کتابوں کا تاج محل

رامپور رضا لائبریری رامپور

مولانا امتیاز علی عرشی

رام پور تھی تو چھوٹی سی ریاست مگر اس نے علم و فن کو جو کچھ دیا ہے وہ بڑی بڑی ریاستیں نہ دے سکیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اقرار ملک اور بیرون ملک کے بہت سے صاحب نظر کر چکے ہیں، شاعری میں رامپور اسکول اور موسیقی میں رامپور گھرانے کی جو دین ہے اس سے کوئی انصاف پسند مؤرخ نگاہ نہیں بچا سکتا۔ خالص علمی اور ادبی میدان میں بھی رامپور سے وابستہ دو نام روشن ہیں۔ پہلا رامپور کا مدرسہ عالیہ جو مشرقی علوم و فنون کی قدیم اور مشہور درسگاہ ہے اور دوسرا رام پور کا شہرۂ آفاق کتاب خانہ جس نے رام پور کو دنیا کے علمی نقشے پر نمایاں جگہ عطا کی ہے۔

یہ کتاب خانہ رام پور رضا لائبریری کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے اپنی نادر کتابوں اور نایاب تصویروں کی تعداد اور ان کی قدر و قیمت کی بناء پر ہندوستان ہی نہیں پورے مشرق میں بے نظیر شمار کیا جاتا ہے، یہاں عربی، فارسی، ترکی، پشتو، سنسکرت، ہندی، تامل، اور پنجابی زبانوں کی تقریباً پندرہ ہزار قلمی کتابیں اور سینکڑوں قلمی تصویریں اور خوشخطی کے نمونے محفوظ ہیں۔

کتاب خانہ رامپور مدرسۂ عالیہ کی طرح نواب سید فیض اللہ خاں بہادر متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۴ء) کا قائم کیا ہوا ادارہ ہے۔ لیکن اس کی باقاعدہ ترقی کا دور نواب سید محمد سعید خاں بہادر (جنت آرام گاہ) کی ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں مسند نشینی سے شروع ہوا۔ جنت آرامگاہ نے ریاست کے دوسرے محکموں کی اصلاح کے ساتھ کتاب خانے کو بھی توجہ کا شرف بخشا توشہ خانہ میں کتابوں کے لئے جداگانہ کمرہ معین ہوا، لکڑی کی الماریوں میں کتابیں قرینے سے رکھی گئیں اور کتابوں پر مہر ثبت کرنے کے لئے ایک مہر بنوائی گئی جس میں ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱-۲ء) کے ساتھ یہ شعر کندہ ہے

بست ایں مہر بر کتب خانہ
والیٔ رام پور فرزانہ

جنت آرام گاہ کے کتب خانہ میں کیسی کیسی نادر کتابیں تھیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ تذکرہ کافی ہوگا کہ حکومت ہند کو بعض تاریخی نسخے درکار تھے، نواب صاحب کو لکھا گیا تو انہوں نے ہمایوں نامہ، اکبر نامہ، خزانۃ العالم، تاریخ نادری، خلاصۃ التواریخ خاں جہانی اور مجمع محفل کے نہایت عمدہ مخطوطے اگست ۱۸۶۸ء میں مسٹر اسپلے سن صدر بورڈ آگرہ کے توسط سے تحفے میں بھیج دئے۔ ان میں سے ہمایوں نامہ اور مجمع محفل ب

تک نایاب ہیں

جنت آرام گاہ نے پرانی قلمی کتابوں کی فراہمی کے ساتھ نایاب کتابوں کی نقلیں بھی کرائیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے کشمیر سے غلام رسول اور مرزا احمد حسن دو بھائی طلب کئے گئے یہ دونوں خط نسخ کے ماہر تھے اور نقاشی وگلکاری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے. خط نستعلیق کے لئے میر عوض علی ملیح آبادی لکھنو سے بلائے گئے ان ماہروں کے آنے سے شہر میں بھی گھر گھر خطاطی کا شوق پیدا ہو گیا اور رفتہ رفتہ سینکڑوں خوشنویس مصروف کار نظر آنے لگے.

۱۸۵۵ء میں نواب سید محمد یوسف علی خاں بہادر (فردوس مکاں) تخت نشیں ہوئے تو کتب خانہ میں مزید ترقی ہوئی، نواب فردوس مکاں، مولانا فضل حق خیرآبادی مفتی صدرالدین، آزردہ حکیم مومن خاں مومن اور مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے شاگرد اور مشرقی علوم وفنون کے بڑے قدرداں تھے.

۱۸۵۷ء میں ہندوستانی زندگی میں ہمہ گیر ابتری پھیلی تو علم وفن کی سرپرست سرکاریں اور صنعت وحرفت کی قدرداں محفلیں اجڑ گئیں، فردوس مکاں نے ملک کے باکمالوں کو اپنے دامن میں جگہ دی چنانچہ منیر شکوہ آبادی کو انھوں نے اپنے ایک مقطع میں خطاب کرتے ہوئے کہا ہے ۔

ناظم، منیر آئیں یہاں ہم ہیں قدرداں
شرمندہ کیوں ہیں اپنے کمالوں کے سامنے

فلک کے ستائے ہوئے آرام سے بیٹھے تو اُنکے توسط سے نادر ونادر کتابیں بھی آنا شروع ہو گئیں فردوس مکاں نے بڑے بڑے انعام دے کر انہیں لیا اور سر آنکھوں پر رکھا، رام پور کے خوشنویسوں، نقاشوں اور مصوروں نے بھی قدردانی کے بل بوتے پر اپنا کمال دکھایا اور ایسی ایسی بیش بہا کتابیں تیار کیں کہ باید وشاید

۱۸۶۵ء میں نواب سید کلب علی خاں بہادر (خلد آشیاں) نے مسند ریاست پر قدم رکھا تو چند سال کے اندر رامپور بغداد اور قرطبہ کا ہم پلہ بن گیا۔ خلد آشیاں اپنے خاندان میں سرپرستیٔ علوم وآداب کے لحاظ سے یکتا تھے بچپن سے کتابیں جمع کرنے کا شوق رکھتے تھے اور جب کوئی اچھا نسخہ ہاتھ آجاتا تو اس پر بقید تاریخ لکھا کرتے کہ مجھے ایسی خوشی میسر آئی کہ اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی اُن کے عہد حکومت میں کتاب خانہ اپنی ترقی کر اعلےٰ مدارج تک پہونچ گیا۔

خلد آشیاں کی قدردانی دیکھ کر ہندوستان کے گوشے گوشے سے کتابیں برسنا شروع ہو گئیں اور چند سال کے اندر اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ انہیں اس کے لئے نئی عمارت تعمیر کرانا پڑی. منشی امیر احمد امیر مینائی مرحوم ترتیب فہرست کے نگراں مقرر ہوئے۔ نواب صاحب نے فہرست کا نمونہ خود پسند فرمالیا تو اس کے مطابق مولوی مہدی علی خاں تحویلدار کتاب خانہ" مرتب تاریخ لطیف " نے فہرست کی تکمیل کی۔

خلد آشیاں کے عہد میں ہندوستانی مطبوع کافی ترقی پاچکا تھا، جو کتاب بھی مطبع میں چھپتی وہ انعام کی امید پر مالک مطبع دو تین نسخے ان کے حضور میں ضرور نذر گذارتا، ان میں سے دو مطابع خلد آشیاں کے بڑے منظور نظر تھے کانپور کا مطبع نظامی اور لکھنؤ کا مطبع نولکشور، چنانچہ دونوں نے رام پور کے خزانے سے بڑی بڑی رقمیں حاصل کی ہیں۔

خلد آشیاں کی ریس میں شہر کے رئیسوں اور عالموں نے بھی حسب استطاعت قلمی کتابیں جمع کی تھیں، خلد آشیاں نے ان حضرات سے بھی بہت سے نوادر حاصل کئے رام پور کے علماء میں سب سے اچھا کتاب خانہ مفتی سعد اللہ صاحب کا تھا۔ ان کے کتاب خانے کی جو کتابیں سرکاری ذخیرے میں داخل ہوئیں ان میں شرح کافیہ' رضی الدین.. نیشاپوری کا نسخہ بجید قیمتی ہے اس کے سرورق پر شاہجہاں کی تحریر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کے بیشتر حاشیے علامی سعد اللہ خاں وزیر اعظم کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔ خود

سعد اللہ خاں کی مہر بھی ایک گوشے میں موجود ہے، عالمگیر نے بھی اس پر اپنی مہر ثبت کی ہے، دہلی کی تباہی کے بعد یہ کتاب شاہی کتاب خانہ سے جدا ہوئی تو میر غلام علی آزاد بلگرامی اس کے مالک بنے۔ ان کی تحریر اور مہر بھی سرورق پر موجود ہے

خلد آشیاں نے میرٹھ کے حکیم غلام محی الدین طبیب، دہلی کے مفتی صدر الدین خاں بہادر آزردہ اور حکیم احسن اللہ خاں بہادر اور لکھنؤ کے مسیح الدولہ حکیم علی حسن خان بہادر کے ذخیروں کی بھی معتد بہ کتابیں ان کے اخلاف سے خرید کیں نیز عربی کتابوں کے بہت سے نادر نسخے سفر بیت اللہ کے موقع پر مہیا کر کے ہمراہ لائے

۱۸۶۵ء میں نواب سید مشتاق علی بہادر (عرش آشیاں) نے تاج ریاست سر پر رکھا تو خلد آشیاں کے عہد کی عمارت کو کتاب خانہ کی عظمت و شان کے مناسب نہ پاکر دوسری شاندار عمارت کا سنگ بنیاد نصب فرمایا۔ کتاب خانے کو مستقل محکمے کی حیثیت عطا فرما کر جداگانہ بجٹ مقرر کیا۔ اور عملے میں ایک مہتمم ایک تحویلدار، نو خوشنویس نستعلیق، دو خوشنویس نسخ چار جلد ساز اور چار ورق گرداں رکھے گئے۔

۱۸۸۹ء میں نواب سید حامد علی خاں بہادر (جنت مکاں) تخت نشین ہوئے۔ نواب عرش آشیاں نے جس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تھا نواب جنت مکاں نے ۲۱ مارچ ۱۸۹۲ء کو اس کا بڑی دھوم سے افتتاح فرمایا اور یہ حکم دیا کہ آیندہ اس سے ہر خاص و عام فائدہ اٹھا سکے گا۔

نیز نواب جنت مکاں کے عہد میں فن وار فہرستوں کی از سر نو ترتیب شروع کی گئی اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم، کتاب خانے کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے، موصوف بہت بڑے فاضل اور دہلی کے مشہور علمی خاندان کے فرد ہونے کے باعث کتابوں کے بڑے شوقین تھے۔ انھوں نے خاص طور پر شعبۂ طب کے لئے نادر نادر کتابیں مہیا کیں اور یورپ، ایران، عراق وغیرہ سے تازہ مطبوعات فراہم کئے، حکیم صاحب کی نگرانی میں شعبۂ عربی کی فہرست کا ایک حصہ مکمل ہو کر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ حکیم واصل خاں کے انتقال کے بعد مسیح الملک دہلی تشریف لے گئے تو حافظ احمد علی خاں شوق (مؤلف تذکرۂ کاملان رامپور) ناظم کتاب خانہ مقرر ہوئے ان کی ہدایت کے مطابق حکیم محمد نبی صاحب شمسی رجسٹرار شعبۂ عربی نے عربی فہرست کی دوسری جلد مرتب کی جو ۱۹۲۸ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ مفصل فہرست اردو زبان میں مرتب کی گئی ہے۔

۱۹۳۰ء میں نواب سر سید رضا علی خاں بہادر (فردوس مکیں) نے زمام حکومت ہاتھ میں لے کر اپنے آبائے کرام سے بھی بڑھ چڑھ کر کتاب خانے کی طرف توجہ فرمائی۔ پہلے علامہ نجم الغنی خاں رامپوری، مؤلف تاریخ اودھ، اخبار الصنادید وغیرہ کو ناظم کتاب خانہ مقرر فرمایا ۱۹۳۲ء میں اُن کے انتقال پر مسٹر جے اے چیپ مین سابق لائبریرین امپیریل لائبریری کلکتہ (حال نیشنل لائبریری کلکتہ) جو ۱۵۔۲۰ سال سے خدا بخش لائبریری پٹنہ کی فہرست کے نگراں بھی تھے طلب کئے گئے اور حقیر عرشی کو ناظم کتاب خانہ کے عہدہ پر مشرف فرمایا گیا۔

کتاب خانہ میں عملہ اور موجودات دونوں میں تہذیب و ترتیب کی ضرورت تھی۔ عملے کی غیر ضروری اسامیاں تخفیف کر کے کار آمد عہدے قائم کئے گئے، مطبوعات میں بہت سی کتابوں کے مکرر نسخے تھے، ان میں ایسے بھی تھے جو ایک ہی مطبع کے چھپے ہوئے تھے یا سابق کی سراسر نقل تھے، انگریزی شعبے میں بڑی تعداد ایسی کتابوں کی تھی جو کتاب خانہ رامپور جیسے بلند مرتبہ کتب خانے کے لائق نہ تھیں، میری گزارش پر نواب فردوس مکیں نے صولت پبلک لائبریری رام پور، رضا انٹر کالج رام پور، رضا ڈگری کالج رام پور اور مدرسہ رام پور کو یہ سب غیر ضروری مطبوعات عطا فرمائیں، انگریزی کتابوں کا ایک حصہ خاص باغ پیلس لائبریری میں منتقل کر دیا گیا۔

کتاب خانے میں مطبوعات اور مخطوطات ایک ساتھ

سکے جاتے تھے اور ایک ہی فہرست میں ان کا اندراج ہوتا تھا ناقص اور کامل کی اس یکجائی سے کامل یعنی قلمی کتابوں پر کیڑوں کا اثر افسوس ناک حد تک پڑ رہا تھا اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے میں نے کتاب خانے کے تمام ذخیروں کو دو شعبوں، مخطوطات اور مطبوعات میں تقسیم کر دیا اور نہایت عمدہ سامان فراہم کر کے پہلے قلمی کتابوں کی از سرِ نو جلد بندی کرائی، پھر موسم کے اثرات سے نیز دیمک وغیرہ سے بچانے کے لئے مخطوطات کے واسطے لوہے کی مضبوط اور خوشنما الماریاں منگائیں۔

اب تک جو فہرستیں تیار ہوئیں یا چھپ چکی تھیں ان میں ہر مطبوعہ اور قلمی نسخے کی تفصیلی کیفیت اردو زبان میں لکھی گئی تھیں ظاہر ہے کہ کتب مطبوعہ کی فہرست دیکھنے والوں کو زیادہ تفصیل درکار نہیں ہوتی، اس طرح روپیہ، وقت، محنت یہ سب چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں، نیز وہ اصحاب جو مخطوطات کی فہرست کے طلب گار ہیں اردو داں بہت کم ہوتے ہیں، فہرست کے فائدہ کو زیادہ عام کرنے کے خیال سے یہ تجویز ہوا کہ مطبوعات کی صرف مختصر فہرستیں تیار کر لی جائیں اور قلمی کتابوں کو بلحاظِ فن اور ہر فن کی کتابوں کو باعتبار تاریخ وفات مصنف مرتب کر کے ان کی مفصل فہرستیں مخطوطات ہی کی زبانوں میں شائع کی جائیں۔

اس عہد میں میری خواہش پر کتاب خانہ میں ایک شعبۂ اشاعت قائم کیا گیا۔ سارے کتاب خانوں میں یہ شرف اسی کتاب خانہ کو حاصل ہے کہ یہاں تحقیق کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے نوادر کی تصحیح ترتیب اور اشاعت کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ اس شعبے کی طرف سے اب تک ۱۴ کتابیں شائع ہو کر ملک و بیرونِ ملک کے اصحابِ علم و ادب سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں ان میں سے اہم ترین کتاب امام سفیان ثوری کی تفسیر القرآن ہے جس کا واحد نسخہ صرف اس کتاب خانے میں موجود ہے، ان کتابوں کی اشاعت سے ملک میں طباعت و ترتیب و تحقیق دونوں کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے اور علمی حلقوں میں مطبوعات کتاب خانہ رامپور جیسی مرتب شدہ کتابوں کا انتظار اور تقاضا ہونے لگا ہے۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا اور ۱۹۴۹ء میں ریاست صوبہ یوپی میں ضم ہو گئی تو فردوس مکیں نے یہ نادر ترین ذخیرہ حکومت ہند اور حکومت یوپی کے مشورہ پر وقف کر دیا کتاب خانے کا نام "رامپور رضا لائبریری" رکھا گیا۔ اور انتظام کے لئے ایک بورڈ کی تشکیل ہوئی جس کے صدر کا عہدہ والئ ریاست کے لئے طے ہوا۔ پہلے حکومت ہند نے اور بعد ازاں حکومت یوپی نے اس کے مصارف کا ذمہ لیا۔ اس انتظام سے کتاب خانے نے مزید ترقی کی طرف قدم رکھا ہے چنانچہ عربی مخطوطات کی فہرست کی چار جلدیں بزبان انگریزی حکومت ہند کی مدد سے طبع ہو چکی ہیں اور پانچویں زیرِ طباعت ہے۔ خود لائبریری کی طرف سے اردو مخطوطات کی جلد اول شائع ہو چکی ہے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا اس لائبریری کی تاریخ ریاست کے ساتھ ہی شروع ہوئی ہے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ رامپور کے ہر فرماں روا نے اس سے دلچسپی لی چنانچہ تقریباً پونے دو سو سال کی مدت میں یہ لائبریری نادر اور نایاب کتابوں کا ایک عظیم الشان خزانہ بن چکی تھی۔

مولانا شبلی مرحوم نے ۱۹۱۴ء میں لکھا تھا کہ میں نے مصر اور روم کے کتاب خانے بھی دیکھے ہیں لیکن کسی کتاب خانے کو مجموعی حیثیت سے میں نے اس سے افضل نہیں دیکھا یہ اعتراف اس زمانے کا ہے جب اس لائبریری میں کتابوں کی تعداد موجودہ تعداد کے مقابلے میں تقریباً نصف تھی۔ اس بات سے بآسانی رضا لائبریری کی وقعت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس لائبریری کی سب سے پرانی کتاب قرآن مجید کا ایک نسخہ ہے جو ساتویں صدی عیسوی میں چمڑے پر لکھا گیا تھا۔ قرآن پاک ہی کا ایک اور نسخہ ہے جسے بغداد کے د

اقلم ابن مقلہ سنہ ۹۳۹ء سے دو تین سال پہلے لکھا تھا یہی وہ شخص ہے جس نے کوفی خط کو ایسا موڑ دیا ہے کہ موجودہ خط نسخ پیدا ہو گیا۔ تذکرہ نگاروں نے بتایا ہے کہ ابن مقلہ نے اپنی زندگی میں قرآن مجید کی صرف ۲ کاپیاں تیار کی تھیں رضا لائبریری کی خوش قسمتی کہ ان میں سے ایک یہاں محفوظ ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ صرف ایک یہی نسخہ ہزار پاؤنڈ قیمت کا ہے یہ نسخہ اس لحاظ سے بھی نادر ہے کہ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کا بہت پرانا نمونہ ہے۔ قرآن مجید کی جو تفسیریں دنیا میں موجود ہیں ان میں سب سے پرانی امام سفیان ثوری کی تفسیر ہے اس کتاب کا یکتا نسخہ بھی یہاں موجود ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر حکومت ہند کی مدد سے لائبریری نے ابھی حال میں اسے شائع کر دیا ہے۔

آٹھویں صدی عیسوی کا ایک عرب شاعر جریر بن عطیہ ہے اس کا دیوان کئی بار چھپ چکا ہے مگر رضا لائبریری میں اس کی جو کاپی موجود ہے اس میں ابن حبیب بغدادی کی مفصل شرح بھی شامل ہے جو لوگ ابن حبیب بغدادی سے واقف ہیں وہ اس شرح کی اہمیت کو پہچان گئے ہونگے۔

فارسی قلمی کتابیں بھی اپنی تعداد اور حسن و خوبی کے لحاظ سے عربی کے ہم پلہ ہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ تصوف، طب، تاریخ اور ادب پر اتنی اور ایسی ایسی کتابیں محفوظ ہیں کہ کوئی تحقیقی کام کرنے والا بھی ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا مثلاً تفسیر طبری کے فارسی ترجمے کی پہلی جلد یہاں ہے جو اپنی قدامت اور خوش خطی دونوں کے لحاظ سے ایک قیمتی ہیرا ہے، تفسیر زاہدی فارسی نثر کے پرانے نمونوں میں شمار ہوتی ہے اس کے تین مکمل نسخے یہاں ہیں جو خط بہاری کے بھی عمدہ نمونے مانے جاتے ہیں کلیات سعدی، کلیات خسرو اور شاہنامہ فردوسی کے بھی بہت اعلیٰ اور پرانے نسخے موجود ہیں۔ عہد فیروز شاہی کی ایک فارسی کتاب محفوظ ہے جو ہے تو فن ریاضی پر مگر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دفتری اصطلاحیں کیا تھیں اور مختلف انتظامی عہدوں کے فرائض کیا قرار دئے گئے تھے اس کا نمونہ دستور الالباب فی علم الحساب ہے طب کی مشہور کتاب ذخیرۂ خوارزم شاہی کا ایک ایسا نسخہ یہاں محفوظ ہے جو مؤلف کے انتقال کے صرف ۴۳ برس بعد ۵۶۵ھ میں لکھا گیا ہے۔

اردو کی قلمی کتابیں اگرچہ تعداد میں عربی و فارسی سے کم ہیں مگر قدر و قیمت کے اعتبار سے کسی طرح کم وزن نہیں دیوان زادہ شاہ حاتم، کلیات میر، کلیات سودا، کلیات جرأت کلیات حسن، دیوان سوز، اور دیوان غالب کے بڑے اہم مخطوطے یہاں ملتے ہیں۔ انشاء کی رانی کیتکی کی کہانی کے دو قلمی نسخے یہاں محفوظ تھے جن کی مدد سے اس کہانی کا صحیح ترین ایڈیشن تیار کیا جا سکا۔ یہاں غالب کا وہ اردو دیوان بھی موجود ہے جسے غالب نے ۱۸۹۷ء سے کچھ قبل مرتب کر کے نواب صاحب رامپور کو تحفے میں پیش کیا تھا۔

ہندی کی قلمی کتابوں میں بھی بہت سے نایاب نسخے ہیں ملک منجن کی مدمالتی کی مکمل کاپی صرف یہاں ہے۔ ملک محمد جائسی کی پدماوت کی جو کاپی یہاں ہے وہ پدماوت پر کام کرنے والوں کے نزدیک بڑی قیمتی ہے اس لئے کہ اس میں ہر لفظ کا صحیح تلفظ بتایا گیا ہے اور سطروں کے بیچ میں ہر ہندی لفظ کے فارسی معنیٰ لکھے گئے ہیں اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اب سے تین سو سال پہلے پدماوت کو کیسے پڑھا گیا تھا اور اس کا کیا مطلب سمجھا گیا تھا۔ غلام علی بلگرامی کی انگ درپن اور شاہ محمد کاظم کی نغمات الاسرار اور شاہ عالم ثانی کی نادرات شاہی بھی رضا لائبریری کی دستار کا پھول ہیں۔ ان میں سے آخری کتاب لائبریری نے چھاپ بھی دی ہے۔ دہلی اور لکھنؤ کے تباہ ہو جانے پر صرف دو جگہیں ایسی تھیں جہاں علم و فن اور صنعت و حرفت کے ماہر پناہ لے سکتے تھے ایک رامپور اور دوسرا حیدر آباد۔

لیکن بقول غالب سے

حیدر آباد بہت دور ہے اس ملک کے لوگ
اس طرف کو نہیں جاتے ہیں جو جاتے ہیں تو کم

رام پور کی یہی قربت تھی جس کے باعث دلی اور لکھنؤ کے کتاب خانوں کی نہرلیوں کتابیں یہاں کے فرماں رواؤں تک پہونچیں اور ان کی قدر دانی کی بدولت آج تک اہل علم کے لئے محفوظ ہیں۔ ان کتابوں میں سے بہت سی بادشاہوں کے حضور میں پڑھی گئی ہیں اور ان پر بادشاہوں کی دستخطی تحریریں اور مہریں لگی ہوئی ہیں چنانچہ یہاں پہلے مغل بادشاہ بابر کی ترکی نظموں کا وہ مجموعہ ہے جسے اس نے خود پڑھ کر درست کیا اور آخر میں اپنے قلم سے ایک رباعی کا اضافہ کر دیا۔ اس کے شروع میں بیرم خاں کی تحریر اور آخر میں شاہ جہاں کی تصدیق ہے، رسالہ خواجہ عبداللہ انصاری کے شروع میں جہانگیر اور شاہ جہاں کی اور آخر میں جہاں آرا کی تحریر نگاہوں کو روشنی بخشتی ہے۔ یہ نسخہ یوں بھی بے حد قابل قدر ہے کہ میر علی کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ کئی کتابوں پر عبدالرحیم خاں، خان خاناں نے نوٹ لکھے ہیں۔ قرآن پاک کے ایک مخطوطے پر اکبر کی مہر کے نیچے فیضی کی تحریر ثبت ہے، جامع التواریخ کلیلہ دمنہ، شاہنامہ اور رامائن جیسی مصور کتابوں کے علاوہ مغل عہد، راجپوت اسکول، اور کانگڑہ قلم کی تصویروں کے کئی نادر اہم البم محفوظ ہیں۔

اکبری عہد کی مستند تصویریں بہت کم ملتی ہیں۔ رضا لائبریری میں اس عہد کی دو ایسی کتابیں موجود ہیں جن کی تصویروں کی تعداد سوا سو کے قریب ہے ان میں سے ایک دیوان حافظ شیرازی ہے اور دوسری آسمان کے بارہ برجوں سے متعلق ایک البم ہے اس میں عہد اکبر کی ہندوستانی تہذیب کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ دیوان حافظ کی تصویروں کے نیچے مصوروں کے نام بھی درج ہیں، یہ خصوصیت بہت کم کتابوں میں نظر آتی ہے۔ تزک جہانگیری کے کسی شاہی نسخے کی نادر و نایاب تصویریں بھی ایک البم میں موجود تھیں۔ یہ منوہر، گوردھن اور فتح چند کی بنائی ہوئی ہیں۔ دہلی شاہی لائبریری کے تین مرقعے اور ہیں جن میں مغلوں سے پہلے کے مسلمان بادشاہانِ ہند کی تصویریں خاندان وار بنائی گئی ہیں، یہ بھی بہت اہم اور نادر ذخیرہ ہے چونکہ لائبریری کی فہرستیں ابھی تک شائع نہیں ہوئی تھیں اس لئے اہل علم اس سے کما حقہٗ واقف نہ تھے، جیسا کہ بیان میں کہا جا چکا ہے اب فہرستوں کی طباعت شروع ہو گئی ہے ان فہرستوں کے چھپ جانے کے بعد ہندوستان اور بیرون ہند کے اہل علم کو صحیح اندازہ ہوگا کہ رضا لائبریری میں کیسے کیسے ہیرے اور جواہرات پائے جاتے ہیں۔

ان جواہرات کی نفاست اور قدر و قیمت کا تقاضا تھا کہ جس عمارت میں یہ محفوظ ہوں وہ بھی اس کے شایانِ شان ہو چنانچہ انضمام ریاست کے وقت میری درخواست پر اعلیٰ حضرت نواب مرحوم نے رام پور ہی نہیں ہندوستان بھر کی خوبصورت ترین اور بلند و بالا عمارت کو اس کتاب خانے کے لئے عطا فرمایا۔ ۱۹۵۷ء سے کتاب خانہ اسی عمارت میں ہے اور اب یہ کتاب خانہ اپنے ظاہر و باطن دونوں کے معاملے میں اہل ذوق کے لئے کتابوں کا تاج محل بن گیا ہے جس کی زیارت کیلئے ملک اور بیرون ملک کے زائرین آتے ہیں اور دامن مراد بھر کر لے جاتے ہیں۔

۱۲ جنوری ۱۹۵۲ء کو مرحوم و مغفور مولانا ابوالکلام آزاد نے معائنہ فرما کر لکھا تھا "ہندوستان میں جو گنتی کے علمی ذخائر ہیں ان میں سے ایک گراں مایہ ذخیرہ یہ ہے" امید ہے کہ حالات کی تبدیلیوں نے اب جو نئی صورت حال پیدا کر دی ہے وہ اس کتب خانے کی مزید اصلاح و ترقی کا موجب ثابت ہوگی" مجھے توقع ہے کہ مولانا کی اس امید کو بر لانے میں ہم سب اپنا اپنا فرض بحسن و خوبی انجام دیں گے تاکہ موجودہ اور آئندہ نسلیں اپنے بزرگوں کی عقل و دانش کی روشنی میں ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہونچ سکیں۔

قادیانی تحریف و تلبیس کا ایک نیا نمونہ

مولانا عبدالحق صاحب فاضل دیوبند پیشکار اہتمام

قادیانی عقائد کے ترجمان اخبار "بدر قادیان" مورخہ یکم نومبر ۱۹۷۳ء میں ایک مضمون "منصب ختم نبوت" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس پر بعض دوستوں نے دفتر دارالعلوم کو متوجہ فرمایا، مضمون نگار مولوی دوست محمد شاہد نے قادیانیوں کی قدیم عادت کے مطابق مسلمانوں کو ان کے مسلمہ عقیدہ ختم نبوت سے ہٹا کر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ماتحت ایک اور نبوت کے اجراء کے عقیدہ پر جمع کرنے کی کوشش کی ہے جس کے لئے ان کے یہاں پہلے سے ظلی اور بروزی نبوت کی اصطلاحات گھڑی ہوئی ہیں، حالانکہ قرآن و حدیث کی تصریحات کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ان کے بعد ان کے زیر سایہ یا ان کے ماتحت کسی کو نبوت کا نہ مقام مل سکتا ہے، اور نہ ان کے مقابل۔ اسی مضمون میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کی ایک کتاب خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چند عبارتوں سے توڑ مروڑ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے بالآخر قادیانیوں کے اس عقیدہ کی تصدیق فرما دی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان نبوت اس معنی میں باقی ہے کہ آپ ہی کے نور نبوت سے مستفید ہو کر آپ کے بعد بھی اور انبیاء اور پیغمبر آسکتے ہیں۔" کمال کی بات یہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کی یہ کتاب عقیدہ ختم نبوت کو قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین اور حکم اسلام کی روشنی میں مشید کر کے اس طرح پیش کرتی ہے اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجراء نبوت کے عقیدہ باطلہ کا کوئی رگ و ریشہ اور کوئی برگ و بار باقی نہیں رہتا مگر مضمون نگار کی دجل پسندی اور ابلہ فریبی نے اس کتاب کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر اور کہیں سے عبارت کا کوئی ٹکڑا اور کہیں سے کوئی لے کر ایک نئی عبارت خود وضع کر کے اس سے اپنا مقصد نکالنے کی بڑی بچکانہ کوشش کی ہے اور "کلمۃ حق ارید بہا الباطل" کے مطابق فیضان نبوت اور سرچشمۂ نبوت جیسے الفاظ کا سہارا لیا گیا ہے حالانکہ یہ الفاظ انبیاء سابقین کی نبوتوں کے لئے ہیں نہ کہ غلام احمد قادیانی کے لئے کیونکہ انبیاء سابقین کی نبوتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نبوت کا ظل اور پر تو ہیں کہ آپ ہی اول نبی بھی ہیں اور آخری نبی بھی۔

ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ قادیانیوں نے اس مضمون میں حضرت موصوف کے متعلق جو دروغ بیانی کی ہے

اس کی تردید کے لئے حضرت مہتمم صاحب سے کسی کوئی تحریر
لکھنے کی فرمائش کریں اس لئے کہ جیسا کہ عرض کیا گیا پوری ساری
کتاب اجرائے نبوت کے غیر اسلامی عقیدہ کی تردید کے لئے تحریر کی
گئی ہے اور ساری کتاب اسی مضمون پر پھیلی ہوئی ہے بلکہ خود اس
کتاب کے آخری ایک دو صفحے یہاں نقل کرتے ہیں جن سے
عقیدۂ ختم نبوت کے متعلق حضرت مہتمم صاحب کی تصریحات عوام
کے سامنے آجائیں گی اور انہیں بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ حضرت
موصوف نے عالم اسلام کے مسلمہ و متفقہ عقیدۂ ختم نبوت
کی کس عالمانہ انداز میں ترجمانی فرمائی ہے مگر قادیانیوں نے
پوری ڈھٹائی کے ساتھ اسے کچھ سے کچھ بنا دیا، حضرت مہتمم
صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ :-

"اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کو آپ کی خاتمیت
کے اثبات میں کس درجہ اہتمام ہے کہ ختم نبوت کا دعویٰ
قرآن کریم میں کرکے سینکڑوں سے متجاوز احادیث
میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ دہرایا گیا
اور سینکڑوں ہی سے متجاوز احادیث میں ختم نبوت کے یہ
دلائل و آثار اور شواہد و نظائر شمار کرائے گئے ہیں
جن میں سے چند کا انتخاب ان مختصر اوراق میں پیش کیا
گیا، پس ختم نبوت سے متعلق پہلی قسم کی آیات و روایات
پر مشتمل کتابیں دعوائے ختم نبوت کی کتابیں کہی جائینگی
اور یہ رسالہ جس میں آثار و لوازم ختم نبوت کے نمونے
اور خصوصیات ختم نبوت کے شواہد و نظائر پیش
کئے گئے ہیں دلائل ختم نبوت کی کتاب کہی جائے گی
جس سے صاف روشن ہو جاتا ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ
اسلام میں سب سے زیادہ اہم سب سے زیادہ بنیادی
اور اساسی مسئلہ ہے جس پر اسلامی شریعت کی خصوصیات
کی بنیاد قائم ہے، اگر اس مسئلہ کو تسلیم نہ
کیا جائے یا اس میں کوئی رخنہ ڈال دیا جائے تو
اسلامی خصوصیات کی ساری عمارت آپڑتی گی اور
مسلم کے ہاتھ میں کوئی خصوصی خزینہ باقی نہ رہیگا،
جس سے وہ اسلام کو دنیا کی ساری اقوام کے سامنے
پیش کرنے کا حق دار بنا تھا۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات اس
کے بغیر قابل تسلیم ہی نہیں بن سکتیں کہ ختم نبوت کو
تسلیم کیا جائے کہ اسی پر خصوصیات نبوی کی عمارت بھی
کھڑی ہوتی ہے، پس اس مسئلہ کا منکر درحقیقت
حضورؐ کی فضیلت کا منکر اور اس مسئلہ کو مٹا دینے
کا ساعی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازی
فضائل کو مٹا دینے کی سعی میں لگا ہوا ہے۔

اس لئے جو طبقات بھی ختم نبوت کے منکر ہیں خواہ وہ
صراحتاً اس کے منکر ہوں یا تاویل کے راستہ سے
دین کے اس بدیہی اور ضروری مسئلے کے انکار پر
آئیں ان کا اسلام، شریعت اسلام، اور پیغمبر اسلام
سے کوئی تعلق نہیں مانا جاسکتا اور نہ وہ اسلامی برادری
میں شریک سمجھے جاسکتے ہیں۔

جس طرح سے توحید کا منکر قولی ہو یا عملی [illegible]، اسلام
سے خارج اور اس سے بے واسطہ ہے، اسی طرح
سے ختم رسالت کا منکر خواہ انکار سے ہو یا تاویل سے
اسلام سے خارج مانا جاویگا؛ کیونکہ وہ صرف
کسی ایک مسئلہ کا منکر نہیں بلکہ اسلام کے
سارے امتیازات، سارے ممتاز فضائل،
ساری ہی خصوصیات، اور ان صدہا دینی روایات
کا منکر ہے جن کا قدر مشترک تواتر کی حد سے
نیچے نہیں رہتا۔

(خاتم النبیینؐ تاج المعارف ص۸۶ تا ص۸۷)

٭ ٭ ٭

گرونانک جی مہاراج

مولانا قاری محمد بشیر صاحب پنڈت

گرونانک جی مہاراج کے متعلق ایک رجحان یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ اصلاً مسلمان تھے اور حالتِ جذب میں وہ اس منزل پر پہونچے جو ان کی نیک زندگی کا ایک امتیاز بن گئی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہو مگر ہمیں تاریخ سے اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا۔ ہمیں انتظار ہے کہ محققین اپنی تحقیقات سے ان کے اسلام کے متعلق ایک آخری رائے سامنے لاسکیں۔ ہمارے خیال میں گرونانک جی مسلمان صوفیاء کرام سے قریب رہے اور ان سے روحانی فوائد بھی حاصل کئے۔ حرمین شریفین میں ان کی حاضری بھی صرف اسی جذبہ سے ہوسکتی ہے کہ نیکی، پاکیزگی، اور طہارت کے سبھی مرکزوں تک انہیں پہونچنا چاہیئے اور وہ تلاشِ حق میں ان سب تک پہونچے۔

ذیل کے مضمون میں ہمارے ملک کی ایک جاندار اقلیت کے اس روحانی رہنما کے متعلق اچھی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ دوسری قوموں اور ملتوں کے متعلق بھی ہماری معلومات تشنہ نہ رہیں اسی خیال سے ہم یہ مضمون درج کرتے ہیں۔

باباگورونانک جی تلونڈی (ننکانہ صاحب) کے ایک کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام مہتہ کالو چند اور ماتاجی کا نام شریمتی ترپتا جی تھا
۱۵؍اپریل ۱۴۶۹ء تاریخ پیدائش ہے اور تاریخ وفات ۲۲؍ستمبر ۱۵۳۹ء یعنی ستر سال ۵ ماہ اور سات دن اس دنیائے فانی میں گذار کر حیاتِ جاودانی حاصل کی بچپن ہی سے طبیعت کا ایک نرالا انداز تھا، دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کود، دھینگا مشتی وشرارت کے بجائے سب سے الگ تھلگ اور خاموش رہتے تھے فکر اور طلب حق کا مادہ شروع ہی سے پایا جاتا تھا؟ بزرگوں اور نیکوں کی صحبت میں بیٹھنا اور یادالٰہی میں وقت گذارنا ان کا محبوب مشغلہ تھا آپ کی محبت الٰہی اور ذکر الٰہی میں محویت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے والد بزرگوار نے جب آپ کو تجارت کے لئے کچھ رقم دی اور آپ کو سفر کے لئے روانہ کیا تاکہ کچھ نفع کما کر لائیں تو راستے میں اتفاق سے چوڑکانہ مقام پر آپ کی ملاقات چند فاقہ کش درویشوں سے ہوئی، معاً دل میں خیال آیا کہ یہ منیر؟ ے معشوق حقیقی کے بندے ہوکر بھوکے کیسے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا مولیٰ مجھ سے سوال

کر بیٹھے تھے۔ اے نانک! تجھے میرے کچھ بھوکے بندے بھی ملے تھے تو کیا اس محبت کا جو میری تیرے دل میں ہے، یہ تقاضا نہ تھا کہ تو میرے بھوکے انسانوں کی بھوک دور کرنے کی خاطر دنیاوی تجارتوں کی قربانی میرے حضور میں پیش کرتا۔ اسی تصور کا یہ نتیجہ تھا جو تاریخ میں "سچا سودا" کہلاتا ہے آپ نے اپنی تجارتی رقم سے اُن فاقہ کش درویشوں کی خور و نوش کا انتظام کیا اور خالی ہاتھ گھر لوٹ آئے، لیکن محبت الٰہی کی حقیقی دولت سے مالا مال ہو کر اور پُرسکون قلب کے ساتھ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کا عملی نمونہ بن کر۔ آپ کے والد بزرگوار مہتہ کالو جی جن کی نظر میں مادی منفعت ہی نفع کا سودا ہو سکتی تھی! آپ کو خالی ہاتھ دیکھ کر غصہ کا اظہار کیا اور سختی سے پیش آئے تو اس پر تلونڈی کے نواب رائے بلار نے آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور شری کالو جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:-

جب تک نانک بچہ ہے اس کی خدمت ہم
کریں گے، اس کا خرچ بھی (اپنی تنخواہ کے ساتھ)
ہم سے لیا کرو، جتنا روپیہ تیرے گھر کا نانک
نے ضائع کیا ہے وہ بھی ہم سے لے لو۔

(بحوالہ جنم ساکھی بھائی بالا صـ۳۷)

مختصراً یہ کہ بچپن ہی سے آپ پر عشق الٰہی کا جو جذبہ طاری تھا اس کو صاحب نظر ہی پہچان سکتا تھا ورنہ عوام تو اسے خلل دماغ پر محمول کرتے تھے چنانچہ لوگوں کے کہنے سننے سے مہتہ کالو جی نے کسی وید کو بلا کر دکھایا تو عشق الٰہی کے اس متوالے نے وید کو مخاطب کر کے کہا ؎

وید بلایا ویدگی پکڑ ڈھنڈولے بانہہ
بھولا وید نہ جانئی کرک کر نجے مانہہ

یعنی طبیب کو علاج کے لئے بلایا گیا ہے جو نبض کو ٹٹول کر مرض تلاش کرنا چاہتا ہے مگر یہ سادہ لوح طبیب کیا جانے کہ کلیجے میں عشق حقیقی کا درد ہے جس سے یہ دنیادار طبیب ناآشنا ہے اور اس کو اس کی خبر نہیں۔

اس سلسلہ میں وہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جو دوران ملازمت سلطان پور میں نواب دولت خاں لودھی کے مودی خانہ سے متعلق ہے ایک مرتبہ غلہ وزن کر کے لوگوں کو دے رہے تھے اور ہر تول پر حسب معمول اس کا شمار یاد رکھنے کے لئے بلند آواز سے ایک ہی ایک، دو ہی دو، وغیرہ بھی کہتے جاتے تھے جب تیرہ عدد کا نمبر آیا تو اس عدد سے آپ پر خدائی عشق و محبت کا ایسا غلبہ ہوا کہ ہر اگلی تول پر زبان سے بس "تیرا ہے تیرا" نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ پورا ڈھیر ختم کر دیا، اس عالم جذب یا عالم محویت میں جو مزہ گورو جی کو آیا وہ صرف اہل دل سمجھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اے خدا میں بھی تیرا ہوں، یہ غلہ بھی تیرا ہے اور اسکا لینے والا غریب انسان بھی تیرا ہی بندہ ہے۔ اس لئے اس کی یاد میں ایسے مگن ہوئے کہ اگلا عدد ہی بھول گئے۔ اس واقعہ کے بعد ملازمت ترک کر دی۔

چھ سال کی عمر میں پنڈت گوپال سے ہندی پڑھنا شروع کی اور تین سال تک ہندی ہی سیکھتے رہے چونکہ ذہین اور محنتی تھے اس لئے اب ساتھ ساتھ سنسکرت کا سبق بھی ہونے لگا سنسکرت کے معلم پنڈت برج لال تھے غرضیکہ تیرہ سال کی عمر تک ہندی و سنسکرت کا سلسلہ جاری رہا۔

اس کے بعد مولوی قطب الدین صاحب سے فارسی کی تعلیم پائی مولوی صاحب کی اخلاق و روحانی تعلیم سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ بچپن میں "سچا سودا" کا واقعہ اسی اخلاقی تعلیم کے زیر اثر تھا۔

آپ کے والد صاحب آپ کی افتاد طبع سے بہت بیزار و پریشان تھے اس لئے ان کی بہن نانکی جی انہیں اپنے ساتھ سلطانپور لے گئیں جہاں وہ دولت خاں لودھی

کے مودی خانہ میں منتظم مقرر ہو گئے، دس سال ملازمت کی
اٹھائیس سال کی عمر میں "تیرا ہے تیرا" کا واقعہ سرزد ہوا اور
آپ نے حالت جذب سے مغلوب ہو کر ملازمت ترک
کر دی اور چھ سال تک گھر پر رہے۔

گورونانک جی ہندو سنت اور سادھوؤں کی طرح
رہبانیت کے قائل نہ تھے۔ سمبت ۱۵۴۴ بکرمی، ۱۸ سال
شری مول چند کی لڑکی شریمتی سولکھنی دیوی کے ساتھ شادی
ہوئی۔ رائے بولار اور دولت خاں لودھی دونوں نے شادی
میں حصہ لیا اور روپیہ پیسے سے کافی مدد کی۔ شادی نہایت
ٹھاٹ باٹ کے ساتھ ہوئی شری متی سولکھنی دیوی سے دو
لڑکے تولد ہوئے ایک کا نام سری چند اور دوسرے صاحبزادے
کا نام لکشمی چند تھا۔ نواب دولت خاں کی ملازمت سے
سبکدوش ہونے کے بعد چھ سال تک خانگی زندگی بسر کی
اس کے بعد ۳۴ سال کی عمر میں عوام کی اصلاح و دوستی
کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور طول و طویل سفر اختیار
کئے۔ ان سفروں کو "اداسیاں" کے نام سے موسوم کیا گیا
ہے۔ ان سفروں میں "مردانہ ربابی" جو مسلمان تھا آپ کا
شریک سفر رہا۔

۳۴ سال کی عمر میں سیاحت شروع کی پہلے
دورے میں کوروکشیتر، کرنال، پانی پت، دہلی، متھرا اور
ضلع نینی تال میں نانک متا (جہاں آج کل نانک ساگر بن
گیا ہے) کی سیر کی۔ وہاں سے آگے بڑھ کر بنارس
پٹنہ، آسام اور اڑیسہ کا دورہ کیا ہر جگہ ذات پات
اور غلط رسوم و رواج کے خلاف لوگوں میں بیداری پیدا
کرنے کی انتھک کوشش کی واپسی میں راجستھان کو دیکھتے
ہوئے پنجاب آئے۔

(۲) دوسرا دورہ ۳۹ سال کی عمر میں دکھن کی جانب
بیکانیر، اجمیر، اُجین ہوتے ہوئے مدراس اور لنکا تک
گئے۔ واپسی میں دوارکا کے پنڈتوں اور سندھ کے صوفیائے
کرام سے تبادلۂ خیال کیا۔ ملتان میں ملاقاتی کے بعد وطن واپس
آئے اور ہندو مسلم ہم آہنگی و یکجہتی کے لئے کوشش کی
اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک مشترک لنگر خانہ جاری
کیا جہاں ہر ملت و مذہب والے باہم اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھاتے
تھے یہ ایک اصلاحی خانقاہ تھی جس میں دس سال تک اصلاح
و تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔

گورونانک جی لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ وہ آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے معاشرہ کو اختیار کریں تاکہ
آپس کی تفریق کو خیرباد کہہ کر لوگ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار
بن جائیں۔

(۳) آپ کا تیسرا دورہ ۴۷ سال کی عمر میں سکم، تبت
اور چین کی طرف ہوا، اس سفر میں آپ نے مانسرور کے اُن
جوگیوں اور سِدھوں سے ملاقات کی جو اپنے من کی شانتی کے
متلاشی تھے اور جو گرہستی اور گرہستھ زندگی کو ترک کر کے عوام
سے بالکل یکسو اور بے خبر تھے۔ انہیں آپ نے سمجھایا کہ عوام
کو چھوڑ کر صرف اپنی نجات کی فکر کرنا انتہائی خود غرضی ہے دنیا
میں رہ کر گھر کی زندگی کو درست کرنا تاکہ عوام کی اصلاح ہو،
اصل دھرم ہے۔

(۴) چوتھا دورہ ۵۱ سال کی عمر میں بلاد اسلامیہ کی طرف
تھا بغداد اور حرمین شریفین کی زیارت کی، مصر اور ترکی کا دورہ
کیا پھر ایران و افغانستان ہوتے ہوئے تین سال کے
بعد ہندوستان واپس آئے اور ۱۵۷۹ سمبت بکرمی سے
گورو جی کرتارپور کو اپنا مستقر بنا کر رہنے لگے۔ اسی سال آپ
کے والدین کا انتقال ہوا۔

گورونانک کے پُرتجربہ جیون کا ایک روشن پہلو جو ہمیں نظر
آتا ہے وہ یہ کہ آپ بچپن سے لے کر وفات تک مسلمانوں کے
اندر رہے ان سے محبت کی اور ان کی محبت کو پایا چنانچہ
اتہاس کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل حقائق روز روشن کی طرح
عیاں ہیں۔

(۱) گوروجی نے ہندی بھی پڑھی اور سنسکرت بھی، لیکن فارسی کی تعلیم سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے مولوی قطب الدین صاحب آپ کے اخلاقی و روحانی معلم اول تھے۔ سید غلام حسین حسنی طباطبائیؒ کی روایت کے بموجب

"نانک در عہد طفلی حسنے و صباحتے باندک.. مایہ استعداد ولیاقتے خداداد داشت، و سید حسن نام درویشے صاحب حال وقال بر نانک مذکور نظر توجہ داشتہ ہمت بر تربیت می گماشت، بفیض صحبت درویش حقیقت کیش فی الجملہ شعور ودانش بہم رسانیدہ و بر حقائق ومعارف کہ کتب فقرائے اسلام وصوفیائے ذوالاحترام بآں مشحون است اطلاع حاصل نمود واز تعصب کیش آبائی خود در گذشتہ مضامین اقوال آں بزرگواراں بزبان پنجابی کہ داشت در بحور اشعار ہندی موزوں می نمود و اشعار و کلمات او فراہم آمدہ صورت کتابے گرفت ونام آں کتاب "گرنت" افتاد۔ بیشتر اوضاع او مشابہ اوضاع فقرائے مسلمان ہند بود (سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۴۰۱)

یعنی گورو نانک جی اپنے بچپن میں حسین و ملیح تھے اور خداداد استعداد و لیاقت رکھتے تھے۔ سید حسن نام کے ایک صاحب حال وقال بزرگ درویش نانک جی پر نظر خاص رکھ کر ان کی تربیت کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ اس حقیقت شناس درویش کامل کے فیض صحبت سے کچھ شعور و دانش پیدا ہوگیا اور ان حقائق و معارف پر جن سے مسلمان درویشوں اور قابل احترام صوفیوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، واقفیت حاصل ہوگئی اور اپنے آبائی متعصبانہ رویہ کو چھوڑ کر ان بزرگوں کے اقوال و مضامین پنجابی زبان میں جو ان کی مادری زبان تھی ہندی زبان کی بحروں میں اشعار موزوں کرتے تھے، نانک جی کے اشعار و کلمات کو اکٹھا کر کے کتابی شکل دیگئی۔ اس کتاب کا نام "گورو گرنتھ" پڑگیا۔

ان کے بیشتر طریقے ہندی مسلمان درویشوں کے طریقوں کے موافق تھے۔

(۲) بابا نانک جی تلونڈی میں پیدا ہوئے وہاں کا جاگیر دار رائے بولار ایک بھٹی راجپوت مسلمان تھا۔ بابا صاحب کے والد محترم مہتہ کالوجی اس کے گماشتے اور زمین کے منتظم تھے، رائے بولار نے بچپن ہی سے آپ میں غیر معمولی باتیں دیکھ کر اندازہ لگالیا کہ یہ ہونہار بچہ ہے۔ اس لئے وہ خود بھی آپ سے دلی محبت رکھتا تھا اور عزت کرتا تھا اور آپ کے والد ماجد کو بھی آپ کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتا تھا جیسا کہ واقعہ "سچا سودا" سے ظاہر ہے

(۳) گورو نانک جی دور دراز کے سفروں سے جب تلونڈی واپس آتے تو رائے بولار آپ کی ہر ممکن خدمت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ تلونڈی واپس آکر پانی کی قلت کا ذکر کیا تو رائے بولار نے فوراً "نانک سر" تالاب بنوادیا۔ یہ تالاب بال لیلا گوردوارہ کے ساتھ ملحق اب بھی تلونڈی (موجودہ ننکانہ صاحب) میں موجود ہے۔ رائے بولار نے بہت سی زمین بھی گوروجی کی نذر کردی۔ بال لیلا گوردوارہ کو ۱۹۰ مربع گز زمین وقف کردی، پچاس روپیہ سالانہ خرچ کے لئے مقرر کیا۔ اسی طرح گوردوارہ کیارہ صاحب کو بھی بہت سی زمین دی (ملاحظہ ہو گوردھام دیدار صفحہ ۱۲۶ نانک پرکاش صفحہ ۲۹۶ از بھائی ویر سنگھ)

گویا کہ رائے بولار پہلا شخص ہے جو آپ کا از اول تا آخر معتقد رہا اور وہ مسلمان تھا۔

(۴) رائے بولار نے مہتہ کالوجی کی طبیعت کو سخت گیر دیکھکر نانک جی کو ان کی بہن نانکی جی کے ہمراہ ان کے بہنوئی جے رام داس کے پاس سلطانپور بھجوادیا اور وہاں کے نواب دولت خاں لودھی سے سفارش کی "یہ (گورونانک جی) خدا کا پیارا ہے اس کا خیال رکھا جائے"۔ چنانچہ نواب صاحب نے آپ کو اپنے مودی خانہ کا منتظم بنا دیا اس زمانہ میں یہ نہایت اہم خدمت تھی جو صرف معتبر سے معتبر ترین شخص کے ہی سپرد کی جاتی تھی، دس سال کی ملازمت کے بعد "تیرا ہے میرا" کا واقعہ ہوا

... رقوم میں جو بینک میں جمع ہیں ان میں جو رقوم زکوۃ و صدقہ فطر وغیرہ واجب التصدق نہ ہوں، اور صدقات واجبہ کے علاوہ عطیات و چندہ و صدقات نافلہ کی ہوں، ان رقوم کو جب دینے والوں نے مطلقاً کار نیک اور کار خیر کے لئے دیا ہو کسی خاص مد اور مصرف کی تعیین نہ کی ہو تو سوال ۳ کے مطابق مسجد، مدرسہ، اسکول، مولانا کا مکان، ان سب کی تعمیر کر سکتے ہیں اور ان سب کی تمام ضروریات پر خرچ کر سکتے ہیں، بلکہ ہر نیک کام کر سکتے ہیں جیسے مسافر خانہ، ہسپتال بنانا جس میں غریبوں کو مفت دوا دی جائے، یا مثلاً کسی صنعت و حرفت کا اسکول کھول دیا جائے جس میں غریب بچوں کو مفت تعلیم دی جائے، صنعت و حرفت سکھلائی جائے، ہونہار و محنتی و پڑھنے کا صحیح جذبہ رکھنے والے بچوں کو دینی و دنیوی اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف دیئے جائیں، مسلمانوں کی اقتصادیات میں ترقی کے لئے حدود شرع میں رہ کر راہیں نکالی جائیں، ان صدقات نافلہ کی رقوم سے آپس کے صلاح و مشورہ کے ساتھ اسٹاک مارکیٹ وغیرہ تجارتی حصے بھی خریدے جا سکتے ہیں اور اس کے منافع سے یہ سب مذکورہ بالا کام بھی کئے جا سکتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

البتہ اگر کسی دینے والے نے کسی رقم میں کسی خاص مصرف میں خرچ کرنے کی تخصیص و تعیین کر دی ہو تو اس رقم کو اسی متعین مصرف کے علاوہ بغیر ان کی اجازت و مرضی کے دوسرے کسی مصرف میں خرچ نہ کرنا چاہئے، اور جو رقم بینک میں جمع شدہ رقم پر سود کے نام سے بینک سے ملے اس کو بینک میں ہرگز نہ چھوڑنا چاہئے بلکہ وہاں سے نکال کر مسلم غرباء و مساکین کو زکوۃ کی رقم کی طرح دے دینا چاہئے اس سود میں ملے ہوئے پیسہ کو ان تمام لوگوں کو تصدق کر سکتے ہیں جن کا ذکر زکوۃ کی رقم کے خرچ کرنے کے سلسلہ میں

باقی ص ۲۳ پر دیکھئے

تنقید و تبصرہ

برتھ کنٹرول کا شرعی حکم

از مولوی قاری محمد عبداللہ صاحب، استاذ قرأۃ دار العلوم دیوبند

کتابت و طباعت: صاف

قیمت: ستر پیسے

ملنے کا پتہ: دار الکتب۔ دیوبند۔ یوپی

ضبط تولید ہمارے اس وقت کا ایک اہم ترین چیلنج ہے۔ قدیم زمانہ میں بھی یہ مسئلہ خاص اذہان کا موضوع فکر و بحث تھا۔ اور عجیب بات ہے کہ اس وقت اس غلط رجحان کے جو محرکات تھے کم و بیش وہی محرکات آج بھی ہیں۔ اسلام میں تو اس کے لئے کوئی گنجائش ہے نہیں، البتہ عام دنیا کے لئے بھی یہ مفید نہیں رہا۔ بلکہ اس کی شدید ترین مضرت یہ سامنے آئی کہ ضبط تولید کے تقریباً ننانوے فیصدی علاج و معالجے اور اشیاء ناجائز استقرار حمل کو روکنے کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ گویا کہ استقرار حمل کا بڑا اندیشہ جو زنا کو روکنے کا موجب بنتا تھا اس خطرہ سے بے حیائی کی راہ صاف کر دی گئی۔

رسالہ اپنے نام کے اعتبار سے کافی و شافی ہے البتہ یہ بھی دکھانے کی ضرورت ہے کہ ضبط ولادت سے کائنات کو کیا نقصان پہونچا، یا پہونچنے کے امکانات ہیں۔ اس طرح موضوع کی افادیت عام بھی ہوگی، اور صرف مسلمانوں کو راہ بتانے کے علاوہ، ماہنامہ کا دائرہ پوری انسانیت تک وسیع ترہوگا

بشرِ کامل

عبید صدیقی خیر نگر میرٹھ

یہ ایک ہونہار اور نوجوان مضمون نگار کا مضمون ہے جو انہوں نے امروہہ کی ایک مجلس سیرت میں اس کے مقرر کردہ موضوع پر لکھا اور اس مجلس میں اسے پیش کیا۔ .... ہم رسالہ دارالعلوم میں اس خیال سے مضمون شائع کر رہے ہیں کہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو تاریخ اسلامی کے مطالعہ اور اس پر لکھنے لکھانے کا شوق پیدا ہو۔ (ادارہ)

شاعر نے اپنے شعر ؎

ارشادِ مِثْلُكُمْ کا ہے جوہر کھلا ہوا
حُسنِ بشر کو آئینۂ اِنَّمَا میں دیکھ

میں قرآن شریف کی ایک آیت کی طرف اشارہ کیا ہے آیت ہے کہ

انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰهکم الٰه واحد

بلاشبہ میں تم جیسا ہی بشر ہوں (ہاں) یہ طرح (اللہ) مجھ پر وحی آتی ہے کہ اللہ ایک ہے سے جو تمہارا بھی خدا ہے اور خدائے واحد ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کی بہت لیں طے کر لینے اور سرد و گرم زمانہ سے گذر چکنے کے بعد جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو کفار مکہ اور قریب و بعید کے سارے منکرین و مذبذبین نے کہا کہ یہ شخص آج تک ہمارے ہی درمیان تھا، ہماری ہی طرح کھاتا پیتا تھا، ہماری طرح ہنستا بولتا تھا اس کی ضروریات زندگی وہی ہیں جو ہماری ہیں، وہی طریقے جو ہم نے اپنی زندگی میں اپنائے ہیں اس کی زندگی میں بھی نمایاں ہیں پھر یہ کیسے نبوت کا دعوی کرتا ہے ؟

ان کے نزدیک نبی بشریت و عبدیت کے دائرہ سے الگ کوئی وجود ہونا چاہئے تھا جسے نہ عام انسانوں کی طرح بھوک پیاس کا احساس ہوتا نہ دوسری خواہشات انسانی اس کے قریب سے گذرتیں وہ فرشتوں کی طرح ایک ماورائی مخلوق میں سے ہوتا جس کی نہ کوئی غذا ہوتی، نہ گھر بار، نہ جسم ہوتا اور نہ اس کی زندگی کا یہ ساز و سامان۔

اصل میں کفار عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مخلوق اور اسی انسانی گروہ کا ایک فرد بتا کر یہ پہلو پیدا کرنا چاہتے تھے کہ نبی تو انسانی طبقہ سے ہوتا ہی نہیں یہ کیسے نبی ہو سکتے ہیں یعنی ان کے سامنے مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار تھا جس کے لئے انہوں نے ایک نیا راستہ پیدا کیا تھا

قرآن نے اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک انسان

اور ایک بشر ہوں فرق صرف یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی وحی آتی
ہے وہی اللہ جو ہم سب کا خالق ہے پروردگار اور مربی حقیقی
ہے اور وہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا اور لاشریک ہے
ہے۔ ارشاد خداوندی اس مفہوم پر محیط ہے کہ نبی کا انسانی
مخلوق سے باہر ہونا ضروری نہیں بلکہ اسی گروہ سے ہونا
ضروری ہے کہ دوسری کوئی مخلوق اگر انسانی مخلوق کی
ہدایت کے لئے بھیجی جاتی تو وہ مبعوث ہونے والی ہستی
نہ انسانی گروہ سے مانوس ہوتی اور نہ انسانی مخلوق
اس ہستی کا کہا مانتی۔ اسی مصلحت سے نبی اور رسول ہمیشہ
انسانی نسل میں سے پیدا کئے گئے ہیں بس فرق یہ ہے کہ
نبی کو اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے اور وہ اپنا ہر کام وحی
الٰہی کی روشنی میں انجام دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت قرآنی میں بشر
کہا گیا ہے۔ اکثر موقعہ پر حق تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے لئے بشر کے ساتھ "عبد" کی صفت استعمال۔۔
فرمائی ہے۔ مثلاً کلمہ شہادت

اشہد ان لا الٰہ	میں شہادت دیتا ہوں
الا اللہ واشہد	کہ اللہ ایک ہے اور
ان محمداً عبدہ	میں شہادت دیتا ہوں کہ
ورسولہ	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ

کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یہاں غور کیجئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
نبی ہونے سے پہلے اپنے عبد ہونے کی شہادت طلب
کی ہے۔ گویا ان کے خیال مبارک میں ان کا امتیاز ان کے
رسول ہونے سے پیشتر ان کے بشر اور عبد ہونے کا ہے۔ قرآن نے
ایک اور جگہ بھی آپ کو عبد کی صفت سے یاد فرمایا ہے ارشاد
ہے کہ

سبحٰن الذی اسریٰ	پاک ہے وہ ذات جو لے گئی
بعبدہٖ لیلاً من المسجد	راتوں رات اپنے بندہ کو مسجد
الحرام الی المسجد الاقصیٰ	حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف

یہاں بھی آپ کو رسول سے پہلے عبد فرمایا۔
سورۂ نجم میں فرمایا ہے کہ

فاوحیٰ الی عبدہ	پس وحی کی اپنے بندہ کی طرف
ما اوحیٰ	جو وحی چاہی۔

ایسی سب آیتوں میں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو بشر اور عبد فرمایا گیا ہے وہاں اسی حقیقت کا اظہار مقصود
ہے کہ آپ پیغمبر بھی ہیں رحمۃ للعالمین بھی ہیں نبی آخر الزماں بھی
ہیں محسن کائنات بھی ہیں اور اگر آپ نہ ہوتے تو لولاک لما
خلقت الافلاک۔ دونوں عالم میں آپ کا نور صبح صادق
کی طرح روشن ہے آپ ہی کے لئے یہ مجلسرائے عالم تعمیر کیا گیا
ہے آپ ہی کے لئے ازل ہے آپ ہی کے لئے ابد ہے مگر ان
تمام کمالات و اوصاف کے باوجود اصلاً ایک بشر اور بارگاہ الٰہی
کے ایک عبد ہیں۔ قرآن اصل میں کہنا چاہتا ہے کہ نبی کریم اللہ
کی نظر میں محبوب ہی اسلئے ہیں کہ بشر ہونے کے ساتھ آپ اس
کے عبد کامل بھی ہیں ان تمام اعزازات کے ساتھ آپکو بشریت
اور عبدیت کے دائرہ سے خارج نہیں کیا گیا بلکہ وہ کل اعزازات
و انعامات جو حق تعالےٰ اپنے کسی ایک محبوب کو عنایت فرما سکتے تھے
آپکو عطا ہی اس لئے کئے گئے کہ آپ بشر کامل اور عبد فاضل
تھے آپنے بشریت کے ساتھ رہ کر اپنی مکمل عبدیت کا ثبوت دیا
ان اعزازات نے آپکو بشریت و عبدیت کی پابندیوں سے آزاد
نہیں کیا بلکہ یہ اعزازات آپ کو اس وقت دے گئے جب دیکھ
لیا گیا کہ آپ کی بشریت بھی مکمل ہے اور عبدیت بھی بے مثال آپنے
بڑے سے بڑے اعزاز کو پاکر خود کو نہ بشریت سے خارج سمجھا
اور نہ عبدیت سے آزاد کیا بلکہ بشریت اور عبدیت سے آپ کا
تعلق گہرا سے گہرا ہے۔ فرائض بندگی کی ادائیگی میں آپ کا شغف
غیر معمولی اور اللہ کریم کے سب احکامات کو بجالانے کا جذبہ

(باقی صفحہ ۲۱ پر دیکھئے)

نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا ڈاکٹر مصطفٰی احسن فریاد علوی

ہدایت کے کہیں چشمے کہیں نور کے فوارے
یہاں یثرب کے نظارے وہاں قرآن کے سیپارے

نمودِ گنبدِ خضرا پہ مدّ و جزرِ پنہانی
عجب کیفیتیں دل کی عجب آنکھوں میں نظارے

شفیع المذنبیں کے میں سو سو جان سے قرباں
بلا سے میرے کاندھوں پر گناہوں کے ہیں پشتارے

بھلا کس کام کا آئینۂ دل جا کے یثرب میں
یہاں کے اور نظارے وہاں کے اور نظارے

کسی کے حسنِ تاباں سے بنے لاکھوں مٹے لاکھوں
ہزاروں جان سے قرباں ہزاروں جان سے وارے

ضلالت شرم کے مارے چھپائے منہ ہدایت سے
وہاں دوزخ کے انگارے یہاں جنت کے فوارے

بڑی چوٹیں اٹھائی ہیں بڑے ہی درد سہنا ہیں
کلیجہ ہاتھ بھر کا چاہیے جب ہونگے نظارے

دوئی کی کیسی تصویریں کہ خاکے تک نہیں ملتے
بجے یکتائی کے ڈنکے بجے وحدت کے نقارے

ستم سانی ستم رانوں کی دیکھیں اور دعائیں دیں
خوشا محبوبِ آں یارے زہے مطلوب دلدارے

مدینہ کیا ہے گویا اک نظاروں کی بستی ہے
اِدھر دیکھیں تو نظارے اُدھر دیکھیں تو نظارے

دُہائی ہے دہائی ناخدا! کشتی بھنور میں ہے
جنیں بجرے ست موّاجے چناں دریائے زخارے

یہ دنیا اعتباری ہے کبھی اسکی کبھی اُس کی
رہے سب ٹھاٹھ جوں کے توں چلے جب لاد بنجارے

رسالت کو ہے ناز اُن پر نبوت کو شرف اُن سے
حقیقت بول خود اٹھے کہ ہر مردے و ہر کارے

سب ہی نے نور پایا ہے اسی بطحا کے کوکب سے
وہ مہر یا مہرِ تاباں ہو ثوابت ہوں کہ سیّارے

تری چوکھٹ کیا کیا دیکھتے ہیں دیکھنے والے
چہ رنگینی چہ دامانے چہ گل چینے چہ گلزارے

کوائف دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم میں چہل پہل

رمضان المبارک کی چھٹیاں ختم کرکے ۷ ارشوال سے قدیم اور جدید طلبہ کی دارالعلوم میں آمد اور داخلہ کی کاروائی شروع ہو گئی ہے۔ حضرات اساتذہ، دفتر اہتمام، دفتر تعلیمات، دارالاقامہ اور دوسرے تمام دفاتر داخلہ کی کاروائیوں میں مصروف ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ طلبہ کو تکلیف و پریشانی نہ ہو اور تمام کاروائی بر وقت مکمل ہوتی رہے

داخلہ کی کاروائی ایک معتد بہ حصہ تک ہو جانے کے بعد ۲ ر ذی قعدہ سے اسباق شروع ہو گئے ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب کے اسفار

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے رمضان المبارک دیوبند میں گذارا۔ قصد یہ تھا کہ شعبان کے اوائل میں چند دنوں کے لئے جنوبی افریقہ قیام کرکے حضرت مہتمم صاحب اور والدہ مولانا محمد سالم صاحب حجاز تشریف لے جاوینگے اور رمضان المبارک حرمین شریفین میں گذاریں گے مگر والدہ مولانا محمد سالم صاحب کی علالت کی وجہ سے یہ مبارک سفر نہیں ہو سکا۔ مولانا محمد سالم صاحب کی والدہ محترمہ عرصہ سے علیل چلی آرہی ہیں۔

اس عرصہ میں بمبئی علاج کے لئے لیجانے کا ارادہ کیا گیا مگر موصوفہ کی نقاہت اور ضعف کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا۔ قارئین کرام دعائے صحت فرمائیں۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ فیروز آباد، آگرہ اور ناگپور ہوتے ہوئے ۱۸ ر نومبر مطابق ۲۲ ر شوال کو حیدرآباد تشریف لے گئے۔ انجمن تاجران چرم کی طرف سے منعقد کئے گئے متعدد اجتماعات میں تقریریں فرمائیں۔ ۲۲ نومبر کو حیدرآباد سے بمبئی پہونچے مولانا محمد سالم صاحب کی والدہ کا سفر چونکہ ملتوی ہو گیا اس لئے حضرت مدظلہ دیوبند واپس تشریف لائے۔

چیف منسٹر کو مبارکباد

اتر پردیش میں مسٹر ہیم وتی نندن بہوگنا نے وزارت ایسے وقت میں بنائی کہ پورا صوبہ شدید گرانی دفاتر کی بدنظمی، بلیک مارکٹنگ اور ذخیرہ اندوزی کا شکار بنا ہوا ہے۔ سرمایہ دار اور کارخانہ دار لاکھوں اور کروڑوں میں کھیل رہے ہیں مگر عوام بڑی مشکلات میں ہیں۔

بہوگنا جی کی سابقہ خدمات سے اتر پردیش نے توقع کی کہ وہ صوبہ کے انتظامات کو بہتر بنانے میں دلچسپی لیں گے دارالعلوم بھی عوام کی اس امید میں شریک ہے چنانچہ دارالعلوم نے چیف منسٹر کی حیثیت سے

مسٹر بہوگنا کے تقرر پر انہیں اپنے ایک ہمتی پیغام میں مبارک باد دی اور اس توقع کا اظہار کیا کہ وہ صوبہ کی بگڑی ہوئی صورت حال کو بہتر بنانے کی جلد جلد کریں گے۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اہلیہ کی علالت

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اہلیہ محترمہ گذشتہ ۱۴ شعبان سے بیمار ہیں۔ طبی اور یونانی علاج باقاعدگی کے ساتھ ہوئے۔ کبھی کبھی طبیعت صحت کی طرف مائل بھی ہوئی مگر پھر مرض کی شدت سامنے آگئی بڑی کمی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ جگر کا نظام خراب ہوگیا ہے اور بھوک بڑی حد تک ساقط ہے اس کی وجہ سے کمزوری بہت زائد ہے۔

حضرت موصوف کے یورپ سے گھر آنے پر محترمہ موصوفہ کی حالت کا [illegible] ہے مگر بحمد اللہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ قلبی تشویش کے باوجود سفر و حضر میں اپنے معمولات و مشاغل میں حسب سابق مصروف ہیں۔

احباب کرام سے پرزور درخواست ہے کہ محترمہ موصوفہ کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔

aCHI IPIR Telephone 323718 / 32202

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT C

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

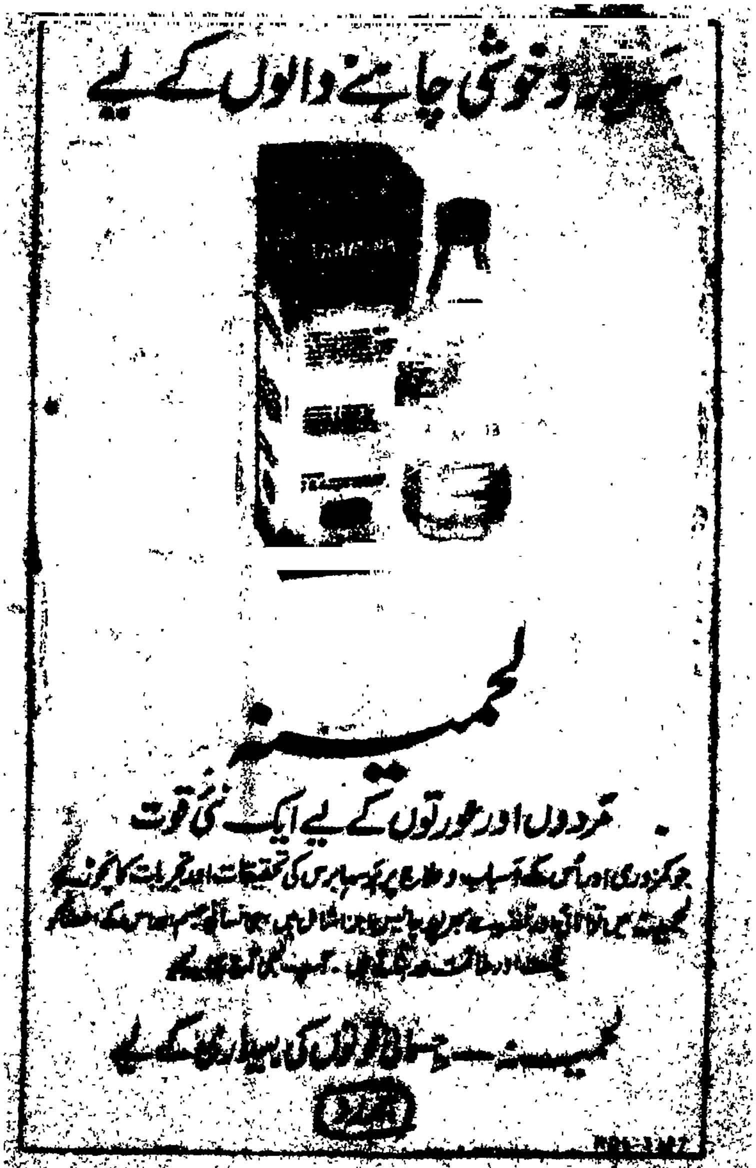
دار العلوم دیوبند [illegible] دینی اصلاحی ماہنامہ

ماہنامہ

دار العلوم

نگران اعلیٰ

مدیر


و خوشی چاہنے والوں کے لیے
لحمینہ
مردوں اور عورتوں کے لیے ایک نئی قوت

دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اصلاحی

دارالعلوم

فروری ۱۹۷۴ء — محرم الحرام ۱۳۹۴ھ

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحب
مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ
قیصر

فہرست مضامین

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع وناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دارالعلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے
ساڑھے ۹ روپے

ممالک غیر سے
سادہ ڈاک سے
۲۴ روپے

ممالک غیر سے
ہوائی ڈاک سے
۵۲ روپے

فی پرچہ
نوے ۹۰ پیسے

☐ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپ کا چندہ ختم ہوگیا ہے ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ بھیجدیں، وی پی کا انتظار نہ کریں اسلئے کہ وی پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دینی رسائل کو کچھ سہارا دیجئے!

فلمی میگزینوں، جاسوسی ناولوں اور ڈائجسٹ قسم کے رسالوں کی اشاعت دس پندرہ ہزار سے کم نہیں ہوتی مگر ملک بھر میں شاید ہی کوئی مذہبی اور علمی رسالہ ایسا ہو جس کی خریداری دو ڈھائی ہزار سے آگے بڑھی ہو۔ دارالعلوم اپنے ملک میں اپنا سب سے بڑا حلقہ اثر رکھتا ہے، رسالے پر اعتراض کرنے والے ہزار، مگر اس کی اشاعت کی کوشش کرنے والے چند بھی نہیں، ۲۸ سال سے خاکسار رسالہ کیساتھ لگاتار محنت کر رہا ہے۔ اب صحت کی نازاد محنت کی متحمل نہیں اور ہمت بھی ٹوٹ ٹوٹ سی گئی ہے۔ فضلاء دارالعلوم اور دینی جذبہ رکھنے والے حضرات خاص طور پر توجہ کریں اور رسالے کا حلقہ اشاعت بڑھائیں۔

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

شنبہ دوشنبہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ کو دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ محاسبی کے ایک پرانے خادم جناب صوفی سعید حسن صاحب عثمانی تحویلدار اچانک چل بسے صوفی صاحب کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی، مگر اس عمر میں بھی وہ چاق و چوبند تھے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں بہت مستعد اور چست، پوری زندگی ان کی قومی و ملی خدمت میں گزری حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں بیعت کا شرف حاصل تھا، ادھر ایک عرصے سے چلتے پھرتے ذکراللہ میں مشغول رہتے، کام سے فارغ اوقات میں جب کبھی دیکھا گیا تو اسطرح کہ تسبیح انکے ہاتھ میں ہے اور زبان برابر ذکراللہ سے تر ہے وفات سے چند دن پہلے جنگ آزادی میں جدوجہد اور جیل جانے کے صلے میں حکومت ہند نے انہیں "تامر پتر" دیا تھا اور اسی کے ساتھ دو سو روپے ماہانہ وظیفہ،

فرماتے تھے کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا تو میں نے درخواست کی کہ وظائف کیا پڑھا کریں، اس کے جواب میں حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ فرائض، واجبات، اور سنن کی پابندی کے بعد تمہارا سب سے اہم وظیفہ یہ ہے کہ انگریزوں کے نکالنے کی جدوجہد میں [illegible] سے زیادہ حصہ لو۔ چنانچہ میں نے خلافت کمیٹی، جمعیۃ علماء اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے جو خدمت بھی بس میں تھی انجام دی اس تامر پتر کی کوئی خواہش نہیں تھی، مرے لڑکے نے اسے لانے کی زحمت گوارا کی ہے۔

صوفی صاحب اپنے کام میں بہت مستعد تھے، ادھر سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں لگ گئے، پہلے سفیر کی حیثیت سے انہوں نے دارالعلوم کے مالی سرمایہ کی فراہمی میں اپنا تقرر کرایا، اور تمام سفراء سے اپنے کام میں ممتاز ثابت ہوئے چنانچہ دارالعلوم نے ان کی اس غیر معمولی جدوجہد پر انہیں خصوصی انعام دیا، پھر صحت کی کمزوری کی وجہ سے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے انہیں محاسبی میں تحویلدار کی جگہ سپرد کر دی، اس کام میں بھی انہوں نے اپنا امتیاز دکھایا، صاف گو، پاک باطن، اور بڑی محبت کے آدمی تھے، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم سے انہیں غیر معمولی قلبی تعلق تھا، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے

اخیر وقت میں جب دل کا دورہ پڑا اور ڈاکٹر نے انجکشن دینا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ میرا اخیر وقت ہے اور برابر کلمہ طیب کا ورد زبان پر جاری تھا، اور اسی حالت میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ انکے پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے

رمضان کے متبرک مہینے میں عرب نے اسرائیل کا جس جوانمردی اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا، وہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے دنیا کی وہ ساری غلط فہمیاں جو انکی طرف سے دلوں میں گھر کر گئی تھی، کہ عرب بزدل یا کمزور ہے اس ۱۹۷۳ء کی جنگ نے زائل کر دیا، اور دنیا نے محسوس کیا کہ عرب اب بھی ایک بہادر قوم ہے، ان میں جذبۂ جہاد ہے اور شہادت کے نام پر بڑی بے جگری سے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں جو ایک مجاہد قوم کے فرائض ہیں، اگر امریکہ درمیان میں نہیں آتا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسرائیل کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا، روس کے دباؤ سے گو جنگ بند ہو گئی، مگر دیکھا جا رہا ہے کہ اب تک سارا عرب جوش جہاد سے بے چین ہے وہ اپنا سب کچھ جہاد کے مقدس نام پر قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں اور اپنی کھوئی ہوئی زمین واپس لینے کے لئے بے چین ہیں

اس جنگ نے عرب کے دبے ہوئے جذبات کو ابھار دیا ہے، ان کا باہمی اتحاد و اتفاق، ان کی اخوت و محبت اور جذبہ ایثار دیکھنے کے لائق ہے، سعودی عرب امریکہ سے کس قدر قریب تھا مگر اس جنگ کے بعد اس کے دینی جذبات اور اسلامی غیرت و حمیت کا کیا عالم ہے، وہ مکمل کر قیادت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، شام، مصر، الجزائر، عراق، لیبیا، اردن اور دوسرے افریقی اور عرب ممالک نے جس جرأت و ہمت اور پامردی کا ثبوت دیا ہے وہ آج کی تاریخ کا نمایاں باب ہے، اور تاریخ اسے بہت دنوں تک یاد رکھے گی۔

بڑی طاقتوں نے جنگ بند کر کے بجائے اس کے کہ وہ اسرائیل کو ۱۹۶۷ء کی پوزیشن پر واپس کرتیں، اب تک نئے نئے جھگڑے پیدا کر کے معاملہ کو الجھا رہی ہیں، اور جس نام پر جنگ بند کرائی گئی تھی وہ بات دب دیا گئی اب صرف معمولی معمولی چیزوں پر بحث کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ اسرائیل و امریکہ کی وہی ہٹ دھرمی جو پہلے تھی اب بھی باقی ہے اسرائیل اور امریکہ کے ہر دن نئے نئے بیانات آ رہے ہیں، روس بھی درمیان میں ہے اور بظاہر مصر کا طرفدار سمجھا جاتا ہے مگر وہ بھی ۱۹۶۷ء والی بات پر زور نہیں دیتا ہے، ساری بحث نہر سوئز کے مغربی کنارے پر مرکوز کر رکھی ہے، جہاں اسرائیل کی فوج جنگ بندی کے بعد آئی ہے اور غالباً بڑی طاقتوں کی سازش سے۔

مستقبل میں جنیوا امن کانفرنس کا نتیجہ سامنے کیا آتا ہے کچھ نہیں کہا جا سکتا، مگر ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ اور اس کے بعد امریکہ روس کی اس روش نے سارے عالم اسلام اور اسلامی دنیا کو مجبور کر دیا ہے اور کہنا چاہیے سوئے ہوئے مسلمان بیدار ہو چکے ہیں، خدا کی رحمت سے توقع ہے کہ زمانہ قریب میں مسلمان حکومتیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی ہر ممکن جد و جہد کریں گی، اور وہ بھولا پن جس نے ان حکومتوں کو کمزور کیا ہے جاتا رہے گا، بات یہ ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں وقت پڑنے پر ساری غیر مسلم طاقتیں اندر سے مل جاتی ہیں اور اندرونی طور پر "الکفر ملۃ واحدۃ" کا مظاہرہ کرتی ہیں، مسلمان اب تک ایسا خیال ہے نہیں سمجھتے تھے مگر اب حالات نے انہیں ایسا سمجھنے پر مجبور کر دیا۔

عرب دنیا جہاں کمیونزم کے قدم جم رہے تھے اور اس کا پرچار ہو رہا تھا، غالباً اب اہل عرب اس کے نتائج سے بھی باخبر ہوتے جا رہے ہیں اور ان میں اسلام کے وہ جذبات جو ہر میدان میں انہیں کامیابی سے ہمکنار کرتے تھے وہ ابھر کر سامنے لگے ہیں، کچھ سیاسی زعماء ہیں جو ہر ملک میں اپنے مفاد کی خاطر کمیونزم سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، عوام اور پبلک کو اس سے کوئی تعلق خاطر نہیں ہے، ان میں وہی مذہبی جذبہ ہے جو کبھی عام تھا، عجیب بات یہ بھی ہے کہ کچھ سیاسی لوگ کسی ملک یا شخص کی موافقت و مخالفت مذہبی اور دینی نقطہ نظر سے نہیں کرتے بلکہ محض سیاسی اور ذاتی مفاد کی خاطر کرتے ہیں، اور اس طرح وہ خود اپنا نقصان کرتے ہیں کہ دین کو دنیا سے بدل کر آخرت کا عذاب مول لیتے ہیں، ایک مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اخلاص کو پیش نظر رکھے اور جو کچھ کرے خدا و رسول کی خوشنودی کے لئے کرے، کسی سے دوستی بھی کرے تو اللہ کے لئے اور کسی کی دشمنی بھی مول لے تو اللہ کے لئے اسی میں کامیابی ہے، پارٹی بندی، سیاسی مفاد، اور ذاتی اغراض کے لئے ایسا کرنا مضر ہے، مضر نتائج آج نہیں کل اسکے سامنے آ کر رہیں گے۔

اس وقت عرب ممالک کے سارے سربراہ اس راز کو پا گئے ہیں اور ان میں خلوص و محبت اور رضائے الٰہی کا جذبہ کارفرما ہے، اور وہ اسی نقطہ نظر سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہمیں پوری توقع ہے کہ جلد یا بدیر عرب کامیابی سے

ہمکنار ہو کر رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت اب انہیں دھوکہ نہیں دے سکتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا کتبخانہ مذہبی اور اسلامی ذخیروں میں ممتاز ہے اس میں مطبوعات و مخطوطات کا مجموعی طور پر جو ذخیرہ ہے وہ بہت کم کتب خانوں میں مل سکے گا، مخطوطات کی مفصل فہرست دو ضخیم جلدوں میں پہلے شائع ہو چکی ہے، جس میں مخطوطات اور ان کے مصنفین کا اجمالی تعارف ہے، اب دوسرا قدم اکابر علمائے دیوبند کی تصانیف و تالیفات کے تعارف کے لئے اٹھایا جا رہا ہے یہ جلد بہت وقیع ہوگی اور اس سے اندازہ ہوگا کہ اس سو سال میں علمائے دیوبند نے کیا کچھ تصنیفی خدمات انجام دی ہیں

علماء دیوبند سے توقع ہے کہ وہ اپنی تصانیف کتب خانہ دارالعلوم کے لئے پہلی فرصت میں روانہ کریں گے اور ساتھ ہی اپنے ضروری حالات سے مطلع فرمائیں گے تاکہ اس کام میں سہولت ہو سکے، اور علماء دیوبند کی کوئی تصنیف نگاہوں کے سامنے آنے سے باقی نہ رہے، مدیر کتب خانہ ذاتی طور پر اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتا ہے وہ ہرگز اس میں کوتاہی نہیں کریگا لیکن جس تعلیمی ادارے کے فضلاء مغرب سے مشرق تک اور شمال سے لے کر جنوب تک پھیلے ہوئے ہیں اور سو سال سے زیادہ سے یہ دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں منہمک ہیں، ایک تنہا آدمی تمام فضلاء کی علمی خدمات اس وقت تک فراہم نہیں کر سکتا جب تک ادارہ کے فرزند اور اس کے بہی خواہ تعاون نہ فرمائیں۔

بتدریج دارالعلوم کی خدمات کے مختلف گوشے انشاء اللہ مرتب ہو کر سامنے آئیں گے اور صحیح اندازہ اسی وقت ہو گا کہ دارالعلوم نے دینی وملی خدمت کس کس انداز سے انجام دی۔

دارالعلوم سے ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں علماء نکلتے ہیں اور ملک و بیرون ملک میں پھیل جاتے ہیں، اور جہاں بھی وہ ہوتے ہیں دینی علمی اور سیاسی وملی خدمات پوری توجہ سے انجام دیتے ہیں۔

موجودہ دور میں ہر عالم دین کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے احکام ومسائل اور نظام زندگی کو اپنائے اور پھر اسے عوام وخواص میں موثر بنانے کی جدوجہد کرے، تاکہ مکارم اخلاق اور اعمال صالحہ کو توانائی حاصل ہو جو اسوقت بلاشبہ کس مپرسی کے عالم میں ہیں اور دنیا ان سے خالی ہو کر تباہی و بربادی کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہی ہے، موجودہ حالات میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری سب سے زیادہ علمائے وقت پر عائد ہوتی ہے اور اب تک انہوں نے ہی حفاظت کی ہے، ہمارے علماء کا امتیاز یہ ہے کہ صرف کہتے نہیں، بلکہ پہلے خود ان قدروں پر عمل کرتے ہیں جن سے انسانیت کو سہارا ملتا ہے اور اخلاق حسنہ و اعمال صالحہ کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔

مدارس دینیہ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے اسلام اس ملک میں زندہ و تابندہ ہے بلکہ بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو ہدایت ملی ہے، حرام وحلال کی تمیز پیدا ہوئی ہے اور ظلمت و نور میں امتیاز باقی ہے ورنہ اسوقت دنیا اور ملک کا اخلاقی اعتبار سے جو حال ہے وہ کسی باخبر سے پوشیدہ نہیں ہے، ہمارے علماء کرام اور مدارس دینیہ نے بڑی اہم تاریخی خدمتیں انجام دی ہیں اور برابر دے رہے ہیں اور انشاء اللہ دیتے رہیں گے

(ظفیر مفتی)

حقائق و معارف

ماہر — جناب پروفیسر صاحب نکہت شاہجہانپوری

پروفیسر نکہت شاہجہان پوری علوم جدیدہ وقدیمہ کے ممتاز فاضل، ایک نکتہ رس بزرگ اور صاحب تصانیف عالم ہیں، اردو نظم ونثر پر استادانہ دسترس رکھتے ہیں۔ حال میں موصوف کی ایک کتاب شاہ معین الدین صاحب ایڈیٹر معارف کی فاضلانہ تقریظ کے ساتھ شائع ہوئی ہے جو مختلف قرآنی روحانی اور دینی مضامین کا بڑا دلچسپ اور کارآمد مجموعہ ہے۔ اس کے دو حصے ہیں (۱) پہلے میں بعض قرآنی معارف کو ایک عنوان کے ماتحت لاکر نظم میں اس کا ترجمہ دیا گیا ہے (۲) دوسرے میں اس کے خواص و تاثیر اور اُن کے حقائق کو کھولا گیا ہے یہ مضامین ہمیں بہت پسند آئے۔

پروفیسر موصوف کی فرمائش تھی کہ اس کتاب پر تبصرہ کیا جائے ہماری طرف سے تبصرہ یہ ہے کہ ہم مذکورہ حصوں میں سے پہلے حصہ کو رسالہ دارالعلوم میں اہل ذوق کی لذت کام ودہن کے لئے شائع کررہے ہیں پروفیسر صاحب کی یہ کتاب یقیناً اس قابل ہے کہ ہر صاحب دل اس کا مطالعہ کرے یہ بادۂ الفت کا ایک جرعۂ تہ جام ہے جو میخانۂ محبت میں ہر آنے جانے والے کو نہیں بلکہ خاص خاص رندوں اور میکشوں کو کبھی کبھی مل جاتا ہے، جو وقت پر آکر اس کا شریک لذت نہ بنے اس کی محرومی کا الزام اس کے سوا اور کس پر ہوسکتا ہے؟

شعر
نہ تھا تو اگر شریک محفل قصور میرا ہے یا کہ تیرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

کتاب کی قیمت ۵ہ ہے اور مصنف سے "نکہت منزل محلہ مہند بدف شاہجہاپور" کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

توحید - کلام الٰہی:- قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۝ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

درودِ منظوم

اللہ! تیری شان کہ یکتا تو ہے
پاکیزہ و بے نیاز و اعلیٰ تو ہے
پیدا نہ کسی سے تو، نہ کوئی تجھ سے
تجھ سا نہیں دوسرا نرالا تو ہے

(حجی محمد اصلاد خاں رح)

سرِّ وحدت

کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (ترجمہ) ہر چیز خدا کی طرف سے ہے

رنگِ دوئی کی ابلہ فریبی، الجھا دیا ہے ان الجھنوں میں
یہ فرق کیا ہے؟ یہی نظر ہے، آنکھیں ہیں تیری اور دل بھی تیرا
میرے قدم کیا، سرِ کشتگی کیا؟ ذوقِ جنوں کیا، فسردگی کیا؟
رہبر بھی تو ہی، مقصد بھی تو ہی، جادہ بھی تو ہی، منزل بھی تو ہی
کیوں شورشیں ہوں گی گرد ادر دل میں، کس طرح الجھوں، تیرے ہی غم میں
طوفاں بھی تو ہی، قلزم بھی تو ہی، کشتی بھی تو ہی، ساحل بھی تو ہی
کس سے کہوں میں کیا چاہتا ہوں، تجھ کو ہی تجھ سے بس مانگتا ہوں
ذوقِ تمنا تیری ہی شوخی، حسنِ طلب کا سائل بھی تو ہی

(از نکہت)

نورٌ علیٰ نور!

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ○ — اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

عرش سے تا فرش اک موجِ طرب ہے موجزن
آ رہے دیکھتے ہیں یہ جمال آرائیاں

(نکہت)

خیر و شر!

وَاللّٰہُ خَالِقُ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرِ ○ — اندھیرے اجالے کا پیدا کرنے والا اللہ ہے

(۱) تم سے ذوقِ کفر و ایماں نے بھی مجھ کو ہی نوازا
مرا دل صنم کدہ ہے کہ ترا نگار خانہ
(۲) کفر کی تاریکیوں میں بھی وہی برقِ جمال
کس جگہ پہونچا دیا اے نورِ ایمانی مجھے

(نکہت)

جلوۂ نو بنو

کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ○ — ہر روز ان کی نئی شان ہے۔

پتیاں شیرازۂ گل کی ادھر برہم ہوئیں
اُس طرف اک لالہ زارِ حسن و مستی کھل گیا

(نکہت)

شانِ توکّل!

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ ○ — میرے لئے خدا کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے

رواں ہے کشتیٔ غم دل کے طوفاں خیز دریا میں
خدا جب ساتھ ہے تو ناخدا کی کیا ضرورت ہے

(سیف شہید رح)

ذکر و شکر!

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ — بے شک خدا ہی کی یاد سے دلوں کو تسکین ملتی ہے

(۱) یہ کیا کم ہے کہ ان کی یاد سے دل کو تسلی ہے
اگر یہ شمعِ الفت بھی بجھا دیتے تو کیا ہوتا
(۲) جو تیری یاد مرے دل میں جاگزیں نہ رہے
فلک فلک نہ رہے زمیں زمیں نہ رہے

(از نکہت)

یادِ محبوب!

فَاذْكُرُوْنِيْٓ — تم مجھے یاد کرو میں تم کو
اَذْكُرْكُمْ — یاد کروں گا

(۱) تری یاد جس وقت بھی دل میں آئی
غم زندگی کا سہارا ہوئی ہے

(۲) نکہت کسی کے حسن کی معجز نمائیاں
رنگ مجاز کو بھی حقیقت بنا گئیں

قربِ الٰہی

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ — ہم انسان کی رگ جان
مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ — سے زیادہ قریب ہیں

(۱) سنا ہے رگِ جاں سے نزدیک تر ہو
ذرا اور نزدیک آؤ تو جانیں
(محمد اصطفا خاں مرحوم)

(۲) وہ خود بنیں گے رگِ جاں سے محوِ سرگوشی
سرِ نیاز و عقیدت ذرا جھکا تو سہی!
(از نکہت)

حُسنِ جہاں نواز!

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ — جدھر بھی دیکھو بس خدا
وَجْهُ اللّٰهِ ۝ — ہی خدا ہے۔

(۱) ہر ذرہ حسن یار کا آئینہ دار ہے
اس کو چھپائیں دیدہ و دل میں کہاں کہاں
(نکہت)

(۲) شش جہت میں جسطرف دیکھو اسی کی ہے نمود
ہر طرف چھایا ہوا ہے جلوۂ جانانِ دل
(سیف شہید رح)

دل کا سہارا!

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ — وہ کون ہے جو اس
اِذَا دَعَاهُ ۝ — کو پکارے اور بیچارے
مضطرب کو جواب نہ ملے۔

(۱) طوفان حوادث میں اور بحرِ مصائب میں!
ہر ٹوٹے ہوئے دل کو تیرا ہی سہارا ہے
(نکہت)

(۲) سفینہ اپنا یوں ہی ساحل آشنا ہوگا
یہ موج موجِ تلاطم مرا سہارا ہے
(نکہت)

(۳) وہ ہو بے آس کیونکر جس کے دل کا آسرا تم ہو
وہ کشتی کسطرح ڈوبے کہ جس کا ناخدا تم ہو
(سیف شہید رح)

جرمِ یاس!

لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ — سوائے کافروں کے
اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ — خدا کی امید سے کوئی
الْكٰفِرُوْنَ — مایوس نہیں ہوتا۔

(۱) قیدِ حیات و بندِ غم شعبدۂ خیال ہے
تو غم زندگی نہ بن موت پہ مسکرائے جا
(نکہت)

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ — خدا کی رحمت سے ناامید
اللّٰهِ — نہ ہو

(۲) گو غم کی آندھیوں نے مرا دل بجھا دیا
لیکن چراغِ داغِ محبت بجھا نہیں

(۳) رنگینیٔ حیات کا حاصل ہے سوزِ عشق
یہ دل کے داغ لالہ و گل بن کے مسکرا گئے
(نکہت)

رُوحِ آدم

نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ — میں نے آدم کے پتلے

رُوْحِیْ ٥ — میں اپنی روح پھونکی

"نفخت فیہ من روحی" نے آنکھیں کھولیں میری
نہ اب تم سے جدا میں ہوں نہ اب مجھ سے جدا تم ہو
(سیف شہیدؔ)

عرفان ذات

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥ — تم اپنی ذات (نفس) کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے

(۱) مری ہر سانس پہنچاتی ہے جب میرا پیام انکو
تو پھر قاصد کی یا بادِ صبا کی کیا ضرورت ہے

(۲) تو جس کو ڈھونڈھتا ہے وہ تجھ سے جدا نہیں
دل میں اگر نہیں تو کہیں پھر خدا نہیں
(سیف شہیدؔ)

(۳) ہر نفس کے ساتھ مضرابِ محبت چاہیئے
ساز دل ہی میں ہے پنہاں نغمہ رازِ زندگی

(۴) چلتی ہے کس مزے سے مری کشتی حیات
نکہت نفس نفس کا سہارا لئے ہوئے
(نکہت)

آفتاب عشق

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔۔۔ تا ظَلُوْمًا جَهُوْلًا — ہم نے اپنی امانتِ عشق کو آسمانوں اور زمینوں پر پیش کیا اس کی قبولیت سے سب نے انکار کیا

مگر حضرت انسان نے اس کو اپنی نادانی و جہالت کی وجہ سے اس بار کو قبول کیا۔

ہے یہ سب ذرہ نوازی آفتاب عشق کی
ورنہ مشتِ خاک میں نور و ضیا کچھ بھی نہیں
(نکہت)

مقصد تخلیق!

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ٥ — اللہ نے تم اس لئے پیدا کیا کہ اس آزمائش میں حسنِ عمل کا ثبوت دو

لالہ و گل کی رنگینیں مقصدِ زندگی نہیں
کشمکش حیات میں خونِ جگر بھی چاہیئے
(نکہت)

خدائی تمنا!

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا — جسمانی موت آنے سے پہلے تم مر جاؤ!

(۱) زہے نصیب ہوا و ہوس کی دنیا میں
کسی کے دل کی تمنا مری تمنا ہے

(۲) تمناؤں کو اپنی خود مٹاتا
شباب جاودانی، زندگی ہے

(۳) فرصت کہاں کہ خونِ جگر کا گلہ کریں
چاہیں اسے تو ذوقِ تمنا نہ چاہیئے!

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ — اللہ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو۔

(۴) قربان کیوں نہ ہوں کہ تری بے نیازیاں
عالم سے بے نیاز تمنا بنا گئیں

(۵) جب ان کی تمنا دل میں ہو تو اپنی تمنا کیا معنی
وہ جان تمنا ملتے ہیں میں حسن تمنا پاتا ہوں
(نکہت)

بادۂ معرفت

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً — آپ تہجد کی نماز نفل پڑھتے

لَقَدْ عَسٰی اَنْ یَبْعَثَكَ — رہیئے عنقریب آپکا خدائے برتر
رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا٥ — آپ کو مقام محمود پر پہنچا دیگا

کوئی موسم ہو کوئی وقت ہو پینے سے ہے مطلب
بڑھا جب شوقِ مے نوشی گھٹا کی کیا ضرورت ہے

(سیف شہیدؔ)

ازلی اتحاد!

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ اَيْنَمَا — تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے
كُنْتُمْ — ساتھ ہے

یوں مجھ میں اور اس میں ازل سے ہے اتحاد
جس طرح بوئے گل کبھی گل سے جدا نہیں!

(سیف شہیدؔ)

راضی برضا!

اِرْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ — خدا کی طرف اس طرح واپس
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً — ہو کہ خدا تم سے خوش ہو اور
تم خدا سے۔

لے لیا آنکھوں سے جو کچھ تو نے اے ساقی دیا
ہاں ترے مستوں کو فکر بیش و کم سے کیا غرض

(سیف شہیدؔ)

عرفانِ نفس!

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ — جس نے اپنے نفس کو
فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ — پہچان لیا اس نے اپنے رب
(الحدیث) — کو پہچان لیا۔

کہوں تو کس سے کہوں اور سنے تو کون سنے
میں راز دار ہوں لیکن یہ راز تو ہی ہے

(نکہت)

شوخیٔ تمنا!

هَلْ لِلْاِنْسَانِ مَا — کیا انسان جو تمنا کرے
تَمَنّٰى — پوری نہیں

اے میری نگاہِ بازپسیں مایوس نہ ہو ناکام نہ بن
پردہ نہیں حریم ناز کے بھی جنبش سی مگر میں پاتا ہوں

(نکہت)

فضیلتِ بشر!

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ — ہم نے انسان کو بہترین
فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ — صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا

وہ چیز جس کو حقیقت کا راز کہتے ہیں
خدا گواہ بشر کے سوا کچھ اور نہیں (نکہت)

شانِ الفقر!

اَلْفَقْرُ فَخْرِيْ (الحدیث) — فقر یا درویشی میرے لئے
باعث فخر ہے

دل کی دنیا میں اگر ہو روح الفت موجزن
بے سر و سامانیاں ہیں، باسر و سامانیاں

(نکہت)

تربیتِ نفس!

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ — جس نے اپنے نفس کو
الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ — ہوا و ہوس سے بچا لیا
هِيَ الْمَاْوٰى — بے شبہ جنت اسکا مسکن ہوگا

جنبش میں کس طرح ہو مرے شمع دل کی لو
جب اس کے آس پاس بھی دخل ہوا نہیں

(سیف شہید)

عشقِ جاوید

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ — اللہ اپنے نور کو مکمل کریگا
كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ — اگرچہ منکروں کو یہ ناگوار ہو

(۱) اگر تاریکئ عصیاں کی لاکھوں آندھیاں آئیں
چراغ عشق کا دشوار ہے خاموش ہو جانا
(سیف شہید رح)

(۲) تری شمع عشق روشن مرے سوز ہر نفس سے
مجھے کیا مٹا سکے گی، تری گردش زمانہ

(۳) محبت کو مٹا سکتے نہیں دنیا کے ہنگامے
یہ شمع زندگی ہے جو مرے سینہ میں جلتی ہے
(نکہت)

سعی کامیاب

اَلسَّعْیُ مِنَّا وَ الْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔ (الحدیث)
کوشش کرنا ہمارا فرض ہے تکمیل کار خدا کی طرف سے ہے

یا سرِ غزہ نظر آ اِس رزم گاہِ عمر میں
یا اپنے خونِ دل سے خود لالہ زار بن جا
(نکہت)

سرِ حیات

اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ۝
بے شبہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔

(۱) نفس کی آمد و شد پر یہ وہم زندگی کب تک
یہ کشتی ڈوب جاتی ہے تو ساحل پر نکلتی ہے

(۲) زندگی کیا ہے مگر، رنگینیوں کی ابتدا،
موت کیا ہے روح کی سرگرمیاں جولانیاں
(نکہت)

فریب نظر

وَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اِلَّا غُرُوْرٌ ۝ وَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اِلَّا لَھْوٌ وَّ لَعِبٌ
دنیاوی زندگی کا سرمایہ بجز لہو و لعب، اور فریب، اور کچھ نہیں

یہ رنگ و بو یہ چمن یہ بہار لالہ و گل
بس ایک فریب نظر کے سوا کچھ اور نہیں
(نکہت)

غلبۂ رحمت

اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ عَلٰی غَضَبِیْ (الحدیث)
بے شبہ میری رحمت میرے قہر و غضب پر غالب ہے۔

(۱) دامن تر نے آبرو پائی!
رحمتوں کی گھٹا برستی ہے
نکہت

(۲) میرے گناہ زیادہ ہیں یا تری رحمت
کریم تو ہی بتا دے حساب کر کے مجھے
(دارالعلوم)

تسکین قلب

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ
کوئی مصیبت بغیر اذن الٰہی کسی پر نازل نہیں ہوتی

کیوں خوش نہیں ہوں گرداب بلا میں کہ طرح الجھوں امواج غم میں
طوفاں بھی تو ہی، قلزم بھی تو ہی کشتی بھی تو ہی ساحل بھی تو ہی
(نکہت)

عزم و عمل

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ
جو خدا چاہے گا اس کے خلاف تم نہیں چاہ سکتے

(۲) فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ
وہ جو ارادہ کرتا ہے اس کو مکمل کرتا ہے

ہلسیں کہ رو تیں بہر طور دن گذرتے ہیں
وہ بے نیاز ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں
(محمد اصطفا خاں اصطفا لکھنوی)

لعل و گہر!

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا هُوَ وَهُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

سوائے خدا کے گناہوں کو بخشنے والا اور کوئی نہ ہو سکتا ہے وہی مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے

(۱) موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے، مرے عرقِ انفعال کے
——— (اقبالؒ)

(۲) جو اس کے دامنِ رحمت میں جذب ہو جائیں
وہ اشک لعل و گہر کے سوا کچھ اور نہیں!

---

(۳) محال ہے کہ تری رحمتوں کی آس نہ ہو
مرے گناہ عرقِ انفعال کیا جانیں
——— (نکہت)

زرِ دل!

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ○

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے

کل بھی کیا خاک ترے وصل سے ہونگے دلشاد
آج جو شومئ تقدیر سے ناشاد رہے
(سیف شہیدؒ)

صفحہ ۳۷ کا بقیہ

تبصرۂ و ذکریٰ للمؤمنین

اور محاورہ کے لحاظ سے اس ترجمہ کی قدر و قیمت تو اس کے لئے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ کشمیری زبان دیہات سے چل کر جب شہر سرینگر تک پہونچتی ہے تو اس کے الفاظ اور محاورے گھس پس کر ایک خاص چمک اور دلکشی پیدا کر لیتے ہیں اور ان کے معانی و مفاہیم میں غیر معمولی وسعت آجاتی ہے اور سرینگر شہر کی یہ زبان بعض قدیم علمی خاندانوں کے ہاں اور بھی اونچا معیار حاصل کر لیتی ہے اس قسم کی معیاری کشمیری بولنے میں ہمیشہ سے میر واعظ صاحبان کا گھرانہ ایک خاص امتیاز کا مالک مانا گیا ہے اور مولانا محمد یوسف صاحبان نے قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر لکھتے وقت اسی معیاری زبان سے کام لیا ہے۔ کشمیری زبان کی خصائل و شمائل کے ماہرین اور اداشناس ہی اس ترجمہ سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف مرحوم کو اس عظیم دینی کارنامہ کی برکت سے جنت الفردوس نصیب کرے اور اس ترجمہ و تفسیر کو قبولیت عامہ بخشے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رح نے جزیرۂ مالٹا میں جلاوطنی کی حالت میں قرآن پاک کا جو اردو ترجمہ لکھا تھا وہ تمام علمائے اسلام کے ہاں مستند ترین ترجمہ قرار پایا تھا اسی طرح حضرت نور الاسلام مولانا محمد یوسف شاہ صاحب کا یہ کشمیری ترجمہ بھی کشمیر کے عوام و خواص میں ہر دل عزیز اور مستند ثابت ہوگا جو مہاجرت اور جلاوطنی کے عالم میں مرتب ہوا ہے۔

فقط

احقر العباد محمد سعید مسعودی عافاہ اللہ

اسلامی طریقہ تعلیم

مولانا عبدالسلام ندوی

اسلامی طریقہ تعلیم کا سنگ بنیاد چار چیزیں ہیں

(۱) مقصد تحصیل علم

(۲) استاد اور شاگرد کی باہمی معاشرت

(۳) "اخلاق حسن" اس موقع پر طلبا کے وہ مخصوص اخلاق مراد ہیں جن کا اثر تعلیم و تعلم پر پڑتا ہے

(۴) کیفیت تحصیل علم و طریقۂ درس

چنانچہ ہم اس ترتیب سے اسلامی طریقہ تعلیم کے تمام عنوانات کی تفصیل کرتے ہیں.

مقصد تحصیل علم

اسلام میں ہر چیز کا دارومدار نیت پر ہے. صحیح حدیث شریف میں آیا ہے

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

اس بناء پر طلب علم سے پہلے اس کا مطمح نظر مقرر کرکے اس کی نیت کرلینی چاہیئے آج کل اہل علم کے حلقے میں یہ فقرہ بار بار دہرایا جاتا ہے کہ علم کو صرف علم کے لئے پڑھنا چاہیئے. لیکن اسلاف کا نقطۂ نظر اس سے بھی بلند تھا ان کے نزدیک علم کا مقصد خداوند تعالیٰ کی رضا جوئی، ثواب آخرت کی تمنا، ازالۂ جہالت اور حفاظت

اسلام وغیرہ تھا اور وہ اس کے ذریعے سے مرجع عام بننا اور سلاطین کا تقرب ڈھونڈھنا نہیں چاہتے تھے. امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر تمام دنیا میری غلام ہوتی تو میں اس کو آزاد کردیتا اور ان کی توراثت سے علیحدہ ہوجاتا کیونکہ جس شخص کو علم کی لذت مل جاتی ہے وہ زید و عمرو کے مال و دولت کی پرواہ نہیں کرتا البتہ امر بالمعروف نہی عن المنکر تنقید حق اور عزت دین کے لئے اگر جاہ و شہرت کی ضرورت ہو تو اس کو حاصل کرنے میں مضائقہ نہیں۔

شاید یہ کہا جائے کہ ان چیزوں کی نیت صرف مذہبی علوم کی تحصیل میں کی جاسکتی ہے. باقی جدید علوم و فنون تو دنیوی فوائد و منافع کا ذریعہ ہیں ان سے پاک مقاصد کی نیت کیونکر کی جاسکتی ہے لیکن یہ سخت غلطی ہے جدید علوم سے بھی مذہبی کام لئے جاسکتے ہیں اور لئے جارہے ہیں یہ ہماری نیت ہی کی خرابی ہے کہ ان علوم کے پڑھنے کے ساتھ ہی دنیاوی اغراض پیش نظر ہوجاتے ہیں ورنہ نیت ایک ایسی چیز ہے جو ایک شے کی حقیقت کو بدل سکتی ہے

ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے اعمال دنیوی اعمال کی شکل میں نظر آتے ہیں لیکن حسن نیت سے وہ اعمال اُخروی کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں اور بہت سے اعمال

اخروی اعمال کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں لیکن نیت کی خرابی سے دنیوی اعمال کی شکل اختیار کر لیتے ہیں بالخصوص علم میں توقلب ماہیت کی خاص صلاحیت ہے۔

امام سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ ہم علم کو دنیا کے واسطے حاصل کرتے تھے لیکن وہ ہم کو آخرت کی طرف کھینچ لے گیا امام ابن عیینہؒ فرماتے تھے کہ ہم نے علم حدیث کو خدا کے لئے نہیں سیکھا تھا لیکن اس کا نتیجہ جو ہوا تم خود دیکھ رہے ہو۔ بعینہ اسی طرح انگریزی علوم کے مقاصد بھی ہو سکتے ہیں اگر دین کی تقویت وشوکت اور قوم وملک کے رفاہ وترقی کی نیت سے پڑھے جائیں تو حسن نیت کے دائرے میں داخل ہو جائیں گے

استاد اور شاگرد کی باہمی معاشرت

طالب علم کا فرض ہے کہ وہ استاد کی عزت ہر ممکن طریقے سے کرے اس کے آگے نہ چلے اس کی جگہ یا اس کے بہت قریب نہ بیٹھے اس کی اجازت کے بغیر کلام میں ابتدا نہ کرے، اس کے سامنے بہت نہ بولے اگر وہ تھکا ہوا ہو تو اس سے بات نہ پوچھے اس کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے، اس کی اطاعت کرے، اس کے سامنے ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ نہ کرے، اصرار کے ساتھ اس سے کوئی سوال نہ کرے، اس کا ذہن نہ بٹے وغیرہ وغیرہ۔

اس تعظیم کے سلسلے میں یہ بھی داخل ہے کہ استاد کی اولاد کی بھی عزت کرے۔ ایک بار بخارا کے ایک عالم درس دے رہے تھے اور حالت درس میں کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ میرے استاد کا لڑکا گلی میں کھیل رہا ہے۔ اسی لئے جب میں اس کو دیکھتا ہوں تو کھڑا ہو جاتا ہوں۔

امام فخرالدین ارسابندیؒ مرو کے بہت بڑے امام تھے ان کا بیان ہے کہ میں اپنے استاد کا کھانا پکایا کرتا تھا اور خود اس میں سے نہیں کھاتا تھا

ایک بار امام شمس الدین حلوائیؒ ایک حادثہ کی وجہ سے ایک گاؤں میں ٹھہر گئے ان کے تمام شاگرد ان کی ملاقات کو آئے لیکن قاضی ابوبکر زرنجیؒ نے یہ سعادت حاصل نہیں کی۔ ایک بار ان سے ملاقات ہوئی تو بولے میں والدہ کی خدمت گذاری میں مصروف تھا فرمایا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی لیکن درس وتدریس کی گرم بازاری نہ ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تعظیم استاد کے سلسلے میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی علم کا خود انتخاب نہ کرے بلکہ اسکو استاد کے حوالے کر دے وہ اپنے تجارب کی بنا پر طالب العلم کے رجحان طبیعت کے مطابق کسی علم کا انتخاب کر دے گا شیخ الاسلام برہان الحق والدین فرماتے ہیں کہ قدیم زمانے میں طلبا اپنے تعلیمی امور کو استاد کے حوالے کر دیتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے لیکن اب طلبا خود مختار ہو گئے ہیں اس لئے ناکام رہتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے امام محمد بن حسنؒ کے یہاں کتاب الصلوٰۃ شروع کی لیکن انہوں نے علم حدیث کو ان کی طبیعت کے لئے موزوں پایا اور کہا کہ تم جا کر علم حدیث پڑھو چنانچہ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ آج سب کو معلوم ہے

تعظیم علم

اسی سلسلے میں علم کی تعظیم بھی داخل ہے اور درحقیقت اس [illegible] [illegible] کوئی حماقت نہیں ہو سکتی کہ [illegible] چیز سے عزت حاصل کرتا ہے [illegible]

اگرچہ علم [illegible] [illegible] کہ اس کو [illegible] [illegible] طالب علم ظاہری [illegible] کی عزت .... [illegible] کتاب بلا طہارت کے [illegible] شمس الدین حلوانیؒ فرماتے ہیں میں نے بغیر پاکی کے کبھی کاغذ کو ہاتھ نہیں لگایا شمس الائمہ سرخسیؒ [illegible] [illegible] اور اس حالت میں وہ [illegible] [illegible] چنانچہ ایک مرض میں [illegible]

نے ایک رات کو ستر بار وضو کیا کیونکہ وہ وضو کے بغیر تکرار کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

علم کی ظاہری تعظیم کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تفسیر کی کتاب کو تمام کتابوں کے اوپر رکھے اور خود کتاب کے اوپر کوئی چیز نہ رکھے۔ ایک فقیہ نے کتاب کے اوپر دوات رکھ دی تو ان کے استاد نے کہا تم کو علم کا پھل حاصل نہ ہوگا اس کے علاوہ اگر کتاب کے نقل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کو خوش خط لکھے اس کی تقطیع مناسب اختیار کرے درس کے وقت مسائل کو ادب و وقار کے ساتھ سنے

شفقت استاد

طالب علم کے ساتھ استاد کو جس لطف و محبت کے ساتھ پیش آنا چاہیے اس کی ترغیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ چنانچہ ہرون عبدی اور شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ جب ہم ابو سعید خدری کے پاس آتے تھے (بغرض تحصیل علم) تو وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے موافق خوش آمدید آپ نے فرمایا تھا کہ تم کو فتوحات حاصل ہونگی اور تمہارے پاس ایک قوم [illegible] طلب علم کے لئے آئیں گے اور تم سے تعلیم حاصل کریں گے اس لئے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو خوش آمدید کہو اور ان کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آؤ ان کو بیٹھنے کی جگہ دو اور ان کو حدیث سکھاؤ

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی کی عیادت کو گئے سب آدمیوں سے ان کا گھر بھر گیا تو انھوں نے اپنے پیر پھیلا دئے اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس لوگ تحصیل علم کے لئے آئیں گے ان کو مرحبا کہنا تحیت دینا اور علم سکھانا!

اساتذہ کو طلباء کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے اس کے لئے اگرچہ یہ حدیثیں کافی ہیں تاہم علماء نے اساتذہ و طلباء کی حسن معاشرت کے متعلق اور بھی زیادہ تفصیلات لکھی ہیں، امام غزالی نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

(۱) استاد کو چاہیے کہ طالب علم کو بیٹے کے برابر سمجھے اور جس طرح ایک باپ کے بیٹوں میں الفت و محبت اور تعاون و تعاضد ہوتا ہے اسی طرح ایک استاد کے شاگردوں میں بھی ہونا چاہیے۔

(۲) طالب علم پر احسان نہ جتائیے اگرچہ لازمی طور پر اس کا احسان ہو جائے گا اور جو اساتذہ طلباء سے اعانت و امداد کے متوقع ہوتے ہیں ان کو غلام بنائے رکھتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں ان کو تو یہ کہنے کا حق ہی حاصل نہیں کہ وہ درس و تدریس کی خدمت محض اشاعت علم اور تقرب الٰہی کے لئے انجام دیتے ہیں

(۳) استاد کو ہمیشہ طالب علم کا خیر خواہ رہنا چاہیے اور جو علم مضر ہوں ان سے روکنا چاہیے۔

علماء و فضلاء کے حالات پڑھنے سے اساتذہ کے لطف و محبت کی بکثرت مثالیں مل سکتی ہیں جن میں ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ صدر اجل برہان الائمہ نے اپنے دونوں بیٹوں کی تعلیم کا وقت دوپہر کے بعد تمام طلباء کے اسباق کے بعد رکھا تھا ان دونوں نے شکایت کی کہ اس وقت ہم بالکل تھک جاتے ہیں اور ہماری طبیعت افسردہ ہو جاتی ہے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ جو طلباء میرے پاس دور دراز کے ملکوں سے آتے ہیں میرے لئے ان کے اسباق کا مقدم رکھنا ضروری ہے

ایک بار حضرت سعید بن المسیب نے حضرت سعید بن مالک سے کہا کہ میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں لیکن آپ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا، اے بھتیجے اگر تم کو یہ معلوم ہو کہ مجھے کسی چیز کا علم ہے تو اس کو ضرور پوچھ لیا کرو۔

انتخاب علم

اخلاقی حیثیت کے علاوہ طلباء کو استاد کے لطف و محبت اور خیر خواہی کے بغیر حقیقی علمی فوائد بھی نہیں حاصل ہو سکتے۔

مثلاً علوم و فنون کی سیکڑوں قسمیں ہیں جن سے طالب علم کو صرف وہ انتخاب کرنے چاہئیں جو دین و دنیا میں اس کے کام آئیں اور ان علوم میں سب سے مقدم علم توحید اور وہ علوم ہیں جو عہد نبوت اور عہد صحابہ میں پیدا ہوئے یعنی حدیث تفسیر اور فقہ وغیرہ۔

علوم کی مختلف انواع و اصناف کی طرح انسانی طبائع کی بھی مختلف قسمیں ہیں بعض لوگوں کو صرف فقہ سے مناسبت ہوتی ہے اور بعض کو علوم عربیت سے لگاؤ ہوتا ہے اور بعض لوگ حدیث کے شیدائی ہوتے ہیں لیکن خود ہر طالب علم میں انتخاب کا مادہ نہیں ہوتا اس لئے استاد کا فرض ہے کہ وہ علوم و فنون کے ساتھ طبائع انسانی کا بھی ماہر ہو اور ہر طالب علم کے لئے وہی علم انتخاب کرے جو اس کے لئے موزوں ہو اس موقع پر طالب علم کا فرض ہے کہ وہ استاد کی اطاعت کرے اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے۔

طالب علموں کی دو قسمیں ہیں اور ان دونوں کے تعلیمی فرائض جدا جدا ہیں۔ ایک طالب علم وہ ہے جس کی ذہانت استعداد اور مناسبت طبعی کو دیکھ کر استاد اس کو خود تعلیم کی دعوت دیتا ہے اس حالت میں اگر استاد کی دعوت اور طالب علم کے شوق میں توافق و اتحاد قائم ہو گیا تو اس کے بہترین نتائج نکلتے ہیں۔

دوسری قسم عام طالب علموں کی ہے جو کسی غرض سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اس حالت میں اگر اس تعلیم کا محرک مذہب ہے اور طالب علم میں ذہانت پائی جاتی ہے تو استاد کا فرض ہے کہ وہ اس کو خوب جی لگا کر تعلیم دے اور اس سے علم کا کوئی نکتہ مخفی نہ رہنے دے لیکن اگر وہ غبی ہے تو اس کو تھوڑا بہت پڑھا دے لیکن اس کی تعلیم میں اپنی پوری طاقت صرف نہ کرے لیکن اگر یہ محرک مذہبی نہیں ہے تو استاد کو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو اس کی تعلیم میں بھی سرگرمی کا اظہار کرنا چاہئے کیونکہ بالآخر اس قسم کا طالب علم بھی مذ

ہب کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔ سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ ہم نے غیر اللہ کے لئے علم سیکھا لیکن اس نے خدا کے سوا کسی دوسرے کا ہونے سے انکار کیا۔ لیکن اگر یہ محرک ناجائز ہے تو استاد کا فرض ہے کہ اس کو تعلیم سے روک دے اور اس ناجائز کام میں اس کی اعانت نہ کرے۔ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے کہ سور کے آگے موتی نہ بکھیرو۔

علوم کی حقیقت اور علوم کی ضرورت اختلاف زمانہ سے بدل سکتی ہے مثلاً قدماء منطق اور فلسفہ کو حرام سمجھتے تھے لیکن امام غزالیؒ نے بقدر ضرورت ان کے جواز کا فتویٰ دیا۔ آج بھی یہ ضرورتیں بدل گئی ہیں اس لئے قدیم علوم و فنون میں سے بہت علوم غیر ضروری ہو گئے ہیں اور بعض جدید علوم کی ضرورت پیش آگئی ہے سید بدر الدین حلبی نے اپنے رسالہ تعلیم و ارشاد میں سب سے پہلے اسی مسئلہ پر بحث کی ہے اور ایک موقعہ پر لکھا ہے:۔

"مدارس کی تمام قسمیں صرف ان علوم کی تعلیم کے لئے قائم کی گئی ہیں جو دین و دنیا میں لوگوں کے کام آئیں اس لئے طالب علم جب تک مدرسہ کی چار دیواری کے اندر رہے اس کو غیر ضروری علوم کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے البتہ مدرسہ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اگر بعض علوم کمالیہ میں دستگاہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں لیکن جب طالب علم نے ضروری اور غیر ضروری دونوں علوم کو حاصل کرنا چاہا تو خیال یہ ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی کو بھی حاصل نہ کر سکے گا۔

تم کو اوپر وہ علوم معلوم ہو چکے ہیں جن کی اسلام کو ضرورت ہے اور ان سے بعض مصالح متعلق ہیں اور اجنبی و مفید علوم سے بھی تم کو واقفیت حاصل ہو چکی ہے۔

ان کے نزدیک قرآن و حدیث کے سوا تفسیر فقہ اور علم کلام تک کی حقیقت متاخرین نے بدل دی ہے اور اس میں غیر ضروری اجزاء شامل کر دئے ہیں اس لئے ان غیر ضروری اجزاء سے بھی احتیاط اور احتراز کی ضرورت ہے

خدابخش لائبریری کی نمائش

محسن عثمانی ندوی

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر خدابخش لائبریری میں تعلیمی اور ثقافتی نمائش کا بھی پروگرام رکھا گیا تھا، ایجوکیشن کو لائبریری سے خاص ربط ہے، مسلمان جس دور میں علم و ادب کے استاد تھے اس زمانہ میں بڑے بڑے شہروں میں شاندار کتب خانے وجود میں آچکے تھے، مسلمانوں کے پاس سائنس اور فلسفہ کا ذاتی سرمایہ ابتداء میں بہت کم تھا لیکن ریگزار عرب سے وہ اپنے ساتھ علمی تحقیق و تجسس کا صحیح شعور و احساس لے کر دنیا میں آگے بڑھ رہے تھے، اسلام وہ دین ہے جس کی بنیاد عقل و تدبر پر قائم ہے، انسان کو جب خلافت الٰہی کی قبا پہنائی گئی تو سب سے پہلے اُسے حقائق اشیاء کا علم عطا کیا گیا، مسلمان اس حقیقت سے پورے طور پر واقف تھے۔ چنانچہ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کی بندرگاہ سے علم و تحقیق کا جو بیڑا چلا تھا اس نے ساری دنیا کی نگاہیں اپنی طرف کھینچ لیں عرب کے بادیہ نشیں تمام قدیم قوموں کے علمی اور ثقافتی خزانوں کے مالک بن گئے، شہر بغداد کی تعمیر کے بعد عربی خواں دنیا ایران اور ہندوستان کی سائنٹفک تصنیفات کے ساتھ ساتھ ارسطو اور افلاطون کی کتابوں اور جالینوس کی بیشتر طبی تحریروں کے سرمایہ کی امین بن چکی تھی بغداد کا دارالحکمۃ عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا اور اعلیٰ درجہ کا دارالترجمہ بھی وہاں علم و ادب کے موضوعات پر مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ قرطبہ میں جو کتب خانہ تھا اس میں چار لاکھ سے بھی زیادہ کتابیں تھیں۔ ہندوستان میں شاہجہانی دور میں دنیا کا سب سے عظیم الشان کتب خانہ تھا جو غدر میں تباہ ہوا۔

کتب خانے اسلامی علوم و ثقافت کا مرکز رہے ہیں اسلئے جب پٹنہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس شاندار پیمانہ پر منعقد ہوئی تو خدابخش لائبریری میں تعلیمی اور ثقافتی نمائش کا پروگرام رکھا گیا۔ ۱۶ر نومبر کی شام کو شہر عظیم آباد کے توجہ کا مرکز خدابخش لائبریری بنی ہوئی تھی تعلیمی نمائش کے افتتاح سے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا آغاز ہونے والا تھا ہندوستان کے بڑے بڑے ارباب فضل و کمال اور ارباب دانش و بینش جمع تھے، لائبریری کے سامنے پنڈال آراستہ تھا شہریار ریاست بہار گورنر صاحب معلی القاب نے نمائش کا افتتاح کیا، شیخ عبداللہ اور شری کیدار پانڈے، محسنہ خلیل، اور دوسرے ممتاز لوگ ڈائس پر موجود تھے، عمائدین شہر سامنے کرسیوں پر جلوس افروز تھے، لائبریری کے

احاطہ میں انسانوں کا ہجوم تھا، تل رکھنے کو بھی جگہ نہ تھی)۔ ۱۴ نومبر سے ۲۰ نومبر تک خدا بخش لائبریری میں نمائش کی گہما گہمی رہی، بدرالدین طیب جی سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، لائبریری دیکھنے آئے اور ایک مرتبہ میں جب طبیعت نہیں بھری تو دو دنوں کے بعد پھر آئے اور علمی نوادرات کو دلچسپی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ مولانا سید احمد اکبرآبادی اور مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کے علاوہ ہندوستان کے گوشے گوشے سے آنے والے ڈیلیگیٹوں اور معزز مہمان لائبریری میں نظر آتے رہے، رات کو لائبریری کی عمارتیں رنگ برنگے قمقموں سے بقعۂ نور بنی رہیں۔

کرزن ریڈنگ روم میں مطبوعات کی نمائش تھی ... نمائش کے اس حصہ میں بڑے سلیقہ اور ذوق کا ثبوت دیا گیا تھا، ایک طرف ریاست بہار سے نکلنے والے اردو زبان کے تمام اخبارات، ہفت روزہ رسالے اور ماہنامے موجود تھے، ریاست بہار کی صحافتی نمائندگی بدرجۂ اتم موجود تھی، دوسری طرف بہار سے پہلے شائع ہونے والے قدیم رسالوں کی نمائش تھی، ایک حصہ میں ریاست بہار کے علما اور مصنفین کی تصنیفات رکھی گئی تھیں، تازہ واردانِ ریاست بہار کے لئے "بہار سکشن" خاص چیز تھی۔ ہندوستان کے ممتاز اور مقبول قدیم پرچوں کا سکشن بھی تھا، خدا بخش خانصاحب کی کتب خانہ کی تصنیفات اور لائبریری سے متعلق کتابوں کو بھی لوگوں نے بہت دلچسپی سے دیکھا، اسی طرح سے دارالترجمہ حیدرآباد دکن نے علم و ادب کی اردو زبان میں جو ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں اس کا سارا دفتر ایک حصہ میں موجود جو زبانِ حال سے بادِ صبا کو یعنی آزادی کی ہوا کو خطاب کر کے کہہ رہا تھا ؎

صبح تک تو نے نہ چھوڑی کچھ بھی اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

خدا بخش لائبریری نوادر و آثار کا گنجینہ اور مخطوطات کا خزینہ ہے۔ ہندوستان اور بیرونِ ہند سے ریسرچ اسکالر یہاں آتے ہیں۔ اس موقعہ پر اس کتب خانے کے لعل و جواہر سے زیادہ بیش قیمت مخطوطات کی نمائش بھی تھی، دیکھنے والوں کی سب سے زیادہ توجہ قرآن مجید کے ان نسخوں پر تھی جو فن خطاطی کا بے نظیر نمونہ ہیں اسلامی تاریخ میں فن خطاطی ہمیشہ قابل قدر رہا ہے اور قرآن مجید کی اشاعت کی وجہ سے اس فن کو خاص طور پر فروغ ہوا یہ فن دوسری یا تیسری صدی ہجری میں ایجاد ہوا مسلمان علماء نے جاندار چیزوں کی تصویر کشی کو عام طور پر اچھی نظروں سے نہیں دیکھا اسلئے مسلمانوں نے اپنے حسن کارانہ ذوق کے اظہار کے لئے فن خطاطی ایجاد کیا اسلامی معاشرہ میں خطاطوں کو مصوروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عزت اور مرتبہ حاصل تھا حکمراں تک ثواب حاصل کرنے کی غرض سے کلام اللہ کی کتابت کیا کرتے تھے، فن خطاطی کے ساتھ کتابی تزئین اور گلکاری اور قرآن کی نقاشی کا فن ایجاد ہوا قرآن مجید کی تزئین اور خطاطی کے شاہکار نمونے فردوس نظر بنے ہوئے تھے، نمائش میں صحابۂ کرام رض کے زمانہ کا مخطوطہ قرآن مجید کا ایک ورق بھی موجود تھا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے حضرت علی رض نے لکھا تھا، خلیفہ مستعصم باللہ کے دور کے کاتب یاقوت مستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید بھی دیکھنے کے لائق تھا، کلام اللہ کا نسخہ جو نور جہاں کے استعمال میں تھا بے حد خوبصورت ہے اور کتب خانہ کے اہم نوادر میں سے ہے

مغلیہ عہد کے نوادر مخطوطات میں تاریخ خاندان تیموریہ اور شاہنامہ فردوسی بھی اہم چیزیں ہیں، خوبصورت کتابت کے ساتھ مصوری اور نقاشی کے بہترین نمونے ان کتابوں میں ملتے ہیں۔ عربی مخطوطات میں مسلم اسپین کے کتب خانوں کی کتابیں ہیں جو آج تک محفوظ ہیں اور خدا بخش لائبریری کی نمائش میں موجود تھیں، زہراوی کی فن جراحی اور سرجری پر ایک کتاب ہے جس میں آلات جراحی کی تصویریں بھی ہیں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے اس کتاب کو دیکھ کر کہا تھا، اندلس میں مسلمانوں کے دورِ

حکومت میں مسلمان اطباء جن آلات کو استعمال کرتے تھے آج بھی ان میں زیادہ فرق نہیں ہوا ہے اسی طرح پانچویں صدی ہجری کی لکھی ہوئی علم نباتات اور حیوانات پر ایک کتاب ہے جس کا نام کتاب الحشائش ہے، فارسی مخطوطات میں امام غزالیؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کیمیائے سعادت بہت اہم چیز تھی اور لوگوں نے اسے بہت شوق کی نگاہ سے دیکھا، دیوانِ حافظ کا وہ نسخہ بھی نوادر مخطوطات میں اہمیت رکھتا ہے جس سے شاہجہاں اور جہانگیر بادشاہ فال دیکھا کرتے تھے۔ حاشیہ پر اُن کی تحریر اور دستخط موجود ہے۔ فارسی مخطوطات میں ہفت بند کاشی فن خطاطی کا عدیم النظیر مرقع ہے، شاعر کا نام ملا حسن کاشی ہے جو کاشان کے رہنے والے تھے، سید امیر علی نے (اس کی کتابت کی تھی) مطلّٰی اور مذہّب ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

السلام اے سایات خورشید رب العالمیں
آسمانِ عزو تمکیں آفتاب داد و دیں

کتب خانے کے نوادر میں جن مخطوطات کو لوگوں نے حیرت واستعجاب کی نظروں سے دیکھا ان میں ۳۸۳ھ کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے جس کا نام "کتاب اللمع فی التصوف" ہے مصنف کا نام ابو نصر سراج طوسی ہے جن کا انتقال ۳۷۸ھ میں ہوا۔ یہ دنیا کا سب سے قدیم نسخہ ہے جو اس لائبریری میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح مقامات حریری کا وہ نسخہ بھی بہت اہم ہے جو ۶۱۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔

اس کتب خانہ کے نوادر میں سیرت فیروز شاہی بھی بہت اہم چیز ہے۔ دنیا کا واحد نسخہ ہے جو اس کتب خانہ میں پایا جاتا ہے۔ سن کتابت ۷۷۲ھ تحریر ہے۔ فیروز شاہ کی تخت نشینی کے بیسویں سال لکھی گئی، فیروز شاہ کی مغلوں سے لڑائیاں گجرات پر حملہ کی داستان، بادشاہ کے شکار کے قصے اور اسلامی علوم وفنون کی ترقی میں فیروز شاہ کا حصہ وغیرہ ابواب ہیں۔ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ کتاب بہت اہم ہے آج کل پروفیسر حسن عسکری صاحب اس کتاب کے انگریزی ترجمہ کا کام انجام دے رہے ہیں۔

پروفیسر حسن عسکری صاحب کا نام آیا ہے تو چند الفاظ میں ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے، ان کو خدا بخش لائبریری سے اتنا گہرا ربط ہے کہ وہ گویا اسی کا ایک حصہ بن چکے ہیں، وہ پابندی کے ساتھ روزانہ لائبریری آتے ہیں اور یہ ناز مشکل سے قضا ہوتی ہے، خود اُن کی ذات تاریخ ہندوستان بالخصوص عہد وسطیٰ کی تاریخ کا انسائیکلوپیڈیا بلکہ ایک زندہ اور متحرک کتب خانہ کہی جاسکتی ہے یہ ان رجال نامدار اور اساتذہ کبار میں ہیں جن پر بہار کو فخر ہوسکتا ہے، اس کے ساتھ وہ درویش صفت انسان ہیں۔ حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیریؒ سید احمد شہید بریلویؒ، حضرت عبدالقدوس گنگوہی رہ، حضرت حسام الدین چشتیؒ اور دوسرے صوفیائے کرام پر بھی انھوں نے تاریخی مقالے لکھے ہیں۔ انہوں نے سینکڑوں مضامین لکھے لیکن تقریباً سب انگریزی میں ہیں اسلئے ان کی علمی فیض رسانی برصغیر کی اردو خواں دنیا تک پورے طور پر نہیں پہونچ سکی ہے ضرورت ہے کہ ان کے تاریخی مضامین کو اردو کا لباس پہنایا جائے اور انھیں کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

خدا بخش لائبریری کی اس نمائش کے سلسلہ میں اس کے ڈائرکٹر جناب عابد رضا بیدار کا تذکرہ بھی مناسب ہے جن کی بیدار مغزی اور صلاحیتوں کی بدولت لائبریری دن دونی رات چوگنی ترقی کررہی ہے اور شہر کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بن گئی ہے وہ غیر معمولی طور پر محنتی اور سخت کوشش انسان ہیں، یہاں تک کہ لائبریری کے مستعد اور کارگذار کارکن بھی کام کے مواقع پر ڈائرکٹر کی محنت کو دیکھ کر اپنے بارے میں میر کا یہ شعر پڑھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ؎

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

⁂ ⁂ ⁂

اللہ کا
احسانِ عظیم

مولوی امام علی قاسمی

اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں پر جو بے شمار احسانات اور انعامات فرمائے ہیں ان میں سب سے بڑا احسان اور انعام یہ ہے کہ اس نے اپنی عبادت و بندگی کا صحیح راستہ دکھلانے اور اپنی خوشنودی کا طریقہ سکھانے کے لئے ہماری ہی جنس میں سے ایسے برگزیدہ اور عظیم الشان پیغمبر کو مبعوث فرمایا جن کے ذریعہ ۲۳ سال کی مختصر مدت میں وہ انقلاب عظیم برپا ہوا جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ قاصر ہے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے اس احسان کا ذکر کلام پاک میں انتہائی زوردار الفاظ میں فرمایا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ
اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا
مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا
عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ
وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ
الْحِکْمَۃَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا
مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ
مُّبِیْنٍ ۝
(آل عمران ۱۱۶)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر احسان کیا کہ انہیں کی جنس سے ان میں ایک ایسا پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو ہر قسم کی گندگیوں سے پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے یقیناً یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

اور دوسری جگہ فرمایا۔

وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ
اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ
قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ
وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا
حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ
فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ۔
(آل عمران)

اور تم پر جو اللہ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالدی سو تم خدا تعالٰے کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے سو اس سے خدا تعالٰے نے تمہاری جان بچائی

قرآن مجید کی ان آیات سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے اور آپ کی بعثت کی برکت سے، آپ کی تعلیم، آپ کے تزکیہ، آپ کے ارشاد و ہدایت سے ان کو چھٹکارہ نصیب ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ آپ ہی کا فیض ہے

کو سیکڑوں خداؤں کے ماننے والے ایک خدائے قدوس کے سامنے جھکنے لگے عداوت ونفرت کے شعلے بھڑکانے والے محبت وشفقت کے متوالے بھائی بھائی بن گئے اخلاق وکردار کا نیا معیار قائم ہوگیا، تہذیب وتمدن کی نئی بنیادیں تعمیر ہوگئیں ۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

قابل غور یہ امر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور نفس اور آپ کی شریعت مطہرہ میں وہ کیا خصوصیات اور امتیازات ہیں جو اتنے بڑے انقلاب کا ذریعہ بنے تاکہ ملت اسلامیہ حضور اکرم اور آپ کی شریعت کے فیوض وبرکات سے آج کے نازک حالات میں رہنمائی حاصل کرکے اللہ کی رحمت ونعمت کی مستحق بن سکے۔

حضور اکرمؐ اور آپؐ کی شریعت کی امتیازی خصوصیات

پہلی خصوصیت، عموم بعثت

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ تمام کائنات کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جبکہ آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کسی خاص قوم یا ملک کے لئے ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سبا ع ۳)	اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا (ایمان لانے پر) خوشخبری سنانے والے اور ایمان نہ لانے پر ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء ع ۷)	اور ہم نے آپ کو (کسی اور بات کے لئے نہیں بھیجا) مگر تمام جہانوں کے لئے مہربانی کرنے کیلئے
تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان ع ۱)	بڑی عالی شان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (احزاب ع ۵)	اے نبی ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنوں کو) بشارت دینے والے اور (کافروں کو) ڈرانے والے ہیں اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی بہت سی آیات ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر نبی اور ہر ملک وقوم کے پیغمبر ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور جو شخص بھی انصاف کی نظر سے آپ کی تعلیمات پر غور کرے گا وہ یہ خصوصیت تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا۔

دوسری خصوصیت۔ ختم نبوت

آپ آخری نبی ہیں۔ آپ پر نبوت کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے اور تمام کمالات نبوت کی انتہا بھی آپ کی ذات جامع الصفات پر ہو چکی ہے اب آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

ارشاد خداوندی ہے

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا — محمدؐ تمہارے میں سے کسی

اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ	کے باپ نہیں لیکن اللہ کے
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ	رسول ہیں اور سب نبیوں
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ	کے خاتم ہیں اور اللہ
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ	تعالیٰ ہر چیز کو خوب
عَلِيْمًا ؀	جانتا ہے۔

(احزاب ع ۵)

تیسری خصوصیت: آپ کی شریعت کا کامل و مکمل ہونا

آپ کی شریعت آپ سے پہلے آنے والی تمام شریعتوں کے لئے ناسخ ہے آپ سے پہلے کی تمام شریعتیں بھی اپنے اپنے زمانے میں کامل تھیں اور معیار حق تھیں لیکن اب شریعت محمدی کے آجانے پر سب منسوخ ہوگئیں اب ان پر عمل کرنے کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اعلان فرما دیا گیا

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ	آج کے دن میں نے تمہارے
دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	لئے تمہارے دین کو کامل کردیا
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ	اور میں نے تم پر اپنا انعام
رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ	پورا کردیا اور میں نے اسلام
دِيْنًا	کو تمہارا دین بننے کے لئے
(مائدہ ع ۱)	پسند کرلیا۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صرف اکیاسی دن اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

"اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر موسیٰ بھی تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو یقیناً تم راہ راست سے ہٹ جاؤ گے اور اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو میری پیروی کرتے۔

(دارمی)

شریعت محمدی میں تمام شریعتوں کے بنیادی اصول آگئے ہیں اس پر عمل کرنا درحقیقت تمام شریعتوں پر عمل کرنا ہے تمام شرائع کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے یہ مقصد اس شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے اس لئے اب کسی شریعت کی ضرورت نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ	اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے
الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ	واسطے وہی دین مقرر کیا جس
نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ	کا اس نے نوح کو حکم دیا
اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا	ہے اور جس کو ہم نے آپ کے
بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى	پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے
وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا	اور جس کا ہم نے ابراہیم اور
الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا	موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا
فِيْهِ	تھا کہ اسی دین پر قائم رہنا
(شوریٰ ع ۲)	اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

آپ نے ارشاد فرمایا

"میں نے کسی ایسی چیز کو جو جنت کے قریب کرتی ہو نہیں چھوڑا ہے مگر اسے ضرور بیان کردیا ہے اور میں نے کسی ایسی چیز کو جو جہنم سے دور کرتی ہے نہیں چھوڑا ہے مگر اسے ضرور بیان کردیا ہے میں نے تمہیں واضح صاف شریعت پر چھوڑا ہے جس کی رات اس کے دن کی طرح ہے (یعنی جس میں معمولی معمولی مسائل کی بھی صاف وضاحت ہے) اس شریعت سے میرے بعد ہلاک ہونے والا ہی ہٹے گا۔"

(شرح اربعین للنووی)

چوتھی خصوصیت: وعدہ حفاظت خداوندی

آپ کی شریعت کی حفاظت کا وعدہ کرلیا گیا اُسے قیامت تک باقی رکھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں

(الحجر ع ۱)

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ اور یہ قرآن بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں باطل نہ آگے کی طرف سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے۔ یہ خدائے حکیم و محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔"

(حٰم السجدہ ع ۴)

قرآن مجید کی حفاظت کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ بس اس کے الفاظ محفوظ رہیں گے بلکہ الفاظ کے ساتھ اس کے معانی اور ان معانی کا عملی نمونہ ایک اہل حق کی جماعت باقی رہے گا۔

ارشاد نبوی ہے:

"اس علم کے حامل ہر اگلی نسل سے پچھلی نسل کے عادل علماء بنتے رہیں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی حیلہ جوئی اور جاہلوں کی تاویل کو اس دین سے دور کرتے رہیں گے۔"

(بیہقی)

"میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی اللہ کی امداد یافتہ ہوگی۔ انہیں نقصان نہیں پہونچا سکیں گے جو انہیں رسوا کرنا چاہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔"

(ترمذی رح)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے کے مطابق مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے اہل حق رہے ہیں جنہوں نے شریعت کی حفاظت پر اپنی جانی و مالی ہر قسم کی قربانیاں پیش کی ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کو دنیا باقی رکھنا منظور ہے دین کی حفاظت کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔

اس زمانہ میں یہ کام اللہ تعالیٰ نے جماعت علمائے دیوبند سے لے رہا ہے جیسا کہ ان کے کارنامے شاہد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو بقا و ترقی نصیب فرمائے

(آمین)

تاریخ دیوبند خود مصنف کی نظر میں

(صفحہ ۲۸ کا بقیہ)

مفید اضافے ممکن ہو سکتے ہیں، خدا کرے کہ:

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

کے ذریعہ تاریخ دیوبند کا یہ ناتمام مرقع پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے!

تاریخ دیوبند میں ایک بڑی کمی یہ بھی محسوس کی جائے گی۔ اس میں اشاریہ (انڈکس) پیش نہیں کیا جا سکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ارادے کے باوجود اشاریہ تیار کرنے کا موقع نہ مل سکا، اشاریہ کسی کتاب کے لئے بڑی ضروری اور کارآمد چیز ہے۔

"سید محبوب رضوی"

تعارف

تصانیف علماء دیوبند

از — مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مدیر کتبخانہ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند ایشیا کی سب سے بڑی مذہبی یونیورسٹی ہے جہاں سے ہر سال مختلف ملکوں کے سینکڑوں طلبہ مختلف علوم و فنون سے سند فراغ حاصل کرتے ہیں، اور دنیا میں پھیل کر کتاب و سنت اور علم و فن کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان طلبہ اور اساتذہ کے لئے دارالعلوم میں ایک عظیم کتبخانہ بھی ہے، جس میں لگ بھگ ایک لاکھ مختلف زبانوں کی کتابیں ہیں، بڑا ذخیرہ عربی، فارسی اور اردو زبان پر مشتمل ہے۔

اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ یہاں ملک اور بیرون ملک کے دوسرے اسکالر بھی آتے رہتے ہیں اور مہینوں رہ کر کتب خانہ سے مستفید ہوتے ہیں، غیر ممالک سے بھی ریسرچ کرنے والے کافی تعداد میں پہونچتے ہیں اسلامیات کا جو ذخیرہ یکجا یہاں فراہم ہے ہندوستان میں دوسری ایسی کم جگہیں ہیں۔

ابھی حال میں مخطوطات کے تعارف پر دو مطبوعہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ایک ہزار سے زیادہ قلمی کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے اور صرف کتابوں اور مصنفوں کے نام لکھنے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے کتب خانوں کی فہرستوں میں عموماً ہوا کرتا تھا، بلکہ مصنف کا سنہ وفات، کتاب کا سنہ تصنیف، سنہ کتابت ساری تفصیل مختصر انداز میں دی گئی ہے اور اسی کے ساتھ ہر مصنف کے نام کے ساتھ ان کے حالات معلوم کرنے کے لئے مختلف عربی، فارسی اور اردو کتابوں کے حوالے بقید صفحات و جلد دئے گئے ہیں۔ حتی الوسع کتاب کا تعارف علمی انداز میں کرایا گیا، اور اس کتاب کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے

اب اس سال سے اُن کتابوں کے تعارف پر توجہ دینے کا ارادہ ہے جو اکابر دیوبند کی تصانیف و تالیفات ہیں، دارالعلوم دیوبند کے سربراہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کے حکم سے کتب خانہ کا ایک کمرہ ان تصانیف و تالیفات کے لئے خاص کر دیا گیا ہے اور اس میں اسلاف و اکابر دارالعلوم کی تصانیف فراہم کر کے لگائی جا رہی ہیں۔ بڑا ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے فراہمی کا سلسلہ ہنوز جاری اور باقی ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے اسلاف و اکابر نے کتابوں کی صورت میں بھی کتنا قیمتی ذخیرہ چھوڑا ہے، درس و تدریس کا سلسلہ جیسا ہے سب کو معلوم ہے اور دنیا کو اس کا اعتراف ہے اب تک ان بزرگوں کی تصانیف مجموعی اعتبار سے سامنے نہیں آئی ہیں۔

علوم دینیہ سے متعلق کوئی ایسا علم و فن نہیں ہے جس میں ان اکابر نے اپنا تالیفی ورثہ نہ چھوڑا ہو۔ اور اسی

طرح کوئی قابل ذکر زبان ایسی نہیں ہے جس میں کتاب و سنت کی تعلیمات شائع کرنے کی سعی نہ کی گئی ہو، ضخیم سے ضخیم کتابیں بھی ہیں اور مختصر سے مختصر رسالے بھی، زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں یا اردو میں، کہ اس ملک میں یہی دو زبانیں رائج رہی ہیں۔

اب تک دارالعلوم کی سیاسی خدمات پر ہی روشنی ڈالی گئی تھی علمی خدمات کا تذکرہ کتابی شکل میں نہیں آ سکا تھا مگر اب اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ ان کی اصل خدمت سامنے لائی جائے اور علمی دنیا کو زحمت مطالعہ دی جائے، بلاشبہ جس طرح علمی کام محنت طلب ہے اس کا تعارف بھی آسان نہیں، کتابوں کا پڑھنا، ان کا سمجھنا، پھر ان کے معیار اور مضامین پر بحث کرنا، اور مصنف کے رجحان پر روشنی ڈالنا یقیناً یہ خدمت بہت ہی محنت طلب اور دیدہ ریزی کی طالب ہے۔

یہ درست ہے کہ عمومی طور پر لوگوں کو علم وفن سے وہ تعلق باقی نہیں رہا ہے جو پہلے زمانہ میں تھا، اب تو طبیعتیں سہولت پسند اور اسی کے ساتھ عجلت پسند ہوتی جا رہی ہیں، مگر پھر بھی کچھ لوگ ایسے اب بھی باقی ہیں جن کو علم وفن سے عشق اور شغف ہے، جن کا اوڑھنا بچھونا علمی خدمت اور علمی ذوق کی تسکین ہے، وہ اسی کے لئے جیتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔

حلب کے ایک بڑے عالم عبدالفتاح ابوغدہ جب ہندوستان تشریف لائے تھے تو وہ خصوصی طور پر دارالعلوم دیوبند بھی حاضر ہوئے انہوں نے دارالعلوم کے مہتمم اور اساتذہ سے جب اکابر اسلاف کی تصانیف پر گفتگو کی اور ان کو معلوم ہوا کہ علمائے دیوبند نے ان مضامین پر اپنی کتابوں میں بحث کی ہے تو وہ بے حد خوش ہوئے اور بار بار ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کو متوجہ کیا کہ آپ کے اکابر کی جو کتابیں فارسی یا اردو میں ہیں انہیں آپ عربی میں منتقل کرائیں اور دنیائے عرب کو ان سے استفادہ کا موقع بہم پہنچائیں۔

واقعہ ہے کہ ہمارے علماء کی تصانیف میں بڑے علوم و معانی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہن رسا عطا کر رکھا تھا، کتاب وسنت پر عمل سے ان کے قلوب مزکّٰی اور روشن تھے، اس لئے اسرار و رموز تک ان کی رسائی بہت جلد ہوتی تھی اور مسائل کی تہ تک بڑی آسانی سے پہونچ جاتے تھے، بلاشبہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے مگر ہر مسئلہ پر ان کی نظر تحقیقی تھی بالخصوص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ان کی بہت گہری نگاہ تھی۔ یہ دیکھنے میں جس قدر سادہ، بے تکلف اور معمولی معلوم ہوتے تھے، اس کے برعکس علوم ومعارف، رموز ونکات اور مسائل کی بنیاد پر پورے طور پر حاوی ہونے میں بلند نگاہ تھے، ان سے جب کوئی گفتگو کرتا تھا تو ان کے جوہر کھلتے تھے اور اس وقت صحیح طور پر اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی نگاہ کس قدر وسیع ہے، اور ان کا مطالعہ کتنا گہرا ہے۔

جن لوگوں نے ان اکابر کی تصانیف کا غور وفکر سے مطالعہ کیا ہے، ان سے پوچھئے کہ ان میں کتنے لعل وگہر چھپے ہوئے ہیں، کیسے علوم ہیں اور کس قدر دوربینی ہے۔ یقینی طور پر ان کتابوں کے پڑھنے سے ذہن بھی کھلتا ہے، دل بھی روشن ہوتا ہے اور دماغ کو بھی بالیدگی ملتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا سلسلہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) سے ملتا ہے اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) سے علوم وفنون کی شاخیں پھوٹتی ہیں، اور علمائے دیوبند کو سیراب کرتی ہیں اس مکتب فکر کے سب سے پہلے استاذ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہیں یہی وجہ ہے کہ اکابر علمائے دیوبند کی تصانیف کے وسیع کمرہ میں تصانیف کی ترتیب امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے شروع کی گئی ہے اور موجودہ دور تک کے

علما تک پہونچی ہے اب تک ہم جن علماء کی تصانیف جمع کر سکے ہیں یا جن کے نام اس فہرست میں آئے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

(۱) امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ)
(۲) سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ)
(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ (م ۱۲۳۰ھ)
(۴) حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ (م ۱۲۳۳ھ)
(۵) حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکیؒ (م ۱۲۶۲ھ)
(۶) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (م ۱۲۹۷ھ)
(۷) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ)
(۸) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ)
(۹) امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ)
(۱۰) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (م ۱۳۰۲ھ)
(۱۱) حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ (م ۱۳۲۲ھ)
(۱۲) حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ (م ۱۳۳۰ھ)
(۱۳) حضرت مولانا رحیم اللہ صاحب بجنوریؒ (م ۔۔۔ھ)
(۱۴) حضرت مولانا منصور علی مرادآبادیؒ (م ۔۔۔ھ)
(۱۵) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب نانوتویؒ (م ۱۳۴۷ھ)
(۱۶) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)
(۱۷) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۴۷ھ)
(۱۸) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ (م ۱۳۳۹ھ)
(۱۹) حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندیؒ (م ۱۳۴۸ھ)
(۲۰) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (م ۱۳۴۶ھ)
(۲۱) حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ (م ۱۳۶۴ھ)
(۲۲) حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ (م ۱۳۶۳ھ)
(۲۳) حضرت مولانا محمد منصور انصاری مہاجر کابلیؒ (م ۱۳۶۵ھ)
(۲۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ)
(۲۵) حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ (م ۱۳۸۷ھ)
(۲۶) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ (م ۱۳۷۴ھ)
(۲۷) حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ (م ۱۳۳۷ھ)
(۲۸) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۶۹ھ)
(۲۹) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (م ۱۳۷۲ھ)
(۳۰) حضرت مولانا مفتی محمد سہول ..... صاحب بھاگلپوریؒ (م ۱۳۴۴ھ)
(۳۱) حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوریؒ (م ۱۳۷۱ھ)
(۳۲) محدث العصر امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ)
(۳۳) حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ (م ۱۳۹۲ھ)
(۳۴) حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ (م ۱۳۸۵ھ)
(۳۵) حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ (م ۔۔۔ھ)
(۳۶) حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ (م ۱۳۸۲ھ)
(۳۷) حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ (م ۱۳۷۵ھ)
(۳۸) حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب نانوتویؒ (م ۱۳۸۹ھ)
(۳۹) حضرت مولانا محمد طاہر صاحب قاسمیؒ (م ۱۳۷۲ھ)
(۴۰) حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمیؒ (م ۱۳۸۷ھ)
(۴۱) حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی۔
(۴۲) حضرت مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی۔
(۴۳) حکیم الاسلام حضرت مولانا القاری محمد طیب صاحب مدظلہ
(۴۴) حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔
(۴۵) حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی
(۴۶) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی
(۴۷) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی
(۴۸) حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی
(۴۹) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
(۵۰) حضرت مولانا حامد الانصاری غازی
(۵۱) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی
(۵۲) حضرت مولانا مسیح اللہ خاں شروانی
(۵۳) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی۔
(۵۴) حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبندی۔

ان کے علاوہ اور بہت سے اکابر علماء رہ گئے ہوں گے

جنکی تصانیف فراہم نہیں ہوسکی ہیں، مگر کتب خانہ دارالعلوم دیوبند نے اس سلسلہ کو ابھی بند نہیں کیا، جس طرح کتابیں آتی جارہی ہیں ویسے مصنفین کے نام کی تختی لگتی جارہی ہے، اور اکابر سے ہم نیچے جب اصاغر علماء پر آئیں گے، تو ابھی سیکڑوں علماء صاحب تصانیف نکلیں گے اور انشاء اللہ ان سب کے نام دیر سویر آکر رہیں گے اور انکی تالیفات وتصنیفات بھی، یہ کام انشاء اللہ کسی منزل پر رکتا نظر نہیں آتا ہے، (کیونکہ) یہ سلسلہ انشاء اللہ لمبا ہوگا۔

جو علماء گذر چکے ہیں یقیناً ان کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ کتب خانہ میں جمع ہوچکا ہے، یہ بات تیقن سے نہیں کہی جاسکتی ہے کہ ان کی ساری ہی کتابیں آچکی ہیں، بہت ممکن ہے کچھ کتابیں فراہم نہیں ہوئی ہوں، یا ہمارے علم میں بعض تصانیف کے نام نہ آئے ہوں،

اس مضمون کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ باخبر حضرات ہمیں ان بزرگوں کے نام سے باضابطہ مطلع کریں جنکے نام نہ آسکے ہوں اور وہ صاحب تصانیف ہوں تاکہ ہم انہیں فہرست میں درج کرسکیں نام کے ساتھ ان کی تصانیف کے نام بھی ضرور لکھیں، اور اگر ان کی کتابوں کے ملنے کی نشاندہی کرسکتے ہوں، تو یہ بھی ضرور کریں ہم ان کے دل سے شکرگذار ہونگے، اور سچ پوچھئے تو یہ تنہا ایک شخص کا کام ہے بھی نہیں، جب تک سارے اہل علم توجہ نہ دیں اور معاونت نہ فرمائیں، کوئی کام حسن وخوبی سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ درخواست بھی بے جا نہیں ہوگی کہ اگر کسی کے پاس اکابر علماء کی تصانیف کا غیر مطبوعہ حصہ ہو تو اس کی بھی ہمیں اطلاع ہونی چاہیئے، اولاً اگر دے سکتے ہیں تو وہ قلمی نسخہ کتب خانہ کو عطا کردیں، کتب خانہ اس کی پوری حفاظت کریگا، نہ دے سکتے ہوں تو دارالعلوم اس کی نقل کرانے کی اپنی وسعت بھر سعی کریگا، خود مدیر کتب خانہ بھی حاضر خدمت ہونے سے گریز نہیں کریگا۔

یہ بڑا اہم کام ہے، کاش اہل علم اس طرف توجہ دیں، یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اس دور میں ذاتی کتب خانے کچھ زیادہ محفوظ نہیں رہ گئے ہیں، بعد کی اولاد اس کی کماحقہ حفاظت نہیں کرپاتی ہے اور وہ کیڑوں کی خوراک بن جاتے ہیں، ادارے بہرحال اس کی معقول حفاظت کے انتظام پر قادر ہیں اور وہ پوری ذمہ داری حفاظت کرتے ہیں۔

بلکہ خاکسار کی یہ بھی رائے ہے کہ اگر کسی کے پاس اکابر واسلاف کی قلمی تحریریں خطوط ومکاتیب کی شکل میں ہوں تو وہ بھی کتب خانہ دارالعلوم میں محفوظ کرادئے جائیں، یہ بھی ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت سے محفوظ ہوجائیں گے اور موجودہ نسل اس کی زیارت سے شرف اندوز ہوسکے گی اور آنے والی نسل بھی۔

ہمیں پوری توقع ہے کہ اہل علم اس درخواست سے دلچسپی لیں گے اور اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کے ساتھ پوری معاونت فرمائیں گے۔

تعارف سے پہلے ہم بتدریج اکابر واسلاف کی تصانیف کی فہرست بھی شائع کرینگے، تاکہ اہل علم نشاندہی کرسکیں کہ ساری کتابیں آگئی ہیں یا نہیں۔

صفحہ ۴۱ کا بقیہ

لطائف علمیہ

اور کافر قرار پائے قرآن پاک میں خود ارشاد ہے وانکحوا الایامیٰ منکم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً احادیث کثیرہ میں نکاح ثانی کی تاکید فرمائی ہے صاحبزادیوں کا نکاح ثانی کیا ازواج مطہرات سوا حضرت عائشہ صدیقہ کے جملہ ازواج حتی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ جو حضرت فاطمہ کی والدہ ماجدہ ہیں سب حضور کے نکاح میں بیوہ ہوکر آئیں پس خود ہے کہ نکاح ثانی کا عیب سمجھنا الا کس مرتبہ گستاخ ہے اور کیسا بے دین (اعاذنا اللہ منہ) امامت کے لئے متبع سنت وا علم بالسنۃ مستحق ہے اہل بدعت مرتکب کبائر کو جو شرعاً فاسق ہے امام نہ بنایا جائے شرافت نسبی جب ہے قابل لحاظ ہے کہ اعمال اچھے ہوں ورنہ صاحبزادہ حضرت نوح کو باوجود نبی زادہ ہونیکے انکے اعمال بد کی بنا پر فرمایا جاتا ہے انہ لیس من اہلک انہ عمل غیر صالح [illegible]

تاریخ دیوبند

خود مصنّف کی نظر میں؟

از:- الحاج سید محبوب رضوی

تاریخ دیوبند کے پہلے ایڈیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کے فاضل تبصرہ نگار نے لکھا تھا:۔

"یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ دیوبند جو ہزاروں علماء اور سیکڑوں اہل قلم کا مولد و منشاء ہے۔ جہاں کے فیض یافتگاں کی ہزاروں تصانیف ہند و بیرونِ ہند میں عام مقبولیت حاصل کئے ہوئے ہیں، خود اپنے حالات اور اپنی تاریخ کے تعارف سے نا آشنا رہا ہے۔ بقول "کلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ" خداوند عالم نے یہ سعادت جناب محترم مولوی سید محبوب صاحب رضوی کا مخصوص حصہ قرار دی تھی، چنانچہ موصوف نے تاریخ دیوبند تحریر فرما کر اس فرض کو انجام دیا اور دارالعلوم کے ہزاروں فرزندانِ علم کو اس فرض سے سبکدوش کر دیا ہے جو اخلاقی نقطۂ نظر سے ان کے ذمہ واجب الادا تھا۔

یہ کتاب دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کے حالات کا بہترین مجموعہ ہے۔ پہلے حصہ میں جغرافیائی حالات، قدیم عمارتوں، مساجد اور مشہور خانوادوں اور تعلیمی اداروں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے حصہ میں دارالعلوم کے حالات، موجودہ نظام طریق تعلیم، دارالعلوم کے مختلف شعبوں، صدر المدرسین، اور مہتممین کا سیر حاصل تذکرہ ہے، ہر ایک بیان پوری تحقیق و تفتیش سے مؤرخانہ انداز میں قلم بند کیا گیا ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ اختصار کے ساتھ ادب و انشاء کی نزاکتیں بھی تحریر کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں سمودی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ دیوبند اور دارالعلوم سے تعلق رکھنے والا ہر ایک علم دوست اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوگا اور اس کو ان کتابوں کی فہرست میں شامل کریگا، جن کا محفوظ رکھنا وہ اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے۔"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی، ۲۰ مارچ ۱۹۵۲ء)

کسی کتاب کی زیادہ سے زیادہ اتنی ہی تعریف کی جاسکتی ہے، جتنی کہ "الجمعیۃ" کے تبصرہ نگار نے کی ہے، کچھ دوسرے تبصرہ نگاروں نے بھی اسی قسم کے تاثرات کا اظہار کیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ مصنف کی نظر میں ہنوز یہ مرقع ناتمام ہے اور اس پر ابھی مزید نقش و نگار کی ضرورت باقی ہے۔

دیوبند ایک مردم خیز اور علم پسند سرزمین ہے جس میں بہت سے علماء و مشائخ، اہل کمال، شعراء اور ادیب پیدا ہوئے ہیں ان میں بہت سے صاحب تصانیف بھی ہیں، تاریخ کے پانچ سو سے زائد صفحات کی ضخامت کے باوجود نے میر

کے حالات اس میں پیش نہیں کیے جا سکے ہیں۔ حالانکہ تاریخ نگاری کے تقاضے کے مطابق بڑی ضرورت ہے کہ علماء و مشائخ حکماء و شعراء، ادباء اور دوسرے اہلِ کمال کے حالات جس قدر بھی فراہم ہو سکیں اُن کو شائع کیا جانا چاہیئے۔ تاریخ دیوبند کے صفحات میں جن حضرات کا ذکر آیا ہے وہ قطعی ضمنی ہے اس لئے بہت مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔ خود مقدمہ کے آخر میں راقم سطور نے اس کا اشارہ کر دیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ کام انتہائی دشوار اور جاں گسل کد و کاوش کا محتاج ہے، اور بدا تفاق سے اب تک اس موضوع پر کسی اہلِ علم نے قلم بھی نہیں اُٹھایا ہے۔ اس لئے ایک ایک واقعہ اور ایک ایک شخصیت کے حالات کی تلاش و تجسس میں پوری پوری سرگردانی کی ضرورت ہے، لیکن ہر زبان کی تاریخ اسی طرح مدوّن کی جاتی رہی ہے اب جب کہ کام کا خاکہ اور اس کے بہت سے پہلو سامنے آ چکے ہیں تو اس پر کام کرنا اتنا دشوار ترین بھی نہیں رہا ہے کہ اس کا تصور ہی نہ کیا جا سکے۔

دارالعلوم دیوبند کا کتب خانہ اس سلسلے میں کافی مدد دے سکتا ہے۔ دیوبند کے مصنفین کی قریب قریب سب ہی کتابیں اس میں موجود ہیں، البتہ مصنفین کے حالات زندگی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ میرے نزدیک یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ان کی تصانیف کا تفصیلی یا اجمالی تعارف ضرور پیش کیا جانا چاہیئے تاکہ ان کتابوں کی قدر و قیمت کا فی الجملہ اندازہ کیا جا سکے، اور یہ کہ ان کی افادیت کا دائرہ زیادہ وسیع ہو جائے۔

ایک سرسری اندازے کے مطابق میرے نزدیک اس کے لئے کم و بیش پانچ سو صفحات درکار ہوں گے گویا تاریخ دیوبند کی موجودہ ضخامت کے موافق ایک مزید جلد کی اس کے لئے ضرورت ہو گی۔

تاریخ دیوبند میں دارالعلوم پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بہت ہی کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں دارالعلوم کی تاریخ کا حق ادا نہیں ہو سکا ہے اور نہ ضمنی طور پر یہ ممکن ہی تھا۔

دارالعلوم دیوبند ایک صدی سے زائد کی عظیم تاریخ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے جس کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے، دارالعلوم کی تاریخ اسلام کی تاریخ میں ایک عہد آفریں دور کا تاریخی باب ہے، اس کا منظرِ عام پر نہ آنا ملک و ملت کا ایک المناک حادثہ ہے۔ آنے والی نسلوں کے لئے اگر یہ تاریخ مہیا نہ کی گئی تو ہمیں یقیناً ان کی ملامت کا ہدف بننا ہوگا، اس لئے یہ عظیم الشان تعلیم گاہ اپنی تاریخ کے لئے ہم سے متقاضی ہے!

انسان کا کون کام مکمل ہوا ہے؟ تاریخ دیوبند بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ مثلاً تاریخ دیوبند کی تالیف و تدوین کے دوران گیارھویں صدی عیسوی سے پہلے کے حالات خاطر خواہ دستیاب نہیں ہو سکے، اسی طرح پٹھان خاندانوں اور بعض دوسری برادریوں کے تاریخی حالات کا علم نہیں ہو سکا حالانکہ تاریخ دیوبند کے یہ بہت ضروری اجزاء ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بعض اہم چیزیں آنے سے رہ گئیں ہیں ان کا احساس مصنف کو اس وقت ہوا جب تاریخ دیوبند طباعت کے مرحلے سے گذر چکی تھی۔ مثال کے طور پر اس میں "مسلم فنڈ" کا ذکر نہیں آ سکا ہے۔ حالانکہ دیوبند کے معاشی اور اقتصادی حالات میں اس ادارے کا ایک اہم تعمیری کردار ہے، غریبوں اور مزدور پیشہ طبقے کو وسائلِ معاش کے لئے مالی امداد بہم پہنچانا "مسلم فنڈ" کا اہم کارنامہ ہے۔

مذکورہ بالا امور کی صراحت میرے نزدیک اس لئے ضروری ہے علمی اور تاریخی نقطۂ نظر سے یہ چیزیں تاریخ دیوبند کا ضروری جزو ہیں اگر میں ان کی تکمیل نہ کر سکا تو کیا عجب ہے کہ خدا کا کوئی بندہ اس کے لئے کمربستہ ہو جائے تو اس وقت یہ ضروری گوشے کسی غور و فکر کے بغیر اس کے سامنے رہیں، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جن گوشوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان کے علاوہ مزید اور گوشے بھی ہو سکتے ہیں۔ وقت اور حالات کے پیشِ نظر ان میں اور بھی

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

باب المسائل

بیمہ کرانا جائز ہے یا ناجائز؟

سوال :-

میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مذہب اسلام کے مطابق کیا زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے؟

ہمارے یہاں ایک مسلمان زندگی کا بیمہ کرانا چاہتا ہے زندگی کا بیمہ کرانے سے پہلے وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مذہب اسلام میں بیمہ کرانا جائز ہے یا ناجائز ہے، اسکو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

سعادت علی
دی ساؤتھ ایسٹ انشورنس کمپنی لمیٹڈ
بنکاک۔ تھائی لینڈ

الجواب وباللہ التوفیق

بیمہ کے اندر خواہ زندگی کا بیمہ ہو یا مال وجائداد کا اُس میں جوا (قمار) اور سود (ربوا) کی آمیزش ضروری ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں شریعت اسلامیہ میں حرام وناجائز ہیں۔ ان کے ارتکاب پر بڑی سخت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اسلئے بیمہ ناجائز اور حرام کہا جاتا ہے اور شریعت اسلامیہ نے اس کی اجازت بغیر سخت مجبوری کے نہیں دی ہے۔ سخت مجبوری ہو مثلاً ایک ملازم ہے اس کا یہی ذریعۂ معاش ہے اگر ترک ملازمت کرے تو ذریعہ معاش باقی نہ رہے اور طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائیگا۔ یا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، یا ایک شخص بے روزگار ہے، ملازمت ہی اس کا ذریعۂ معاش ہو سکتا ہے ورنہ سخت ترین مصائب میں مبتلا ہو جائیگا یا مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے ملازمت کا ملنا یا ملازمت کا باقی رہنا اس بیمہ زندگی کے بغیر قانوناً ممنوع یا دشوار ہے تو ایسی مجبوری کی حالت میں بوجہ مجبوری کے مجبوری کی حد تک فقہاء متاخرین نے گنجائش دیدی ہے۔ اسی طرح کسی مقام کے ملکی حالات بدامنی یا شرو فساد کی وجہ سے ایسے خطرناک ہو گئے ہیں کہ جائداد واملاک کی حفاظت بغیر بیمہ کے دشوار ہے تو ان دشواریوں کی مجبوری کی حد تک املاک وجائداد کے بیمہ کی بھی گنجائش فقہاء متاخرین نے دی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ بیمہ میں اپنی جمع شدہ رقم سے زاید جو رقم بیمہ کے عوض میں ملے اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے اس زاید رقم کو مسلم غرباء ومساکین پر صدقہ کردینا ضروری ہوگا۔ اور جان بیمہ (بیمۂ زندگی) میں بدرجۂ مجبوری جو گنجائش ہے اس میں بھی یہ شرط ہے کہ جان بیمہ کرانے والا یہ وصیت کردے کہ میرے مرنے پر ورثہ کو جو زاید رقم ملے اس کو وہ مسلم غرباء پر صدقہ کردیں اور یہ الگ بات ہوگی کہ ورثہ جنکو وہ زاید رقم ملے گی وہ اگر خود غریب یا مصرف زکوۃ ہوں تو مصرف زکوۃ ہونے کی حیثیت سے خود بھی رکھ سکتے ہیں ورنہ ان پر بھی تصدق کردینا لازم رہے گا۔

شرعی حکم صاف صاف اور واضح طور پر لکھ دیا گیا اب صاحب معاملہ وہاں کے حالات کا جائزہ خود کرلیں

گے جب دا اپنے بارے میں فیصلہ کرے۔

فقط واللہ تعالےٰ اعلم

کتبہ الاحقر نظام الدین غفرلہٗ

مفتی دارالعلوم دیوبند

ریڈیو پر ہلال عید کا اعلان

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ شاہی امام جامع مسجد دہلی و فتحپوری دہلی کے امام صاحب نے ریڈیو پر اعلان کیا یا ...... اخبار الجمعیۃ میں اعلان کیا۔ ان کا اعلان سن کر ہم لوگوں نے روزہ قطع کیا اور نماز اگلے روز پڑھی وقت نہ رہنے پر، اب یہ صاف بتائیے کہ اس روزہ کا کیا ہوا کفارہ ہوا یا قضا واجب ہوئی کچھ آدمیوں نے روزہ قطع نہیں کیا اب وہ صحیح پر ہیں یا ہم؟

دہلی کی خبر پر ہمیں عید کرنی چاہیئے یا نہیں؟

پاکستان میں بھی عید ہوئی تھی اس کی خبر سنکر بھی گئی ہمارے لئے پاکستان کی خبر صحیح ہے یا دہلی کی خبر ماننا ہم لوگوں کو کس پر عمل کرنا چاہیئے۔

الجواب وباللہ التوفیق

دہلی کی ہلال کمیٹی نے اگر اعلان بذریعہ ریڈیو کیا تھا، یا بذریعہ اپنے خاص اخبار کے کیا تھا کہ "شرعی ضابطہ کے مطابق چاند ثابت ہو چکا ہے۔ صبح عید کی نماز پڑھی جائے" تو اس اعلان پر عمل کرنا صحیح تھا۔ خواہ ہلال کمیٹی کا یہ اعلان ریڈیو پر ہو یا کسی معتمد اخبار کے ذریعہ ہو۔ اگر ان مذکورہ الفاظ میں نہیں تھا یا سننے والوں کے نزدیک وہ اعلان مصدق نہیں تھا تو ان پر اس اعلان کے مطابق عمل کرنا واجب نہیں تھا۔ لہذا لڑنے جھگڑنے کی ہرگز گنجائش ہے بلکہ اعلان کے انتظام واشاعت کو مکمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ سب کو اس اعلان پر اعتماد و اطمینان ہو جائے۔

اسی مذکورہ الفاظ میں اور مذکورہ بالا توثیق کے ساتھ کہ اعلان جو رویت ہلال کمیٹی اصول شرعی کے ماتحت کر رہی ہو وہ کسی ملک سے آجائے اور عمل کرنے میں مہینہ ۲۸ دن یا ۳۱ دن کا نہ ہو رہا ہو تو عمل کر لینا درست رہیگا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر نظام الدین غفرلہ

مفتی دارالعلوم دیوبند

بعض اشیاء خوردنی کے متعلق اہم سوالات

مکرمی و مخدومی السلام علیکم

ہمارے یہاں ایک مسئلہ زیر بحث ہے براہ کرم رہنمائی فرمائیں

(۱) بعض مقامی مسلمان پکے ہوئے گوشت کے ڈبے اپنی پرچون کی دکان میں فروخت کرتے ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ خنزیر کا گوشت ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دکاندار نے یہ حیلہ اختراع کیا ہے کہ وہ اس مال کو کسب کے لئے نہیں بلکہ میل ملانے کے لئے رکھے گا اور قیمت خرید ہی پر فروخت کر دے گا۔ یہ حیلہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) اگر ڈبہ میں بھیڑ یا گائے کا گوشت ہے تو بھی وہ مسلمان کا ذبیحہ نہیں۔ عرب حضرات اس کو طعام اہل کتاب سمجھکر کھاتے ہیں بعض حضرات اس کی خرید و فروخت تک کو حرام قرار دیتے ہیں کچھ دوسرے اہل علم اس کی حرمت کو حرمت لغیرہ قرار دیکر خرید و فروخت کی حد تک اجازت دیتے ہیں؟

(۳) یہاں خون کا نمک بھی فروخت ہوتا ہے جو شوربے میں کام آتا ہے اگر خنزیر کا خون شامل ہونے کا شبہ نہ ہو تو کیا ہم خون کی حرمت کی وجہ سے اس نمک کو حرام قرار دیں گے؟

(۴) بعض کھانے کی چیزیں جانوروں کی ہڈی سے تیار کی جاتی ہیں۔ اگر یہ یقین ہو کہ اس میں خنزیر کی ہڈی شامل نہیں ہے تو پھر بھی حرام ہونگی؟

نوٹ:۔ ہمارے شہر میں ذبیحہ کے دو طریقے رائج ہیں

(۱) جانور کو بجلی کے جھٹکے سے بیہوش کرتے ہی رگیں کاٹ کر خون بہا دیا جاتا ہے۔

(۲) دماغ میں کارتوس کی گولی مارتے ہی رگیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ خون بہانے کا عمل فوری ہوتا ہے۔ کتنی رگیں کاٹی جاتی ہیں معلوم نہیں۔ ممکن ہے پورا خون بہہ جاتا ہو مگر یقین نہیں

بینوا و توجروا

والسلام

محمد محسن اسلامک سینٹر ۱۲
روسن برگ اسٹریٹ۔ اڈنبرگ۔ اسکاٹ لینڈ

الجواب وباللہ التوفیق

(۱) جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گوشت خنزیر کا ہے یا کسی مردار کا ہے خواہ وہ مردار ماکول اللحم تھا یا غیر ماکول اللحم تو اس کی بیع وشراء بیل ملانے کے لئے بھی حرام و ناجائز ہے۔

(۲) ڈبے میں آیا ہوا گوشت اگر مسلمان کا ذبیحہ اور شرعی ذبیحہ کا گوشت نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ یقین ہے کہ وہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہے جو ذبح کے وقت صرف اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور نہ ہی یہ یقین ہے کہ اس کے گردن کی رگ سے کم از کم تین رگیں کٹ کر سارا خون نکلا ہوا ہے۔ بلکہ اکثری حال یہ ہے کہ موجودہ دور کے اہل کتاب عموماً ان مذہبی قیود سے آزاد ہو چکے ہیں اسلئے ایسے گوشت کے کھانے کے بارے میں احتیاط ہی لازم رہیگی۔ البتہ اس کے بیع و شراء کی گنجائش اس وقت تک رہیگی جب تک کہ اس کے خنزیر کے یا مردار کا گوشت ہونے کا یقین نہ ہو جائے، ہاں اگر طریق ظن غالب یہ علم ہو جائے کہ یہ گوشت ایسے اہل کتاب کے ذبیحہ کا ہے جو بوقت ذبح صرف اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں یا کہ یہودیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے نیز یہ بھی بظن غالب معلوم ہو جائے کہ اس کی گردن کی اکثر رگیں اس ذبح سے کٹ کر اس کا سارا خون نکل چکا ہے تو ایسے ممالک میں جہاں شرعی ذبیحہ میسر نہ آتا ہو اور بغیر گوشت کھائے دشواری ہوتی ہو اس گوشت کے کھا لینے کی گنجائش رہے گی۔

(۳) خون کو نمک کس طرح بناتے ہیں اور اس کی شکل کیا ہوتی ہے۔ آیا اس سے قلب ماہیت بھی ہو جاتی ہے یا نہیں یہ چیز تنقیح طلب ہے۔ جب تک یہ بات منقح نہ ہو جائے کوئی منقح حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ البتہ مطلق خون خواہ ماکول اللحم اور ذبیحہ کا ہو یا مردار و غیر کا سب ناپاک و نجس اور حرام ہوتا ہے اور کسی کا بھی کھانا جائز نہیں رہتا۔

(۴) خنزیر کی ہڈی تو نجس العین اور حرام ہی ہے۔ خنزیر کے علاوہ اور مردار کی خشک ہڈیاں بھی اگرچہ پاک ہوں مگر حلال نہیں ہوتیں اور ان کا کھانا جائز نہیں رہتا کھانا حرام ہی رہتا ہے۔

مردار بجمیع اجزاءہ (مردار) میتہ ہوتا ہے اور میتہ کی حرمت قرآن پاک میں منصوص ہے۔

حرمت علیکم المیتة والدم
ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ (پارہ۶)

فقط ماکول اللحم جانور جو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو صرف اس کی ہڈی پاک ہونے کے ساتھ ساتھ حلال بھی ہوتی ہے اور اس کا کھانا حلال ہو سکتا ہے اس لئے اگر صرف اس سے کھانے کی چیزیں بنائی جائیں گی تو ان کا کھانا جائز رہیگا لیکن جب تک دلائل شرعیہ سے نہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب چیزیں صرف انہیں ہڈیوں سے تیار کی گئی ہیں جن کا کھانا حلال ہے بالخصوص ایسے ممالک میں جہاں حلال و حرام کا عموماً امتیاز ملحوظ نہ رکھا جا سکتا ہو کھانے میں احتیاط ہی لازم رہے گی

(۵) اگر بجلی کے جھٹکے لگنے سے یا کارتوس کی گولی لگنے سے روح فنا نہیں ہوتی اور نہ دم گھٹ کر خون محتبس و منجمد ہو جاتا ہو بلکہ گردن کی رگوں کے کٹنے سے روح پرواز کرتی ہو اور خون سارا کا سارا نکل جاتا ہو اور گردن کی اکثر رگیں کٹ جاتی ہوں اور اس طرح گردن کی رگیں کاٹنے والے مسلمان یا ایسے اہل کتاب ہوتے ہوں جو رگ کاٹنے کے وقت (بوقت ذبح) صرف اللہ کا ہی نام لیتے ہوں تو اگرچہ یہ طریقہ مکروہ اور خلاف سنت اور

خلاف طریق انبیاء ہوگا۔ مگر وہ جانور اگر ماکول اللحم ہے تو اس کا گوشت پاک و حلال رہیگا اور اس کا کھانا درست رہیگا۔

فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر نظام الدین غفرلہ
دارالعلوم دیوبند

بعض متفرق مسائل اور ان کے جوابات

کیا فرماتے ہیں علماء دین متدرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:۔

سوال ۱۔ برطانیہ میں لوگ "شیئر" اور "بونڈ" دلال کمپنیوں سے خریدتے ہیں جس کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے اور لوگ اپنا نفع و نقصان سوچ کر جب چاہیں فروخت کر کے اپنی لاگت نفع و نقصان کے تحت حاصل کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب خریدنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ دلال کمپنیاں ان رقموں سے بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں اور فیکٹریوں میں حصہ لینے کے علاوہ کچھ رقم سود حاصل ہونے والی جگہوں پر بھی لگاتی ہیں۔ تو ایسے "شیئر" وغیرہ کا خریدنا شرعاً کیسا ہے۔ جبکہ شیئر بونڈ خریدنے والے کو براہ راست اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ شیئر بونڈ خریدنے والا تو رقم لگا کر شیئر خریدتا ہے لیکن فروخت کرنے والی دلال کمپنیاں اس رقم سے سود ملنے والی جگہوں پر بھی حصہ لیتی ہیں۔

(۲) زید کے پاس دس ہزار کی رقم ہے اس سے پانچ ہزار کا مکان اپنے رہنے کے لئے خرید کر ۵ ہزار سے کاروبار کر سکتا ہے ایسی صورت میں اگر سود دئے جانے والے قرض سے مکان خریدے اور دس ہزار کی رقم کاروبار میں لگائے تو ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) یہاں بہت سے لوگوں کے سروں پر بال نہیں اس لئے انسانی بالوں کی ٹوپی بنا کر سر پر رکھتے ہیں یا سر کیساتھ پیوست کر کے سلائی کر دیتے ہیں جس سے پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ اصلی بال ہیں یا نقلی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم سردی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں لیکن میرے نزدیک سردی سے بچنے کے لئے ایسا کرنا ضروری نہیں۔ اس صورت میں انسانی بالوں کو اس طرح استعمال کرنا کیسا ہے؟ اگر انسانی بال کے علاوہ مصنوعی جیسے نائیلون یا حیوانی جیسے گھوڑے وغیرہ کے بال سر پر لگائے تو کیا حکم ہے۔؟

(۴) یہاں حلال و حرام میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان کے یہاں سے گوشت لانے کی بجائے یہودی سے لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہودی اہل کتاب ہیں ان کی بات حلال ہونے کے سلسلہ میں زیادہ قابل اعتبار ہوتی ہے اور مسلمان کا اعتبار نہیں تو ایسی صورت میں جبکہ مسلمان کے گوشت کے حلال ہونے کا یقین نہ ہو اور یہودی کے یہاں کا گوشت بالیقین حلال ہو یہودی سے گوشت خریدا جاسکتا ہے یا نہیں؟

فقط والسلام

ابراہیم یوسف باوا (رنگون)
حال مقیم برطانیہ۔

الجواب باللہ التوفیق

(۱) "شیئرز" حصوں کا نام ہے۔ شیئر کا مالک شیئر کے مطابق کمپنی کا حصہ دار و مالک ہوتا ہے اور کمپنی کے سرمایہ اور سامان و اثاثہ وغیرہ سب چیزوں کا حسب شیئر مالک ہوتا ہے۔ سرمایہ اور سامان وغیرہ کی حیثیت اور قیمت کی کمی بیشی کے اعتبار سے شیئر کی حیثیت و قیمت بھی کم و بیش ہوتی رہتی ہے اور شیئر کا خریدنا اور بیچنا ان حصوں کا اور ان حصوں میں داخل شدہ چیزوں کا خریدنا و بیچنا شمار ہوتا ہے اور اس کا جائز ہونا ظاہر ہے۔

بونڈ بھی انہیں حصوں اور شیئرز کے درجہ کی چیز ہوتی ہے اور ان کے عوض میں ان کی خرید و فروخت سے انہیں حصوں کی بیع و شراء ہوتی ہے اور یہ بونڈ سند و حوالہ کے درجہ میں مانے دئے جاتے ہیں اس تاویل سے اس بیع و شراء کا حکم مثل شیئر کے بیع و شراء کے حکم کے ہوگا اور جائز رہے گا۔ دلال کمپنیوں کے دلال اور ان کے نائبین و وکلاء دلال یا دلال کے حکم میں ہونگے اور

بائع ومشتری کے درمیان محض واسطے کے درجہ میں ہوں گے خود اصل مالک شیر یا اس کے اصل بائع ومشتری نہ ہونگے۔ اور جب ان سے اصل مالکان شیرز نے سود حاصل ہونے والے معاملہ میں لگانے کے لئے نہ کہا ہو اور انہوں نے خود ایسا کرلیا ہو تو وہ دلال خود اس معاملے کے ذمہ دار ہونگے اور اس کا مواخذہ اصل مالکان شیرز سے نہ ہوگا اور نہ ان کے مال میں اس معاملہ کی خباثت ہی آویگی جبکہ سود کا پیسہ ان کے پاس نہ آیا ہو۔ البتہ علم ہوجانے کے بعد کہ وہ دلال ایسا بھی کردیتے ہیں ان کو منع کردیا جائے کہ وہ لوگ ان کے شیرز بونڈ کی رقم سود حاصل ہونے والی جگہوں میں نہ لگائیں۔ پھر اس کے بعد بھی وہ لوگ ایسا کردیں تو عنداللہ وہ لوگ خود گنہگار ہونگے اور مالکان شیرز و بونڈ محفوظ و بری رہینگے۔

وھکذا یستفاد من تحقیق صاحب فتاوی الامداد یہ نور اللہ مرقدہ ایضا

(۲) اگر دس ہزار کی رقم سے کم رقم میں کام کرنے میں معیشت میں تنگی و پریشانی ہوتی ہے اور ضروریات پوری نہیں ہو پاتیں اور غیر سودی قرض مکان خریدنے کے لئے نہیں ملتا تو پورے دس ہزار سے بھی کام کرسکتے ہیں اور سودی قرض بھی مکان خریدنے کے لئے لے سکتے ہیں جبکہ رہنے کے لئے مکان نہ ہو یا بغیر ذاتی مکان کے پریشانی ہو۔

(۳) انسانی بال بھی اجزاء انسانی ہی ہیں اور اجزاء انسانی اگرچہ کافر اور غیر مسلم کے ہی ہوں وہ بھی مکرم و محترم ہوتے ہیں اور ان کا استعمال اس کی توہین ہے اور ناجائز ہے

کما اشار الیہ قولہ تعالیٰ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ الآیۃ

اور مراقی الفلاح میں ہے

وجلد الآدمی لحرمتہ صونا لہ لکرامتہ (ای لا یطہر بالدباغ) وان حکم بطہارتہ بہا لا یجوز استعمالہ کسائر اجزاء الآدمی ونحتہ فی الطحطاوی صفہ وجلد الآدمی

ولو کافرا کما فی القہستانی فیطہر ولا یستعمل الخ

اور در مختار میں ہے

فلا یدبغ (ای جلد الانسان) لکرامتہ (الی قولہ حتی لو طحن عظمہ فی دقیق لم یوکل فی الاصح احتراما)

لہذا انسانوں کے بالوں کی ٹوپی بنانا یا ان سے ٹوپی کا کام لینا، یا سر کے ساتھ منسلک کر کے سلائی کرکے اور اصلی بالوں کی طرح بناکر استعمال کرنا خواہ اصلی و نقلی ہونے کا امتیاز ہو یا نہ ہو غرض کسی طرح بھی اس کا استعمال کرنا جائز نہ ہوگا اور مذکورہ عذر معتبر نہ ہوگا۔ ہاں! خنزیر کے علاوہ اور جانوروں کے بالوں کو، یا نائلون اور رون یا مصنوعی بالوں کو سردی سے تحفظ حاصل کرنے کے لئے ٹوپی و لباس کے طور پر جیسے کنٹوپ، پوستین، کمبل وغیرہ استعمال کرسکتے ہیں۔ جائز رہیگا۔ البتہ ان چیزوں کو اسطرح استعمال کرنا کہ وہ سر یا داڑھی وغیرہ کے قدرتی بالوں کی طرح اور غیر متمیز ہوکر نمایاں ہوں، منع ہے

(۴) مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو لیکن مسلمان ہے توحید کا علمبردار ہے جب تک دلیل شرعی سے یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اس نے ایسے طریقہ پر ذبح کیا ہے جس سے ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے یا اللہ کا نام لئے بغیر ہی ذبح کردیا ہے اس وقت تک اس کے ذبیحہ کے مقابلہ میں یہود کے ذبیحہ کا گوشت خریدنا بہتر نہ ہوگا بالخصوص جبکہ جس درجہ آزادی اور مذہب سے لاپرواہی مسلمانوں میں آئی ہوئی ہے اس سے کم یہودیوں میں نہیں آئی ہے بلکہ کچھ سوا ہی آئی ہوئی ہے جو لوگ اس کے خلاف کہتے ہیں یا سوچتے ہیں وہ غلط کہتے و سوچتے ہیں

فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر نظام الدین

مفتی دارالعلوم دیوبند

تبصرۃً وّ ذکریٰ للمؤمنین

از ——— مولانا محمد سعید مسعودی. گاندربل (کشمیر)

کشمیری زبان میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کا ترجمہ حال میں شائع ہوا ہے؛ اور یہ بھی فیض ہے دارالعلوم دیوبند کا، کہ دارالعلوم کے ایک فاضل قدیم مولانا محمد یوسف شاہ صاحب مرحوم میرواعظ کشمیر نے جو علامۃ اجل حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے شاگرد خاص اور حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کے رفیق درس تھے اپنے قیام پاکستان کے زمانہ میں یہ عظیم الشان خدمت انجام دی. اور قرآن کریم کا پورا ترجمہ کشمیری زبان میں فرما دیا، ابھی اس ترجمہ کے ابتدائی دس پارے کشمیر کے قومی رہنما مولانا محمد فاروق صاحب میرواعظ کی سعی بلیغ سے شائع ہو گئے ہیں.

اس ترجمہ پر کشمیر کے مخلص ترین قومی لیڈر مولانا محمد سعید صاحب مسعودی نے ایک مقدمہ تحریر فرمایا ہے مولانا مسعودی کی یہ تحریر ان کی علمی استعداد، تراجم قرآن کی تاریخ پر ان کی واقفیت اور ان کی ژرف نگاہی کا ایک نمونہ ہے. ہمارے پیش نظر مرحوم مولانا محمد یوسف شاہ صاحب کے اسی عظیم الشان کارنامہ کا تعارف کرانا بھی ہے اور اس سلسلہ میں مولانا مسعودی کی اس تحریر کے افادہ کو عام کرنا بھی. اس لئے ہم مولانا کی یہ تحریر یہاں شائع کرتے ہیں.

ہمارے نزدیک نوجوان قومی رہنما مولانا محمد فاروق کشمیری بڑی تحسین و تعریف کے سزاوار ہیں کہ انہوں نے اس قیمتی سرمایہ کو بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا " فجزاہم اللہ احسن الجزاء"

سید محمد ازہر شاہ قیصر

قرآن مجید بنی نوع انس و جن کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کا آخری پیغام اور ہدایت نامہ ہے جس کی تبلیغ کیلئے اس حکیم و خبیر نے اپنے محبوب ترین رسول سید الانبیاء و خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو مامور فرمایا. آں حضور نے اس مقصد عظیم کی تکمیل کے لئے اپنے اصحاب کرام کو تربیت دے کر اپنی وفات سے قبل ہی ایسے کامل و برگزیدہ اشخاص پر مشتمل ایک شاندار جماعت تیار کرلی جو اپنے علم و یقین اور اپنے جوشِ عمل اور استقلال کے لحاظ سے اور باہمی محبت و رفاقت اور ربط و ضبط اور ایثار و قربانی کے لحاظ سے ساری دنیا کے لئے بے مثال نمونہ تھے رضی اللہ عنہم اجمعین. صحابہ کرام کے بعد

ان کے شاگرد، تابعین اور تبع تابعین آئے جنہوں نے قرآن پاک کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اس کتاب مبین کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچا کر دم لیا۔ ان کی پیروی کرتے ہوئے ہر صدی میں محدثین و مفسرین و مجتہدین و فقہاء اور متصوفین فوج در فوج میدان میں اترے اور انہوں نے کتاب اللہ کی تشریح و تائید میں قسم قسم علوم کے انبار لگا دیئے۔ تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے بعد اشاعت اسلام کا دائرہ جوں جوں وسیع ہوتا گیا اور عربی بولنے والے اور ان کے براہ راست زیر اثر لوگوں سے گذر کر جب وہ لوگ آغوش اسلام میں آنے لگے جن کی علاقائی زبانیں عربی سے قطعاً مختلف تھیں تو قرآن پاک کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ مگر چند سو سال تک ترجمہ کا یہ دستور رہا کہ قرآن پاک کے متن اور اس کی تحریری تفسیر و تشریح کے لئے عربی زبان ہی مخصوص رکھی گئی اور مخاطبین کی غیر عربی زبان کو زبانی افہام و تفہیم کے طور پر استعمال کیا گیا۔ حدود عرب کے باہر افریقہ، ترکستان، ایران افغانستان، ہندوستان، ملایا، انڈونیشیا اور چین وغیرہ دور دراز ملکوں میں یہی طریق کار، نویں اور دسویں صدی ہجری تک جاری رہا حتیٰ کہ فارسی زبان جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت سے سرکاری دفاتر میں حساب و کتاب کے لئے استعمال ہونے لگی تھی اور اہل فارس میں سے علماء اسلام کی کثرت تعداد کے باعث یہ زبان تیسری صدی ہجری سے ہی مسلم ممالک میں عربی کے بعد دوسری اسلامی زبان کا درجہ حاصل کرتی جا رہی تھی، اور جس میں تاریخ اور نظم و نثر اور ادبیات کی پیداوار تیز رفتاری سے ترقی کرتی جا رہی تھی اس میں بھی تفسیر و ترجمۂ قرآن مجید کی صورت میں ملا حسین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی کو مستثنیٰ کر کے باقی کسی اہم تحریر نے شہرت حاصل نہیں کی۔ درحقیقت غیر عربی زبانوں میں ترجمہ و تفسیر کے پھیلاؤ کو اللہ تعالیٰ نے بارہویں، تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری کے لئے مقدر کر رکھا تھا اور اس کام کو پورے اہتمام سے فروغ کرنے کی سعادت ازل سے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ قطب الدین ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی اولاد امجاد اور آپ کے فیض یافتگان و متبعین کے لئے مخصوص کر رکھی تھی چنانچہ بہت سے ظاہر بین علماء کی مخالفت کے باوجود حضرت شاہ ولی اللہ رح نے قرآن پاک کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا اور فتح الرحمان کے نام سے اس پر حواشی لکھے اور آپ کے بڑے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فارسی زبان میں تفسیر "فتح العزیز" لکھنی شروع کی تھی اور دوسرے دو فرزندوں نے ایک قدم اور آگے کی طرف بڑھایا، حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اردو زبان میں تحت اللفظ ترجمہ کرنے کے علاوہ تفسیر "موضح القرآن" مرتب کی اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے بامحاورہ اردو میں ترجمہ تحریر کیا۔ اُن کے بعد چونکہ پریس ہو چکا تھا اور ہر نئے کام کو پھیلانے اور عوام تک پہنچانے کی سہولتوں نے کام کرنے والوں کی ہمت اور شوق کو بڑھانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی اس لئے ہندوستان میں قرآن شریف کے اردو تراجم اور تفاسیر کا سیلاب اُمنڈ آیا اور پھر رفتہ رفتہ دنیا کی تمام مشہور زبانوں میں ترجمے ہونے لگے۔ اسی زمانے میں چونکہ مشرقی ممالک پر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے سیاسی تسلط سے ان دو قوموں کی زبانیں دانش گاہوں کی علمی زبانیں بن چکی تھیں اسلئے ہندوستان اور مصر کے علماء نے ان دو زبانوں میں بھی قرآن شریف کے تراجم و تفاسیر پر توجہ کی۔ اکیلے ہندوستان میں ہی مرتب شدہ انگریزی زبان کے آٹھ، نو ترجموں نے علمی حلقوں میں شہرت حاصل کی اس کے بعد ہندوستان میں ایک اور قدم اٹھایا گیا اور اُردو کے علاوہ دیگر بڑی بڑی صوبائی زبانوں، ہندی، بنگالی، پنجابی، گجراتی، مراٹھی، پشتو تامل، تیلگو اور ملیالم وغیرہ میں بھی کہیں قرآن پاک کے بعض حصوں کے اور کہیں پورے قرآن شریف کے ترجمے کئے گئے اور یہ سلسلہ اب بھی بشد و مد جاری ہے اور ہر زبان میں کئی کئی ترجمے مختلف نوعیت کے لکھے جا رہے ہیں۔

ایک کشمیری زبان ہے جو اس ساری مدت میں، بدقسمتی کا شکار رہی اور اس میں قرآن پاک کا کوئی مکمل ترجمہ نہ ہو پایا جس کی بظاہر یہ وجہیں قیاس میں آسکتی ہیں کہ:-

(۱) کشمیر میں ہمیشہ سے پڑھے لکھے لوگوں کو بہت زیادہ لگاؤ فارسی زبان کے ساتھ رہا جب سے اسلام نے کشمیر میں قدم رکھا فارسی زبان ہی یہاں کی علمی، سرکاری اور دفتری زبان رہی۔ یہ سلسلہ کشمیریوں، چکوں، مغلوں، اور پٹھانوں سے گذر کر سکھوں اور ڈوگروں کے زمانہ ہائے حکمرانی تک جاری رہا اور آخری مہاراجوں کے وقت فارسی زبان کا چارج اردو زبان نے سنبھال لیا جو اب تک سنبھالے ہوئے ہے ان دو زبانوں کی شیرینی وسعت اور سہولت نے اور ان میں خاص کر اردو زبان میں عمدہ سے عمدہ اور تفسیم قرآنی تراجم کی موجودگی نے کشمیری زبان میں قرآن شریف کے ترجمہ کی ضرورت کو ہلکا کر دیا اور وہ جو کہتے ہیں کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" جب ماں نہ ہو تو بچہ کہاں

(۲) قرآن پاک کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا تقاضا یہی ہے کہ جس زبان میں اس کا ترجمہ کیا جائے اس کا ایک معیاری ادب عالم وجود میں آچکا ہو کشمیری زبان کی نظم کے ذخیرہ میں تو معیاری ادبیات کی کمی نہیں البتہ جہاں تک نثر کا تعلق ہے اور جو قرآن شریف کے ترجمہ میں استعمال ہو سکتی ہے اس کے بارے میں ابھی بہت سے مرحلے ہیں جو طے ہونے باقی ہیں۔

(۳) قرآن شریف کا ترجمہ کرنے والے کے لئے عربی ادبیات اور دین اسلام کے تاریخی پس منظر اور قرآن و سنت نبوی سے گہری واقفیت اور علوم تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ میں کامل مہارت کی اشد ضرورت ہے۔ کشمیر میں جو لوگ اس معیار پہ پورے اترتے تھے وہ عربی فارسی میں لکھنے پڑھنے میں اس قدر منہمک ہو جاتے تھے کہ کشمیری زبان میں کوئی علمی کام کرنے کی ان کو زندگی بھر فرصت نہیں ملتی تھی اور جو لوگ معیار کے لحاظ سے کم وزن تھے وہ اگر لکھتے بھی تو قدر دان کہاں سے لاتے اور ان کے کام کو قبولیت کب نصیب ہوتی۔ اس صورت حال کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاطینی، جرمنی اور جاپانی زبانیں جن کے بولنے والوں میں شاید ایک فیصد بھی مسلمان نہیں۔ ان زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمے کبھی کے تیار ہو کر چھپ چکے ہیں لیکن کشمیری زبان جس کے بولنے والی آبادی کے ہر سو میں سے پچانوے مسلمان ہیں اس کا دامن اس دولت سے آج تک خالی رہا لیکن بایں ہمہ مبلغ علماء نے کشمیری زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کر ڈالنے کی ضرورت کو آج سے قریباً ایک سو سال پہلے محسوس کر لیا تھا۔ دہلی کے شاہ ولی اللّٰہی خاندان سے کشمیر کے جن خاندانوں کا علمی اور روحانی ربط قائم تھا وہ قرآن مجید کے اردو تراجم کی طرح کشمیری زبان میں کلام الٰہی کے تراجم پر کمربستہ ہو گئے تھے، چنانچہ کشمیر کے میرواعظ خاندان کے ذہین و فطین اور دور اندیش وخیر اندیش لنگر جہاں مرگ عالم حضرت میرواعظ مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۰۵ھ میں پارۂ عم تیسا رہ دون کا ترجمہ کشمیری زبان میں لکھ کر شائع کیا تھا جو غالباً بلحاظ مشق اور آزمائش کے قدم اول تھا جس کا لازمی نتیجہ مکمل ترجمہ کی اشاعت پر منتج ہوتا لیکن مہلت حیات باقی نہ تھی۔ آپ ۱۳۰۸ھ میں زیارت حرمین سے واپس آکر وفات پا گئے۔ میرواعظ مولانا محمد یحییٰ کے فرزندوں میں مولانا رسول شاہ صاحبؒ اور مولانا احمد اللہ صاحبؒ یکے بعد دیگرے بڑے معرکے کے میرواعظ رہے جنہوں نے اپنے وقت میں تبلیغی اور تعلیمی سرگرمیوں سے اسلام اور اہل اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دیں لیکن مولانا محمد یحییٰ کے قلم میں جو زور تھا وہ ان کے جانشینوں کے حصے میں نہیں آیا تھا اس لئے قرآن پاک کے ترجمہ بزبان کشمیری کی تکمیل ملتوی ہوتی گئی بالآخر [illegible] میں مولانا عتیق اللہ صاحب مرحوم میرواعظ بنے اور آپ گوشہ نشینی اور اذکار و اوراد میں انہماک کے باعث نور اسلام مولانا میرواعظ محمد یوسف شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میرواعظی کو پُر کیا مولانا محمد یوسف شاہ صاحب دیوبند کے دارالعلوم کی اعلیٰ ترین تعلیمی سندات کے مالک تھے اور حدیث و تفسیر

میں آپ نے حضرت شیخ الحدیث علامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے تھے اور عربی ادبیات اور فقہ میں مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم سے فیض حاصل کیا تھا۔ کشمیری زبان کو قرآن مجید کے صحیح ترین اور مستند ترجمہ وتفسیر کی دولت عطا کرنے کے لئے آپ موزوں ترین شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن چونکہ آپ ۱۹۳۱ء کی سیاسی تحریک کے بانیوں میں سے تھے اور مابعد کے برسوں میں سیاسی اختلافات کے جھمیلوں میں کچھ اس طرح الجھ کر رہ گئے تھے کہ ترجمہ قرآن کا یکسوئی چاہنے والا مشکل اور سنجیدہ کام اس دور میں نہ ہو سکتا تھا اور نہ ہوا آخر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا فیصلہ یوں ظہور پذیر ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں کشمیر کو جو حالات پیش آئے وہ مولانا کی ہجرت کا موجب بن گئے اور آپ نے زندگی کے بقیہ ایام غریب الوطنی کی حالت میں گزارے اسی زمانہ میں آپ نے قرآن شریف کا کشمیری زبان میں تشریح آمیز ترجمہ کئی سال کی محنت اور عرق ریزی سے مکمل کر لیا مگر آپ کے مقام ہجرت یعنی راولپنڈی میں کشمیری زبان کی کتابت وطباعت کی سہولتیں مفقود تھیں اس لئے وہاں اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی البتہ آپ کے فرزند ارجمند مولوی محمد احمد صاحب نے آزاد کشمیر ریڈیو کے کشمیری پروگرام میں مولانا کا ترجمہ اور تفسیر نشر کرنا شروع کیا اور اس طرح کشمیری زبان کی نشریات سے دلچسپی رکھنے والے عوام اس خزانۂ غیب سے آشنا ہوئے اور اس کا فائدہ حاصل کرتے لگے۔

مولانا موصوف آس لگائے بیٹھے تھے کہ ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کا سوال کبھی نہ کبھی اس مسئلہ کے متعلقین کی باہمی افہام وتفہیم سے حل ہو جائے گا اور آپ دوسرے مہاجرین وبچھڑے ہوؤں کی معیت جب وطن عزیز کی طرف مراجعت فرما ہوں گے تو اہل وطن کو قرآن شریف کے کشمیری ترجمہ وتفسیر کی صورت میں ایک گراں قدر اور دائما زندہ رہنے والا تحفہ لا کر دیں گے لیکن ازل میں مشیت الٰہی کا جو فیصلہ صادر ہو چکا تھا وہ مختلف تھا

چنانچہ آپ ۱۶ رمضان ۱۳۸۸ھ کا روزہ افطار کرنے کے ساتھ ہی راولپنڈی میں جان عزیز کی امانت اپنے خالق کو سونپ کر راہی ملک بقا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے اقرباء معتقدین اور آپ کے علم وعمل کے مداح اور متوسلین جہاں آپ کی دائمی جدائی پر اشکبار ہوئے وہاں آپ کے اس ترجمہ وتفسیر کے تلف ہو جانے کی فکر بھی انہیں سوہان روح بن کر ستانے لگی لیکن خدا جزائے خیر دارین عطا کرے مولانا محمد یوسف شاہ صاحبؒ کے جانشین جناب میرواعظ کشمیر مولانا محمد فاروق صاحب کو جن کی کوششوں سے ہدایت خلق اللہ کا یہ سرچشمہ اپنے اصلی اور موزوں مقام (وادی کشمیر) تک پہونچ گیا اور اللہ پاک برکتیں نازل کرے انجمن نصرۃ الاسلام پر جس کے صیغہ نشر واشاعت کے اہتمام سے اس کی ضخیم وعظیم مجلدات اب زیور طبع سے آراستہ ہو کر نظر نواز خلق اللہ ہونے والی ہیں۔

جہاں تک ترجمہ وتفسیر کی خصوصیات کا تعلق ہے مجھ ان کے بارے میں زیادہ وضاحت میں جانے کی صلاحیت بھی نہیں اور چنداں ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی مولانا محمد یوسف شاہ صاحب کے ساتھ اگر کسی نے کبھی سیاسی طریق کار کے بارے میں اختلاف کیا ہو تو کیا ہو لیکن ایک مخلص مبلغ اسلام، جید عالم دین اور ایک متقی وپرہیزگار اور محتاط و باخبر دینی پیشوا کی حیثیت میں آپ کا بلند مرتبہ موافق ومخالف سب کے ہاں یکساں مسلم رہا ہے آپ فقہ میں جمہور مجتہدین اسلام کے متبع تھے اور مسلک امام اعظم ابو حنیفہ رحہ پر گامزن تھے اور قرآن وحدیث کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح اور ان کے متبعین علمائے دیوبند کے طرز عمل پر کاربند ہونے کی وجہ سے جدت پسندوں کی تاویلات باطلہ سے مجتنب رہتے تھے اور تفسیر کے معاملہ میں سلف صالحین کے مرتب کردہ اصول وقواعد کے پابند تھے اس لئے آپ نے جس علمی دیانت کے ساتھ اس ترجمہ وتفسیر کو معرض تحریر میں لائے ہیں اس پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہی زبان وادب

(باقی صفحہ ۱۱ پر دیکھئے)

لطائف علمیہ

★ ——— از حضرت اقدس قاسم ثانی مولانا سید احمد حسن صاحب قدس سرہ محدث امروہی

حضرت اقدس محدث امروہی حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے تلمیذ خاص اور چہیتے شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے ایماء واشارہ سے امروہہ کی جامع مسجد میں مدرسہ قائم ہوا اور آخر میں حضرت امروہی رحمۃ اللہ علیہ کو درس کیلئے بحیثیت صدرالمدرسین کے بلائے گئے اور عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت ممدوح نے حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں گذارا اور مدرسہ ہی کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت ممدوح کے افادات کا ایک حصہ جو قاسمی رنگ سے معمور ہے بنام "افادات احمدیہ" شائع ہو چکا ہے۔ مضمون زیر نظر حضرت ہی کے افادات وکلمات ہیں جو مختلف علمی حقائق اور تفسیرات قرآنیہ وحدیث وفقہ پر مشتمل ہیں اسلئے انہیں افادات احمدیہ کا دوسرا حصہ شمار کرنا چاہیئے۔

حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ ان چیدہ اور برگزیدہ علماء میں سے تھے جن پر امت کو ہمیشہ ناز رہے گا حضرت ممدوح علمی قوت، طبعی ذہانت وذکاوت، حسن صورت وسیرۃ میں ممتاز اور قاسمی علوم کا نقش ثانی تھے، خصائل وکمالاتِ ظاہری وباطنی میں ایک خاص امتیازی مقام رکھتے تھے۔ علوم حدیث وتفسیر کی تکمیل حضرت نانوتویؒ سے کی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ اور مولانا ممدوح ساتھ ہی ساتھ نانوتہ میں مقیم رہ کر فیوض وکمالات کی تکمیل میں مصروف رہے۔ حضرت نانوتویؒ کا یہ مقولہ اُن کی سیرۃ کا ضامن ہے کہ "محمود حسن میرا عاشق ہے اور احمد حسن کا میں عاشق ہوں" جس پر حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ "بھائی احمد حسن تم اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی مجھے دیدو تو میں انہیں متعلقہ مقولہ کو تمہارے متعلقہ مقولہ سے بدلنے کے لئے تیار نہیں ہوں"

آپ نے حضرت نانوتویؒ سے علوم کتاب وسنت کی تکمیل کی، اور فیوض باطنیہ کی حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ قدس سرہ سے تکمیل کر کے خلافت حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ جو شخصیت ان دو اساطین امت سے مستفید ہو اوس کے علوم ظاہری وباطنی کا اندازہ کرلیا جائے کہ کس درجہ اور مرتبہ کے ہونگے اور خود اُس شخصیت کا ظاہری وباطنی مقام کیا ہوگا؟

آج دنیا میں وہ موجود نہیں مگر اُن کے کمالات کا نور بدستور عالم کو جگمگائے ہوئے ہے جس کا ذریعہ ان کے ملفوظات اور مضامین ہی ہو سکتے ہیں جس سے وہ روشنی آج کے قلوب کو بھی منور کر سکتی ہے۔

ہم اس وقت نہایت دلی مسرت کے ساتھ حضرت ممدوح کے چند علمی لطائف جو ابھی تک طبع شدہ نہیں ہیں قسط وار شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں جو ہمیں حضرت ممدوح کے صاحبزادہ مولانا سید محمد صاحب رضوی سے بذریعہ حضرت الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ موصول ہوئے ہیں جن میں حقائق قرآنیہ حقائق حدیثیہ اور حقائق فقہیہ کو بہت سادہ مگر علمی دقائق سے بھرپور الفاظ میں حضرت نے مختلف سائلوں کے سوالات کے جواب میں ارقام فرمایا ہے۔ امید ہے کہ یہ علوم و کمالات کی فہرست میں اک نیا اور قابل قدر اضافہ ہوگا۔ امید ہے کہ کسی وقت افادات احمدیہ کے یہ دونوں حصے یکجا کر کے کتابی صورت میں بھی شائع کئے جا سکیں گے۔

(سید ازہر شاہ قیصر)

امت پر عذاب عام کا مسئلہ

تقریر مختصر آیت شریفہ: وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم وما کان اللہ معذبہم وھم یستغفرون

بظاہر آیت شریفہ پر شبہ واقع ہوتا ہے کہ بمقتضائے قاعدۂ عربیہ یوں فرماتے ماکان اللہ معذبہم وانت فیہم وماکان اللہ لیعذبہم وھم یستغفرون

یعنی قاعدہ عربیہ یہ ہے کہ جملہ فعلیہ کے ساتھ جملہ فعلیہ ذکر کرنا اور جملہ اسمیہ کے ساتھ جملہ اسمیہ ذکر کرنا مستحسن ہے پھر کیا وجہ ہے کہ خداوند پاک عزاسمہ نے جملہ فعلیہ کے ساتھ جملہ اسمیہ اور جملہ اسمیہ کے ساتھ جملہ فعلیہ ذکر فرمایا۔

دراصل اس پیرایہ کے اختیار فرمانے میں ایک بڑی حکمت غامضہ کی طرف اشارہ ہے اور عجیب نکتہ ہے

وہ یہ ہے کہ جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا اولاً جملہ اسمیہ کے ساتھ جملہ فعلیہ ذکر فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ جب تک وجود محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت و مستقر دنیا میں ہے انکو عذاب دائمی تو کیا معنی وقتاً فوقتاً بھی عذاب نہیں دینگے اور دوسرے جملہ میں جو جملہ فعلیہ کے ساتھ جملہ اسمیہ بیان فرمایا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ جب تک وہ استغفار کئے جائیں گے ہم دوامی طور پر ان کو عذاب نہ دینگے

تشریح آیت شریفہ

تقریر مختصر آیت کریمہ: سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الخ

خداوند کریم جل وعلا اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی،

اس آیت سے معراج محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، اور علو مرتبہ حضورؐ کا اور شان محبوبیت کا اظہار بیان کرنا مقصود ہے واقعہ معراج میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مرتبہ ملا اور وہ قرب باری تعالیٰ عزاسمہ حاصل ہوا اور وہ راز و نیاز کی خداوند عالم سے باتیں ہوئیں کہ انبیاء سابقین اور جملہ خلائق میں نہ کسی کو یہ مرتبہ حاصل ہوا اور نہ ہو، جن کی مختصر تعریف یہ ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

چونکہ اس معراج میں ایسے ایسے امور عظام وقوع میں آئے جنکے محال اور غیر ممکن ہونے پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے یعنی آسمان کا پھٹ جانا اور خرق والتیام کا ہونا جو عند الحکماء از جملہ مستحیلات ہے، نیز جسم خاکی کا حیز اصلی تحت ہے نہ کہ فوق اس کا حیز اصلی اور میل کلی کو چھوڑ کر جانب فوق جانا یہ بھی

اور جملہ محال ہے ایسے ایسے امور بعید از عقل کا وقوع میں آنا تو مقتضی اس امر کا تھا کہ اس موقعہ پر اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرماتے اور ایسے الفاظ اختیار فرماتے جو خداوند عالم کی اعلیٰ درجہ کی عظمت اعلیٰ درجہ کی قوت پر دال ہوتے یعنی مثلاً یوں فرماتے "القادر الذی اسریٰ بعبدہ" یا جو الفاظ اس کی عظمت کے مناسب ہوتے وہ بیان فرماتے "سبحان" بیان فرمانے کا کیا موقع تھا، کون یہاں ایسا عیب ہے جس کی پاکی بیان فرمائی جاتی ہے۔

صاحبو! اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ وقت معراج وہ وقت ہے کہ خداوند عالم اپنے محبوب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلاتا ہے اور حضور کی محبوبیت اور اپنی عاشقیت کا اظہار کرنا مقصود ہے تو کیا عجب ہے کہ کوئی واہم اس حالت کو دیکھ کر یوں خیال کر بیٹھے کہ خداوند پاک نہایت بے چین اور سوز و گداز میں بیتاب ہو کر اپنے محبوب کو بلاتا ہے۔ حاشا یہ وجہ نہیں! وہاں بے چینی کیسی، وہاں سوز و گداز کیسا، سوز و گداز اس کو ہو جو عاشق وصال محبوب پر قادر نہ ہو۔ خداوند عالم کو آپ سے تو ہر طرح بلکہ اس درجہ قرب ہے کہ رگ گردن سے زیادہ، خود ارشاد فرماتے ہیں "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" پھر اس کو مفارقت کیسی اور اس کو بے چینی اور سوز و گداز کیسا، لہٰذا اس واہمہ کو دفع کرنے کے واسطے ارشاد فرمایا "سبحان الذی" یعنی وہ ذات ایسے واہمہ اور خیالات باطلہ سے پاک اور ایسے نقصانات سے بالکل برتر ہے۔

نیز یہ بھی شبہ ہوتا ہے آیت شریفہ میں واقع ہوا ہے کہ جب اس آیت سے مقصود محبوبیت کا اظہار مقصود ہے تو ایسے الفاظ بیان کرتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت پر دال ہوتے یعنی خداوند عالم یوں فرماتے کہ "سبحان الذی اسری بمحبوبہ" یا "بمطلوبہ" پھر کیا وجہ کہ ان الفاظ کو چھوڑ کر لفظ "عبد" کو اختیار فرمایا، سو

صاحبو! جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم کی ایسی قدر فرمائی کہ اپنے پاس بلایا اور وہ علاقہ خصوصیت برتا کہ نہ کسی نبی سے ایسا برتاؤ ہوا نہ ہوگا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کا آپ کو مظہر ٹھہرایا تو کیا عجب ہے کہ کوئی آپ کے ایسے کمالات کو دیکھ کر خدا یا خدا کا بیٹا سمجھے اور اس کی ذات و صفات میں آپ کو شریک ٹھہرا دے، جیسے نصاریٰ نے کمالات عیسوی کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا لہٰذا خداوند کریم پہلے سے اس واہمہ کو دفع فرماتے ہیں کہ دیکھو ان کمالات محمدی اور آپ کے اس عروج کو دیکھ کر کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا شریک ٹھہرا لیں وہ تو خدا کے بندے ہیں اور غلام ہیں، نہ خدا کے شریک اور ساجھی، دوسرے اس لفظ کے اختیار فرمانے میں نیک اشارہ ہے اسطرف کہ جو کچھ یہ کمالات حضور کو حاصل ہوئے بندہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئے، جو مقام بندگی میں کامل ہوگا وہی خداوند عالم کے ہاں بلند مرتبہ پر فائز ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآۃ خلف الامام

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حنفی المذہب امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہے اور آمین بالجہر و رفع یدین نہیں کرتا، اور جب منع کیا جاتا ہے کہ قرأۃ خلف الامام منع ہے، تو کہتا ہے کہ کوئی حدیث مرفوع منع کرنے کے بارے میں آئی ہے تو دکھلا دو! یا یہ کہ الحمد امام کے پیچھے پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اور گنہگار ہوتا ہے تو الحمد پڑھنی چھوڑ دونگا! اگر کوئی حدیث مرفوع آئی ہو تو مع حوالہ کتاب مطلع کرو۔

الجواب

آیت شریفہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون جس کا حاصل یہ کہ قرآن پاک کے پڑھتے وقت آداب قرآن یہ ہے کہ خاموش ہو کر اسکو سنو

اگر یوں آخار یا بجالاؤ گے تم پر رحم کیا جائے گا۔ یہ آیت صاف طور پر اس بارہ میں (صراحۃ النص) ہے کہ بحالت قراءۃ قرآن پاک ہم مامور بالسکوت ہیں، سورہ فاتحہ ہو یا کچھ اور کچھ نہ پڑھا جائے اب فرمایئے ہوتے ہوئے اس آیت کے "نفی اگر قراۃ فاتحہ خلف الامام سے منع فرمادیں تو کیا خطا" اور بمقابلہ آیت اس حدیث (لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب) کو جو نمبر واحد ہے اور ظنی الثبوت اگر ناکافی سمجھیں تو کیا بیجا۔ انصاف یہ کہ بمقابلہ آیت، وہ اگر دوسری آیت جو دربارہ جواز قراۃ خلف الامام ہے، مطالبہ کریں بجا ہے، اس پر لطف کہ دوسری حدیث جس کے رجال سند معتبر ہیں۔ یوں وارد ہے من کان وراء الامام فقراءۃ الامام قرأۃ لہ جس سے مضمون آیت کی کھلی تائید ہوتی ہے، اب حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب فی حق المنفرد ہے یا فی حق الامام اور آیۃ مذکورہ اور حدیث ثانیہ فی حق المقتدی۔ ہذا ہو مذہب امامنا الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ، وعلیٰ ہذا المذہب، حدیث وآیۃ میں کوئی تعارض نہیں اور دونوں پر عمل، بخلاف مذہب غیر کے کہ اگر حدیث پر عمل ہے تو حدیث ثانی اور آیت پر ترک عمل لازم،

"واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم"

دربارۂ فاتحہ وغیرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:-

روحوں کا اپنے گھر شب جمعہ و شب برأت وغیرہ کو آنا اور بددعا کرنا عدم تصدق پر اپنے اہل عیال اور اولاد کو، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں اس پر عقیدہ کرنا کہ روحیں آتی ہیں کیسا ہے اور جو روحوں کے آنے کو درست نہ جانے وہ شخص متبع سنت ہے یا نہیں، وہ تیجہ دسواں وغیرہ جائز ہے یا نہیں اور مزارات پر چراغ جلانا ورچادر و طعام و مالیدہ و شیرینی وغیرہ چڑھانا درست ہے یا نہیں اور طواف بھی کرنا اور فاتحہ مروجہ فی زمانا درست ہے یا نہیں، انہیں وہابی کہنا انکو برا کہنا اور فاتحہ جمعرات سنت کہنا کیسا ہے یا نہیں، نکاح ثانی کو عیب جاننا اور کرنے والے کو ملامت کرنا، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، اور ستید مرتکب گناہ کبیرہ، اور نور باف عالم باسنۃ کس کے عقب نماز درست ہے اور جو شخص صورت مذکورہ کی نسبت معتقد ہو اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب

مسائل مستفسرہ آپ کے اکثر وہ ہیں جنکو علمائے کبار طے کر چکے ہیں، تازہ جواب کی کیا ضرورت ہے مگر تعمیل حکم کرنی ضرور، مجملاً جواب لکھتا ہوں تفصیل سابقین کے کلام سے دریافت کر لیجئے، استاذ الآفاق حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کی دو کتابیں ایک اربعین مسائل اور دوسری مائۃ مسائل، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب "ماثبت بالسنۃ" انمیں اکثر اسی قسم کے مسائل تفصیل سے مذکور ہیں دیکھ لیجئے۔ خلاصہ یہ کہ نہ روحوں کا آنا شب جمعہ و شب برأۃ کو حجت شرعیہ سے ثابت، نہ تیجہ، دسواں وغیرہ درست، نہ کھانے پر فاتحہ و درود پڑھنا لازم نہ مقابر پر چراغ وغیرہ جلانا، نہ انکا طواف کرنا درست جملہ از جملہ بدعات ہیں اور منجملہ منکرات، ایصال ثواب سے انکار نہیں مگر شریعت نے اسکو مطلق رکھا ہے کسی وقت یا کسی زمانہ یا کسی ہیئت خاصہ کی اس میں قید نہیں اپنی طرف سے قید کا اس میں داخل کرنا اور مطلق شرعی کا مقید کرنا بیشک بدعت ہے اور احداث فی الدین ہے اور شرعاً نامقبول "من احدث فی امرنا ھذا مالیس فیہ فھو رد" کھانے کا ثواب جدا ہے اور الحمد شریف وغیرہ پڑھنے کا جدا، نہ یہ اس پر موقوف ہے نہ وہ اس پر موقوف اتفاقاً و احیاناً نہ لزوماً کھانے کے ساتھ الحمد شریف یا کچھ اور سورۃ وغیرہ اگر پڑھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں مگر چونکہ عوام عقیدۃً الحمد خوانی کو ضرور جانتے ہیں اور بغیر اس کے ایصال ثواب کو ناممکن سمجھتے ہیں لہذا ممانعت لازم اور ترک اس کا بمصلحت دین ضرور، جو شخص ان بدعات و رسومات کا قائل ہے اور انکو داخل دین سمجھتا ہے اور تارک پر ملامت کرتا ہے وہ بیشک بدعتی ہے اور تارک سنۃ، نکاح ثانی کو عیب جاننا سخت درجہ مذموم ہے اندیشہ ہے ایمان ہاتھ سے جائے

باقی صفحہ ۲۶ پر دیکھئے

مکاتیب حجاز

الحاج السید محبوب صاحب رضوی

سید صاحب کے "مکاتیب حجاز" رسالہ دارالعلوم میں شائع ہوکر مقبول ہوئے وہ سب خطوط نئی ترتیب کے ساتھ کتابی شکل میں بھی چھپ گئے ہیں۔ اس سفر میں سید صاحب نے کچھ خطوط اپنے گھر اپنی لڑکی کوثر نکہت کو بھی لکھے تھے، ان خطوط میں بھی اکثر کارآمد باتیں آگئی ہیں جن سے ہر مسلمان کے علم اور معلومات میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اسلئے ہم یہ خطوط بھی نذر قارئین کر رہے ہیں۔

کرلا، بمبئی

۸ر نومبر ۱۹۷۲ء

عزیزہ کوثر نکہت سلمہا، دلی دعائیں!

ہم دہلی سے ۵ نومبر کی صبح کو فرنٹیر میل سے روانہ ہوئے تھے ٹرین جوں جوں آگے بڑھتی سردی کم ہوتی گئی، ہمارا یہ سفر شمال سے جنوب کی سمت میں تھا شمالی ہند کے مقابلہ میں جنوبی ہند میں سردی کم ہوتی ہے، بمبئی میں آج کل ایسا موسم ہے جیسا ہمارے یہاں ماہ اکتوبر میں ہوتا ہے، ٹرین کا آخری اسٹیشن بمبئی وہاں عزیزی محمد اسلام سلمہ اپنی خالہ جان کے خیر مقدم کے لئے موجود تھے ان کا بڑا اصرار تھا کہ ہم دادر پر اتر جائیں مگر سفل میں فارم بی داخل کرنا تھا اسلئے وہاں اتر جانا مناسب نہیں تھا سیدھے بمبئی چلے گئے

بمبئی کے ریلوے اسٹیشن پر حج کمیٹی، انجمن خدام النبی اور تبلیغی جماعت کے افراد عازمین حج کو سہولت بہم پہنچانے کے لئے موجود رہتے ہیں تبلیغی جماعت کے لوگ وضو کے لئے پانی اور جانمازیں لئے ہوئے رہتے ہیں، حج کمیٹی نے سرکاری طور پر قلی اور سواری کی اجرت مقرر کر رکھی ہے، اس لئے بڑی آسانی رہتی ہے اور عازمین حج سے کوئی شخص زیادہ اجرت وصول نہیں کرسکتا

جس طرح حج کے لئے معلم کا انتخاب پہلے سے کرلینا چاہئے اسی طرح یہ بھی بہت ضروری ہے کہ بمبئی میں جہاز کے لئے قلی کا انتخاب بھی پہلے سے کرلیا جائے جہاز کے قلی ریلوے اسٹیشن ہی گھیر لیتے ہیں اور آدمی اُن کے ہجوم میں گھر کر "شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا" کا مصداق بن جاتا ہے، عجلت اور ناواقفیت میں قلی کا انتخاب بسا اوقات بعد میں بہت ہی پریشان کن بن جاتا ہے میں نے تو اپنے لئے دیوبند ہی کے ایک قلی محمد اسلام کا انتخاب کرلیا تھا اسلئے قلیوں کی یلغار سے محفوظ رہا۔

بمبئی میں حجاج کے قیام کے لئے یہاں کے اہل خیر حضرات نے تین مسافر خانے بنوائے ہوئے ہیں، ان میں قیام کا کوئی کرایہ نہیں ہے ان میں سب سے بڑا مسافر خانہ صابو صدیق کا ہے

یہ کرافورڈ مارکیٹ کی پشت پر واقع ہے، صابو صدیق کا یہ مسافر خانہ
نہایت شان دار، پُرشکوہ اور کشادہ چار منزلوں کی وسیع عمارت،
ہے اس میں بڑے بڑے ہال بنے ہوئے ہیں، جن کے سامنے
برآمدے ہیں روشنی اور پانی کا بھی انتظام ہے، مسافر خانہ آج
کل کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، ہندوستان کے مختلف اطراف کے
لوگ اس میں جمع ہیں طرح طرح کی بولیاں سننے میں آتی ہیں

صابو صدیق مسافر خانہ میں قیام کی سہولت کے علاوہ سفر
حج سے متعلق تمام امور بھی یہیں طے ہو جاتے ہیں، زمانہ حج میں مغل
لائن کا دفتر، ٹیکے لگانے کا محکمہ، اسٹیٹ بنک، سعودی ویزا آفس
ریلوے کا ٹکٹ گھر وغیرہ سب یہیں آجاتے ہیں۔ حج کمیٹی اور انجمن
خدام النبی کے دفتر تو مستقل طور پر یہیں رہتے ہیں۔ مسافر خانے
کے سامنے بازار ہے جس میں وہ تمام چیزیں مل جاتی ہیں جن
کی عازمین حج کو ضرورت پیش آتی ہے، یہاں کھانے کے کئی ہوٹل
ہیں جن میں اچھا خاصا کھانا مل جاتا ہے، مسافر خانے ہی میں
انجمن خدام النبی کی دکان ہے جس میں احرام کا کپڑا اور ساتھ لیجانے
کے لئے غلہ اور شکر، دالیں وغیرہ سب چیزیں کنٹرول ریٹ پر
بآسانی دستیاب ہوتی ہیں، مسافر خانے میں شفا خانہ بھی ہے اور
مسجد بھی ہے مسجد میں مولوی اشرف علی صاحب امام ہیں یہ
دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والوں کے
ساتھ بڑی مدارات سے پیش آتے ہیں، ہمارا قیام یوں سمجھو کہ امام صاحب
کے یہاں ہے ان سے بڑی راحت مل رہی ہے۔

سفر کے ابتدائی مراحل طے ہو جانے کے بعد پرسوں ہم
عزیزی اسلام سلمہ کے شدید اصرار پر کرلا چلے آئے تھے،
کرلا میں ہمارے معلم کے نیجر محشر نظامی صاحب میاں اسلام کے
دوستوں میں ہیں انہوں نے ہر ممکن سہولت کا اطمینان دلایا
محشر صاحب ایس ایس سعودی کے بجائے ہماری سیٹیں
ایم وی اکبر میں منتقل کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اکبر
سعودی سے زیادہ تیز رفتار جہاز ہے، سنا ہے کہ چھ دن میں
بمبئی سے جدہ پہنچ جاتا ہے۔

آج چہارشنبہ ۸ رنومبر کو یہاں عید ہو گئی ہے معلوم نہیں
دیوبند میں بھی کل چاند ہوا یا نہیں۔ میں ابھی نماز پڑھ کر آیا ہوں،
محشر صاحب نے ابھی اطلاع بھیجی ہے کہ ہماری سیٹیں اکبر میں منتقل
ہو گئی ہیں، سعودی ۱۴ رنومبر کو روانہ ہوگا اور اکبر ۱۰ کو روانہ ہو جائیگا
اب ہماری روانگی میں چار دن کم ہو گئے ہیں اسلئے مصروفیت
بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، پرسوں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم جہاز میں ہونگے
دہلی مولوی حفظ الرحمٰن سلمہ کو تار دیا ہے کہ ۱۱ کو بمبئی نہ آئیں
ہم ۱۰ رکو روانہ ہو رہے ہیں۔

تم سب کو ہم نے دیوبند سے چلنے کے وقت خدا کے سپرد
کر دیا تھا۔ اس لئے تمہاری جانب سے اطمینان ہے، اگر معاملہ
اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے تو بڑا سکون اور اطمینان حاصل
ہو جاتا ہے

عزیزہ خدیجہ کے لئے بھی یہی مضمون ہے، اس کو یہ خط دکھلا دینا
اس کے بچوں کو دعائیں مولانا واجد حسین صاحب سے سلام مسنون
کہہ دینا۔ تمہاری بی جان نجمی کو بہت یاد کرتی ہیں اس کی دل
داری کرتی رہنا، اسکو اپنی امّاں کے چھٹنے کا بہت رنج ہوگا
انیس سلمہ اور تینوں بچوں کو بہت بہت دعائیں۔

اچھا! اب رخصت ہوتا ہوں، کھانا سامنے آچکا ہے اور
پھر مسافر خانہ جانا ہے، خدا حافظ

سعید احمد پالن پوری

مکتوب (۴)

از ایم وی اکبر اسپیشل ڈیک۔ بندرگاہ بمبئی
۱۱ رنومبر ۱۹۶۲ء

عزیزہ کوثر نگہت سلمہا، دلی دعائیں

ہمارا جہاز اکبر لیٹ ہو گیا ہے کل ۱۰ ر کے بجائے
آج ۱۱ رنومبر کو روانہ ہوگا آج صبح ہم مسافر خانے سے بسوں میں سوار
ہو کر بندرگاہ پر آگئے ہیں سنا ہے کچھ زیادہ دیر نہیں لگی یہ
مختلف مرحلے ... جاتے ہیں ... آدمی جب
جہاز پر سوار ہو سکتا ہے اور جہاز پر تو زمزم نہ کے بعد پہنچتے ...

اتر سکتا، جہاز پر سوار ہونے سے پہلے حج کمیٹی کی طرف سے دوپہر کے کھانے کے لئے خشک چیزوں کے کھانے کا ایک پیکٹ دیا جاتا ہے، پیکٹ میں خمیری نان پاؤ، شامی کباب سموسے اور کاغذ میں لپٹا ہوا حلوہ تھا یہ پیکٹ مفت ملتا ہے۔

دس بجے کے بعد بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہہ کر ہم نے جہاز پر قدم رکھا، اوپر پہونچ کر سمندر پر ایک نظر ڈالی تو حافظ شیرازی کا یہ شعر بے ساختہ یاد آگیا۔

در ین دریائے بے پایاں' دریں طوفان موج افزا
دل افگندیم "بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا"

بلند و بالا اور پرشکوہ اکبر باہر سے دیکھنے میں ایک بڑی اور خوبصورت بلڈنگ معلوم ہوتا ہے، اندر سے دیکھئے تو ایک عظیم الشان ہوٹل کی مانند نظر آتا ہے، اس میں سات منزلیں ہیں، روشنی اور ہوا کا بڑا اچھا انتظام ہے۔ ہر جگہ ٹیوب لائٹ روشن ہے اور بجلی کے پنکھے چل رہے ہیں، جہاز جب پلیٹ فارم پر لگتا ہے تو اسے موٹے موٹے رسوں سے باندھ دیا جاتا ہے تاکہ سمندر کی موجیں اسے مقررہ جگہ سے ہٹا نہ سکیں۔ جہاز پر چڑھنے کا راستہ عرشے سے ہوکر ہے "عرشہ جہاز کی چھت کو کہتے ہیں"، جہاز پر چڑھنے کے لئے ڈھلوان سیڑھی لگائی جاتی ہے جو اتنی وزنی ہوتی ہے کہ اسے لگانے کے لئے کرین استعمال کی جاتی ہے

ہمیں ڈیک کے بجائے اسپیشل ڈیک میں جگہ مل گئی ہے یہ ڈیک کے مقابلے میں زیادہ آرام دہ ہے۔ نیچے کی منزل میں ڈیک ہے اور اوپر اسپیشل ڈیک خوش نما کیبن ہیں، سیٹوں پر اسفنج کے موٹے موٹے گدے بچھے ہوئے ہیں، ایک کیبن میں زیادہ سے زیادہ ۱۲ سیٹیں ہیں۔ جہاز کے پچھلے حصے میں فرسٹ کلاس کے کیبن ہیں، ہسپتال بھی یہیں ہے جس میں عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وارڈ ہیں۔

ایم۔ وی۔ اکبر ہندوستان کے جہازوں میں بڑا جہاز ہے۔ جہاز کیا ہے ایک اچھی خاصی آبادی معلوم ہوتا ہے۔

عصر کی نماز کا وقت قریب ہے مگر ابھی تک عازمین حج کسٹم سے فارغ ہوکر آرہے ہیں، ہم جہاز پر پہلے آنے والوں میں سے ہیں، ہم جب یہاں آئے تو جہاز خالی پڑا ہوا تھا، اس لئے بالطمینان چل پھر کر اسے دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ میں یہ خط جہاز سے لکھ رہا ہوں۔ اب آئندہ حجاز پہونچ کر خط لکھنے کا موقع مل سکے گا پروگرام کے مطابق جہاز ۱۸ ر نومبر کو جدہ پہنچ جائے گا،

انیس سلمہٗ اور بچوں کو دعائیں، خدیجہ کو بھی یہ خط دکھلا دینا

اچھا خدا حافظ!

سید محبوب رضوی۔

مکتوب (۳)

مکہ مکرمہ باب العمرہ
۲۲ ر نومبر ۱۹۷۳ء

عزیزہ کوثر نکہت سلمہا' بہت بہت دعائیں!

خدائے بزرگ و برتر کا ہزاروں ہزار شکر اور احسان ہے کہ اس نے اپنے بیکراں فضل و کرم سے مکہ مکرمہ کی زیارت نصیب فرما دی ہے، ۱۸ ر نومبر کی صبح کو ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا تھا، ایک رات جدہ کے مدینۃ الحجاج میں قیام رہا' ۱۹ ر کو دوپہر سے پہلے جدہ سے روانگی ہوئی، اور بعد ظہر بس نے بلدِ امین کے سپرد کر دیا، یہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام عمرہ ہوتا ہے جس میں خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کی جاتی ہے، مسجد الحرام کی عمارت کا نقشہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ لاکھوں آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہونے پر بھی گھٹن اور تنگی محسوس نہیں ہوتی اونچے اونچے دالان اور ان کی محرابیں بڑی کشادہ روشن اور ہوادار ہیں، مسعیٰ کی عمارت (وہ جگہ جہاں سعی کی جاتی ہے) انتہائی روشن اور ہوادار ہے، لاؤڈ اسپیکر کا جال پورے حرم میں پھیلا ہوا ہے ہر جگہ امام کی قرأت صاف سنی جاتی ہے اور ہر شخص اس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے، بجلی دن رات میں کسی وقت بھی ایک لمحے کے لئے بھی بند نہیں ہوتی۔

جماعت کے اوقات کے علاوہ دن رات مسلسل خانہ کعبہ کے طواف کا سلسلہ جاری رہتا ہے، ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب میں مطاف خالی نظر آئے، رات کے آخری حصے میں کثرت سے

لوگ آجاتے ہیں، جن میں مرد اور عورتیں سبھی ہوتے ہیں، اور خانہ کعبہ کے گرد والہانہ طواف شروع کردیتے ہیں، حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ملتزم سے لپٹ جاتے ہیں، اس وقت لوگوں پر الحاح و تضرع اور گریہ و زاری کا جو عالم طاری ہوتا ہے اسکو دیکھنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

حرم شریف کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی دیکھی کہ لاکھوں مختلف الخیال، مختلف المزاج، اور مختلف العمر لوگوں کے اجتماع کے باوجود کسی قسم کی بدمزگی پیش نہیں آتی، ہر طرف سکون اور خاموشی چھائی رہتی ہے، ہر شخص اپنی ذات میں کھویا ہوا ہے۔

قیام کے لیے حرم شریف کے بالکل قریب ہی مکان مل گیا ہے۔ یہ جگہ حرم شریف سے اتنی قریب ہے کہ نہ صرف اذان بلکہ تکبیر کی آواز بھی صاف سنائی دیتی ہے۔

ہمیں جو کمرہ ملا ہے اس کا کرایہ سات سو سعودی ریال ہے یعنی ہندوستانی کرنسی میں سرکاری شرح تبادلہ سے ۱۴ سو روپے اور بازار کے نرخ سے ۱۷۵۰ روپے، حرم شریف کے قریب مکانات کا کرایہ دوسرے مقامات کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے حرم شریف سے مکان جتنا دور ہوگا اسی قدر کرایہ کم ہوتا ہے، پانی اور روشنی کا انتظام مالک مکان کی طرف سے ہے،

عمرے کے لئے کوئی تعداد شریعت نے مقرر نہیں کی ہے یہ ہر شخص کی طاقت اور ہمت پر منحصر ہے، لوگ نماز فجر کے بعد عمرے کے لئے میقات پر چلے جاتے ہیں اور وہاں سے احرام باندھ کر آجاتے ہیں، مکہ مکرمہ کی قریب ترین میقات مسجد تنعیم ہے اس کو مسجد عائشہ بھی کہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرے کا احرام اسی جگہ سے باندھا تھا، یہ جگہ پانچ کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے، کار کے ذریعہ پندرہ منٹ کا راستہ ہے، تنعیم کی آب و ہوا بہت خوشگوار ہے یہاں کے کنویں کا پانی بہت ٹھنڈا ہے۔

تنعیم کے علاوہ دوسری قریبی میقات جعرانہ ہے، یہ ایک تاریخی مقام ہے سنہ ۸ھ میں غزوۂ حنین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام فرماکر حنین کے غنائم تقسیم فرمائے تھے جعرانہ ایک کھلا میدان ہے، یہاں ایک مسجد اور کنواں ہے، کنویں کا پانی صحت کے لئے بہت مفید پایا گیا ہے یہاں کی آب و ہوا نہایت فرحت بخش ہے، یہ تمام مکہ مکرمہ سے ۲۵ کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے، تنعیم اور جعرانہ دونوں جگہوں کے لئے ٹیکسی جس کو یہاں "اُجرہ" کہتے ہیں بآسانی مل جاتی ہے۔

مکہ مکرمہ کے بازاروں میں بڑی رونق اور چہل پہل ہے دکانوں پر نظر، افراط اشیاء کی فراوانی اور جلوہ سامانی بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، یہاں دنیا کے قریب قریب ہر ملک کا آدمی دکھائی دیتا ہے، روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے یہ جگہ بڑی پرکشش ہے۔

۲۹ نومبر کو مدینہ منورہ حاضری ہوگی، بس سے آٹھ دس گھنٹے کا سفر ہے، سرکاری طور پر حج سے پہلے مدینہ منورہ میں صرف دس روز قیام کی اجازت ہے اس لئے دسمبر کے پہلے عشرہ کے آخر میں مکہ مکرمہ واپسی ہوگی خطوط مکہ مکرمہ کے پتہ پر بھیجے جائیں۔

۸ نومبر کو میں نے بمبئی سے اور ۱۱ کو جہاز سے خط لکھے تھے، مگر دیوبند سے اب تک کوئی خط نہیں ملا، خدا کرے تم سب خیریت سے ہو، انیس سلمہ اور بچوں کو بہت بہت دعائیں،

سفر کے تفصیلی حالات شاہ صاحب کو لکھ چکا ہوں ان سے میرا خط منگا کر دیکھ لینا، اس سے سفر کے حالات معلوم ہو جائیں گے

تم سب کے لئے، خدیجہ اور اس کے بچوں وغیرہ غرض کہ سب کے لئے مقامات اجابت پر دعائیں کی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے میری اور تمہاری ہی نہیں بلکہ ہر ایک کی جانب سے سب کو علی قدر مراتب سلام و دعا۔

کوائف دارالعلوم دیوبند

اکبر علی خاں صاحب گورنر اتر پردیش دارالعلوم میں

دیوبند ۱۲ دسمبر۔ آج یہاں ملک کے سب سے بڑے صوبے اتر پردیش کے گرامی قدر گورنر عزت مآب عالی جناب اکبر علی خاں صاحب نے نہایت پُر زور و فصیح الفاظ میں ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کو خراج تحسین پیش کیا، آپ نے جنگ آزادی ہند میں علمائے دیوبند کی قربانیوں، قومی یکجہتی کے سلسلہ میں ان کی علمی خدمات اور علم و دین کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تدریس کے ایک سو دس سالہ شاندار کارناموں کو زبردست اور پُر زور الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے پیش کردہ سپاس نامہ کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے اور دارالعلوم کے دارالحدیث کی عظیم الشان عمارت کے وسیع ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے گورنر صاحب نے فرمایا کہ:

"یہ علم و دانش کا گہوارہ، یہ اسلامی تعلیمات کا بین الاقوامی مرکز، یہ جنگ آزادی کا مضبوط ترین قلعہ، یہ قومی یکجہتی، ہندو مسلم اتحاد جیسے عظیم ملک کی عظمتوں کا امین، یہ انسانی قدروں کو اجاگر کرنے والا ادارہ (دارالعلوم دیوبند) کسی کی تعریف و توصیف سے بے نیاز ہے۔ اس آستانہ پر حاضری خود اپنے لئے سعادت ہے، یہی وہ حضرت شیخ الہند کے مقدس قدموں میں رہکر آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا، پھر شعور و وجدان، انکے نقش قدم، ان کی مقدس تعلیمات، ان کے پاکیزہ کردار سے حاصل کیا، ان بزرگوں کی قربانیوں، ان کی لگن اور اخلاص و ایثار کی بدولت آج میرا یہ ملک آزاد ہے، سربلند و سرخرو ہے، آپ نے جدوجہد آزادی کے دور کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

میری یہ حاضری ان یادوں کو تازہ کرنے کے لئے ہے جو آزادی کی جنگ کے زمانہ سے وابستہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رح کی خدمات پوری آزادی پسند دنیا کے لئے مشعل راہ ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ مہاتما گاندھی کس قدر عزت حضرت شیخ الہند رح کی کرتے تھے ہر اہم معاملہ میں آپ کا مشورہ گاندھی جی ضروری سمجھتے تھے گورنر صاحب نے تاریخ کے اوراق الٹتے ہوئے فرمایا کہ جس وقت انگریزوں نے یہ پالیسی بنائی تھی کہ ہندو اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے رکھو، اس وقت اس ادارہ کے بزرگوں نے یہ مقدس مشن شروع کیا کہ آزادی کی لڑائی میں مسلمانوں کو قائدانہ حصہ لینا چاہیئے، یہ اکابر دیوبند ہی تھے جنہوں نے کروڑوں انسانوں کے دلوں میں آزادی کی تڑپ اور جنگ آزادی میں حصہ لینے کے لئے زبردست جذبات پیدا کئے اور قومی یکجہتی، ہندو مسلم اتحاد انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی حفاظت اور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات مقدسہ کی تعلیم و اشاعت کی وہ مشعل روشن کی جس سے یہ پورے ملک کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا، آزادی کی لڑائی میں جس طرح

آپ حضرات نے سرفروشانہ حصہ لیا ہے، آج آزاد جمہوری ہندوستان کی تعمیر وترقی بھی آپ کی رہنمائی اور قیادت کی محتاج ہے، آج بھی فرقہ پرستی کے خلاف بھرپور جذبہ کی ضرورت ہے، آپ کا یہ ادارہ جس نے بے شمار مجاہدین آزادی، مجاہدین وطن اور علم وفن کے ماہرین پیدا کئے ہیں اس کی آواز میں خدا نے بڑی توانائی اور اثر دیا ہے جرأت مندی وبہادری آزادی، فکر وعمل اس کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

انقلابی تحریک

گورنر اتر پردیش نے کہا کہ،

یہ عجیب بات ہے کہ اس ادارہ کی بنیاد ہی انقلاب و حریت کے بے کراں جذبوں اور اخلاق وکردار اور انسانیت نوازی کے اعلیٰ اصولوں پر قائم ہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اس کے مقدس بانی حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس عظیم ادارہ کی بنیاد ہی انقلابی انداز میں رکھی تاکہ علم ومذہب اور فکر وذہن کے میدان سے ایسی جدوجہد کی جا سکے کہ نوجوانوں کے دلوں میں انگریزی غلامی کے خلاف جذبہ ابھرے اور ایسے نوجوان پیدا ہوں جو ایک طرف مذہبی تعلیمات اور قرآن وحدیث کی مقدس روشنی سے بہرہ ور ہوں اور دوسری طرف حب الوطنی کے جذبات سے ان کے دل سرشار ہوں، سول نافرمانی کی تحریک ہو یا تو یہ تحریک سامنے آئے اور اس تحریک کی جان اور توانائی کا ذریعہ بنے

آخر میں گورنر صاحب نے نہایت احترام وعقیدت کے ساتھ پھر ایک بار دار العلوم دیوبند کے بزرگ اور موجودہ سربراہوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ،

میں صرف آزادی اور علم کی اس چھاؤنی کو سلام کرنے اپنی طرف سے عقیدت واحترام کے نیازمندانہ جذبوں کے پھول نچھاور کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

میری مؤدبانہ درخواست ہے کہ آپ اپنی روایات کو برقرار رکھیں، آج بھی آپ کی رہنمائی کی بڑی شدید ضرورت ہے، اس ادارہ کا حق ہے کہ ہماری حکومت اس کی ہر ضرورت اور ہر خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، آپ کی موجودہ مشکلات کے سلسلہ میں یوپی کی حکومت ضرور توجہ دیگی۔

گورنر صاحب نے خاص طور پر اس بات پر زور دیا کہ دار العلوم کے طلباء کو صنعت وحرفت کی اعلیٰ تعلیم وتربیت دی جانی چاہئے تاکہ وہ معاشی میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ اس سلسلہ میں بھی آپ نے اپنی طرف سے بھرپور امداد وتعاون کا یقین دلایا

اس سے قبل حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے جو سپاسنامہ پیش کیا اس میں دار العلوم کی تاریخ اس کی خدمات مسلک ومشرب اسلام کی تعلیمات کی خصوصیات اور آزادی وطن کے سلسلہ میں اکابر دیوبند کے تاریخی اقدامات کا مؤثر اور بصیرت افروز انداز میں تذکرہ کیا گیا تھا، سپاسنامہ کے ہر ہر جملہ کی تائید گورنر صاحب موصوف چشم وابرو کے اشاروں سے اور کبھی کبھی اپنے سر کے اشارے سے فرما رہے تھے۔

اس موقع پر جنگ آزادی کے مشہور سپاہی مشہور صحافی اور عالم دین حضرت مولانا حامد الانصاری غازی نے گورنر صاحب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عام طور پر یہ طریقہ رائج ہے کہ بڑی شخصیتوں کی تشریف آوری اور استقبال کے وقت پھولوں کے ہار پیش کئے جاتے ہیں لیکن ہم ان پھولوں کے بجائے آپ کی خدمت میں گلستان علم و اخلاق اور چمن کردار کے ایسے پھولوں کا مجموعہ پیش کر رہے ہیں جو زندگی کی راہوں میں مستقل روشنی مستقل رہنمائی اور کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بنتے ہیں، محترم غازی صاحب نے فرمایا کہ یہ ملک اجتماعی عمل کے ماتحت سوشلزم کو اپنا نصب العین سمجھتا ہے، یہ دار العلوم اس کا مثالی نمونہ ہے، اعلیٰ روحانی تعلیمات کے ساتھ سب کے لئے تعلیم مفت زندگی کی یکساں ضروریات کا انتظام، کتابیں،

کا نا، روشنی کا فری انتظام، صحت کی حفاظت کا عام نظم ایک ایسا مثالی کارنامہ ہے جس کی تقلید کر کے ہمارا ملک مطلوبہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور یہاں سے علم حق، دینی تربیت، اخلاق و کردار کا سبق بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، دارالعلوم جو ایک سو دس سالہ عظیم خدمات کی روشن تاریخ رکھتا ہے جس میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے نوجوان آکر زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر نکلتے ہیں، اپنے عظیم و محترم مہمان کا دل کی گہرائی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔

دارالعلوم کے صدر گیٹ پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ، حضرت محترم غازی صاحب (رکن مجلس شوریٰ) حضرت مولانا معراج الحق صاحب حضرت مولانا نصیر احمد صاحب نائب اہتمام اور دوسرے حضرات نے گورنر صاحب کا خیر مقدم کیا اور نودرہ کی تاریخی عمارت میں حضرت مہتمم صاحب نے حضرات اساتذہ کرام دارالعلوم کا مہمان محترم سے تعارف کرایا۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے برادرزادہ کا انتقال

دارالعلوم دیوبند کے حلقوں میں یہ خبر حزن و ملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے بھتیجے جناب الحاج صوفی سید حسن عثمانی نے ۱۳ دسمبر کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہا، صوفی صاحب مرحوم نہایت عابد و زاہد اور ذاکر و شاغل تھے، مرحوم تحریک خلافت کے پرانے کارکن تھے، پھر جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہو گئے تھے، تحریک آزادی میں کئی مرتبہ جیل گئے، ۱۹۰۵ء تک مرکزی انجمن تبلیغ اسلام انبالہ میں تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے، آخر میں دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہو گئے تھے، دارالعلوم میں عرصہ تک سفارت کی خدمات انجام دیں، پھر ان کی دیانت و امانت کے پیش نظر انکو دارالعلوم کا تحویلدار بنا دیا گیا تھا جس پر وہ تادم واپسیں فائز رہے۔

ابھی حال میں صوفی صاحب مرحوم کو تمغہ آزادی کی خدمات کے صلہ میں حکومت کی جانب سے دو سو روپے ماہوار وظیفہ اور تامرتبہ ملتا تھا،

صوفی صاحب ایک مہینہ سے بیمار تھے انتقال سے چند گھنٹہ پہلے ان کی حالت سنبھل گئی تھی مگر اچانک ۲ بجے شب میں دل کا دورہ پڑا، ڈاکٹر نے انجکشن لگانا چاہا مگر انہوں نے سختی سے روک دیا کہ اب اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ کہہ کر کلمہ طیبہ پڑھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ۸۵ سال کی عمر پائی، بعد ظہر قبرستان قاسمی میں ان کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ متوسلین دارالعلوم دیوبند سے درخواست ہے کہ صوفی صاحب مرحوم کے لئے ایصال ثواب کا انتظام فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

قاضیان آندھرا پردیش کی سالانہ کانفرنس

۲۹ دسمبر ۱۹۷۲ء کو آندھرا پردیش قاضیوں کی سالانہ کانفرنس حیدرآباد میں منعقد ہوئی، صدارت کے فرائض جناب قاضی محمد وحید الدین صاحب نے فرمائی، افتتاح آندھرا پردیش کے وزیر اوقاف جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب انصاری نے فرمایا اس کانفرنس میں حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر دعوت نامہ چونکہ تنگ وقت میں آیا تھا اور حضرت مدظلہ العالی علالت کی وجہ سے اتنا طویل سفر کر بھی نہیں سکتے تھے اسلئے کانفرنس کے داعیین کی خواہش پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے حسب ذیل پیام ارسال فرمایا۔

" قضاء اور محکمۂ قضاء اسلام کا ایک بنیادی موضوع ہے جس کے راستے سے شریعت عملاً حرکت کرتی ہے اور مسلمانوں میں اسلام کی معاشرت کی عملی تصویر چلتی پھرتی نظر آتی ہے بشرطیکہ محکمۂ قضاء شرعی اصول و فروع کے تحت کارفرما ہو اور "ما انزل اللہ" کے قانون پر مسلمانوں کو گامزن بنائے چونکہ اس کانفرنس میں حضرات علماء اور حضرت مشائخ بھی شریک ہو رہے ہیں اسلئے توقع ہے کہ محکمۂ قضاء اپنی شرعی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیگا پھر چونکہ قضاء کے بہت سے احکام وقت کی ملکی قوت کے بھی خواہاں ہوتے ہیں بشرطیکہ حاکم مسلم ہو اور یہ گوشہ مسلم زمہ داران حکومت ہی کی توجہات سے پورا ہو سکتا ہے تو عالیجناب محترم مولوی محمد ابراہیم صاحب وزیر اوقاف آندھرا پردیش کی شرکت کانفرنس اس کی ضمانت ہو بن سکتی ہے دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کانفرنس کو اس کے تمام شرعی مقاصد میں کامیاب فرمائے۔

Telegram CHIDIPIR Telephone [3237 / 32

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

BHANDARI STREET BOMBAY-3

TRANSPORT CONTRACTORS

دارالعلوم دیوبند کا [illegible] دینی اصلاحی ماہنامہ

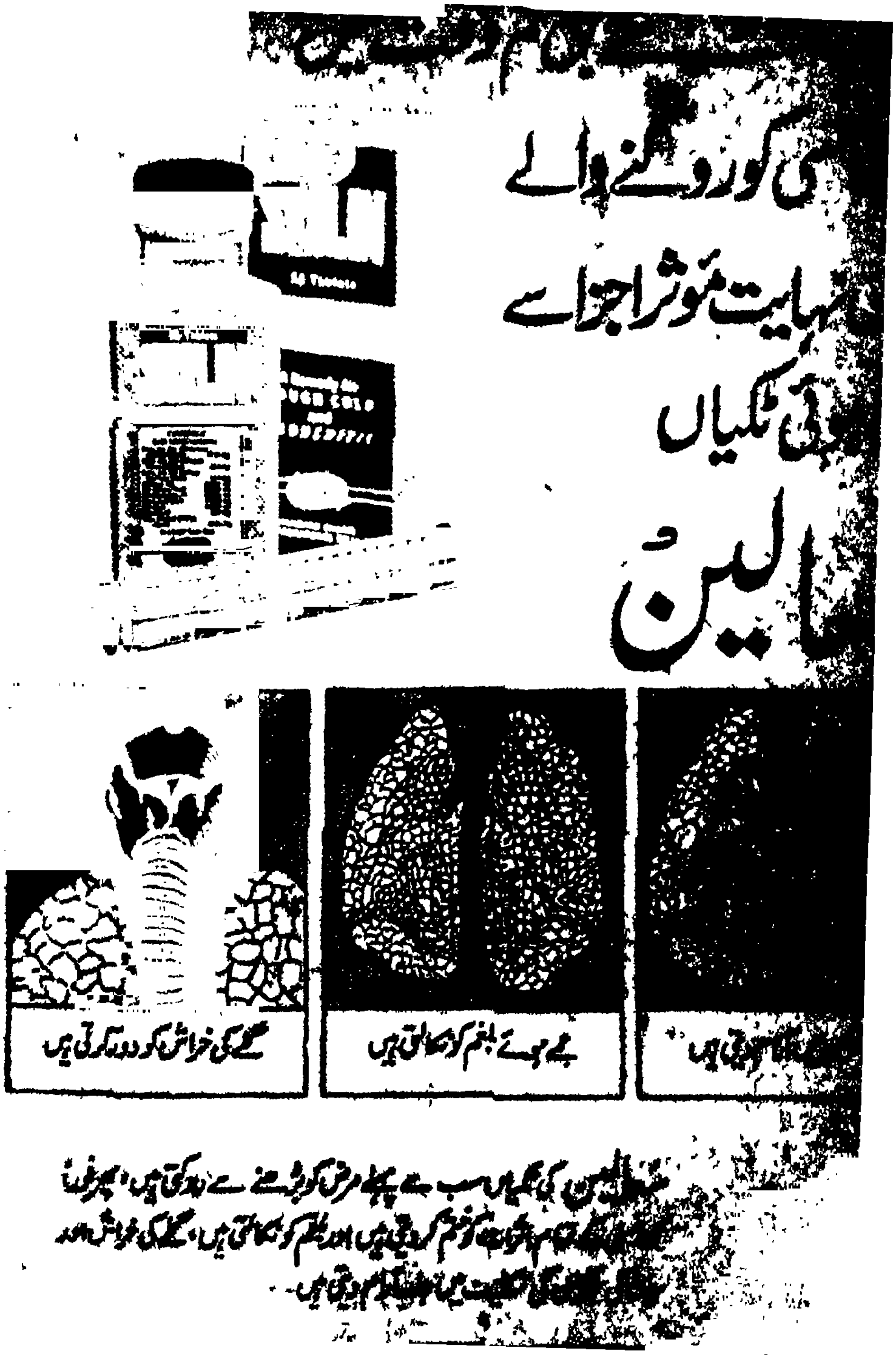
ماہنامہ

دارالعلوم

نگران اعلیٰ

مُدیر

سید احمد



نہایت مؤثر اجزا سے
ٹکیاں
گلے کی خراش کو دور کرتی ہیں
بلغم کو نکالتی ہیں

... دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی اور اسلامی

ماہنامہ

دارالعلوم

مارچ سنہ ۱۹۷۴ء
صفر المظفر سنہ ۱۳۹۴ھ

3515 41

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحب
مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ
قیصر

رسالہ ہر انگریزی
مہینہ کی ۵ تاریخ
کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دارالعلوم دیوبند

چندہ سالانہ
ہندوستان سے
ساڑھے ۹ روپے

ممالک غیر سادہ ڈاک سے ۲۴ روپے

ممالک غیر سادہ ڈاک سے ۵۲ روپے

فی پرچہ
نوے (۹۰) پیسے

فہرست مضامین

یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپ کا چندہ ختم ہوگیا ہے ہندوستانی خریدار اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کیساتھ بھیجدیں۔ وی پی کا انتظار نہ کریں اسلئے کہ وی پی کا خرچ زائد اور وی پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے

کاغذ کی شدید گرانی

کاغذ کی گرانی کا حال ناقابل بیان ہے۔ اب سے چار مہینے پہلے کاغذ کا جو رِم ۳۵ روپے کا تھا اب ۸۰ روپے میں بھی نہیں ملتا، کاغذ کی نایابی کا یہ حال ہے کہ رسالہ کے پیکنگ کے لئے جو کاغذ لگایا جاتا ہے پچھلے مہینہ وہ ہم نے مظفر نگر اور سہارنپور سے کئی دن کی تلاش کے بعد حاصل کیا، رسالہ کے اخراجات اسوقت ۷۰ فیصد زائد ہوگئے ہیں۔ اخباروں اور رسالوں کے لئے یہ بڑا سخت وقت ہے جو مدد بھی آپ رسالہ کی کرسکیں وہ ضرور کریں۔

"سید محمد ازہر شاہ قیصر"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

ہندوستان بہت پہلے سے علم و فن میں شہرت رکھتا ہے، اپنی غربت و افلاس کے باوجود یہاں علم و فن کی قدر و منزلت اور اس کی اشاعت و ترویج میں اس ملک نے نمایاں حصہ لیا ہے، یہاں ہر دور میں حکومت سے زیادہ پرائیوٹ پبلک اشخاص انجمنوں اور تنظیموں نے اس کی آبیاری اور اشاعت میں حصہ لیا ہے، بلکہ یہاں کے امراء و رؤساء بھی علم و فن کی خدمت میں ممتاز رہے ہیں، انگریزی دورِ حکومت میں بھی اور آج آزاد ہندوستان میں بھی ہزاروں آزاد تعلیم گاہیں ترویج علوم و فنون میں مشغول ہیں، اور اس کے نتائج حوصلہ افزا اور ترویج کے زریں ابواب کی شکل میں سامنے آئے ہیں۔

آزاد ہندوستان میں چاہیئے یہ تھا کہ اس طرح کے پبلک اداروں اور تعلیم گاہوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی اور ان کی خدمات کو سراہا جاتا، مگر کچھ لوگ نہ معلوم کیوں ایسے تعلیمی اداروں کے در پئے آزار ہیں، اور حکومت بھی اس سے متاثر ہو رہی ہے، کئی سال پہلے کی بات ہے، کوٹھاری کمیشن کی رپورٹ مرتب ہوئی، اس میں جہاں بہت سی کارآمد باتیں ہیں، وہاں اس رپورٹ کا مہلک حصہ یہ ہے کہ آزاد تعلیمی اداروں کی زندگی میں زبردست رخنے پیدا ہو جائیں اور ان کو بے دست و پا کر دے اور تعلیم کا جو سلسلہ حکومت سے بے نیاز ہو کر چل رہا ہے اسکو مقید کر دیا جائے۔ اس رپورٹ کی ایک دفعہ یہ ہے کہ ملک میں کوئی تعلیم گاہ بغیر حکومت کی اجازت باقی نہ رہ سکے، اور ہر تعلیمی ادارے کے لئے یہ لازم قرار دیا جائے کہ وہ حکومت سے رجسٹریشن حاصل کرے، اور حکومت کو پورا اختیار ہو کہ معمولی شکایت پر بھی اس کا رجسٹریشن منسوخ کر دے اور وہ بند ہو جائے۔

ہندوستان ایک سیکولر نظام رکھتا ہے، کسی مذہب کی مذہبی تعلیم کی ذمہ داری وہ قبول نہیں کرتا ہے، مگر دستوری طور پر جماعت کو اس کی آزادی دیتا ہے کہ وہ بطور خود اپنی مذہبی تعلیم کا نظم و نسق قائم کرے اور تعلیمی اداروں کے ذریعہ مذہب کا تحفظ اور اس کی اشاعت باقی رکھے۔

مسلمان اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہے اور وہ اپنا ایک مخصوص مذہب رکھتا ہے، عقائد اور اعمال و اخلاق کی پاکیزگی اس کی بنیاد میں داخل ہے، چنانچہ ہندوستان کی آزادی سے پہلے اور اس کے بعد بھی برابر مسلمانوں نے اپنی مذہبی اور آزاد تعلیم گاہیں کھول رکھی ہیں، جنکے ذریعہ وہ اسلامی عقائد اور اخلاق و اعمال کے تحفظ و بقا کے لئے کوشاں ہیں، اس ملک میں مسلمانوں کے ہزاروں تعلیمی ادارے ہیں جو حکومت سے بے نیاز ہو کر مسلمانوں کی اور اس ملک کے باشندوں کے ایک بڑے حصہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، اور کہنا چاہیئے کہ اس ملک میں اخلاق و اعمال کی جو تھوڑی بہت خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ ایسے ہی اداروں کی جد و جہد کا نتیجہ ہے، اس سے براہِ راست تو بلاشبہ بظاہر مسلمان ہی فیضیاب ہوتے ہیں، مگر بالواسطہ پورا ملک اس کی اخلاقی تعلیم سے متاثر ہے، اور اس کی وجہ سے ہمارا یہ وطن عزیز بہت سی باتوں میں دوسرے ممالک سے ممتاز ہے، اور انشاء اللہ ان تعلیم گاہوں کی بقا کے ساتھ آئندہ بھی ممتاز رہیگا۔

یہ تعلیم گاہیں، کوٹھاری کمیشن کی رپورٹ کے اس حصہ سے خطرہ میں گھر گئی ہیں جس میں حکومت کی منظوری ضروری قرار دی

[illegible] کیا تو پھر یہ سوچنے پہ مجبور ہوتی ہے کہ اس طرح اقلیتوں کی مذہبی تعلیم ختم ہو جائے گی، اور کچھ [illegible] کے راستے تیزی کے ساتھ ہندوستان میں آرہا ہے، مسلمان اس سیلاب میں بہہ جائیں گے اور اپنے مذہب سے دور ہو جائیں گے۔

مسلمان پہلے بھی اس پر کافی احتجاج کر چکے ہیں، اور آج بھی وہ اس سے خوفزدہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ حکومت کو ٹھاری کمیشن کی رپورٹ کے اس حصہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دے، تاکہ ان کی تعلیم گاہیں خطرہ سے مامون ہو جائیں

اکثریت کو تحفظ کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے مگر اقلیت کو سوچنا پڑتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا رہا سہا دین، حکومت کے اس قانون کی وجہ سے دم توڑ دے، پھر ملک کے باشندے اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان اس ملک میں بہت سے میدانوں میں اکثریت سے بہت پیچھے ہیں، مسلمانوں کا بڑا طبقہ ایسا ہے جو اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا نظم نہیں کر سکتا ہے، مدارس اسلامیہ کے ذریعہ مسلمانوں کے ہزاروں بچے مفت تعلیم پاتے ہیں اور ان کی تربیت ہوتی ہے، یہ مدارس طلباء سے نہ کوئی تعلیمی فیس لیتے ہیں اور نہ کوئی بورڈنگ فیس، بلکہ یہ مدارس ان مفلس بچوں کی ساری ضرورتیں پوری کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ان کے کھانے، لباس اور رہنے سہنے کا نظم بطور خود سب بلا معاوضہ کرتے ہیں، حد یہ ہے کہ ان کی کتابوں کی فراہمی کی ذمہ داری بھی انہیں مدارس پر ہوتی ہے جن میں وہ داخل ہو کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

مسلمان بچے بھی اس ملک کے شہری ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت سے حکومت کا ہی فائدہ ہے، ان مدارس اسلامیہ سے حکومت کو بہت سارے شعبہ جات میں نمایاں فائدہ پہونچتا ہے، اور ملک کی اخلاقی قدروں پر اس کا خاص اثر پڑتا ہے، حکومت کو ان کا شکر گذار ہونا چاہئے، وہ دن ہندوستان کی تاریخ کا سب سے زیادہ سیاہ دن ہوگا جس دن آزاد مدارس پر حکومت رجسٹریشن کی پابندی عائد کرے گی، تعلیم کو ہمیشہ آزاد ہی رہنا چاہئے، قیود و بند کے قوانین کے نفاذ سے تعلیم کا معیار گھٹ جائے گا اور اخلاقی قدروں میں بڑی کمی آجائے گی۔

کون نہیں جانتا ہے کہ حکومت نے ملک کی جس چیز پر اپنا کنٹرول نافذ کیا، اس کا تھوڑے دنوں میں ملک میں کال پڑ گیا اور اس کے لئے پبلک پریشان پھرنے لگی، اور اس کی خیر و برکت جاتی رہی، پچیس سال سے ہم اس کا تجربہ کر رہے ہیں، ہمارا یقین ہے کہ تعلیم پر بھی اس طرح کے کنٹرول سے اس کی برکت جاتی رہے گی، اور بہت سے تعلیمی ادارے دم گھٹ کر رہ جائیں گے، اور غریب مسلمان بچے جو اپنی مالی کمزوریوں کے باوجود کچھ لکھ پڑھ لیتے ہیں جاہل پھرینگے، حکومت کے دفتروں کا چکر جتنا خطرناک ہوتا ہے، اس سے اس ملک کا بچہ بچہ واقف ہے جس طرح ہر چیز میں رشوت ضروری ہو چکی ہے، آپ یقین جانئے تعلیمی اداروں کی منظوری بھی اس کے بغیر ممکن نہیں ہو سکے گی، اور رشوت خور افسر جب چاہیں گے کوئی بہانہ نکال کر اس کا رجسٹریشن بڑی آسانی سے ختم کر دیں گے، اللہ تعالیٰ اس خوفناک دن سے ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

اس ملک میں حکومت کے کرنے کے بہت سارے کام پڑے ہوئے ہیں، حکومت ان کاموں کی طرف توجہ دے

ان غیر ضروری امور میں اپنے کو الجھا کر ملک کے امن و امان کو خطرے میں نہ ڈالے، حکومت تعلیم گاہوں کی بقا اور اس کی اشاعت سے ملک کے اخلاق و اعمال کو سہارا ملتا رہے گا۔ ورنہ اگر یہ بچا کھچا مذہبی اثر بھی جاتا رہا تو پھر اس ملک کی خیر نہیں

ارباب مدارس کا بھی فرض ہے کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور مدارس کی تنظیم پر توجہ دیں، اگر وہ سابق بدستور غافل اور بے حس رہے تو آنے والا طوفان انکو جھنجھوڑ دیگا، اور مدارس کا تحفظ مشکل ہوجائیگا عقل مندوہ ہے جو سیلاب کی آمد سے پہلے اپنی حفاظت کے لئے بند باندھ لے، اگر یہ اسی طرح منتشر رہے جیسے اب تک ہیں تو آنے والے دور میں ان کا جینا مشکل ہوجائیگا، آج کل تنظیم میں طاقت اور برکت دونوں ہیں، یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں، پورے ملک کے ارباب مدارس سر جوڑ کر بیٹھیں، تبادلۂ خیالات کریں، حالات کا جائزہ لیں، موجودہ رجحانات کا تجزیہ کریں، اور بہتر مستقبل کی فکر میں پوری قوت سے منہمک ہوجائیں، یہ ایک تعمیری کام ہے، اور اسے کوئی تعمیری اور تعلیمی ادارہ ہی انجام دے سکتا ہے، سیاسی اداروں کے ہاتھوں میں جاکر اس کی اصل روح مردہ ہوجاتی ہے، اور سیاسی لوگ حقیقت سے گریز کر کے اپنے مفاد کے پیچھے چل پڑتے ہیں

حیرت ہے کہ اس دور میں جبکہ آل انڈیا تعلیمی کانفرنس، مذہبی کانفرنس اور نہ معلوم کیا کیا کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں، اور مختلف مذاہب اور مختلف ملکوں کے ارباب حل وعقد آئے دن جمع ہوتے ہیں، اگر ہمارے ارباب مدارس اپنے ملک میں بھی یکجا ہوکر بیٹھنے کی نہ سوچیں، اور جہاں ہنگامی جلسوں پر ہزاروں روپے بیکار خرچ ہوتے رہتے ہیں، وہاں ارباب مدارس کی تعمیری کانفرنس نہ ہوسکے اور علماء کا اجتماع مشکل معلوم ہو، بارہا لکھا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کا مزاج ہنگامی ہوچکا ہے اسے بدلنا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کے لئے کوئی تعمیری خدمت انجام پذیر ہوسکے، کیا ہم توقع کریں کوئی دردمند اس کے لئے قدم اٹھائیگا۔

(ظفیر صدیقی)

حال ہی میں ہمیں کشمیر سے ایک انگریزی اخبار موصول ہوا جس کا نام "کشمیر ہیرالڈ" ہے۔ یہ ہفتہ وار اخبار ہے اور ایک ذی علم اور پختہ کار جرنلسٹ جناب جے این گنہار کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا ہے، گنہار صاحب پہلے ریڈیو اسٹیشن سرینگر کے ڈائرکٹر تھے، اب کشمیر کی سیاست، تاریخ اور صنعت کی ٹھوس خدمت کے لئے انھوں نے یہ اخبار جاری کیا ہے اس کے ایک پرچہ میں ہمارے عزیز سید محمد فاروق بخاری ایم۔اے ریسرچ آفیسر شعبۂ شرقیات کشمیر کا ایک مضمون محدث کبیر علامہ سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق شائع ہوا ہے، ہندوستان کے ایسے افراد کو جو انگریزی صحافت سے دلچسپی رکھتے ہیں اس اخبار کی قدردانی کرنی چاہئے اور اس کی خریداری قبول کرنی چاہئے۔" ایڈیٹر کشمیر ہیرالڈ لال چوک سرینگر (کشمیر)" پتہ کے لئے کافی ہوگا

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

لطائف علمیہ

از ——————— حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ

دربارۂ مصافحہ بعد العصر والفجر

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بعد عصر اور بعد فجر مصافحہ کرنا کیسا ہے، آیا سنت یا مباح یا مکروہ،

الجواب

الحمد للہ وکفیٰ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ......... احکام دین واوامر ونواہی شرعیہ دو قسم پر ہیں اول وہ جن کو مقید بقیود ومحدود بالحدود کر کے مشروع فرمایا ہے، اور ہیئات خاصہ اور ازمنہ وامکنہ مخصوصہ کو اسکی مشروعیت کیساتھ ماخوذ فرمایا ہے جیسے صوم وصلوٰۃ یا ارکان حج وغیرہ، اس قسم کے احکام و اوامر ونواہی کو مقید شرعی کہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ جنکی مشروعیت میں مرتبۂ اطلاق ماخوذ ہے، نہ ہیئات خاصہ اوسکی مشروعیت میں ماخوذ ہیں اور نہ امکنہ یا ازمنہ مخصوصہ جیسے جہاد، ایصال ثواب وغیرہ ان ہی احکام واوامر ونواہی کو مطلق شرعی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد معلوم ہو کہ مقید شرعی کو مطلق یا مطلق شرعی کو مقید قرار دینا، یعنی بصورۃ اطلاق مقید اُن ہیئات خاصہ اور ازمنہ وامکنہ مخصوصہ کو جو اس کی مشروعیۃ کے ساتھ ماخوذ تھے غیر ضروری سمجھنا، اور بصورۃ تقیید المطلق اُن ہیئات خاصہ یا کسی زمان خاص یا مکان کو داخل شرعیۃ جاننا اور اس کے ساتھ ضم کرنا دونوں بدعۃ ہیں اور بحکم حدیث صحیح "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس فیہ فھو رد" غیر مذموم ومردود، بلکہ لفظ اُحْدِثَ جو لغۃً وجود مفعول کو چاہتا ہے جیساکہ صورۃ ثانی یعنی فی صورۃ تقیید المطلق وضم القیود فی مرتبۃ الاطلاق میں واضح صادق ہے۔ اور صورۃ اولیٰ یعنی فی صورۃ اطلاق المقید ورفع قیود میں صادق نہیں گو بعد تاویل ان الصوم المقید فی حکم الوجود والرفع الثابت بمنزلۃ الثبوت، یہ صورت اولیٰ نیز مصداق احداث ہے اور دونوں صورت حدیث صحیح من احدث فی امرنا ھذا ما لیس فیہ فھو رد کے عموم میں داخل ہو کر مذموم ومردود ہیں اور از جملہ بدعات ومنجملہ سیئات۔ اعتقاد مشروعیہ صورتین مذکورتین کا بدعت ہے اور ارتکاب ان کا گمراہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں،

کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار

مصافحہ نیز از قسم ثانی ہے بلا من وجہ مقید ہے اور من وجہ مطلق یعنی بعد اعتبار قید بعد الملاقات۔ شارع نے باعتبار زمان ومکان، فی ایّ مکانٍ اوفی ایّ زمانٍ یعنی مطلق کر کے مشروع فرمایا ہے اور بعد قید بعد الملاقات کے زمان خاص یا مکان خاص کی قید اس کی مشروعیت کے ساتھ ماخوذ نہیں اوس میں سے قید بعد الملاقات کو ہٹا کر بعد صلوٰۃ العصر یا بعد صلوٰۃ الفجر یا بعد مطلق صلوٰۃ کی قید کے ساتھ اس کو مقید کرنا باعتبار مطلق شرعی کو مقید کرنا

ہے اور باعتبار ... معتقد ... [illegible]
احداث فی الدین ہے اور داخل بدعت۔ اکابر دین کا باعتبار ... [illegible]
کا اس کی کراہت اور ناجوازی پر فتویٰ دینا بہت درست ہے
اور مطابق احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ اور نیز مطابق اصول
شرعیہ و دلائل عقلیہ اور بتعلق اکابر دین اس کو مکروہ سمجھنا
یا بدعت سمجھنا نیز صحیح ہے، جو شخص مکروہ جانے یا فتویٰ کراہت
کا دے اس کو گمراہ کہنا خود گمراہی ہے اور قائلان کراہت کو مرتد
سمجھنا سخت مذموم بلکہ بحکم حدیث صحیح خطرہ قوی ہے کہ کہنے والا
خود مرتد قرار پائے " اعاذنا اللہ وسائر المسلمین منہ " بلا حجت
شرعی کسی عام یا خاص کا ان قیودات مذکورہ کو مشروعیت مصافحہ کے
ساتھ مشروع قرار دینا لا یقوم علیہا دلیل (فانہم
رجال ونحن رجال) درست نہیں ہے

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

دربارہ حرمت سود

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بنظر حالت
موجودہ وافلاس مسلمانوں کے لئے کیا سود کا لین دین خواہ آپس
میں، خواہ غیر اقوام سے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

سود خواری اقبح ترین اعمال میں سے ہے، حضور نبی کریم
علیہ التحیات والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں کہ سود کے کھانے اور
کھلانے والے پر اور اس کے کاتب اور گواہ پر اللہ برتر کی لعنت
ہے یعنی یہ اشخاص رحمت الٰہی سے دور ہیں۔ قرآن پاک میں
جو وعید شدید آکلین ربوا پر فرمائی دوسروں پر نہیں۔
فرماتے ہیں

فأذنوا بحرب من الله ورسوله (یعنی) خبردار ہو اگر سود خواری نہ چھوڑو گے تو خدا اور اس کا رسول تم سے لڑے گا۔

گناہ قبیح کے جواز کا فتویٰ کیونکر ہو سکتا ہے بے شک
سود خواری حرام ہے اور قطعاً حرام۔ اہل اسلام پر واجب
کہ تجارت، زراعت وغیرہ امور کو وجہ معاش سمجھیں اور سود
خواری کو فی کل حال حرام جانیں۔ فقہائے نے جو مسلمان دار الاسلام
میں سکونت رکھتے ہیں اور بنظر قیام چند روزہ دار الحرب میں
بطور امان داخل ہوں ان کو چونکہ مال حربی مباح الاصل
تھا اگر وہ چاہیں تو بحیلۂ مذکورہ اہل حرب کا مال لے سکتے
ہیں۔ یہ نہیں کہ خود وہاں کے مسلمان ان اہل حرب یعنی
کفار دار الحرب یا مسلمانان دار الحرب سے باہم سود خواری
کا معاملہ کریں۔ وہ چونکہ درمیان کفار سے ملے خود از جملہ اہل
حرب ہیں ان کے حق میں نہ اموال اہل حرب مباح، نہ
یہ حیلہ جائز

(فی الھدایۃ لاربوا بین المسلم والحربی
فی دار الحرب) وقال المحشی فی ذیل ھذا القول
"الذی دخل دار الحرب فی امان"

فی الجملہ یہ حکم مخصوص ہے ساتھ مسلمانان دار الاسلام
کے، مسلمانان دار الحرب اس حکم سے متمتع نہیں ہوتے
نیز بین الفقہاء یہ حکم متفق علیہ نہیں۔ امام ابو یوسف اور
شافعی وغیرہ علیہم الرحمۃ اس کے مخالف ہیں۔ پس بر
اس روایت کے ربوا کو جائز سمجھنا کھلی غلطی ہے مسلمانان
ہند کو بنظر حالات موجودہ وبنظر افلاس کسی طرح ربوا جائز
نہیں۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

دربارہ مفقود الخبر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص
عرصہ دو سال سے مفقود الخبر ہے اس کی زوجہ نے نکاح
ثانی دوسرے شخص سے کر لیا ہے اس نکاح کو عرا

[illegible] جائز ہے، یا
نہیں

جواب

ہمارے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کے نزدیک مفقود الخبر کی زوجہ کا نکاح نوے سال گذرنے کے بعد صحیح ہے مگر بصورت اندیشۂ زنا اور بحالت ضرورۃ شدیدہ و بحالت مجبوری امام مالک علیہ الرحمتہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیکر چار سالہ مدت کے بعد نکاح کر دینا جائز اور مباح ہے صورت مستفسرہ میں چونکہ دو سالہ مدت میں زوجہ مفقود نے نکاح کر لیا ہے لہٰذا نکاح صحیح نہیں ہے

نوٹ) یعنی امام مالکؒ کے مذہب پر عورت چار سال کے بعد بعد از تفریق و عدت نکاح کر سکتی ہے

دربارۂ وظیفہ یا شیخ عبد القادر

جیلانی شیئاً للہ

(۱) "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" کا وظیفہ پڑھنا
بنا ہے

(۲) اس ملک کے لوگ ہر نماز کے بعد بغداد شریف طرف دست بستہ کھڑے ہو کر کہتے ہیں" یا حضرت مدد ودغیرہ وغیرہ، بعض جھک جاتے ہیں، بعض قدم مارتے ہیں۔ بعض سے پوچھا گیا کہ حضرت صاحب تمہاری عرض سن رہے ہیں تو وہ کہتے ہیں تمام جہان کو دیکھ رہے ہیں۔

(۳) استمداد جو جائز ہے اس کی کیا صورت ہے۔

الجواب

اگر ارباب احوال صادقہ پر یہ حال پیش آئے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمتہ انکو اپنے غلبۂ حال میں حاضر فی المجلس نظر آئیں تو بغلبۂ مغلوب الحال اپنے اس حضور خیال کی بناء پر بلفظ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کہہ بیٹھے اتفاقاً تو مضائقہ نہیں وہ مغلوب الحال مورد ملامت نہیں

مگر ورد اس کلمہ کا چونکہ بعذر حالت صادقہ ہے اور ظاہر کہ حال وارد کو بقا نہیں پس وظیفہ اس کلمہ کا جو مواظبت کو چاہتا ہے ان ارباب احوال کو نیز جائز نہیں چہ جائیکہ عوام کو بلکہ ظاہر و متبادر مفہوم کلمۂ ہذا یہ ہے کہ شیخ علیہ الرحمتہ کو حاضر و ناظر کا رخانہ قدرت الٰہیہ کا شریک یا دخیل کار سمجھ کر پکارا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کھلا شرک ہے اور باعتبار اس معنیٔ متبادرہ کے صرف موہم شرک اور الفاظ موہومہ کے اطلاق سے اس مرتبہ زجر شدید کہ اگرچہ صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین عنہ کے ہر رگ و پے میں عظمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ راسخ تھی کہ ان حضرات سے وہم اہانت قطعاً ناممکن تھا بایں ہمہ لفظ راعنا جو موہم توہین محمدی تھا اس کے اطلاق سے ان حضرات مقدسہ گروہ صحابہ کو ممانعت شدیدہ فرمائی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

یا ایہا الذین آمنوا
لا تقولوا راعنا وقولوا
انظرنا

دوسرے عوام یا خواص اُمت کو ایسے الفاظ موہومہ کا اطلاق کیونکر جائز ہوگا بیشک ممنوع ہے اور ہرگز جائز نہیں بلکہ اگر معنیٔ متبادرہ لے کر کہا ہو تحقیقاً شرک ہے اعاذنا اللہ منہ

(۲) صورۃ مستفسرہ بالتمام ناجائز ہیں اور از جملہ بدعات شنیعہ بلکہ یوں سمجھنا کہ حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کا علم محیط بالکل اور تمام جہان کو دیکھ رہے ہیں کھلا شرک ہے

لا یعلم الغیب الا اللہ

(۳) مقربان خداوندی و خاصگان درگاہ الٰہی حضرات انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین و جملہ اولیاء اللہ کو وسیلہ بنا کر بدرگاہ قاضی الحاجات وحدہٗ لا شریک لہٗ یوں دعا کرے کہ خدائے برتر بتوسل اپنے مقربان خاص کے مجھ ناکس پر رحم فرمائے، تو یہ صحیح

ہے اور جائز، اور کارخانۂ قدرت کا دخیل سمجھنا ممنوع ہے
اور توسل صحیح ہے

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

درباره مشترک آب چاه

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں ایک ہی چاہ پختہ واقع ہے، مختلف قومیں اس موضع میں آباد ہیں مسلمان، ہندو، چمار، بھنگی وغیرہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے گھاٹ سے پانی بھرتے ہیں۔ ایسے حالات میں چاہ مذکورہ کا پانی پاک رہے گا یا نہیں۔

الجواب

پانی بالیقین طاہر و پاک ہے اور یہ مسلم کہ "الیقین لا یزول بالشک" پس جب تک مزیل طہارۃ یعنی نجاست نہ مخلوط ہو پانی کو کسی واہمہ اور شک کی بناء پر ناپاک نہیں کہہ سکتے اور وہ ظروف جن سے پانی لاتے ہیں اگر نہ خود ناپاک ہیں، نہ کوئی اور نجاست ان کو لگی ہوئی ہے تو بھرنے والا کوئی ہو، پانی پاک رہے گا۔ البتہ اگر ظن غالب ان برتنوں کے ناپاک ہونے کا ہے تو ضرور صورۃ احتیاط اور احوط بحق العوام و الخواص یہ ہے کہ ایسے کنوئیں سے پانی نہ بھریں اور اس کے استعمال سے حذر کریں۔

نیز اہل کفر اور اہل شرک سے اس مرتبہ کا اختلاط کراہت سے خالی نہیں۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

دربارۂ تقلید و عدم تقلید

"بندۂ نحیف خادم الطلبہ احقر الانس احمد حسن غفرلہ"
بخدمت برادر مکرم گراں قدر قاضی ظہور الحسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنونہ مدعا نگار ہے والا نامہ مرسلہ

پہونچا [illegible]

عزیز من یہ جملہ خطرات واوہام از جملہ وساوس الشیاطین ہیں اعاذنا اللہ وسائر المسلمین منہا۔ بے شبہ یہ اثر ہے اس آزادی کا جو بحکم "الناس علی دین ملوکھم" اکثر رعایا کے طباع میں جاگزیں ہے یا فرقہ باغیہ نیچریہ کی صحبت بد و مجانست شبانہ روز سے شاید پیدا ہوا ہے۔ اے عزیز تم جیسے سلیم الطبع نیک سیرۃ، محب العلماء والفقراء سے ایسے خیالات ذبوں کا ہونا زیادہ مستبعد ہے۔ علماء امت نے اس نقل مذہب کو تلعب فی الدین لکھا ہے اور اس کے مرتکب کو مستحق زجر۔ مگر ائمہ کو البتہ جائز ہے کہ وہ حضرات بحکم ترجیح دلائل عقلیہ ونقلیہ خواہ نقل مذہب کریں، خواہ کسی مسئلہ خاص میں دوسرے مجتہد کی تقلید۔ ہم جیسے عوام کو یہ نقل مذہب یا ترک تقلید دلو فی مسئلۃ ودون مسئلۃ کسی طرح جائز نہیں۔ الحذر الحذر

پابندی مذہب و تقلید شخصی بے شک بڑی مصلحت عظمٰی دینیہ پر مبنی ہے اور ضرور نظام دین و اصلاح دین اس پر موقوف۔ و نظر برآں فی حق العوام تقلید شخصی واجب و ترک اس کا فی حقہ ناجائز۔

دیکھو کس کس نے اس آزادی و غیر مقلدی و خود مختاری کی بسم اللہ شروع کی اور انجام کہاں تک پہونچا، بے شک یہ پہلا سبق ہے کہ آج اس امام کو چھوڑا دوسرے کے مقلد ہوئے اور علیٰ ہذا کل تیسرے کے۔ مسلّم مذاہب اربعہ حق ہیں اور حق دائر ہے بین المذاہب الاربعہ، نہ یہ کہ ہر ہر مذہب حق ہے مثلاً جس کا مقلد ہے فی ظنہ اس مذہب کو حق سمجھتا ہے اور دوسروں کو فی زعمہ باطل۔ اپنے امام کا مذہب بے شبہ راجح اور دوسرا مرجوح۔ پس بمقابلۂ راجح عمل بالمرجوح کیونکر جائز ہے اور بمقابلہ حق فی ظنہ کے باطل فی زعمہ کو اخذ کرنا کب درست

نیز مقام غور وانصاف ہے کہ اپنے علماء مذہب سے رات دن صحبت نصیب، مذہبی کتابوں کا مطالعہ میسر، اس پر یہ زمانہ کہ فروعات مذہب میں علماء مذہب کی بات بات میں ضرورۃ اور

صلاۃ اسباب امام مجتہد کے ان حضرات مقلدین کو کس مرتبہ حاجت!
جس مجتہد کی وہ صحبت میسر ہو سکی نہ کتب مذہب دستیاب اس کے مقلد کو بات بات میں کس قدر بھٹکنا پڑیگا۔

حضرت مولنا شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ عالم بیداری میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ منجملہ دیگر معروضات کے عرض کیا، "میں چاہتا ہوں کہ غیر مقلد ہو کر رہوں"

فرمایا، ہرگز نہیں، فی زمانا ہذا مقلد ہونا بہت ضروری اور آزادی بہت مضر،

عرض کیا کس کی تقلید کروں!

فرمایا! یہ وہ وقت ہے کہ جہالت غالب ہے، مستحبات دین و مکروہات، جائز و ناجائز، بدعت و سنت مخلوط ہے اور نیز فیما بینہما متعدد مذہب ابوحنیفہ جس کی بناء ورع و احتیاط ہے اس کو اختیار کرو۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں! دونوں امر بہ پابندی ادب ماننے ضرور کرنی پڑی، ورنہ میری طبیعت مائل بہ آزادی تھی اور بصورت تقلید قائل مذہب امام مالکؒ، جب حضرت ... ت و راسخین فی العلم یوں محکوم ہوں اور فی حقہم تقلید ضروری فرما کر خاص تقلید مذہب امام ابوحنیفہؒ کی ہدایت ہو رہی بنا ر اس امر کے کہ امام علیہ الرحمۃ نے ورع اور احتیاط زیادہ ملحوظ رکھا ہے، دلائل مشتبہ کو چھوڑ کر امور مشتبہ سے ... رکھا ہے، خاص مذہب امام علیہ الرحمۃ کو دیگر مذاہب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ترجیح دیں، میرا اور آپ کا کیا حکم، بمقابلہ ترجیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کی ترجیح کو معتبر! بحکم حدیث؛

مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي
فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں کچھ ارشاد فرمایا نمبر اجماع ہے اور بمقابلہ اس کے دوسرے کے

خیالات فاسدہ ماخوذ از مجلہ اشاعت اسلام۔

مولانا گا کا یہ جواب مطبع فاروقی میں مولانا کے کسی رسالہ کے ساتھ طبع بھی ہو گیا ہے اور مل بھی سکتا ہے۔

بالجملہ میں .... مزید اہتمام و بلیغ تاکید کے ساتھ ایسے خیالات کی پابندی سے منع کرتا ہوں کچھ دن لاحول ولا قوۃ الا باللہ اگر ہو سکے پانسو بار بعد نماز صبح و بعد نماز عشاء پڑھا کرو رکھو ان شاء اللہ تعالیٰ خود قلب میں سلامتی پیدا ہو جائے گی اور وہ نور علم ان شاء اللہ تعالیٰ منکشف ہوگا جس سے ان خیالات باطلہ کا بطلان خود واضح معلوم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

اپنا انجام. نبی اور وحی کی ضرورت

(صفحہ ۱۵ کا بقیہ)

کی نافرمانی اور کوئی گناہ کا کام کر ہی نہیں سکتے۔ اس کا ان میں مادہ ہی نہیں ہوتا۔ نبیوں اور رسولوں میں یہ مادہ ہوتا ہے وہ گناہ کر سکتے ہیں۔ وہ اللہ کے احکام سے بغاوت کر سکتے ہیں لیکن ان کی پاک بازی اور خدا ترسی غالب رہتی ہے وہ اپنے ارادہ و اختیار سے بری باتوں کو چھوڑتے ہیں ان سے نفرت کرتے ہیں اور اللہ کے فضل سے پاک باز اور معصوم رہتے ہیں اس لئے ان کا درجہ فرشتوں سے بلند مانا جاتا ہے۔

کوٹھاری کمیشن پر دارالعلوم کے اقدامات

کوٹھاری کمیشن نے اقلیت کے تعلیمی اداروں کیلئے جو رپورٹ پیش کی ہے اسے دارالعلوم نے بھی غور سے دیکھا ہے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اس رپورٹ پر اظہار خیال کرنے والے بعض حضرات کے استفسارات کے جواب میں فرمایا کہ اقلیتوں کو اپنے تعلیمی حق کیلئے جدوجہد کرنی چاہئے، دسمبر کے آخیر میں سہارنپور میں اسی رپورٹ پر غور و خوض کیلئے مسلمانوں کی طرف سے ایک میٹنگ بلائی گئی تھی حضرت مہتمم صاحب کے ایماء پر دارالعلوم نے بھی اس میٹنگ سے تعاون کیا۔

اپنا انجام

نبی اور وحی کی ضرورت

از: ـــــــــ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم

(ا)

ہماری آنکھیں کھلی ہوتی ہیں، ہم ہر چیز دیکھ رہے ہیں، مگر نہ صرف ہمارا بلکہ ہر ایک انسان کا یقین یہ بھی ہے کہ بہت سی بلکہ بے شمار چیزیں وہ ہیں جو ہمارے سامنے ہیں، ہمارے پاس ہیں ہمیں گھیرے ہوئے ہیں مگر نظر نہیں آتیں۔ اسی یقین نے ہمیں خوردبین کا شوق دلانا اور اس کی تصدیق کر دی کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے خوردبین ایجاد ہوئی اس سے کام لیا گیا یہاں تک کہ اس سے کام لینے کی جو آخری حد تھی وہ بھی ختم ہو گئی مگر اس یقین میں پھر بھی کوئی فرق نہیں آیا کہ ابھی اور بھی بے شمار حقیقتیں ہیں جو نظر نہیں آتیں۔ یہ ہمارے اندر بھی ہیں اور ہمارے باہر بھی۔ ہمارے بدن سے خول کی طرح لپٹی ہوئی ہیں اور ہمارے بدن سے الگ بھی، ان کے متعلق ہماری تحقیق جاری ہے اور نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔

(ب)

کون جانتا تھا کہ ہماری زبان سے جو لفظ نکلتے ہیں ان کا وجود ہے اور یہ باقی رہتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ چوم لئے کسی کی آمد پر آپ استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے کسی کے طمانچہ مار دیا۔ یہ سب ہاتھ پاؤں یا بدن کی حرکتیں ہیں ختم ہو گئیں ان کا کیا وجود؟

لیکن ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے ہمیں صرف بتایا نہیں بلکہ دکھا دیا کہ جو لفظ بھی زبان سے نکلتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔ ہر ایک عمل کا وجود ہے اور اس وجود کا بقا ہے

(ج)

کیا اس وجود کی کوئی تاثیر بھی ہے؟ آپ نے کسی کی تعریف کی، کسی کو گالی دی، کسی کے ہاتھ چومے، کسی کے لئے کھڑے ہوئے کسی کے طمانچہ مارا۔ کیا ان کاموں کی تاثیر نہیں ہے؟ کیا وہ تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ یا جس طرح عمل کا وجود باقی رہتا ہے وہ تاثیر بھی باقی رہتی ہے۔ دس سال پہلے کسی نے ہماری تعریف کی تھی، پندرہ سال پہلے کسی نے گالی دی تھی۔ آج تک تعریف کرنے والے کی محبت اور گالی دینے والے سے نفرت ہمارے دل میں باقی ہے ہاتھ چومنے والے کی محبت کا بیج جو بیس سال پہلے یا طمانچہ مارنے سے نفرت کا کڑوا پودا جو ہمارے ذہن کی زمین میں پچیس سال پہلے لگ گیا تھا وہ فنا نہیں ہوا بلکہ اس جیسی باتیں کچھ اور ہوتی رہیں تو یہ بیج پہلے پودا پھر درخت بن گیا اس پر اسی جیسے پھل بھی آنے لگے ہاں اگر اس جیسی چیزوں سے اس کی آبیاری نہیں ہوئی یا برائی کرنے والے نے کوئی بھلائی کر دی تو یہ پودا مر جا بھی جاتا ہے

اور ختم بھی ہوجاتا ہے۔

(د)

مختصر یہ کہ عمل، عمل کا وجود اور اس کی تاثیر صرف اعتقادی باتیں نہیں ہیں، بلکہ حقیقتیں ہیں جیسے ہی جاری آنکھ کھلتی ہے، آنکھ کی پتلی گھومتی ہے تو ایک سکنڈ نہیں بلکہ سکنڈ کے بھی بہت تھوڑی لمحہ میں وہ چاند، سورج اور ان تاروں تک پہونچ جاتی ہے جن تک ہم سیکڑوں سال کی مسافت کے بعد بھی نہیں پہنچ سکتے اگر نظر و نگاہ کے اس عمل کا انکار کیا جا سکتا ہے تو عمل، وجود عمل اور اس کی تاثیر کا بھی انکار کیا جا سکتا ہے اور اس انکار کو معقول قرار دیا جا سکتا ہے۔

(ہ)

رحم و کرم، انصاف، شرم و حیا، سنجیدگی، بردباری، عقل مندی، حق پسندی، سخاوت، فیاضی اور ان کے مقابلہ میں ظلم، جبر، قہر، کرختگی، تند مزاجی، ضد، ہٹ، بخل، حرص اور طمع وغیرہ یہ سب اچھے اور برے اخلاق ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا جسم انسان میں ان کا وجود ہے اور ان کے اثرات ہیں؟ یا محض تصورات اور تخیلات ہیں۔ اور حقیقت میں نہ ان کا وجود ہے نہ تاثیر۔ مگر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سودا، صفرا، بلغم، وغیرہ جن کو مزاج کہا جاتا ہے وہ جسم انسان میں رہتے ہیں تو ان کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں، ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کے اثرات سے انسان کا مزاج معلوم کیا جاتا ہے کہ وہ صفراوی ہے یا دموی یا سوداوی۔ انہیں اثرات سے صحت اور بیماریوں کی تشخیص کی جاتی ہے تو کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جب آپ کسی کے چہرے پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے چہرے کے رنگ کے گہرے اور ہلکے ہونے سے چہرے کی ساخت کی کشادگی، بشاشت یا انقباض، آنکھوں، بھنووں اور ناک کی مختلف صورتوں، پیشانی کی دھاریوں اور چہرے کی جھریوں اور ہاتھ سے ماہرین ہتھیلی اور انگلیوں کی دھاریوں سے بھی اخلاق کا اندازہ کر لیتے ہیں کہ یہ شخص نرم دل، انصاف پسند، فیاض طبع دانش مند، سنجیدہ اور بردبار ہے یا اس کے برعکس سخت دل، ہٹ دھرم، بخیل، طامع اور حریص ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم وغیرہ مزاجوں کے وجود کو حقیقت تسلیم کرتے ہیں ان کے اثرات کو مانتے ہیں ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ ان کی خرابیوں سے بچنے اور ان کے درست رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم اچھے برے اخلاق کی تاثیرات کو تسلیم نہ کریں اور ان کو وہم خیال خام اور بے معنی تخیل اور عوام کا جاہلانہ عقیدہ تصور کریں ان کی اصلاح اور ترقی کی کوشش نہ کریں۔

اگر مزاج کی خرابی کا نتیجہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ ہم بیمار پڑ جاتے ہیں یا صحت مند ہو جاتے ہیں تو کیا اخلاق کے نتائج نہیں ہونگے اور وہ اس وقت ہمارے سامنے نہیں آئیں گے۔ جب اخلاق کے نتائج ہی ہمارے سامنے ہونگے اور انہیں کے ماحول میں ہم گھرے ہوئے ہونگے۔

(و)

یہ اچھے اور برے اخلاق کا مالک، یہ عمل کرنے والا شخص یعنی انسان کیا ہے، اس کی زندگی کیا ہے، موت کیا ہے، بچپن جوانی اور بڑھاپا کیا ہے؟ مرنے پر انسان ختم ہو جاتا ہے یا صرف قالب بدلتا ہے؟۔

زید، زید ہی رہا، بچپنا، جوانی، بڑھاپے چولے تھے، بدلتے رہے، مگر زید جو حقیقت ہے وہ نہیں بدلا اس کا جوہر بدستور رہا، صرف چولا بدلتا رہا۔ اسی طرح موت صرف چولا بدلنے کا نام ہے یا ہست سے نیست اور وجود کے بجائے سراسر فنا ہو جانے کو موت کہتے ہیں، گویا سطح دریا پر ایک بلبلا تھا ہوا کا جھونکا چلا فنا ہو گیا۔ مگر بلبلے میں عمل کہاں؟ تفکر و فہم اور ترقی و ارتقاء کا جذبہ کہاں، کوئی بھی مذہب انسان کو بلبلا اور موت کو فنا نہیں کہتا بلکہ مذہب کا مدار ہی اس پر ہے کہ موت کو فنا نہ مانا جائے بلکہ انسان کو ایک دائمی حقیقت مانا جائے جو موت پر ختم نہیں ہوتی

یہ ایک سوال زندگی اختیار کرتی ہے۔

(ز)

آپ اگر سلسلۂ ارتقار کے قائل ہیں تو پیچھے لوٹئے اور ماضی کے اس بعید نقطہ کا تصور کیجئے جب بقول اہل ارتقار زمین کا یہ کرہ سورج کے آتشیں گولے سے الگ ہوا تھا نہیں معلوم کتنی مدت اس کے سرد اور معتدل ہونے میں گذری۔ جب یہ اس قابل ہوا کہ زندگی کے عنصر اس میں نشوونما پاسکیں، اس کے بعد وہ وقت آیا جب اس کی سطح پر نشوونما کی سب سے پہلی داغ بیل پڑی، پھر نہیں معلوم کتنی مدت کے بعد زندگی کا وہ سب سے پہلا بیج وجود میں آسکا جسے پروٹوپلازم (PROTO PLASAM) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، پھر حیات عنصری کے نشوونما کا دور شروع ہوا اور نہیں معلوم کتنی مدت اس پر گذر گئی کہ اس دور نے بسیط سے مرکب تک اور ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ تک ترقی کی منزلیں طے کیں۔ یہاں تک کہ حیوانات کی ابتدائی کڑیاں ظہور میں آئیں اور پھر لاکھوں برس اس میں بھی گذر گئے کہ یہ سلسلۂ ارتقار وجود انسانی کی سطح تک پہنچا۔ پھر انسان کے جسمانی ظہور کے بعد اس کے ذہنی ارتقار کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک طویل مدت اس پر گذر گئی جب آخر ہزاروں برس کے معاشی اور ذہنی ارتقار کے بعد وہ انسان ظہور پذیر ہو سکا جو کہ اس عہد کے تاریخی عہد کا متمدن اور عقیل انسان ہے، گویا زمین کی پیدائش سے لے کر ترقی یافتہ انسان کی تکمیل تک جو کچھ گذر چکا ہے اور جو کچھ بنتا سنورتا رہا ہے وہ تمام تر انسان کی پیدائش ہی کی سرگذشت ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس وجود کی پیدائش کے لئے فطرت نے اس درجہ اہتمام کیا ہے کیا یہ سب کچھ صرف اس لئے تھا کہ وہ پیدا ہو، کھائے، پیئے، اولاد پیدا کرے اور مر کر فنا ہو جائے۔

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

(ح)

قدرتی طور پر یہاں ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہوتا ہے اگر وجود حیوانی اپنے ماضی میں ہمیشہ یکے بعد دیگرے متغیر ہوتا اور ترقی کرتا رہا ہے تو مستقبل میں یہ تغیر و ارتقار کیوں نہ جاری رہتا اور اس پر بندش کی مہر کیوں لگ جائے۔

(ط)

یہ عالم یہ دنیا جہان ایک ہی ہے جس میں ہم موجود ہیں یا اور بھی عالم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نظام شمسی ایک نہیں بلکہ اتنے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے، پرانے لوگ "ہژدہ ہزار عالم" (اٹھارہ ہزار جہاں) کہا کرتے تھے۔ وہ عالم اور جہاں یہی نظام شمسی ہیں یا وہ اور جہاں ہیں اور ان کا نظام علیحدہ ہے، یہ بہت سے جہان ایک ہی مادہ سے ہیں یا ان کے مادے الگ الگ ہیں۔

انسان خاکی ہے مگر ایسی بھی مخلوق ہے جس کو ناری کہا جاتا ہے، اور ایسی بھی ہے جو نہ ناری ہے نہ خاکی ہے، انسان خاکی ہے تو اس کی تحقیق کے تمام آلات بھی خاکی ہیں اس لئے وہ انہیں کا انکشاف کرسکتا ہے جو خاکی ہیں، جو خاکی نہیں ہیں وہ اس کے انکشاف کے دائرہ میں بھی نہیں آسکتے، خواہ یہ دائرہ کتنا ہی وسیع ہو جائے

ہر مذہب، ہر فرقہ روح کو مانتا ہے مگر وہ ازلی ابدی ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی یا فانی ہے، اس کا تعلق خدا کے ساتھ کیا ہے اور انسان کے ساتھ کیا، وہ خاکی ہے یا ناری یا نوری یا اس کے علاوہ کچھ اور ہے، اور اس کا عالم اور جہاں ہمارے موجودہ جہان سے الگ ہے، مگر ایسا تعلق رکھتا ہے جیسے گلاب اور عطر گلاب۔ گویا وہ اس عالم کا جوہر ہے یا وہ خدا کا پرتو ہے جیسے آفتاب کی کرن۔

یہ سب مسائل ایسے ہیں کہ دنیا کے محقق بھی اور

ذہن [illegible] [illegible] قرات قائم کرسکتے ہے، قرآن حکیم نے صرف دو فقروں میں اس پیچیدہ سوال کا جواب دے دیا ہے

مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

اے نبی آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے وہ میرے پروردگار کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا سا۔ (سورہ بنی اسرائیل)

مطلب یہ ہے کہ روح نہ ازلی ہے نہ ابدی یعنی وہ قدیم نہیں پیدا شدہ ہے اس کی پیدائش تمہارے مادہ سے نہیں بلکہ الگ مادہ سے ہوئی ہے جس کے لئے خاص طور پر حکم الٰہی کارفرما ہوا۔ تم اس کی حقیقت نہیں معلوم کرسکتے کیونکہ تمہارا علم بہت تھوڑا اور بہت محدود ہے، تمہارا علم صرف اس عالم تک ہے جس کو عالم انسان یا خاکی عالم کہا جاتا ہے۔ جو عالم اس کے علاوہ اس سے بالا یا اس سے پست ہو تمہارا پیمانہ فکر اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

(ی)

جب ہمارے عمل کا وجود ہے، اس کی تاثیر ہے، وہ باقی رہتی ہے، اخلاق کا بھی وجود ہے اس کی تاثیریں ہیں، تو قدرتی طور پر سوال ہوتا ہے کہ سلسلۂ ارتقاء جو انسان کے وجود اور اس کے عمل تک جاری تھا۔ کیا وہ آئندہ بند ہوگیا کیا اُن اعمال اور اخلاق کی تاثیرات میں ارتقاء نہیں ہوتا؟ انڈے کے اندر سفید سفید مرطوب چیز ہوتی ہے اس میں نشوونما ہوتا ہے تو سفیدی زردی ہوجاتی ہے زردی کا نشوونما اس کو گوشت، ہڈیوں، پروں اور نسوں کی شکل میں بدل دیتا ہے یہ نشوونما آگے قدم بڑھاتا ہے تو انڈے کے چھلکے کو پھاڑ دیتا ہے اور چوزہ بن کر ایک نئے عالم میں گردش کرنے لگتا ہے۔ تمہیں حیرت نہ ہونی چاہیئے اگر انڈے کی مثال کو سامنے رکھ کر کہا جائے کہ اعمال اور اخلاق انسانی کی تاثیرات نشوونما پاتے ہوئے اور ترقی کرتے کرتے اس [illegible] گی کہ نظام شمسی یا جس نظام میں وہ موجود ہیں چھلکے کی طرح پھٹ جائیگا اور انسان ایک نئے عالم میں ظہور پذیر ہوگا۔ جو اس کے اعمال و اخلاق کی ترقی یافتہ شکل کا عالم ہوگا۔

(ک)

بلکہ مستقبل انسان کا سب سے پہلا فرض ہے اگر آپ طلوع آفتاب سے پہلے رات گذارنے کا انتظام ضروری سمجھتے ہیں سفر سے پہلے سامان سفر اور جس منزل پر آپ کو پہونچنا ہے اس منزل کا اتا پتا معلوم کرنا تقاضائے عقل قرار دیتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ ان سوالات کے جوابات تلاش کریں جن کا تعلق آپ کے مستقبل سے ہے لیکن انسان کی عقل جو مادیات کے گھونسے میں پھنسی ہوئی ہے وہ اس مستقبل کو کیسے معلوم کرسکتی ہے جو اس خاکی مادہ سے بالا ہے اور بلند ہے۔ قرآن حکیم نے اسی مستقبل کو "الیوم الآخر" پچھلے دن، بعد میں آنیوالے دن سے تعبیر کیا ہے اور اس کو یہ اہمیت دی ہے کہ نیکی کی تعریف کرتے ہوئے "ایمان باللہ" (اللہ پر ایمان لانے کے بعد سب سے پہلے اسی کو شمار کرایا ہے

لکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر (سورۂ بقرہ)

(ل)

اچھا وہ خدا جس نے ہماری زندگی کو سدھار اور ترقی کی چیزیں پیدا کیں اور ہمارے کام میں لگا دیں، سانس لینے کے لئے ہوا، گرماہٹ کے لئے آفتاب کی شعاعیں اور تازگی کے لئے پانی، رہنے کے لئے زمین اور اڑنے کے لئے آسمانی فضا اور اس طرح کی ہزاروں نعمتیں پیدا کیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ جس نے شکم مادر میں بھی ہمارے لئے غذا پیدا کی اور جیسے ہی شکم مادر سے بچہ باہر آیا اس کی غذا آغوش مادر میں خاص اس جگہ پیدا کردی جہاں اس کا منہ رہتا تھا اور جب کہ

وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس انجانی کے وقت میں بھی اس کو یہ جانا کہ وہ کس طرح پستان مادر کو چوسے اور کس طرح اپنا ننھا سا پیٹ بھرے۔

کیا اس نے ہماری اس زندگی کی اصلاح اور درستی کی صورت نہیں بتائی ہوگی جو حقیقی اور لازوال زندگی ہے وہ رب العلمین جس نے ارتقاء کی منزلیں طے کرا کر انسان کو اپنی قدرت کا شاہکار بنایا۔ پھر تخلیق انسان میں یہ عجوبہ کاری کی کہ معمولی سے بلکہ موہوم سے جرثومہ کو تولید کے مراتب طے کرائے۔ ہر مرحلہ میں اس کی نگرانی اور اس کی مخصوص مہربانی اس کی کارسازی کار فرما رہی۔ ماں کی مامتا کے ظہور میں ابھی چند ماہ تھے کہ اس رب اور پروردگار کی شفقت نے جرثومہ کو خون، پھر گوشت کا ٹکڑا، پھر نمونہ انسان پھر طفل انسان بنایا۔ پھر اس طفل کے لئے آغوش مادر کو خزانہ محبت، شفقت پدر کو سائبان رحمت کی حیثیت بخشی جب اس کی اس چند روزہ زندگی کے لئے قدرت کی یہ تمام فیاضیاں اور خلق و تدبیر کی یہ تمام کارسازیاں ہیں کیا عقل فیصلہ کر سکتی ہے کہ اس نے مابعد الحیات کی ارتقائی منزلوں کے لئے کوئی انتظام نہ کیا ہوگا۔ جس رب العلمین نے انسان کی پرورش کے لئے انوکھا اور عجیب و غریب نظام قائم کر رکھا ہے۔ کیا ممکن ہے اس نے مستقبل کی فلاح و سعادت کے لئے کوئی نظام کوئی قانون نہ بنایا ہو، کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو جس طرح حال کی ضرورتیں ہیں ایسے ہی مستقبل کی ضرورتیں ہیں پھر کیونکر ممکن ہے کہ حال کی ضرورتوں کے لئے تو اس کے پاس سب کچھ ہو لیکن مستقبل کی ضرورتوں کے لئے اس کے پاس کوئی کارسازی اور کوئی کارپردازی نہ ہو

(۴)

صحیح ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ مگر ایجاد کس طرح ہوتی ہے؟

ضرورت کا احساس لوگوں میں بڑھتا ہے ... اا ایک ... کہ وہ ضرورت گویا دماغوں پر مسلط ہو جاتی ہے چارہ کار کی فکر میں دماغ مصروف رہنے لگتے ہیں اٹھتے بیٹھتے وہی ضرورت اور اس کے چارہ کار کی ادھیڑ بن ذہنوں میں رہتی ہے تو ایسا ہوتا ہے کہ انہیں سوچ بچار کرنے والوں میں سے کسی ایک کے دماغ میں ایک جھلک سی آتی ہے وہ جھلک رہنمائی کرتی ہے چارہ کار کی اب ذہن اس جھلک کے پیچھے چلتا ہے اسکے ہر ایک پہلو پر غور کرتا ہے تو اس ضرورت کے متعلق تدبیریں سامنے آجاتی ہیں جن سے ایک منصوبہ مرتب ہو جاتا ہے وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے جو اس سوچ بچار میں تھے تو ہر ایک ذہن اس منصوبہ کو قبول کر لیتا ہے اور ایک چیز کی ایجاد ہو جاتی ہے۔

آپ اس جھلک کو الہام کہہ سکتے ہیں یہ اس کو ہوتا ہے جو اس ضرورت سے بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں اس کے نشیب و فراز سے واقف گویا اس ضرورت کے سلسلہ میں ماہر فن ہوتے ہیں

(۵)

وہ بندگان خدا جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے نوع انسان کی ہمدردی ان کی فطرت کا جوہر ہوتی ہے۔ وہ اس ہمدردی میں پورے مخلص اور ہر طرح سچے ہوتے ہیں۔ نوع انسان کی فلاح و بہبود ان کا نصب العین ہوتا ہے۔ خرابیاں اور برائیاں ان کے لئے درد جگر اور سوہان روح ہوتی ہیں۔ وہ اس فکر میں رات دن منہمک رہتے ہیں کہ کس طرح خرابیاں دور ہوں؟ اور فلاح و بہبود کے راستہ کو انسان اختیار کریں یہی باتیں ان کے ذہنوں کی ادھیڑ بن ہوتی ہیں اس طرح کی جھلک ان کے سامنے بھی آتی ہے جس کا تعلق انسان کے مستقبل، اس کی روحانی ترقی اور اس کے فلاح و بہبود سے ہوتا ہے یہ جھلک جس کو ہم نے الہام کہا تھا یہی الہام ہے جس سے مستقبل کی ضرورتوں کی عقدہ کشائی ہوتی ہے، تمدن یا مادی ترقی کے سلسلہ میں جو مسائل سامنے آتے ہیں جو الجھنیں ان

نہیں پیدا ہوتی ہیں وہ اخلاقی یا روحانی مسئلہ نہیں ہوتا نہ اس کا تعلق کسی فن یا آرٹ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس فن کی مہارت اور اس کی ترقی کی لگن تو ضروری ہوتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ ماہر شخص، اخلاق اور روحانیت میں بھی کمال رکھتا ہو مگر وہ مسائل جن کا ذکر اوپر کیا گیا ان کا سارا تعلق اخلاق اور روحانیت سے ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جس کو الہام کی روشنی عطا ہو وہ روحانیت میں سب سے بلند، اخلاقی کمالات میں سب سے اونچا ہو، بچپن سے اس کو یہی لگن رہی ہو، سچائی، پاکبازی، امانت داری جیسے اعلیٰ اخلاق کا وہ بہتر نمونہ ہو، خالقِ ذوالجلال پر پورا یقین اور بھروسہ رکھتا ہو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا خدا پرست اور خدا ترس ہو۔

(س)

یہ غلط ہے اور قطعاً غلط ہے اور سراسر نادانی ہے کہ اللہ میاں انسان کی شکل میں آتا ہے اور انسان اوتار بن جاتے ہیں بلکہ جانا پہچانا تجربہ ہے، سے انکار نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو انسانوں کے ذریعہ ہی سکھاتا ہے۔

تمام ایجادیں اسی طرح ہوئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی ماہر کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔ وہ اس کا تجربہ کرتا ہے تجربہ صحیح ہوتا ہے تو اس کو چلاتا ہے پھیلاتا ہے، رواج دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے روحانیت کے بڑے سے بڑے ماہر پیدا کئے ان کے دلوں میں روحانی کمالات اور اخروی ترقیات کی باتیں ڈالیں ان کے لئے خاص خاص پیغام نازل کئے۔ یہ ماہرین انبیاء تھے، اور یہ پیغامات کتابیں، آخری پیغام قرآن حکیم ہے

(ع)

مادی ترقیات ادھوری ہیں، انسان نا رفتہ رفتہ ترقی کر رہا ہے کیونکہ مادی ترقی نہ ہونے سے انسان کے روحانی کمال میں فرق نہیں آتا لیکن روحانی تعلیم کا اثر انسان کے مستقبل پر یعنی اس کی آخرت پر پڑتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے روحانی تعلیمات کو پہلے ہی مکمل فرما دیا تاکہ جس کو توفیق ہو وہ روحانی کمال حاصل کرے اور ناواقفیت کا عذر باقی نہ رہے۔

حضرت محمد بن عبداللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں جن کے ذریعہ روحانی تعلیم مکمل فرما دی گئی اور سلسلۂ نبوت ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ اللہ کا آخری پیغام قرآن حکیم ہے جو روحانی کمالات کا مکمل درس ہے اس کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا سیکڑوں برس گذر گئے وہ اب تک اسی طرح محفوظ ہے ایک خوشہ کا فرق بھی اس میں نہیں آیا، ہر دور اور ہر زمانہ میں لاکھوں انسان اس کے حافظ رہے، حافظ ہیں اور اسی طرح حافظ رہیں گے۔

ہزاروں بلکہ لاکھوں حافظ ہر سال رمضان شریف میں یہ قرآن نماز تراویح میں کھڑے ہو کر سناتے ہیں۔ کوئی حافظ اگر معمولی سے معمولی غلطی بھی کرتا ہے تو دوسرا حافظ فوراً ٹوک دیتا ہے اور اس کو آگے نہیں بڑھنے دیتا جب تک وہ اپنی غلطی کی اصلاح نہ کر لے اس طرح ہر سال لاکھوں مسلمان پورے قرآن کو از اوّل تا آخر چیک کرتے ہیں اور اسی بنا پر ان کو پورا یقین ہے کہ یہ قرآن وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور چونکہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ باقی رہے اور لوگ اس سے ہدایت پاتے رہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ رکھنے کا یہ غیر معمولی حیرت انگیز طریقہ سمجھا دیا جس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔

حفاظت قرآن کا راز، پریس نہیں بلکہ انسانوں کے ذہن اور ان کی یاد ہے۔

حضرات انبیاء کی پہچان یہ ہے کہ ان کی زندگی بہت پاک ہوتی ہے وہ شروع سے خدا پر یقین رکھتے ہیں سچائی ان کی فطرت ہوتی ہے، وہ پاکی اور سچائی کے راستہ سے کبھی بھی نہیں ہٹتے، ان میں اور فرشتوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ فرشتہ خدا

(باقی صفحہ ۹ پر)

فنِ تصوّف کی ایک شاخ

سہروردیہ

★ ———— مولانا سعید احمد اکبرآبادی رکن شوریٰ دارالعلوم کی ایک ریڈیائی تقریر

اسلامی ہندوستان کی تاریخ کے ابتدائی دور میں تصوف کے جو سلسلے یہاں زیادہ پھلے پھولے اور مقبول و مروج ہوئے وہ درحقیقت دو ہی ہیں ایک چشتیہ اور دوسرا سہروردیہ۔ چشت کی طرح سہرورد بھی ایک مقام کا نام ہے جو عراق عجم میں ہمدان و زنجان کے درمیان واقع تھا چونکہ سہروردیہ سلسلہ کے اکابر صوفیا و مشائخ اسی مقام کے باشندہ تھے اس بنا پر یہ سلسلہ سہروردیہ کے نام سے مشہور ہوا

اگرچہ اس سلسلہ کے اصل بانی سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ (المتوفی ۲۹۷ھ) خیال کئے جاتے ہیں لیکن حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے غایت محنت و ریاضت سے اس کی باقاعدہ تنظیم کی اس کے اصول و ضوابط متعین کئے اور اسے پروان چڑھایا اس بنا پر اس کی نسبت آپ کی ہی طرف ہوتی ہے،

حضرت شیخ کا نام عمر تھا، کنیت ابوحفص اور لقب شیخ الشیوخ اور شہاب الدین تھا، سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، شروع جوانی میں علم کلام سے بڑی دلچسپی تھی اور اکثر اس کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے، خود آپ کا بیان ہے میں ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت شیخ ابوالنجیبؒ کے ساتھ غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور غوث اعظم کو علم کلام کے ساتھ میری غیرمعمولی دلچسپی اور شغف کا علم ہوا تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا۔ دست مبارک کا سینہ سے مس کرنا تھا کہ جو کتابیں مجھے یاد تھیں ان سب کو بھول گیا اور سینہ اسرار و رموز معرفت الٰہی کا گنجینہ بن گیا

آپ کی پیدائش "سفینۃ الاولیاء" کے بیان کے مطابق ۵۳۹ھ اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔ بغداد میں آپ کا مزار مرجع عوام و خواص ہے۔

آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں...

عوارف المعارف، بہجۃ الابرار، اور کشف النصائح الایمانیہ زیادہ مشہور ہیں، لیکن جو شہرت اور مقبولیت عوارف المعارف کی ہوئی وہ کسی اور کتاب کی نہیں ہوئی، حضرت شیخ نے اس کتاب میں تصوف کے معتقدات، معمولات، خانقاہوں کی تنظیم اور پیر و مرید کے تعلقات و آداب پر بہت مفصل روشنی

ڈالی ہے اس بنا پر شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے ایک مرتبہ فرمایا وہ شخص صوفی ہو ہی نہیں سکتا جو ہمارے مخدوم زادہ کی کتاب سے مستفیض نہ ہوا ہو۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر عوارف المعارف کا باقاعدہ درس اس جذب و شوق سے دیتے تھے کہ سننے والوں پر عالم سکر طاری ہو جاتا تھا۔

شیخ سہروردی کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور ان میں بڑے بڑے نامور اور بلند پایہ صوفیا شامل ہیں لیکن جس بزرگ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اسے مزید مستحکم اور منظم کیا وہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ہیں۔ شیخ کے جد امجد کمال الدین شاہ جو عرب کے قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے ملتان میں آبسے تھے۔ چنانچہ شیخ بہاؤ الدین زکریا کی ولادت ۵۶۶ھ میں ملتان کے ایک مقام قلعۂ کوٹ کروڑ میں ہوئی آپ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد حج بیت اللہ کے لئے حجاز تشریف لے گئے واپس آرہے تھے کہ بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے بیعت ہوئے اور وہیں قیام کر کے سلوک و معرفت کے منازل اس تیز رفتاری سے طے کر لئے کہ سفینۃ الاولیاء اور خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے مطابق ابھی اٹھارہ دن ہی ہوئے تھے کہ عالم مشاہدہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شیخ شہاب الدین سہروردی کی قیام گاہ پر جلوہ فرما ہوئے اور شیخ کو حکم فرمایا کہ اپنے مرید بہاؤ الدین زکریا کو خرقۂ خلافت پہنائیں تعمیل ارشاد میں کیا پس و پیش ہو سکتا تھا۔ فوراً شیخ بہاؤ الدین زکریا کو خلافت شیخ کا پروانہ عطا فرما دیا گیا۔

اس کے بعد آپ شیخ کے حکم سے ملتان تشریف لائے اور اسے مستقل طور پر اپنے فیوض و برکات اور تعلیم و ارشاد کا مرکز بنا لیا جہاں سے عرفان و فیضان کی شعاعیں ہندوستان میں اور بیرون ممالک میں دور دور تک پہونچیں اور سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوئیں آپ کی تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے، غالباً زیادہ صحیح ۶۶۶ھ ہے اس حساب سے آپ کی عمر سو برس کی ہوئی۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ صدر الدین عارف باللہ خود بڑے بزرگ اور صاحب ارشاد و ہدایت تھے ان کے علاوہ مریدوں میں شیخ فخر الدین عراقی، شیخ امیر حسینی، شیخ جمال خنداں اور شیخ نجیب الدین علی جیسے اکابر صوفیاء پیدا ہوئے اور ان کی وجہ سے ہندوستان میں خصوصاً سہروردیہ سلسلہ کی اشاعت و ترویج کا حلقہ وسیع تر ہوتا رہا۔

تصوف کی اصل بنیاد عشق و محبت الٰہی ہے، عبادات تزکیۂ نفس، طہارت باطن اور زہد و اتقا ان سب کی غرض و غایت قرب و وصال ایزدی ہی ہوتا ہے لیکن تصوف کے مختلف سلسلے اس اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں کہ کسی پر سکر کی حالت کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی پر صحو کا کوئی کسی ایک بات پر زیادہ زور دیتا ہے اور کوئی کسی اور چیز پر۔ سہروردیہ سلسلہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرات تزکیۂ نفس اور اس کے ذریعہ اعلیٰ اخلاق و فضائل کے کسب پر زیادہ زور دیتے تھے۔

شیخ سعدیؒ جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے متوسلین میں تھے بوستان میں لکھتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب | دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش | دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

یعنی میرے پیر و مرشد نے ایک مرتبہ مجھ کو دو نصیحتیں فرمائیں ایک یہ کہ دیکھو کبھی اپنے بارہ میں خود بیں و خود نگر مت ہو جانا اور دوسری یہ کہ دوسروں کی عیب جوئی اور ان کی بد بینی سے دامن بچائے رکھنا۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا نے ایک مرتبہ فرمایا:۔

تم اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے اوپر لازم کر لو، ذکر کے ذریعہ ہی طالب محبوب تک پہونچتا ہے، محبت ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، جب محبت رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے تو محبوب

کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر ہوتا ہے اور یہی حقیقی ذکر ہے

سہروردیہ سلسلہ کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ عام صوفیاء کی طرح یہ حضرات بھی حکومت اور سیاست سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے لیکن جب ضرورت ہوتی تھی تو حکومت کے سامنے حق بات کے کہنے میں انہیں تامل نہیں ہوتا تھا چنانچہ جب خوارزم شاہ نے ایک فوج گراں کے ساتھ بغداد پر حملہ کیا تو حضرت شیخ شہاب الدین خود خوارزم شاہ کے پاس تشریف لے گئے اور سنت کے مطابق سلام کرنے کے بعد فصیح عربی میں ایسی پر زور تقریر کی کہ خوارزم شاہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہا،

شیخ بہاؤالدین زکریا کے زمانہ میں ملتان کے حاکم ناصرالدین قباچہ نے جب سلطان شمس الدین التمش کے خلاف سازش اور بغاوت کا سروسامان کرنا شروع کیا تو حضرت شیخ نے ایک خط کے ذریعہ سلطان کو اس صورت حال سے مطلع کرنا چاہا لیکن یہ خط اتفاقاً قباچہ کے ہاتھ لگ گیا اب اس نے شیخ کو بلا کر وہ خط دکھایا تو آپ نے فرمایا بیشک یہ خط میرا لکھا ہوا ہے لیکن یہ میں نے اللہ کے حکم سے لکھا تھا شیخ نے یہ آخری الفاظ کچھ ایسے انداز سے ادا کئے کہ سنتے ہی قباچہ پر گریہ طاری ہو گیا اور اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا۔

اس کے علاوہ حکومت کو اگر کسی اچھے کام میں مدد کی ضرورت ہوتی تھی تو سہروردیہ سلسلہ کے حضرات خلق خدا کی خدمت کی نیت سے اس میں تامل نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ ملتان میں سخت کال پڑا تو شیخ بہاؤالدین زکریا کے پاس غلہ کا جو کچھ بھی ذخیرہ تھا وہ سب حاکم صوبہ کے حوالہ کر دیا۔

سہروردیہ حضرات سماع کے بھی قائل تھے چنانچہ ایک مرتبہ قوال نے یہ شعر پڑھا ؎

مستاں کہ شراب ناب خوردند
از پہلوئے خود کباب خوردند

شیخ بہاؤالدین زکریا پر یہ شعر سنتے ہی جذب و وجد کا عالم طاری ہو گیا آپ فوراً کھڑے ہو گئے اور چراغ گل کر دیا۔

تصوف کے دوسرے سلسلوں کی طرح سہروردیہ سلسلہ نے بھی آگے چل کر بہت سے برگ و بار پیدا کئے اور اس سے سترہ گروہ عالم وجود میں آئے، ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) صوفیہ (۲) جلالیہ (۳) لعل شہبازیہ
(۴) مخدومیہ (۵) کرم علی جہلمی (۶) موسیٰ شاہی
(۷) رسول شاہی (۸) میران شاہی (۹) عیدروسیہ
(۱۰) قاسم شاہی (۱۱) رزاق شاہی (۱۲) دولا شاہی
(۱۳) سید شاہی (۱۴) اسماعیل شاہی
(۱۵) حبیب شاہی (۱۶) مرتضیٰ شاہی
(۱۷) ناتھو شاہی۔

مولانا فضل اللہ کی علمی خدمات

(صـ۲۵ کا بقیہ)

روپے کے اخراجات کے بعد اس شرح کا مکمل مبیضہ تیار ہوا ہے اس کی طباعت کے لئے بمبئی کے مطبع والوں سے گفتگو کے بعد اندازہ ہوا کہ دس جلدوں میں اس کی طباعت ہو سکے گی اور فی جلد چودہ سے بیس ہزار روپیہ تک صرفہ ہوگا۔

اب دیکھئے کون صاحب خیر ہمت کرتا ہے اس کے طبع کی اور کب یہ عظیم المرتبت و جلیل القدر دینی و ملی سرمایہ قوم و ملت کے ہاتھ میں پہونچتا ہے،

مولانا فضل اللہ صاحب آج کل اقبال منزل ڈگی روڈ علی گڈھ میں ہیں۔

یونٹ

عام لوگوں کے لئے پونجی لگانے کا

نہایت بڑھیا طریقہ

یونٹ ٹرسٹ سرکاری اہتمام میں قائم شدہ ایک ادارہ ہے جس کے ذریعہ عام لوگ آسانی سے اپنی پونجی لگا سکتے ہیں۔ ریزرو بینک اور دوسری مالی تنظیموں کی طرف سے مقرر کردہ ماہروں کا ایک ٹرسٹی بورڈ اس ٹرسٹ کا بندوبست کرتا ہے۔ یہ ٹرسٹ یونٹ فروخت کرتا ہے اور اس طرح حاصل شدہ پونجی کو سٹاک مارکیٹ میں منتخبہ شیئرز اور کفالتوں میں لگاتا ہے اس طرح لگی ہوئی پونجی سے ہر سال جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ٹرسٹ کا خرچ نکال کر باقی رقم ان یونٹ مالکوں میں ان کے حصے کے مطابق تقسیم کر دی جاتی ہے جن کے نام 30 جون تک رجسٹر میں درج ہوتے ہیں۔ ٹرسٹ کا حساب کتاب کا سال جولائی سے جون تک ہوتا ہے اور تمام یونٹ مالکوں کو پورے سال کا منافع دیا جاتا ہے خواہ انھوں نے یونٹ کسی بھی تاریخ کو خریدے ہوں۔ 73-1972ء کے لئے ٹرسٹ نے $8\frac{1}{2}$ فی صد منافع دیا۔

ایک یونٹ پر درج قیمت دس روپے ہے اور یونٹ دس کے حاصل الضرب میں فروخت کئے جاتے ہیں کم از کم دس یونٹ خریدنے پڑتے ہیں لیکن ان کے لئے کوئی زیادہ سے زیادہ حد مقرر نہیں کی گئی کوئی شخص جتنے جی چاہے اتنے ہی یونٹ خرید سکتا ہے۔ ٹرسٹ کے بمبئی، کلکتہ، نئی دہلی اور مدراس کے دفاتر سے یا کئی ایسے بنکوں اور ڈاک گھروں سے رائج قیمت فروخت پر یونٹ خریدے جا سکتے ہیں، جو ٹرسٹ کے ریسیونگ ایجنٹ کے طور پر درخواستوں کے فارم سپلائی کرتے ہیں اور روپیہ جمع کر کے ٹرسٹ کی طرف سے باقاعدہ رسید جاری کر دیتے ہیں۔ یونٹوں کے سرٹیفکیٹ ٹرسٹ کی طرف سے براہ راست بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک بھیجے جاتے ہیں۔ یونٹ کوئی فرد اکیلے خرید سکتا ہے یا دو، تین، یا چار افراد مل کر بھی خرید سکتے ہیں لیکن انہیں کوئی فرد نابالغ نہیں ہونا چاہئے۔ کوئی نابالغ خود یونٹ خریدنے کی درخواست نہیں دے سکتا، البتہ اس کا باپ یا اس کی ماں، بشرطیکہ وہ قانونی طور پر اس کی سرپرست ہو، یا عدالت کی طرف سے مقرر کردہ سرپرست نابالغ کی طرف سے یونٹ خریدنے کی درخواست دے سکتے ہیں اور جب تک بچہ نابالغ ہے وہ ایسے یونٹ سرٹیفکیٹوں کے بارے میں تمام کاروائی کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

یونٹوں کے مالک (ماہ جولائی کے سوا) کسی بھی وقت اپنے یونٹ دوبارہ خرید کر رائج قیمت پر ٹرسٹ کو واپس بیچ سکتے ہیں اس کے لئے یونٹ مالک، یونٹ سرٹیفکیٹ کی پشت پر درج فارم کو پر کر کے اور اس پر اپنے دستخط، دستخطوں کے لئے شہادت دلا کر اسے ٹرسٹ کے متعلقہ دفتر کو بھیج سکتے ہیں۔ ٹرسٹ دستخطوں وغیرہ کی پڑتال کے بعد، ڈرافٹ، چیک، منی آرڈر یا زرِ نقد کی صورت میں جب بھی یونٹ مالک کی خواہش ہو، اس کو رقم بھیج دیتا ہے

حضرت عمران بن حصینؓ اور آپ کے علمی تبرکات

محمد ارشد اعظمی

جب اسلام کی ضیا بارکرنیں دنیا کو جگمگا رہی تھیں اور شرک وکفر ضلالت وبدعت کی گھٹا ٹوپ ظلمت چھٹ رہی تھی اور آواز حق کو سنکر امن وسکون کے متلاشی انسان پیام تسکین پاتے ہی رحمت ونور کے سرچشمے کے پاس جوق درجوق پہونچ رہے تھے تو رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو اپنے فیوض وبرکات انوار وکمالات سے اس قدر مالامال کردیا تھا کہ ساری ہی باکمال ہستیاں عظمت کا مینار بن گئی تھیں، قرآن کریم نے ان کی صفت میں کہا "یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان حضرات کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے"

پھر آگے کہا ہے: "کہ وہی لوگ نیک راہ پر ہیں"

اور فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی تو صریح طور سے شہادت بھی دے رہے ہیں اور اعلان بھی فرما رہے ہیں کہ "یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو اس امت کے افضل ترین لوگوں میں ہیں، دلوں کے اعتبار سے انتہائی درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل، اور تکلف میں بہت کم۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے واسطے منتخب فرمایا ہے لہذا تم ان کے فضل وبزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کے آداب واخلاق کی پیروی کرتے رہو یہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستہ پر ہیں۔"

لہذا ان نفوس قدسیہ کے نقوش وتاثرات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اس سے روشن راہ نظر آوے گی اور اجر وثواب بھی ملے گا۔ آیئے آج کی بزم میں ایسی رخشندہ اور تابندہ ہستی کا تعارف کراتے ہیں جو دل کے اعتبار سے انتہائی طاہر، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور عدیم التکلف ہیں۔ آپ کا اسم گرامی .....؟

نام وکنیت وغیرہ

عمران ہے، والد کا نام حصین ہے، کنیت ابونجید ہے قبیلۂ خزاعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا نسب شریف یہ ہے عمران بن حصین بن عبید بن خلف بن عبدنہم بن سالم بن غاضرہ بن سلول بن حبشہ بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاعی

ضیائے اسلام

غزوۂ خیبر کے قریبی دور ۷ھ میں ضیاء اسلام سے

تشنگی اور تابندگی نصیب ہوئی۔ ایک تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ: حضرت عمران بن حصینؓ کے ہمراہ آپ کے والد اور ہمشیرہ بھی نور اسلام سے مستنیر ہوئیں، آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انوار و برکات سے کس قدر آپ کو مالامال کر دیا تھا کہ مندرجہ ذیل حالات سے محسوس ہوتا ہے، جیسے علم کا چشمہ ہے جو ابل رہا ہے، علم حدیث کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے جو موجیں مار رہا ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا دور خلافت جب آیا ہے تو آپ نے،

درس و تدریس کے مسند پر

حضرت عمران بن حصینؓ کو بصرہ کا معلم بنا کر روانہ فرمایا تھا اور پھر علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ: عمران بن حصینؓ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ: یہ ان لوگوں میں ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ صاحب اکمالؒ کہتے ہیں کہ: حضرت عمران بن حصینؓ فضلائے صحابہ اور فقہاء صحابہ میں سے تھے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: خدا کی قسم سرزمین بصرہ میں حضرت عمران بن حصینؓ سے بہترین کوئی سوار نہیں آیا'

علامہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: سرزمین بصرہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے افضل اور فائق حضرت عمران بن حصینؓ کے علاوہ کوئی نہیں تھا' چنانچہ اسی افضلیت اور فوقیت کی بنا پر آپ کی درسگاہ میں کثرت سے تشنگان علوم آتے تھے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے تلامذہ کی فہرست دیکھئے' کیسے کیسے جلیل القدر علماء و اتقیاء زانوئے ادب تہہ کئے نظر آ رہے ہیں اور کیسے کیسے عظیم المرتبت محدثین عظام استفادہ کر رہے ہیں

تلامذہ حضرات

(۱) حضرت نجیدؒ (۲) حضرت ابوالاسود دیلیؒ (۳) ابو رجاء العطارديؒ (۴) ربعی بن حراشؒ (۵) مطرف بن عبداللہ شخیرؒ (۶) یزید بن عبداللہ شخیرؒ (۷) حکم بن اعرجؒ (۸) زہدم الجرمیؒ (۹) صفوان بن محرز (۱۰) عبداللہ بن رباح الانصاریؒ (۱۱) عبداللہ بن بریدہؒ (۱۲) محمد بن سیرینؒ (۱۳) حسنؒ (۱۴) ابوقتادۃ العدویؒ (۱۵) ابوالسوار العدویؒ (۱۶) ابوالمہلب الجرمیؒ (۱۷) زرارہ بن اوفیؒ (۱۸) ابونضرۃ العبدیؒ رہ

اسی پر بس نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک مختصر سی فہرست مشاہیر حضرات کی پیش کی گئی ہے ورنہ اس کے علاوہ بھی مستفیدین حضرات ہیں۔ اب اس کے بعد ضرورت ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ کے علمی تبرکات بھی پیش کر دئے جائیں تاکہ ہم لوگ اس سے فیضیاب ہوں اور ایک روشن راستہ نظر آئے

علمی تبرکات

حضرت عمران بن حصینؓ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے ابونجید! آپ لوگ ہم سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کی اصل ہم کو قرآن میں نہیں ملتی ہے؟ تو اس پر حضرت عمران بن حصینؓ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ تفصیل ہے کہ ہر چالیس درہم پر ایک درہم، اتنی بکریوں پر اتنی بکریاں اتنے اونٹوں پر اتنے اونٹ زکوٰۃ دی جائے!! اس نے کہا کہ نہیں! حضرت عمرانؓ نے فرمایا کہ پھر تم نے کیونکر کہا؟ اور تم نے ہم سے سنا' ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم ہی کی طرح سنت بھی دلیل شرعی ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں اصول تمام بیان کر دئے گئے ہیں۔ اللہ کی کتاب ایک مکمل قانون علوم و معارف کا سرچشمہ اور سارے عالم کے لئے رہنما ہے۔ اور ان اصول کی تفاصیل تفریعات و جزئیات احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔

حضرت ابوقتادہ رض بیان فرماتے ہیں کہ: ہم لوگوں کی ایک جماعت حضرت عمران بن حصینؓ کے پاس تھی اور ہم

لوگوں میں بشیر بن کعبؓ بھی ... حضرت عمران بن حصینؓ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا "الحیاء خیر کلّہ" شرم وحیا تو سب ہی بہتر ہوتی ہے یا "الحیاء کلّہ خیر" فرمایا (یعنی لفظ کلّہ پہلے فرمایا اور خیر بعد میں فرمایا) تو بشیر بن کعبؓ نے یہ سنکر کہا کہ ہم نے بعض کتابوں میں یا "اقوال حکمت" میں دیکھا ہے کہ حیاء سے متانت پیدا ہوتی ہے اور اللہ کے لئے وقار پیدا ہوتا ہے اور حیا کی ایک قسم وہ بھی ہے جو ضعف نفس سے پیدا ہوتی ہے، حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرانؓ کو یہ سنکر اتنا غصہ آیا کہ غصہ سے آنکھیں سرخ ہوگئیں اور فرمایا دیکھتے نہیں ہو، میں تمہیں حدیث رسولؐ سنا رہا ہوں اور تم اس میں مقابلہ بازی کرتے ہو!؟ حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصینؓ نے حدیث پھر دہرائی تو بشیر نے پھر وہی بات دوبارہ کہی، اب حضرت عمرانؓ اور ناراض ہوئے تو ہم لوگ کہنے لگے اے ابونجید! بشیر ہم ہی میں سے ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرانؓ کی ناگواری کا سبب یہ تھا کہ بشیر کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حکماء کے اقوال سے کررہے تھے جو ادب واحترام کے خلاف تھی خواہ بشیر کی یہ نیت نہ ہو اور ہوگی بھی نہیں مگر تقاضائے ادب کیا تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اولیت اور فوقیت حاصل رہے نہ یہ کہ اس کیواسطے دوسرے کے کلام کی تائید کی ضرورت ہو بشیر اس نزاکت کا احساس نہ کرسکے اور پھر بات یہیں تک نہیں رہی بلکہ بشیر نے حیاء کی قسمیں بتانی شروع کردیں کہ ایک حیاء تو خیر ہوتی ہے اور ایک حیاء کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے بظاہر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے معارضہ اور مقابلہ کی شکل تھی حضرت عمرانؓ کے لئے یہ موشگافی.. ناقابل برداشت ہوئی مگر دوسرے صحابہؓ نے یہ بات کہہ کر بات ختم کرادی کہ بشیر کی یہ نیت نہیں ہے وہ ہم ہی میں سے ایک ہیں مومن ہیں ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے معارضہ نہیں ہے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت عمرانؓ کا ایک عجیب وغریب حال ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے، جی چاہتا ہے کہ حضرت مولانا قدس سرہٗ کی عبارت بعینہٖ نقل کردوں۔

مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابیؓ جن سے بالاتفاق لوگوں نے لکھا ہے کہ ملائکہ مصافحہ کرتے اور سلام کیا کرتے تھے نام ان کا عمران بن حصینؓ تھا بصرہ کے دینی علوم کے ایک بڑے اہم سرچشموں میں شمار ہوتے ہیں وہاں کے قاضی بھی تھے، لیکن مہینے دو مہینے نہیں ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ۔

" شکمی استسقاء کے مرض میں مبتلا تھے اسی لئے تیس سال تک ایسے پلنگ پر رہے جو بیچ سے کاٹ دیا گیا تھا"

الذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ان کو بواسیر کا مرض بھی تھا (تذکرۃ الحفاظ) غالباً خونی بواسیر تھا خون بہتا رہتا تھا ان کے حال کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ ان کے خاص شاگرد مطرف نے ان سے کہا۔

" آپ جس حال میں رہتے ہیں بس سے دیکھا نہیں جاتا اس لئے عیادت ومزاج پرسی کی ہمت بہت کم ہوتی ہے"

مگر باوجود ان تمام باتوں کے ان ہی مطرف (اپنے شاگرد) سے خود حضرت عمرانؓ فرماتے تھے:

" میاں! ایسا نہ کرو میرا یہ حال خود مجھے بھی محبوب ہے اور میرے مالک کو بھی پسند ہے"

جسٹس کے عہدے پر

بصرہ کے حاکم زیاد نے عدالت عالیہ کا جسٹس بھی

بنایا تھا مگر پھر بعد میں آپ نے استعفیٰ دیدیا۔ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ بصرہ کے گورنر زیاد نے حضرت عمران بن حصین رضؓ کو صدقات کی وصولیابی کے لئے تحصیلدار بنا کر کسی مقام پر روانہ کیا جب حضرت عمران بن حصین رضؓ کارگذاری کے بعد واپس تشریف لائے تو ساتھ میں اموال نہیں تھے تو گورنر نے پوچھا کہ مال کہاں ہے؟

حضرت عمران نے ارشاد فرمایا کہ: تم نے مال کی وصولی کے لئے ہم کو بھیجا تھا تو رسول اللہ کے مبارک دور میں جہاں جہاں سے صدقات وصول کرتے تھے اور مستحقین زکوٰۃ کو دیدیتے تھے اسی طرح سے اب بھی کیا گیا کہ اغنیا سے وصول کر کے فقراء تک پہنچا دیا ہے۔

عزلت نشینی

اسی عہد باسعادت میں اختلاف باہمی کا دور بھی آیا ہے اور عیار عبداللہ بن سبا یہودی کی فریب کاریوں اور دغابازیوں نے اور اس کے دورخے پن نے اس کی ناپاک سازشوں نے دور سعادت کی فضا خراب کر دی تھی حالات کو ناسازگار بنا دیا تھا۔ اسی کی چال سے جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئی ہے چنانچہ اس وقت کچھ حضرات ایسے بھی تھے جو اس سے بالکل علیحدہ رہے۔ ایک تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا قول یہی تھا کہ دونوں فریق جنگ سے احتراز کریں چنانچہ وہ ان جنگوں میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہتھیاروں کی خرید و فروخت فتنہ انگیز ہوگی۔ ایک مرتبہ زیاد نے خراسان کی گورنری پیش کی تو حضرت عمران بن حصینؓ نے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مبادا اس زمانہ میں زیاد کوئی ایسا حکم دے جو خدا اور رسول کی اطاعت کے خلاف ہو اس وقت اگر میں اس کی تعمیل کروں تو ہلاک ہو جاؤں اگر لوٹا دوں تو گردن ماری جائیگی اسلئے مجھے یہ منصب قبول ہی نہیں۔

اسلام میں جمہوریت کا تصور

(صفحہ ۴۱ کا بقیہ)

جنہوں نے با اقتدار ہوتے ہوئے بھی جمہوریت اور شخصی آزادی کا اتنا پاس و لحاظ رکھا ہو جتنا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرے بزرگوں نے رکھا بلاشبہ ان حضرات نے صحیح معنوں میں عوام اور حکام کے باہمی ربط کو سمجھا اور پورا پورا انصاف کیا

یہ ہی تصورات ہیں جنہیں سامنے رکھ کر موجودہ جمہوریت نے اپنی عمارت کھڑی کی ہے، مگر جمہوریت کا یہ شیش محل تعمیر کرنے والے بھول گئے کہ یہ تصورات ان کے اپنے نہیں، مستعار ہیں، اور ان تصورات کو سامنے رکھ کر کھڑی کی جانے والی یہ تعمیر اتنی ٹیڑھی ہے کہ ہوا کے ایک خفیف سے جھونکے سے بھی ریت کے گھروندے کی طرح زمین پر آسکتی ہے۔

بَابُ المَسَائِل

ص۲۴ کا بقیہ

آچکا ہے،

سوال ۲ کا جواب یہ ہے کہ روپیہ دینے والوں نے اگر روپیہ جماعت کے اور ادارے کے کام کے لئے دئے ہیں تو ان رقوم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

ہاں جو رقم لوگوں نے اس ادارہ میں محض امانۃً بغرض حفاظت جمع کی ہے یا محض بطور عاریت دیا ہے ان رقوم کی زکوٰۃ ان رقوم کے مالکوں پر واجب ہے، ادارہ پر واجب نہیں ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند

مولانا فضل اللہ کی علمی خدمات

حدیث و تفسیر کے موضوع پر قیمتی ذخیرہ

از ——— ابو محمود حبیب الرحمٰن

مولانا فضل اللہ صاحب سات سال کی عمر میں اپنے جد امجد مولانا سید محمد علی مونگیری کی خدمت میں مونگیر پہونچ گئے مولانا مونگیری کا اگرچہ آبائی وطن چھ پشت پیشتر تک قصبہ کھتولی ضلع مظفر نگر یوپی تھا مگر آپ نے ۱۳۱۷ھ میں مونگیر کی سکونت اختیار کی اور بہار کو اپنا وطن بنا کر بہ بہار بنا دیا۔ آپ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے کے پچیسویں پوتے ہیں۔

مولانا فضل اللہ صاحب نے اپنے جد امجد کی خانقاہ رحمانیہ ہی میں صرف و نحو، فقہ و حدیث اور تفسیر و ادب عربی کی تعلیم پائی۔ ساتھ ساتھ کتب درسیہ کی تکمیل کی فراغت کے بعد سابق ریاست حیدرآباد دکن آب و دانہ نے پہونچا دیا جہاں ایک مدت کے بعد شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی میں لکچرار کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا تیس سال کے لگ بھگ عثمانیہ یونیورسٹی میں رہے اور صدر شعبہ ہو کر پنشنر ہو گئے۔ یونیورسٹی کے اسٹاف میں شامل مغربی تعلیم یافتہ حضرات کی شب و روز کی رفاقت و صحبت آپ کے خالقاہی مزاج اور دینی اخلاق کو جدید

سانچے میں نہ ڈھال سکی۔

دائرۃ المعارف میں مصححین کے ساتھ لغت و حدیث کی تصحیح میں پابندی سے شرکت کرتے' ملازمین سے زیادہ احتیاط و پابندی سے تنقیح و تصحیح کا کام کرتے، آج کل 'اقبال منزل' ڈگی روڈ علی گڈھ میں قیام پذیر ہیں اور طالبانِ علوم دین و مذہب کا مرجع بنے ہوئے ہیں اپنے منصبی فرائض اشاعت علم، رشد و ہدایت میں مشغول و منہمک ہیں ممکن الحصول ہر نایاب مطبوعہ و قلمی کتابوں کا پتہ چلایا اور ان کے مطالعہ سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ حرمین شریفین کے علماء و فضلاء سے ملاقاتیں کیں اس سفر سے پیشتر آپ کی ایک عربی شرح "فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد للامام البخاری" طبع ہو کر عرب ممالک میں شہرت پا چکی تھی۔

(۱) التنقیح فی عدد رکعات التراویح۔ جامعہ عثمانیہ کے تقرر سے پہلے اس امر کی تحقیق میں یہ رسالہ لکھا کہ بیس ۲۰ رکعت تراویح کی ائمہ اربعہ (امام اعظم' امام مالک' امام شافعی امام احمد) رحمہم اللہ کے متبعین جو پڑھتے ہیں یہ سنت ہے

. . . .

[illegible] روایات شائع ہوئیں۔

سوالات قادیانیوں نے [illegible] تھے ان کا جواب ہے۔

(۳) دینی امور میں خط کا اعتبار نہیں ہے اس لئے رمضان وعید کے چاند کی خبریں خط اور تار سے معتبر قرار نہیں دی جا سکتیں، اس عام شہرت کے خلاف تحقیقی مواد شائع کیا گیا دکنی کی کالم وار چودہ پندرہ دن تک اخبار "رہبر دکن" میں شائع ہوتا رہا جس میں ثابت کیا گیا کہ "الخط یشبہ الخط" کا معنی کے فیصلہ دستاویز سے ربط ہے، ان کے علاوہ اور دینی معاملات میں خط اور تار کو اصول معتبو کی حدود میں شریعت پوری اہمیت دیتی ہے۔

(۴) مفقود الخبر شوہر کی بیوی چار سال کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ پر عمل کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے اس کی تحقیق کر کے بتلایا گیا کہ محکمہ قضا کی تفتیش و فیصلہ کے بعد چار سال گذارنے ضروری ہیں، صرف تاریخ مفقود الخبری سے چار سال گذارنے پر اس کو دوسرے نکاح کا حق پیدا نہیں ہوتا یہ میرٹھ میں شائع ہوا۔

(۵) ختم نبوت پر مقالہ شائع کیا گیا گو اس کی بنا قادیانی معترضات کے سلسلہ نبوت کے بقا کا بطلان تھا، مگر قرآن حدیث کے استدلال کے ساتھ عقلی دلیلیں بھی اس مسئلہ پر پیش کی گئیں، یہ دو مرتبہ شائع ہوا اور دوسری مرتبہ لکھنؤ میں چھپا

(۶) عربی صرف و نحو کی تاریخ پر مضمون جسے اہل علم حضرات نے پسند کیا مگر شائع نہ ہو سکا

(۷) قرآن کریم کی تاریخ کا مسودہ، اب بھی موجود ہے نظر ثانی میں جو کافی عرصہ کے بعد ہوئی، زیادہ اصلاح کی حاجت نہیں ہوئی

(۸) ابن جریر طبری' پر مقالہ لکھنؤ میں شائع ہوا۔

(۹) [illegible] تفسیر کا ایک مقدمہ بھی لکھنؤ میں شائع ہوا۔

(۱۰) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سوانح معاملات میں تحقیقی کتاب، حیدرآباد میں شائع ہوئی پھر عام ہو سکا۔

(۱۱). روایات عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس میں آپ کی جملہ روایات جمع کی گئیں اور ترجمہ و شرح کے ساتھ حیدرآباد میں شائع ہوئی۔

(۱۲). قرآن کریم کی تفسیری یادداشت جس کا ایک حصہ مولانا عبداللہ العمادی مرحوم کو دکھایا گیا ان کی رائے ان کے تقریظ کی صورت میں محفوظ ہوئی

(۱۳) حیدرآباد میں جماعت علی شاہ نے ایک فتنہ کھڑا کیا کہ سیدہ کا نکاح غیر سید سے جائز نہیں۔ اس مسئلہ کی توضیح و تحلیل کرتے ہوئے اس کے پس منظر میں "احل لکم ما وراء ذلکم" کی محققانہ تشریح کی گئی

(۱۴). حفظ الرحمن عن مکائد الشیطان۔ قرآن و حدیث میں جہاں جہاں شیطان کا ذکر آیا ہے اس کو جمع کیا گیا ہے اور اس کی محققانہ تشریح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ شیطان کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی۔

(۱۵). مسئلہ وقف پر ایک معرکۃ الآراء مضمون معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوا

(۱۶). مرویات ابن مسعودؓ کا مسودہ

(۱۷). فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد۔

یہ امام بخاری رحہ کی الادب المفرد کی سب سے پہلی میری معلومات کے مطابق عربی شرح ہے جو ترتیب کے تقریباً بارہ سو سال بعد لکھی گئی ہے۔ کتب حدیث میں الادب المفرد کا مقام اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے، اس میں امام بخاریؒ نے اپنے معیار سے اخلاق و آداب زندگی سے متعلق احادیث و آثار جمع کئے ہیں، علماء حدیث اس فن میں اس کتاب کے تفوق و امتیاز کے معترف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ایمان اخلاق اور اسلامی ادب و تہذیب میں اس فن کی تمام کتابوں سے ممتاز تسلیم کیا گیا ہے

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

کے مطابق یہ مبارک مجموعات کے پھول ... کے ... چمن میں ترتیب دیا ہے جو انسانیت کی مشام جان کو شادکی علیہ آداب فاضلہ اور بلندی کردار کی دل آویز بہار عطر آمیز خوشبو سے معطر و شاد کام بنائیں۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار

غالباً اس لئے کہ یہ مواد احادیث کی امہات کتب کا ایک ادبی باب ہے اور ان کی تشریح شرح و بسط سے کردی گئی۔ مگر جب امام بخاریؒ نے اس کے لئے الگ تصنیف فرمائی تو کوئی وجہ تو تھی جو اس ترتیب کا باعث ہوئی۔ جامع صحیح میں امام صاحبؒ نے بھی مستقلاً ایک کتاب لکھی ہے کتاب الادب" مگر آپ اس پر قناعت نہ کرسکے۔

یہ شرح پہلی بار بمبئی اور جدہ کے تاجر یوسف زینل علی رضا کے معاونت پر مصر میں چھپی، چند سال بعد پھر مصر میں چھپی۔ چونکہ شارح موصوف نے اس کی کوئی رائلٹی نہیں لی تھی اس لئے اس کی طباعت میں اور آسانی ہوئی۔ حد یہ ہے کہ شارح کو سو بچاس نسخے بھی نہ مل سکے کہ آپ اپنے دوستوں کو ہدیۃً پیش فرمادیتے تیسری مرتبہ حلب میں اور چوتھی مرتبہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے وطن تاشقند میں حجاز کے دوران قیام آپ کو اطلاع ہوئی۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے ایڈیشن کا ایک نسخہ بھی نہ مل سکا

اس شرح کے پہلے ایڈیشن میں متعدد غلطیاں رہ گئی تھیں۔ ناشر صاحب نے وعدہ کیا کہ آئندہ اسکا خیال رکھونگا، مگر ایسا نہ ہوسکا، کتاب کی تمام فہرستیں بھی شائع نہ ہوسکیں کچھ فہرستیں چھپیں

جمادی ۱۳۶۹ھ میں فاضل شارح حجاز تشریف لے گئے ریاض میں اپنے ایک عزیز علی صابر قاسمی کے ہاں آپ کا قیام تھا، ایک دن نماز فجر پڑھ کر جو قیام گاہ کی طرف لوٹے تو اچانک موٹر ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگئے کولہے کے نچلے حصہ کا گوشت اور نسیں متاثر ہوئیں کچھ دن ہند و پاک کے ماہر ڈاکٹروں کے زیر علاج رہے اور پھر انہیں کے مشورے سے بذریعہ طیارہ کراچی پہنچا دیئے گئے، وہاں آپ کی صاحبزادیاں ہیں اب وہاں ...

... طرح شرح تیار ہوگئی ... چھپ کر ... گیا۔ فضل اللہ الصمد کے اولین ناشر مرحوم بہت ذہین کے صاحب جوہر بھی تھے انہوں نے مزاج پرسی کی اور اپنی اس غرض کو ظاہر کیا، خواہش کا اظہار کیا کہ اغلاط شرح کی فہرست تیار کروائی جائے انہوں نے مولانا کو آمادہ پا کر ایک کاتب بھی مقرر کردیا کاتب شرح پڑھتا جاتا۔ شرح پر تفصیلی نظر ڈالی تو بہت سی غلطیاں سامنے آئیں اور ... کا غلط نامہ تیار ہوگیا، مولانا نے سوچا کہ شرح پر نظر ثانی بھی ہوجائے چنانچہ ضعف و نقاہت کے باوجود اس طرف متوجہ ہوئے اور ایام تعطیل میں کہ بیماری کی حالت میں آدمی مجبور محض بن جاتا ہے ۔ اور ایک نئی شرح تیار کردی (مصنف کی حیات میں اس کی کوئی تصنیف مکمل نہیں ہوسکتی)

قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نے ایک دفعہ مولانا سے دوران ملاقات فرمایا کہ" میں آپ کی شرح پوری طرح بالاستیعاب دیکھ چکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اپنے علم کے زور پر تصوف کو لوگوں کے حلق سے اتارنا چاہتے ہیں، پوری شرح پر تصوف کی چھاپ ہے۔ مولانا نے فرمایا جہاں کہیں غلطی ہو یا استدلال ضعیف ہو نشاندہی فرمائیں۔ قاضی صاحب بولے، جناب آپ تو مناظر ہیں، دعویٰ کے لئے الفاظ بہت سوچ سمجھ کر لاتے ہیں الفاظ کی بندش میں بصیرت سے کام لیتے ہیں۔ استشہاد میں بڑا قوی اور مضبوط استعمال کرتے ہیں۔

مولانا نے اس شرح کے نسخے متعدد علماء کے پاس بھیجے کہ ان کی تنقید و تبصرہ سے آگاہی ہو مگر چند ہی علماء نے اس پر تبصرہ کیا اور اچھا کیا۔ بعض علماء نے اعتراف کیا کہ یہ شرح بعض عجیب حقائق پر مشتمل ہے، طرز نگارش، انداز بیان اور قوت استدلال ان کے تسلیم پر مجبور کرتی ہے،

سید سلیمان ندوی، مولانا شاہ حلیم عطا، مولانا مناظر احسن گیلانی، سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا بدر الدین علوی، شاہ معین الدین مدیر معارف اعظم گڑھ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برہان وغیرہم کی رائیں اور تبصرے کتاب کے شروع میں ... بہت

[illegible] جنوبی ہند میں دین اسلام کے متعلق بہت سے خیالات غلط پھیلے ہوئے ہیں اور اکثر علماء بھی ان کا مأخذ قرآن وسنت کو قرار دیتے ہیں، مولانا کی عمر کا بیشتر حصہ جنوبی ہند میں گذرا ہے، آپ اس سے کیونکر بچ سکتے تھے، مگر جب یہ شرح تصنیف کرنے بیٹھے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں محسوس ہوا کہ یہ خیالات مدہم پڑ رہے ہیں، پھر آپ نے قرآن وسنت سے ثابت کیا کہ ان ادھورے خیالات کی بنیاد دین پر نہیں۔

زبان وبیان کے اعتبار سے بھی یہ شرح بہت ممتاز ہے

المعالم اللطیفة المحتویة للمطالب اللطیفة فی ایضاح مباحث الجامع للامام ابی عیسی الترمذی' یہ کتاب مولانا اور آپ کے استاذ محترم مفتی سید عبد اللطیف رحمانی کی گویا مشترکہ تالیف ہے، جامع ترمذی، حدیث کی چھ مشہور اور متداول کتب میں سے ایک ہے ان کی جو وقعت واہمیت ہے وہ کسی عربی کے عالم سے پوشیدہ نہیں یہ اسی کی مکمل شرح ہے، یہ دراصل مولانا مفتی سید عبد اللطیف رحمانی نے لکھی ہے جس کی ابتدا مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ کی صدر مدرسی کے زمانہ میں ہوئی اور اس کا سلسلہ مدت قیام خانقاہ رحمانیہ مونگیر اور صدر مدرسی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں بھی جاری رہا، وہیں اس شرح کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا، مولانا فضل اللہ صاحب کی شرکت اس میں بایں طور ہوئی کہ آپ استاذ محترم کے سامنے پیش کردیتے، مانی الباب کی حدیثوں کی تخریج آپ نے اپنے طور پر کی جو فن حدیث میں مہارت کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے، مفتی صاحب جب جامعہ عثمانیہ سے پنشنر ہوکر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر شعبۂ دینیات بنادئے گئے تو یہ شرح مولانا فضل اللہ صاحب کے پاس حیدر آباد ہی میں رہی، اس عرصہ میں آپ نے اس پر کافی کام کیا، ترمذی کے جتنے بھی مطبوعہ وقلمی نسخے مل سکتے تھے تلاش کرکے ان سب کو جمع کیا اور کئی علماء کی قرأت وسماعت سے مقابلہ کرکے اختلاف نسخ ظاہر کیا اور طباعتی وکتابتی غلطیاں دور [illegible] تھا اسلئے کہ متن اگر صحیح نہیں ہے تو پھر شرح کا انتخاب وتالیف کیونکر ہوگا، پھر آپ نے پوری شرح پر نظر ثانی فرمائی اور ساتھ ہی اپنی یادداشتیں بھی مرتب کرتے رہے مفتی صاحب کی وہ عبارت جس میں قدیم اسلوب کی چھاپ تھی اور اب وہ متروک ہے اسے بدل دیا۔ افعال کے صِلات درست کئے مضامین شرح کے حسب اقتضاء نوک پلک درست کئے، پندرہ سال بعد جب یہ سب کچھ تیار ہوا استاذ محترم کی خدمت میں پیش کیا تو مفتی صاحب نے تین چار ماہ کی مدت میں اسے بالاستیعاب مطالعہ کیا آپ کے قلم کے اضافوں کو پڑھا، ترمیم کی مزید یادداشتوں کا جائزہ لیا، پھر فرمایا "تم نے بہت اچھی طرح کتاب کو دیکھ لیا، افعال کی صلات کی غلطیاں دور کردیں ہم لوگ اس کا خیال بھی نہیں کرتے، شرح میں جو کمی رہ گئی تھی اسے پورا کردیا، جو باتیں بڑھائی ہیں قیمتی ہیں اور جہاں عبارت بدلی ہے وہ بہت خوب ہے" اس شرح میں مندرجہ ذیل [illegible] کی گئی ہے کہ:۔

(۱) جہاں امام ترمذی رہ کے اقوال سے اتفاق کیا گیا وہاں اس کی تائید میں دلیلیں جمع کر دی گئیں

(۲) اور جہاں شارح کو امام کے فیصلے سے اختلاف ہے وہاں ان محدثین کی رائیں جمع کر دی ہیں جن کو اختلاف تھا یا اصول حدیث کی روشنی میں مختصر مگر شافی بحث کی ہے

(۳) جن ائمہ یا مذاہب کے بیان میں امام نے حدیث پیش کی اس پر شارح نے ضرور محدثین کے طرز پر بحث کی، جو اساتذۂ حدیث کی ضرورتوں کے لئے کافی ووافی ہے۔

(۴) جہاں امام نے صرف مذہب بیان کیا حدیث پیش نہیں کی وہاں شارح نے بحث کرکے شرح کو طویل نہیں کیا، اس طرح یہ مختصر ترین شرح ہے۔

(۵) حدیث کی شرح کو فقہ یا مناظرہ وعلم کلام کی کتاب نہیں بنایا۔

(۶) اگر کسی مذہب کی تائید میں حدیث صحیح [illegible]

کی صاحب مذہب کی - [illegible] پیدا ہو اور ان کا

لکھ دیا ہے" (العرف الشذی)

(۷) حدیث سے جو ثابت ہے اس پر عمل کر اعتراف کیا گیا اور اس کی تائید میں ائمہ حدیث نے جو کچھ کہا ہے بقدر ضرورت اسے نقل کیا گیا ہے

(۸) قیام عہد حجاز میں علماء و فضلاء سے مذاکرات کے دوران مولانا نے محسوس کیا کہ منطق و فلسفہ کے اشتغال نے ہندوستانی علماء کے ذہنوں کو باقی دنیا سے الگ کر دیا ہے، یہ لوگ جس طریق استدلال کو وقیع سمجھتے ہیں عرب کے علماء نہ صرف یہ کہ اسے سمجھتے نہیں بلکہ اس سے ان کو الجھن ہوتی ہے، مولانا کے لئے یہ انکشاف بہت اہم تھا، اس سے فائدہ اٹھا کر شرح کے مباحث سے منطقی و فلسفی طرز استدلال نکال کر اسے محدثین کے طریق استدلال کا رنگ دیدیا جس کے باعث اس میں آسانی ہو گئی کہ اس کے مضامین کی کثرت سے اشاعت ہو

(۹) ترمذی شریف کا نسخہ بھی مکمل کر دیا اور اس کے ہر باب کو محدثانہ طور پر لکھ کر اس کے نیچے اس کی پوری تشریح لکھ دی گئی کہ ناشر حضرات کو کسی بھی وقت اس کی طباعت و نشر و اشاعت اور اس کی تصحیح کے سلسلہ میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے

(۱۰) زبان سادہ مگر عجمیت دور کر دی گئی "تلک عشرۃ کاملۃ"

مولانا فضل اللہ صاحب نے بدستور اس شرح پر اپنا کام جاری رکھا، مگر آپ نے اپنے استاذ محترم کی کوشش کو باقی رکھا۔ لیکن بقول مولانا سید محمود احمد صاحب برکاتی؛ ترمیم و اضافے اور طرز مباحث کی تبدیلیاں اس قدر زیادہ اور جہاں مضمون نہیں بدلا ہے تو طرز و منہج میں اتنے تغیرات ہیں کہ اب بطور تبرک ہی حضرت سید عبد اللطیف کا نام شارح کی حیثیت سے لیا جا سکتا ہے؟

کی قدر افزائی نہیں ہوتی۔ جامع ترمذی کے ساتھ یہ واقعہ ہے کہ اس صدی سے پہلے پوری کتاب کی شرح کسی نے نہیں کی، علامہ ابن العربی کی شرح پوری ہے مگر اہل علم اس سے واقف ہیں کہ ابن العربی نے حل کتاب یا ابحاث کی جانب توجہ نہیں دی۔ جہاں چاہتے ہیں خوب لکھ دیتے ہیں، کہیں مختصر اور کہیں بہت زیادہ مختصر کتاب تحقیق ہو وہ ہو، اس صدی میں مبارکپور (اعظم گڑھ) کے مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری کی شرح مکمل چھپ چکی ہے، ہندوستان میں بھی اور عرب میں بھی۔ اور حضرت مولانا مفتی سید عبد اللطیف صاحب نے اپنی شرح کی ابتداء ہی مکہ معظمہ میں کی ۱۳۲۲ھ اور مولانا مبارکپوری سے پہلے اسے مکمل کر لیا مگر مسلمانوں کی بے توجہی سے اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔ ابن سید الناس اور ابن حجر عسقلانی وغیرہم دوسرے شارحین نے بھی اس کی شرح شروع فرمائی مگر پوری نہ کر سکے، موجودہ دور کے بہت سے علماء احناف نے شرح ترمذی لکھنے کا بیڑہ اٹھایا لیکن تکمیل وہ نہ کر سکے، البتہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی کی شرح ترمذی معارف السنن کے نام سے چھپ رہی ہے، دیکھئے کب اس کی تکمیل ہوتی ہے۔

اس حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو مفتی عبد اللطیف صاحب رحمانی اور ان کے شاگرد، ہمارے ممدوح، مولانا فضل اللہ صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ مکمل شرح تیار کر دی جو متن سمیت پانچ ہزار صفحات پر مشتمل ہے، پہلے یہ شرح مع متن ترمذی شریف مطبوعہ ۱۳۱۵ھ دو ہزار صفحات پر مشتمل تھی، نسخہ ترمذی شریف ص ۲ شرح ترمذی ص ۱۶ تین ہزار صفحات کا اضافہ مولانا فضل اللہ صاحب کا کیا ہوا ہے۔

مولانا فضل اللہ صاحب کی محنت و عرق ریزی اور جزرسی کا

باقی ص ۱۸ پر

علامہ انور شاہ کشمیریؒ

اور عربی زبان وادب

★ از سید محمد فاروق بخاری (کشمیر) ریسرچ آفیسر شعبہ شرقیات ریسرچ ڈیپارٹمنٹ لال منڈی

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کے جلیل القدر علماء کی صف میں جو ممتاز مقام رکھتے ہیں وہ شاید ہی کسی عالم پر مخفی ہوگا۔ اپنوں ہی نے نہیں بلکہ پرایوں تک نے ان کی علمی فضیلت ورفعت کا اعتراف کیا ہے اور انہیں حجۃ اللہ فی الارض تسلیم کیا۔

حضرت شاہ صاحب رحؒ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے بالخصوص ان کے تلامذۂ کرام نے اپنے استاد جلیل کے علمی کارناموں کو شائع وذائع کرنے میں جو رول ادا کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ حق یہ ہے نہ ایسے اساتذہ ہمیشہ مل پاتے ہیں اور نہ ایسے تلامیذ ہر استاذ کو ملتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو عام طور پر بے نظیر محدث کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی خدمت حدیث تمام خدمات پر غالب ہے مگر اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انھوں نے تفسیر، ادب عربی، فلسفہ وکلام، فقہ وغیرہ پر کوئی خدمت انجام نہیں دی ہے۔ اگر تفسیر میں "مشکلات القرآن" کے علاوہ ان کی دیگر تصنیفات میں تفسیری نکات جمع کئے جائیں تو کافی مواد مل سکتا ہے، یہی حال عربی زبان وادب کا ہے۔ گو انھوں نے ادب عربی پر کوئی کتاب نہیں لکھی ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس محدث نے ہمیشہ عربی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو اور سینکڑوں اور ہزاروں کتابیں اپنے حافظہ کی الماری میں محفوظ رکھی ہوں، دسیوں چھوٹے بڑے رسالے عربی زبان ہی میں لکھے ہوں کیا عربی علوم ادبیہ پر انھوں نے کچھ نہ کہا ہوگا؟ ان کی کتابوں اور ان کی درسی تقاریر کا جو ان کے تلامذۂ کرام نے جمع کئے ہیں، غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع پر بے بہا خزانہ مل سکتا ہے

مندرجہ ذیل سطور اسی موضوع پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ سطور ایک بے بضاعت آدمی کی لکھی ہوئی ہیں۔ اگر علماء کرام اس زاویہ سے علوم انوری کا مطالعہ کریں گے تو ہم کو بڑا ذخیرہ مل سکتا ہے

حضرت شاہ صاحب رحؒ نے ہمیشہ عربی زبان کا ذوق برقرار رکھنے کے لئے اکثر عربی زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کا ہی مطالعہ کیا ہے اسی وجہ سے اردو لکھنے پڑھنے سے ہمیشہ احتراز کیا یہاں تک کہ عام طور سے اپنی خط وکتابت کی زبان بھی عربی وفارسی ہی میں رکھی۔ یہ ذوق محفوظ رکھنے کے لئے وہ دیگر زبانوں کی طرف توجہ نہ دیتے تھے، ورنہ انہیں عبری، اردو، انگریزی سے بھی واقفیت تھی، انگریزی

زبان میں ان کی واقفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا مسعود یوسف صاحب بنوری لکھتے ہیں

وکان رحمہ اللہ	حضرت علیہ الرحمۃ نے
حصل اللغۃ الانجلیزیۃ	انگریزی زبان چھ
فی نحو ستۃ اشھر	مہینے میں سیکھی یہاں
حتی قدر علی التکلم	تک کہ اس زبان میں
فیھا والاستفادۃ	گفتگو کرنے کی قدرت
من کتبھا ۱؎	بھی حاصل ہوئی اور اسمیں

لکھی ہوئی کتابوں سے بھی استفادہ کرتے تھے
مگر انہیں انگریزی زبان سے بعد میں نفرت ہوئی یہاں تک کہ اس زبان کے صرف دو لفظ Go اور Come یاد رہ گئے۔ البتہ مسلمانوں کے لئے اس زبان کا سیکھنا اور سکھانا ہمیشہ ضروری اور لابدی سمجھتے تھے ۲؎

بزرگوں کا کہنا ہے کہ جب بھی دیوبند سے کشمیر آتے تو یہاں کے علماء کے ساتھ عربی اور دیگر لوگوں کے ساتھ اکثر فارسی زبان میں گفتگو کرتے تھے، اپنی مادری زبان کشمیری میں بہت کم اور وہ بھی مجبوراً بولتے تھے۔ انہیں شروع ہی سے عربی زبان وادب پر مکمل عبور حاصل تھا ان کی عربی تحریروں اور تقاریر نے اس وقت بڑے بڑے عربی فضلاء ومحدثین کو مسحور کیا ہے جبکہ ابھی حضرت شاہ صاحب کی عمر چالیس سال سے بھی کم تھی، چنانچہ جامع علوم انوری حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے بیان کے مطابق علامہ محدث علی حنبلی مصری جب دیوبند وارد ہوئے تو پہلے گو علماء دیوبند کا وافر علم ہونا تسلیم کیا مگر علوم ادبیہ میں انہیں "فائق الاقران" ماننے سے صاف انکار کیا۔ کیوں؟.... اسلئے کہ "ھم اعاجم"

بھی ہیں۔ مگر جب اسی عالم نے دوسرے دن علامہ سید انور شاہ کشمیری رہ کا وہ عربی قصیدہ جو انہوں نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رہ کی وفات پر لکھا تھا اور جو رسالہ القاسم میں شائع ہوا تھا، ملاحظہ کیا تو اس قصیدہ کا ادبی مقام دیکھ کر فوراً کہا الآن تبت من اعتقادی یعنی اب میں نے اپنے سابقہ اعتقاد سے رجوع کیا۔ اس لئے کہ اس نہایت بلیغ کلام سے زمانہ جاہلیت کی فصاحت وبلاغت مہک رہی ہے ۳؎

اسی طرح علامہ رشید رضا مصری رہ نے جب علامہ کشمیری کی برمحل تقریر سنی تو اس کی معنوی خوبی کے ساتھ ساتھ بہترین ادبیت سے مسحور ہوئے، علامہ کشمیری رہ کی اس نادر تقریر کا خطبہ یہاں نقل کرنے کو جی چاہتا ہے

الحمد للہ وکفیٰ، وسلام علی
عبادہ الذین اصطفیٰ!
اما بعد! یقدم خویدم
الاسلام فی الحضرۃ السامیۃ
تحیۃ الاسلام، حیاکم اللہ تعالیٰ
انا انسنا منکم مخائل الکرم و
الاعتناء بحالنا واحسسنا بنعمۃ
اسلامیۃ عطفت علیکم وعلینا
وانا احوج الیکم منکم الینا ھؤلاء
اساتذتی واکابری وذخائری
عند اللہ فی یومی وغدی امرونی
بان امثل لکم مشکراً علی اسداء
الخیر وتشریفکم ایانا بالقدوم المبارک
احسن اللہ الیکم والینا ورفع درجاتکم
فی الدین والدنیا والآخرۃ، آمین ثم آمین

۱؎ نفحۃ العنبر ص ۹۵ ۲؎ حیات انور مضمون حضرت مولانا گیلانیؒ ۳؎ حیات انور مضمون حضرت مولانا نعمانی ۴؎ انوار الباری ص ۔۔۔ نفحۃ العنبر

حضرت شاہ صاحب رحمہ کی مشکلات القرآن اٹھا کر مطالعہ کیجئے اندازہ ہوگا کہ انہیں عربی زبان اور جمیع علوم ادبیہ پر کس قدر مہارت تامہ حاصل تھی۔ وہ جب کسی لفظ کی لغوی بحث فرماتے ہیں تو لغات و معاجم کا حوالہ اس طرح دیتے ہیں کہ گویا ابن سید الناس کی المخصص، ازہری کی تہذیب الالفاظ، ثعالبی کی فقہ اللغۃ، امام راغب کی مفردات سیبویہ کی الکتاب نیز البحر المحیط، نہایہ، قاموس وغیرہ لفظ لفظ از بر ہیں اور حضرت مولانا بنوری کی اس رائے میں کوئی مبالغہ نہیں پایا جاتا ہے

کان نقیب العلوم	حضرت شاہ صاحب رہ
العربیۃ والفنون	کو علوم عربیہ اور فنون
الادبیۃ، غالصًا	ادبیہ پر سرداری حاصل تھی
فی بحارھا وغاصھا	اس سمندر کے وہ غواص تھے

اسی طرح وہ الفاظ قرآنی پر بعض اوقات ایسی لغوی بحث چھیڑتے ہیں کہ بڑے بڑے باکمال علماء کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لفظ "مُتَوَفِّيكَ" کی تحقیق فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ "قرآن نازل ہونے سے قبل عرب، لفظ "وفات" کو موت کے معنی میں استعمال نہیں کرتے تھے اسی وجہ سے ثعالبی نے "فقہ اللغۃ" اور ازہری نے تہذیب الالفاظ میں اس لفظ کو موت کے اسماء میں شمار نہیں کیا ہے اگر قرآن میں بھی یہ لفظ کہیں موت یا نوم کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو اس کی ابتداء قرآن ہی نے کی۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب "وفاۃ" کو "پورا پورا لے لینا" کے معنی میں استعمال کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں دسیوں جگہ پر اس معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں ایک اور نکتہ ہے، وہ یہ کہ متوفیٰ جیتا ہوتا ہے متوفی کا۔ مثلاً کسی نے اپنا گھوڑا پایا تو وہ نہیں کہہ سکتا "توفیتُ الفرس" ایسا کہنا [illegible] صحیح "توفیت حقی" ہے یعنی میں نے اپنا حق پورا وصول کیا۔ پھر فارسی میں اس کے معنی یوں بتاتے ہیں "وصول کردم حق خویش را" [1]

حیات عیسیٰ کے قائلین میں سے جو "انی متوفیک" کو بطور دلیل پیش کرتا تھا حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی تحقیق پتھر کی طرح ان کے منہ پر دے ماری جس سے ان کے بے بنیاد اور باطل دعویٰ کی بنیاد مسمار ہوگئی آپ اس تحقیق کو کوئی قطعی تحقیق نہ مانیں مگر کوئی منصف مزاج عالم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب تحقیقات کے ان نوادرات کے اظہار و اخراج میں یگانہ تھے۔

اس طرح "قد خلت من قبله الرسل" میں "خلا من" کی لغوی تحقیق مستند کتب لغت کے حوالوں سے اس شان سے کرتے ہیں کہ مولانا بنوری کی اس رائے کا نقشہ آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا ہے

"بلغ فی علوم اللغۃِ امداً بعیداً"

اسی طرح "وعلی الذین یطیقونه" میں "طوق" پر ان کی کی ہوئی بحث و رائے کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے "ارکان اربعہ" میں اس آیت پر بحث کر کے آخر میں دور جدید کے پانچ ممتاز ترین علماء اور محققین" میں سب سے اول حضرت محدث کشمیری رح کا نام نامی بطور حجت پیش کیا ہے [2]

علوم ادبیہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ مشہور ترین ائمہ ادب جیسے خلیل بن احمد الفراہیدی اور علامہ ابن تیمیہؒ حرانی کی بھی تنقید کرتے ہیں۔

علماء پر یہ مخفی نہیں ہے کہ مشہور ابو حیان نحوی جو سیبویہ کی الکتاب کا عاشق صادق اور نہایت قدردان تھا جب علامہ ابن تیمیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلے حضرت علامہ کی تعریف میں قصیدہ پڑھا۔ درمیان میں الکتاب کا تذکرہ کیا، چاہتا تھا کہ حضرت علامہ سیبویہ اور اس کی کتاب کی عظمت

[1] [illegible] یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن ص۵۳ [2] ارکان اربعہ حاشیہ ص۲۵ از حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی

[illegible] کریں، تو علامہ نے عین اس کے برعکس فرمایا [illegible]
نے الکتاب میں اتنی غلطیاں کی ہیں" نتیجہ یہ نکلا کہ جو ابوحیان نہایت عقیدت وانکساری کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تھا مبہ تحت غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہوئے حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین کی صف میں تادم واپسیں کھڑا رہا، ہمارے حضرت شاہ صاحب نحو وصرف میں وہ ید طولیٰ رکھتے تھے کہ باوجود علامہ ابن تیمیہؒ کی عظمت وفضیلت کا کھلے دل سے اعتراف کرنے کے یہاں الکتاب کے بارے میں ان کا دعویٰ بلا دلیل قرار دیا وہ فرماتے ہیں کہ میری رائے میں سیبویہ نے الکتاب میں کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ علامہ خود ہی غلط سمجھے ہیں۔ ان کی عربیت علوم اسلامیہ میں باین جلالت قدر ورفعت شان، اونچی نہیں ہے حضرت محدث کشمیریؒ نے الکتاب ہی کا مطالعہ نہ کیا تھا بلکہ۔

طالع کتاب سیبویہ	انہوں نے سیبویہ کی
وعدۃ شروحہ	الکتاب اور اس کے
وکان یعدہ من	متعدد شروح کا مطالعہ
اصعب کتب العربیۃ	کیا۔ وہ اس کتاب کو عربی

کی مشکل ترین کتابوں میں شمار کرتے تھے

"تنوین فی المسند" پر بحث فرماتے ہوئے علامہ تفتازانی کی تحقیق پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قال التفتازانی فی	علامہ تفتازانی نے مطول
المطول:۔ ان التنوین	میں کہا کہ تنوین مسند
فی المسند علی الاصل	میں اصل ہے وہ کسی نکتہ
فلا تحتاج الی نکتۃ	کی طرف محتاج نہیں۔
اقول، الا تنوین	حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے
المنعوت فانها	ہیں میں کہتا ہوں کہ صرف
لا تخلو عن نکتۃ	تنوین منعوت نہیں بخلاف
بخلاف التنوین	تنوین فی المسند کے یہ نکتہ
فی المسند الیہ فانها	بغیر نہیں رہ سکتی اس میں
لما [illegible]	[illegible]
الاصل، لا تخلو عن	ہے کیونکہ مسند الیہ کا اپنی
نکتۃ مطلقا، فالتنوین	خلاف اصل ہے
فی المسند المنعوت	(نکتہ سے علت اور
کما فی قولہ	حکمت مراد ہے)

ع ان الوزیر بلا منیر
اذا تواری کما تواری البدر دما

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں اگر اس قسم کے جواہر چننے کی کوشش کی جائے تو اس میدان میں قیمتی اور لاجواب سرمایہ مل سکتا ہے۔ ان کے لکھے ہوئے رسائل تو عنوان اور نفس مضمون کے لحاظ سے فروعی مسائل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مثلاً "نیل الفرقدین، کشف الستر فصل الخطاب" مگر درحقیقت ان کتابوں میں علم معانی وبیان اور لغت ونحو کے جواہر بکھرے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ علوم بڑے ادق اور مشکل ہیں، اسی لئے عام تو عام اوسط درجہ کے علماء بھی یہ کتابیں سمجھ نہ پائے، یہی وجہ ہے کہ تبصرہ نگار علماء کو یہ اعلان بھی کرنا پڑتا تھا کہ صرف اعلیٰ درجہ کے علماء ہی انہیں خرید سکتے ہیں، اوسط درجہ کے علماء انہیں خریدنے کی زحمت گوارا نہ کریں۔ بہت سے علماء نے ان رسالوں کو مسائل متعلقہ کے بارے میں احناف کی قوت اور ان کے دلائل وبراہین دیکھنے کے لئے نہیں منگوایا بلکہ اس لئے کہ نحو وصرف اور بدیع وبیان ومعانی پر ان کی کی ہوئی بحث وتحقیق سے حظ حاصل کریں۔

حضرت محدث کشمیریؒ کو علوم ادبیہ میں مہارت تامہ ہی حاصل نہ تھی بلکہ وہ الفاظ کی ترمیم وتاریخ سے بھی پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ درس کے دوران وہ بعض الفاظ کے معانی یا اس کی تشریح بیان کرتے بلکہ الفاظ کی شکل اور لکھنے کے ڈھنگ سے بھی بعض اوقات طلبہ کو آگاہ کرتے۔

۱؎ نفحۃ العنبر ص۱۵ فیض الباری ج اوّل

نعت گوئی

قسط ۱

عربی، فارسی اور اردو میں

از ——— مولوی ندیم الواجدی فاضل دیوبند

انسان نے ہر زمانے میں شاعری کو اپنے جذبات اپنے احساسات اور اپنے افکار کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ شعر کی تاریخ ایک قدیم تاریخ ہے انسان کی قدامت کی طرح، یہ دوسری بات ہے کہ شعر کا سانچہ ہر زمانہ میں بدلتا رہا، اور مختلف روپ، مختلف رنگ و آہنگ اختیار کرتا رہا ہے۔

عربوں کا شعر و شاعری سے لگاؤ بھی ایک قدیم تاریخی حقیقت ہے، عرب خانہ بدوش اور صحرا نورد رہے ہیں، سفران کا مشغلہ تھا، فطرت کی نیرنگیوں اور قدرت کے خوبصورت مناظر سے لطف اندوزی کے مواقع میسر تھے، عربوں میں شعری ذوق کا محرک ممکن ہے ان کا یہی مشغلہ ہو، وجہ کچھ بھی ہو مگر شعر کی طرف اسی فطری میلان کی وجہ سے عربوں میں شعر کی بڑی اہمیت رہی ہے، یہ لوگ شعر کے ذریعہ عشق و محبت سخاوت و شجاعت، عداوت اور دوستی کے قصے بیان کرتے، فخر کے رنگین اور پُر اثر ساز پر حسب و نسب اور باہمی مفاخرت کے گیت گائے جاتے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی جاتی، شعر کی اہمیت کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی قبیلے میں کوئی شاعر پیدا ہو جائے تو وہ لوگ خوشی سے ناچ اٹھتے، اور ایسی خوشی مناتے کہ شادی کی محفلوں میں بھی وہ رونق اور دھوم دھام نہ ہوتی، رقص و سرود اور کیف و طرب کے دور چلتے اور بچوں کو اس موقع پر شاعر بننے کی ترغیب دی جاتی، دوسرے قبیلے والے آ آکر مبارکباد پیش کرتے، وہ لوگ شاعری کی اس لئے بھی بے حد تعظیم کرتے تھے کہ ان کے خیال میں شاعر کسی کے وقار کو مجروح بھی کرسکتا ہے اور

عــہ ہمارے پاس مولانا وجدی الحسینی فاضل دیوبند کی سدا بہار نعتوں کا ایک مجموعہ تبصرہ کے لئے آیا جس کا نام "صبح تجلی" ہے ہم نے اپنے عزیز مولوی ندیم الواجدی صاحب کو یہ کتاب تبصرہ کے لئے دی انہوں نے نعت گوئی پر ایک اچھا اور معلومات افزا مضمون لکھ دیا جس کی پہلی قسط آج درج ہے، بقیہ قسطیں جن میں "صبح تجلی" کے مندرجات پر بھی روشنی ڈالی جائے گی، آئندہ شائع ہونگی ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے عزیز ندیم الواجدی نے محنت کرکے یہ دلچسپ مضمون لکھا۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِی عِلْمِهِمْ وَعَمَلِهِمْ

(ادارہ)

[illegible] بھی بنا سکتا ہے، عرب [illegible] لڑکیوں سے نفرت اور لڑکوں سے محبت کرنے کے پیچھے ایک جذبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ اگر لڑکا پیدا ہو گا تو وہ اپنے آباء و اجداد کے حق کا کر اپنے خاندان کا نام روشن کریگا،

جاہلی دور کے ایسے بہت سے بے ضابطہ اسکولوں کا پتہ چلتا ہے جہاں بچوں کو شعر پڑھنا اور کہنا سکھایا جاتا تھا، عرب میں شعر و شاعری کا بکثرت رواج تھا، دیوان حماسہ میں عورتوں کے بھی خوب خوب اشعار ملتے ہیں، خود اسلامی دور کے صدر اول کی مشہور شاعرہ "خنساء" کو فراموش کرنا مشکل ہے جن کے اشعار عربی ادب کی تاریخ میں آج بھی محفوظ ہیں۔

جس دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں اسے جاہلی دور کہا جاتا ہے اور اس دور کے شعراء کو الجاہلی یا [illegible] جاہلی شعراء کی فہرست میں کچھ خاص خاص نام یہ ہیں:۔ مہلہل، امرئ القیس، حاتم طائی، طرفہ، الاعشیٰ، نابغہ، اوس بن حجر، زہیر بن سلمہ، لبید، ابن کلثوم، عنترہ، ذبیانی، عبید، تابط شراً، امیہ بن الصلت، ابو کبیر وغیرہ۔

عرب جاہلی کا شعر خالص غنائی ہے، غنائی شعر کا مفہوم یہ ہے کہ غزل، فخر، مرثیہ، ہجو وغیرہ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے عربوں میں ہجار کا بے حد رواج تھا ایک دوسرے کی مذمت کرنے، برا بھلا کہنے، اور ایک دوسرے کے آباء و اجداد کے مردہ جسموں میں کیڑے ڈالنے میں انہیں کمال حاصل تھا، ایک جاہلی شاعر سموئل اپنے دو حریف قبیلوں عامر و سلول کی ہجو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ لوگ موت کو دیکھ نہیں سکتے جب کہ ہمارے نزدیک موت کوئی ذلت یا عار کا کام نہیں

وانا اناس لا نری الموت سبة
اذا ما راته عامر و سلول

اسلام کے بعد عرب شاعری کی ارت منہدم ہونے لگی تھی، اسلام نے شاعری کی ایک خاص نوعیت کو جس کا رواج اس وقت کے عرب میں تھا مہلک و عبث قرار دیا اور شعراء کی زبردست مذمت کی

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (۲۶ – ۲۲۴) — اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:۔

لأن يمتلی جوف احدکم قیحا حتی یریه خیر له من ان یمتلی فمه شعرا — کسی کا منہ شعر سے بھر جانے سے بہتر ہے کہ اس کا معدہ قے سے بھر جائے یہاں تک کہ وہ گندہ کر دے

اسلام کے اس حکم کی وجہ سے بہت سے لوگ شاعری سے منحرف ہو گئے، حالانکہ اسلام کا مقصود یہ نہ تھا کہ شعر پر مطلقاً پابندی عائد کر دی جائے بلکہ شعر کی اس نوعیت پر پابندی مقصود تھی جس سے فتنے پھیلتے ہوں، جن لوگوں نے یہ گنجائش محسوس کی انہوں نے شاعری جاری رکھی، رخ بدل دیا، ممدوح رخ اختیار کیا، مذموم رخ ترک کر دیا،

چنانچہ ایسے شعراء کی بھی ایک خاصی فہرست موجود ہے جنہوں نے جاہلیت کا دور بھی پایا اور اس کے شعری تقاضے بھی پورے کئے، اسلامی دور میں بھی شاعری کی اور اس کے مطالبوں کو پورا کیا، ایسے شعراء کو مخضرمون کہا جاتا ہے، یہ کہنا کہ اسلام شاعری کو قطعاً غیر محمود، اور عبث فعل تصور کرتا ہے، غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات اور خود صحابہ شعراء کا وجود اس بات پر نص ہے کہ شاعری علی الاطلاق عبث یا مذموم نہیں ہے، آپ کا یہ ارشاد گرامی "الشعر کلام فحسنه حسن وقبحه قبیح" فراموش نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح وہ واقعہ جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایات میں ملتا ہے کہ علاء بن الحضرمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے یہ شعر پڑھے۔

حی ذوی الاضغان تسب قلوبهم
تحیة ذی الحسنی فقد یرقع النعل

وان تصحبوا بالکری فلست کریمة
یا ابن لمیسوا منه الحدیث فلاتقل
فان الذی یؤذیك منه سماعه
وان الذی قالوا وراءك لم یقل

یہ اشعار سن کر آپ نے فرمایا: "ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحراً"

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے شاعری کا رُخ بدل دیا، جہاں عرب کی بہت سی خرابیاں ختم کی گئیں وہاں یہ خرابی بھی دور کی گئی کون سی ایسی خرابی ہے جو اُن میں موجود نہ تھی، یا کون سی ایسی قابل نفرت چیز ہے جسے وہ پسند نہ کرتے تھے شراب خوری، زنا کاری، قمار بازی، عقیدوں کی خرابی، جاہلانہ رسوم، لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی رسم وہ شاعری بھی جو اس دور میں رائج تھی اسی فہرست میں ہے بگی تفصیل میں جائے بغیر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے عرب شاعری پر حسب ذیل اثرات چھوڑے ہیں۔

(۱)۔ اسلامی دور کے شاعروں نے کفار ... پر فتح ونصرت کے اظہار کے طور پر اس فن کا استعمال کیا مسلمانوں کی شجاعت، جوانمردی اور بہادری کے قصے نظم کئے اور ان حیوانات کی تعریفیں کیں جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے

(۲)۔ اسلامی دعوت کی تائید اور اس کی اشاعت کے لئے شعر و شاعری کو ایک وسیلہ بنایا گیا۔

(۳)۔ جہاد پر ابھارنے اور ترغیب دلانے کے لئے شعر کہے گئے۔

(۴)۔ غزل فاحش، بلاحق مدح، ذم، غیر مناسب فخر، شراب اور عورت وغیرہ کے گیت بند کر دیئے گئے۔

(۵)۔ مشرکین کی ہجویں لکھی گئیں۔

(۶)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی شان میں اشعار کہے گئے۔

اسلام نے عرب شاعری میں اتنی زبردست تبدیلیاں کی ہیں اور اتنے اثرات چھوڑے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، یہ تبدیلیاں لفظی بھی ہیں، اسلوب اور معنی کی بھی۔ مخضرمین شعراء خاص طور سے صحابہ شعراء قرآن و حدیث کے الفاظ اور دینی اصطلاحات بکثرت استعمال کرنے لگے تھے۔ مثلاً نماز، روزہ، جنت، دوزخ، ثواب، عذاب، حشر و نشر، ملائکہ اور انبیاء وغیرہ کے نام، بہت سے جاہلی شعراء نے اسلام لانے کے بعد شعرگوئی ہی ترک کر دی تھی، لبید کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے بعد از اسلام صرف ایک شعر کہا ہے

الحمد لله اذ لم یاتنی اجلی
حتی اکتسبت من الاسلام سربالا

ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شعر کے بدلے سورۂ بقرہ اور آل عمران دیدی ہے۔

ہمیں یہاں اسلامی دور اول کی نعت گوئی پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہے، جو کچھ ہم نے یہاں گفتگو کی ہے وہ ہمارا موضوع نہیں مگر وہ ہمارے موضوع کے ساتھ مربوط ضرور ہے

نعت ہر زمانے میں ایک مقبول ادبی صنف رہی ہے، اس کا آغاز اسلام کے ابتدائی دور کے ساتھ وابستہ ہے بعد کے زمانوں میں اس صنف ادب کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ کوئی بھی شاعر اس سے بے نیاز نہ رہ سکا، بہترین شاعروں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی، فارسی میں سعدی، جامی، حافظ، رومی، سنائی، قدسی، نظامی، خسرو اور غالب وغیرہ، اردو میں ظفر علی خاں، محسن، مینائی، اقبال، حمید لکھنوی، اور شہیدی وغیرہ، وہ اہم نام ہیں جن کی نعتیں ادبی تاریخ کے صفحات پر دوام حاصل کر چکی ہیں۔

نعت گوئی کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

جاہلیت میں ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام حضرت حسان بن ثابتؓ کا آتا ہے، آپ شاعر رسول کے نام سے مشہور ہیں، آپ کو یہ فخر حاصل ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور خواہش پر مسجد نبوی کے منبر سے اپنے شعر سنائے ہیں، مدینے کے رہنے والے تھے، ہجرت سے پہلے غسان کے بادشاہوں کی شان میں قصیدے لکھا کرتے تھے اور ان سے بڑا انعام پایا کرتے تھے، ہجرت کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی شان میں قصائد لکھے اپنے ایک طویل قصیدہ میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

وقال اللہ قد ارسلت عبداً
یقول الحق ان نفع البلاء

چند شعروں کے بعد فرماتے ہیں؛

فمن یھجو رسول اللہ منکم
ویمدحہ وینصرہ سواء
فان ابی ووالدہ و عرضی
لعرض محمد منکم وقاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ خبر ملی کہ کسی نے حضرت ابوبکرؓ کو برا بھلا کہا ہے، آپؐ کو یہ بات ناگوار گذری، اور اس مجمع میں تشریف لے جاکر حضرت ابوبکرؓ کے فضائل دیر تک بیان فرماتے رہے، پھر حضرت حسان سے فرمایا ایسے اشعار سناؤ جن میں تم نے میری اور ابوبکر کی تعریف کی ہو، اس پر آپ نے یہ اشعار سنائے:۔

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة
فاذکر اخاک ابا بکر بما فعلا
التالی الثانی المحمود شیمته
واول الناس طرا صدق الرسلا
الثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو به إذ صعد الجبلا

کعب بن زہیر بھی ایک بڑے نعت گو شاعر تھے، ان کا طویل قصیدہ آج تک محفوظ ہے اور عربی ادب کی تاریخ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے یہ طویل قصیدہ "بانت سعاد" کے نام سے مشہور، قصیدے کا شان نزول بڑا دلچسپ ہے۔

کعب اور ان کے بھائی بجیر ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے نکلے، اتفاق سے بجیر آگے نکل گئے اور کعب پیچھے رہ گئے، بجیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اور کلام سنا تو گرویدہ ہوگئے اور اسلام قبول کرلیا، اس پر کعب بہت خفا ہوئے اور اپنے بھائی کی ہجو لکھی ساتھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی گستاخی کی

الا ابلغا عنی بجیرا رسالة
فهل لک فیما قلت ویحک هل لکا
ففارقت اسباب الهدی واتبعته
علی ای شیء ویب غیرک دلکا
علی مذهب لم تلف اما ولا ابا
علیه ولم تعرف علیه اخا لکا
فان انت لم تفعل فلست باسف
ولا قائل اما عثرت لعا لکا

جب ان کے یہ شعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے تو آپ کو بڑی ناگواری ہوئی، انہوں نے اسلام کی توہین کی تھی۔ دربار رسالت سے انہیں قتل کرنے کا حکم جاری کردیا۔ دوسری طرف بجیر نے آپ سے عفو و درگذر کی سفارش کی، وہ منظور ہوگئی، بجیر نے کعب کو چند اشعار لکھے جن میں اسلام کی عظمت بیان کی گئی تھی، اور کعب کو دنیا و دین چھوڑ کر اسلام اختیار کرنے کی تلقین بھی

من مبلغ کعبا فهل لک فی التی
تلوم علیها باطلا وهی احزم
الی اللہ لا العزی ولا اللات وحده

فتبو اذا كان الضياء فيتلم
لدى يوم لاينجو وليس بمفلت
من الناس الا طاهر القلب السليم
فذ بن زهير وهو لا شيء دينه
ودين ابي سلمى على محرم

کعب نے یہ اشعار پڑھے، اسلام کی عظمت کے قائل ہو گئے، آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی ٹھانی، اور آپ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا، اور چھپتے چھپاتے مدینے پہنچے، مسجد نبوی کے دروازے پر اونٹنی کھڑی کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ دیکھنے کے لئے بھیجا کہ کون ہے کہاں سے آیا ہے؟
کعب نے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا

لقد اتيت رسول الله معتذراً
والعذر عند كرام الناس مقبول

حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ کعب ہیں، معافی مانگنے حاضر ہوئے ہیں، مسجد نبوی میں بلائے گئے جو قصیدہ لکھ کر لائے تھے وہ سنایا، اس کا پہلا شعر ہے

بانت سعاد فقلبي اليوم متبول
متيم اثرها لم يفد مكبول

اسی قصیدہ کے یہ شعر بھی ہیں جن میں یہ امید ظاہر کی گئی ہے کہ آنحضرت مجھے معاف فرما دیں گے، مواخذہ نہیں فرمائیں گے، اور یہ کہ میں بے گناہ ہوں، دشمنوں نے میرے خلاف بہتان تراشے ہیں۔ ؎

أنبئت ان رسول الله اوعدني
والعفو عند رسول الله مقبول
لاتاخذني باقوال الوشاة ولم
اذنب وان كثرت اقاويل
مهلا هداك الذي اعطاك نافلة
القرآن فيها مواعيظ و تفصيل

جب اس شعر پر پہنچے

ان الرسول لنور يستضاء به
مهند من سيوف الهند مسلول

آپ یہ شعر سن کر بہت خوش ہوئے، انعام دیا اور ایک جبۂ (چادر) مبارک عطا کی، قصیدۂ بردہ کے نام سے یہ قصیدہ اسی لئے مشہور ہے، یہ بردہ کعب کے خاندان والوں کے پاس رہا بعد میں حضرت معاویہؓ نے ان کے خاندان والوں سے ایک خطیر رقم کے عوض خرید لیا، اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ترمیم بھی فرمائی ہے جس سے آپ کے حسن ذوق کا پتہ چلتا ہے

ان الرسول لنور يستضاء به
مهند من سيوف الله مسلول

نعت گوئی کے ابتدائی دور میں ان ہی دو بزرگوں کے نام زیادہ مشہور رہے۔ اگرچہ دوسرے صحابہ نے بھی طبع آزمائی کی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ دو شعر اسلام لانے کے بعد کہے تھے

الم تر ان الله اظهر دينه ۔۔۔ على كل دين قبل ذا لك مائل
فاسمى رسول الله قد عز نصره ۔۔۔ واسمى عداه من قتيل وشارد

اسی دور کے ایک شاعر ابودہبل الجمحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان البيوت معادن فنجاره ÷ ذهب وكل بيوته ضخم
مجلل بنعم بلا متباعد ÷ سيان منه الوفر والعدم

کعب بن مالکؓ نے یوم بدر کے موقع پر ایک طویل قصیدہ کہا اس کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

وفينا رسول الله والأوس حوله
له معقل منهم عزيز وناصر
وجمع بني النجار تحت لوائه
يمشون في الماضي والنقع ثائر

شهدنا بان الله لا رب غيره ÷ وان رسول الله بالحق ظاهر

وسیم احمد اعظمی

اسلام میں جمہوریت کا تصور

یہ دارالعلوم کے ایک ابتدائی طالب علم کا مضمون ہے جس میں ابھی خیالات وافکار کی پختگی ہے اور نہ الفاظ و معانی کا جماؤ، ہم محض طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے اسے شائع کر رہے ہیں پڑھنے والے اسے اسی نقطہ نظر سے پڑھیں (ادارہ)

اسلام میں جمہوریت کے بہت سے عناصر ہیں۔ جن میں ایک عنصر عوام کی اقتدار میں نمائندگی ہے اس نمائندگی کو ہم "مشورہ" کا نام دے سکتے ہیں، اس اصول کو قرآن نے دو آیتوں میں بیان کیا ہے "وامرھم شوری بینھم" ایک دوسری جگہ مذکور ہے "وشاورھم فی الامر"

ہمیں تاویل کے صحیح اصولوں سے تجاوز کرنے کی ضرورت نہیں. آیت کی روح کا انطباق اس مشورہ پر زیادہ ہوتا ہے جو حاکم وغیرہ کے انتخابات کے سلسلہ میں ہو۔

دوسری آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ سیاسی اور اقتصادی معاملات میں عوام سے مشورہ کیا کریں

مفکرین اسلام کا خیال ہے کہ دو چیزوں میں مشورے نہایت ہی اہمیت رکھتے ہیں (۱) حاکم کے انتخاب کے لئے مشورہ (۲) حاکم وقت کا اپنی رعیت سے ان کے معاملات میں مشورہ۔

(الف)۔ حاکم یا عہدہ دار کے بارے میں مفکرین اسلام کا خیال ہے کہ ان کی نمائندگی انتخاب سے ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ نمائندگی حاکم اور عوام کے درمیان ایک لا ثانی خرید و فروخت (معاملات) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس معاملے کو "بیعت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، [illegible] کا تعلق کو عوام کے ارادوں اور مشوروں پر چھوڑ دینے سے زیادہ بہتر طریقے سے انجام دی جا سکتی ہے۔

(ب)۔ حاکم وقت کا اپنے عوام سے مشورہ کرنا ایک ضروری چیز ہے اور قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عوام کے ساتھ باہمی مشوروں سے کام کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ خود خلفائے راشدین اور ان کے ماتحت حکمرانوں (عمال) نے بھی اس پر عمل درآمد کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی بجا آوری کے لئے پوری زندگی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جیسا کہ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتی ہیں "آپ سے زیادہ مشورہ کرنے والا میں نے نہیں دیکھا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے ہر خوشی اور غمی کے وقت مشورے فرماتے، تاریخ کے اوراق اس قسم کے بے شمار واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

غزوۂ بدر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو بدر کے کنوئیں سے دور پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا تو حضرت حباب ابن منذر ابن جموح نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا یہاں ٹھہرنے کا حکم اللہ تعالے نے دیا ہے یا آپ نے اپنے ارادے اور جنگی تدبیر و مصلحت کی وجہ سے ایسا کیا ہے؟ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ اللہ کا حکم

[illegible] ہے جو محد میں [illegible] اپنے [illegible] سے اور [illegible] مصالح کی وجہ سے پسند کیا ہے۔ تو حضرت جناب ابن منذر ابن جموح نے بتا کر یہ جگہ پڑاؤ ڈالنے کے لئے مناسب نہیں ہے، اس مشورہ پر آپؐ نے مجاہدینِ اسلام کو حکم دیا کہ وہ بدر کے کنوئیں کے پاس قیام کریں۔

پھر جب حاکمِ وقت کا اپنی رعایا سے مشورہ لینا ضروری ٹھہرا تو اب عوام کو بھی اپنے مصالح کے لئے دیئے گئے مشوروں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ مسلمانوں پر فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاکہ اسلام کے اہم احکام میں سے ایک حکم کا قیام ممکن ہو سکے۔ اور اس حکم کو ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولتکن منکم امۃ	اور تم میں سے ایک
یدعون الی الخیر	جماعت ایسی ہونا ضروری
ویامرون بالمعروف	ہے کہ خیر کی طرف بلایا
وینھون عن المنکر	کریں اور نیک کام کرنے
(۳ - ۱۰۴)	کو کہا کریں اور برے کاموں

سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہونگے

اسی وجہ سے صحابہ کرام کا ہمیشہ یہ عمل رہا کہ وہ عوام سے مشورے کر لیا کرتے تھے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اُن لوگوں کے مشورے کھلے ذہن اور فراخ دلی کے ساتھ قبول بھی کر لیتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

رحم اللہ امرأ	اللہ اس شخص کو خوش
اھدیٰ علینا عیوبنا	رکھے جس نے میرے عیوب
	سے مجھے آگاہ کیا۔

اور عوام کو بیعت کے بعد ایک مرتبہ خطبہ میں دعوت دی:

اعینونی علیٰ نفسی	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
بالامر بالمعروف	سے مجھے مدد دیجئے میری
والنھی عن المنکر	نگاہیں (جن سے میں دیکھوں گا)
واحضاری النصیحۃ	وہ نصیحت ہے جو اُن امور
فیما ولانی اللہ من	میں کی گئی ہو جو اللہ نے
امرکم	مجھے سپرد کئے ہیں۔

انہیں وجوہات اور محرکات کی وجہ سے صحابہ کرام نے عوام کے مقام و مرتبہ کو پہچانا اور انہیں ان کے مراتب سے نوازا۔

اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام سے مشورے کئے باوجودیکہ آپ کے پاس وحی آیا کرتی تھی۔

تو گویا اسلام نے عوام کی اقتدار میں نمائندگی جیسے عظیم عنصر کو پہلے ہی اپنا لیا تھا جس کو آج کی جمہوریت نے اختیار کیا ہے۔

بعض بزعمِ خود غلط قسم کے لوگوں نے اسلام کے اس شوراتی حکم کو بے وقعت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور یہاں تک کہہ ڈالا کہ یہ ایک "بیکار رسالہ" تھا اور خلفاء وقت صرف منہ چھونے کے لئے مشورے کر لیتے تھے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی مشہور ہے۔ اور یہ لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ خلفاء اپنے حاشیہ نشینوں سے مشورے کر لیا کرتے تھے اور بس!

ہم ان لوگوں کے خلاف ڈھیروں تاریخی دلائل پیش کر سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام از حد احتیاط و تدبر سے کام لیتے تھے اور عوام اور ان کی خواہشات کا مقدور بھر احترام کرتے اور ان کی گراں قدر آراء کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کرتے، روایات میں ہے کہ جب قبیلۂ ہوازن کا وفد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس بات کی گذارش کی کہ ان کے مال و متاع اور

...بیان کر دیا گیا ہے تو آپ نے اپنے طور پر تو اس کو مناسب تصور فرمایا مگر اس بات کو گوارہ نہیں کیا کہ میری رائے تمام دیگر صحابہ کی رائے سے مختلف رہے، پھر آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

" یہ تمہارے بھائی تمہارے پاس شرمندہ ہو کر آئے ہیں اور عفو و درگذر کی درخواست کرتے ہیں، میری یہ خواہش ہے کہ جنگی قیدیوں کو واپس کر دیا جائے، پس تم میں سے جو شخص اس کو پسند کرے وہ کر دے اور جو شخص اس بات کو پسند نہ کرے اس کو اختیار ہے، تو صحابہ کرام نے ایک زبان ہو کر فرمایا، یا رسول اللہ! ہمیں آپ کی خواہشات ہی زیادہ محبوب ہیں،

مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ فرمایا، مجھے یہ بات بالکل نہ معلوم ہو سکی کہ تم میں سے کون ان باتوں سے اتفاق کرتا ہے اور کس کے خیالات مختلف ہیں۔ بہتر یہ ہو گا کہ تم آپس میں مشورہ کر لو؛ تو لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے سرداروں اور معزز لوگوں سے آپس میں مشورہ کیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آ کر اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

اسلام میں جمہوریت کا دوسرا عظیم عنصر شخصی آزادی کا تحفظ اور اس کی بقاء ہے۔ مفکرین اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام کی اجتماعی زندگی میں ہر فرد و شخص کے کچھ اپنے حقوق و اختیارات ہوتے ہیں اور حاکم وقت ان افراد، و اشخاص کی اس پرائیویٹ زندگی میں مجاز نہیں ہوتا، اجتماعی زندگی میں اسلام کے نزدیک فرد کا وہی بلند مقام ہے جو خدا اس کے خالق نے عنایت کیا ہے

ولقد کرمنا بنی ادم (الآیۃ ۱۷-۷۰) — اور ہم نے آدمؑ کی اولاد کو عزت دی۔

واذ قال ربلک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ — جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔

بات لمبی نہ ہو جائے اس خوف سے ہم اسلام میں آزادی کے تصور کے ماله و ما علیه پر پوری گفتگو نہیں کر سکتے تاہم آزادی کے تین بنیادی طریقوں کا تذکرہ کرتے ہیں (۱) شخصی آزادی (۲) املاک و جائیداد کا تحفظ، (۳) مذہبی آزادی

(الف)۔ شخصی آزادی کے متعلق اللہ تعالے فرماتے ہیں

فلا عدوان الا علے الظلمین" — (ظلم صرف ظالموں پر ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کل المسلم علے المسلم حرام دمه و عرضه و ماله — ہر مسلمان پر مسلمان کا خون، سامان، اور مال حرام ہے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی ایک مقولہ اس سلسلے میں مشہور ہے،

واللہ لا یوسر احد فی الاسلام بغیر عدل — اللہ کی قسم کوئی شخص اسلام میں بلا عدل پھل پھول نہیں سکتا۔

شخصی حریت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا جسم اور اس کا وقار مجروح نہ ہو، محفوظ رہے، بلا سبب اُسے گزند نہ پہنچائی جائے، تکلیف نہ دی جائے، ظلم نہ کیا جائے، قرآن و حدیث کی نصوص اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی حریت اور شخصی آزادی کے اسی مفہوم پر ناطق ہے

(ب) جائداد و املاک کے تحفظ کے متعلق یہ صریح ارشاد موجود ہے جس میں ایک کو دوسرے کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونے سے روکا گیا ہے اور کچھ اصول بتلائے گئے ہیں

یایها الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا — اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں

[illegible] غیر بیوتکم حتی [illegible] تستانسوا وتسلموا علیٰ اھلھا ذٰلکم خیر لکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا (۲۴-۲۷-۲۸)

33515

[illegible] مکانات میں داخل ہو جب تک کہ ان سے اجازت حاصل نہ کر لو، اور اجازت لینے سے قبل ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو! یہی تمہارے لیے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو اور اس پر عمل کرو) پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (مختار اذن کی جانب سے) اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے (اجازت لینے کے وقت) یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو"

ایسی ہی دوسری بہت سی آیات اور ان گنت احادیث اس باب میں موجود ہیں جن میں انسانوں کی زندگی گذارنے کے بہت سے اصولوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، ایک دوسرے کے مال کی حفاظت پر اتنا ہی زور دیا گیا ہے جتنا زور اپنے مال کی حفاظت پر دیا گیا ہے، ہم شخصی آزادی کے ذیل میں اس قسم کی ایک حدیث بھی نقل کر چکے ہیں

(۳). عقیدہ اور فکر و نظر کی آزادی، اس کے بارے میں ہم بڑے فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں دنیا میں جتنے بھی مذاہب و ادیان پائے جاتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اس قدر مذہبی اور فکری آزادی نہیں دی جتنی کہ مذہب اسلام کے طفیل میں نصیب ہوئی، بلکہ اسلام نے تو اس سلسلے میں زبردست احتیاط برتی ہے اور کسی کو زبردستی کسی دین یا نظریہ کا پابند بنانے سے روکا خواہ وہ دین، دین اسلام ہو یا وہ نظریہ نظریۂ اسلامی۔ خود قرآن میں اس کی صراحت موجود ہے

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" (۲-۲۵۶)

دین میں زبردستی کا (کوئی موقع) نہیں (کیونکہ) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے،

ایک دوسری جگہ ہے:

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین

کیا آپ اس وقت تک لوگوں پر [illegible] دیتے رہیںگے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں

اسلام نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل کتاب کو اس بات کی کھلی چھوٹ دیدی کہ وہ اپنے اپنے دین مذہب، طور طریقہ کے مطابق عبادت کریں، ہاں اتنا ضرور پیش نظر رہے کہ اس میں کسی مذہب کے ساتھ مذاق اور اس کی اہانت نہ ہو۔

فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ذمی کو اذیت پہنچائی گویا انھوں نے مجھے اذیت پہنچائی ایک دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں، جس شخص نے کسی معاہد کو تکلیف پہونچائی یا اس کو ایسے کام کا حکم دیا جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسے شخص سے میں قیامت کے روز مخاصمہ کروں گا۔

تاریخ کے اوراق عفو و درگذر کی کوئی بھی ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں جیسا کہ عفو و درگذر مؤدت و رحمت کا معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل ایلیاء کے ساتھ کیا تھا، حتی کہ ان کی عزت و آبرو، مال و دولت، اور عبادت گاہوں سبکو کالعدم قرار دیدیا گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ" ان کی عبادت گاہوں میں قیام نہ کرو انہیں مسمار مت کرو، ان میں تخریب نہ کرو، ان کے مال و متاع تلف مت کرو اور ان کے مذہب کی اہانت ہرگز مت کرو۔

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تاریخ کے صفحات میں ایسے لوگ خال خال ہی ملیںگے

باقی صـ۲۳ پر دیکھئے

باب المسائل

بیمہ کرانا جائز ہے یا ناجائز

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ موجودہ دور کے حالات آپ بخوبی جانتے ہیں، معمولی بہانہ بناکر، قومی تعصب پھیلا کر فساد برپا ہوتے رہتے ہیں جس میں مسلمان اقلیت کو جانی مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے اسلئے بیمہ کمپنی سے جان اور مال کا بیمہ کراتے ہیں،

آپ سے معلوم کرنا ہے کہ کیا جان اور مال کا بیمہ کروانے کی از روئے شرع اس کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو خاص شرائط کے ساتھ یا بغیر شرائط کے۔ تفصیلی جواب سے نوازیں جزاکم اللہ احسن الجزاء

الجواب وباللہ التوفیق

جس خطہ یا ملک کے حالات ایسے خراب ہوجائیں کہ بغیر بیمہ کے تحفظ مشکل ہوجائے تو وہاں اس تحفظ کے لئے بیمہ کی گنجائش شریعت مطہرہ کیطرف سے بوجہ اس مجبوری کے ہوجاتی ہے ورنہ بیمہ میں قمار و ربا دونوں پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں حرام ہیں۔ اور اسی وجہ سے بیمہ میں اپنے جمع کئے ہوئے مع سود رقم سے زائد جو رقم ملے اس کا بغیر نیت ثواب مسلم غرباء و مساکین پر تصدق کردینا بھی واجب ہوتا ہے اور چونکہ ایسے خراب حالات اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے آتے ہیں کما قال "اعمالکم عمالکم" اس لئے استغفار کثیر کرتا رہے اور اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر میں بھی رہے اور دعا بھی بدرگاہ رب العزت کرتا رہے کہ اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرمادیجئے اور ہمارے اعمال و کردار صحیح فرماکر اس مخمصہ سے نجات بخشدیجئے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر.... نظام الدین غفرلہ

دارالعلوم دیوبند۔

بینک کا سود

محترم السلام علیکم

ہمارے کچھ مسائل ہیں ہم مشکور ہونگے اگر آپ ان مسائل کے سلسلہ میں ہماری رہنمائی کریں۔

(ا)۔ بینک میں ہماری کافی رقم جمع ہے کس طریقہ سے ہم وہ رقم قوم کے فائدہ کے لئے صرف کریں۔ ہمیں ایسا خیال ہورہا ہے کہ بینک ہماری یہ رقم اپنے مقاصد کے لئے استعمال کررہا ہے جیسے عیسائی، یہودی، رومن کیتھولک مذاہب کی ترقی کے لئے اور اُس کے ادارے اسی کے لئے سود ادا کرتے ہیں

(ب) کیا ہم اس روپیہ سے کوئی گھر ہوسٹل کے لئے یا ڈائننگ ہال اس مقصد کے لئے خرید سکتے ہیں

[illegible]

(۲)۔ جماعت کے پاس جو زائد رقم ہے کیا جماعت پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے؟

(۳)۔ ہم اپنے علاقہ میں عمارت بنانا چاہتے ہیں۔
(۱)۔ مسجد۔ (۲) اسکول۔ (۳) مدرسہ
(۴)۔ مولانا کا مکان۔ (۵)۔ ہال

جناب ہمارے پیش نظر یہ بہت بڑے کام ہیں کیا یہ فنڈ خرچ کیا جاسکتا ہے۔؟؟

براہ مہربانی اس پر غور فرمایئے اس کا جواب جلد دیجئے

سکریٹری بے ہاسم

پریذیڈنٹ روم مسلم جماعت (جنوبی افریقہ)

الجواب وباللہ التوفیق

(۱)۔ الف

حاصل ترجمہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقوم جو بینک میں جمع ہیں یہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ مسلم جماعت وسوسائٹی کی اکٹھا کی ہوئی اور ادارہ کی رقمیں ہیں اور بینک والے ان رقموں کو اپنے مفاد میں غلط طور سے بلکہ اسلام دشمن مفاد میں استعمال کر کے اس پر سود بھی لیتے ہیں،

پس اگر ایسا ہے تو اس سے متعلق شرعی حکم میں تفصیل یہ ہوگی کہ ان رقموں میں جو رقم زکوٰۃ کی یا صدقۂ فطر وچرم قربانی کی قیمت وغیرہ صدقات واجبہ کی بینک میں جمع ہیں ان رقوم کو مسلم غریب بے سہارا بیواؤں کو اور غریب ویتیم بچوں کو ان کے کھانے کپڑے اور تعلیمی اخراجات وغیرہ کے لئے دیں۔ اور ایسے دینی مدارس کو دیں جن میں غریب ونادار طلباء کو کھانا کپڑا دیا جاتا ہو، ان غریب نادار طلباء کے کھانے کپڑے اور تعلیمی اخراجات کے لئے دیں، اسی طرح [illegible] مسلم غریب طلباء اور بچے جو بوجہ غربت تعلیم حاصل [illegible] کرنے سے قاصر ہیں، انکو بطور [illegible] تعلیمی اخراجات کے لئے دیں اور ایسے پریشان حال قرضداروں کو قرض ادا کرنے کے لئے دیں جو قرض کے بارے اس طرح دبے ہوئے ہیں کہ قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور۔۔۔ اگر قرض ادا کر دیں تو مفلس وقلاش ہو جائیں، ایسے غریب بے روزگار کو دیں جو روزگار کر کے گذر بسر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اس رقم سے کوئی روزگار کر کے اپنا زندگی کا سہارا کر لیں،

ایسے غریبوں محتاجوں کو دیں جو بال بچے والے بھی اور بے گھر وبے ٹھکانا ہیں تاکہ وہ لوگ گھر تعمیر کر کے اس میں اپنے بال بچوں کی تعلیم وتربیت کر سکیں، اور ایسے علماء ومشائخ کو دیں جو علوم دین کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے کمانے کھانے کا موقعہ نہیں پاتے اور غریب ومحتاج رہتے ہیں۔

غرض زکوٰۃ وغیرہ ایسی رقوم کو جو واجب التصدق ہیں، ایسے مسلم غرباء ومساکین کی ملک وقبضہ میں بطور صدقہ کے پہونچا دینا ضروری ہے جو مصرف زکوٰۃ ہوں، خود مالک نصاب نہوں اور جہاں تک جلد ہو سکے ان کی ملک میں پہونچا دیں تاکہ ادائیگی واجب میں تاخیر نہ ہو قوم کی زکوٰۃ کا مال جمع رکھنا اور خرچ کرنے میں دیر کرنا ٹھیک [illegible] بات ہے اور اگر ایسے محتاج وغریب مصرف زکوٰۃ مسلمان فوراً نہ ملیں تو ایسے دیندار اور بادیانت مسلمانوں کے حوالہ کریں کہ وہ صحیح طریقے سے زکوٰۃ ادا کر دیں، انکو دیتے وقت بتا دیا جائے کہ یہ رقوم زکوٰۃ کی ہیں ان کو زکوٰۃ کے صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے۔ اور

سوال (ب) کی طرح ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ ان رقوم سے سونے کے سکے، ڈلے، بھی اسی نیت سے خرید کر رکھ سکتے ہیں کہ جب جب مصرف زکوٰۃ مسلمان ملے گا ان کو دیتے رہیں گے اور ان رقوم پر جو زکوٰۃ وغیرہ کی ہیں، واجب التصدق ہیں، ان پر خود مالکانہ تصرف کرنا جائز [illegible]

اسباق النحو

از مولانا اسعد اللہ صاحب
کتابت و طباعت : صاف
صفحات : اٹھاسی (۸۸)
قیمت : دو روپے پچیس پیسے (۲/۲۵)
ملنے کا پتہ : مصطفائی کتب خانہ، سالم اینڈ کمپنی۔ دیوبند۔ یوپی

"نحو میر" جو فن نحو کی ایک قدیم کتاب ہے اور اس فن کے مہمات پر پوری طرح حاوی، اسی کی توضیح و تشریح اس رسالہ میں پیش کی گئی ہے۔

مصنف ایک کہنہ مشق استاذ، درسیات کے ماہر، اور عربی کے ہفت خواں کو کامیابی کے ساتھ طے کئے ہوئے مدرس ہیں۔ ان کا یہ قلمی افادہ، طلباء اور علماء کے لئے یکساں مفید ہے۔

۸ کا تاریخی عدد

سید محبوب رضوی

عباسی خلیفہ "معتصم باللہ" کے ساتھ ۸ کا عدد خاص تعلق اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے

(۱) - خلفائے عباسیہ میں یہ آٹھواں خلیفہ تھا۔
(۲) - اپنے باپ ہارون الرشید کا آٹھواں فرزند ہے۔
(۳) - حضرت عباس رضی کی آٹھویں پشت میں تھا۔
(۴) - اس کی ولادت شعبان کے مہینہ میں ہوئی جو ہجری تقویم میں آٹھواں مہینہ ہے۔
(۵) - اس کا طالع برجِ عقرب ہے جو آٹھواں برج ہے۔
(۶) - خلافت عباسیہ پر ۸۸ سال گزرے تھے جب وہ تخت خلافت پر متمکن ہوا۔
(۷) - اس وقت معتصم باللہ کی عمر ۱۸ سال تھی۔
(۸) - معتصم باللہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ۸ جنگیں لڑیں۔
(۹) - ۸ سال، ۸ ماہ، اور ۸ دن اس کی مدت حکومت ہے۔
(۱۰) - انتقال کے وقت اس کی عمر ۴۸ سال تھی۔
(۱۱) - اس کی اولاد میں ۸ لڑکے اور ۸ لڑکیاں تھیں
(۱۲) - جب اس کا انتقال ہوا تو خزانے میں ۸ کروڑ درہم چھوڑے

۸ کے عدد کی اس خصوصیت کے باعث تاریخ میں اس کو مثمن (ہشت پہلو) کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

نعتِ نبی اکرم ﷺ

جناب عزیز حسن عزیز مرادآبادی

سرِ زماں و مہر مکاں مظہرِ جمال
اے تیری ذات باعثِ عرفانِ ذوالجلال

اے جانِ نو بہار یہ گلشن تجھی سے ہے
ہر حسن گویا اک ترا پرتو جمال

معمور تیرے عشق سے ہے ساری کائنات
ظاہر میں ماہ و مہر ہیں باطن میں ہیں بلالؓ

دنیائے دل میں پرتوِ رخ سے ترے سحر
ہے بہرِ روح چشمۂ حیواں ترا مقال

ذمہ گر ثبات و یقیں اور ترے مطیع
اللہ کی نظر میں ہیں محبوب و خوش خصال

ہے بندگی فریب جو تو درمیاں نہ ہو
راہِ کمالِ بندگی ہے بس ترا وصال

اشارات [illegible]

اشفاق احمد انصاری رامپوری ثم الدیوبندی

خطرۂ رسوائی ہے فریاد و نالہ ہی نہ کر
رنج ناکامی سے ڈرتا ہے تمنا ہی نہ کر

یا نظر کی وسعتوں میں سارا عالم گھیر لے
یا نظر کو مائلِ ذوقِ تماشا ہی نہ کر

یا تو ہر نظارۂ فطرت سے کوئی درس لے
یا تماشا کتنا ہی رنگیں ہو دیکھا ہی نہ کر

یا تو حق کو حق سمجھ باطل کو باطل کر یقین
یا پھر اپنی معرفت پر ناز بیجا ہی نہ کر

یا ثبوتِ تشنگی دے اپنے ہر انداز سے
یا برائے بادہ ساقی سے تقاضا ہی نہ کر

یا تو ایسے پی کہ افشا ہوں رموزِ کائنات
یا خیالِ میکشی و جام و مینا ہی نہ کر

یا سرِ افلاک پیدا کر کچھ ایسے غمگسار
یا پھر اپنا نالہ ہمدوشِ ثریا ہی نہ کر

یا تو دل میں منکر دیں بھی ہو غم دنیا کیا
یا زباں سے اپنے ذکر [illegible]

وائف دارالعلوم دیوبند

بیت المقدس کی واگذاری اور فلسطینی عربوں کی آزادی ہمارا متمنیٰ اور مقصد ہے

یہ ہے وہ پیغام جو حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے تنظیم آزادی فلسطین کے نمائندہ مقیم دہلی جناب نفحی عبدالحمید کو مبارک باد عید کے جواب میں روانہ فرمایا ہے، جناب نفحی عبدالحمید صاحب نے اپنے مطبوعہ خط میں ہندوستان کے پرخلوص تعاون اور حمایت کا شکریہ ادا کیا تھا، جواب میں حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے تحریر فرمایا کہ:

عربوں کے ساتھ ہمارے قلوب وابستہ ہیں اور ان کی آزادی ہمارا متمنیٰ اور مقصد ہے، ہم ہر وقت دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیت المقدس اور فلسطین کو غاصبین سے آزاد کر کے اہل حق کو ان کا حق واپس دلا دے، ہم عربوں کے حق میں دعا کرنا اپنا مذہبی ایمانی، اور اخلاقی فریضہ تصور کرتے ہیں، اور ہر ممکن مدد اور تعاون کا جذبہ رکھتے ہیں، فلسطینی عوام اور ان کی نمائندہ جماعتوں تک دارالعلوم دیوبند کی یہ آواز پہونچا دی جائے۔

حضرت مہتمم صاحب کی اپیل پر مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کی رہائی

[illegible] کو حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے وزیراعظم محترمہ اندرا گاندھی کی خاص دعوت پر پارلیمنٹ ہاؤس میں ملاقات کی تھی، اس ملاقات کے موقع پر اہم ملکی اور ملی مسائل پر گفتگو ہوئی۔ اسی سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب نے وزیراعظم سے کہا کہ مسلم یونیورسٹی کے گرفتار طلبہ کو رہا کر دیا جائے، وزیراعظم نے طلبہ کی رہائی کے معاملہ میں قانونی دشواریوں کا ذکر کیا، حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ میری رائے میں وزیراعظم کو طلبہ کی فوری رہائی کے سلسلہ میں فیصلہ کن اقدام کرنا چاہئے۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کی بھی یہی رائے ہے کہ طلبہ کی رہائی سے حالات پر اچھا اثر پڑیگا،

چنانچہ پرائم منسٹر صاحبہ نے حضرت مہتمم صاحب کی رائے کا احترام کرتے ہوئے، مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کو رہا کر دیا۔

حضرت مہتمم صاحب نے پرائم منسٹر صاحبہ کے اس اقدام پر اپنے اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا ہے، حضرت مدظلہ نے پرائم منسٹر کے نام تار میں یہ لکھا ہے:۔

"مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کی رہائی سے ہم سب کو بیحد خوشی ہوئی، یہ اقدام شکریہ کا مستحق ہے آپکے اس فیصلہ سے خیر سگالی کے جذبہ کو تقویت پہونچے گی، میں اپنی طرف سے اور جماعت دارالعلوم کی طرف سے آپ کا شکر گذار ہوں"

جلسہ سالانہ جامعہ اسلامیہ عربیہ بھوپال

بھوپال یکم جنوری۔ امسال بھی جامعہ اسلامیہ عربیہ مسجد



خوراک
ضائع نہ کریں
دوسرے کئی لوگوں کو خوراک کی ضرورت ہے
گھروں، پارٹیوں، ہوٹلوں اور
کلبوں میں کھانا ضرورت کے مطابق
ضائع نہ کریں

خصوصی عقیدت تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور مجاہدین آزادی کے علمار کرام کے صد درجہ قدرداں تھے جنوب کے مرکز علم و عرفان خانوادۂ اقطاب ویلور کے دل سے مداح اور مدرسہ باقیات صالحات ویلور کی مجلس انتظامی کی رکنیت پر اُن کو ناز تھا مدرسہ کے اندر اردو داں طلبار اور ضلع شمالی آرکاٹ کے طلبار کی ایک معیاری تعداد کے داخلہ کے خواہشمند تھے وہ ایک اچھے تاجر تھے۔ اس کے ساتھ وانمباڑی مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی معیار اور اس کے بنیادی کردار کو باقی رکھنے میں مرحوم نے بھرپور کوشش کی شہر کی قدیم ابتدائی تعلیمی درسگاہ مدرسۂ اعظم کی اس شان کے ساتھ حفاظت مرحوم نے فرمائی کہ اس کو سرکاری نصاب کے ماتحت کر دینے کے باوجود مرکزی دینی تعلیمی بورڈ کے اصول پر پوری جرأت کے ساتھ دینی تعلیمی شان کو باقی رکھنے کا سامان مہیا کر دیا مدرسہ معدن العلوم کے روایتی طرز تعلیم کو علوم جدیدہ کے مقابلہ میں کامیاب کرنے والوں کے حق میں ایک عمدہ مشیر ثابت ہوئے، انجمن خیر خواہ عام کے شعبۂ بیت المال اور مدرسۂ نسواں کے جملہ سماجی اور علمی کاروبار میں ایک اچھے کارکن کی حیثیت سے دخیل رہے۔ دین کے لوازمات اور اس کے بنیادی عقائد کے مخالف گروہ سے ملت کے نوجوان طبقہ کی حفاظت کا جذبہ ان کے پیش نظر رہا الخلق عیال اللہ کے وسیع اور ہمہ گیر نظریۂ انسانیت پر شہر کے گھر سے مختلف سہ مسائل میں اصلاح ذات البین مرحوم کی عام مصروفیت تھی۔

مسلم یونین شہر کے ایک ثقافتی ادارہ کی نظامت عمومی کے بعد اس کی تعمیر جدید اور اس میں صالح علم و ادب کی۔۔ نصابی کتب، امت کے اسلاف کی تصنیف کے ذریعہ ملت کے تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ کے ذہنوں کی صفائی کا جذبہ دل کے اندر موج زن رہا شہر کی باوقار متدین شخصیتوں میں ایک اور شخصیت اپنے دور میں ممتاز حیثیتوں کی مالک گذری ہے جن سے شہر اور بیرون شہر مستفیض تھا، میاں حاجی محمد زکریا صاحب بیک وقت انجمن خیر خواہ عام، مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی مدرسہ معدن العلوم، یتیم خانہ اہل اسلام اور مدرسہ باقیات صالحات ویلور جیسے دینی اور ملی اداروں کی سرپرستی کے علاوہ لیڈر مرچنٹس ایسوسیشن کی کل ذمہ داری بھی انہیں کے ذمہ تھی انجمن کے بیت المال میں ضرورتمند مسلمانوں کی امداد کا سالانہ سلسلہ جاری تھا اپنے مشیر خصوصی حاجی عبدالسبحان صاحب گندو کی تحریک پر ایک نو شہر کی نو آبادی کی مسجد کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا اور ۱۹۵۲ء میں پہلی مرتبہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح قدس سرہٗ کی ان علاقوں میں تشریف آوری کے موقعہ پر شہر کی طرف سے پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، میاں منزل حضرت کے قیام کی وجہ سے بقعۂ نور بنی ہوئی تھی حضرت اقدس نے شہر کے علمی اور ملی اداروں خاص طور پر مدرسۂ نسواں کی طالبات کا تعلیمی معائنہ فرمانے کے بعد اپنے رفیق حضرت مولانا محمد عبدالمجید خاں نیگنوری خلیفہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی اس علمی جائداد کی خدمات پر مسلمانان ہند کی طرف سے شکریہ ادا فرمایا۔

جناب حاجی عبدالرحیم صاحب نٹی کار مرحوم ایک صوفی منش دولت مند بزرگ نے شہر کے دینی اداروں اور خاص کر مسجدوں کی بھرپور خدمت کی اور اپنی ذاتی آمدنی کے لئے جائدادیں وقف کیں، علم نوازی اور علمار سے خصوصی تعلقات کی بنا پر اپنی کاروباری ذمہ داریاں کو اپنے صاحبزادوں کے حوالے کر کے علمی خدمات میں لگ کر اپنی عمر کا بقیہ حصہ گذار کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

شہر کے اندر اس صدی میں جن اکابر علمار کرام نے دارالعلوم دیوبند کے طرز فکر و اصلاح کے تحت اپنی دینی خدمات کو جاری رکھا ان حضرات کی خدمات اور تربیت سے

(باقی ص ۹ پر دیکھئے)

بلاوہ آپ نے حالتِ جذب میں ملازمت ترک کردی تھی کیونکہ نواب دولت خاں لودھی کو بھی آپ سے بڑی محبت و عقیدت تھی اور وہ بھی ایک مسلمان تھا۔

(۵) گورو نانک جی کی شادی کے موقعہ پر رائے بولار اور نواب دولت خاں لودھی دونوں نے روپیہ پیسہ اور ضروری سامان سے پوری پوری مدد کی اس سے بھی دونوں کی محبت و عقیدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

(۶) جب ۱۵۲۶ء میں شہنشاہ بابر نے ایمن آباد (سید پور) پر حملہ کر کے اس کو فتح کرلیا تو اس کے سپاہی نانک جی کو بھی پکڑ کر بابر کے پاس لے گئے۔ بابر آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور آزاد کرنے کے بعد درخواست کی کہ آپ جو چاہیں مجھ سے طلب کریں اس پر آپ نے جو جواب دیا اس سے آپ کی شان بے نیازی اور توکل علی اللہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ؎

ایمان دیا اک خدائے   جس کا دیا ہر کوئی کھائے
بندے کی جو لیوے اوٹ   دین دُنی میں تا کو توٹ
کہہ نانک سن بابر میر   تجھ سے مانگے سو احمق فقیر

(نانک پربودھ ص۱۶۶ بحوالہ رسالہ بلدہ ۲۰ نومبر ۶۹ء)

البتہ ایک نیک خواہش کا اظہار کیا جو بجائے اپنے مخلوق کے لئے فائدہ کی تھی یعنی یہ کہ قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ خواہش کی تعمیل میں قیدیوں کو رہا کر دیا گیا، بادشاہ نے عدل و انصاف سے حکومت کرنے اور گدی کا احترام ملحوظ رکھنے کا وعدہ کیا آپ نے بابر بادشاہ کو دعا بھی دی تھی کہ تیری سلطنت بہت دنوں تک چلے گی۔ غرضیکہ بابر بھی آپکی بزرگی سے متاثر تھا

(ملخص از تہاس گورو صاحبان ص۹۹ نیز گورومت سدھاکر ص۳۰)

(۷) حضرت گورو نانک صاحب کے سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رہنے والا بھی ایک مسلمان تھا وہ آپ کے بچپن کا ساتھی مردانہ میراسی تھا۔ بھائی گورو داس جی لکھتے ہیں۔ ؎

بابا گیا بغداد نوں باہر جائے کیا استھانہ ÷ اک بابا اکال روپ دوجا ربابی مردانہ
(وار ۱ پوڑی ص۳۵)

بھائی مردانہ کا آپ کے ہمراہ سفر ہی میں انتقال ہوگیا اور اس طرح اس نے حق رفاقت و ارادت ادا کر دیا آپ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے عمر بھر کے ساتھی کا گور و کفن کیا۔ غرض کہ آپ کا ہمسفر بھی آپ کا معتقد ایک مسلمان ہی تھا۔

حضرت بابا جی زندگی بھر مسلمان درویشوں اور فقیروں کے ہمسوار رہے۔ آپ کی مجلس جن مسلمان صوفیا و صلحاء سے رہی ان میں پیر جلالؒ، میاں مٹھاؒ پانی پت کے شاہ شرف الدینؒ، پیر عبدالرحمٰنؒ بابا بڈھن شاہؒ، تلونڈی کے سید شاہ حسینؒ ملتان کے درویش ولی قندھاریؒ بغداد کے پیر شیخ مرادؒ، مدینہ کے بزرگ قاضی رکن الدینؒ اور پاک پٹن کے فرید ثانی شاہ ابراہیمؒ نمایاں ہیں۔ آپنے دوران سفر اجمیر شریف، ملتان اور بغداد میں چلہ کشی کی ملتان میں گورو جی نے جس جگہ چلہ کشی کی وہاں بطور نشانی لفظ اللہ اپنے ہاتھ سے لکھا جو اب بھی دیکھا جاسکتا ہے (ملاحظہ ہو چشمۂ معرفت ص۳۳۵)

گورو نانک جی ایک عرصہ تک بغداد میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہے ان کی چلہ کشی کی یادگار وہاں ابھی بدستور قائم ہے ایک معزز خاتون راحیل شروانیہ اپنے سفر نامہ میں لکھتی ہیں۔:

"ہم کاظمین سے واپس ہوتے ہوئے بغداد کے ایک قبرستان میں گئے وہاں ایک چار دیواری کے اندر تین گنبد میں ایک گنبد میں حضرت جنید بغدادیؒ اور سری سقطیؒ استراحت فرما ہیں۔ گنبد کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد ہے دوسرا گنبد حضرت یوشع بن نونؑ کا ہے اس کے قریب ہی تیسرا گنبد بہلول دانا کا ہے اسمیں مقبرہ کے اندر ایک حجرہ کا دروازہ ہے اسمیں ایک عجیب چیز گورو نانک کا چلہ ہے یہاں انہوں نے چار ماہ تک چلہ کشی کی، یادگار کے بطور یہاں ایک کتبہ موجود ہے جو شکستہ حالت میں ہے۔ بہت کوشش سے میں نے اتنا نکالا۔ عبدالمجید گورو نانک ۹۱۷ھ"

(ملاحظہ ہو سفر نامہ راحیل شروانیہ ص۳۱ بابا نانک شاہ ص۲۶ از مولانا احتشام الحسن مرحوم کاندھلوی) اس کتبہ سے گورو نانک جی کے اصل نام کا پتہ چلتا ہے۔ اسلامی ممالک میں آپ اسی نام سے مشہور و متعارف تھے ورنہ چلہ کشی کے بعد خانہ کعبہ تک نہ پہونچ سکتے اسلئے کہ غیر مسلم کے لئے حرم محترم میں داخلہ پر

(باقی ص۹ پر دیکھئے)